راج ترنگنی
حصہ دوم
مترجمہ
ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ

مکمّل

راج ترنگنی

جلد دویم

مکمّل

راج ترنگنی

جلد دویم

سنسکرت کی مشہور عالم تاریخی کتاب کا اُردو ترجمہ
جو قدیم فرمانروایان کشمیر کے مفصّل حالات کا خزینہ
اور تاریخ ہند کا سب سے زیادہ قیمتی ماخذ ہے

مترجمہ

ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ

لائٹ اینڈ لائف پبلشرز
۲۴۲۸ تلک اسٹریٹ، پہاڑ گنج
نئی دلّی ۱۱۰۰۵۵
ریذیڈنسی روڈ، جموں توی ۱۸۰۰۰۱ جموں اینڈ کشمیر

پہلا آفسیٹ ایڈیشن ۱۹۷۹ء

ناشر: لائٹ اینڈ لائف پبلشرز
بی۔ ایل۔ پرنٹرز سی ۳/۱۹ رانا پرتاپ باغ دِلّی ۱۱۰۰۰۷
نے سورن پرنٹنگ پریس میں چھپوایا۔

مکمّل

راج ترنگنی

جلد دویم

سنسکرت کی مشہور عالم تاریخی کتاب کا اُردو ترجمہ
جو قدیم فرمانروایان کشمیر کے مفصّل حالات کا خزینہ
اور تاریخ ہند کا سب سے زیادہ قیمتی ماخذ ہے

مترجمہ
ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ

فہرست مضامین راج ترنگنی جلد دوئم

جلد دوم

آٹھویں ترنگ

سری گنیش آینمہ

چراچر (ساکن اور متحرک) کے مالک (شوجی) کی اردہنگی پاربتی ہماری سہاتیا کرے۔ وہ پاربتی جس کے نصف حصہ میں شوجی نے جو سب کے افعال سے واقف ہیں اپنے تمام قدیمی خادموں[۶۴۰] مثلاً بوڑھے چیمبر لبنوں (سانپوں) سن رسیدہ نادیہ (بیل) اور کبڑے چاند (ہلال) کو باوجودیکہ وہ پورے پورے معتبر تھے باہر چھوڑ کر رہنا اختیار کیا ✣

---

۶۴۰ شوجی کو پاربتی کے ساتھ اردھنا الیشور کے طور پر ظاہر کرنے میں بائیں نصف حصّہ کو جو پاربتی کا ہے شوجی کی معمولی علامات اور متعلقات مثلاً ہلال اور سانپوں وغیرہ کے بغیر دکھایا گیا ہے (دیکھو ترنگ ۱ و ۳ کے تمہیدی شلوک) اس بارے میں مصنف اس بات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ شوجی اپنی پیاری

راجہ اوچل

سنہ ۱۱۰۱ء تا سنہ ۱۱۱۱ء

کچھ عرصہ تک تو نئے راجہ نے غصہ یا رحم کسی ایک کو بھی ظاہر نہ کیا جس طرح بلوئے جانے سے پہلے سمندر میں سے امرت یا زہر دونوں میں سے کوئی بھی نمودار نہ ہوا تھا۔ جس طرح آندھی اور خشک سالی بادلوں کو برسنے سے روکتی ہیں ویسے ہی ابتدا میں کچھ عرصہ تک اس کے بھائی اور ڈامروں کی جمعیت نے جو دونوں بے حد نخوت کا اظہار کرتے تھے اسے اپنی شخصیت ظاہر کرنے سے روکے رکھا۔ چونکہ اِس کا بھائی بباعث شباب اپنے کاموں اور برتاؤ میں نہائت لاپرواہ تھا اس لئے رحم دِل راجہ اس کے ساتھ جو تھوڑا بہت عزت کا برتاؤ کرتا تھا وہ منبع تکالیف ثابت ہوتا تھا۔ تسلسل کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر وقت تلوار ہاتھ میں لئے ہاتھی پر سوار گھوما کرتا تھا۔ اور جس طرح سورج زمین کی نمی کو کھینچ لیتا ہے۔ ایسے ہی ملک کی تمام قیمتی چیزوں کو لوٹتا پھرتا تھا۔ اس نے راجہ سے کہا۔ جب یہ ڈامر جمع ہوں تو اُن سب کو آگ کے

استری سے تمام مذکر جان داروں کو جو ہر چند کہ اُس کے معتبر متعلقین ہیں احتیاط کے ساتھ پرے رکھنا چاہتے ہیں۔ عام طور پر بوڑھے چیمبرلینوں۔ خواجہ سراؤں اور لولے لنگڑوں کو رنواس میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ اصل عبارت میں جو لفظ کنچکین استعمال ہوا ہے وہ چونکہ ذو معنی ہے اس لئے سانپ شوجی کے چیمبرلین کی حیثیت میں دکھائے گئے ہیں۔ اور چندر مان (ہلال) کو جسے کبڑا خیال کیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں

ذریعہ فناہ کر دو"۔ لیکن راجہ نے جو سراسر نیکی پر عامل تھا اس نصیحت کو منظور نہ کیا +

چور وزیر اور باجگذار والیان ریاست۔ بھائی ہر وقت تخت غصب کرنے کے لئے آمادہ۔ ملک خزانہ سے خالی غرض کونسی مصیبت تھی جو اس راجہ کو پیش نہ تھی ؟ اس نے اپنے بھائی کے اعزاز کو اس طرح برقرار رکھا۔ کہ ایک راجہ کے طور پر اسے تاج پہنایا۔ اور اس کے بعد جُداگانہ طور پر علاقہ لوہر پر حکومت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جب وہ اس جگہ جانے لگا تو اپنے ساتھ ہر چیز مثلاً ہاتھی۔ اسلحہ۔ پیادے گھوڑے مشیر وغیرہ لے گیا لیکن اس کے بڑے بھائی نے اُس پیار کی وجہ سے جو اسے اِس کے ساتھ تھا اس پر اعتراض نہ کیا۔ چونکہ اسے اندیشہ تھا کہ قلعہ کوٹ بھرتیہ کے سپاہی داخل ہونے وقت میرا مقابلہ کرینگے اسلئے وہ اپنے ساتھ اُتکرش کا ایک بیٹا پرتاب نامی لے گیا۔ اور ان لوگوں کو بدیں الفاظ مخاطب کیا۔ "میں اس راج کمار کو راجہ بنانا اور خود دوارپتی بننا چاہتا ہوں"۔ نواحات کے والیانِ ریاست اس طرح عاجزی کے ساتھ راجہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ گویا وہ اس کے نوکر تھے +

چونکہ سڑک اس کے تعاقب کرنے والوں کے لئے ایک ہفتہ بھر بند رہی اس لئے اس اثناء میں گویئے کنک کو فراری کا موقعہ مل گیا اور دُنیا سے

کے ضمن میں لیا گیا ہے جن کا کوئی عضو موجود نہ ہو۔ شوجی کے بیل کے لئے جو لفظ "جردورورش" استعمال ہوا ہے اُس کی بجائے اگر جردورش ور استعمال ہوتا۔ تو ایک تیسری لطافت پیدا ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ور ورش کے معنے خواجہ سرا کے ہیں ظاہر ہے کہ مصنف کا منشا اس دوہری لطافت کو قائم کرنے کا تھا۔

عاجز آکر اس نے دار الشی میں اپنے پران تیاگ دیئے۔ہرش کے نوکروں میں صرف یہی ایک ایسا شخص تھا جس نے ممنونیت کا اظہار کیا۔جس طرح صندل کا درخت سانپوں کو اپنی شاخوں کے ساتھ لپٹنے کی اجازت دے دیتا ہے ایسے ہی دیانت دار اوچل نے اپنی رحم دلی سے چوروں (دسیو) کو اس کی سابقہ خدمات پر نظر رکھتے ہوئے اعلیٰ عہدوں تک ترقی حاصل کرنے دی اس زمانہ میں جنک چندر اس قسم کی نخوت کا اظہار کیا کرتا تھا۔کہ راجہ اور دوسرے ڈامر اس کے روبرو بالکل بے حقیقت معلوم ہوتے تھے +

ہرش کے بیٹے بھوج کا راجہ ابھے[۱۶۳] والئے اُرشہ کی دختر رانی وبھومتی کے بطن سے ایک بیٹا تھا۔چونکہ اس کے پہلے دو تین بیٹے بچپن میں مر چکے تھے۔ اس لئے گوروں نے اس کی درازی عمر کا خیال کرکے اسے بھکشاچر (بھکاری) کا حقیر نام دیا۔اس لڑکے کی عمر دو سال کی تھی۔اور گو اس لحاظ سے کہ اسکے ذریعہ دشمن کی نسل قائم تھی اس کے ساتھ دشمن کی طرح سلوک کرنا چاہیئے تھا۔تاہم راجہ نے جنک چندر کے مشورہ سے اسے محفوظ رکھا۔اور اپنی رانی کے حوالہ کر دیا۔لیکن جنک چندر اس بات کا ارادہ رکھتا تھا۔کہ اس لڑکے کو اپنے قابو میں لاکر اس کے نام سے خود حکومت کی جائے اوچل نے اس کی منشا کو بھانپ لیا اور بڑی چالاکی سے کام لیا۔یہ سوچ کر کہ یا تو

---

[۱۶۳] ارشہ کے راجہ ابھے کا ذکر قبل ازیں ترنگ ۷ کے شلوک ۵۸۰ میں آچکا ہے ہندوستان میں یہ طریقہ عام ہے۔کہ ایک لڑکے کے مرنے کے بعد جو دوسرا بچہ پیدا ہو اس کا کوئی فضول سا نام رکھ لیا جاتا ہے۔اس وہم کی ابتدا اس بات سے معلوم ہوتی ہے۔کہ اگر کوئی اس قسم کا نام رکھا جائے تو بچہ اثرات بد سے محفوظ رہتا ہے۔اس قسم کے ناموں پر کرنیل ٹمپل صاحب نے اپنی کتاب "پروپر نیمز آف

ڈامر ایک برابر والے کے عروج کو دیکھنا برداشت نہ کرکے اس کے دشمن بن جائیں گے۔ یا اس بہت بڑے اعزاز کی بدولت وہ خود دیانت دار بن جائیگا۔ اس نے اسے دوارپتی کا عہدہ دے دیا۔ اس پر بھیما دیو اور باقی تمام ڈامروں میں جنک چندر سے ناراضگی پیدا ہو گئی +

جب ان کی باہمی رقابت بدرجہ انتہا پہنچ گئی تو دونو کے ہمراہی ایک دوسرے سے شرط بد کر لڑنے لگے۔ راجہ نے پل پر ان دونوں کی لڑائی دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور گو اس کے مشیروں نے اسے روکے رکھنا چاہا تاہم وہ چار ستونوں والے گنبد (چتشکیکا) پر چڑھ گیا۔ اگرچہ ابتدا میں فرداً فرداً لڑائی شروع ہوئی تھی۔ مگر دونو طرف کے ڈامر غصہ میں آکر بڑی تیزی سے لڑنے لگے۔ لڑائی پل پر جانے والے راستوں پر شروع ہو چکی تھی کہ جنک چندر کے سپاہیوں نے دریا کے کنارہ سے راجہ کی طرف تیروں کی بوچھاڑ شروع کی سنسناتے ہوئے تیر راجہ کے جسم کو چھوتے ہوئے گزرے اور ستونوں میں لگ کر اس طرح ہلتے ہوئے دیکھے گئے۔ گویا بڑے جوش میں حرکت کر رہے ہیں اس کے ہمراہیوں نے جبراً بازو سے پکڑ کر راجہ کو پیچھے کھینچ لیا۔ اور اس کے ہمراہ کمرہ کے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا +

اب جنک چندر اور بھیما دیو نے معہ اپنے آدمیوں کے گنبد کے اندر ایک دوسرے کے قتل کے لئے تلواریں کھینچ لیں۔ اثنائے جنگ میں کال پاش

پنجابیز" کے صفحہ ۲۲ پر پورے طور سے بحث کی ہے۔ اس جگہ ڈاکٹر گریرسن کے جمع کردہ علاقہ بہار کے ناموں کی جس فہرست کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں ایک نام بھکھر یعنی فقیر کے آتا ہے۔ جو لفظ بھکشاچر سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ اس بارہ میں دیکھو نوٹ ۵۳ کتاب ہذا ترنگ ۸ شلوک ۱۰۸۵۔

کے بیٹے ارجن نے جو بھیما دیو کا بڑا جوشیلا پیرو تھا - جنک چندر کے جسم میں چھُری بھونک دی - جب آخرالذکر نے اپنے آپ کو مجروح ہوتے دیکھا تو غصّہ میں آکر راجہ کے کمرے کے دروازے پر اِس خیال سے لاتیں ماریں کہ راجہ نے ہی اس دغابازی کا پہلے سے انتظام کر رکھا تھا - مگر دروازہ نہ ٹوٹ سکا - اور جب وہ ڈرتا ہوا غسل خانہ (سنان درونی) میں جا گھُسا تو بھیما دیو اسے مارنے کے لئے خنجر کھینچ کر دوڑا +

جنک چندر کا قتل یہ دیکھ کر بھیما دیو کے خانگی محاسب نے جو ایک ستون کے پیچھے چھپا ہوا تھا تلوار مار کر جنک چندر کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے - مارنے کے بعد بھی چونکہ اسے کسی نے نہ دیکھا اس لئے اس نے اپنی تلوار سے اس کے چھوٹے بھائیوں گرگ اور سد کو بھی جو بھاگے جا رہے تھے زخمی کیا +

بجلی جب کسی درخت پر گرتی ہے تو زیادہ دیر تک خود بھی نظروں میں نمایاں نہیں رہتی - ایسے ہی وہ کارہائے نمایاں کرنے والا آدمی بھی کسی بہت بڑے دشمن کو نیچا دکھا کر اپنی جگہ پر زیادہ دیر تک موجود نہیں رہتا اس طرح پر جنک چندر ہرش کی موت کے پورے ڈیڑھ ماہ بعد دو بہادوں[٦٤٣] والے مہینہ میں کام آیا - اس کے ایسی جلد مرنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس نے اپنے آقا کے ساتھ جو اس کا مہربان تھا - دغابازی

---

[٦٤٣] کلہن اس جگہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہرش کے انتقال کے سال یعنی لوکک سمت ۴۱۷۷ مطابق ۱۱۰۱-۲ء میں قمری سال میں ایک زائد مہینہ ماہ بہادوں کے قریب واقعہ ہوا تھا - جس سے اُس سال اس نام کے دو مہینے شمار کئے گئے تھے کننگھم صاحب نے اپنی کتاب "انڈین ایراز" کے صفحہ ۱۷۳ اور مسٹر سیول اور

کرنے کا بہت بڑا گناہ سرزد کیا تھا ✦

راجہ اس معاملہ میں اگرچہ اپنے دل میں تو خوش تھا۔ تاہم بظاہر اس نے رنج اور غصہ کا اظہار کیا۔ اس پر بھیما دیو فرار ہو گیا۔ مگر گرگ کا اعتبار راجہ پر قائم رہا۔ راجہ نے گگ کو اس غرض سے لوہر بھیج دیا کہ وہاں اس کا زخم مندمل ہو جائے۔ اور دوسرے خوف زدہ ڈامروں کو بھی اِن کے اپنے اپنے علاقوں میں بھجوا دیا ✦

اس طرح حکمت عملی اور علانیہ تشدد کے ذریعہ اپنی سلطنت کو چوروں (دسیو) سے پاک کر کے راجہ اوچل کو بتدریج اطمینان قلب حاصل ہوا جونہی اس نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ حریص راجہ نے کرمراجیہ کے ڈامروں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنے سواروں اور فوجوں کو موقوف کر دیں۔ اس کے بعد وہ مدوراجیہ پہنچا۔ اور کالیہ اور دوسرے ڈامروں کو جو بغاوت کے خواہش مند تھے سولی دلوائی۔ مناسب موقعہ پا کر اس نے طاقتور اندراج کو بھی جس نے شہر میں اپنی طاقت اور جمعیت کے ساتھ حملہ کر کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا تباہ کر دیا ✦

معلوم نہیں سابقہ جنم کی محبت کی وجہ سے یا دُور اندیشی کے باعث راجہ کو گگ کے ساتھ اس قدر محبت ہو گئی۔ گویا کہ وہ اِس کا بیٹا تھا یہ راجہ

وکشت نے اپنی کتاب انڈین کیلنڈرز کے تمہیدی صفحہ ۵۲ پر جو جدول درج کئے ہیں ان میں اس سال کے لئے بہادوں کو بطور زاید مہینے کے دکھایا ہے۔ جس سے کلہن کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے

جیسا کہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۷۱۷ سے واضح ہوتا ہے ہرش کی موت بھادوں سدی ۵ کو واقع ہوئی تھی۔ چونکہ کلہن اُس جگہ صرف بہادوں کا مہینہ

جو اپنی رعایا کی نگرانی کرتا - اور تشدد کا ایک لفظ بھی سُننا گوارا نہ کرتا جب گگ سے کوئی خطا سرزد ہو جاتی تو اُس وقت ذرا بھی ناراض نہ ہوتا تھا۔

آغاز حکومت میں جب راجہ نے دانا بھیما دیو سے مفید نصیحت پوچھی تھی تو اُس نے اسے دو نصیحتیں کی تھیں - جنھیں اب وُہ کلمات سحر کی طرح یاد رکھتا تھا۔

اوچل کی حکومت اس کی ایک نصیحت کے بموجب وہ علی الصبح اپنے رنواس سے نکل کر شام کے وقت تک دربار میں اِس غرض سے موجود رہتا : تاکہ معلوم کرے کہ لوگ کیا کچھ کہتے ہیں دوسری کے بموجب وہ ہر وقت محنت کے لئے تیار رہتا - اور دشمن کا لفظ بھی سُن پاتا تو خواہ آدھی رات ہی کیوں نہ ہو فوراً وہاں پہنچ کر بغاوت کو فرو کر دیتا تھا - یہ راجہ دوسرے راجاؤں کی نسبت زیادہ استقلال اور دانائی رکھتا تھا - اِس کا چال چلن بالکل بے عیب تھا - اور اِس پر حرص کا داغ تک نہ تھا - ایک بُرے حکمران کے عہد حکومت کی داستان بیان کرنے

لکھتا ہے اس لئے ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اس کی مُراد معمولی ماہ بھادوں کی شکل پکش کی پانچویں تاریخ سے ہے - سورج سدہانت کے قاعدے کے مطابق جو آج کل بھی کشمیر میں مستند تسلیم کی جاتی ہے یہ پکش زائد مہینے کے بعد واقع ہوتا ہے - جسے اِس صورت میں دوتیا بھادر پد کہا گیا ہے - دیکھو کتاب "انڈین ایراز" صفحہ ۱۹۱ اور انڈین کیلنڈر صفحہ ۳۰ - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنک چندر کی موت کاتک بدی ۵ کو واقعہ ہوئی ہوگی -

کلہن نے اس موقعہ پر چونکہ زاید مہینے کا ذکر کیا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے راجاؤں کے سنین حکومت عام طور پر صحیح قایم کئے گئے ہونگے +

سے جو پاپ ہوا ہے ۔ اُدچل کے شریفانہ چال چلن میں جو دریائے گنگا کے پانی کی طرح پاک کرنے کی صفت رکھتا ہے ۔ غوطہ دینے سے میری نظم کو پاک کر دیگا ۔ ہر چند کہ اس کے وسائل (انگ) غیر مکمل تھے ۔ تاہم اس نے انُورو[۶۴۳] ثانی کی طرح اس گہری تاریکی کو بالکل دور کر دیا ۔ جو سچائی کو تسلیم کرنے کی راہ میں حائل پائی جاتی ہے ۔ چونکہ اس نے اس بات کا عہد کر رکھا تھا کہ اگر کوئی شخص پرایئو پولیش کرتا ہُوا مر جائیگا تو میں بھی خودکشی کر لونگا ۔ اس لئے جج بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے ۔ اگر یہ نیک دل راجہ کسی مصیبت زدہ شخص کی آہ وزاری سُن پاتا تو اسے سخت تکلیف ہوتی تھی ۔ اور وہ خود اپنے آپ کو سزا دینے سے بھی نہ رکتا تھا ۔ اگر کسی اہلکار کی خطا کے باعث کوئی شخص آہ و نالہ کرتا ۔ تو خشم ناک راجہ اس اہل کار کے رشتہ داروں کے آہ و نالہ کے ذریعہ اسے بند کرا دیتا تھا ۔ چونکہ راجہ ہمیشہ کمزوروں کی مدد کا خواہشمند رہتا تھا اس لئے ہر جگہ اہل شہر طاقت ور اور افسر کمزور تھے ۔ وہ اکیلا سوار ہو کر نکلتا ۔ اور اگر لوگ بے خبری کے عالم میں اس کے کسی عیب پر نکتہ چینی کرتے اور وہ سُن لیتا ۔ تو بہت جلد اس عیب کو چھوڑ دیتا تھا ۔ ہر طرح پر اس کی حضوری مفید ثابت ہوتی تھی ۔ اور خواستگاروں کے لئے وہ کلپ برکش کا درجہ رکھتا تھا ۔ وہ اپنے دوستانہ الفاظ اور مہربانانہ عطایا کے ذریعہ امرت کی بارش کرتا رہتا تھا ۔ اور چونکہ ملنسار طبیعت رکھتا تھا اس لئے تفریحی مقامات

---

۶۴۳ انُورو جس کے معنے ایک ایسے شخص کے ہیں جو جانگھ نہ رکھتا ہو سورج کا رتھ بان ہے ۔ اُسے راجہ سے مشابہت دیگئی ہے کیونکہ اس کے بھی انگ غیر مکمل ہیں ۔

میں بھی بغیر ہمراہیوں کے نہ رہتا تھا۔ جو لوگ اس کے لئے کام کرتے تھے اپنے اپنے کاموں میں پوری محنت کیا کرتے تھے۔ اور اگر موقعہ پڑے تو بوقت شب بھی اسے ان کے تین تین چار چار مرتبہ اسکے پاس آنے میں عذر نہ ہوتا تھا۔ دوسروں سے خدمات لینے کے ساتھ ہی وُہ مہربانی سے اُنہیں اُن کا معاوضہ یا انعام دیدیا کرتا تھا غرض کون تھا جس کے لئے وہ مداریوں کے اُس درخت کا درجہ نہ رکھتا تھا۔ جو فوراً اگ آتا ہے۔ اور جس میں دیکھتے دیکھتے پھل لگ جاتے ہیں؟ جب اسے رعایا کی کسی مصیبت کی خبر ملتی تو وہ دوسرے کام دھندے چھوڑ کر ان کی تکالیف کو ویسے ہی دُور کرتا تھا جیسے باپ اپنے بیٹوں کی کرتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ اسے اس قدر محبت تھی کہ وہ اپنے اناج کے ذخیرے[۶۴۴] سستے داموں فروخت کر کے قحط کو ابتدا ہی میں روک دیتا تھا۔ وہ اس قدر رحم دل تھا کہ اس نے چوروں کو بھی لوٹ مار کی زندگی سے مستغنی کر دیا۔ اور انہیں محافظ خزانہ مقرر کر کے ان کی زندگیاں بے عیب طریقہ پر بسر کروانے لگا۔ اسے ہر وقت اس بات کا خیال لگا رہتا تھا کہ کس شخص کو میری امداد درکار ہو سکتی

[۶۴۴] اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ جیسا تھوڑی مدت گزری اس وقت تک ہوتا رہا ہے ہندؤں کے زمانہ میں اس وادی کے اندر مالگذاری زیادہ تر جنس میں ہی وصول کی جاتی تھی۔ سرکار کی طرف سے اناج کا ذخیرہ شہر اور قصبات کی غیر کاشت کار آبادی کو معینہ نرخ پر فروخت کرتے تھے۔ جس کا اثر زمانہ حال کی طرح اناج کی قیمتوں پر بہت کچھ پڑتا تھا۔ کسی اچھے راجہ کے عہد حکومت میں اس طریقے سے یہ فائدہ حاصل ہوتا تھا کہ وقت بے وقت فصل خراب ہو جانے

ہے۔ اور کس کے علاقہ سے مصائب کو دور کرنا ہے۔ جاسوسوں کے ذریعہ وہ ہر بات کی نسبت تیقن حاصل کر لیتا تھا۔ اس راجہ کی ایک بہت بڑی نیکی یعنی دولت سے استغنا اپنی دوسری ہمراہی نیکیوں کی صورت میں کونپلیں نمودار کر رہی تھی۔ ہر چند کہ اخلاقی طور پر انتظام برقرار رکھنے کے لئے وہ ان لوگوں کو جرمانہ کرتا تھا جو سزا کے مستحق ہوتے تھے۔ لیکن اس جرمانہ کے عوض وہ اُن سے روپیہ نقد نہ لیتا تھا۔ تاکہ میں ان کی چھوت سے ناپاک نہ ہو جاؤں۔ بلکہ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اُن سے اس کے معاوضہ میں کوئی نیک کام کروا لیتا تھا اگر وہ کسی سوالی کو کوئی چیز ایک بار دینے کا وعدہ کرتا تو اس وعدہ کو وہی چیز ہزار بار دیکر ایفا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جس طرح مانگنے والوں کو یہ کہتے سُنا جاتا ہے "۔ مجھے دینا مجھے دینا"۔ ایسے ہی اس فیاض راجہ کو یہ کہتے سُنا جاتا تھا " اسے دینا۔ اسے دینا"۔ کوئی چیز جو وہ دیتا بغیر فیاضی کے نہ دیتا تھا۔ اور نہ تاخیر کے ساتھ۔ نہ کم مقدار میں۔ نہ بغیر مہربانی کے اور نہ اُس حالت میں کہ اس کا نصف حصہ اہلکار یا اردلی وغیرہ ہی اُڑا جائیں۔ بخلاف ایک درخت کی تصویر کے جو محض منقش ہونے کے باعث کوئی پھل وغیرہ نہیں دیتی وہ (دوسروں کے)

پر قحط کو دور کیا جا سکتا تھا۔ یہ امر بدیہی ہے۔ کہ یہ طریقہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے کشمیر میں اُس سے بہت مدت پہلے کا مروج ہے جتنا بعض مصنفوں نے ظاہر کیا ہے۔ ان حالات کے متعلق جن میں زمانہ حال میں مالگذاری بصورت جنس وصول کی جاتی رہی ہے۔ دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۴۰۹۔

خوشی کے موقعوں پر لوگوں کو مصیبت میں پاکر اُنہیں تسکین دینے کے لئے یا ان کے کاموں میں امداد پہنچانے کے لئے عطیات دیا کرتا تھا۔ جس طرح اندر قران السعد میں سیاروں کے ایک دوسرے سے ملنے کے موقعہ پر خوب بارش کرتا ہے ایسے ہی وُہ شیو راتری اور دوسرے تہواروں کے موقعہ پر لوگوں کو بے حد انعام واکرام دیا کرتا تھا مجالس وغیرہ میں پان دینے اور تہواروں کے متعلق ایسی دھوم دھام میں راجہ ہرش نے بھی اس کے برابر فراخ دلی سے کام نہ لیا تھا۔ ہر چند کہ جب وہ تخت شاہی پر قابض ہوا تو خزانہ میں مٹی کے ڈھیلوں کے سوا اور کچھ نہ تھا تاہم اس نے اس انتہا کی فیاضی دکھائی کہ جس پر عمل کرنا کبیر کے لئے بھی مشکل تھا۔ ہر چند کہ وہ ایک کشمیری تھا تاہم اس نے عمارات کو بنا اور مسمار کر کے یا گھوڑے خرید کر اپنی دولت بار بار زمین یا چوروں پر صرف نہ کی۔ ہر کام میں مصروف رہ کر اور ہر بات میں دل و جان سے کوشش کر کے اس نے تمام معاملات کے متعلق پوری واقفیت حاصل کر لی۔ اور رعایا کا رُوح رواں بن گیا۔ بیمار برہمنوں کو اِس کی طرف سے ایک راجہ کے کھانے کے قابل کھانا اور دوا ملا کرتی تھی اور جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہوتا انہیں اس کی طرف سے گذارہ ملتا تھا

شلوک ۶۲۵ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۰ سے واضح ہوتا ہے اس جگہ مراد ان مقدس وغیر مقدس عمارات سے ہے جو بو تھ شیر میں شو بھوتیشور کے قدیم مندر کے گرد بن گئی تھیں۔ اس مقدس مقام اور اس کے کھنڈرات کے متعلق دیکھو نوٹ ۲۰ و ۳۵۶ کتاب ہذا۔ سٹاین صاحب لکھتے ہیں کہ جب ماہ اگست ۱۸۹۱ء میں میں نے ان کھنڈرات کا معائنہ کیا تو مجھے بعض علامات

سرادھ کے موقعہ پر یا اس وقت جب گرہن۔ دم دار ستاروں وغیرہ کا اثر نحس دور کرنے کے لئے یگ کئے جاتے تھے۔ وہ برہمنوں کو ہزارہا گائیں۔ گھوڑے۔ سونا اور عطیات دیا کرتا تھا۔

اوچل کا مندروں کو بحال کرنا

نندی کشیتر[۶۴۵] کا سارا شہر جو اسکے عہد حکومت میں یکایک آگ لگ جانے سے جل گیا تھا۔ اُسے اس نے نئے سرے سے پہلے کی نسبت بھی خوشنما تعمیر کروایا۔ اس عابد راجہ نے جسے منہدم عمارات کی بحالی کا بہت شوق تھا چکر دھر[۶۴۶] یوگیش اور سویمبھو کی مشہور عمارات کو مرمت کرا دیا۔ راجہ ہرش نے پریہاسپور سے جو پریہاس[۶۴۷] کیشو نامی وشنو کی مشہور مورتی اٹھوائی تھی اس کے بجائے اس نے وہاں ایک ویسی ہی مورتی استھاپن کرا دی۔ اس راجہ نے جو حرص و ہوا سے پاک تھا تربھون سوامن نامی وشنو کے مندر کو اس ننکاولی (طوطے خانہ) سے مزین کیا جسکا ذکر قبل ازیں آچکا ہے۔ اور جسے ہرش نے اٹھوا لیا تھا اس نے اس تخت کو جو اختیارات شاہی کی علامت ہے ازسرنو بنوایا جسے جیاپیڈ نے حاصل کیا تھا اور جو راجہ ہرش کے زوال کے موقعہ پر آگ سے خراب ہو چکا تھا۔

اس قسم کی نظر آئیں جن سے ساف طور پر واضح ہوتا تھا کہ اُن میں زمانہ مابعد میں بحالی کی گئی ہے۔ چنانچہ ان میں مصالح بھی ادنےٰ درجہ کا استعمال کیا ہوا تھا بالخصوص مندروں کے پہلے یا مغربی مجموعے میں اس قسم کی مرمت کو اس شلوک کی سند پر اوچل سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آگے چل کو نہ تو راج ترنگنی اور نہ بعد کی تاریخوں میں اس قسم کی کسی بحالی کا ذکر موجود ہے۔

راجہ کو رانی جیمتی سے اس قدر محبت تھی۔ کہ اسے نصف حصہ تخت پر بیٹھنے کا نادر حق حاصل تھا۔ ہر چند کہ وہ ایک معمولی خاندان کی عورت تھی۔ تاہم اس نے اپنے کسی فعل سے رانی ہونے کے وقر میں فرق نہ آنے دیا۔ وہ اپنی مہربانی۔ خوش اطواری۔ فیاضی۔ نیکوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور دانائی کے دیگر صفات مثلاً بے یار و مددگار اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کی صفت سے موصوف تھی۔ حالانکہ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ عورتیں جن سے راجہ کو بے حد پیار ہو اپنے حسن کی مفتونیت کے ذریعہ اپنے مزاج کے وسیلہ سے شیطان کی طرح رعایا کو تباہ کر دیں۔

اہل کاروں کے خلاف کارروائی

راجہ اوچل میں جسے اپنی رعایا سے محبت تھی۔ اور جو ہمیشہ حرص و ہوا سے پاک رہتا تھا ایک اور خوبی تھی۔ جو اس کی تمام نیکیوں پر تفوق رکھتی تھی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ وہ ہر وقت اس شلوک کو یاد رکھتا تھا۔

۲۴۶؎ وشنو چکر دھر کے قدیم مندر کے متعلق جو بحالت موجودہ تکدر میں واقعہ ہے۔ دیکھو نوٹ ۱۶ کتاب ہذا۔

نیل مت پران کے شلوک ۱۱۳۸ میں یوگیشن کا لفظ وشنو کے نام کے طور پر پایا جاتا ہے۔ لیکن کسی دوسری جگہ اس نام سے اس دیوتا کے متعلق بنائے ہوئے کسی اور مندر کا ذکر نظر نہیں آتا۔ لیکن ممکن ہے۔ کہ اس شلوک میں جس مندر کا حوالہ دیا گیا ہے یہ وشنو یوگ شاین کا وہی مندر ہے جس کا ذکر ترنگ ۵ کے شلوک ۱۰۰ میں پایا جاتا ہے۔ اور جو دریائے وتستا اور سندھ کے مقام اتصال پر واقع ہے۔

"اہلکار[۶۴۸] حقیقت میں لوگوں کو مارنے کے خواہش مند۔ بدی کے شائق۔ دوسروں کی جائداد لوٹنے والے۔ بدمعاش اور شیطان ہوتے ہیں۔ اور راجہ کا فرض ہے۔ کہ وہ رعایا کو ان سے محفوظ رکھے"

اس روائتی نصیحت پر صدق دل سے یقین کرکے اس نے کاٗستھوں کی بیخ کنی کر دی۔ واقعہ میں لوگوں کو تیزی سے مارنے والے صرف امراض ہیضہ۔ قولنج اور دل کی حرکت بند ہونا ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اہل کار بھی رعایا کے لئے بمنزلہ طاعون ہوتے ہیں۔ کیکڑا صرف اپنے باپ اور دیمک اپنی ماں کو مارتی ہے لیکن ناشکرا کاٗستھ با اختیار ہوکر ہر شخص کو تباہ کر دیتا ہے۔ اگر کوئی بڑا آدمی کاٗستھ کو ترقی دے کر اسے صاحب عزو وقار بناتا ہے۔ تو وہ بدمعاش بیتال[۶۴۹] کی طرح اسی کو بلاحیل و حجت قتل کر ڈالتا ہے۔ عجیب بات ہے۔ کہ زہریلے درخت کی مانند اہلکار بھی جس زمین پر اُگتا ہے وہ اس قسم کی ہو جاتی ہے کہ وہاں تک کوئی رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ ان بدمعاشوں کو راجہ نے ہر جگہ

اگنی سویمبھو یعنی خود پیدا شدہ آگ کی پرستش کے متعلق دیکھو نوٹ ع۱۲ کتاب ہذا۔ سٹاین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے نہ تو اس مقدس مقام اور نہ ہی ہوم کے پاس والے گاؤں میں قدیم عمارات کے کھنڈر نظر آئے ہیں۔

۶۴۷ یہ ہابس کیشو کی چاندی کی مورتوں کے ہرش کے ہاتھوں توڑے جانیکا ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۴۴ میں آچکا ہے۔ نیز دیکھو نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس شلوک میں کسی نئی مورتی کی ساخت کی طرف اشارہ ہے۔ جو قد اور مصالح کے اعتبار سے کسی طرح بھی پورانی کے برابر نہ ہوگی

تنزل۔ برخاستگی اور قید کے ذریعہ دبا دیا۔ اس نے مہاتما سہیل اور
دوسرے بہت سے اہل کاروں کو برخاست کر دیا۔ اور جیل خانہ میں
انہیں بھنگ کے کپڑے پہنائے۔ بھوت بھشچ کو تذلیل کے لئے اس نے
اور اس کی بیوی نے ایک تماشہ گر کی طرح کھیلیں کرنے اور ایک
ڈوم سپاہی کی مانند بھاگتے پھرنے پر مجبور کیا۔ کون تھا جسے اس کے
لمبے جسم۔ بندھی ہوئی ڈاڑھی۔ عجیب وغریب پگڑی۔ ہاتھ میں برچھی۔ اور
گھٹنے اور کولھے بندھے ہوئے دیکھ کر ہنسی نہ آجاتی تھی؟ ایک اور اہل کار
کے ساتھ جسے فاحشہ عورتوں سے بہت دلبستگی تھی اس نے یہ سلوک
کیا کہ اپنے روبرو گویوں۔ فاحشہ عورتوں اور خوشامدیوں کے ساتھ اسکے
سر سے نقالانہ حرکات کرواتے ہوئے نچوایا اور گانے پر مجبور کیا۔ ایک
اور کا آدھا سر منڈوا کر اور باقی ماندہ بالوں کو سیندور مل کر اس نے
اسے ننگا کر کے چھکڑے سے جوت دیا۔ چونکہ اہل کاروں کو مٹی کی ہانڈیاں
بجانی پڑتی تھیں۔ اور ان کے سروں کو ایک مضحکہ خیز طریق پر آراستہ
کر دیا جاتا تھا اس لئے اس بے عزتی کی حالت میں لوگوں میں انکے
حقارت آمیز نام مشہور ہوگئے تھے۔ ان میں سے بعض جنہیں انکے
عہدوں سے برخاست کر دیا گیا تھا ہر روز رات کے وقت بھیک
مانگتے پھرا کرتے تھے اور بے حد میلے چیتھڑوں میں ڈھکے ہوئے نظر
آتے تھے۔ بعض نے جو بے فائدہ بڈھے ہو چکے تھے یہ سوچ کر کہ علم

شلوک ۸۴ یہ شلوک منوسمرتی کے ادھیائے ۷ میں نمبر ۱۲۳ میں پایا جاتا ہے۔ لیکن
الفاظ میں کسی قدر فرق ہے۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کلہن کو جو کچھ
زبانی یاد تھا وہ اس نے درج کر دیا ہے۔

بھرج پتر کی طرح حاصل ہو سکتا ہے بچوں کی طرح کسی اُستاد کے گھر میں پڑھنا شروع کر دیا۔ ان میں سے بعض بازاری گداگروں کی حیثیت میں معہ اپنے بچوں کے باواز بلند اور الحاح وزاری کے لہجہ میں بھجن گاتے پھرا کرتے تھے۔ اور علی الصبح لوگ انہیں دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ بعض نے ملازمت حاصل کرنے کے لئے اپنی ماں۔ بہن بیٹی اور بیوی تک صاحب اقتدار لوگوں کو دینے سے فرق نہ کیا۔ ان میں سے بعض جوتشیوں سے اپنی راس خواب۔ فال اور علامات کے اثرات پوچھ پوچھ کر انہیں تنگ کیا کرتے تھے۔ جو قید خانہ میں تھے ان کے چہرے مرجھائے ہوئے۔ ڈاڑھی کے بال بے اندازہ بڑھے ہوئے۔ جسم دبلے پتلے اور اُن کی ٹانگوں میں زنجیر کھٹکھٹاتے تھے اور ان سب ہاتوں کے اعتبار سے وہ بھوت معلوم ہوتے تھے۔ جب راجہ نے ان لوگوں کی نخوت کی علامات دور کر دیں تو اس وقت اُن کی آنکھیں کھلیں۔ اور وہ اپنے رشتہ داروں کو شناخت کرنے لگے۔ اور رو رو کر ستوراج[۶۵۰] جیسے ستوتروں کو جو کہ مہابھارت وغیرہ کتابوں میں درج ہیں پڑھنے

۶۴۹ اس شلوک کے پہلے نصف حصہ میں جو الفاظ مذکور ہیں۔ وہ بیتال پر بھی صادق آسکتے ہیں جیسے کوئی جادوگر اپنی مرضی کا تابع بناتا ہے۔ لیکن وہ آخرکار اُسے ہی نگل جاتا ہے۔ جیسا کہ کتھا سرت ساگر وغیرہ میں بہت سی کہانیوں میں پایا جاتا ہے۔

۶۵۰ ستوراج جس کے معنی خاص بھجن کے ہیں خاص خاص دیوتاؤں کی تعریف میں۔ مہابھارت۔ پوران وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو مہابھارت میں "بھیشم ستوراج" اور "مہاپرش ستوراج" اور بھوشو

اور درگوتارنی ودیا کے منتر کا جاپ کرنے لگے ۔ غرض اس طرح پر اس راجہ کے عہد حکومت میں بدکار کائستھ مدامی مصیبت کے کنوئیں میں غرق ہوتے دیکھے گئے ۔ اس کی وجہ یہ تھی ۔ کہ وہ بدامنی پھیلانے والوں کے ساتھ صلح کر کے ۔ بڑی بڑی زمیں دے کر اور نادر اور نایاب کھانے حاصل کر کے دوسرے راجاؤں کی طرح اس دانا راجہ کو بھی دہوکا نہ دے سکتے تھے ۔ راجہ نے دانائی سے ان رعایا کے دشمنوں کو اُن پر مختلف دیانت دار نگرانی کرنے والے مقرر کر کے مدامی طور پر اپنے زیر اختیار کر لیا تھا +

"جس طرح بھونیش کا شہر جو آگ سے جل گیا تھا آپ کے زیر اختیار بہت جلد اپنی سابقہ عظمت کو پہنچ گیا ہے ایسے ہی اے راجہ اوچل آپ اس اپنے شہر کو آرام و راحت دے سکیں ۔ جسے کائستھ شاہی رشتہ دار ۔ نامناسب قواعد (کلپیتی؟) وزرا اور پرایو لوشن نامی پانچ آگیں تباہ کر چکی ہیں"۔

جب فاضل سورتھ نے شو رانتری کے موقعہ پر یہ شلوک پڑھا تو راجہ نے

پوران میں "گنیش ستوراج"۔

درگوتارنی ودیا کے معنی اس علم کے ہیں جو خطرات پر غالب آنے میں مدد دیتا ہے ۔ یہ غالباً کسی تنتر کا نام ہے ۔ یا شاید درگا مہاتم کا کوئی دوسرا نام ہے ۔

لـ۶۵ـہ اس جگہ جو قصہ بیان کیا گیا ہے ۔ اس کا مقابلہ اُس خلاصے کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جو جولی صاحب نے "ریکٹ انڈسٹ" نامی کتاب کے صفحہ ۱۰۲ پر جمع کی ، قوم کے متعلق ہندوؤں کے قانون کے بارہ میں دیا ہے میز ہیول

اسے اپنا چیف سپرنٹنڈنٹ بنانے پر اصرار کیا۔ ہر چند کہ یہ شخص اپنے منصب کے فرائض سے نابلد تھا تاہم اس نے کچھ عرصہ تک اپنے نیک طریق عمل کے ذریعہ نیکوں کو ست یگ کا زمانہ یاد کروا دیا۔ یہ باعظمت راجہ ظالم کائستھوں کی بہت جلد سزائیں دیا کرتا تھا۔ اور اس کی اس خوبی کی داناؤں کے دلوں میں بہت قدر تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ سزا کے فواید سے باخبر ہیں۔ وہ ادنے نسل کے گھوڑوں۔ کائستھوں۔ آسیب زدہ لوگوں اور دشمنوں کو سزا دینے میں تاخیر کی سفارش نہیں کرتے۔ وجہ یہ کہ انہیں اگر دیر میں سزا دی جائے۔ تو وہ سزا کے خوف سے اثنائے سزا میں سزا دینے والے پر ہی تباہی لاتے ہیں۔ اس راجہ کو لوگوں کا یہاں تک خیال تھا کہ جن مجرموں کو وہ سزا دیتا ان کے بیٹے بیویوں۔ دوستوں۔ اور رشتہ داروں کو بالکل ضرر نہ پہنچاتا تھا۔ اس نے لوشٹ دہر اور دوسرے سازشیوں کو عبرت ناک سزائیں دیں اور اس طرح پر بُرائی کا راستہ ہی بند کر دیا +

جس طرح جنین کو اپنے وہ ارادے جو اس نے رحم کے اندر رہ کر کئے ہوں پیدا ہوتے ہی بھول جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ تخت حاصل کر کے بالعموم اپنے سابقہ ارادوں کو بھلا دیتے ہیں۔ لیکن اُچل نے تخت پر بیٹھکر کسی بھی ایسی بات کو نہ بھلایا جس کا اس نے پہلے سے اچھا یا بُرا ارادہ کیا ہوا تھا۔ اور اس لحاظ سے وہ اس شخص سے مشابہ تھا جو اپنے سابقہ جنم سے واقف ہو +

اور دوسری قانونی کتابوں میں جمع کردہ رقوم میں خیانت ہو جانے کے متعلق جو مفصل حوالے دیئے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تصرفات جن کی

اگر اس نے پہلے سے کسی دشمن کو دغابازی سے عاری یا کسی ہمراہی کو دغو کے باز ہونا جان لیا تھا تو اس نے ویسا ہی عمل کر کے اس بات کو ظاہر کر دیا۔ کہ میں پہلے سے ہی ان امور سے واقف ہو چکا ہوں۔ آشنا کو اکثر یہ بات یاد نہیں رہتی۔ کہ اُس کی محبوبہ اپنے سابقہ شوہر سے کس طرح بے وفائی کر چکی ہے۔ نہ ہی آج کل کوئی بے وقوف راجہ اُس دغابازی کو سمجھتا ہے۔ جو اُس کا بے وفا نوکر اپنے سابقہ نوکر سے کر چکا ہو۔ یقین ہے۔ کہ اس راجہ نے جو سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکتا تھا زمین (ملک) کے ساتھ ہی دانائی بھی شیش ناگ ہی سے حاصل کی ہوگی ۔۔

سوداگر اور روپیہ جمع کرانے والے کا مقدمہ یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک سوداگر اور اُس کے گاہک کے مقدمہ[۶۵۱] میں جو ججوں وغیرہ کی سمجھ میں نہ آتا تھا تمام شک و شبہ کو دُور کر کے دُکھ دیا۔ اس کی کیفیت اس طرح پر ہے کہ ایک

ایک مثال اس جگہ دی گئی ہے کس قدر واقعہ ہوا کرتے ہونگے۔ منو سمرتی کے ادھیائے ۸ شلوک ۱۰۵ میں ونیز دوسرے مقامات پر دو قسم کی رقوم جمع کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یعنی علانیہ یا گپت۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵۰ تا ۱۵۶ میں راجہ کا جو فیصلہ درج کیا گیا ہے اس کا دار و مدار اس شہادت پر ہے جو نئے سکّوں کی طرف سے اس بارہ میں مہیا ہوتی ہے۔ کہ سوداگر نے اس جمع کو علانیہ قرار دیا تھا۔ اس رقم کو تجارت میں استعمال کر لینے کے بعد سوداگر کا فرض ہے کہ وہ اس پر ویسے ہی سود ادا کرے۔ گویا اُس نے روپیہ قرض پر لیا ہو۔ ایسے ہی جمع کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اُس

مالدار شخص نے ایک سوداگر کے ہاں ایک لاکھ ۶۵۲ دینار کی رقم جمع کروائی یہ سوداگر بظاہر دوستی کے جامہ میں بوقت ضرورت کام لینے کے لئے اپنے اصلی چلن کو چھپائے ہوئے تھا۔ وقتاً فوقتاً یہ شخص اس سوداگر سے تھوڑا سا روپیہ (ارتھ ماترا) اپنے اخراجات کے لئے لے لیا کرتا تھا۔ جب اسی طرح ۲۰ یا ۳۰ ۶۵۳ سال گذر گئے تو جمع کرانے والے نے جمع رکھنے والے دنیاس دھارن) سے درخواست کی کہ جتنا روپیہ میں لے چکا ہوں اسے وضع کر کے باقی جتنا نکلتا ہے۔ مجھے واپس دیا جائے لیکن شریر سوداگر جو اس رقم کو ہضم کرنا چاہتا تھا مختلف بہانوں سے روپیہ کی ادائیگی ٹالتا رہا +

ندیاں جس پانی کو سمندر تک لے جاتی ہیں (سورج کی تپش سے بخارات بن کر اڑ جانے کے بعد) وہ بادلوں کے ذریعہ دوبارہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن جو چیز ایک دفعہ کسی سوداگر کے ہاں جمع کروا دی جائے وہ کبھی واپس نہیں مل سکتی۔ جمع شدہ روپیہ کے غبن کے مقدمہ میں

پینگی لئے ہوئے روپیہ پر سود ادا کرے۔ جو وہ سوداگر سے لیتا رہا ہو۔ سمرتیوں میں ایسی حالتوں میں جہاں براہ راست ثبوت مہیا نہ ہوں اس قسم کی چالاکیوں کو جن سے اوچل نے کام لیا تھا مناسب قرار دیا گیا ہے۔

۶۵۲ نوٹ ع۹ ضمیمہ کتاب ہذا میں کشمیر کے سکوں کی بنا جو کچھ ظاہر کی گئی ہے اس سے وہ نمایاں فرق واضح ہو جاتا ہے جو اس بڑی رقم میں جو اس جگہ بطور جمع کے دکھائی گئی ہے۔ نیز اس معمولی سے خرچ میں جو شلوک ۱۳۶ میں بیان کیا گیا ہے اور جس سے جتلایا گیا ہے کہ وہ رقم صرف ہو گئی تھی۔ پایا جاتا ہے۔

سوداگر سے شیر کی نسبت بھی زیادہ خایف رہنا چاہئے۔کیونکہ وہ اپنے چہرے کو روغن کی طرح شفاف رکھتا۔آواز سے بہت کم کام لیتا۔اور حلیمانہ صورت بنائے رکھتا ہے۔سوداگر اپنی موت کے وقت تک بھی دغا نہیں چھوڑتا۔گو کسی مقدمہ میں اس کی مسکراہٹ اور سابقہ دوستی کے اظہار سے اندازہ کرتے ہوئے ہر لمحہ یہ خیال پیدا ہوتا۔کہ اس نے اسے چھوڑ دیا ہے۔فاحشہ عورتیں اہلکار دکائستھ)۔محرر (دیوز) اور سوداگر یہ سب فطرتاً دغاباز ہوتے ہیں۔اور زہریلے تیروں پر اس لحاظ سے فوقیت رکھتے ہیں۔کہ انہیں کسی اُستاد کی نصیحت کے ذریعہ تربیت حاصل ہوئی ہوتی ہے۔اگر کوئی شخص محض اس لئے کسی کراست (شکاری) پر اعتبار کرلے۔کہ اس کے ماتھے پر صندل کا ٹیکا لگا ہوا ہے وہ سفید کپڑے پہنتا ہے۔اور اس سے لوبان کی خوشبو آتی ہے تو اسکی تباہی دُور نہیں ہوتی۔جو سوداگر اپنی پیشانی۔آنکھوں۔کانوں اور دل پر صندل کے ٹیکے لگاتا ہے۔کسی شخص کی جان ایک لمحہ میں اس خطرناک

ف ۶۵۱ اصل کتاب میں اس جگہ لفظ ترنش دونش استعمال ہوا ہے۔جس کے معنی بیس یا تیس کے لئے جاسکتے ہیں۔پچاس کے نہیں۔کیونکہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵۳ میں یہ بات ظاہر کی گئی ہے۔کہ جمع شدہ روپیہ راجہ کلش کے عہد میں سوداگر کے حوالے کیا گیا تھا۔وقت کی انتہائی حدود کو یعنے لوکک سمت ۳۹ء۴ میں کلش کی برائے نام تاجپوشی سے لے کر اوچل کی موت واقعہ لوکک سمت ۸۷ء۴ تک بھی حساب کیا جائے تو پچاس سال سے کم کا عرصہ بنتا ہے۔کلش اور اوچل کی تخت نشینی کے درمیان ۲۸ سال کا عرصہ حائل ہے۔اور ان کے سنین انتقال میں ۲۲ سال کا۔

بچھو کی طرح لے لیتا ہے ۔جس کے چھ نشان لگے ہوتے ہیں۔ایک سوداگر جس نے آگ اور دھوئیں کی طرح سرخ اور سیاہ ٹیکا لگا یا ہوا ہو اُس کدو (سینگی)[۶۵۴] کی طرح ہے جو آدمی کا گوشت اور خون چوس جاتا ہے۔ اِس کا مُنہ اگرچہ چھوٹا مگر پیٹ بُہت بڑا ہوتا ہے +

آخر کار جب اس روپیہ جمع کرنے والے نے اپنی رقم واپس لینے پر اصرار کیا۔ اور سوداگر کو اب کوئی مزید بہانہ نہ مل سکا تو اس نے غصّہ کے ساتھ پیشانی پر بل ڈال کر اسے اپنی بھی (حساب کی کتاب) دکھائی اور کہا" دیکھو لفظ شریسیہ[۶۵۵] (نفع یا کریڈٹ) جو حساب کے سرے پر درج کیا گیا تھا" اشریسیہ" (نقصان یا ڈیبٹ) سے مبدل ہو چکا ہے۔ ۶۰۰ دینار تم پُل کو عبور کرنے کے محصول کے طور پر لے جا چکے ہو ایک سو دینار تم نے موچی کو بھیٹی ہوئی جوتی اور چابک کی مرمت کے لئے دیئے تھے۔ اور ۵۰ دینار لے کر تمہاری خادمہ پاؤں کے چھالے کے لئے گھی لے گئی تھی۔ تین سو دینار تم نے از راہ ترحم ایک کمہاری کو

---

[۶۵۴] کشمیر اور پنجاب میں تونبے کو عام طور پر بطور سینگی کے جسم پر لگانے کا رواج ہے۔ اس مطلب کے لئے اُس کے ایک سرے میں ایک چھوٹا سا شگاف کر لیا جاتا ہے۔ اور اُس کے ذریعہ آگ کے اوپر رکھ کر دھوئیں سے بھر کر جسم کے دُکھتے حصّہ پر لگا دیتے ہیں۔جس سے وہ جگہ اُبھر آتی ہے آگ کے ذریعے تونبے کے اندر سے جو نمی پیدا ہوتی ہے۔ اُسے پسینے کے ان قطروں یا آنسوؤں سے تشبیہ دی گئی ہے جو بناوٹی پاک باز سوداگر کے جسم پر اُس وقت نمودار ہوتے ہیں جب وہ روزمرہ ہون کنڈ کے سامنے پُوجا کرتا ہے۔

جس کے مٹی کے برتن ٹوٹ گئے تھے۔ اور وہ رو رہی تھی دلوائے تھے
دیکھو! دیکھو!! یہ رقم اِس جگہ بھوج پتر پر درج ہے۔ایک سو دینار کی
تم منڈی سے چوہیاں اور مچھلی کا شوربا لائے تھے۔کیونکہ تم نے اس بلّی
کے بچّوں کی حفاظت اور نگہداشت کے ساتھ پرورش کرنا تھی۔سات
سو دینار کا پاؤں کی مرہم کے لئے مکھن۔اور شرادھ کے پندرہ[۶۵۶] یوم میں
اشنان کے موقعہ پر چاول۔پھول۔گھی اور شہد خرید کیا گیا تھا۔جب
تمہارے بچّے کو کھانسی تھی۔ تو وہ شہد اور ادرک لے گیا تھا۔لیکن
چونکہ وہ ابھی تک توتلی باتیں کرتا ہے۔اس لئے اس کی بابت کیا کہہ
سکتا ہے۔ان چیزوں کی قیمت ایک سو دینار درج ہے۔ایک ضدی
فقیر کو جو تم پر حملہ کرنے پر آمادہ تھا تم نے تین سو دینار دلوائے تھے۔
دھوپ۔اسگندھ اور پیاز کے لئے جو گوروُں کو دیا گیا تھا بالاوسط سویا
دوسو کی رقم لگا لینی چاہئیے"۔

اس طرح پر اس سوداگر نے یہ اور اسی قسم کے اور اخراجات

---

۶۵۵ شریہ اور اشریہ کو اس قسم کی تاجرانہ اصطلاحات قرار دیا جا سکتا ہے۔
جیسے زمانہ حال میں "نفع اور نقصان" یا "جمع اور خرچ" کی اصطلاحات مروج ہیں۔
معلوم ہوتا ہے کہ سوداگر کا منشا یہ جتلانا ہے۔کہ جمع کرانے والے کے
چند مرتبہ روپیہ لیتے رہنے سے جمع کی رقم کی بجائے اب کچھ رقم اُس کے نام نکلتی
ہے۔

۶۵۶ شرادھ پکش سے مراد ماہ اسوج کے تاریک نصف حصہ سے ہے۔جبکہ
پتروں کے نام پر بھوجن وغیرہ دینے کی رسوم ادا کی جاتی ہیں۔شرادھ پکش
کے متعلق جس کا رواج آج کل بھی مذہبی طور پر کشمیر میں عام ہے۔اور جسے

گنوا ڈالے جن کی نسبت اُس نے بیان کیا کہ وہ اب مجھے یاد نہیں ہے
اور جنہیں جمع شدہ رقم سے منہا کرنا ضروری ہے۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے
سود کا حساب بھی تیار کر لیا۔ غرض اس کی انگلیاں متواتر حساب میں حرکت
کرتی تھیں۔ اور ان پر سال۔ مہینے۔ ہفتے اور قمری دن اس طرح بلا اختتام
چلے آتے تھے۔ گویا وہ زندگی کے ایک دوامی چکر میں گھوم رہے ہوں
آخر کار زر اصل اور سود کو جمع کر کے اس نے نرمی سے ہونٹ آگے نکال
کر اور آنکھیں نیم وار کھ کر کہا:" میرے پہلو سے یہ کانٹا نکال دو۔ تم اپنی
جمع واپس لے لو۔ لیکن قرض (اجام دہن) کی رقم جو تمہارے اعتبار پر
تمہیں دی گئی ہے معہ اس کے سود کے دیانت داری سے واپس دے
دو" امانت جمع کرانے والے نے ایک لمحہ بھر کے لئے اس کا کہنا
صحیح جانا۔ اور مطمئن ہو گیا۔ لیکن بعد میں اسے یہ معلوم کر کے سخت
افسوس ہوا کہ سوداگر کی درخواست ایک ایسے چاقو کی مانند ہے۔ جو
شہد سے بھرا ہوا ہو۔ اس پر اس نے اس ظالم اور بد دیانت
سوداگر پر نالش کر دی۔ جس نے شرارت سے سارا روپیہ غبن کر لیا
تھا۔ لیکن عدالت میں نہ تو وہ خود اس پر غالب آسکا۔ اور نہ وہ جج
ہی جن کے روبرو مقدمہ پیش ہوا۔ اس کے حق میں کچھ کر سکے +

کامری تیج یا کاماری تیکش کہتے ہیں۔ دیکھو نیل مت پوران شلوک ۷۴۸ ایسے
موقعوں پر خاص طور پر نہانے کے بارے میں۔ وجیشور مہاتم میں کیفیت
مذکور ہے۔ نیز دیکھو پدم پوران ادھیائے اشلوک ۲۰ و ۷۹ جہاں پر شرادھ
پکش کی بجائے اپر پکش کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

شلوک ۶۵ سٹاین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس شلوک اور نیز اس کے بعد کے شلوکوں کا

اوچل کا فیصلہ جب یہ معاملہ جس پر جج متفق الرائے نہ ہو سکے تھے راجہ کے روبرو پیش ہوا تو اس نے اس کا فیصلہ طریق ذیل پر کرتے ہوئے سوداگر سے کہا :-

"اگر جمع کے دینار اب تک موجود ہیں تو ان میں سے چند ایک پیش کرو۔ اس کے بعد میں فیصلہ سناؤں گا"۔ جب سوداگر نے اس حکم کی تعمیل کی۔ تو راجہ نے نقدی کی طرف دیکھا۔ اور پھر وزراء سے کہا۔ "کیا راجہ لوگ اپنے دیناروں کے لئے آنے والے راجوں کے نام کے سانچے بھی استعمال کیا کرتے ہیں؟ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ جو روپیہ راجہ کلش کے عہد میں جمع ہوا تھا۔ اس میں میرے نام کے بھی سکے موجود ہیں؟ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس سوداگر نے جمع شدہ نقدی کو اسی طرح استعمال کیا ہے جیسے اس شخص نے ان چیزوں کو جو اس نے وقتاً فوقتاً اس سوداگر سے لی تھیں۔ اس لئے اگر مدعی کو اس رقم پر سوداگر کو سود ادا کرنا ضروری ہے جو اس نے اس وقت سے آج تک اس سے لی ہے تو لازم ہے کہ سوداگر بھی پورے ایک لاکھ پر جمع کے وقت سے لیکر سود ادا کرے۔ اصل رقم کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے؟ میرے جیسے رحم دل شخص صرف اسی قدر

مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوداگر نے ایک بل نہ صرف ان چیزوں کی قیمت کا تیار کیا تھا۔ جو وقتاً فوقتاً دیا کرتا رہا بلکہ ان رقوم کے سود کو بھی اس میں ملا لیا تھا۔ اس کے حساب سے ان رقوم کی میزان اصل زر جمع شدہ سے بڑھ چکی تھی سوداگر زر جمع شدہ کے حساب کو بند شدہ خیال کرتا ہے یعنی اس کے حساب سے اس پر کوئی سود نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ جیسا اگلے شلوکوں سے ظاہر ہوتا ہے وہ جمع کرانے والے سے رقم طلب کرتا ہے۔

تصفیہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کے لئے جیسے یہ سوو اگر ہے ویسا
ہی سختی کا سلوک ہونا چاہئیے۔ جیسے مشہور و معروف پشکر نے کیا تھا
کسی مقدمہ میں رحم آمیز حکم صرف اس شخص کی صورت میں واجب ہوتا
ہے جو کسی غلط فہمی میں پڑ کر کسی کام کو کرے۔ بخلاف اس کے دہوکہ
بازی کرنے والے کے ساتھ سختی ہی کا سلوک لازم ہوتا ہے"*
راجہ جو مناسب وقت تک انتظار کرنا جانتا تھا اُن قابل بحث معاملات
میں صبر سے کام لیتا تھا جن کا سلجھانا ویسے ہی مشکل ہوتا تھا۔ جیسے نازک
حصہ جسم پر لگے ہوئے تیروں کو نکالنا۔ اس طرح پر یہ راجہ جو ہمیشہ منو
کی طرح محتاط اور دانا رہتا تھا اس احتیاط کے لئے مشہور ہو گیا جو
وہ رعایا کے معاملات میں برتتا تھا۔ اور جس میں کسی مزید تحریک کی ضرورت
نہ تھی۔ دوستی کا مدعا صرف خود غرضانہ مقاصد کا حصول نہ ہونا چاہئیے۔
طاقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ نخوت سے پاک ہو۔ عورت کی عصمت
ایسی ہو کہ اس پر بال برابر حرف نہ آ سکے۔ تقریر میں آداب کا اس قدر
لحاظ برتا جائے کہ سب کا اطمینان برتا جائے۔ علم کو طاقت پر اختیارات
حاصل ہوں۔ جوانی ڈہلمل یقین ارادوں سے پاک ہو۔ خاندان شاہی
بالکل بے عیب ہو۔ اس میں شک نہیں کہ یہ سب باتیں اس حالت
میں ہونی چاہئیں جس میں کہ انہیں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس آخری
دکل، یگ میں ان سب کا اُلٹ پایا جاتا ہے۔ ایسا شخص بھی جو راجاؤں
میں چاند کا درجہ رکھتا تھا غرور کی وجہ سے خود ضبطی کو ہاتھ سے دیکر
اپنے ان گناہوں کے باعث لوگوں کے لئے خوف کا موجب ثابت ہوا
جو شہاب ثاقب سے تمشابہ تھے۔ شریفانہ چلن۔ بہادری۔ ذہانت۔

استقلال اور جوانی کے گھمنڈ میں اس نے بے شمار لوگوں کی عزت خراب کی۔ اور ان کی جانیں ضائع کیں۔ بخلاف اس کے عزت دار لوگوں نے بھی جو اس کے سخت الفاظ سُن کر ناراض تھے۔ مقابلہ میں جواب دے کر راجہ کو ذلیل کیا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ زندہ لوگ سوئے ہوئے سانپوں کی مانند اس وقت تک اپنی طاقت کا اظہار نہیں کرتے جب تک کہ ان کے غصّہ کو بھڑکایا نہ جائے۔ اس دُنیا کی بے شمار مخلوقات میں ایک بھی ایسا نہیں پایا جاتا۔ جس کا جسم نسل چال چلن وغیرہ بے عیب ہو۔ اس برہمانڈ کا خالق (برہما) کنول پھول سے پیدا ہوا ہے جو کیچڑ میں اُگتا ہے۔ اس کا جسم سرخی مائل بھورے رنگ سے ڈھپا ہوا ہے۔ اس کا وقار ان خامیوں کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے۔ جو اس کا ایک سر کٹنے[۶۵۵] اور دوسرے نقائص کی بدولت صاف اور صحیح کیرکٹر کی عدم موجودگی سے ظہور میں آچکی ہیں۔ پس جب اس قسم کے عیوب اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ جو عظیم الشان طبقات پر حاوی ہے تو پھر بے عیب ہونے کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟

لیکن راجہ اس بات کو نہ سوچتا تھا۔ اور ہر روز علانیہ اپنے نوکروں کے خاندان۔ ان کے چال چلن۔ شخصی شکل و شباہت وغیرہ پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ اسے لڑائی جھگڑے سے ایک طرح کا اُنس تھا۔ اور اس نے بے شمار بہادروں میں باہمی عناد پیدا کر کے اور انہیں ایک دوسرے سے لڑوا کر مروا دیا۔ ہر ماہ کے استقبالی ایام میں اندر دیوتا کے تہواروں اور نیز دوسرے موقعوں پر وہ ان سپاہیوں کو انعام و اکرام دیا کرتا

[۶۵۵] برہما کا پانچواں سر شوجی کی آنکھ کی آگ سے جل گیا تھا۔

تھا۔ جو اکیلے اکیلے ایک دوسرے کے ساتھ لڑا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں کوئی تہوار ایسا نہ گذرتا تھا جبکہ محل کے صحن کی زمین خون سے تر نہ ہو۔ اور گریہ وزاری کی آوازیں سنائی نہ دے رہی ہوں۔ بڑے بڑے شریف النسب سپاہی جو خوشی خوشی اپنے گھروں سے آتے تھے ان کے رشتہ داران کی کٹی ہوئی لاشیں محل کے صحن سے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ جب راجہ ان سپاہیوں کو قتل ہوتے دیکھتا جن کے چمکدار سیاہ بال۔ خوشنما ڈاڑھیاں اور شان دار لباس ہوتے تھے تو اسے بجائے رنج کے خوشی ہوتی تھی! جن عورتوں کے خاوند محل میں جا کر زندہ واپس لوٹ آتے تھے۔ وہ خیال کرتی تھیں کہ ان کی عمر ایک دن اور بڑھی ہے۔ لیکن بہر نوع انہیں ان کے تحفظ کا یقین کبھی نہ ہوا کرتا تھا +

اوچل کے وزیر یہ راجہ غرور کے لہجہ میں کہا کرتا تھا "جو میں چاہتا ہوں۔ وہی کرو" اور کسی کی تردید گوارا نہ کرتا تھا آج ایک شخص کو وزارت کے عہدے پر مامور کیا جاتا تھا۔ تو دوسرے روز اُس کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسرا آدمی مقرر کر دیا جاتا تھا۔ اس کا چال چلن کینہ کی وجہ سے خراب ہو چکا تھا۔ اور وہ انہی لوگوں کو محروم بنا دیتا تھا۔ جو بڑے بڑے عہدوں پر رہ چکے ہوں۔ اور اکثر انہیں بے عزت کیا کرتا تھا۔ جب اوچل نے کمانڈر انچیف ڈنچک کے اقتدار پر غصہ کا اظہار کیا تو وُہ وشلاتا[۶۵۹] کو بھاگ گیا۔ جہاں کھشوں

۶۵۹ نوٹ ۲۲۸ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی جا چکی ہے کہ وشلاتا سے مراد ان وادیوں سے لینی چاہیئے جن کو دریائے بچلاری جو دریائے چناب کا ایک معاون ہے سیراب کرتا ہے یہ پہاڑی علاقہ جو دلو سر اور شاہ آباد پرگنوں کے عین جنوب کی طرف واقع ہے

نے اسے مار ڈالا۔ رگک کو اس نے خود دوارپتی کا معزز عہدہ دیا تھا۔ لیکن جب اسے صاحب اختیارات دیکھا تو اسے عہدہ سے محروم کر دیا۔ ایسے ہی جب جرنیل مانکیہ کو یکایک دوارپتی کے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا تو اس نے وجے کشیتر میں جا کر ریاضت شروع کر دی۔ تلک[۶۰] اور کاک کے خاندان کے دوسرے اعلیٰ صفت لوگ جن کے سپرد فوج کی کمان (کمپن) تھی۔ اپنی نرم طبیعت کی وجہ سے اس کی ناراضگی سے بچ گئے۔ بھوگ سین ہرچند کہ بے یار و مددگار تھا۔ اور اس کے تن پر اچھا کپڑا بھی نہ تھا اس کی سرگرمانہ خدمات سے خوش ہو کر راجہ نے اسے چیف جسٹس (راجستھان ادہیکار) کا عہدہ دے دیا یہاں تک کہ گگ چندر بھی جس نے اندر دوادشی[۶۶۱] کے تہوار پر ایک لڑائی کے دوران میں بھوگ سین کی خوفناک طاقت دیکھ لی تھی ہرچند

اب عام طور پر اس درے کے نام پر جو اس کے قریب ہے بان ہال کہلاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے بچلاری کا نام اسی وشلاتا سے حاصل کیا گیا ہے۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۴۶۸ میں وشلاتا کی نسبت مذکور ہے۔ کہ یہی وہ راستہ تھا جس کے ذریعے دعوے دار سلطنت بھکشا چر دیوسرس یا دوسر پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی ترنگ کے شلوک ۱۰۷۴ میں ہم امرائے کشمیر کا ذکر پاتے ہیں۔ جن کا درہ بانہال سے نیچے وتستا ترنگ تعقب کیا گیا تو انہوں نے سلسلہ کوہ کو عبور کر کے وشلاتا میں کھشوں کے ہاں پناہ لی۔ شلوک ۱۲۲۹ میں دبنگ پال نامی ایک کھش والئے ریاست کی نسبت جو شلوک ۵۵۴ کے مطابق دریائے چندر بھاگا کے کنارے پر رہتا تھا۔ مذکور ہے کہ وہ وشلاتا سے کشمیر کی طرف بڑھ آنے کی دھمکی دیتا تھا۔ نیز دیکھو ترنگ ۸ کا شلوک ۶۹۷-۱۱۳۱-۱۶۶۲ کھشوں کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۰۲ کتاب ہذا۔

کہ بہت سی جمعیت رکھتا تھا تاہم بے عزتی کی حالت میں فرار ہوگیا۔

راجہ نے سد نامی ایک معمولی سپاہی کے بیٹوں۔ رد۔ چد اور وِیدّ کو بھی اپنے وزیر بنایا۔ نجے[۶۶۲] سنگھ کے بیٹے تلک اور جنک اس کی خدمت کرکے مصیبت سے بچ گئے۔ اور راجہ کے مشیر مقرر ہوئے۔ غرض یم۔ ایل۔ ابھے۔ بان وغیرہ کے نام کہاں تک گنوائے جائیں۔ جن کو دوارپتی کا عہدہ ملا۔ اور جن کی خوش قسمتی بجلی کی طرح عارضی ثابت ہوئی۔ پرشست کلش جیسے دو تین افسر ان میں اس طرح معلوم ہوتے تھے جیسے چھوٹے چھوٹے پودوں میں پرانے ٹنڈ منڈ درخت۔

کندرپ نے جسے راجہ نے قاصدوں کے ذریعہ بلوا لیا تھا عہدہ لینا منظور نہ کیا۔ اور باوجود راجہ کے اصرار کے انکار ہی کرتا رہا۔ کیونکہ وہ اس کی غیر بردبارانہ فطرت سے واقف تھا۔ نئے راجہ کے ماتحت ملک میں ہر بات نئی تھی۔ مثلاً دربار شاہی کی کاروائی۔ مباحثہ۔ دستور العمل

---

۶۶۲ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۸۵ سے واضح ہوتا ہے کہ کاک تلک کا باپ تھا جسکا ذکر معہ اُس کے رشتہ داروں کے آگے چل کر کئی جگہ آتا ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۱۱ میں بھی غالباً اسی خاندان کی طرف اشارہ ہے۔

۶۶۱ اندر دوادشی کا نام کشمیر میں اب تک بہادوں شدی ۱۲ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہی وہ دن ہے جبکہ لوگ دراہ کشیتر کے مقدس مقام کی طرف جاتے ہیں۔ نیل مت پوران کے شلوک ۷۹۲ میں اس دن کے ایک تیوہار کا ذکر موجود ہے۔ لیکن اس کا نام مہا دوادشی رکھا ہوا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۷۰ میں جس کے اندر تیوہار کا ذکر آتا ہے۔ وہ بھی غالباً اسی دن ہوا کرتا تھا۔

گگ چندر گگ ہی کا پورا نام ہے جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳-۳۷

وغیرہ ۔ دولت کی دیوی ایک فاحشہ عورت کی مانند جس نے کوئی سحر آمیز غازہ لگایا ہوا ہو مضبوط دل لوگوں کو بھی مطیع کر لیتی ہے اور انہیں حد اعتدال سے گزرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اعزاز شاہی ان لوگوں کو جنہیں وہ حاصل ہو مردہ روحوں یعنے بھوتوں کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے جنہیں رشتہ داروں میں بھی نمایاں دشمن نظر آتے ہیں۔ اور اُنہیں رشتہ داری کا کچھ بھی پاس نہیں رہتا۔

سُسل کا حملہ سُسل کو ہر چند کہ وہ تمام باتیں حاصل تھیں جن سے راحت حاصل ہوتی ہے تاہم اس نے سلطنت چھیننے کے عندیہ سے یکایک اپنے بھائی پر حملہ کر دیا۔ جب بڑے بھائی کو خبر ملی۔ کہ سسل جو ایک شکرے کی مانند تیزی سے نقل و حرکت کرتا چلا آرہا تھا کشمیر آپہنچا ہے۔ اور وراہ وارت[۶۶۳] سے ورے تک آگیا ہے تو وہ فوراً اُس کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ اور ایک طاقت ور فوج کے

اور ۳۴ میں ڈامر جنک چندر کے بھائی کی حیثیت میں آتا ہے۔ سنسکرت میں یہ نام گرگ چندر کی صورت رکھتا ہے۔ جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۳۵۴۔ ۳۹۰۔ ۵۹۳ میں پایا جاتا ہے۔ لیکن کئی جگہ اس کا نام صرف گرگ ہی آیا ہے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۴۸۔ ۳۵۲۔ ۴۲۴ وغیرہ۔

[۶۶۲] یہ بجے سنگھ شاید وہی شخص ہے جس کا ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۵۸۰۔ ۵۸۳ و ۸۲۷ میں پایا جاتا ہے۔

آگے چل کر تلک اور جنک کے نام پوری حالت میں تلک سنگھ اور جنک سنگھ آتے ہیں۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۷۳۔ ۵۹۴۔ ۶۳۲۔ ۷۹۱۔ وغیرہ۔

ساتھ اس پر حملہ کر کے اسے پاؤں جمانے سے پہلے ہی شکست فاش دی
سُسل کے پاس جو سامان اور اسباب تھا اس کا اندازہ ان مختلف
چیزوں اور پان کے پتوں کے ڈھیروں سے ہو سکتا تھا جنہیں چھوڑ کر
وہ بھاگ گیا تھا۔ اس سے اگلے روز جب کہ راجہ اس طرح پر کامیابی
حاصل کر کے واپس چلنے لگا تو اس نے سُنا کہ سسل جس کی بہادری خوفناک
تھی واپس آ گیا ہے۔ اس پر گگ چندر اس کے حکم سے بہت سی جمیعت
لے کر روانہ ہوا۔ اور اس نے سُسل کی افواج کو شکست فاش دی سُسل
کے بے شمار سپاہیوں نے جو میدان جنگ کی تکالیف برداشت نہ کر سکے
اپسراؤں کے باغ جیسے رتھوں میں اپنی تھکان کو دُور کیا۔ دو لو راجپنتر ل
سہدیو اور بدھشٹر نے اس لڑائی میں اپنی جانیں دے کر اُس قرضہ کو
اُتارا جو ان کے آقا کی مہربانیوں کا اِن کی گردن پر تھا سُسل کی فوج
سے بہت سے اعلیٰ درجہ کے گھوڑے بھاگ آئے تھے۔ جنہیں گگ نے پکڑ
لیا۔ یہ گھوڑے ایسے شان دار تھے کہ گو راجہ کے پاس بہت سے گھوڑے
تھے تاہم انہیں دیکھ کر اسے بھی حیرت ہوتی تھی۔ جب راجہ نے سُنا
کہ سُسل سیلیہ پور کی ٹھرک اور کرم راجیہ کے راستہ پر ڈیرا ڈالے پڑا
ہے تو اس نے سرعت سے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن جب اس نے اپنے

۶۶۳ نوٹ ع۶ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ لوہر میں یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ
سُسل نے یہ حملہ غالباً توشی میدان کے راستے سے کیا تھا۔ اس صورت میں
دراہ وارت کو موجودہ دراہ گام کے موضع سے جو بیرو پرگنہ میں درنگ کے
مشرق کی طرف ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے قریب قرار دیا جا سکتا ہے۔ نقشے
پر اس جگہ کا نام درگم دیا ہوا ہے۔

بڑے بھائی کو تعاقب میں آتے دیکھا تو وہ اپنی جمعیت کے چند ایک جوان ہمراہ لے کر وردون کے علاقہ میں چلا گیا۔ جس پر راجہ نے سیلیہ پور کے رہنے والے ڈامر لوشٹک کو جس نے سُسل کے لئے راستہ کھول دیا تھا قتل کروایا۔ اور اس کے بعد شہر(سری نگر) کو روانہ ہوا۔ ہرچند کہ سُسل کی طرف سے بہت سی خطائیں سرزد ہوئی تھیں تاہم اس کی کم عمری کو مدنظر رکھتے ہوئے راجہ نے اس کی عدم موجودگی میں کوہستان لوہر پر قبضہ کرنے کی کوشش نہ کی +

سُسل نے راجہ بجے پال کی بیٹی بے عیب میگھ منجری سے شادی کی تھی۔ وہ کلیہ والئے کالنجر کی نواسی تھی جس کی چونکہ کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے اس نے اس کے باپ کے انتقال پر بجائے بیٹے کے بڑی محبت سے اپنے محل میں ہی اس کی پرورش کی تھی۔ اس راجہ کی طاقت کی عظمت[۶۶۴] کی وجہ سے غیر مطمئن لوگ اور دشمن لوہر کے ایک بچے تک کا بال بینکا نہ کر سکتے تھے +

اب بہادر سُسل علاقہ وردسے ایسے راستوں سے روانہ ہوا جنہیں عبور کرنا مشکل تھا۔ اور کئی ماہ کے بعد ایک دشوار گزار پہاڑی راستہ سے اپنے علاقہ میں جا پہنچا۔ دوسری طرف چونکہ موسم سرما سر پر آن پہنچا تھا اس لئے اوچل بھی پیچھے ہٹ آیا) +

جب یہ خطرہ دُور ہو گیا تو مستقل مزاج راجہ اوچل کی دوسری بدیہی

---

۶۶۴ اس شلوک میں کلیہ کے اختیارات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو سُسل کے علاقے کی حفاظت کر رہا تھا۔ اگر اس کے یہ معنی نہ لئے جائیں تو کلیہ کی پوتی کے ساتھ اس کی شادی کا ذکر جو اُوپر آچکا ہے فضول ثابت ہو گا۔
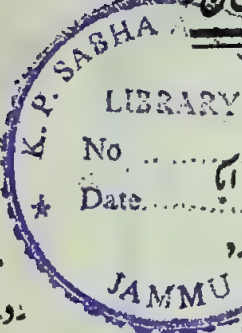
مشکلات بھی پیدا ہونے کے ساتھ ہی رفع ہوتی گئیں ✦

تخت کے اور دعویدار

بھیما دیو نے راجہ کلس کے ایا... کو اپنے ہاتھ میں لے کر درد... جگدل کو اپنی امداد کے لئے طلب کیا۔ سلھ جو راجہ ہرش... میں سے ایک بیٹا تھا اور درشن پال کا بھائی سنج پال مددگار تھے۔ مگر ہوشیار راجہ نے حکمت عملی سے در... آگے بڑھنے سے روک دیا۔ چنانچہ وہ پیچھے لوٹ کر ا... چلا گیا۔ سلھ نے بھی اس کی تقلید کی۔ بھوج خفیہ طو... چلا گیا۔ اور سنج پال راجہ سسل کا ملازم ہو گیا۔ تھ... بھوج کا پتہ اس کے ایک نوکر نے رشوت لے کر... اسے ایک چور کی طرح قتل کروا دیا۔ ایسے ہی دیوا... تخت حاصل کرنے کا دعویدار تھا جب راجہ ... اس کے مقابلہ پر نکلا تو وہ ممالک بعید کو فرار...

...ور کچھ لوگ جو بدنامی کی شہرت حاصل کر... سمجھے جانوروں کی طرح اِدھر اُدھر مارے ما... لائق ہوتے ہیں کہ ان کی ہنسی اُڑائی جائے۔ ا... نے جو بڑا چالاک سازشی تھا باہر کے لوگ... راہل ظاہر کرنا شروع کیا۔ اس پر نواحا... کچھ تو دھوکے میں آکر اور کچھ فساد برپا... چڑھاوے چڑھانے اور اس کی ع... گرما میں گرمی سے تنگ آکر وہ...

...ب بیٹے ...دول کے را... ...ا مدخولہ عورتوں... ...ا یہ دونو اس کے... ...دول کے راجہ کو... ...پنے ملک کو واپس... ...پر اپنے ملک کو... ...تھوڑے ہی عرصہ ... بنا دیا۔ اور راجہ ...یشور کا بیٹا ... ...امروں کی ج... ہو گیا ✦ ...نے کے... ...ے ...

نے اسے پہچان کر اُس کی ناک کاٹ لی۔ اس کے بعد اس شخص کو جب لوگ شاہی کمپ میں اپنی ذات کے لوگوں کی طرح اشیائے اکل فروخت کرتے دیکھتے تھے تو بڑا لطف ہوتا تھا*

لوگ بے فایدہ اپنا درجہ بڑھانے کے لئے شرارت اور دھوکے سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ قسمت کی مرضی کو کون ٹال سکتا ہے؟ انسان کی کوششیں گھاس کے اندر آگ کا درجہ رکھتی ہیں۔ جسے قسمت کی ہوا ایک جگہ تو سلگتی حالت سے بھڑکا دیتی ہے۔ اور دوسری جگہ جہاں شعلے نکل رہے ہوں۔ اسے بُجھا دیتی ہے۔ جس طرح پرندہ اُڑ کر اپنی دم سے بندھی ہوئی آگ سے نہیں بچ سکتا ایسے ہی لوگ بھاگ کر اپنی مقررہ قسمت سے دُور نہیں ہٹ سکتے۔ جس شخص کی جان کو اُس وقت تک سلامت رہنا ہے۔ جب تک وُہ ان چیزوں کو نہ بھوگ لے جنھیں بھوگنا اس کی قسمت میں لکھا ہے اسے دشمن تباہ نہیں کر سکتے۔ خواہ وہ دواھی آگ۔ زہر۔ تلوار۔ تیر۔ جادو وغیرہ سے کام لیں خواہ کسی ٹیلے پر سے اُٹھا کر پھینک دیں

راج کما بھکشاچر کا بچ نکلنا راجہ نے بھکشاچر کے قتل کا حکم دے رکھا تھا۔ چنانچہ رات کے وقت جلاد اسے جمبتی کے محلوں سے مقتل کی طرف لے گئے۔ اور اسے ایک پتھر کے ساتھ باندھ کر دریائے وتشٹہ میں پھینک دیا۔ مگر ہوا اُسے جلد ہی بہا کر ساحل کی طرف لے گئی۔ جہاں ایک رحم دل برہمن نے دیکھا تو ابھی اس کی چھاتی دھڑک رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں اسے ہوش آگیا اور برہمن نے اسے آسمتی کے سپرد کر دیا۔ جسے رشتہ دار ہونے کی

وجہ سے شاہی شاہزادیاں بوجہ احترام دِوا[۶۶۵] کہا کرتی تھیں۔ یہ چالاک عورت اسے خفیہ طور پر باہر لے گئی۔ اور اس نے دکن میں پرورش پائی +

مالوے کے حاکم نرورمن[۶۶۶] نے جو اس کی داستان سے واقف تھا اسے بیٹے کی طرح رکھا۔ اور اسے ہتھیار چلانا اور مختلف علوم سکھائے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جیمتی نے بھکشاچر کی عمر اور شکل کا ایک اور بچہ اِس کی جگہ جلادوں کے حوالے کر کے اس کی جان بچائی تھی +

جب راجہ نے باہر سے آئے ہوئے ایک سفیر کی زبانی یہ حالات سُنے تو اس کے بعد اس نے اس رانی سے پیار کرنا چھوڑ دیا۔ اگرچہ اُس نے دور اندیشی سے اس امر کا علانیہ طور پر اظہار نہ کیا۔ مگر اُن راجاؤں سے جن کے ملک راستہ پر واقع تھے اس بات کا عہد کر لیا کہ وہ بھکشاچر کو کشمیر میں داخل ہونے سے روکیں۔ بے وقوف آدمی علانیہ اپنی بیوی کی عصمت کے متعلق شبہ اور دشمن کی نسبت اندیشہ ظاہر کر کے خود لوگوں کو اس پر بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اسے تکلیف دیں +

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ جب بھکشاچر مارا گیا تو دوا نے اسی کی شکل و شباہت کا ایک اور بچہ اپنی گود میں لے لیا۔ اور اس کا یہی نام

---

[۶۶۵] آسمتی کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۴۱ و ۵۵۲۔ کشمیر کے برہمنوں میں اب تک یہ رواج ہے کہ اس عظیم الشان رانی کی یادگار میں کنبے کی سب سے بڑی عورت کو اعزاز کے طور پر دو یا دوا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ شاہی شہزادیوں سے مراد ہرش کی رانیوں سے ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۴۷۰۔ ۱۵۵۰ وغیرہ ~

[۶۶۶] جس نرورمن کا اس جگہ ذکر آیا ہے اس کا نام مالوہ کے زمانۂ بعد کے پرمار فرماں رواؤں کی شجرہ نسب کی فہرستوں میں جو تانبے کی پلیٹوں پر منقش ہیں

ظاہر کرتی رہی۔ یہ بات سچ ہو یا غلط بہر نوع بھکشاچر نے اس قدر اہمیت
حاصل کر لی کہ قسمت بھی اسے بے وقری کی حالت میں نہ رکھ سکی۔ سابقہ
اعمال کے نتائج کا اختلاف ایسے عجیب و غریب ظہور نمایاں کرتا ہے۔ جو خواب
و خیال یا سحر میں بھی نہیں دیکھے جاتے جس طرح آگ شہروں۔ قصبوں اور
دوسری آبادیوں کو جلانے کے لئے کسی جھاڑی میں چھپی ہوئی سلگتی رہتی ہے
ویسے ہی لوگوں کی تباہی کے لئے یہ راجکمار پوشیدہ طور پر نشو ونما پاتا رہا
زہر کے درخت کے قریب ہی پرتی وش (تریاق) کا پودا اگتا ہے۔ اور
جب موسم برسات میں صاف پانی گدلے ہو جاتے ہیں تو اگست ستارہ طلوع
ہوتا ہے۔ بلاشبہ دور اندیش خالق ان خطرات کو جان جاتا ہے جن کے
نمودار ہونے سے مخلوقات کی تباہی مقصود ہوتی ہے۔ اور ان کے اثر کو
روکنے کا انتظام کر دیتا ہے ✣

جے سنگھ کی پیدائش سنہ ۱۱۰۵-۶ء

چنانچہ انہی ایام میں راجہ سُسل کے گھر ایک بیٹا پیدا[۵۶۶۷] ہوا۔ جو مصائب میں
گرتی ہوئی زمین کو قایم رکھنے کے اہل تھا۔ راجہ نے بجا طور پر اس کا نام

پایا جاتا ہے۔ دیکھو پروفیسر کیل ہارن کا مضمون مندرجہ کتاب انڈین انٹی کوٹی
جلد ۱۹ صفحہ ۳۴۶۔ ناگپور کے پتھر کے کتبے سے جسے پروفیسر موصوف نے کتاب
"اپی گرافیا آف انڈیا" جلد ۲ کے صفحہ ۱۸۰ پر درج کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ
نرورمن سمت ۱۱۶۱ بکرمی مطابق سنہ ۱۱۰۴-۵ء میں تخت نشین تھا۔ او۔ اپنے بھائی
لکشم دیو کے بعد جو اودے دتیہ کا بیٹا تھا تخت نشین ہوا تھا۔
[۵۶۶۷] کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۴۔۳۴ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے
معلوم ہوتا ہے۔ کہ جے سنگھ لوکک سمت ۴۱۸۱ مطابق سنہ ۱۱۰۵-۶ء میں پیدا ہوا ہو گا

جے سنگھ (فتح کا شیر) رکھا کیونکہ اس بیٹے کی پیدائش کے بعد وہ ہر جگہ کامیاب ہی ہوتا رہا۔ جس طرح بدھ کا نام سروارتھ سدھ[668] اس لحاظ سے لغوی طور پر مناسب ہے کہ اسے تمام معاملات میں فوق الفطرت طاقتیں (سروارتھ سدہی) حاصل تھیں ایسے ہی اس کا نام جے سنگھ لغوی طور پر بالکل اس کے حسب حال تھا۔

جب راجہ اوچل نے اس (جے سنگھ) کے پاؤں کا زعفرانی[669] نشان دیکھا تو اس نے اپنے بھائی کے متعلق سارا غصہ چھوڑ دیا۔ لڑکے کے پاؤں کے اس نشان کی بدولت اس کے باپ اور چچا کا باہمی عناد دور ہوگیا۔ اور دونو سلطنتوں میں امن و امان قائم ہوگیا۔

اوچل کے قائم کردہ مقدس مقامات

راجہ اوچل نے اپنے باپ کی جو سورگ میں پہنچ چکا تھا نیکیوں میں اضافہ کرنے کے لئے اپنے آبائی مکان کی جگہ پر ایک مٹھ اس کے نام پر بنوایا اس مٹھ کے افتتاح کے موقعہ پر فیاض راجہ نے گائیں۔ زمین۔ سونا۔ اور کپڑے خیرات کئے۔ واقعی وہ تمام سوالیوں کے لئے ایک کلپ برکش کا درجہ رکھتا تھا۔ اس راجہ نے جس کی دولت تعریف کی مستحق تھی بعید ممالک کے بڑے بڑے راجاؤں کو جو بیش قیمت تحائف بھیجے انہیں دیکھ کر وہ حیرت

---

[668] کلہن کی اس تحریر سے یہ مراد ہے کہ جس طرح بدھ سروارتھ سدہ کے نام کے لغوی اور اصطلاحی دونوں طرح کے معنی نکلتے ہیں ایسے ہی جے سنگھ کے نام میں یہ خصوصیت موجود ہے۔ ایسے الفاظ کو یوگ رودھ کہتے ہیں۔

[669] برہت سنگتا کے ادھیائے ۶۸ شلوک ۸۷ و ۹۷ میں مذکور ہے کہ پاؤں کا سرخی مائل رنگ ہونا فال نیک سمجھا جاتا ہے۔

ہیں رہ گئے۔ رانی جمیتی نے ایک وہار اور ایک مٹھ (راوچل کے نام پر) اس غرض سے تعمیر کروا دیا کہ جو دولت اسے اپنے شوہر کی عنایات سے حاصل ہوئی تھی اسے نیک مصرف میں لائے۔ مگر راجہ کے کسی سابقہ جنم کے پاپوں کی وجہ سے اس مٹھ کا قائم کردہ نام دور ہوگیا۔ اور یہ نو مٹھ[٦٧٠] (نیا مٹھ) کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اس وہار[٦٧١] کو بھی جو اس نے اپنی بھن سلا کے اعزاز میں دوسرے آبائی مکان کے محل وقوع پر بنوایا تھا مناسب شہرت حاصل نہ ہوئی۔ فی الحقیقت اسے چونکہ موت کی خبر نہ تھی جو اس کے سر پر منڈلا رہی تھی اس لئے اس کے مرنے کے وقت تک ان مقدس مقامات کے اوقاف ہی مقرر نہ ہوئے تھے ۔

شومبھو کے قریب اوچل کو حادثہ پیش آنا۔

ایک موقعہ پر جبکہ راجہ کرم راجیہ میں مقیم تھا۔ وہ سومبھو کی آگ دیکھنے[٦٧٢] ورہت چکمک کوہی گاؤں میں پہنچا۔

---

[٦٧٠] نو مٹھ کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۳۷-۵۲-۱۰۵۲ و ۲۴۳۰۹ میں آتا ہے۔ کلہن کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جے متی کا منشا یہ تھا کہ اس وہار کا نام اُس کے شوہر کے نام پر پڑ جائے۔ اس کی مقامیت کے اندازے کے متعلق دیکھو نوٹ ۹۴ کتاب ہذا متعلقہ ترنگ ۸ شلوک ۱۰۵۲۔

[٦٧١] سلا وہار کو جے سنگھ نے مکمل کروایا تھا۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳۱۸-ل کے دوبارہ دریا کے دائیں کنارے پر سکونت پذیر ہونے کے متعلق دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۴۹۱۔

[٦٧٢] اس مضمون میں جن مقامات کا ذکر آتا ہے ان کا بہ آسانی پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ اگنی سویمبھو کا موجودہ تیرتھ جس کا نام آج کل سویم مشہور ہے

اور جبکہ وہ کمبلیشور کے گاؤں کے پاس سے گذر رہا تھا یکایک چند ایک چنڈال جو اس جگہ کے مقامی چور تھے اور اس وقت مسلح حالت میں تھے نمودار ہوئے۔ اور انہوں نے اسے محصور کر لیا۔ چونکہ اس کے ہمراہ بہت ہی کم جمعیت تھی۔ اس لئے ان کا ارادہ جلدی سے اسے مار ڈالنے کا تھا۔ لیکن اس کی دلیری نے ان کے ہتھیلیوں کو روکا اور انہوں نے حملہ نہ کیا۔ راستہ چونکہ رکا ہوا تھا اس لئے اس نے ایک رات گہری پہاڑی کھنڈ میں بسر کی۔ جہاں وہ چند ایک ہمراہیوں سمیت پھرتا رہا۔ اس وقت جا بجا کیمپوں میں یہ منحوس افواہ جسے بند کرنا مشکل تھا اور جو سخت اضطراب پھیلا رہی تھی پھیل گئی کہ راجہ مر چکا ہے جس طرح پہاڑ کی غار سے نکلی ہوئی ہوا میدان میں پہنچ کر بہت جلد چاروں طرف پھیل جاتی ہے ایسے ہی یہ بری افواہ جب کیمپ سے اڑی تو بالکل معمولی تھی۔ لیکن شہر میں اس نے بہت کچھ اہمیت حاصل کر لی +

اس کا ذکر نوٹ ۳۵ کتاب ہذا میں آچکا ہے۔ اس مقام کے جنوب کی طرف کوئی ایک میل کے فاصلے پر تسک ودر کا گاؤں واقع ہے۔ جس کا نام نقشے پر شیخ دڈ درج ہے۔ سٹائین صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے خیال میں اس کا نام ورہت چکر ہوگا۔

موجودہ نام چکر ورہت ہی سے اخذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کشمیری زبان میں تسک کے وہی معنے ہوتے ہیں جو سنسکرت میں چکر کے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے گاؤں کشمیر میں عام طور پر پائے جاتے ہیں جن کے نام کا نصف حصہ بجائے آگے کے پیچھے یا پیچھے کے آگے کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ پھاک پرگنہ میں ایک گاؤں دارا ساد پورا اور ساد پور دارا دونوں ناموں سے مشہور ہیں۔ ایسے ہی دولر پرگنہ میں ایک

اس زمانہ میں ناظم شہر چڈ نامی ایک شخص سپاہی کامدیو کی اولاد سے اور رَد کا بھائی تھا۔ شہر میں شورش کو رفع کر کے وہ معہ اپنے بھائیوں کے محل کے اسلحہ خانہ میں گیا۔ اور اس جگہ مزید کارروائی کے متعلق غور و فکر کرنے لگا۔ ابھی اس بات پر غور ہو ہی رہا تھا۔ کہ راجہ کسے بنایا جائے۔ کہ کائستھ سدر نے جو عملہ خانگی کا ایک سازشی تھا انہیں بدیں الفاظ مخاطب کیا۔ "اب جبکہ سلطنت تمہیں بلا رقیبوں کے مل گئی ہے تمہیں خود اسیر حکومت کرنی چاہئے۔ کیونکہ تمہارے دوستوں۔ رشتہ داروں اور نوکروں کی جمعیت نے تمہیں مضبوط بنا رکھا ہے" جب وہ ایسا کہہ چکا تو اِن بد معاشوں کو خود حکمران بننے کا شوق چرایا۔ اور وہ تخت پر بیٹھنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس افواہ نے کہ وہ شاندار راجہ یشسکر کی نسل سے تھے ان کے خاندان کے ہر فرد بشر کے دل میں تخت کی خواہش پیدا کر دی۔ اِن کا طریق زندگی غیر دیانت دارانہ تھا اس لئے شریر دوستوں کے

ہی گاؤں کے دو نام کے تج کوٹھ اور وچ کوٹھ کے مشہور ہیں۔

کملیشور کا نام بڑی آسانی سے موجودہ کرم بھر کے نام میں پایا جاتا ہے۔ جو ایک ایسے گاؤں کا نام ہے جو چ پور پرگنہ میں ایک نشیب سلسلہ کوہ کے دامن میں واقع ہے۔ اور جس کا نام نقشے پر کردم بھر درج ہے۔

صنوبر سے ڈھپے ہوئے ان پہاڑوں کے سلسلے سے گزر کر وہ راستہ ملتا ہے جو کرم راج کے شمالی حصوں کی طرف سے سو پیھو کی طرف جاتا ہے۔ موضع دچلی دور کے قریب یہ اُس ندی کی وادی میں داخل ہو جاتا ہے۔ جسے نقشہ پر پنج تر کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔ اور وہاں سے مغرب کی طرف ہو جاتا ہے۔ موضع راج پور کے اوپر کی طرف یہ وادی تنگ ہو کر ایک جنگل سے ڈھکی ہوئی

کہنے سے اُن کی یہ دلی خواہش بد امنی کا درجہ اختیار کر گئی۔ جب ہم جانتے ہیں کہ سدلوت حمال کے گھر پیدا ہوا تھا تو ہمیں خیال آتا ہے کہ اس بدبخت کو یہ طریق عمل کیوں پسند نہ آتا؟ ہر چند کہ وہ ایک چھوٹے درجہ کے اہل کار کشیم دیو کا بیٹا تھا تاہم اس کا چال چلن نہایت تند اور ایک ایسے شخص کے شایان شان تھا۔ جو سینہ زوری کے کام کرتا ہو۔ جب اس نے محل شاہی سے ایک سونے کا برتن چرا لیا تھا۔ تو بعض علامات کی وجہ سے ہر چند کہ اس پر شبہ تھا۔ تاہم اس کی چالاکی کی وجہ سے اس کا چور ہونا شناخت نہ کیا گیا تھا۔ وہ خنجر لیکر چلتا تھا۔ سر ننگا رکھتا تھا۔ ہر شخص پر مذاق اُڑاتا اور اس کے ساتھ گستاخی سے پیش آتا تھا۔ غرض ہر طرح راج پتر کی مانند برتاؤ کرتا تھا۔ اور اپنے مقابلہ میں تینوں لوک کو بے حقیقت خیال کرتا تھا۔ وہ ہر وقت اپنی انگلیوں کو مٹکاتا۔ اور سلطنت پر قبضہ کرنے کے خیالات میں محو رہتا تھا۔ چڈ اور اس کے ساتھی کچھ

کھڈ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایک میل کے فاصلے تک اس میں اس قسم کے فوری حملے کا خاصہ موقعہ مل سکتا ہے۔ جیسی کہ کیفیت اس جگہ مذکور ہے۔ راستہ کھڈ کی تہ کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اور عمودی ٹیلوں کے درمیان ہوتا ہوا ندی کے پیچیدہ راستہ کے مطابق آگے بڑھتا ہے۔ ستمبر ۱۸۹۲ء میں جب **سٹائین** صاحب اس علاقہ میں گئے تھے۔ تو انہیں معلوم ہوا۔ کہ تھوڑی تعداد کے لوگ بھی اس راستے کو آسانی سے روک سکتے ہیں۔ اوپر چل کر سومبھو کے قریب ملک نسبتاً کھلا ہے اس میں گھاس سے ڈھپے ہوئے کراروں کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے جن کے درمیان چوڑی اور کم گہری وادیاں موجود ہیں۔

تواس کی نصیحت اور کچھ اپنی خواہش سے شاہی طاقت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر جب اُنہوں نے سُنا کہ راجہ ابھی زندہ ہے تو اُن کی ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ خواہش ان کے من میں موجود رہی۔ ہرچند کہ یہ (خواہش) علانیہ طور پر نمودار نہ ہوتی تھی۔ تاہم نہ تو وہ آنکھیں بند کرتی اور نہ سوتی تھی ٭

اس کے بعد کچھ زمانہ گزر جانے پر راجہ نے جسے کبھی کسی سے زیادہ عرصہ تک محبت نہ رہتی تھی۔ انہیں ادنےٰ حالت پر پہنچا دیا۔ اور انہیں دربار شاہی میں ان کے عہدوں (راجستھان) نوٹ ۶۷۳ سے برطرف کر دیا۔ راجہ کی عادت تھی کہ ہر شخص کو سخت سُست الفاظ کہہ بیٹھتا تھا۔ چنانچہ اس نے ان کی نسبت بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کئے۔ جن سے انہیں سخت رنج پہنچا۔ ان کا باپ راجہ ہرش کے عہد میں فوت ہو چکا تھا اور اب وہ اپنی بیوہ ماں کے ہاں رہتے تھے۔ جو ابھی جوان تھی۔ اور گرم خون رکھتی تھی۔ انہی ایام میں انہوں نے میہ مٹک نامی ایک سپاہی کو مار ڈالا تھا۔ جو ان کا بڑا بھی اور گہرا دوست تھا۔ کیونکہ انہیں شُبہ تھا کہ یہ شخص ہماری

نوٹ ۶۷۳ اس موقعہ پر راجستھان کا ذکر واقعی عجیب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اُسکے بھائیوں میں سے کسی کی نسبت قبل ازیں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ وہ راجستھان کے اعلےٰ عُہدے پر مامور تھے جس کی نسبت ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۱ میں ذکر آتا ہے کہ اسپر بھوگ سین مقرر تھا۔ اس لئے یہ امر اغلب ہے کہ اس لفظ کو ان معنوں میں نہیں لیا جا سکتا جن کی تشریح نوٹ ۵۵۲ کتاب ہذا میں کی جا چکی ہے بلکہ وسیع ترین معنوں میں لیا جا سکتا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۰ میں محاسب خانے کے عہدے کو راجستھان کے عہدے کے طور پر لکھا گیا ہے

ماں سے ناجائز تعشق رکھتا ہے۔ راجہ نے دریافت کیا۔ کہ تم نے اسے (اپنی ماں کو) بھی کیوں سزا نہیں دی۔ جبکہ وہ صریحاً گنہگار ہے۔ اور ان کی ماں کی ناک حکماً کٹوا دی۔ یہ داستان راجہ ان کی موجودگی میں ہی بیان کرتا۔ اور اکثر انہیں اس طرح یاد کیا کرتا تھا۔ "وہ نکٹی کے بیٹے کہاں ہیں"؟

یہ راجہ کائستھوں کے لئے بدرجہ موت تھا۔ اس نے سد کو بھی خزانہ خاص (بربدگنج) اور دوسرے خزانوں کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دینے کے بعد اُس کے سرکاری عہدہ سے موقوف کر دیا۔ کیونکہ سد کے اپنے محاسب نے جس سے اس نے بدسلوکی کی تھی راجہ سے اس بات کا ذکر کر دیا۔ کہ اس نے خزانہ کی بعض رقوم غبن کر لی ہیں۔

اوچل کے خلاف سازش

جب راجہ نے ناراض ہو کر اس سے پروشں بھاگک[۶۷۷] (خزانچی) کا عہدہ لے لیا تو اس تند مزاج آدمی نے ردچہ اور باقیوں کو سابقہ تجویز پر عمل کرنیکی ترغیب دی۔ اُنہوں نے راجہ کو مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور موقعہ کے انتظار میں رہ کر ہنسرتھ وغیرہ بدطینت لوگوں کے ساتھ خط وکتابت کرنے لگے۔ جن لوگوں کا ارادہ راجہ کی جان لینے کا تھا ایک جا ہوئے۔ اور اُنہوں نے طریق پریت کوش پر حلف لیا۔ لیکن چار پانچ سال تک انہیں کبھی کوئی موقعہ نہ ملا۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ اور لوگوں کے گناہوں پر دلالت

---

[۶۷۷] پروشں بھاگک کے عہدے کے متعلق صحیح حالات یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتے۔ ممکن ہے کہ خزانے کا کوئی یہ ماتحت اہلکار ہو جو پروشں یعنی ادائیگی ٹیکس کی اصلی رقوم وصول کیا کرتا ہو۔ جیسا کہ آج کل خزانچی یا کشمیر میں پیٹی بول کا عہدہ ہوتا ہے۔

کرتی ہے۔ کہ یہ خفیہ سازش افشانہ ہوئی۔ گو اس کی تجویز مدت دراز تک ہوتی رہی۔ اور اس میں یوں بھی بہت سے لوگ شریک تھے۔ جو باہم ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے ؛

یہ لوگ ہر شخص سے کہا کرتے تھے "راجہ تمہاری نسبت طنز آمیز الفاظ استعمال کرتا ہے"۔ اور اس طرح پر اس کے خلاف لوگوں کو بدظن کر رہے تھے۔ سازشی ہر وقت اپنی چھاتیاں۔ پہلو اور پشین زرہ سے محفوظ رکھ کر راجہ کے پیچھے پیچھے لگے پھرا کرتے تھے۔ راجہ جو اس سے پہلے کبھی جیمتی سے جدائی گوارا نہ کرتا تھا۔ اور جو باوجود راجہ ہونے کے ایک معمولی عاشق کی مانند اسے ہر طرح خوش کرنے کو تیار رہتا تھا دو سال تک اس سے مدامی تنفر کا اظہار کرتا رہا۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اس (راجہ) کے مزاج میں فرق آچکا تھا۔ اور اس سے اس کے انجام کا اندازہ ہوتا تھا۔ بعض اس کے تنفر کو اسبات سے منسوب کرتے تھے کہ رانی نے بھکشاچر کو پناہ دی تھی۔ اور بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ جذبات عشق بجلی کی طرح غیر مستقل ہوتے ہیں اب ونزل[۶۷۵]

[۶۷۵] یہ بات ٹھیک طور پر بیان نہیں کی جا سکتی کہ ونزل کونسی جگہ تھی جس کے راجہ سہج پال کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۳۹ میں آتا ہے صرف وکرمانک دیوچرت ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں سوائے اس کے والئے ونزل کا ذکر ادھیائے ۱۸ کے شلوک ۳۸ میں پایا جاتا ہے۔ اور اس جگہ اُسے ان پہاڑی راجاؤں میں شمار کیا گیا ہے جنہیں راجہ اننت دیو نے مغلوب کیا تھا۔ اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے آیا ونزل سے مُراد ہاتل کے پہاڑی علاقہ سے ہے۔ جسے نقشے پر چناب کے شمالی کنارے پر اور بان ہال یا وشلاتا کے جنوب مغرب کی طرف واقعہ دکھایا گیا ہے۔

کی بیٹی سجلا جس سے راجہ نے شادی کر لی تھی اس کی چاہتی رانی بنی ہوئی تھی +

انہی ایام میں راجہ سنگرام پال انتقال کر گیا- اور اس کا بیٹا سومپال اس کے بعد تخت نشین ہوا- جب راجہ نے یہ بات سُنی- کہ سازشیوں نے بباعث نفرت اس کے بڑے بھائی کو زیر حراست کر کے اسے تاج پہنا دیا ہے- تو اسے راج پوری پر سخت غصہ آیا- کیونکہ حقیقت میں بڑا بھائی تخت کے لائق تھا- مگر پھر بھی موقعہ اور وقت کو سمجھ کر اس نے اپنی لڑکی سوبھاگ لیکھا کی شادی سومپال سے کر دی- جو گویا دوامی خوش بختی کی ضمانت تھی- اس موقعہ پر جو دعوت دی گئی- وہ گویا رعایا سے محبت کرنے والے راجہ کی طرف سے جو محتاجوں کے لئے چنتامنی (یہ ایک قسم کا رتن خیال کیا گیا ہے- اور اس کی بابت مشہور ہے کہ جو چیز اس سے طلب کی جائے- وہی مل جاتی ہے) تھا آخری دعوت تھی- جب اس کا داماد رخصت ہوا تو راجہ نے کسی ذرا سی ناراضگی پر تمام تنتریوں کو موقوف کر دیا- لیکن سازشیوں کو کچھ نہ کہا- انہی ایام میں راجہ نے غصہ میں بھوگ سین کو دوارپتی کے عہدہ سے موقوف کر دیا- اور وہ اس کا دشمن بن گیا- جب یہ بہادر آدمی اس عہدہ پر مامور تھا تو تمام ڈامروں کو دبا کر راجہ سسل کو مغلوب کرنے لوہر کی طرف روانہ ہو گیا تھا- لیکن راجہ کو جو اپنے بھائی سے دشمنی تھی اس میں پیار کا عنصر بھی ملا ہوا تھا- اس لئے اسے (بھوگ سین کو) واپس بلوا لیا تھا- اس پر بھوگ سین نے راجہ کی نسبت نا ملائم الفاظ استعمال کئے تھے جنہیں سُن کر راجہ ناراض ہو گیا تھا +

بھوگ سین کا سازشیوں میں شریک ہو جانا

جب راجہ نے اس بہادر کے ساتھ جو اس کا بہترین دوست تھا بے عزتی کا سلوک کیا تو رد چد وغیرہ نے اُسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا

راجہ نے جو گویا خودیم کے ہاتھ (موت) کو حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔ ان لوگوں کو ملک بدر نہ کیا جن کی بے عزتی کی گئی تھی۔ جو بہت سی خواہشات رکھتے تھے۔ جنھوں نے ایک خفیہ انجمن بنا رکھی تھی۔ اور جن کا ذریعہ معاش جاتا رہا تھا +

ٹیڑھے دل والے سد نے اپنے ہمراہیوں کو اس بات پر لعنت ملامت کی کہ اُنھوں نے بھوگ سین پر اعتبار کر لیا تھا۔ کیونکہ آخر الذکر کی بہادری سے وہ اندازہ لگاتا تھا کہ اس کا چال چلن راست ہوگا۔ چنانچہ اس نے کہا "خواہ ہماری جانیں بھی چلی جائیں مضائقہ نہیں لیکن راجہ کو آج ضرور مار دینا چاہیئے۔ ورنہ تھوڑے دل والا بھوگ سین ہماری سازش کا راز افشا کر دیگا"+

سد کے الفاظ واقع میں غلط نہ تھے۔ کیونکہ بھوگ سین نے سازش کا راز منکشف کرنے کے لئے راجہ سے کہا کہ میں آپ سے خلوت میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مگر راجہ نے جواب دیا "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں بہر صورت تمہیں دوارپتی کا عہدہ دوبارہ دینے سے رہا" اس طرح بے عزتی کر کے اس نے اسے پھر سازشیوں میں ہی ملا دیا۔ جس طرح موسم گرما کے آخری ایام میں سونے والا گہری نیند میں غافل ہو کر اپنے آپ کو بھلا دیتا ہے اور جگانے والوں سے ناراض ہوتا ہے ایسے ہی وہ جو اپنے آپ کو قسمت پر چھوڑ دیتا ہے ان لوگوں سے نفرت کرنے لگتا ہے جو اس کے اندر

تحریک پیدا کرتے ہیں +

سازشیوں کا حملہ

اب جو تشوق اپنی باری سے پہرہ پر آگئے وہ محل کی طرف معہ اپنے مسلح ہمراہیوں کے جو تیار تھے روانہ ہوئے۔ انہوں نے اشارہ سے چند ایک چنڈالوں کو بھی اندر داخل کر لیا اور ان سے کہہ دیا۔ کہ "آج رات ہم جس پر وار کریں اسی پر تم نے بھی وار کرنا"

جب راجہ کھانا کھا چکا تو انہوں نے باہر کے کمرے میں کھڑے ہو کر وہاں سے نوکروں کو یہ کہہ کر کہ راجہ ناراض ہے دفع کر دیا۔ اس کے بعد راجہ جو بجلا کی محبت میں سرشار تھا۔ اس کے کمرے میں جانے کے لئے چراغوں کی روشنی میں باہر نکلا۔ اور جب وہ چند ایک ہمراہیوں سمیت وسطی کمرے میں پہنچا۔ تو سندے اس کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر جس میں سے وہ گیا تھا دوسروں کو اس کے پیچھے پیچھے جانے سے روکے رکھا۔ اور جب پٹنہ دوسرے سازشیوں نے مقابل کا دروازہ بھی روک لیا تو سازشی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے راجہ کو گھیر لیا۔ ان میں سے ایک نے اس بہانہ سے کہ وہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔ دو زانو ہو کر راجہ کو آگے چلنے سے روک دیا۔ اور دل برہمن کے بیٹے تیج نے اسے بالوں سے پکڑ کر خنجر کا وار کیا۔ راجہ کے اعضا جو اس وقت سنہری زیورات سے مزین ہو رہے تھے۔ بیشمار خنجروں کے پڑنے سے وہ ان بڑے بڑے سانپوں کی مانند معلوم ہوتے تھے جو میرو پربت کے میلوں کے گرد پھیر رہے ہوں +

"بغاوت" "بغاوت" چلاتے ہوئے راجہ نے اپنے بالوں کو جنہیں انہوں نے پکڑ لیا تھا چھڑایا اور اپنے دانتوں سے اس چرمی تسمہ کو کترا جس میں اس کی نمائشی کٹار لگی ہوئی تھی درحقیقت راجہ کی کٹار سحنا کر نامی نوکر

نے اُٹھائی ہوئی تھی۔ لیکن جب اس نے دشمنوں کو حملہ کرتے دیکھا۔ تو وہ وہاں سے بھاگ گیا۔ آخر اوچل نے وُہ چاقو نکالا جو کسی بچے کے لائق معلوم ہوتا تھا۔ اس کا قبضہ چونکہ تسمہ میں بندھا ہوا تھا۔ اس لئے وہ بمشکل نکل سکا۔ اس کی آنتیں باہر نکل پڑی تھیں۔ لیکن اس نے حوصلہ کرکے خنجر کو گھٹنوں میں قابو کرکے اپنے بالوں کو جو سازشیوں کے پکڑنے سے کھل گئے تھے لپیٹا۔ پھر اس نے ایک نعرہ مار کر تنج پر وار کیا۔ اور آخرالذکر کاری زخم کھا کر زمین پر گر پڑا۔ گویا ایک ہی وار میں اُس کے تمام مجروح ہونے کے قابل حصے زخمی ہو چکے تھے۔ پھر اس نے ردیر، جو پیچھے سے اس پر وار کر رہا تھا حملہ کیا اور گھومتے ہوئے شیر کی طرح گرج کر ویڈ کو پھاڑ ڈالا۔ پھر اس نے ایک اور شخص کو کاٹ ڈالا جس نے ہرچند کہ زرہ پہنی ہوئی تھی تاہم بہت جلد تڑپ تڑپ کر جان بحق تسلیم ہو گیا۔ موقعہ پاکر وہ باہر نکل جانے کے لئے دروازہ کی طرف بڑھا۔ مگر معلوم ہوا کہ اِسے پہرہ داروں نے بند کر رکھا ہے۔ کیونکہ انہیں معلوم نہ تھا کہ راجہ اس حالت میں ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے دروازہ کی طرف چلا۔ لیکن چد نے اس کا راستہ روک کر کہا۔ "بھلا اب تم کہاں جا رہے ہو"؟ اور پھر اس پر تلوار سے وار کیا۔ اس موقعہ پر اس نے بھوگ سین کو دیکھا۔ جو مُنہ پھرائے دروازہ کے سرے پر کھڑا ایک چوبی برش سے دیوار پر کچھ تصویریں کھینچ رہا تھا۔ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے راجہ نے کہا: "بھوگ سین اس طرح کھڑے مُنہ کیوں تکتے ہو؟ شرمندہ ہو کر اس نے کچھ اس قسم کا جواب دیا جو سمجھ میں نہ آسکا۔ ایک شمعدان بردار ریاوت نے جو پہنتا تھا ایک برنجی شمعدان کے ساتھ ان مقابلہ شروع کیا۔ لیکن آخر ان کے

وار کھا کر گر پڑا۔ چمپہ کا راج پتر سوم پال ذلیل نہیں ہوا کیونکہ اپنے دشمنوں کو مار کر وہ بھی ان سے وار کھا کا کام آیا۔ مشہور و معروف سوم پال کا پوتا اور راجک کا بیٹا اجک اپنی کٹار کو چھپا کر اس طرح بھاگا جس طرح کتا دم دبا کر بھاگتا ہے۔ آخر کار جب راجہ بھاگ نکلنے کی کوشش میں جنگلے کو پھلانگنے کی کوششیں کر رہا تھا چنڈالوں نے اس کے گھٹنے کاٹ ڈالے۔ اور وہ زمین پر گر پڑا۔ ایک وفادار کائستھ شرنگار نامی نے اپنا جسم اس پر بچھا دیا۔ لیکن دشمنوں نے اس پر اتنے وار کئے کہ اس کا جسم چھلنی ہو گیا۔ جس کے بعد اُنہوں نے اس کی لاش کو اُٹھا کر پرے پھینکدیا +

اُچل کی موت ۱۱۱ء جب راجہ دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا تو اس کے تمام حملہ آوروں نے بے شمار ہتھیاروں سے اس پر حملہ کیا۔ یہ ہتھیار اس وقت گہرے نیلے کنول پھولوں کا ایک ہار معلوم ہوتے تھے۔ جو گویا کالی دیوی نے اسے بطور اعزاز پہنایا ہو۔ آخر کار اخلاق سے گرے ہوئے سد نے یہ کہہ کر خود اس کا گلا کاٹ ڈالا۔ "ممکن ہے یہ بدمعاش مرا نہ ہو۔ اور یونہی دھونگ مچا رہا ہو"۔ اس نے اس کی اُنگلیاں بھی کاٹ ڈالیں۔ اور یہ کہتے ہوئے اس کی جواہرات سے جڑی ہوئی انگوٹھیاں اُتار لیں "مجھے اس نے عہدہ سے موقوف کیا تھا"۔ ایسے لمبے بازوؤں والا راجہ اس وقت زمین پر سویا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے بال جن میں سے ہار گر چکے تھے۔ اس کے چہرہ پر بکھرے ہوئے تھے۔ اور اس کے ایک پاؤں میں ابھی تک جوتا تھا۔ یہ بااختیار راجہ لوگوں کے ساتھ جو بے رحمی کا سلوک کیا کرتا تھا اس کی تلافی کسی حد تک اس بہادری سے ہو گئی۔ جو اس نے بوقت مرگ

دکھائی۔ سورت نامی ایک نوکر باہر جاکر اس دغابازی پر آہ و زاری کر رہا تھا۔ کہ بھوگ سین نے خشم گین ہو کر اسے کاٹ ڈالا۔ راجہ اپنی چاہتی رانی کے کمرے کی طرف جلنے لگا تھا مگر معلوم ہوتا تھا۔ گویا وہ راستہ بھول کر کالی کے مکان کی طرف چل نکلا ہے۔ وہ راجہ جو اپنی سلطنت میں تفریحات کے شائق رہتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی پوشاکوں سے جی بہلائے رکھتے ہیں۔ ان شہد کی مکھیوں کی مانند ہیں جو باغ میں شوق سے پھولوں کی رس کی تلاش کرتی ہیں۔ اور مختلف شگوفوں سے اپنا جی بہلاتی ہیں لیکن افسوس یہ دونوں نظر آنے کے بعد جلدی ہی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ راجاؤں کو تو قسمت گرا دیتی ہے۔ اور شہد کی مکھیوں کو بیل پر سے تیز ہوا۔ لنکا پتی راون جس نے تینوں لوک مغلوب کئے تھے (۱۹۶) آخر کار حیوانات کے ہاتھوں مغلوب ہوا۔ اور کوروں کا راجہ جو لاتعداد راجاؤں سے افضل تھا اس نے سر پر پاؤں سے ٹھوکر کھائی۔ اس طرح پر ہر ایک بڑے آدمی کو انجام کار ایسی ذلیل کرنے والی شکست نصیب ہوتی ہے گویا کہ وہ بالکل معمولی حیثیت کا انسان ہو۔ اس صورت میں کون ہے جو نخوت کو برقرار رکھتا ہوا کہہ سکے "میں بڑا ہوں"!

جب راجہ کو اس کے دشمن چھوڑ کر چلے گئے تو اس کے چتر بردار اسے جلانے کے لئے ایک بھکاری کی طرح ننگا ہی اٹھا کر لے چلے۔ ایک نے اس کی لاش کو گردن سے پکڑ لیا۔ دوسرے نے اس کے پاؤں بازو تلے دبا لئے اور

---

(۱۹۶) اس جگہ ہنومت کے بندروں کے ذریعہ راون کے شکست یاب ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کوروں کا راجہ دریودھن جب لڑائی میں مغلوب ہوا تو بھیم نے اس کے سر پر ٹھوکر لگائی تھی۔

اس طرح پر وہ راجہ کو کھینچتے ہوئے لے چلے۔ اس کی گردن لٹک رہی تھی اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اس کا جسم خون سے تر بتر تھا۔ اور اس کے زخموں سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آ رہی تھی۔ محل سے باہر نکال کر وہ اسے ایک بھیکاری کی مانند مرگھٹ کو لے چلے۔ مگر خوف زدہ ہو کر انہوں نے اسے فوراً اس جزیرہ پر جلا دیا جو مہاسرت[۶۷۷] اور وتستہ کے مقام اتصال پر واقع ہے۔

جب وہ قتل ہوا اور جب جلایا گیا تو کسی نے بھی نظر بھر کر اس کی طرف نہ دیکھا۔ اور وہ بہت جلد نظروں سے اس طرح غائب ہو گیا جس طرح کہ پرندہ اڑ جاتا ہے جب یہ راجہ ۶ شدی پوہ لوکک سمت ۴۱۸۷ (۱۱۱۱ء) کو مقتول ہوا تو اس کی عمر ۴۱ سال کی تھی۔

---

۶۷۷ جیسا کہ نوٹ ۱۰۸ میں ذکر کیا جا چکا ہے مہاسرت وہی ندی ہے جس کا نام آج کل ناری ہے۔ جو جھیل ڈل میں سے بہتی ہے۔ اور معہ اپنی شاخ تسنتہ کل دیب کے درخت والی نہر کے شیر گاڈی محل کے مقابل میں پہلے پل کے کسی قدر نیچے وتستا میں جا ملتی ہے۔ مہاسرت اور وتستا کے درمیان مائےسُم یا ماکشش سوامن کا بڑا جزیرہ واقع ہے۔ جس کا ذکر نوٹ ۲۲۳ کتاب ہذا میں آ چکا ہے۔ اس جزیرے کے مغربی سرے پر اور پہلے پل کے اوپر کی طرف تھوڑے فاصلے پر اب سے چالیس برس قبل تک ہندوؤں کا مرگٹ دریا کے کنارے پر واقع ہوا کرتا تھا۔ آج کل اسی کے قریب عیسائیوں کا شیخ باغ والا قبرستان واقع ہے۔ کلہن نے ترنگ ۳ کے شلوک ۳۳۹ میں جو حوالہ دیا ہے۔ اُسے اگر تاریخی تسلیم کیا جائے تو ہمیں خیال کرنا پڑتا ہے۔ کہ پرورسین کے شہر کی بنیاد سے پہلے یہ جگہ بطور شمشان کے استعمال ہوتی تھی

راجہ رد (سنکھراج)

۸ تا ۹ - دسمبر ۱۱۱۱ء

اب رد جو خون آلود تھا- تلوار اور زرہ سمیت تخت نشیں ہوگیا- اس کی حالت اس وقت اس بیتال کی سی تھی- جو مرگھٹ میں کسی پتھر پر بیٹھا ہو *

لادھر جب سپہ سالار گرگ چندر نے اپنے آقا کے قتل کی خبر سنی تو اُس کی آنکھوں میں خون اتر آیا- اور فوراً ہی اپنی سپاہ کو ساتھ لے بلائے ناگہانی کی طرح دشمنوں کے سر پر آپہنچا- جب رد لڑنے کے لئے تخت پر سے اُترا تو اس کے رشتہ دار اور متعلقین بڑی بہادری سے اس کی موجودگی میں لڑے- اور اپنی جانیں دے دے کر میدان جنگ کو آراستہ کردیا- دو تنترین دٹ اور پٹ جو اس کے رشتہ دار تھے اور کٹ سوریہ اور دوسرے سپاہی بڑی دیر تک لڑنے کے بعد کام آئے- اور محل کے بڑے پھاٹک (سنگھ دوار) پر جان بحق تسلیم ہوئے- رد تلوار اور ڈھال لگائے محل کے صحن میں دشمنوں پر حملہ کرتا ہوا اس طرح دکھائی دیتا تھا گویا کوئی ایکٹر جنگی سٹیج پر ناچ رہا ہو- جب وہ اپنے دار دل سے بہتوں کو کاٹ چکا- اور اس کی بدولت دشمنوں کی فتح بارہا مشتبہ رہ چکی- تو آخر کار وہ خود بھی لڑائی میں کام آیا- اس خونخوار جدوجہد نے گرگ کو مناسب حد سے بھی آگے بڑھا دیا- اور اس نے جوش میں آکر حکم دیا- کہ بغاوت شاہی کی جو سزا مقرر ہے- وہ مردہ رد کو دی جائے-

گرگ چندر کا سازشیوں کو مغلوب کرنا۔

ویڈ کو دوامٹھ کے قریب اہل شہر نے خاک اور پتھر پھینک کر مار ڈالا اور اس کا سر ایک پاخانہ کی موری میں گھسیڑ دیا۔ جن لوگوں نے راجہ سے دغا کیا تھا ان کے ٹخنوں میں رسّیاں باندھ دی گئیں۔ اور اس حالت میں انہیں اِدھر اُدھر گھسیٹا گیا۔ لوگوں نے ان کی وہی عزّت کی جس کے کہ وہ مستحق تھے۔ یعنی ان پر تھوکا۔ ہنسر تھ اور دوسرے بھاگ کر کسی جگہ سد سے جا ملے۔ اور موت سے بھی بدتر عذاب مصیبت برداشت کرنے لگے +

بھوگ سین نے نخوت سے یہ بات سوچ لی تھی کہ چھوٹے بھائی کے مرنے پر گرگ بھی مغلوب ہو چکا ہے۔ لیکن اب جب اس نے یہ واقعات سُنے۔ تو اس پر گویا بجلی ٹوٹ پڑی۔ وہ مقابلہ کرنے کی نیت سے مڑا۔ لیکن بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو دیکھ کر مارے خوف کے کہیں بھاگ گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کے چند ایک ہمراہی بھی چلے گئے +

اس طرح گرگ چندر نے محض اپنے بازو کے زور سے سازشیوں کی انجمن کے رہبروں کو مارا۔ اور منتشر کر دیا۔ کسی خطرناک معاملہ میں اس قسم کی بہادری اور قابلیت کے اظہار کا ذکر میں نے کہیں قصہ کہانیوں تک میں نہیں سُنا۔ دغا باز رد جس نے سنکھراج کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ایک رات اور ایک پہر دن حکومت کر کے اسی راستہ چلا گیا جدھر کہ برائی کرنے والے جاتے ہیں۔ ان دغا بازوں کو اس بات کا مغرورانہ دعوٰے تھا۔ کہ ہم یشسکر کی اولاد سے ہیں۔ اور اسلئے راجہ ورنت کی طرح انہیں اختیارات شاہی بھی صرف ایک ہی لمحہ

حاصل ہے۔ کرات جنگلوں میں شیر اور دوسرے درندوں کو آگ جلاکر اور پھندا لگاکر مارتے ہیں۔ لیکن آخرکار خود بھی اتفاقیہ طور پر چٹانوں کے گرنے سے کام آتے ہیں۔ فی الحقیقت سبھی لوگ صرف موت کے راستہ پر چل رہے ہیں۔ "میں قاتل ہوں۔ وہ مقتول" اس کے معنے صرف تھوڑے ہی عرصہ کے فرق کے ہیں۔ جو لوگ اپنی شادی کے موقعہ پر عورتوں کی خوشی اور چہل پہل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں وہ آخری وقت پر اپنی بیویوں کی آہ و زاری سن کر اندوہ ناک ہوا کرتے ہیں۔ جس نے کل دشمن کو قتل کرکے خوشی منائی تھی وہی آج اپنے قاتل کو خوش دیکھ رہا ہے۔ اس مایا پر دھتکار ہے جو ایسا افسوس کا پیدا کرتی ہے۔ سازشیوں کا خطرناک فعل اس درخت کی مانند تھا جس کا شام کو خیال پیدا ہو۔ رات کے وقت اس میں پھل لگے۔ اور اگلے روز وہ پھل پک جائے ۔

جب گرگ نے یہ کام سرانجام دیئے اور اس طرح پر وہ اپنے غصے کو فرو کرچکا تو تخت پر گر کر عرصہ دراز تک اپنے سرگ باشی آقا کے لئے آہ وزاری کرتا رہا۔ جب کہ وہ آنسو بہا رہا تھا تو تمام اہل شہر نے بھی خوف سے نجات پاکر راجہ کے لئے جو سب میں ہر دلعزیز تھا گریہ وزاری کرنا شروع کی ۔

اوچل کی رانیوں کا ستی ہونا چالاک جے متی نے جو زندہ رہنے کی خواہشمند تھی اپنا مال و متاع اس غرض سے گرگ کو دے دیا کہ اس کے دل میں رحم پیدا ہو۔ اور اس سے کہنے لگی۔ کہ بھائی میرے لئے بھی کچھ انتظام کردو۔ لیکن اس نے

اپنی دیانت دارانہ فطرت کے باعث ان الفاظ کو محض رواجی خیال کیا۔ اور اس کے لئے چتا تیار کرا دی۔ کوئی شخص عورتوں کے دلوں کی نہ تک نہیں پہنچ سکتا جن کی زلفوں میں خم۔ آنکھوں میں چنچلتا اور اُبھری ہوئی چھاتیوں میں سختی ہوتی ہے۔ باوجود بے وفا ہونے اور اپنے شوہروں کو مار دینے کے وہ بے پرواہی سے آگ میں اُتر پڑتی ہیں۔ واقعی عورت کی فطرت کے متعلق کسی شخص کو یقین نہیں ہوسکتا۔ (چتا کا تیار ہونا تھا۔ کہ جے متی ستی ہونے کے لئے تیار ہوگئی) +

لیکن جب وہ (جے متی) ڈولی میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔ اور سڑک پر عمداً تاخیر کر رہی تھی بجلا اس کے آگے جا کر چتا میں کود پڑی۔ اور جب وہ (جے متی) چتا پر چڑھنے لگی۔ لوگوں نے اس کے زیورات چھیننے شروع کئے۔ جس سے اُسے بہت کچھ تکلیف پہنچی +

لوگ دونو رانیوں کو راجہ کے چتروں اور چنوروں کے ساتھ بھسم ہوتے دیکھکر گریہ و زاری کرتے تھے۔ اور انہیں اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کی آنکھیں درد سے جل رہی ہوں +

گرگ نے اپنے اعلےٰ کیرکٹر کا اظہار اس وقت اس طرح پر کیا کہ گو سب نے اسے تخت پر بیٹھنے کی درخواست کی تاہم وہ انکار ہی کرتا گیا۔ وہ چند خاص خاص اشخاص کا متلاشی تھا اور ان کی گود[۶۷ھ]

[۶۷ھ] زمانہ قدیم میں رواج تھا۔ کہ تخت کا وارث اگر چھوٹا بچہ ہو تو اُسے کسی بڑے رشتہ دار کی گود میں دیکر دونوں کی رسم ابھی شیک (تخت نشینی) ایک ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ اس سے مراد یہ لی جاتی تھی۔ کہ بچپن میں وارث تخت محفوظ رہے اور

ہیں اوچل کے شیر خوار بیٹے کو دے؟ اسے راجہ بنانا چاہتا تھا لوگ اب انہی لوگوں کے کاموں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ جن کی نسبت پہلے ان کا خیال تھا۔ کہ وہ بھیکاری بننے کے قابل بھی نہیں +

راج کماری سونیا کے بطن سے ملراج کے تین بیٹے سلھن اور دو اور تھے جن میں سے منجھلا انتقال کر چکا تھا۔ سب سے بڑا سلھن اور چھوٹا لوتھن ابھی زندہ تھے اور جب سنگھراج انہیں مارنے کے لئے اِن کی تلاش کر رہا تھا تو وہ نومٹھ میں جا چھپے تھے +

راجہ سلھن

سنہ ۱۱۱۱ء تا سنہ ۱۱۱۲ء

بے شرم سازشی تنترین۔ سوار اور شیر اب مغلوب سازشیوں کا ساتھ چھوڑ کر جمع ہوئے اور اُنہوں نے دو لو بھائیوں میں سے بڑے یعنی سلھن کو بلایا۔ جب گرگ نے جسے تخت کے اہل کوئی شخص نہ ملتا تھا

بعد میں خود با اختیار حکمران بنے۔ چنانچہ بھوج پربندھ کے شروع میں بھوج اور اُس کے چچا مُنج کی رسم ابھی شیک ایک ساتھ ادا کئے جانے کا ذکر آتا ہے۔

وہ شخص جس کی گود میں گرگ چندر خاص طور پر اوچل کے بیٹے کو بٹھانا چاہتا تھا سسر منگل تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۰۰۔ آخر الذکر کے بارے میں ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۱۸ میں ذکر آچکا ہے۔ لیکن اس کے نسب کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ نیز دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۰۲ و ۵۱۶۔

اسے دیکھا تو اس نے جھٹ اسی کے سر پر تاج پہنا دیا +

شرم کی بات ہے کہ ایک دن اور ایک رات کے عرصہ میں چارپہر کے اندر اندر تین راجہ ہو گزرے۔ بحالیکہ لازم تھا کہ وہ ایک نسل کے عرصہ میں ہوتے۔ ایسے ایسے درباری موجود تھے جنھوں نے شام کو راجہ اوچل۔ صبح کو راجہ رد اور دوپہر کو راجہ سلھن کی خدمات کی تھیں +

اس واقعہ کے ۱½ دن بعد راجہ سُسل کو جو لہر کوٹ میں تھا اپنے بھائی کے مرنے کی خبر ملی۔ جس پر اسے بڑا جوش آیا۔ گرگ نے اس کے پاس جو قاصد بھیجا تھا وہ روتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ جس سے سسل کو اپنے بھائی کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ خود بھی آہ وزاری کرنے لگا پہلے قاصد کی زبانی اس نے سلھن کی تاج پوشی کے واقعات نہیں سُنے بلکہ صرف اُسے اپنے بھائی کے مرنے اور اپنے بلائے جانے کی خبر ملی تھی۔ کیونکہ گرگ کے گھر سے جب وہ قاصد روانہ ہوا تھا تو اس نے اسے صرف سُسل کو بُلا لانے کا پیام دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اسے خیال نہ تھا کہ میں دشمنوں کو ایسی جلد دبا سکونگا کیونکہ یہ ایک مشکل کام نظر آتا تھا +

سُسل کا کوچ بجانب کشمیر

وہ رات سُسل نے رونے دھونے میں بسر کی۔ اور علی الصبح فوجوں تک کو ساتھ لئے بغیر کشمیر کو روانہ ہوا۔ راستہ میں اسے گرگ کا دوسرا قاصد ملا جس نے اسے تمام واقعات کی خبر دی اور کہا کہ آپ یقیناً وہاں نہ جائیے۔ سازش کو سرعت سے دبا دیا گیا ہے۔ اور آپ کی عدم موجودگی میں آپ کا چھوٹا بھائی سلھن تخت پر بٹھا دیا گیا ہے۔ اب آپ کے وہاں

جانے سے کیا فایدہ ہے" +

جب راجہ سسل نے گرگ کا پیغام سُنا تو اس نے غصہ میں بے صبر ہو کر ہنستے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔"ہمیں تاج اپنے باپ سے نہیں ملا۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو یقیناً وارث وہی ہو سکتا ہے جو دوسرے درجے پر پیدا ہوا ہو۔ لیکن حقیقت میں میں نے اور میرے بھائی نے تاج کو اپنے ہتھیاروں کی مدد سے فتح کیا تھا۔ سلطنت کو ہمیں دونوں نے حاصل کیا تھا۔ کسی نے ہمیں دے نہ دی تھی۔ کیا اب وہ وسائل موجود نہیں رہے جن سے ہم نے پہلے اسے حاصل کیا تھا؟"

یہ کہ کر اس نے کوچ درکوچ کرنا شروع کیا اور گرگ کو اپنا طرف دار بنا لینے کے لئے بہت سے قاصد اس کے پاس بھیجے۔ جب وہ کاستھواٹ[۶۷۹] پہنچا تو گرگ چندر جو سلھن کا طرف دار تھا مقابلہ پر اُترا اور اس نے ہشک پور میں ڈیرا ڈال دیا۔ شام کے وقت سسل کے قاصدوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ گرگ ہر چند کہ صلح کرنے پر آمادگی ظاہر کرتا ہے۔ تاہم اس کے ارادے میں فتور نظر آتا ہے۔ باوجود اس کے سسل نے اس خیال سے کہ یہ اس نے اس مہم کو اختیار کر لیا ہے اپنے سوتیلے بھائی ہت ہت کو گرگ کے پاس بھیجا +

---

۶۷۹ کاشتھ واٹ کی مقامیت کا ذکر نوٹ ۴۵۳ کتاب ہذا میں آچکا ہے اس موقعہ پر سسل نے جو راستہ اختیار کیا وہ غالباً موسم کی شدت کی وجہ سے درۂ توشش میدان کے اوپر سے ہو کر نہ گزرتا تھا۔ بلکہ مغرب کی جانب نچلے دروں کے اوپر سے ہو کر۔ دیکھو نوٹ ۶ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ لوہر۔ ہشک پور یا اُشکر کے متعلق دیکھو نوٹ ۶۷ کتاب ہذا۔

اس موقعہ پر قسمت کے دھوکے میں آکر بھوگ سین بلواون[۶۸۰] کے چند کھاشوں کی وساطت سے راجہ (سُسل) کے پاس پہنچا۔ اور کرن بھوتی سوار کو راجہ کے پاس بھیجا اور اسے یہ کہہ کر دم دلاسہ میں لانے کی کوشش کی کہ میں گرگ کو شکست دونگا۔ لوگ اس بات کو سُسل کی غلطی میں داخل سمجھتے تھے۔ کہ وہ اپنے بھائی کو دغا دینے والے کو مارنے کے لئے موقعہ کا منتظر تھا کیونکہ وہ تو اس بات کا مستحق تھا کہ بلاقیل وقال اسے قتل کردیا جاتا۔ خود گرگ نے بھی اسے (سسل) قاصدوں کی زبانی یہ ملامت آمیز پیغام بھیجا "میں کیونکر تمہارا طرف دار بن سکتا ہوں جب کہ تمہارے بھائی کو دغا دینے والے تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں؟"

سسل کا بھوگ سین کو مار ڈالنا

لیکن سسل نے محض اس لئے اس معاملہ کو تاخیر میں ڈال رکھا تھا کہ اسے اندیشہ تھا کہ بھوگ سین تاریکی میں سڑک چھوڑ کر فرار ہو جائیگا۔ جونہی رات گزر گئی اس نے اس پر حملہ کیا اور اسے معہ اس کے بھائی کے مار ڈالا۔ کرن بھوتی میدان جنگ میں نکلا اور اس نے اور اس کے سوتیلے بھائی تیجہ سین نے خوب ہی بہادری کے ہاتھ دکھائے۔ مگر آخر کار گرفتار ہوکر راجہ (سُسل) کے حکم سے معہ تیجہ سین اور سواروں کے کمانیر لو راج کے بیٹے مارنیچ کے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جہاں تک اُس کا حوصلہ کام دیتا تھا سُسل سزا اور انعام دیتا رہا۔ لیکن اِس کی

ن ۶۸۰ بلواون جس کا ذکر اور کہیں نہیں آتا غالباً دریائے وتستا کی وادی میں بارہ مولا کے نیچے کوئی مقام تھا جہاں آج تک کھش آباد ہیں۔ نیز دیکھو نوٹ ۳۹۹ کتاب ہذا۔

جمعیت اتنی کم تھی کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی حیثیت کو بھی برقرار رکھنے کی توقع نہ کر سکتا تھا +

جب دن گزر گیا تو سنیج پال بھی جسے سسل نے آگے آگے بھیجا ہوا تھا گھوڑوں سمیت اُن سے آملا۔ اور اُس کے آنے سے فوج کو تقویت ہو گئی مگر اتنے میں گرگ کا ایک کمانیر سوریہ بھی بے شمار فوج لے کر مقابلہ پر آ اُترا +

سوریہ کے ساتھ سسل کی لڑائی

جب سسل کے معتبر مشیروں نے دیکھا کہ یہ لوگ ضرور ضرر پہنچائیں گے تو انہوں نے بڑی مشکل سے اسے گھوڑے پر سوار ہونے اور زرہ پہننے پر آمادہ کیا کیونکہ اسے اپنی قوت پر بہت کچھ اعتبار تھا۔ اتنے میں غنیم کی فوج نے تیروں کی وہ بوچھاڑ کی کہ جس کا سلسلہ غیر منقطع معلوم ہوتا تھا اور جس سے ایسا معلوم ہونے لگا گویا آسمان پر ٹڈی دل چھایا ہوا ہے۔ دشمنوں نے نہ صرف اپنے تیروں کی سنسناہٹ کے ذریعہ اپنی دشمنی کا اظہار کیا بلکہ ہر قسم کے ہتھیاروں سے راجہ کے لشکر پر حملہ کیا +

سسل کی فراری

جب لاپرواہ راجہ (سسل) کے سپاہی کچھ مقتول کچھ زخمی اور کچھ منتشر ہو چکے تو وہ اکیلا دشمن کی صف سے نکل کر وہاں سے فرار ہوا۔ راستہ میں اس نے اپنے گھوڑے سمیت ایک پل[۶۸۱] کو عبور کیا جس کے نیچے دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ گزرنے

[۶۸۱] کلہن کا اشارہ رسیوں کے پل یا جھولے کی طرف ہے۔ جیسے پل اب سے چند سال پہلے تک بارہ مولا سے نیچے کی طرف دتشنا سے وادی کی طرف گزرنے کا ذریعہ ہوتے تھے۔ یہ رسیوں کے پل سادہ ترین ساخت کے معلق پل ہوا کرتے تھے۔

وقت پل نیچے اوپر ہل رہا تھا۔ اور بادی النظر میں پرندوں تک کے لئے
ناقابل عبور معلوم ہوتا تھا۔ سنج پال اور اس کے علاوہ ایک دو اور شخص
اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور اس کے ساتھ شامل ہو کر ہر قدم پر
دشمن کو روکتے رہے آخر کار جب بہادر راجہ معہ ۲۰۔ ۳۰ ہمراہیوں کے
ویرانک[۶۸۲] نامی کھشوں کے مقام پر پہنچا۔ تو دشمنوں نے اس کا پیچھا چھوڑ
دیا۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہاں ہر چند کہ اس کے ہمراہ صرف چند
ایک آدمی تھے۔ اور وہ بھی کپڑوں اور کھانے سے محروم تھے تاہم اس نے
بے خوف ہو کر کھشوں پر حملہ کیا اور انہیں سزائیں دیں +

آخر کار قسمت کی یاوری سے موت کے ہاتھوں بچ کر وہ دوبارہ لوہر
میں پہنچ گیا گو زیادہ برف باری سے درہ کو عبور کرنا مشکل ہو رہا تھا۔
گو ہر قدم پر اسے موت کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اس کی زندگی محض اس
وجہ سے بچ رہی تھی کہ اس کی قسمت میں ابھی کچھ عرصہ زندہ رہنا لکھا تھا

اور انہیں عام طور پر مڑی ہوئی شاخوں کے تین رسوں سے بنایا جاتا تھا۔ چونکہ
اس قسم کے پل ہوا میں ہلتے ہیں۔ اس لئے کسی چوڑے حصہ دریا کے جھولے پر سے
گزرنا اُن لوگوں کے لئے جو ان کے عادی نہ ہوں بڑا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ بعض
اوقات جبکہ آندھی تیز چل رہی ہو اس قسم کے جھولے پر سے عبور کرنا اُن لوگوں
کے لئے بھی خطرناک ہوتا ہے جو بچپن ہی سے اس کے عادی ہوں۔ چوپائیوں کو ان
پلوں پر سے گزارنا سوائے اس صورت کے غیر ممکن ہے۔ کہ انسان انہیں اپنی پیٹھ پر
اُٹھا لے۔

چونکہ آخر الذکر عمل ایک ٹٹو کی صورت میں بھی غیر ممکن ہے۔ اس لئے ہمیں اندازہ
کرنا پڑتا ہے۔ کہ سسل کا گھوڑا حقیقت میں دریا میں سے تیر کر گذرا ہو گا۔ جن حالتوں

پھر بھی اس نے تجویز سوچی تو کس چیز کی؟ فتح کشمیر کی! +

اب گرگ نے دشمنی سے غریب ہت ہت کی مشکیں بند ہوا کر اسے دوارکے پُل (دوارسیتو)[۶۸۳] کے سرنے سے دریائے وتشٹہ میں گروا دیا۔ جب اسے پانی میں پھینکا جا رہا تھا کشیم نامی اس کا ایک نوکر خود اس سے پہلے دریا میں کود پڑا اور اس طرح اس نے گرکر رفعت حاصل کی +

اب گرگ راجہ سلھن کے پاس پہنچا تو اسے اس پر غیر معمولی اختیارات حاصل ہو گئے۔ کیونکہ اس نے اسے تاج دلوایا اور دشمن کو مغلوب کیا تھا۔ اس راجہ کو جس نے بغیر مشیروں یا ذاتی عزم کے تخت حاصل کیا تھا۔ ذہنی اضطراب کی وجہ سے اپنے اردگرد ہر چیز گھومتی نظر آ رہی تھی۔ نہ سیاسی دانشمندی نہ بہادری۔ نہ چالاکی نہ راست شعاری نہ فیاضی اور نہ حرص۔ غرض کوئی بات بھی اس راجہ کے کیرکٹر میں نمایاں نہ تھی۔ اس کے عہد حکومت میں دن دوپہر کو لٹیرے اس کے محل کے اندر ہی لوگوں کو لوٹ لیا

میں دریا کی سطح اور پانی کی روانی اس امر کی اجازت دے ان میں ٹٹوؤں کو تیرتے وقت اس رسی کے ذریعے مدد دی جاتی ہے۔ جو جھولے کے اوپر سے گزرنے والا شخص اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھتا ہے۔ جن لوگوں کو نواحات کشمیر کی پہاڑیوں میں کسی جھولے پر سے گزرنے کی مشکوک خوشی حاصل کرنے کا موقعہ ہوا ہے۔ وہ کلھن کو ان مشکلات کے خفیف مبالغہ کے لئے قابل معافی سمجھیں گے جو اس حالت میں عموماً پیش آتی ہیں۔ جھولوں کے متعلق مفصل کیفیت کے لئے دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" صفحہ ۱۲۲۔

[۶۸۳] دیرانک وہی مقام ہے جہاں آج کل وادئی وتشٹا میں ببیاس یا ببیا سک کے مقابل موجودہ مقام دیرن واقعہ ہے۔ دیکھو نوٹ ۳۹۹ کتاب ہذا۔

کرتے تھے۔ سڑکوں پر آمدورفت کرنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے جس تخت پر ایک لنگڑی عورت (ددا) بھی ایک عرصہ تک حوصلہ سے مقیم رہی تھی اس پر مرد ہونے کے باوجود بھی وہ بیٹھا ڈرتا تھا۔ تاہم دونو بھائی تخت کی خوشیاں باہم مشترک ہوکر مناتے تھے۔ جس عورت سے سلہن آج رنگ رلیاں مناتا تھا وہی کل لوتھن کے پہلو میں بیٹھی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ چونکہ اس راجہ کو لوگوں کے کیرکٹر کا کوئی علم نہ تھا نہ اپنے فرائض کا خیال تھا اس لئے سمجھ دار لوگ اس کی سب باتوں پر ہنسا کرتے تھے۔ اس نے لوتھن کے سالے اوج سوہ کو جو سنیاسیوں کی منڈلی میں شامل ہونے کے قابل تھا دوارپتی کا عہدہ دے دیا جس کے لئے وحشیانہ بہادری کی ضرورت ہوتی تھی۔ جب دربار منعقد ہوا تو اوج سوہ نے بیان کیا کہ میں ایک لاکھ مرتبہ اپنا سحر آمیز منتر پڑھ کر سسل کے خطرات کو دور کر دونگا۔ اس دھوکے باز راجہ نے گرگ کے

---

۶۸۳ ظاہر ہے کہ اس جگہ مراد اُس پل سے ہے جو بارہ مولا کے دوار کے قریب واقعہ تھا۔ اس چوکی کے متعلق جو کشمیر کے تمام دواروں میں زیادہ مشہور تھی دیکھو نوٹ ۵۵ کتاب ہذا۔ ہیون سانگ اور اوکنگ نے اسے مغربی دوار قرار دیا ہے دیکھو سٹاین صاحب کے نوٹ متعلقہ سیاحت اوکنگ صفحہ ۲۳ البرونی بھی اپنی کتاب انڈیا کی جلد ا صفحہ ۲۰۷ پر دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر دوار کے موجود ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ دریا کے دائیں کنارے پر دوار کے آثار ہیں وہ پُرانا شکستہ دروازہ ہے جسے درنگ کہتے ہیں۔ اور جواب سے ۲۰ سال پہلے تک محفوظ رہا کرتا تھا۔ دیکھو مور کرافٹ صاحب کی کتاب ٹرلے ولز جلد ۲ صفحہ ۲۸۰۔

کہنے پر بیلاشو کے ڈامر بب کو جس سے آخرالذکر کو نفرت تھی پتھر بندھوا کر وتشتہ میں گروا دیا +

گرگ چندر کا عروج بادشاہ گرگرگ نے مختلف دشمنوں کو تباہ کرتے ہوئے سم آلود کھانا کھلا کر ہالاہ کے بہت سے ڈامروں کو مار ڈالا - راجہ چونکہ برائے نام راجہ تھا اس لئے دربار کے اندر اور باہر[۶۸۴] کی چھوٹی بڑی سب باتوں کا دارو مدار زندگی اور موت تک کے معاملوں میں گرگ ہی پر تھا - ایک موقعہ پر جب گرگ لہر (لار) سے راجہ کے پاس آیا شہر کے سب لوگ مضطرب اور خوف زدہ تھے - اس کی وجہ یہ تھی کہ افواہ پھیل چکی تھی - گرگ کا ارادہ غصہ میں ہونے کی وجہ سے راجہ کے تمام ملازموں کو کشتیوں پر سولی دیکر مار ڈالنے کا ہے - دو تین روز تو لوگوں کی یہ حالت رہی گویا کسی

---

[۶۸۴] باہیا یا باہر اور ابھے انتر یعنی اندر میں جو امتیاز پایا جاتا ہے اس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۶۸ - ۱۵۴۲ - ۱۵۴۶ - ۲۹۶۲ اور ۳۱۵۰ میں آتا ہے - ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۶۸ میں باہیا بھرتیہ کے لفظ کا جو استعمال پایا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھے انتر سے مراد وہ اہلکار ہیں جو اپنے اعلےٰ اقتدار اور براہ راست تعلق رکھنے کی وجہ سے اُس وقت بھی دربار میں شریک ہو سکیں - جب کہ باہیا یعنی باہر والوں کو شریک ہونے کی اجازت نہ ہو دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۴۴۷ - اسی قسم کا امتیاز دربار مغلیہ کے دیوان عام یا دیوان خاص میں پایا جاتا تھا - دیکھو برنیر صاحب کی کتاب ٹریولز صفحہ ۲۶۵ - لفظ باہیالی جس پر نوٹ نمبر ۲۱۶ کتاب ہذا میں بحث ہو چکی ہے غالباً لفظ باہیا سے تعلق رکھتا ہے -

کو بنجار آ کے پُہنچا ہو۔ کیونکہ یہ افواہ اس قدر بھیانک تھی کہ حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو چکے تھے۔ اس پر تلک سنگھ اور دوسروں نے راجہ کے احکام حاصل کئے بغیر یکایک گرگ کے مکان پر حملہ کر دیا۔ سب لوگ جوش میں ہتھیار اُٹھائے نکل آئے۔ لیکن گرگ چندر نے انہیں دیکھ کر اوسان نہ ہارے۔ ولہ بھٹارک ،تلک وغیرہ بغیر کسی شرم کے گرگ کے مکان کے قریب بازاروں میں گھوڑوں پر سوار پھر رہے تھے۔ راجہ نے انہیں روکا نہیں۔ بلکہ بخلاف اس کے لوتھن کو اس وقت حملہ آوروں کی حوصلہ افزائی کے لئے بھیجدیا جب ان کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ چونکہ گرگ کے سپاہیوں نے راستہ روکا ہوا تھا۔ اس لئے لوتھن نہ تو گرگ کے مکان کا محاصرہ کر سکا اور نہ اسے جلا سکا۔ گو اس نے اسے آگ لگانے کی کوشش کی۔ صرف ایک شخص کیشو نامی نے جو لوتھکا مٹھ کا متھیش دسپرٹنڈنٹ تھا۔ اور تیر اندازی کے فن سے واقف تھا۔ تیر چلا کر گرگ کے سپاہیوں کو تنگ کیا۔ شام کے وقت جب کم ہوتی ہوئی روشنی کے ساتھ ہی راجہ کے آدمی بھی کم ہو گئے۔ تو گرگ معہ اپنے ہمراہیوں کے سوار ہو کر نکلا۔ وہ لہر تک بلا مزاحمت کوچ کرتا گیا۔ اور اوج سود کو جو بیماری کی حالت میں نرپور یشور میں ٹھیرا ہوا تھا زیر حراست کر لیا۔ لیکن اس سے اگلے دن اس نے اسے یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ اس بھیکاری کو پکڑنے سے کیا حاصل ہے! راجہ کو اس نے اس لئے معزول نہ کیا۔ کہ سسل بھی اس کا دشمن تھا۔ اس کے بعد اہل شہر کو ہر جگہ گرگ کے آنے کا ہر وقت خوف لگا رہتا تھا اور وہ اپنے گھروں کے دروازے بند رکھتے تھے۔ راجہ مضطرب تھا۔ وہ گرگ سے صلح کر لینا چاہتا تھا۔ اور

اس مطلب کے لئے اس نے مہاتما سھیل کو لہرہیں سفیر بنا کر بھیجا۔ اس نے کسی طرح پرگرگ کو اس بات پر رضامند کرلیا کہ وہ اپنی دختر کی شادی اس (راجہ) سے کر دے۔ لیکن گرگ کے ہمراہی اس بات پر راضی نہ تھے کہ وہ ایک ایسے راجہ سے رشتہ داری کرے جو محض ایک بھوت کا درجہ رکھتا تھا۔ اس پر اس نے راجہ سسل کے ساتھ ملاپ کر لیا اور سلھن کے ساتھ رشتہ نہ کیا اگرچہ وہ اس کے لئے بہت کچھ زور دیتا رہا +

جن دنوں سلطنت کے اجزا منتشر ہو رہے تھے۔ راجہ نے سدہنسر تھ اور لونرتھ کو جاسوسوں کے ذریعہ پکڑوا کر رکئی دنوں تک) جلتے ہوئے کوئلوں اور لوہے کی سیخوں سے خوف ناک اذیتیں دینے کے بعد انہیں قتل کروا دیا۔ اس کے علاوہ اس نے بھوگ سین کی بیوہ ملا کی جو اپنے خاوند کی وفات کے بعد زاہدانہ زندگی بسر کر رہی تھی اور خلوت میں رہتی تھی عصمت برباد کرنی چاہی۔ مگر یہ بچاری دہشت کے مارے آگ میں جل گئی۔ ہرچند کہ راجہ دلھہ بھٹار کی طرف سے اس قدر کمزوری کا اظہار دیکھ چکا تھا۔ تاہم اس نے اسے زہر دیکر مروا ڈالا۔ دلھہ بھٹار نہ تو شاہی نسل سے تھا نہ اس میں تیز بہادری پائی جاتی تھی پھر نامعلوم کیوں اس شریر راجہ نے اسے اس طرح خفیہ طور پر مروا ڈالا؟ اس پر ڈلھہ بھٹار کی بہن نے راجہ کو اس کی اس قدر بزدلی پر سخت لعنت ملامت کی اور آگ میں داخل ہو کر وہ بات کر دکھائی جو ایک عزت دار عورت کے شایاں شان ہوسکتی ہے۔ ہرچند کہ اس راجہ کا عہد حکومت بالکل مختصر تھا۔ تاہم وہ خطرات کی وجہ سے ناقابل برداشت ثابت ہوتا

تھا اور اس لئے یہ عرصہ ایک بُرے خواب سے مشابہ معلوم ہوتا تھا جو کسی طویل شب میں دیکھا جائے +

سُسل کا کشمیر میں داخل ہونا

سسل بھی معاملات کی اس حالت سے ناواقف نہ تھا گرگ کے ساتھ ہر چند کہ اس کا میل ملاپ ہو چکا تھا تاہم اسے اس پر بھروسہ نہ تھا۔ اب وہ کشمیر کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے تھا۔ چنانچہ اس نے سنج پال کو اپنے آگے آگے روانہ کر دیا۔ ملک جسے راجہ سلھن نے دوارپتی کا عہدہ دے رکھا تھا۔ اور جسے کافی مال و متاع بھی دیا جا چکا تھا کسی قدر مشکل سے کوچ پر روانہ ہو کر بارہ مولا پہنچ چکا تھا۔ گرگ نے جسے ملک کا حملہ یاد تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے کوچ کیا۔ اس کی فوجوں کو شکست دی۔ اور انہیں اور شہر بارہ مولا کو لوٹ لیا۔ وہ خود تو بھاگ گیا اور اس کے سپاہیوں کے فانی اجسام نے زمین اور آسمانی اجسام (روحوں) نے اپسراؤں سے وصال حاصل کیا۔ جس طرح مرکزی موتی (نایک) کے گر جانے سے موتی لڑی میں سے نکل کر فرش پر گر جاتے ہیں ایسے ہی جب ان کا رہبر (نائک) غائب ہو گیا۔ تو زمین اپ - چڈ اور دوسرے شریف النسب بہادروں کی لاشوں سے ڈھک گئی۔ سنج پال کی آمد سے جب ملک کا جس کا کوئی مددنہ تھا خطرہ دور ہوا۔ تو وہ راجہ سسل کا طرفدار بن گیا +

جب سنج پال دشمن پر حملہ کرتا بہت آگے نکل گیا تو راجہ سسل اہل شہر اور ڈامروں سے جو اس کے ساتھ مل چکے تھے ترغیب پا کر قریب پہنچا۔ سھیلک نے سلھن کو تو یہ کہہ دیا کہ میں آپ کی طرف سے

راجہ سسل سے صلح کرتا ہوں اور خود آخر الذکر کا طرف دار بن گیا۔ غرض سوائے راجہ سلھن کے سبھی لوگ اوچل کے چھوٹے بھائی کے طرف دار بن گئے۔ اور اس کی آمد کا ویسے ہی شوق سے انتظار کرنے لگے۔ جیسے چاتک بادلوں کا کرتے ہیں۔ اب گرگ کی بیوی چوڈا اپنی دو بیٹیوں کو ہمراہ لئے ان کی شادی کرنے کے لئے راجہ کے پاس پہنچی۔ ان میں سے ایک یعنی راج لکشمی کو راجہ نے اپنی رانی بنانے کے لئے منتخب کر لیا اور دوسری گن لیکھا کو اپنی بہو بنانا پسند کیا +

سلھن کا محل میں محصور ہونا جب سنج پال نے جو آگے آگے پہنچ چکا تھا سلھن اور اس کے چھوٹے بھائی کو محصور کر لیا تو راجہ سسل بھی محل کے صدر دروازہ پر آ پہنچا۔ اس کے دشمن کے ملازموں میں سے ایک نے اس کی آنکھوں کے سامنے پھاٹک گرا دیا۔ لیکن اس سے اسے چوٹ نہ آئی اور اس کا گرایا جانا اس کے دشمن کی خواہشوں کی طرح ناکام ہی رہا۔ جب کہ اس کا دشمن مع سپاہ کے محل میں محصور تھا سسل کی فوجیں گرگ کے حملہ کے خوف سے کانپ رہی تھیں۔ ہر چند کہ اس نے اپنی دو بیٹیاں شادی میں دیدی تھیں۔ تاہم راجہ سسل کے سپاہیوں کو گرگ پر اعتبار نہ تھا۔ اور وہ اس لئے ٹھیرے رہے کہ ٹھیرنے پر مجبور تھے۔ جب کبھی پتہ بھی ہلتا تو وہ کانپ اُٹھتے تھے۔ جبکہ دن گزرتا جا رہا تھا۔ سپاہی تو ایک طرف خائف کھڑے تھے اور راجہ خاندارنی محبت کی وجہ سے دشمن کے مضبوط مکان کو آگ نہ لگا سکتا تھا آخر کار سنج پال نے پتھر مار کر کھڑکی کے کواڑ توڑ ڈالے۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اور

جو لوگ صحن میں جمع تھے ان پر حملہ کر دیا +

پیادہ للک بھی اس کے پیچھے پیچھے گیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ سنج پال کا بلا تحاشا غنیم کی صفوں میں گھس جانا پروانے کے آگ کے گرد اُڑنے کے برابر ہے۔ سنج پال کی طرح یہ شخص درروں کے حملہ اور کاشٹھ واٹ کی سخت لڑائی کے موقعہ پر موجود تھا۔ اور ہر بات میں بالکل اس کا مثنیٰ معلوم ہوتا تھا۔ وہ معہ مٹیھشور (مٹھ کے سپرنٹنڈنٹ) کیشو کے اس کے پیچھے پیچھے اس طرح گیا جس طرح سینی کا بیٹا (ستیاکی)، اور پَون کا بیٹا (بھیم سین)، پرتھا کے بیٹے (ارجن) کے پیچھے پیچھے اس وقت گئے تھے جب اس نے والئے سندھو[۶۸۵] یعنے جیدرتھ سے مقابلہ کیا تھا +

جب وہ ہال میں سے گذر گئے اور بمشکل ضربیں لگا لگا کر صحن کا دروازہ کھول لیا۔ تو بہادر راجہ (سسل)، بذات خود داخل ہوا صحن میں دونو فوجوں کی لڑائی غیر فیصلہ کن طریق پر جاری رہی اور بہت سے سپاہی اس میں کام آئے۔ پٹنگ گرام کے رہنے والے برہمن اجک کو جو راجہ سلہ (سلھن)، کا وزیر تھا اس جنگ کے ذریعہ اپسراؤں کا وصل حاصل ہوا ایسے ہی کاستھ رُور نے جسے مہتمم خزانہ کا عہدہ دے دیا گیا تھا لڑائی میں اپنا جسم قربان کر کے اپنے آقا کی مہربانیوں کا عوض دیا۔ جس طرح شام کے وقت کسی درخت پر بسیرا لینے والے پرندے بہت سا غل و شور کرتے ہیں۔ لیکن یہ شور اس وقت یکایک دور ہو جاتا۔ اور

[۶۸۵] اس جگہ جس قصے کا حوالہ دیا گیا ہے اُس کے متعلق دیکھو مہابھارت پرب ۷ شلوک ۱۱۱۲ اور پرب ۸ شلوک ۲۷۸۹۔

خاموشی چھا جاتی ہے۔ جب پتھر پھینکنے سے پرندے اڑ جاتے ہیں ایسے ہی میدان جنگ کے اندر جس میں بہت سا شور و غل مچا ہوا تھا۔ سُسل کے خوف سے جو گھوڑے پر سوار تھا - اس وقت اس طرح خاموشی چھا گئی۔ گویا کہ وہ جنگ کی محض ایک تصویر تھی +

تخت پر بیٹھنے سے پہلے جبکہ وہ ابھی صحن ہی میں تھا۔ بڑے بڑے نقاروں کی آواز کے ساتھ ملی ہوئی اس نعرہ کی آواز سنائی دی "راجہ سسل کی جے ہو" +

ملراج کے خاندان میں اور کسی کو اس قدر ذلت نصیب نہیں ہوئی جتنی اس جگہ سلھن اور لوتھن کو ہوئی - یہ دونو زرہ پہنے گھوڑے پر سوار تھے۔ سسل ان سے یہ کہتا ہوا بغل گیر ہوا "تم ابھی بچے ہو" اور اس طرح چالاکی سے ان کی تلواریں رکھوا لیں +

سنہ ۱۱۱۲ء تا سنہ ۱۱۲۰ء

یہ حکم دے کر کہ ان دونو (سلھن و لوتھن) کو دوسرے ہال میں زیر حفاظت رکھا جائے راجہ جس نے اب تخت حاصل کر لیا تھا۔ دربار کی طرف روانہ ہوا۔ تین دن کم چار ماہ حکومت کرنے کے بعد سلھن ۳ شدی بیبا کھ لوکک سمت ۴۱۸۸ (سنہ ۱۱۱۲ء) کو قید ہو گیا +

جب سسل تخت نشین ہوا لوگوں کی شورش اس طرح رفع ہو گئی

جیسے سورج کے آسمان پر نکلنے کے ساتھ سمندر کا تموج مرتفع ہو جاتا ہے ۔

شُسل کے عادات وخصائل

چونکہ وہ بغاوت کے اندیشہ سے ہر وقت اپنی تلوار نیام سے باہر نکالے رہتا تھا اس لئے وہ گویا حیوانات کے راجہ (شیر) سے مشابہ تھا جو شکاریوں کے سامنے اپنے مُنہ کو کھولے رکھتا ہے اس کی حکمت عملی غیر متزلزل تھی۔ جن لوگوں نے اس کے بھائی کے ساتھ دغا کیا تھا ان کو اس نے چن چن کر مار ڈالا حتےٰ کہ ان کے بچوں تک کو نہ چھوڑا۔ چونکہ وہ لوگوں کی شرارت سے واقف ہو گیا تھا۔ اس لئے کبھی نرمی سے کام نہ لیتا تھا۔ گو جب کبھی اسے اپنے مدعا کے حصول کے لئے ضرورت پڑتی۔ وہ ظاہرا طور پر اعتدال سے کام لے لیتا تھا۔ بایں ہمہ وہ حلیمانہ فطرت رکھتا تھا۔ اور جبر و تشدد کی ظاہری صورت اس سانپ کی مانند جو دیوار پر منقش ہو محض لوگوں کو قابو رکھنے کے لئے اختیار کر لیتا تھا۔ موقعہ شناسی بر وقت فیاضی۔ استقلال۔ بلند خیالی۔ علامت شناسی۔ اور دُور اندیشی میں کوئی اس کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ ہر چند کہ بہیئت مجموعی اس کا چال چلن اسکے بڑے بھائی سے ملتا جلتا تھا تاہم بعض باتیں اس میں زیادہ اور بعض کم نمایاں تھیں اور بعض میں دونو ایک دوسرے سے مشابہ تھے ۔ ظاہرا طور پر دونو کا غصہ یکساں تھا تاہم بڑے کا ایک دیوانے کتے کے زہر سے مشابہ تھا اور چھوٹے کا شہد کی مکھی کی مانند۔ پوشاک اور اسی قسم کے دوسرے معاملات میں اسے کبھی کسی کی نسبت شکوہ

شکایت نہیں ہوا۔ البتہ اس خیال سے کہ نوکر اپنے مناسب درجہ سے نہ بڑھ جائیں۔ وہ ان کی طرف سے غیر واجب نخوت کے اظہار کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ بہادروں کو ایک دوسرے سے لڑنے پر آمادہ کر کے انہیں تلف نہ کرواتا تھا۔ بلکہ اگر لاپروائی سے کبھی کوئی ایسی واردات ہو جائے تو اسے سخت افسوس ہوا کرتا تھا۔ اول الذکر راجہ (اوچل) کی درشت کلامی سے ناقابل برداشت تفکرات پیدا ہوتے تھے۔ لیکن اس (سسل) کا کلام دوستانہ ہوتا تھا اور اس کے الفاظ کے ساتھ موت یا دوسری عقوبتوں کا اندیشہ نہ ہوتا تھا۔ چونکہ اسے دولت جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس لئے اس نے بہت سا مال خزانہ جمع کر لیا۔ اس کی فیاضی اس لئے محدود نہ تھی کہ اس کے لئے وہ مناسب موقعوں اور مناسب حالتوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ اسے چونکہ جدید تعمیرات اور بہت سے گھوڑے رکھنے کا شوق تھا۔ اس لئے اس کے عہد میں کاری گر اور غیر ملکی اسپ فروش مالا مال ہو گئے۔ جب عظیم مصائب پیش آتے تو وہ ان پر غالب آنے اور انہیں رفع کرنے کے لئے ہر ایک ممکن کوشش کرتا۔ اور اس کام پر اسے اپنا مال و دولت لٹانے میں دریغ نہ ہوتا تھا۔ جس دھوم دھام سے وہ اندرو دوادشی کا تہوار مناتا تھا کبھی کسی راجہ نے نہیں منایا۔ ایسے موقعوں پر وہ بہت سی خلعتیں اور دوسرے تحائف دیا کرتا تھا۔ جس آسانی کے ساتھ نوکروں کی اُچل تک رسائی تھی اور وہ جتنا زیادہ نرم سلوک ان کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ اسی قدر اس راجہ تک ان کی رسائی مشکل تھی۔ اوچل سے بڑھ کر کسی راجہ کو سواری کا شوق نہ تھا۔ لیکن ساتھ ہی سُسل سے بڑھ کر سواری کے فن میں کوئی

مشاق نہ تھا۔ اوچل کے زمانہ میں جب کبھی قحط نمودار ہوتا تو وہ اسے دُور کر دیا کرتا تھا۔ لیکن سسل کے عہد میں قحط خواب تک میں نظر نہ آتا تھا۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے۔ وہ ہر بات میں اپنے بڑے بھائی پر فوقیت رکھتا تھا سوائے اس کے کہ وہ اس قدر فیاض۔ دولت صرف کرنے میں لاپرواہ اور رسائی کے لحاظ سے ویسا آسان نہ تھا۔ اس نے غصہ میں آکر سہسر منگل کو ملک بدر کر دیا۔ جس کی نسبت گرگ کا ارادہ تھا کہ اوچل کے بیٹے کا سرپرست مقرر کر کے اسے تخت پر بٹھا دیا جائے۔ جن دنوں سہسر منگل بھدرا وکاوش[۶۸۶] میں قیام پذیر تھا اس کے بیٹے پراش نے ڈامروں کو رشوت دے کر ان کے ساتھ سازش کر لی ؛

گرگ چندر کی بغاوت انہی ایام میں گرگ چندر نے بھی بغاوت کا اظہار کیا۔ کیونکہ اس نے سسل کے مانگنے پر اوچل کا چھوٹا بیٹا دینے سے انکار کر دیا۔ جس طرح جنگل کی آگ گھاس کے تنکوں کو جلا دیتی ہے۔ ایسے لاتعداد سپاہی جنہیں راجہ نے بھیجا تھا گرگ کے ہاتھوں مارے گئے۔ ادھر گرگ کے خسر پورہ وجے لے جو دیوسر[۶۸۷] میں کا رہنے والا تھا علم بغاوت بلند کیا۔ اور راجہ کی

---

[۶۸۶] بھدرا وکاش بلا شبہ اس پہاڑی علاقے کا قدیم نام معلوم ہوتا ہے جو آج کل بھدرواہ کے نام سے مشہور ہے۔ جو چناب کے جنوب میں اور کشتوار کے قریب واقع ہے۔ دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحہ ۱۰۳ - ۱۳۱ مقام کا سنسکرت نام اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔

سہسر منگل کے بیٹے پراش کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۵۶۔

فوجوں میں کشت و خون کیا۔ ہرچند کہ یہ بغاوت راجہ کی تخت نشینی کے صرف ایک ماہ چند روز بعد ہی ظہور میں آئی تھی۔ تاہم اس بے مستقل مزاج راجہ کی طبیعت میں انتشار پیدا نہ ہوا۔ گرگ نے امرتش کے محل وقوع سرشوری اور وتسٹہ اور سندھ کے مقام اتصال کو تباہی فوجوں کی شکست کا شاہد بنایا اس دہوم[۶۵۵] کے معرکہ میں سرنگار اور کپل مشیر اور کرن اور سدرک نامی دو بہترین بھائی کام آئے اس موقعہ پر اتنی بڑی تعداد میں سپاہی کام آئے۔ کہ ان کی لاشوں کے ڈہیر میں سے ایسے اہم آدمیوں کی لاشوں کو بھی جدا نہ کیا جا سکا۔

راجہ کے ماموں[۶۵۶] زاد بھائی ہرش[illegible] جو کمانڈر انچیف تھا وجے نے وجیشور میں شکست دی۔ اس موقعہ پر منگل راج کا بیٹا تلھہ جو ایک شریف النسب جوان تھا۔ تریدکر اور اور تسترین کام آئے۔ راجہ کی فوج میں سنج پال سب سے بہادر ثابت ہوا کیونکہ باوجود تھوڑی جمعیت رکھنے کے وہ ک سے جس کے پاس بے انتہا فوج تھی مغلوب نہ ہوا۔ راجہ نے للک اور دوسروں کو وجے کشیتر میں بھیج کر مغلوب لشکر کو جمع کیا اور خود مستقل ارادہ کے ساتھ گرگ کے مقابلہ پر آیا۔ گرگ نے جن سپاہیوں کو قتل کیا تھا ان کی لاشیں قطار در قطار پڑی تھیں راجہ نے ان سب کو

---

۶۵۵ دیوسرس وولر کے جدید پرگنے کا نام ہے۔ جو وادی کے جنوب مشرق میں دریائے وتسو کا یا وساؤ کے بالائی حصے پر واقعہ ہے۔ آگے چل کر اس علاقہ کا نام کئی جگہ آتا ہے۔ نیل مت پوران کے شلوک ۱۱۷۲ و ۱۲۸۶ میں بھی یہ نام دیکھا جاتا ہے۔

۶۵۶ اس جگہ ماموں سے مراد غالباً آنند سے ہے۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۳۱۷

جمع کیا اور اگلے روز لاتعداد پنٹ‌ئیں تیار کرواکے انہیں جلوادیا۔

گرگ چندر کا مغلوب ہونا

جب اولوالعزم راجہ نے گرگ کا تعاقب کیا تو وہ ہلاہ؁۶۹ (؟) کی طرف چلا گیا اور جاتی دفعہ اپنے محلات کو آگ لگادی۔ اس جگہ وہ رتن ورش نامی قلعہ میں پناہ گزین ہوگیا۔ اس کے پاس گھوڑے باقی نہ رہے اس کے ہمراہی اسکا ساتھ چھوڑ گئے اور اس حالت میں دوسرے راجہ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ سنج پال اس جگہ بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچا اور اسے محصور کر لیا آخر کار گرگ نے راجہ کی اطاعت قبول کر لی۔ اور اوچل کا بیٹا اس کے حوالہ کر دیا۔ چونکہ راجہ نے کرن کوشٹ کے بیٹے مل کوشٹک کو جو گرگ کا دشمن تھا گرفتار کر لیا۔ اس لئے گرگ کو بہت جلد اس پر اعتبار بیٹھ گیا۔ جب وجے اور دوسرے باغی مغلوب ہوگئے اور بغاوت رفع دفع ہوگئی تو راجہ گرگ کی اطاعت قبول کر کے آہستہ آہستہ شہر کی جانب روانہ ہوا۔ اس نے لوہر کی طرف کوچ کیا اور اس جگہ سلھن اور لوٹھن کو قید کر کے خود جشن منانے لگا۔ اب کلھ۔ سومپال اور دوسرے باغی علاقوں کے حکمران ہر طرح اس کی خدمت گزاری کرتے تھے۔

جب وہ کشمیر واپس پہنچ گیا تو اس نے گرگ سے کام نکالنے کی

؁۶۹ اس لفظ کا ہلاہ ہونا مشتبہ ہے۔ دو مختلف ٹیکاکاروں نے اس کی بجائے لفظ بھلاہ لکھا ہے۔ بھلاہ کا نام بھی اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ اگلے شلوک میں اس پہاڑی قلعے کی نسبت جو ذکر موجود ہے اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ علاقہ وادیٔ کشمیر کی حدود پر واقع تھا۔

غرض سے اس پر عنایات بیغایات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ راجہ اپنے تیج کے اعتبار سے موسم گرما کے سورج کی مانند تھا اور اس کی پٹ رانی اور راج کمار دجے سنگھ) اپنی فرحت بخش مہربانی کے لحاظ سے درختوں کے سایہ اور جنگل کی ہوا سے مشابہ تھے۔ برہت[۶۹۰] تِک (بڑا تِک) اور سوکشم تِک (چھوٹا تِک) دیوسرس کے دو ڈامر جو دجے کے رشتہ دار تھے موقعہ کی تلاش میں تھے÷

دیوسرس میں فساد جب راجہ لوک پونیہ میں پہنچا۔ تو وہ اس سے مدد مانگنے اس کے پاس پہنچے۔ اس وقت اِن کے ہمراہی نعرے لگا رہے تھے۔ راجہ نے گرگ کی رشتہ داری کی وجہ سے دجے سے تو مہربانی کا سلوک کیا۔ لیکن ان دونوں کو آداب کا لحاظ نہ کرنے کے چوب داروں سے پٹوایا۔ اس پر خود اُنہوں نے اور اُس کے دلیر ہمراہیوں نے تلواریں نکال لیں۔ اور راجہ کی مضبوط جمیعت پر لاپرواہی سے حملہ کیا۔ ابھوگ دیو نامی ایک سوپاک نے راجہ پر خنجر سے حملہ کیا۔ اور الوالعزم گجک نے بھی پیچھے سے اس پر تلوار کا وار کیا۔ چونکہ راجہ کی قسمت میں ابھی طویل زندگی لکھی تھی۔ اس لئے حملہ آوروں کے وار سے اسے تو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ البتہ اس کا رہوار مارا گیا۔ سرنگار سیہ نے جو بان کے خاندان سے تھا اور گھوڑے کی سواری خوب جانتا تھا۔ حملہ آوروں کے وار روکے۔ اور خود اسی کوشش میں مارا گیا۔

---

۶۹۰ برہت تِک کی موت کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۲۹ میں آتا ہے سوکشم تک کا ذکر آگے چل کر صرف تِک کے نام سے ہوتا ہے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۶۶۳ - ۱۱۳۶ - ۱۲۶۵ - ۱۳۱۹ وغیرہ۔

بڑے تک ابھوگ دیو اور دوسروں کو تو سپاہیوں نے وہیں قتل کر دیا لیکن چھوٹا تک [۶۹۱] وہاں سے فرار ہو گیا اور آگے چل کر مختلف بغاوتوں کا منبع ثابت ہوا۔ گجک اور دوسروں کو جنھوں نے اس بغاوت میں حصہ لیا تھا سولی دیا گیا۔ اس طرح پر گرگ سے طرف داری کرنے کی وجہ سے راجہ کی زندگی خطرہ میں پڑی۔ جب تک کسی شخص کا کال نہ آئے اسے بجلی کا صدمہ بھی نہیں مار سکتا۔ لیکن جب اس کا وقت پورا ہو جائے تو ممکن ہے ایک پھول ہی اس کی موت کا باعث ثابت ہو۔ جو موتی سمندر میں ہر وقت زیر آب رہنے والی آگ میں رہتے ہوئے خراب نہیں ہوتے وہی جوان عورتوں کی چھاتیوں پر ان کے شباب کی گرمی سے خراب ہو جاتے ہیں۔ راجہ کو چونکہ دوسروں کی نخوت گوارا نہ تھی اس لئے اس نے رنج پال اور اور لوگوں کو ان کی سابقہ خدمات بھلا کر جلا وطن کر دیا +

سہسر منگل کی سازشیں جب راجہ نے کاک خاندان کے ایک رشتہ دار بیشوراج کو جلا وطن کر دیا تو وہ سہسر منگل سے جا ملا۔ آخر الذکر نے جس کے پاس اچھے وسائل تھے اس کو اور دوسرے پناہ گزینوں کو جگہ دی اور پھر اپنی حالت کو مضبوط کر کے راجہ کا مقابلہ کرنے کا فکر کرنے لگا اس کے بیٹے برہ نے اس نے برہنڈ کا نڈ کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن جب بیشوراج راجہ

[۶۹۱] آگے چل کر تیک نے سسل کے قتل میں خاص طور پر حصہ لیا تھا جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۵۵ میں سے واضح ہوتا ہے۔ نیز بھکشاچر کے بعد کے حملوں میں بھی شریک ہوتا رہا ہے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۲۵۵۔

کے سپاہیوں کے ہاتھوں زخمی ہو گیا۔ تو وہ خوف زدہ ہو کر واپس چلا گیا۔

راجہ نے جن دوسرے نوکروں کو جلا وطن کیا تھا چونکہ وہ بھی اس سے شریک ہو گئے اس لئے اس (سمھسر منگل) نے بہت شہرت حاصل کرلی۔ اس طرف تو یہ خرابی پک رہی تھی دوسری طرف تین پہاڑی راجہ جاست والئے چمبہ۔ وجر دھر والئے بباپورد (؟) اور راجہ سہج پال والئے ورنل نیز والیان ترگرت وولاپور کے یوراج بلھہ اور آنند راج یہ پانچوں آدمی کسی جگہ ملے اور سفر کا ارادہ کر کے کروکشیتر[۶۹۲] پہنچے یہاں پر انہیں بھکشاچر مل گیا جسے آستی نرورمن سے لے آئی تھی۔ اور یہ اس سے زاد راہ کے لئے کافی روپیہ لے کر یہاں آیا ہوا تھا۔

بھکشاچر کا ولاپور پہنچنا۔ جاست[۶۹۳] نے خاندانی تعلقات کی وجہ

---

[۶۹۲] کروکشیتر جس جگہ کورو اور پانڈوؤں میں مشہور جنگ ہوا تھا وہ میدان ہے جو تھانیسر کے جنوب میں پانی پت کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ چونکہ اس میں بہت سے تیرتھ ہیں اس لئے آج تک لوگ یہاں پر یاترا کرنے آتے ہیں ہرچند کہ اس بات پر اصل کتاب میں واضح نہیں کیا گیا تاہم یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ پانچوں پہاڑی راجے کروکشیتر میں یاترہ کی غرض سے گئے تھے۔ جس اتحاد کا کلہن نے ذکر کیا ہے ممکن ہے کہ اس کا منشا ان کے جداگانہ علاقوں کے اس صورت میں بحالت تحفظ رہنے کے متعلق ہو جبکہ وہ باہر گئے ہوئے ہوں۔ یا دوران سفر میں ان کی ذاتی حفاظت کے متعلق۔ اس زمانہ میں کروکشیتر کو مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے تقریباً ایک صدی کا عرصہ گذر چکا تھا۔ کروکشیتر یاترہ کا ایک اور حوالہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۲۰ میں پایا جاتا ہے۔

سے اس کی اچھی طرح مہمان نوازی کی اور دوسرے راجاؤں نے بھی اس کی عزت کی جس کے بعد وہ ولاپور کو روانہ ہوا۔ جب وہ اس جگہ پہنچا۔ تو ممب اور دوسرے جلاوطن اشخاص اس سے آملے۔ اور سہسر منگل کی اہمیت بالکل کم ہوگئی۔ اب لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا" یہ راجہ ہرش کا پوتا ہے۔ اُن کا دسہسر منگل وغیرہ کا تخت پر کیا حق ہے ؟" غرض اس طرح وہ سہسر منگل کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر اس سے جا ملے جب راجہ نے راج کمار دریک کو ملک بدر کیا تو وہ بھی اس سے جا ملا۔ خاندانی تعلقات کی وجہ سے اسے احسان بالکل بھول گئے۔ حقیقت میں اس کی جو بھکشاچر کے باپ کے ماموں کمار پال[۶۹۴] کا بیٹا تھا۔ راجہ سسل نے بیٹوں کی طرح پرورش کی تھی۔ اب یوراج بلھ اور جاست کے ایماء پر پدمک والئے ولاپور نے بھکشو[۶۹۵] سے اپنی ایک بیٹی کی شادی کر دی۔ اس علاقہ کے ایک ٹھکر گے پال نے بہت سے والیان ریاست کو جمع کیا اور اسے اس کے دادا کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کرنی شروع کی +

ادھر راجہ اس مہم کی خبریں سُن سُن کر مضطرب ہو رہا تھا۔ ادھر باشر

---

۶۹۳ جاست ہرش کے ماموں کا بیٹا تھا دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۵۹۲۔

۶۹۴ کمار پال ہرش کی اس رانی کا بھائی ہوگا جس کا نام درج نہیں لیکن جو بھکشاچر کے والد بھوج کی ماں تھی۔ اس قسم کے نام جن کے اخیر میں لفظ پال آتا ہے اُس شاہی خاندان میں عام ہوا کرتے تھے جس سے ہرش کی خاص رانیوں کا تعلق تھا۔ دیکھو نوٹ ۴۹۰ کتاب ہذا۔

۶۹۵ بھکشو اور بھکشاچر دونو چونکہ ہم معنی لفظ ہیں اس لئے اول الذکر آخر الذکر کی بجائے کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ دیکھو شلوک ۷۹۱ - ۷۹۹۔

گے پال کو اس کے رشتہ داروں نے دھوکے سے قتل کر دیا۔ جب پدمک لڑائی کے لئے آگے بڑھا۔ تو دریک جو بھکشاچر کی فوج میں سب سے آگے تھا میدان جنگ میں کام آیا۔ ان بڑے بڑے حامیوں کے نقصان سے بھکشاچر کی حالت سخت یاس آمیز ہو گئی۔ اس کی حالت واقعہ میں اس وقت اس بادل کی طرح تھی۔ جو خشک سالی کی وجہ سے رکا ہوا ہو۔ جب آسمتی مرگئی اور رحم کا روپیہ صرف ہو چکا تو اس کا خسر بھی پہلے کی نسبت کم توجہ دینے لگ گیا۔ اس کے بعد وُہ عرصہ چار پانچ سال تک جاست کے گھر میں رہا اور وہاں اسے بمشکل روٹی کپڑا نصیب ہوتا تھا۔ انہی ایام میں وینگ پال نامی ایک ٹھکر نے جو چندر بھاگا کے قریب رہا کرتا تھا اپنی بیٹی بیکا کی شادی اس سے کر دی اور اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اس جگہ آرام سے بے خوف زندگی بسر کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی مُصیبتیں دُور ہو گئیں اور وہ بالغ ہو گیا +

ادھر سہسر منگل کا بیٹا دھنی پر اس دلیری سے نقل و حرکت کر رہا تھا۔ جس پر راجہ کو سخت غصہ آیا۔ وہ بغاوت کے ارادہ سے براستہ سدھ پتھ[۶۹۶] کشمیر پہنچنے کا عزم رکھتا تھا کہ اس کے بدبخت ہمراہیوں نے بیڑیاں ڈال کر اسے راجہ کے حوالے کر دیا۔ ان ایام میں سنج پال کی اعلیٰ

[۶۹۶] سدھ پتھ سے مراد بلاشبہ سداؤ کا موجودہ گاؤں ہے جو ونشو کا پادساڈ کے بالائی حصہ پر واقعہ ہے۔ اس جگہ سے دو مشہور سڑکیں بودل اور کونسر ناگ کے دروں کی طرف جو سلسلہ پیر پنچال میں واقعہ ہیں جاتی ہیں اول الذکر درے کا نام اکثر درۂ سداؤ بھی آیا ہے پنڈت صاحب رام اپنی کتاب تیرتھ سنگرہ میں اس جگہ کا نام سدھ و دیش لکھتے ہیں۔

دیانت داری روشن ہو کر چمکی کیونکہ گو اسے تکلیف پہنچی تھی۔ تاہم وہ باہر چلا گیا اور بغاوت سے علیحدہ ہی رہا اس بہادر اور شریف آدمی کی کہانتک تعریف کی جائے؟ البتہ تعجب اس بات کا ہے کہ یشوراج اپنی بہادری کے لئے مشہور ہو گیا +

گورک کا وزیر اعظم بنایا جانا اب راجہ نے مہاتما سہیل اور دوسرے اعلےٰ افسروں کو برطرف کر کے کائستھ گورک کو وزیر اعظم بنادیا۔ آخر الذکر وجیشور کے ایک سنیاسی کا رشتہ دار تھا اور لوہر میں اس نے راجہ کی جو خدمات کی تھیں انکی وجہ سے وہ اس پر مہربان تھا۔ اگلے اہلکاروں کی جماعت کو برطرف کر کے راجہ نے بتدریج اسے وزیر اعظم بنادیا اور اس عہدہ پر ہو کر اس نے انتظام ملکی میں تبدیلی پیدا کردی +

اس نے شاہی نوکروں کو اس معاش سے محروم کر دیا جو انہیں بے شمار عہدوں کے ذریعہ حاصل تھی البتہ راجہ کے خزانہ کو وہ ہر وقت بھرے رکھتا تھا۔ جس طرح زہر کا مہلک اثر اس کی مٹھاس کی وجہ سے نظر انداز ہو جاتا ہے۔ ایسے اس کے حلیمانہ اطوار کی وجہ سے اس کا ظلم لوگوں کی نظروں میں نہ کھٹکتا تھا۔ جس طرح بادلوں سے گری ہوئی تازہ برف پہلی برف کو زائل کر دیتی ہے۔ ایسے ہی اس شخص نے جو ناپاک منافع کا روپیہ پاک خزانہ میں داخل کیا اس سے پہلے کا جمع شدہ خزانہ تباہ ہو گیا۔ بادشاہوں کے خزانہ میں اگر ناپاک روپیہ کی چھوت پہنچ جائے تو وہ لٹیروں یا دشمنوں کی لوٹ کے قابل بن جاتا ہے۔ راجہ اپنی حرص کی وجہ سے ہر روز نئی نئی رقوم خزانہ

ہیں جمع کر رہا تھا اور تمام مال و دولت لوہر کے پہاڑی قلعہ میں بھیج رہا تھا غرضیکہ وت۔ پنچک اور دوسرے اہلکاروں نے گورک کے ماتحت ملک کی طاقت کو کمزور کر دیا۔ واقعی یہ بہت بُرے شگون تھے! جب سے راجہ اوچل مرا تھا جو اِن کے سروں پر بمنزلہ پتھر کے تھا اہل کار پھر رعایا کو اس طرح تنگ کر رہے تھے جیسے شکاری شکار کو کیا کرتے ہیں۔ صرف ایک کائستھ کنک نامی نے جو پرشنست کلش کا بھتیجہ تھا اپنی دولت کو قابل تعریف طریقہ پر استعمال کیا یعنی اس نے آخر الذکر کے مرنے پر خوراک کی تقسیم کے لئے ایک مستقل وقف یعنی سرامرت (اوچھپنی ستر) قایم کر دیا۔ جس کی بدولت جو قحط زدہ لوگ ممالک غیر سے آتے تھے وہ اپنی تکالیف سے نجات پایا کرتے تھے۔ سمجھ دار راجہ اب صرف انہی لوگوں کو عہدے دیتا تھا جن کی دیانت داری کی آزمائش اوچل کے مرنے کے وقت ہو چکی تھی +

سُسل کے نئے وزیر

تلک[۶۹۷] سنگھ جیسے شخص کو دوارپتی کا عہدہ دیدیا گیا اور اس کا واحد العین بھائی جنک اعلیٰ افسر عدالت (راجستھان) مقرر ہوا۔ راجہ نے والئے ارشا کے ملک پر حملہ کر کے اپنے تیغ سے اسے مغلوب کر لیا تھا۔ تلک سنگھ نے دوارپتی کی حیثیت میں اس سے خراج لینا شروع کیا۔ کاک خاندان کے تلک کے سپرد راجہ نے فوج کی خاص کمان (کمپن) سپرد کی

---

[۶۹۷] وجے سنگھ کے بیٹے تلک سنگھ کے متعلق دیکھو نوٹ ۶۶۲ کتاب ہذا۔ واضح رہے کہ یہ اُس تلک سے جدا شخص ہے جو کاک کا بیٹا تھا اور جس کا ذکر آگے چل کر آتا ہے اس کے بھائی کا پورا نام جنک سنگھ تھا۔

اس سے دشمن اسی طرح تھر تھر کانپتے تھے جیسے درخت آندھی (ہزیمین) سے۔ راجہ ہی کے نیچ سے سجک نے بھی جو ایک گنوار نسل کا سپاہی تھا اور دفتر شید (راجستھان) کا سپرنٹنڈنٹ بن چکا تھا دشمن کو شکست دی۔ خاندان کاک کے ایک قابل قدر نوکر دا نا اتمپلک کی اسی خاندان کے ذریعہ راجہ تک رسائی ہوئی تھی۔ جس کے بعد اس نے عہدہ وزارت حاصل کرلیا۔

اس طرح پر مسلسل کچھ عرصہ تک مختلف وزیروں کا تقرر محض ان کی خوبیوں کے لحاظ سے اور خود پسندی کو اس معاملہ میں داخل کئے بغیر کرتا رہا۔ بعد ازاں اس نے وتسٹا کے کنارے پر تین اونچے مندر بنوانے شروع کئے جن میں سے ایک اس کے اپنے۔ ایک اس کی ساس[۶۹۸] اور تیسرا اس کی رانی کے نام پر تھا۔ اس نے اپنی غیر محدود فیاضی کی وجہ سے دوادہار کو بھی نئے سرے سے بنوادیا جو یکایک آتش زدگی کی وجہ سے جل چکا تھا۔

گرگ چندر سے ناراضگی۔ ایک موقعہ پر جب راجہ آنلکا[۶۹۹] کے چھوٹے

ف۶۹۸ ساس اور رانی سے مراد چدا اور راج لکشمی سے معلوم ہوتی ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۶۰۔ یہ تینوں مندر راجہ جے سنگھ کے عہد میں مکمل ہوئے تھے۔ دیکھو شلوک ۳۳۱۸۔

ف۶۹۹ یہ نام اتا لکا۔ آنلکا اور آنلکا کے طور پر ترنگ ۸ کے شلوک ۸۳۱-۱۸۱۹ ۱۸۴۲-۱۹۴۵-۱۹۹۱-اور ۱۹۹۴ میں استعمال ہوا ہے آگے چل کر نوٹ ع۶ ضمیمہ کتاب ہذا میں بیان کیا گیا ہے کہ یہی وہ مقام تھا جہاں آج کل لوہرین یا لوہر سے ۸ میل نیچے کی طرف اتولی واقعہ ہے۔ اتولی کے قریب ہی مندی کا بڑا سا

شہر (پوری) میں گیا تو کلھن اور اس کے دوسرے معتبر دوستوں نے جو اس جگہ موجود تھے اسے ترغیب دی کہ گرگ کو موقوف کر دے اس کی وجہ یہ تھی کہ شکار اور دوسرے موقعوں پر گرگ کے بیٹے کلیان چندر نے ان کے ساتھ بے عزتی کا سلوک کیا تھا اور اپنا سکّہ جمانے کی کوشش کرکے ان میں حسد پیدا کر دیا تھا +

یہ لوگ گرگ کی نسبت کہتے تھے کہ وہ لامحدود اختیارات حاصل کر چکا ہے اس لئے اسے دبانا لازم ہے چنانچہ ہر وقت کہہ سُن کر انہوں نے راجہ کے دل میں اس کی طرف سے ناراضگی پیدا کر دی +

گرگ کو اس واقعہ کی خبر راجہ کے ایک نوکر نے کر دی کہ راجہ تمہیں لوہر میں قید کرنے کی فکر میں ہے جس پر وہ خوف زدہ ہو گیا اور اس جگہ سے معہ اپنے بیٹے کے اپنے وطن کی طرف فرار ہو گیا۔ چند دن کے بعد راجہ بھی روانہ ہو کر اپنے ملک (کشمیر) میں پہنچا۔ راجہ اور گرگ میں باہم بے اعتباری کی وجہ سے کچھ ناچاقی ہو گئی تو سازشیوں نے ایک سے دوسرے کی باتیں کہہ سُن کر ان کے تفرقہ کو اور بھی بڑھا دیا +

اب راجہ نے گرگ کے خسر پوزہ وجے کو بھی اپنے پاس سے نکال

گاؤں واقعہ ہے آج کل یہ اس ضلع کا تجارتی مرکز ہے اور اگر اسے یہاں کی منڈی قرار دیا جائے۔ تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ اندکا کی منڈی کا ذکر کچھ خاص طور پر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۹۱ میں آتا ہے۔

اس نام کی صحیح صورت غالباً اتانکا ہے۔

دیا لیکن بعد میں محبت کی وجہ سے اُسے ایسا کرنے پر افسوس ہوا۔ انہی ایام میں اس نے گرگ کے دشمن مل کو تشک کو جسے پہلے اس نے زیر حراست کر رکھا تھا رہا کر دیا۔ اس نے غصہ میں آ کر مل کو تشک کا دوسرے ڈامروں سے ناطہ کروا دیا اور اسے ایک با اثر درجہ تک ترقی دے دی۔

امرشیور میں گرگ چندر کی فتح آخر کار جب راجہ کی فوجیں لڑائی کے لئے نکلیں تو گرگ نے پہلے کی طرح امرشیور کے مقام پر سپاہیوں کو خوب قتل کیا۔ راجہ کی طرف سے سمالا کے ایک ڈامر پرتھوی ہر نے ہی بے نظیر بہادری کے جوہر دکھائے۔ دوارپتی تلک سنگھ نے گرگ سے شکست کھا کر فراری کے ذریعہ جس بہادری کا اظہار کیا اس سے ہر شخص کو ہنسی آنے لگی۔ جب باقی سب مارے گئے تو چند ایک مجروح سپاہی رہ گئے انہیں گرگ چندر نے محض از راہ ترحم بچا لیا گو ان سے ہتھیار۔ کپڑے اور اور سب چیزیں لے لیں۔ جب تمام اطراف میں مردہ سپاہیوں کی لاشیں جلائی جا رہی تھیں شاہی کمپ میں چتاؤں کا کوئی گنتی شمار ہی نہ تھا۔

دہداون کا محاصرہ جب راجہ فوج لے کر آ گیا تو گرگ جس کا محل جل چکا تھا ہرسے روانہ ہو کر دہداون[1]

[1] دہداون کا نام غالباً دورن تار کی صورت میں اب تک موجود ہے جو ٹن مرگ کے قریب جنوب کی طرف سے بالائی وادئی سندھ کی طرف بڑھا ہوا ایک پہاڑی کرارا ہے جس کا نام نقشہ پر دنر درج ہے۔ اس کا دامن موضع

نامی پہاڑ کا عازم ہوا۔ مختلف پہاڑی دروں میں اس کا مقابلہ شاہی فوجوں سے ہوتا رہا۔ جنھوں نے پہاڑ کے دامن میں ڈیرہ ڈالا ہوا تھا ہر روز رات کے وقت وہ شاہی فوج پر شبخوں مارا کرتا تھا۔ ایک موقعہ پر لڑائی میں تریلوکیہ راج اور اور نامی منترین مارے گئے۔ ہر چند کہ پھاگن کا مہینہ تھا جبکہ سخت برف باری ہوتی ہے تاہم مستقل مزاج گرگ نے ہمت نہ ہاری گو صرف محدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ اس کا راجہ سے سامنا تھا۔ صرف بہادر کمانڈر انچیف تلک جو خاندان کاک سے تعلق رکھتا تھا اسے پہاڑ کی چوٹیوں پر سے بھگا سکا۔ جب تلک نے اس کا خوب تعاقب کیا تو گرگ نے اپنی بیوی اور بیٹی کو سُسل کے پاس بھیجدیا اور اس طرح پر راجہ کو رضامند کرلیا جس نے ظاہری مہربانی میں اپنے غصّہ کو چھپا رکھا تھا۔ جب صلح ہو گئی تو راجہ جو اندر ہی اندر غصّہ میں بھرا ہوا تھا وہاں سے واپس چلا گیا اور رل کوشٹ کو روکنے کی بجائے اسے اور بھی زیادہ اختیارات

تھا جو داس تک پہنچتا ہے۔ گرگ کے لئے جسے لہر (لار) میں سے نکالا گیا تھا وادئی سندھ واپسی کا قدرتی راستہ ہوسکتی تھی۔

نار جو سنسکرت لفظ ناد (نال) کی کشمیری صورت ہے ایک وادی کا جسے اب نلا کہتے ہیں عام نام ہے۔ اس قسم کے مقامی نام کشمیر میں اکثر پائے جاتے ہیں جن کے اخیر میں لفظ نار ہو اور انہیں کوہی سلسلوں اور بلند کراروں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ دیکھو سور نار جسے نقشے پر سورنر دکھایا ہوا ہے اور کوہ ہرمکھ کے مشرق کی طرف واقعہ ہے۔ نیز بیب نار جو اسی سمت میں واقع ہے۔

دے دیئے۔ اس طرح پر عرصہ دو تین ماہ تک گرگ لہریں ناقابل برداشت رقابت سے مل کوشٹ کی حالت کو دیکھتا رہا کیونکہ یہ اس کے لئے ایک ذلت تھی اور دوسری طرف راجہ نامہربان تھا۔

اس اثنا میں راجہ نے خفیہ طور پر گرگ کی جمعیت میں بدامنی پھیلا دی اور کرن اور اس کے دوسرے نوکروں کو اپنا طرف دار بنا لیا۔ اپنے چھوٹے درجہ کے رشتہ داروں کے برابر کا سلوک اپنے ساتھ بھی ہوتے دیکھ کر آخر کار وہ انہی نوکروں کی ہدایت پر معہ بیوی بچوں کے راجہ کے پاس آیا۔

گرگ چندر کا قید ہونا اس موقعہ پر جبکہ راجہ سنان درونی (جائے غسل)[لنکہ ۵] کے قریب کھڑا اور نہانے کے لئے تیار تھا اس نے گرگ کو جو اس کے قریب کھڑا تھا لعنت ملامت کی اور اس سے تلوار رکھوالی۔ جب گرگ جیسے شخص نے جسے اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا بے عزتی ہوتے وقت بزدلوں کی طرح بے دلی دکھائی تو اور کسے اپنی بہادری کے اظہار کا دعوےٰ ہو سکتا ہے؟ کہاں تو

لنکہ ۵ اصل کتاب میں اس کے لئے لفظ سنان درونی استعمال ہوا ہے جس سے مراد کمرے کا اس قسم کا حصہ ہے جسے نہانے کے کام میں لایا جاتا ہے اور جو باقی حصے سے ایک پلستر کی ہوئی نیچی دیوار کے ذریعے علیحدہ ہوتا ہے پنجاب اور نچلے پہاڑی علاقوں میں ایسے حصے کو سوندری کہتے ہیں جو غالباً سنان درونی کا مختصر نام ہے۔

ہندوستان کے راجاؤں میں رواج تھا کہ بوقت غسل ان کے گرد منتخب درباری جمع رہا کرتے تھے۔

اس کا وہ غرور کہ وہ راجاؤں کو بناتا اور بگاڑتا تھا اور کہاں یہ بے دلی جو کمینہ اشخاص کے شایان شان تھی! واقعی قسمت کے بس میں انسان اس دنیا میں اس طرح بغیر اپنی مرضی کے دخل کے چلتا پھرتا ہے جیسے وہ پتلی جسے بہت سے دھاگوں کے ذریعہ کھینچا جائے +

غرض اس طرح پر راجہ کے چند منہ لگے آدمیوں نے جو میدان جنگ میں اس کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکتے تھے اس کو پابزنجیر کر لیا۔ جب راجہ صحن میں داخل ہوا تو کلیان اور دوسرے چند ایک لوگوں نے جو مشہور و معروف سنگرام مٹھ کے قریب ایک مکان میں ٹھیرے ہوئے تھے لڑنا چھوڑ دیا اور گرگ کے ایک بیٹے ودیہ نے بڑے تامل سے اس وقت تلوار رکھ دی جب راجہ نے خود اسے تسلی دی اور جتلایا کہ تمہارا باپ ابھی تک زندہ ہے +

گرگ کو جو مع اپنے بیوی بچوں کے محل شاہی میں قید تھا راجہ کی طرف سے ازراہِ عنایت اس قسم کا کھانا مل جاتا تھا جسے راجہ کے اپنے رشتہ داروں کے کھانے کے لائق کہا جا سکتا ہے گرگ کا بیٹا چنشک گو اپنے مکان سے بھاگ گیا تھا تاہم قابل نفرت کرن نے اسے دیکھ لیا اور اسے راجہ کے حوالہ کر دیا۔ جس طرح اس زخم کی نسبت جو اندرونی طور پر مندمل نہ ہوا ہو کسی قسم کا یقین نہیں ہوتا ایسے ہی اس راجہ کی مہربانیوں کی نسبت یقین نہیں ہو سکتا جس کے دل میں نفرت جاگزین تو ہوتی ہے لیکن پوشیدہ طور پر۔ جب راجہ منی وہر سے جو درووں کا حکمران تھا ملاقات کرنے شہر سے باہر گیا جو اسے ملنے کی غرض سے آیا تھا تو اس نے اپنے نوکروں کو گرگ

کے قتل کا حکم دے دیا۔

گرگ چندر کا قتل ۱۱۱۸ء دو تین ماہ قید رہنے کے بعد ایک رات گرگ اور اس کے بیٹوں کے گلے میں رسی ڈلوا کر انہیں مروا دیا گیا۔ راجہ کے آدمیوں نے اس کے گلے میں پتھر باندھ کر معہ اس کے بیٹوں کے اسی طرح دریا میں ڈال دیا جیسے اس نے بمب اور دوسروں کو ڈلوایا تھا۔ جب راجہ نے اسے ماہ بھادوں لوکک سمت ۴۱۹۴ (۱۱۱۸ء) میں قتل کروا دیا تو اسے آرام پانے کی امید تھی لیکن مزید مشکلات اس کے لئے باعث تکلیف ثابت ہونے لگیں کلھ والے کالنجر اور اپنی پٹ[۵۰۲] رانی کی ماں ملا کے مرنے سے اسے قلق ہوا۔ اس اثنا میں سومپال کا بھائی ناگپال اپنا ملک چھوڑ کر سسل کے پاس بغرض پناہ پہنچا۔ اس کی فراری کی وجہ یہ تھی کہ جب سومپال نے اس کے بڑے سوتیلے بھائی پرتاب پال کو مروا دیا تو اس نے قاتل وزیر کو قتل کر ڈالا اور خود ڈر کر بھاگ آیا۔

راجپوری پر حملہ اس پر خشم گین ہو کر سسل نے سومپال کی دوستانہ کوششوں کو منظور نہ کیا جو اس کی مرضی کے مطابق چلنے پر رضامند تھا بلکہ اس پر فوج کشی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ جب سومپال کو یقین ہو گیا کہ راجہ کی عداوت کسی طرح بھی دور ہوتی نظر نہیں آتی تو اس نے اس کے دشمن بھکشاچر کو ولاپور سے طلب کیا۔ جب راجہ نے سُنا کہ میرے رقیب کو طلب کیا گیا ہے تو اسے

---

۵۰۲ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۱۹ سے واضح ہوتا ہے پٹ رانی سے مراد غالباً میگھ منجری سے ہے۔

سخت غصہ چڑھ آیا اور وہ پوری تیزی کے ساتھ راجپوری میں اس پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ سومپال تو بھاگ گیا جس پر اس نے ناگ پال کو تخت پر بٹھا دیا اور اس جگہ سات ماہ تک ٹھیرا رہا جس سے اس کے مختلف دشمنوں کو کھٹکا لگا ہوا تھا۔ جب راجہ نے جو وجر دہر (اندر) سے مشابہ تھا وجر دہر اور دوسرے راجاؤں کو اطاعت پذیر ہونے کا موقعہ دیا تو اس نے اپنی مرضی کے خلاف ان پر بہت بڑی مہربانی کی۔ اس کی فوجیں چندو بھاگا اور دوسرے دریاؤں کے کنارے پھر رہی تھیں اور دشمن کو ان کی طرف دیکھنے کی بھی جرات نہ ہوتی تھی۔ اس کے آگے آگے کمانڈرانچیف تنک کوچ کر رہا تھا اور ڈامر پرتھوی ہر کے سپرد راستوں کی نگرانی کا کام تھا۔ راجہ نے عابدانہ طریق پر دشمن کے ملک میں برہم پوریوں[۲۵] اور مندروں کو محفوظ رکھا اور اس طرح پر نیکی حاصل کی۔

اس راجہ کے جو اندر کے برابر طاقت رکھتا تھا مزید انتظامات کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی فوج کے گھوڑوں کے لئے بھوسہ بھی اس کے اپنے ملک سے آتا تھا انہی ایام میں سجن وردہن نے جس پر اسے اعتبار تھا گورک کے خلاف جو موجود نہ تھا اس کے دل میں

---

[۲۵] لفظ برہم پوری جو اس جگہ اور نیز ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۲۱ و ۲۴۲۳ میں مقدس عمارات کے لئے استعمال ہوا ہے زمانہ حال کی دھرم شالاؤں سے مشابہ معلوم ہوتا ہے برہم پوری کے معنی برہمنوں کی جائے رہائش کے سمجھے جا سکتے ہیں یوں بھی یہ لفظ برہما کے شہر کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں دانا اور عابد جمع ہوتے ہیں دیکھو کتاب وکرمانک دیوچرت ادھیائے ۱۷ شلوک ۲۹

ناراضگی پیدا کر دی۔ ہر چند کہ راجہ خود اسے اپنے ملک میں نگرانی کی غرض سے چھوڑ آیا تھا تاہم لوگوں کے لگائے ہوئے بہتانوں سے اس کا من غلط فہمی میں پڑ گیا اور وہ یقین کرنے لگ گیا کہ وہ ساری آمدنی خود رکھ لیتا ہے۔ جب اس نے اس بارہ میں جنک ناظم شہر کو ملامت کی تو اس نے اپنے بھائی تلک سنگھ کے جذبات کو بھڑکا دیا اس پر غصہ ہو کر اس (راجہ) نے اسے موقوف کر دیا اور اننت کے بیٹے آنند کو جو پرنوتس کا باشندہ تھا دوارپتی مقرر کر دیا اس موقعہ پر سب سے زیادہ تعریف کی مستحق رعایا تھی جس نے سوم پال سے اپنی محبت کو قائم رکھا اور ہر چند کہ راجہ اس کے علاقہ پر قابض تھا تاہم اس کی طرفداری منظور نہ کی ٭

کشمیر کو سُسل کی واپسی ۱۱۱۹ء

آخر کار ماہ بیساکھ لوکک سمت ۴۱۹۵ (۱۱۱۹ء) میں راجہ اپنے ملک کو واپس چلا آیا اور اس کے پیچھے پیچھے ناگ پال بھی تخت گنوا کر چلا آیا اب طمع کے بس ہو کر جس کی وجہ سے بہت سی خرابیوں کا اندیشہ پیدا ہو رہا تھا اس نے لوگوں کو دبانا شروع کیا اور اخراجات کم کر دیئے جب اس نے گور بک کو موقوف کیا اور جو اہلکار اس کے ماتحت تھے انہیں سزائیں دیں تو تمام وزیر بد دل ہو گئے۔ چونکہ نئے مشیر ویسی قوت نہ رکھتے تھے اس لئے انتظام ملکی میں یکایک فرق آ جانے سے اسے سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ وہ سونے کی اینٹیں بنا بنا کر قلعہ لوہر میں بھیجا کرتا تھا جو سونے کے پربت (میرو) سے مشابہ تھا۔ گرگ کے مقلدوں کو سزا دینے کے لئے اس نے گجک کو جو گرگ کا

معتبر شخص تھا لہر کا منتظم پولیس متقرر کر دیا +

لہر میں بغاوت اس پر گرگ کے ہمراہی وباؤ کے خوف سے مل کوشٹ سے جا ملے جس نے غصّہ میں آکر بے خبر گجک کو دہوکے سے مار ڈالا جب لہر میں بغاوت پھیل گئی تو راجہ نے مل کوشٹ کے بڑے سوتیلے بھائی ارجن کو جو اس کے پاس تھا قید کر دیا +

بدک سے طرف داری رکھنے کا ثبوت اس نے اس طرح دیا کہ اس کے رشتہ دار ہست کو جو سد چندر[۴ ن ٹ] کا بیٹا تھا نیز بدک کے بھائی کو قید کر دیا۔ عاقبت بینی کو بالائے طاق رکھ کے اس نے سوریہ کو معہ اس کے بیٹے کے کسی سابقہ عداوت کے یاد آنے پر قید کر دیا اور آنند چندر وغیرہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا +

اب وہ (رُسل) لہر کی طرف روانہ ہوا اور مل کوشٹک چونکہ بھاگ گیا تھا اس لئے غصہ میں آکر ارجن[۵ ن ٹ] کوشٹ کو سولی دے دیا۔ جب وہ اس جگہ ایک جمعیت مقرر کر کے واپس شہر کو چلا آیا تو سارے ڈامر

ن ٹ ۴ سد چندر سے مراد غالباً سد سے ہے جو گرگ چندر کا چھوٹا بھائی تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۴۔ سد چندر کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۱۵ میں آتا ہے۔

بدک کا بھائی سہب معلوم ہوتا ہے جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۶۷۷ میں پایا جاتا ہے۔

ن ٹ ۵ ارجن کوشٹ مل کوشٹ کا بھائی تھا جس کا نام ترنگ ۸ کے شلوک ۶۴۲ میں ارجن آیا ہے۔

یہ سوچ کر اس کے مخالف بن گئے کہ وہ اپنے دوستوں کو قتل کر رہا ہے۔ چونکہ وہ گذشتہ خدمات کے باوجود پرتھوی ہر سے ناراض تھا اس نے کمانڈر انچیف اور دوسرے وزیروں کو حکم دیا کہ رات کے وقت اس پر چھاپہ ماریں۔ لیکن پرتھوی ہر بدقت وہاں سے بھاگ نکلا اور اپنے ایک رشتہ دار کشمیر کے پاس جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ جو ضلع جینتی[۶۰۷] میں رہتا تھا۔

یہ باغی دن دہاڑے اور دوسرے قصبات میں پھرا کرتا تھا لیکن اس کے مخالف اس کو روک نہ سکتے تھے۔ راجہ کے اس طرح لاپرواہی سے دشمنی پیدا کر لینے کی وجہ سے اس کی رعایا تباہ ہو گئی ان کی تو وہی حالت تھی گویا ان پر کوئی خونخوار بیتال کھلا چھوڑ دیا گیا ہو۔

کشمیر نے جو ہر چند کہ بڈھا لیکن پھرتیلا تھا پرتھوی ہر کے ساتھ سمانگا سا میں ۸۰ ڈامر سردار جمع کئے۔ خوف زدہ راجہ وجیشور چلا گیا اور وہاں سے کمانڈر انچیف تلک کو ان ڈامروں کو مغلوب کرنے کے لئے بھیجا جنھوں نے ایک مضبوط جتھا بنا لیا تھا۔ اس عدیم النظیر بہادری رکھنے والے رہبر نے مختلف لڑائیوں میں انہیں اس طرح مغلوب اور منتشر کیا جیسے پوروا ہوا (آندھی) بادلوں کو منتشر کرتی ہے۔ مگر جب وہ ڈامروں پر فتح حاصل کر کے واپس آیا تو بجائے اس کے کہ راجہ اس کی عزت کرتا اس نے اس کی یہ توہین کی کہ اسے اپنے سامنے بھی نہ آنے دیا۔

[۶۰۷] اس ضلع کا ذکر صرف اسی جگہ آیا ہے اور اس کی صحیح مقامیت کا پتہ چلانا ممکن نہیں۔ اگلے شلوکوں سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ مدوراج میں واقع تھا نیز دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۵۳۹۔

جب راجہ شہر کو واپس چلا گیا تو تلک اپنی عزت میں فرق آنے سے رنج کھا کر گھر پر بیٹھ رہا اور اپنے حکمران کے لئے کوئی مزید کوشش نہ کی ؎

جن نوکروں کو ان کے ماتحتوں کے برابر درجہ پر رکھا جائے جنہیں ان کے برابر والوں کے ساتھ اٹھنے (ترقی کرنے) سے روکا جائے جنھیں صرف اسی وقت اگلی صف میں جگہ دی جائے جب دشمن سے مقابلہ ہو جنھیں بوقت صلح باہر چھوڑ دیا جائے جو کام میں بے حد ہوشیاری سے کام لیں لیکن جب کام ختم ہو جائے تو اس وقت انہیں ذلیل کیا جائے ایسے نوکروں میں بد امنی پھیل جاتی ہے اور وہ راجہ کو ویسے ہی چھوڑ جاتے ہیں جیسے کوئی مکین کسی ایسے مکان کو جس میں سانپ رہنے لگے ہوں چھوڑ جاتا ہے ؎

راجہ کام کی طرف سے لاپرواہ تھا اور اس اثنا میں ڈامر ہر جگہ راجہ کے ذخیروں کو اس طرح خراب کرتے پھر رہے تھے جیسے تباہ کن بادل فصلوں کو خراب کرتے ہیں۔ برہمنوں نے ان تکالیف سے تنگ آکر پرایو پویش کرنا اور آگ میں جلنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے ہر دہ اور قصبہ میں چرچا پھیل گئی۔ وبا سے گھوڑے اور اونٹ مر گئے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ملک پر کوئی سخت مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ جس طرح بجلی گرنے والی ہوتی ہے تو درختوں کی قطار آندھی سے متحرک ہونے (کانپنے) لگ جاتی ہے ایسے ہی لوگ آنے والی مصیبت کے خوف سے کانپتے تھے ؎

ڈامروں کی عظیم بغاوت سنہ ۱۱۲۰ء

لوکک سمت ۴۱۹۶ (سنہ ۱۱۲۰ء) کی ابتدا میں ڈامر حملہ کرنے کے

لئے اس طرح تیار تھے جیسے گرم ہوا لگنے سے برف کا تودہ گرنے کو تیار ہوتا ہے - بغاوت اول اول دیوسرس میں نمودار ہوئی اور وہیں تکلیف دہ پھوڑے کی مانند ٹپکتی رہی - طاقت ور دیجے نے تِک اور دوسرے رشتہ داروں کا جتھا تیار کر کے کوچ شروع کیا اور راجہ کی فوج کو جو ڈیرا ڈالے پڑی تھی محصور کر لیا - اس جمعیت کا کمانیر ناگ وت ہر چند کہ کائستھہ کا بیٹا تھا تاہم وہ عرصہ دراز تک مقابلہ پر اڑا رہا آخر راجہ نے کمانڈر انچیف کو مقابلہ پر جانے کے لئے منت سماجت کی لیکن راجہ کے عیوب کی یاد نے اس کی طاقت کو کم کر دیا تھا اور وہ بڑی مشکل سے کوچ پر نکلا - دیجے کے ساتھ لڑائی میں جس نے اپنی حالت مستحکم کر رکھی تھی اکثر اس کی زندگی اور فتح خطرہ میں پڑ جاتی تھی *

جب ل کوشٹ نے لوہر میں زبردست طاقت حاصل کر لی تو راجہ ماہ بیساکھ میں تھلیورک[٥] نامی ایک گاؤں میں پہنچا - اس کے سپاہیوں کو رات کے وقت دشمن کا خطرہ لگا رہتا تھا - اور اس وجہ سے ان کی حالت ویسے ہی اندوہ ناک بنی ہوئی تھی جیسے مرنے والوں کی بھیانک خواب دیکھ کر *

راجہ سُسل کی شکست - وہ راجہ سُسل جو طاقت رکھنے والوں کی

---

[٥] تھلیورک جس کا ذکر صرف اسی جگہ آتا ہے غالباً موجودہ گاؤں تھبور کا نام ہے جو گاندربل کے مقابل میں دریا کے دائیں کنارے پر وادئی سندھ کے راستہ میں واقعہ ہے - اور بڑے پیمائش کے نقشے پر اس کا نام ترو دکھایا گیا ہے چونکہ راجہ نے ل کوشٹ کے خلاف لہر میں چڑھائی کی تھی اس لئے اس مقام کو وادئی سندھ میں تلاش کرنا چاہئے -

صف میں سب سے آگے تھا۔ جس نے حملہ کے وقت صرف اپنے بازو سے مدد لے کر راجہ ہرش کو تخت سے اُتار دیا تھا۔ جس نے اپنی بہادری سے کئی بار اس ملک کو فتح کیا تھا اور جس کے اولوالعزمانہ کارناموں کو گننا ویسے ہی مشکل ہے جیسے جمد گنی کے بیٹے (پرسرام) کے۔ قسمت کی طاقت نے اس کی بہادری کم کر دی اور اس کی طاقت زائل کر کے اسے اس جگہ یکایک فتح کی دیوی سے جُدا کر دیا گیا۔ جب وہ اس جگہ سے ہٹ آیا تو پرتھوی ہر نے جسے ہادی گرام میں رسوخ حاصل تھا یکایک حملہ کر کے بہادر سجک کو شکست دی۔ اس نے بڑی طاقت سے اس کا تعاقب کیا اور شہر کے قریب پُہنچ کر ناگ مٹھ کو جلا دیا۔ اس کے بعد اس نے اور دوسرے جنگی ڈامروں نے ہر جگہ راجہ اور اس کے آدمیوں کے گھوڑے چراگاہوں سے اُڑانے شروع کئے۔ اس پر راجہ نے غصہ میں آ کر ظالمانہ کاروائیاں شروع کر دیں کیونکہ نصیبے کے مارے ہوئے لوگ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں ❖

سُسل کے مظالم اس نے وہ ڈامر قتل کروا دیا جو پرتھوی ہر کی طرف سے بطور یرغمال موجود تھا اور رات کے وقت اس کی پیٹھ پر کنول کی جڑیں [شک] رکھ کر اسے اس حیثیت میں پرتھوی ہر

شک کشمیر میں کنول کی جڑیں جنہیں بنیس کہتے ہیں ایک مرغوب سبزی کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں اور عام طور پر لوگ انہیں گوشت میں ملا کر پکاتے ہیں۔ پنجاب میں ان کا نام بھئے مشہور ہے اور اکثر پکا کر استعمال کی جاتی ہیں سرینگر میں روزمرہ گرد و نواح کی جھیلوں سے ان کی بہت بڑی مقدار لائی جاتی ہے۔

کے پاس بھیجا گویا یہ ایک پکے ہوئے گوشت کی قاب تھا۔ اسی حالت میں اس نے سمپ کو اس کے بھائی بدک اور اور لوگوں کی لاشوں کو ان کے بھائیوں یا بیٹیوں کے پاس بھیجا +

جنیک کے پاس جو سپھنا گرام میں رہتا تھا اس نے اس کی ماں کو ناک کان کاٹ کر بھیج دیا۔ اور غصہ میں آکر اس نے سوریک اور اس کے بیٹے کو شہر میں سولی دیدیا اور اور بہت سے لوگوں کو مروا دیا خواہ وہ موت کے مستحق تھے یا نہ تھے۔ اب جبکہ اس کا غصہ موت کے دیوتا کی مانند بھڑک رہا تھا اندر اور باہر محل کے تمام اہلکار خائف ہوگئے اور ان میں بد امنی پھیلنے لگی۔ غرض جس احمقانہ طریق پر راجہ ہرش کے ہاتھ سے تخت چھٹتا تھا وہی اس نے اختیار کر لیا گویا (اُس وقت) اس نے اس کی مذمت کی تھی +

جو لوگ جنگ میں مصروف ہوں۔ جو شاعری کی عمیق رموز کی کتابیں لکھ رہے ہوں۔ جو جوا کھیلتے ہوں اور جو اپنا وقت شاہی اعزاز کے بوجھ میں دب کر بسر کرتے ہوں ان کے مختلف عیوب صرف انہی لوگوں کو جتلانے چاہئیں جو خود مکمل ہو کر عملی طور پر کسی قسم کی خطا نہ کریں +

راجہ نے اپنے طرف سے سخت ظلم کئے اور ان حالتوں میں بھی ل کوشٹ اور باغیوں کے عروج کو کسی حد تک روکے رکھا +

بھکشاچر کی آمد

اس اثنا میں وجے وشلاتا گے راستہ ہرش کے پوتے بھکشاچر کو لے آیا مگر جب وہ (وجے) دیوسر میں داخل ہونے کو تھا اسے کمانڈر انچیف نے پسپا کر دیا اور بھاگتے

وقت ایک ٹیلے سے ٹھوکر کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اسے پہچان کر فوراً مار دیا گیا اور فاتح کمانڈر انچیف نے اس کا سر راجہ کے پاس اس طرح بھیجا گویا وہ فتح مندی کے درخت کا پھل تھا۔ لیکن ناشکرے راجہ نے اس حیرت خیز کامیابی پر نہ تو اظہار طمانیت کیا نہ اس کی تعریف کی اور نہ اسے کسی قسم کا اعزاز دیا بلکہ اس نے حقارت کے لہجہ میں اسے کہلا بھیجا: "سوابھر (ٹیلے) نامی کمانڈر انچیف نے اسے مار ڈالا ہے۔ پھر اس میں تمہیں کس بات پر فخر ہے؟"

جب تلک راجہ کے اس ناشکرے پن سے واقف ہوا تو بددل ہو کر اس نے بغاوت کا ارادہ کیا۔ اگر وہ محض لاپرواہ ہو جاتا تو راستی پسند لوگ اسے مورد الزام قرار نہ دیتے لیکن اس کے دغابازانہ منصوبوں کی وجہ سے اس کا نام اس قابل نہیں رہا کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ جو لوگ عاقبت اندیشی کو پسند کرتے ہیں ممکن ہے وہ ایسے موقعوں پر نرمی یا حسب حال کارروائی کرنے کی سفارش کریں لیکن اعلےٰ عزت کو مد نظر رکھنے والے راست شعار لوگ اپنی جان تک کو معرض خطر میں ڈال کر دوسروں کے فایدہ کے لئے کوشش کرتے ہیں بشرطیکہ احسانمندی کے ساتھ ان کے کاموں کی تعریف کی جائے۔ جو شخص آگ لگ جانے پر اپنی پوشاک نہ اُتار پھینکے جس جگہ سانپ کاٹے اس حصہ جسم کو نہ کاٹ ڈالے۔ اس تجویز کو نہ چھوڑے جس سے دشمن باخبر ہو چکا ہو۔ گرنے والے پُرانے مکان کو نہ چھوڑے۔ اس راجہ سے علیحدگی اختیار نہ کرے جو خدمات کی قدر نہ کرتا ہو اور اس دوست کا ساتھ نہ چھوڑے جو مصیبت کے وقت الگ ہو جاتا ہو تو اسے اس فعل کے ابتدا ہی میں سخت نقصان

پہنچتا ہے۔ ان سے بڑھ کر پاپی اور کون ہوسکتا ہے جو اس منصفانہ روش کو چھوڑ کر غصہ میں اپنے آقا سے بغاوت شروع کر دیں؟

والدین صرف اس لئے مہربان ہوتے ہیں کہ انہوں نے ایک بار انسان کو پیدا کر دیا لیکن آقا تمام موقعوں پر مہربان رہتا ہے۔ اس لئے اپنے آقا سے نمک حرامی کرنے والے پدرکش لوگوں سے بھی بڑھ کر گنہگار ہیں۔

جب وسجے مارا گیا اور وہ لوگ باقی رہ گئے جن کی طاقتوں کو کم کرنا ضروری تھا تو سمجھ دار لوگ جانتے تھے کہ کسی کے دل کو چین حاصل نہیں ہے۔ بغاوت کی لہر جو پیچھے ہٹ کر پھر سخت مصیبت پیدا کرتی تھی سب کو ایک جوش میں آئے ہوئے مینڈھے سے مشابہ معلوم ہوتی تھی۔

بھکشاچر کا کشمیر میں داخلہ ل کوشش بھکشاچر کو واپس لانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اسے وشلاٹ لانے کے لئے اپنی فوجیں بھیج دیں۔ اس پر جب کمانڈر انچیف نے جو پہلے سے ناراض تھا یہ بات کہلا بھیجی کہ بھکشاچر آ رہا ہے تو راجہ نے کینہ کی وجہ سے اسے آگے بڑھنے سے روکے رکھا اور کہلا بھیجا "اس کا راستہ مت روکو تاکہ میں بعد میں اسے اس طرح قتل کرسکوں۔ جس طرح کوئی سوار اپنے سامنے بھاگتے ہوئے گیدڑ کو شکار کرتا ہے۔

باوجود ان تمام طریقوں سے واقف ہونے کے جن میں بغاوتیں پیدا ہوتی ہیں راجہ قسمت کے چکر میں آ کر غلطی کر بیٹھا۔ اور اس طرح پر جب راجہ کے اپنے حکم سے دغاباز تلک کو مناسب موقعہ جس کی وہ تلاش

یں تھا مل گیا تو اس نے ڈامروں کے بھکشاچر کو پہاڑی دروں پر سے لانے میں کوئی مزاحمت نہ کی +

بھکشاچر کی نسبت افواہیں اب جا بجا بھکشاچر کی نسبت لوگوں میں چرچا ہونے لگا جس کی وجہ سے اس کی شہرت بڑھ گئی اور راجہ کو خوف پیدا ہوا۔ "وہ کوئی بات غیر مہذبانہ طریق پر نہیں کہتا اپنے تیر سے دس چٹانیں چھید ڈالتا ہے ایک سو یوجن آتا اور جاتا ہے لیکن نہیں تھکتا" یہ اور اسی قسم کی کہانیاں بیان کر کے سفید سر والے بوڑھے آدمیوں نے بھی جن کی لمبی سفید داڑھیاں تھیں لوگوں کے مادہ استعجاب کو اکسا دیا اور اس طرح پر بھکشاچر کی عظمت میں بہت کچھ مبالغہ پیدا ہو گیا۔ ہر فرد واحد جس کا خواہ سرکاری معاملات سے کچھ بھی تعلق نہ تھا بھکشو کی نسبت ایسے طریق پر خبریں سنتا سناتا تھا گویا نصف سلطنت خود اسے ملنے والی ہے پر اسنے بیکار اہلکار دریا کے گھاٹ پر نہاتے ہوئے لاتعداد لعیبد[ف]

ف ان شلوکوں میں جو مذاقیہ کیفیت قلم بند کی گئی ہے اُس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ کشمیر کے دارالسلطنت میں ہمیشہ سے سیاسی گپوں اور جھوٹی اور بالکل بے بنیاد افواہوں کا چرچا رہا کرتا تھا۔ جو شخص زمانہ حال کے سری نگر سے واقف ہے وہ بادی النظر میں سمجھ سکتا ہے کہ کلہن نے جو کچھ لکھا ہے وہ واقع میں درست ہے۔ شہر کے پلوں اور دریا کے کنارے پر گھاٹوں یا نواحات محل میں سیر کرتے ہوئے آجکل بھی اس قسم کے لوگوں کے گروہ دیکھے جا سکتے ہیں جو جمع ہو کر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے اور گپیں اڑاتے ہیں۔

رشتہ رکھنے والے شاہی شہزادے جو محل شاہی میں موجود رہتے ہیں وہ سپاہی جو فطرتاً شریر اور اچھے اچھے گھوڑے حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ وہ استاد جن کے جسموں کو طالب علم کھجلاتے ہیں۔ مندروں کی عمر رسیدہ رقاصہ عورتیں جو ان مقدس مقامات کی محافظ خیال کی جاتی ہیں۔ وہ سوداگر جو جمع شدہ روپیہ غبن کر کے ہمیشہ مقدس کتابوں کا پاٹھ سننے کے مشتاق رہتے ہیں۔ پروہت پاریشدیہ کے برہمن جو پراپو پولیٹس کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ نواحات شہر کے ڈامر جو ہتھیار رکھنے کے باوجود زیادہ تر کاشت کاروں سے مشابہ ہوتے ہیں غرض وہ سب لوگ جو لغویانہ حکایات سے خود خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو خوش کرتے ہیں زیادہ تر یہی لوگ ہیں جو اس ملک میں راجہ کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں +

جب بھکشاچر کی آمد کی خبریں زیادہ آنے لگیں تو راجہ کو اندیشہ پیدا ہو گیا اور لوگ کانپنے لگے +

شلوک ۷۰۸ میں جو لفظ سرت سنان گرہ استعمال ہوا ہے اُس سے مراد اس قسم کے غسل خانے ہیں جو لکڑیوں کو جوڑ کر بنائے ہوئے پانی پر تیرنے والے چپٹے بیڑوں پر جنھیں پنجابی میں تلا کہتے ہیں۔ بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اب بھی سری نگر کے دریا اور نہر کے اکثر گھاٹوں کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ان کا نام شران کٹھ مشہور ہے اور یہی نام سنان کوشٹھا کی سنسکرت صورت میں کلھن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۲۳ میں استعمال کیا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۸۲ میں ان غسل خانوں کے لئے لفظ مجنا داس استعمال ہوا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لکڑی کے بنے ہوئے اور دریا میں ساحل کے قریب ہوتے ہیں

پرتھوی ہر کی فتح ماہ اساڑھ ۲۰ سنہ ۱۱ء

عدیم النظیر بہادری رکھنے والے پرتھوی ہر نے جو ایک درختوں سے چھپی ہوئی کھڈ میں گھات لگائے پڑا تھا وہاں سے نکل کر راجہ کی فوج کو میدان جنگ میں شکست فاش دی اور اس نے تین وزیروں کو بھگا دیا جن میں سے دو تو خاندان اننت و کاک سے تعلق رکھنے والے آنند[۱۷۰] تھے اور دوار نایک کا عہدہ رکھتے تھے اور تیسرا تلک سنگھ تھا۔ وبے ماہ جیٹھ میں مارا گیا تھا۔ ۶۔ شدی اساڑھ کو راجہ کو یہ شکست نصیب ہوئی جس سے اس کی حالت پھر زار ہو گئی +

جس طرح بارش[۱۷۱] کی آمد کی خبر انسان کو اس وقت ہو جاتی ہے جب گائیں اچھلتی ہیں۔ سانپ درختوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور چیونٹیاں اپنے انڈے ایک سے دوسری جگہ منتقل کرتی ہیں ایسے ہی راجہ کو برے فالوں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ کوئی مصیبت آنے والی ہے۔

نوٹ ۱۷۰ ترنگ ۸ کے شلوک ۶۳۳ ۱۰۵۵ میں اننت کے بیٹے آنند کا ذکر آتا ہے۔ کاک کے بیٹے آنند کا ذکر ناگ کے بھائی کی حیثیت میں ترنگ ۸ کے شلوک ۸۲۶ میں پایا جاتا ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس موقعہ پر دوارپتی کا عہدہ ہر دو آنندیں سے حقیقت میں صرف ایک ہی کے سپرد تھا۔ اننت کے بیٹے آنند کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۴۲۷ میں جھاترا کے طور پر آتا ہے۔ تلک سنگھ کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۸۴ و ۵۷۳

نوٹ ۱۷۱ اس جگہ بارش کی آمد معلوم کرنے کے جو ذرائع مذکور ہیں انکا ذکر برہت سنگھتا ادھیائے ۲۸ شلوک ۷ میں پایا جاتا ہے اور یہ شلوک بھی اس کا ایک جز ہی معلوم ہوتا ہے۔

اور اس نے مناسب کارروائی کے لئے کوشش کرنا شروع کی +

سسل کا اپنے قبیلہ کو لوہر بھیج دینا

۳-شدی اساڑھ کو اس نے دور اندیشی سے اپنے بیٹے۔رانی اور اپنے قبیلہ کے دوسرے اراکین کو قلعہ لوہر میں بھیج دیا۔ وہ خود بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا لیکن راستہ میں دریائے وتشٹا کا پُل ٹوٹ جانے سے لوشٹ اور دوسرے برہمن دریا میں گر پڑے۔اس فال بد سے راجہ کو سخت اضطراب پیدا ہوا آخر وہ انہیں نے کر نواحات ہشک پور میں چلا گیا اور دو تین یوم کے بعد شہر کو واپس چلا آیا +

جب وہ بغیر بیوی بچے کے رہ گیا تو گویا اس میں تبدیلی پیدا ہو گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی شان وشوکت اور خوش قسمتی اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ یہ بھی اس کی خوش نصیبی تھی کہ اس مصیبت کی حالت میں اپنے کنبہ کو لوہر بھیج دینے کی تجویز اس کے ذہن میں آ گئی کیونکہ اس کی بدولت باوجود بالکل ہار جانے کے اس کی قسمت میں کامل انقلاب آنا لکھا تھا۔ ہرچند کہ اس نے راجہ ہرش کی طرح اپنی مصیبتیں خود پیدا کی تھیں تاہم اس دُور اندیشانہ کارروائی کی وجہ سے آج تک وہ اپنے بیٹے کے ذریعہ ملک پر حکومت کر رہا ہے +

ماہ ساون میں لہرکے وہ سپاہی جو بھکشو کو لائے تھے اسے مدد راجیہ کے طاقت ور ڈامروں کے پاس لے گئے۔آخر الذکر بھیم اسے اپنے سپاہیوں کی جمعیت سمیت لہر میں اس طرح لے آئے جیسے براتی دولھا کے ہمراہ اس کے سسرال تک جاتے ہیں۔ان کے ساتھ مہمان نوازی کا سلوک کر کے ل کوشٹ اور دوسرے رہبروں نے

ان صاحب اقتدار ڈامروں کو کمانڈر انچیف کو دق کرنے کے لئے پھر ان کے ملک میں بھیجدیا *

غرض جب چاروں طرف سے دشمنوں کا نرغہ قائم ہو رہا تھا راجہ نے بہت سا روپیہ صرف کر کے پیادہ فوج جمع کرنی شروع کی *

جب کہ راجہ اس مصیبت کی حالت میں ہر طرف روپے کی بارش کر رہا تھا کاریگروں اور گاڑی بانوں نے بھی ہتھیار سنبھال لئے۔ فوجی افسر جو جنگ کی تیاری کر رہے تھے شہر کی ہر ایک سڑک پر زرہ سے ڈھکے ہوئے گھوڑوں کو چلاتے نظر آتے تھے *

لہر کے ڈامروں کا سرینگر پر حملہ کرنا

جن دنوں بھکشو میگھام میں تھا باشندگان لہر نے کوچ کر کے امریشور میں شاہی فوج پر حملہ کر دیا۔ لڑائی ہرینہ پور[۲۱۲ء] کے قریب شروع ہوئی جہاں انہوں نے مشہور و معروف دنانک دید اور شاہی فوج کے دوسرے لیڈروں کو مار ڈالا۔ دشمنوں نے جب لڑائی کے ابتدا میں ہی ایک شاہی فوج کے خوشنما گھوڑے کو پکڑ لیا تو اُنہوں نے خیال کیا گویا ہم نے ساری شاہی دولت پر قبضہ کر لیا ہے پرتھوی ہر کشتیکا[۲۱۳ء] ندی کے کنارے قصر شاہی کے قریب لڑتا رہا اور اس نے

۲۱۲ء ہرینہ پور موجودہ موضع رن بیل کا نام ہے جو لار سے سری نگر کی طرف جانے والی سڑک پر واقعہ ہے دیکھو نوٹ ۹۳ کتاب ہذا۔

۲۱۳ء کشتیکا دریائے وتستا کی ایک شاخ کا پرانا نام ہے جو سری نگر کے ایک حصہ کے پاس سے ہو کر گزرتی ہے اور جس کا نام اب کُٹ کل ہے یہ شاخ اصل ندی سے بائیں کنارے کی طرف پہلے پل سے کسی قدر نیچے

بے شمار بہادر سپاہی مارے۔ ہر چند کہ تلک وجیشور میں مقیم تھا تاہم اضلاع کھدووی وہولدا کے ڈامروں نے کوچ کر کے مہاسرت ندی کے کنارے پر حملہ کر دیا۔

سری نگر کا محاصرہ انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور شب و روز شور و غل مچا کر بعض مقامات میں آگ لگا دی اور بعض میں باشندوں کو لوٹ لیا۔ کہیں فوجیں باجے کے ساتھ کوچ کر رہی تھیں۔ کہیں مجروحین واپس آرہے تھے۔ بے شمار لوگ اپنے مقتول دوستوں کے لئے آہ وزاری کر رہے تھے۔ شکست یاب سپاہی بھاگتے نظر آتے تھے۔ بے شمار تماشائی تماشہ دیکھنے جا رہے تھے بے انتہا تیر ادھر اُدھر اُڑتے پھرتے تھے۔ زرہ پوش ایک سے دوسری جگہ جا رہے تھے۔ گھوڑوں کو گھسیٹا جا رہا تھا اور مُردوں کے ساتھ ساتھ

اور قصر شیر گڑھی کے قریب جدا ہوتی ہے ڈیڑھ میل کے قریب فاصلہ طے کرنے کے بعد یہ آخری یا ساتویں پل کے قریب دوبارہ وتستا میں آملتی ہے اس شناخت کا باعث ایک تو یہ ہے کہ اس کا نام موجودہ کٹ کل، کشیتکا کلیہ سے حاصل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے جس کے معنے کشیتکا ندی کے ہیں۔ کیونکہ کشمیری زبان میں کل اور سنسکرت میں کلیہ کا لفظ عام طور پر چھوٹی ندیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ دیکھو نوٹ ۳۴ و ۳۵ کتاب ہذا دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مختلف شلوکوں میں کشیتکا کا جو ذکر موجود ہے وہ سری نگر کے ساتھ وہی تعلق رکھتا ہے جو موجودہ کٹ کل ندی رکھتی ہے۔

اس شلوک و نیز ترنگ ۸ کے شلوک ۹۵۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کشیتکا عصر شاہی کے قریب واقعہ تھی۔ آخر الذکر کی نسبت یہ بات بیان کی جا چکی ہے

جو ہجوم چلتا تھا اس سے گرد و غبار اُڑ رہا تھا۔ غرض اس قسم کی باتوں سے ہر روز بلا توقف سڑکوں پر ایک جیتم دھاڑ مچی رہتی تھی ؛

چونکہ دشمن ہر روز صبح کو پوری طاقت سے حملہ کرتے تھے اسلئے روز مرّہ خیال کیا جاتا تھا کہ "آج راجہ کا یقیناً خاتمہ ہے" سلسل سے بڑھ کر پُرجوش مقابلہ کون کر سکتا ہے جو سلطنت کی افسوسناک حالت دیکھ کر بھی مایوس نہ ہوا ؟

ہر وقت وہ اپنی انتظامات میں مصروف نظر آتا تھا کہ مجروحین کے زخموں کی مرہم پٹی کی جائے۔ ان کے جسم سے تیروں کے پھل نکالے جائیں اور انہیں مناسب انعامات دیئے جائیں۔ راجہ اپنی فوجوں پر سفر خرچ۔ وظائف اور ادویہ کی صورت میں جو روپیہ صرف کرتا تھا وہ بے انداز تھا۔ متواتر ہزار ہا مرد اور گھوڑے مر رہے تھے جن میں سے

کہ وہ دوسرے اور تیسرے پل کے درمیان اس تنگ قطعہ زمین پر بنا ہوا تھا جو وتسّٹا کو کٹ کل سے الگ کرتا ہے۔ سری نگر کے نقشہ پہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج تک عملی طور پر کٹ کل ندی شہر کے اُس حصے کی مغربی اور جنوبی حد ہے جو دریائے وتسّٹا کے بائیں کنارے پر واقعہ ہے اس طرح پر یہ گویا جنوب مغرب کی طرف شہر کی قدرتی حد محافظ ہے یہی وجہ ہے کہ اس طرف سے شہر پہ جو حملے کئے گئے اُن کے متعلق کشتینکا کا حوالہ مختلف شلوکوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۶۱ - ۱۱۱۶ - ۱۱۲۶ - ۱۱۶۴ - ۲۱۶۴ - ۳۱۳۰ اور سری ور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۱۰۸۔

یہی حالت اس شلوک میں پائی جاتی ہے جس کا اس جگہ حوالہ دیا گیا ہے

بعض تو لڑائی میں کام آتے تھے اور بعض زخمی ہو کر اپنے مکانات میں جان دیتے تھے ۔راجہ کی فوج نے جس کے رسالہ کا حصہ بہت مضبوط تھا ل کوشٹ اور لہر کے دوسرے باغیوں پر حملہ کر کے انہیں ان کے گستاخانہ فعل سے روک دیا ۔

سرشوری کے قریب جنگ اندر محل (آبھینتر) کے بد امنی سے متاثر اشخاص کے مشورہ سے وہ بھکشو کو ایک تنگ راستہ پر سے سرشوری میں اس خیال سے لے گئے کہ ممکن ہے وہاں مقابلہ ہو۔ چونکہ ان کے پاس اچھے اچھے تیر انداز تھے اس لئے جھیل کے پار تنگ پشتہ پر جو لڑائی ہوئی اس میں وہ کامیاب رہے اور سواروں کے خطرہ کو دُور کر دیا۔ اس اثنا میں بے وفا کمانڈر انچیف نے جو جیشور میں مقیم تھا لڑائی میں جوش و خروش سے

پر تھوی ہر جس کا مقابلہ کشپتکا کے کنارے پر قایم کیا جاتا ہے۔ جنوبی اضلاع سے شہر کی طرف کوچ کرتا ہے جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۶۷۲ سے واضح ہوتا ہے اسی طریقے پر ہم باغی فوجوں کو اس طرف سے شہر پر حملہ کرتے ہوئے پاتے ہیں جو ان کی جانب سے نزدیک پڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو کہ جیسے ترنگ ۸ کے شلوک ۷۲۹ میں مذکور ہے لہر (لار) کے باغی امریشور یعنی امبر دہیر پر جو سری نگر کے بالکل شمال میں واقعہ ہے۔ چڑھائی کرتے ہیں۔ کھڈووی (کہرو) اور ہولدا (ولر) کے لوگ جو مشرقی پرگنوں سے تعلق رکھتے ہیں شہر کا محاصرہ اس مشرقی پہلو سے کرتے ہیں جدھر مہاسرت یا مار ندی واقعہ ہے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۷۳۳۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۰۶ تا ۱۰۵۵ سے اگرچہ اس قسم کی علامات صاف

کام نہ لے کر ڈامروں کو طاقت ور بن جانے دیا۔ یہ سوچ کر کہ "لونیہ کے لوگ مجھے بیکس خیال نہ کریں اور جب میں روانہ ہوں تو میرے تعاقب میں پڑ کر مجھے تنگ نہ کیا کریں۔ وہ اجراج کی فوج کے مقابلہ میں روانہ ہو کر لوٹ پڑا جو اپنی بہادری دکھانے وجیشور آیا ہوا تھا۔ دشمن کے ۲۵۰ سپاہی قتل کر کے بے وفا کمانڈر انچیف وجے کشیتر سے روانہ ہو کر شہر کو چلا۔ ڈامر راستہ میں اس کے پیچھے پیچھے جانے سے خائف تھے انہوں نے اس کے لئے راستے تو کھلے چھوڑ دیئے اور خود پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چڑھ کے جہاں وہ خوف کے مارے جا بیٹھے تھے نعرے بلند کرنے لگے +

جب مدوراجیہ سے روانہ ہو کر وہ شہر میں پہنچا تو راجہ نے جو مصائب میں مبتلا تھا اس کا اچھی طرح استقبال کیا جس پر وہ اسکے

طور پر واضح نہیں ہوتیں تاہم کم از کم ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کشیتکا ندی شہر کے قریب بہتی تھی۔ چنانچہ سری ورنے بھی اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۳ شلوک ۱۹۱ میں وتستا اور کشیتکا کے درمیان پتھر کا بند باندھے جانے کا ذکر کیا ہے جس کا منشا یہ تھا کہ شہر کے اس علاقے کو جو دریا کے بائیں کنارے پر واقعہ ہے طوفان سے محفوظ رکھا جائے۔

۱۷۷۵ کھدووی کا نام اب تک کھدوو کی صورت میں باقی ہے جو ایک بڑا سا گاؤں وہی پرگنہ میں واقعہ ہے۔ اور اپنے مقدس چشموں کے لحاظ سے مشہور ہے۔ چونکہ اس شلوک میں کھدووی کا ذکر ہولدا کے پہلو بہ پہلو آیا ہے جو اس پرگنے کا نام ہے جسے اب وُلر کہتے ہیں (دیکھو نوٹ ۹۶ کتاب ہذا) اور لوک پرکاشن کی فہرست پرگنہ جات میں کھدودیہ کے

سابقہ برتاؤ کو یاد کر کے ہنسنے لگا +

ہرچند کہ وہ دوسرے وزیروں کی مانند کمپ میں جاتا تھا تاہم جنگ میں کوئی خاص حصہ نہ لیتا بلکہ محض ایک تماشائی کے طور پر موجود رہتا تھا - اس پر مدو راجہ کے تمام ڈامروں نے کوچ کر کے مہاسرت ۱۷۱۶ کے کنارہ پر قبضہ کر لیا - راجہ نے دشمنوں کے خلاف بعض تجاویز پر عمل کرنے کی کوشش کی مثلاً یہ کہ ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا یا ان میں نفاق ڈلوایا جائے لیکن اس کی تجاویز کو چونکہ اس کے اپنے مشیر منکشف کر دیتے تھے اس لئے ناکام رہا +

سسل کا سرینگر کو بچائے رکھنا

ہرچند کہ اس سے پہلے راجہ نے مختلف والیان ریاست کے علاقوں پر حملہ کیا تھا تاہم اس کے ہتھیاروں کی قوت کا اعلیٰ ترین انعام وہ حفاظت

وشیہ کا ذکر پایا جاتا ہے اس لئے یہ سمجھ لینا بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کہ کلہن کے زمانے میں کھدودی سے مراد نہ صرف اس گاؤں سے ہوتی تھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے بلکہ اُس ضلع سے بھی جس میں یہ جگہ واقعہ تھی، اور جس کا موجودہ نام پرگنہ دیہی ہے -

سٹاین صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ دیہی کی سنسکرت صورت مجھے باوجود تحقیق بسیار کے نہیں مل سکی - بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جدید نام ہے جو کھدودی کی بجائے استعمال ہوتا ہے - ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۱۴ میں کھدودی کے ڈامروں کی نسبت مذکور ہے کہ وہ پدم پور (پامپر) کے قریب گھات میں بیٹھے تھے جو زمانہ حال میں دیہی کا انتظامی مرکز ہے -

۱۷۱۵ اس مقابلے کی جو تفصیلات دی گئی ہیں وہ اُس صورت میں بآسانی

تھی جو اس نے شہر کی کی۔ دوار پتی معہ راج کماروں کے امریش ہیں اور راجستھان اور دوسرے وزرا راجان واٹکا ہیں مقیم تھے۔ وہ راجہ سے بڑے بڑے سفر خرچ لیتے تھے گویا کسی دوسرے براعظم میں چلے گئے ہوں لیکن لڑائی کہیں بھی نہ کرتے تھے۔ دشمن کی تمام جمیعت کو باری باری فتح وشکست حاصل ہوتی رہتی تھی۔ لیکن پرتھوی ہر کو ہمیشہ فتح ہی حاصل ہوتی تھی۔ نشہ میں مخمور ہو کر وہ بیتال کی مانند لڑائی میں دوڑتا پھرتا اور شاہی فوج کے تمام بہترین جنگ جوؤں کو مارتا تھا۔ لیکن ایک موقعہ پر اچھتی کے بیٹے اودے نے خوب ہی داد شجاعت دی۔ گو اس میں شک نہیں کہ وہ نوعمر تھا۔ مقابلہ کرتے ہوئے اس نے پرتھوی ہر کو پچھاڑ کر اس کی ڈاڑھی نوچ لی اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھین لی مگر آخر کار مارا گیا اور اس لڑائی میں جو شہر کے قریب ہو رہی تھی لاپرواہی

سمجھی جاسکتی ہیں جب ہم سری نگر کے نواحات کے نقشے پر غور کریں۔ نوٹ ۳۴۷ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی جاچکی ہے کہ سریشوری سے مراد اکثر حالتوں میں اُسجگہ سے لی گئی ہے جہاں ایشبر کا موجودہ گاؤں جو جھیل ڈل کے مشرقی کنارے پر خاص سریشوری تیرتھ کے عین نیچے واقعہ ہے موجود ہے۔ منی گام دمایا گرام مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۷۲۹) سے ایشبر کی طرف جانے کے لئے باغی اُس شاہراہ کو چھوڑ دیتے ہیں جو رن ییل (رہرن پور) کے قریب شہر کی طرف جاتا ہے اور اُس گہرے نلے کے کنارے کنارے جو بڑے پیمائشی نقشے پر دکھایا گیا ہے بت پور تک ڈل کے شمال مغربی کنارے تک کوچ کرتے ہیں۔ وہاں سے ایشبر کا سیدھا راستہ ایک پشتے کے اوپر سے ہو کر اُن دلدلوں کے پار جاتا ہے۔ جو جھیل کے شمالی ساحل پر پائی جاتی ہیں۔ اور ڈل کے جنوبی حصے کی طرف والے تیرتے ہوئے باغوں کی طرف

سے تیر لگنے کے باعث عورتیں بچے وغیرہ مارے گئے +

ادھر تو لوگوں کا خوفناک قتل ترقی پذیر تھا ادھر راجہ نے اس قدر ہمت ہار دی کہ وہ محل سے باہر ہی نہ نکلتا تھا۔ جب کہ راجہ اس طرح نقل و حرکت سے معذور تھا سومپال نے اس موقعہ سے فایدہ اُٹھا کر آنکا کو لوٹ لیا اور جلا دیا۔ بھلا گاؤں کے گیدڑ کو شیر کے بھٹ کے قریب پہنچ کر اپنی بہادری ظاہر کرنے کا اس سے بہتر موقعہ کونسا مل سکتا ہے کہ جب آخر الذکر ہاتھی کے ساتھ لڑائی میں مصروف ہو۔ اس طرح پہ کشمیر اور لوہر کی سلطنتوں کے تباہ ہونے سے راجہ اس قدر شرمسار ہوا کہ وہ اپنی طرف بھی دیکھ نہ سکتا تھا۔ یہ اس کے لئے مشکلات کا زمانہ تھا جس میں مختلف ناقابل برداشت مصیبتیں پیش آرہی تھیں اور جو ہر طرح پر بدنصیبی کا وقت تھا +

زیر کاشت ہیں۔ بھکشاچر کی فوج اس راستہ پر سے چلتی ہوئی کوچ کو ایک رات بڑا حصہ سواروں کے حملوں سے محفوظ رہی ہوگی۔ بخلاف اس کے زمین کے دشوار گذار ہونیکی وجہ سے دست بدست لڑائی میں چونکہ وقت پیش آتی تھی اس لئے باغی اپنی اعلیٰ طاقت کا استعمال تیر اندازوں کے ذریعہ کرسکے ہونگے۔

۱۷۶ے نوٹ نمبر ۱۷۰ کتاب ہذا میں مہاسرت یا مار کی نسبت جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اسپر نظر رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام کا اس جگہ حوالہ دیا گیا ہے وہ اس جگہ ہوگا جہاں آج کل موجودہ چنار باغ اور دوسرے باغات سنتھ کل کے کنارے بائیں طرف کو پھیلے ہوئے ہیں۔ آخر الذکر جنوب مشرق کی طرف شہر کی قدرتی عدی وظت ہے۔

۱۷۷ے اس شلوک و نیز ترنگ ۵ کے شلوک ۷۶۸ و ۸۹۹ سے جن میں شہر کے برہمنوں کے راجاؤں و انکا میں پرایوپویشن کرنے کا ذکر آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ سری نگر

راجان واٹکا میں برہمنوں کا پرایوپویش

راجہ تو ان حالات میں پھنسا ہوا تھا ادھر راجان واٹکا کے بدفطرت برہمنوں نے پرایوپویش شروع کر دیا جس کی نسبت کہا تو یہ جاتا تھا کہ یہ موجب افادہ ہے لیکن حقیقت میں وہ باعث خرابی ثابت ہوا۔ اُنہوں نے راجہ کو کہا:- آپ کے وزیر جنگ میں لاپروائی برتتے ہیں اس لئے آپ ان سے پرغمال لے کر انہیں لوہر کی پہاڑی میں بھیج دیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا اور یہ مصیبت دوامی بن گئی اور معاملات کی باقاعدہ صورت میں تیمار ہونے لگی تو اگر دشمن فصل لے گیا پھر ہمیں کون خریف کی پکی ہوئی فصل[۱۱۷۵] دیگا؟"

جب برہمنوں نے علانیہ طور پر وزیروں کی اس لاپروائی کا ذکر کر دیا جس پر راجہ نے اب تک حرف گیری نہ کی تھی تو وزیر گھبرا گئے اب ان شیطان سیرت برہمنوں نے التجا کر کے راجہ کو افعال بد پر آمادہ کر لیا بجا لیکہ پہلے وہ ایک تنکا بھی نہ توڑ سکتے تھے۔ دشمن کی ایک اور فوج

کے اندر یا اس کے عین نواجات میں واقع ہوگی یہ قیاس چنداں غلط نہ ہوگا کہ یہ مقام وہی تھا جو آج کل رانی دور کے نام سے مشہور ہے جو سری نگر کا ایک بڑا سا نواحی علاقہ ہے اور جھیل ڈل کے جنوب مشرقی ساحل پر واقع ہے قبل ازیں نوٹ نمبر ۱۱۷ و ۱۴۷۵ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ کشمیری لفظ ودر مقامی ناموں میں وہی معنی رکھتا ہے جو سنسکرت لفظ واٹکا کے ہیں۔

شلوک ۱۱۷۵ اس شلوک میں برہمنوں کو اپنے اگرہاروں کی اراضی کی پیداوار کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے جن میں دھانوں کی فصل پک کر تیار ہونے کو تھی۔ کشمیر میں دھانوں کی کٹائی عام طور پر ماہ کاتک میں ہوتی ہے۔ اور شہر کے جس

کی مانند اس کے گرد ایک گروہ ملازموں۔ پاریشدیہ کے ناراض برہمنوں وغیرہ کا تیار ہوگیا۔ انہیں رضامند کرنے کے لئے جو بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں ان کی وجہ سے ملک کامل اضطراب کی حالت میں پڑ گیا۔ اور لوٹ مار کا میدان گرم ہوگیا +

وہ بدبخت جنھوں نے پہلے کبھی راجہ کا دربار دیکھا تک نہ تھا اور جو معاملات ملکی سے ذرا بھی مس نہ رکھتے تھے بدنصیب راجہ جب کبھی انہیں خوش کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اس کے متعلق سخت سُست الفاظ کا استعمال کرتے تھے۔ جس طرح پاؤں کی بیماری کی نسبت گلے کا درد زیادہ تکلیف دیتا ہے ایسے ہی راجہ کے لئے یہ بغاوت لونیوں کی بغاوت سے بھی بدتر تھی اس نے بڑے بڑے سازشیوں کو رشوت دے کر اپنا طرف دار بنا لیا اور بڑی مشکل سے انہیں پرایو پویش سے دست بردار ہونے پر رضامند کیا۔ بھکشو کی فوجوں کا ایک سپہ سالار وجے جو ورن سوم کی نسل سے تھا معہ چند دیگر سپاہیوں کے جبرًا شہر میں داخل ہوگیا اور سواروں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس موقعہ پر وہ ایسے جوش وخروش کے ساتھ شہر کی فصیل میں شگاف کر کے اندر داخل ہوا تھا گویا قریب قریب اس نے راجہ کی طاقت کو متزلزل کر دیا تھا +

راجہ کی سب سے بڑی خواہش اپنے دشمنوں میں نفاق پھیلانے کی تھی۔ پرتھوی ہر جس کی طاقت لونیوں میں کسی قدر زائل ہو چکی تھی اب اسکے

محاصرہ کا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے وہ ماہ اسوج میں کیا گیا تھا۔ اس حالت میں برہمنوں کے اندیشے کچھ بے جا نہ تھے۔

ساتھ صلح کرنا چاہتا تھا۔ جب اس ڈامر نے جو لڑائی میں سب سے بڑھ کر فتوحات حاصل کرتا رہا تھا راجہ سے صلح کرنے کی خواہش ظاہر کی تو فریقین کی فوجوں نے سمجھ لیا کہ بغاوت کا خاتمہ ہو گیا +

پرتھوی ہر کی دغابازی اس پر اس نے حملہ کر کے تین معتبر مشیروں کو دھوکے سے مار ڈالا جنھیں راجہ نے اس غرض سے بھیجا تھا کہ اسے ناگ مٹھ میں لے آئیں۔ ان کے ساتھ ہی تلک کے تین ہمراہی کام آئے یعنی اس کا سوتیلا بھائی ممک۔ گنگ نامی برہمن اور رام حاضر اردلی (؟ وارک) گورک جسے راجہ نے بطور یرغمال دے رکھا تھا موجودات کے مالک (شوجی) کا نام لیتا راہی ملک عدم ہوا اور دشمن نے بے رحمی سے اس کے دوستوں پر وار کئے جو اس کے لئے گریہ وزاری کر رہے تھے +

جب اس واقعہ کی خبر لوگوں کے کانوں تک پہنچی تو ان میں سخت بدامنی پھیل گئی اور محل میں بھی لوگ راجہ کو برا بھلا کہنے لگے +

۱۴۷۔ شدی اسوج کا زمانہ راجہ نے سخت قلق کی حالت میں بسر کیا کیونکہ اس روز اس واقعہ کی وجہ سے اس ملک میں ہر جگہ شورش پھیل رہی تھی۔ راجہ سخت حیران ہوا۔ اسے خود اپنے خیالات پر بھی بھروسہ نہ رہا اور وہ معمولی معمولی اشخاص سے بھی پوچھتا پھرتا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ جبکہ وہ اس حالت میں تھا سب لوگ اندر ہی اندر ہنستے اور خوش ہوتے تھے +

آخر کار کچھ عرصہ بعد جبکہ وہ اس فوری مصیبت کو برداشت کر رہا تھا اس کے ہمراہی دشمن کے طرف دار بن گئے۔ کما نڈر انچیف (تلک)

کا سوتیلا بھائی ممب دشمنوں سے جا ملا اور ان سے دوارپتی کا عہدہ لے لیا۔ جنک[۷۱۹] سنگھ ہمیشہ بھکشو کو خفیہ قاصد بھیجا کرتا تھا اور اس نے اپنی بھتیجی بھی اس سے منسوب کر دی۔ آئے دن سوار اپنی تلواریں۔ گھوڑے زرہ اور دوسرا سامان لئے بھکشاچر کی طرف جاتے نظر آتے تھے غرض کہاں تک بیان کیا جائے؟ جو لوگ دن کے وقت راجہ کے ہاں موجود ہوتے تھے وہی رات کو علانیہ اور بے شرمی کے ساتھ بھکشو کے پاس جاتے ہوئے دیکھے جاتے تھے۔ جب راجہ کے اختیارات یہاں تک ڈھیلے ہو گئے کہ لوگ بلا روک ٹوک ایک سے دوسری طرف آنے جانے لگے تو ایک تازہ مصیبت اور پیدا ہو گئی۔ ڈامروں نے جس وقت فصل خریف لوٹ لی تھی تو لوگ مال و اسباب چھوڑ کر مختلف اطراف میں بھاگ گئے تھے۔ لوگوں کے دل میں یہ فضول اعتقاد بیٹھا ہوا تھا کہ اگر راجہ سسل مغلوب ہو کر تخت سے اُتار دیا گیا تو بھکشو ملک کو سیم و زر سے بھر دیگا۔ لوگ اس بارہ میں اندھا دھند ایک دوسرے کی تقلید کر رہے تھے اور کسی کو یہ خیال نہ آتا تھا کہ آج تک کبھی کوئی بھیکاری (بھکشو) بھی فیاض ہوتا دیکھا گیا ہے یا یہ کہ اس کے پاس دولت کہاں سے آئے گی؟ لوگ کپڑے[۷۲۰] (امبر) حاصل کرنے کی اُمید میں لکیر جیسے

[۷۱۹] جنک سنگھ جس کا آگے چل کر کئی بار ذکر آئے گا وہی جنک ہے جو تلک سنگھ کا بھائی تھا جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۶۳۲ میں اس بارہ میں آچکا ہے کہ وہ کوتوال شہر تھا جس بھتیجی کی شادی اس نے بھکشو سے کی تھی وہ تلک سنگھ ہی کی بیٹی تھی جو معلوم ہوتا ہے ان وزرا میں سے ایک تھا جنھیں پرتھوی ہر نے دھوکے سے مار ڈالا تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳ ۸ ۷ و ۹۴۲ -

نئے چاند کے سامنے جھکتے ہیں گو وہ صرف تھوڑے عرصہ کے لئے نظر آتا ہے اور خود اس کا پیرہن صرف آسمان (امبر) ہوتا ہے۔ اس حرص پر دھتکار ہے جو انسان کو یہ سوچنا بھلا دیتی ہے کہ کونسی بات حقیقی ہے اور کونسی نہیں۔

جب شاہی فریق فتح مند ہو جاتا تو لوگ سروں کو جھکا لیتے تھے لیکن جب بھکشو کا فریق کامیاب ہوتا تو وہ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے۔ انہی دنوں میں راجہ اور ڈامروں کے فریق نے ایک دوسرے کے خوف سے اس طرح لڑائی کو روک دیا جیسے برہمن اور کتے کی حکایت میں آتا ہے۔ راجہ تو اس ڈر سے بھاگنے پر تلا ہوا تھا کہ میرے اپنے نوکر مجھ سے دغا نہ کر جائیں اور دشمن اس لئے کہ وہ راجہ کی بہادری سے خائف تھا۔ غرض دونو ایک دوسرے کے ارادوں سے ناواقف تھے راجہ کو اب کسی پر اعتبار نہ تھا وہ سمجھتا تھا کہ میرے اپنے رشتہ دار بھی بغاوت پر تلے ہوئے ہیں چنانچہ اسے اپنی سلامتی نہ تو ٹھیرنے اور نہ فرار ہونے میں نظر آتی تھی۔

اس حالت میں جب وہ سپاہیوں کو خلعت۔ سونا۔ جواہرات اور اور عطیات دیتا تھا وہ بجائے اس کی تعریف کے اس کی مذمت کرتے تھے۔ جب اس نے لوگوں کو اپنی نسبت بے خوف اس طرح گفتگو کرتے دیکھا گویا اس نے باقی نہیں رہنا تو وہ اس مریض کی مانند مضطرب ہو گیا

---

۵۷۰ اس شلوک کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ لفظ امبر کے دوہرے معنی لئے گئے ہیں رواج ہے کہ جب چاند پہلی مرتبہ نظر آئے تو اس کے روبرو نمسکار کی جاتی ہے اور جیسا کہ پدم پران جلد ۵ ادھیائے ۸۰ کے شلوک ۱۷ میں واضح ہوتا ہے چاند اس کے عوض کپڑے دیتا ہے واضح رہے کہ نیا چاند افق کے اوپر صرف تھوڑی دیر کے لئے ہی دکھائی دیتا ہے۔

جیسے طبیب جواب دے گئے ہوں۔ اُس کے ہمراہی ہر چند کہ سردست
کسی فوری کام کے متعلق اس کے احکام کو تسلیم کر رہے تھے تاہم وہ اس
کی طرف مذاق اور گستاخی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی گو آگے پیچھے
بہت کچھ اولوالعزم ہوا کرتا تھا تاہم افسوس کہ اس وقت ایک بالکل معمولی
آدمی کی طرح ہو گیا۔ وہ اس قدر خائف تھا کہ محل سے باہر بھی نہ نکل سکتا
تھا ÷

سُسل کی فوجوں کی بغاوت { جبکہ ڈامروں کی جماعتیں اندرونی تفرقات کے باعث پس پا ہونیکا
ارادہ کر رہی تھیں راجہ اپنے سپاہیوں کی بدولت مایوسی کی حالت میں
پڑ گیا۔ اُنہوں نے تلواریں نکال کر محل شاہی کے دروازے روک لئے اور
جا بجا سفر خرچ لینے کے لئے پرایوپویش کرنے لگے۔ جب راجہ نے
انہیں روپیہ دیا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ تو کُبیر کی مانند دولت مند
ہے اور زیادہ دے سکتا ہے۔ چنانچہ بجائے اس سے اپنی موالنت
کا اظہار کرنے کے وہ اسے عاجز کرنے کو تیار تھے۔ جس طرح بیمار آدمی
مرنے کے لئے کسی متبرک مقام پر جانے لگتا ہے تو اس کے قرض خواہ
اسے روک لیتے ہیں ایسے ہی ان سب نے بے شرمی سے اسے روک
کر روپیہ دینے پر مجبور کیا۔ مندروں کے پروہتوں (استھان پال) نے
بھی پرایوپویش شروع کیا اور اسے مجبور کیا کہ اپنے سونے کے
برتن اور اور قیمتی چیزیں ان میں تقسیم کر دے۔ اس وقت کے بعد شہر
میں پیرو جوان کی طرف سے سمندر کی طرح شورش مچی رہتی تھی اور وہاں
شورش کو رفع کرنے کے بالکل ناقابل تھا ÷

ایک روز جبکہ اس کے بعض سپاہیوں نے اس کے محل کے دروازے روکے ہوئے تھے اس نے سارے شہر کو بھڑک کر اپنے خلاف ابھرتے دیکھا۔ اس پر اس نے جنک نامی کوتوال شہر کو حکم دیا کہ شہر میں جاکر اس شورش کو رفع کرے اور خود بھی باہر نکلنے کے موقعہ کا انتظار کرنے لگا۔ ان سپاہیوں کو کچھ روپیہ اور کچھ دم دلاسا دے کر ان سے خلاصی کروائی اور ہر طرح آراستہ ہو کر معہ اپنی رانیوں کے باہر نکلا مگر ابھی وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر صحن سے باہر بھی نہ نکلا تھا کہ لٹیروں نے اُس کے محل کے اندرونی حصہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جب وہ تخت کو چھوڑ کر محل سے روانہ ہوا تو اس کے بعض سپاہیوں نے آنسو بہائے بعض نے زور زور سے نعرے لگائے اور بعض نے نوکروں کو لوٹنا شروع کیا +

سُسل کا سرینگر سے رخصت ہونا ۱۱۲۰ء

راجہ شرم۔ غصہ اور خوف کی حالت میں سڑک پر چلا جا رہا تھا اور کوئی پانچ چھ ہزار سپاہی اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ ۶۔ بدی مگھر لوکک سمت ۴۱۹۶ (۱۱۲۰ء) کا ابھی ایک پہر دن باقی تھا کہ راجہ دغا بازی سے بیدل ہو کر معہ اپنے نوکروں کے چل نکلا۔ ہر ہر قدم پر اسکے ہمراہی گھوڑے اور دوسرا سامان ساتھ ہی لئے اس کا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ غرض جب وہ رات کو پرتاب پور میں پہنچا تو اس کے ساتھ صرف چند ہی ایک سپاہی تھے +

جب تنک اس کے سامنے آیا تو وہ پورے اعتبار کے ساتھ رشتہ داروں کی طرح اس سے ملا اور دیر تک آنسو بہاتا رہا۔ اس ڈر سے کہ کہیں تنک بھی مجھے دغا نہ دے وہ خود جلدی سے اگلے روز اس کے

مکان واقع ہشکت[۴۲۱] پور میں پہنچا۔ اسنان وغیرہ کرنے کے بعد راجہ نے فتح کا آرزومند ہو کر کرم راجیہ جانے اور تلک کے اثر سے مزید فوج بھرتی کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن تلک نے خفیہ طور پر کلیا نواد اور دوسرے ڈامروں کو طلب کر لیا جو لڑائی پر آمادہ تھے اور اس طرح پر راجہ کے بہادرانہ ارادوں میں مزاحم ہوا +

سُسل کا لوہر کو چلا جانا اس فریب سے اس نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا اور سُسل راستہ میں ڈامروں (دسیو) کو جو راستہ روکے ہوئے تھے رشوت دیتا کوچ کرتا گیا جب وہ اس جگہ سے چلنے لگا تو تلک نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن اس کا بھائی آنند از راہ ترحم ایک منزل اس کے ساتھ گیا۔ چونکہ سارے نوکر اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے اس لئے وہ اکیلا وہاں سے کوچ کرتا گیا راستہ میں لٹیروں کو اس نے کچھ تو اپنی بہادری سے اور کچھ لے دے کر الگ رکھا اور چونکہ قسمت میں ابھی جینا لکھا تھا اسلئے بحفاظت پہنچ گیا۔ شیر کے ناخن جو کبھی دور ہی سے درختوں سے بھرے ہوئے جنگل اور چٹانوں کو محفوظ رکھتے تھے ایک دن بچے کی گردن میں لٹکتے دیکھے جاتے ہیں۔ ہاتھی کے دانت جن سے وہ لڑائی میں کام لیتا ہے ایک دن جواریوں کے ہاتھوں ادھر ادھر پھینکے جاتے ہیں۔ سچ ہے اعلٰے رتبہ کا تحفظ کبھی بہادری کے ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ اس فانی زندگی میں جس کا سلسلہ عجیب و غریب ہے استقلال۔ فیاضی۔

---

۴۲۱ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۱۱ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کاک خاندان کا وطن ہشک پور تھا۔

شرافت۔ دانائی اور اور مردانہ نیکیاں کبھی دوامی ثابت نہیں ہو سکتیں۔ دن بدن سورج بھی اپنی فطرت کو تیزی سے نرمی کی طرف تبدیل کرتا دیکھا جاتا ہے۔ پھر بھلا انسان کی طاقت پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے؟

دشمنوں نے چونکہ آتلکا کو جلا دیا تھا اس لئے وہ اس کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہ رکھتا ہوا کوہ لوہر[۵۲۲] کی طرف روانہ ہوا اور اس کے سپاہی وفور غضب سے خاموش ہو رہے۔ مارے شرم کے وہ اپنے کنبہ کے لوگوں کو بھی منہ نہ دکھا سکتا تھا۔ چار پائی پر پڑا تھا اور شب و روز مصیبت میں اوقات بسری کر رہا تھا۔ ہر چند کہ وہ دن کے وقت بھی اندرونی کمرہ سے باہر نہ نکلتا تھا جس میں روز روشن کے وقت بھی چراغ جلانے پڑتے تھے تاہم مہربانی سے وہ بوقت طعام اپنے ہمراہیوں کو اپنے پاس آنے دیتا تھا۔ وہ خوشبویات نہ لگاتا تھا۔ نہ سواری کرتا تھا۔ رقص و سرود وغیرہ تفریحات کو اس نے خیر باد کہہ رکھا تھا اور نہ ہنس بولنے والے لوگوں کو اپنے پاس بیٹھنے دیتا تھا۔ وہ نفرت کے ساتھ ہر شخص کی عدم توجہی۔ شرارت۔ جبر۔ بدمعاشی وغیرہ کو یاد کر کے ان سب

---

[۵۲۲] سسل سری نگر سے ۶۔ بدی مگھر کو روانہ ہوا تھا۔ جس روز انگریزی کی ۱۳ دین نومبر ۱۱۲۰ء کی تاریخ تھی۔ چونکہ سرمائی موسم شروع ہو چکا تھا اس لئے راجہ توشش میدان کے اوپر سے ہو کر سیدھی سڑک کے ذریعہ نہ جا سکا بلکہ پہلے اس غرض سے ہشک پور پہنچا کہ سلسلہ کوہ کو ان نچلے دروں میں سے ایک کے ذریعہ عبور کرے جو مغرب میں واقع ہیں۔ یہ درے اسے وادی پرنتس میں پہنچا دیتے اور وہاں سے وہ براستہ اتالکا یا اتولی لوہرد لوہرین تک جا سکتا تھا۔ دیکھو نوٹ عہ ضمیمہ کتاب ہذا نیز نوٹ ع[۶۷۹] و ۶۹۹ کتاب ہذا۔

باتوں کا ذکر اپنی رانی سے کرتا تھا۔ چونکہ دولت اس کے پاس بیش قرار تھی اس لئے مہربانی سے ان لوگوں کو جو اس کے ہمراہ تھے اس نے مالدار بنا دیا کیونکہ وہ جانتا تھا یہ لوگ صرف میری خاطر اپنے اپنے ملک کو چھوڑ کر آئے ہیں +

کشمیر میں یہ حال تھا کہ جب وہ رخصت ہوا تو سارے وزیر معہ فوجوں کے پرانے محل[۲۳] کے سامنے جمع ہوئے۔ ان کا لیڈر جنک سنگھ کوتوال شہر تھا جس نے وزیروں۔ سواروں۔ دالیان ریاست۔ تنتریوں اور اہل شہر سے ایک قسم کا سمجھوتہ کر لیا تھا۔ مل کوشٹ اور دوسروں نے جو بھکشو کے معتبر آدمی تھے اور جن کا اس سے اکثر میل جول رہتا تھا جنک سنگھ کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ اعتبار قائم کرنے کے لئے وہ اپنا بیٹا اور بھتیجہ بطور یرغمال دیدے +

آخرکار اس شہر پر جو خوف زدہ عورتوں بچوں اور لوگوں سے بھرا ہوا تھا ایک ایسی رات آئی کہ جب شہر کا کوئی راجہ نہ تھا اور سب لوگ مارے خوف کے کانپ رہے تھے اس بے راجہ کے شہر میں بعض بیکس آدمی مارے گئے بعض لوٹے گئے اور بعض کے گھر جلا دیئے گئے +

---

۲۳ قدیم محل سے مراد اس شاہی محل سے معلوم ہوتی ہے جو اس سے پہلے موجود تھا جبکہ اننت دیو نے اپنا نیا محل سدا شو کے مندر کے قریب بنوایا۔ دیکھو نوٹ ۵۰ کتاب ہذا ۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۱۷ میں اس قدیم محل کے خالی مقام وقوع کا ذکر کیا گیا ہے۔

راجہ بھکشاچر

(۱۱۲۰ء تا ۱۱۲۱ء)

اگلے روز بھکشو دارالسلطنت میں داخل ہوا۔ اس کے سپاہی نعرے لگا رہے تھے اور تمام اطراف میں ان کی وجہ سے سڑکیں بھری ہوئی تھیں۔ ان کے سواروں کے گھوڑے سیندورسے رنگے اور نیام سے نکلی ہوئی بیشمار تلواروں میں چھپے ہوئے تھے ان سواروں کے درمیان راجہ بھکشاچر موجود تھا۔ شیر کی طرح لوگوں کو اس کے متعلق استعجاب اور خوف دونو باتیں تھیں۔ اس کے جوانی کے بال اس کے خود میں سے نکل کر کھلے ہوئے لٹک رہے تھے اور اس کی پشت پر اس طرح آراستہ تھے گویا فتح کی دیوی کو باندھنے کے لئے موجود ہوں کانوں میں بلے شوبھا دے رہے تھے۔ اس کی مطمئن۔ کشادہ سفید آنکھیں۔ ڈاڑھی۔ صندل کے ٹیکے۔ تانبہ کی رنگت کے ہونٹ۔ فتح کی وجہ سے دمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر دشمنوں کے دل بھی اس کی طرف کھچے چلے جا رہے تھے۔ کھچی ہوئی تلوار کی وجہ سے اس کا عکس گھوڑے پر پڑتا تھا اور گھوڑے کے بال گویا اسے چنور کر رہے تھے۔ اس کا گھوڑا قدم قدم پر رکتا اور وہ باجگذار والیان ریاست سے نذرانے لیتا تھا۔ ل کوشٹ نوعمر بھکشو کے پیچھے دایہ کی طرح بیٹھا ہر بات میں اسے مشورہ دے رہا تھا اور اسے کہتا جاتا تھا: "یہ شخص تمہارے باپ کو بہت عزیز تھا" "اس شخص کی گود میں تم نے پرورش پائی تھی" "یہ شخص سلطنت کا واحد سہارا ہے"۔

بھکشو پہلے جنک سنگھ کے گھر شادی کی غرض سے گیا اور اس کے بعد اعزاز شاہی حاصل کرنے محل میں پہنچا۔ چونکہ وہ اس نسل کو تازہ دم کرنے میں کامیاب ہوا تھا جو گذر چکی تھی اس لئے عورتیں اگر اپنی رحم کی اولاد کی نسبت اُمیدیں باندھتیں تو اُن کا مضحکہ نہ اُڑایا جاسکتا تھا +

بھکشو کی اس عجیب و غریب داستان کو پڑھ کر حریص لوگوں پر اگر وہ ان دشمنوں سے خائف ہوں جو محض تصویر ہی کا درجہ رکھتے ہوں ہنسی نہ اُڑانا چاہیئے۔ راجہ سُسل جو کبیر کی طرح دولت مند تھا اس کا جو مال و خزانہ بچ رہا تھا وہ نئے راجہ کے لئے سامان تفریح مہیا کرنے کے کام آیا۔ شاہی مال جس میں گھوڑے۔ زرہ۔ تلواریں وغیرہ بکثرت تھیں راجہ۔ ڈامروں۔ لیٹیروں اور وزیروں کے درمیان تقسیم کیا گیا جو اس وقت اپنے آپ کو بالکل آزاد محسوس کرتے تھے۔ لیٹیرے (وسیو) جو بھوتوں کے غول سے مشابہ تھے شہر میں جنت کے مزے لوٹتے تھے حالانکہ وہ محض دہقانی وضع کی چیزوں کے لائق تھے۔ راجہ دربار میں بیٹھا سجتا نہ تھا کیونکہ اس کے گرد زیادہ تر گنوار ہی جمع ہوتے تھے جن کے بہترین کپڑے ادنی کمبل ہوا کرتے تھے +

بھکشاچر نے چونکہ ایک بعید از قیاس طریق پر کامیابی حاصل کی تھی اس لئے ڈامروں نے اس کی نسبت یہ روایت مشہور کر دی کہ وہ اذ نار ہے۔ سلطنت کے کاموں میں وہ ہر ہر قدم پر ٹھوکر کھاتا تھا۔ کیونکہ اُس نے دُوسرے کے ہاتھوں میں کبھی سلطنت کا کام دیکھا نہ تھا اس لئے اس کی حالت اُس طبیب کی طرح تھی جس نے کسی دوسرے پر وہ طریق علاج برتتے نہ دیکھا ہو تو غلطی کھا جاتا ہے +

جب جنک سنگھ نے اپنی بھتیجی کی شادی اس سے کردی تو کمانڈر انچیف تلک نے بھی اسے اپنی لڑکی دیدی اور اس کا حامی بن گیا +

بھکشا چر کے وزیر جنگ کو جو دالئے راج پوری کا ایک افسر دکتک وارک، تھا پاداگر کا عہدہ دیا گیا تو اس نے راجہ کے مفاد کو چھوڑ کر ذاتی فایدہ کی طرف توجہ دینا شروع کی۔ شاہی اختیارات حقیقت میں بمب کے قبضہ میں تھے جو وزیراعظم (سرواد ہیکارن) تھا اور بھکشاچر محض نام کا راجہ تھا +

بمب کے اختیارات ہرچند کہ فاحشہ عورتوں کے زیر اقتدار تھے اور وہ ایک ادنےٰ طریق پر زندگی بسر کرتا تھا تاہم وہ اس وقت نیک و بد میں تمیز کر سکتا تھا۔ دریک کے سوتیلے بھائی جبیشٹ پال نے جو حیرت خیز بہادری رکھتا تھا راجہ کے معتبر آدمیوں میں درجہ اول پر جگہ حاصل کرلی۔ بھوتی بھشیچ اور بہت سے اور لوگ جو اس کے داداکے مشیر تھے اب شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے اقبال شاہی کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ کچھ تو راجہ سادہ لوح کچھ وزیر غافل اس پر طرہ یہ کہ دلیر ڈامر (دسیو) صاحب اقتدار۔ اس کا راج گو مختصر ہی ثابت ہوا تاہم یوں اس کے آثار ابتدا سے بھی ایسے ہی تھے۔ بھکشاچر کو ہر وقت نئی نئی عورتوں اور لذیذ کھانوں کی دُھن لگی رہتی تھی۔ وہ آرام اور لطف میں محو تھا معاملات مُلکی کی اسے بالکل سُدھ بُدھ نہ تھی۔ عیاشی کی خوشیوں نے اس کی ترقی کی کوششوں کو اس طرح اندھا کر دیا جیسے موسم برسات کی نیند کر دیتی ہے۔ جس وقت اس کے نوکر اسے دربار کی طرف دھکیلتے تھے وہ نشہ میں سرشار نیند کی طرف مائل ہوتا تھا۔ اگر کوئی مشیر گستاخی سے

اس کے لئے حقارت آمیز ہمدردی کے الفاظ استعمال کرتا تو وہ اس سے ناراض نہ ہوتا تھا بلکہ اسے اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اسی طرح چاہنے لگ جاتا گویا وہ اس کا باپ ہے۔ اس کے گرد جو ادنےٰ چاپلوس رہتے اور فاحشہ عورتوں تک کا جھوٹا کھا جاتے تھے اُنہوں نے اسے ایسی عادتیں ڈالیں جو ایک بازاری غلام کے شایاں شان تھیں اور اسے ایسا بنا دیا گویا اس نے مطلق تعلیم حاصل نہ کی ہو۔ چونکہ اس کے تمام ارادے نقش بر آب ہوتے تھے اور اس کے احکام میں کوئی حکمی عنصر موجود نہ ہوتا تھا اس لئے اس کے منہ لگے نوکر سب باتوں میں اس کا حکم ماننے سے تغافل برتتے تھے۔ وہ وزیروں کی ہی ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ اس کے دل سے تو ایک بھی لفظ نہ نکلتا تھا گویا وہ اندر سے بالکل ہی کھوکھلا تھا۔ شریر شیر سادہ لوح بھکشاچر کو اپنے گھروں میں لے جاتے اسے کھانا کھلاتے اور اس طرح لوٹتے گویا وہ ایک ایسا نوجوان تھا جس کا باپ عنقریب ہی مرا ہو ٭

بمب کی خوشنما سرین والی بیوی اس کے گھر آکر اس (اپنے آشنا) کے ہاتھوں اس طرح لقمے لیا کرتی تھی جیسے گھوڑی گھوڑے سے لیتی ہے۔ اپنے شوہر سے نظر بچا کر وہ مسکراتی ہوئی اپنی چھاتیاں۔ بغلیں اور ننگا ہیں دکھا کر اسے گرویدہ بنا لیتی تھی ٭

بھکشاچر کے حامیوں میں تفرقہ

پرتھوی ہر اور مل کوشٹ ایک دوسرے کے رقیب تھے اور وقتاً فوقتاً اس قدر جھگڑتے تھے کہ محل کانپ اُٹھتا تھا۔ ہرچند کہ راجہ نے خود ان کے گھروں میں جا کر انہیں اس بات پر رضامند کر لیا

کہ وہ اپنے بچوں کی شادی کرلیں تاہم دونوں میں حرص وہوا اس قدر ترقی کرچکی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی باہمی کدورت سے دست بردار نہ ہوا۔

جب راجہ نے پر تھوی ہر کے خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کرلی تو مل کوشٹ ناراض ہو کر علانیہ اس کا ساتھ چھوڑ گیا۔ واحد العین جنک نے بھی رشتہ داری کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر سازش شروع کردی اور اوجانند اور دوسرے برہمن مشیروں میں بد امنی پھیلا دی۔ راجہ اس تمام معاملہ کو لاپروائی کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ ہر بات میں نوکروں کے بس میں تھا جن میں سے اکثر شریر اور بدطینت تھے۔ ان تمام وجوہ سے وہ ان کاروبار کے معاملہ میں مضطر سا ہو گیا اور ہر شخص اسے لعنت ملامت کرنے لگا۔ جبکہ رعایا کے حاکم ڈامر ہوں اور سوپاک لوگ برہمن عورتوں کی عفت پر حملے کریں تو لوگوں پر جو مصیبت بھی نازل ہو کم ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ ملک میں کوئی راجہ نہ تھا یا بہت سے راجے تھے جن کے ماتحت کاروبار کے تمام قواعد شکست ہو گئے۔ بھکشو کے عہد حکومت میں پرانے دینار مروج نہ تھے اور پرانے سو دیناروں کے بدلے نئے ۸۰ [۲۲۴] مانتے تھے۔

[۲۲۴] یہ ایک عجیب بات ہے کہ باوجود اس صریح تحریر کے بھکشاچر کے زمانہ کے کوئی قدیم سکے اس وقت تک نہیں ملے۔ کم از کم کننگھم صاحب کی کتاب "کائنز آف میڈیول انڈیا" کے صفحہ ۴۶ پر اس قسم کے کوئی سکے نہیں دکھائے گئے جنھیں اس سے منسوب کیا جاسکے۔ شائین صاحب خود لکھتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں سے بہت سے پرانے کشمیری سکے گذرے ہیں لیکن ان میں کبھی بھکشاچر کا کوئی سکہ دیکھنے میں نہیں

لوہر پر چڑھائی

اب راجہ نے دیوانگی میں آکر ممب کو ایک فوج کی معیت میں براستہ راجپوری[۷۲۵] سسل پر حملہ کرنے لوہر بھیج دیا۔ سومپال کو ہمراہ لے کر اس نے اپنی مدد کے لئے ترشکوں[۷۲۶] کی ایک فوج جمع کی۔ باعث یہ کہ سلار وسمے اس کا معاون بن چکا تھا۔ ترشکوں کا ہر ایک سوار نخوت کے ساتھ ایک رسی دکھاتا ہوا کہتا تھا "میں اس سے سسل کو باندھ کر گھسیٹونگا" بھلا کون ہے جو اس کشمیری لشکر اور ملیچھ فوجوں کے مجموعہ کو ہر چیز کی بیخ کنی کے قابل نہ سمجھتا تھا؟

ممب کے چلے جانے پر جب راجہ بغیر کسی رہبر یا محافظ کے رہ گیا تو اس نے خوب ہی جی بھر کے عیاشیاں کیں۔ ممب کی بے عصمت بیوی[۷۲۷] اسے اپنے گھر بلا کر لذیذ کھانوں اور بغل گیری سے اس کی دعوت کرتی تھی۔ اپنے وزیر کی بیوی سے لطف اڑانے میں وہ اس قدر محو ہوا کہ کاروبار

آیا۔ کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ جس قدر سکّے اس دعویدار سلطنت نے جاری کئے تھے۔ انہیں سسل نے دوبارہ تخت نشین ہوکر واپس حاصل کیا اور گلا دیا تھا؟

۷۲۵ لوہر پر جنوب کی طرف سے براستہ راجپوری حملہ کرنے کی وجہ کچھ تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ آخر الذکر علاقہ کا حکمران بکشاچر کا پرانا حامی تھا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۶۲۲) اور کچھ یہ بھی کہ موسم چونکہ سردی اور بہار کا تھا اس لئے توسش میدان اور دوسرے دروں کی حالت اس قسم کی ہوگی کہ شمال کی طرف سے لوہر پر براہ راست حملہ نہ ہوسکے۔

۷۲۶ ترشکوں سے مراد اس جگہ بلا شبہ پنجاب اور جنوبی پہاڑیوں کے مسلمانوں سے ہے۔ یہ بیان کرنا مشکل ہے کہ کس اسلامی نام کو بگاڑ کر وسمے بنا لیا گیا ہے۔ سلار سے مراد غالباً لفظ سردار یا سالار سے ہے۔

وسمے کا نام آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۹۶۵ میں بھی آتا ہے۔

سلطنت کا خیال ہی بھلا دیا بھلا وہ جس کا زوال قریب تھا بری افواہوں سے کیوں مضطرب ہوتا؟ اس کے گھر میں وہ ایک گنوار عاشق کی طرح بے حیائی کے ساتھ خوب کھاتا پیتا اور مٹی کی ہانڈیاں پیتل کے برتن اور اسی قسم کی اور چیزیں بجایا کرتا۔ اس طرح پر رفتہ رفتہ اس راجہ کے قدم اکھڑتے گئے حتٰے کہ آخر وہ وقت آیا جب دولت جاتی رہنے سے اسے کھانا بھی بمشکل میسر ہونے لگا؛

اب لوگ پھر اسی سسل کی تعریف کرنے لگے جس سے پہلے حرص ظلم اور اور اسی قسم کے عیوب منسوب کیا کرتے تھے۔ رعایا کے وہی لوگ جنھوں نے بحالت بدامنی اس کی دولت۔ عزت وغیرہ گنوانے میں مدد دی تھی اب اس کی واپسی کے تہ دل سے خواہشمند تھے گو جن لوگوں نے وہ سماں دیکھا ہے وہ آج تک حیران ہیں کہ ان لوگوں کو پہلے ناراضگی کس بات پر ہوئی تھی اور پھر تسکین کس پر ہوئی۔ حق تو یہ ہے کہ گنوار لوگ اپنے کاموں میں کسی دلیل سے کام نہیں لیتے۔ گھڑی بھر میں وہ دشمنی کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور گھڑی بھر میں دوستی کا دم بھرنے۔ مل کوشٹ۔ جنک وغیرہ نے راجہ سسل کے پاس جو سلطنت سے دست بردار ہو کر چلا گیا تھا قاصد بھیجے اور اسے ترغیب دی کہ سلطنت کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کرے۔ انہی ایام میں جب ناگ کے آدمیوں نے اکشوسوکے اگرہار کو لوٹا تو اس جگہ کے برہمنوں نے راجہ کے خلاف پرایوپویشن شروع کیا*

شلوک ۷۲۷ اس موقعہ پر اور دنا کا لفظ لمپ کی بے عصمت بیوی کے لئے اس لحاظ سے استعمال کیا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ جیسا آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۹۶۶ و نیز ۹۷۸ سے معلوم ہوتا ہے وہ سسل کی داشتہ بھی رہی تھی۔

برہمنوں کے پرایوپویش

جب یہ لوگ اور اور برہمن جو اگر ہار میں رہتے تھے وجیشور میں جمع ہوئے تو راجان ڈالنکا کے برہمنوں کا پرایوپویش شہر تک جا پہنچا ادھر مندروں کے پروہتوں کی جماعت یعنی پرشدوں نے اوجانند اور دوسرے بڑے بڑے برہمنوں سے ترغیب پاکر گوکل میں بھی پرایوپویش کا سلسلہ شروع کر دیا پرشدوں کا ایسا مجمع پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ گوکل کا صحن مقدس مورتیوں کی قطاروں سے بھرا ہوا تھا جن کو ڈولیوں میں رکھا اور چمک دار چتروں پوشاکوں اور چنوروں سے آراستہ کیا ہوا تھا اور ہر طرف سے بڑے بڑے نقاروں جھانجھوں اور دوسرے آلات موسیقی کے بجنے کی آواز سنائی دیتی تھی جس سے ایک عجیب جیجم دھاڑ مچی ہوئی تھی۔ جب راجہ کے قاصدوں نے انہیں تسکین دینی چاہی تو انہوں نے نخوت کے ساتھ جواب دیا "اس لمڈار ھشے (لمب کوارچ) کے بغیر ہم کہیں جائینگے"۔ اس طرح پر راجہ سسل کو از راہ تمسخر لمبی ڈاڑھی والا کہتے ہوئے وہ محض اسے ایک پتلی خیال کرتے تھے ہر روز اہل شہر بہت بڑی تعداد میں ان پروہتوں کے پاس آتے اور ان کے پرایوپویش کو دیکھا کرتے تھے جن سے وہ مختلف امور پر بحث کرتے تھے۔ پروہتوں اور اہل شہر کو ہر وقت راجہ کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا اور اس لئے وہ دلیری سے لڑنے کو تیار رہتے تھے۔ سارا شہر چونکہ جنک سنگھ کے زیر اقتدار تھا اس لئے اب آخر الذکر خیال کرتا تھا کہ راجہ سسل کی بحالی کا موقعہ آپہنچا ہے راجہ پہلے وجیشور پہنچا تاکہ اگر ہاروں کے برہمنوں کو پرایوپویش سے دست بردار ہونے کی ترغیب دے لیکن اس کوشش میں وہ ناکامیاب

رہا۔ ان لوگوں کے درمیان تلک نے راجہ سے کہا "سارے ڈامروں کو مار ڈالو" لیکن اس کے خیالات چونکہ زیادہ راست شعاری پسند کرتے تھے اس لئے اس نے یہ ہدایت منظور نہ کی *

جب پرتھوی ہر اور دوسرے لونیوں نے یہ بات راجہ کی زبانی سُنی تو انہیں اس پر اعتبار ہو گیا لیکن تلک سے خوف کھانے لگے۔ راجہ نفرت کی وجہ سے پریاگ کے بھانجے لکشمک چیمبر لین کو قید کرنا چاہتا تھا لیکن وہ فرار ہو کر سُسل کے پاس جا پہنچا۔ اب بھکشاچر شہر میں پہنچا اور سب لوگوں کو جمع کر کے اہل شہر کا ایک دربار منعقد کیا جو بغیر کوئی وجہ ظاہر کرنے کے غیر مطمئن تھے۔ ہر چند کہ وہ جو کچھ کہتا تھا سچ کہتا تھا تاہم اہل شہر کی مخالفت کی وجہ سے اس کے الفاظ بے سود ثابت ہوئے واقعی باغیوں کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟

اس اثنا میں سومپال۔ بمب اور اور لوگ راجہ سسل پر جو لوہر میں مقیم تھا حملہ کرنے پر نوتس چلے گئے۔ سسل کے پاس اس کی مدد کے لئے[1] خاندان کلھہ کا راجہ پد مرتھہ والئے کالنجر آیا ہوا تھا کیونکہ اس کی نہ صرف اس سے بلکہ اس کے خاندان کے دوسرے آدمیوں سے بھی دوستی تھی *

جنگ پرنوتس ۲۱۔ ۱۱۲۴ء غرض ۱۳۔ شدی بیساکھ کو بہادر راجہ سسل کا اپنے طاقت ور مخالفوں سے مقابلہ ہوا

---

[1] کلھہ اور کالنجر کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۶۰۔ کتاب ہذا۔ کلہ کا ذکر آخری مرتبہ ترنگ ۸ کے شلوک ۵۸۱ میں آتا ہے جہاں بیان کیا گیا ہے کہ وہ اتا لکا میں سسل سے ملنے گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ فوت ہو گیا ہو گا۔

جن لوگوں نے اس لڑائی کو اپنی آنکھوں دیکھا ہے وہ آج تک اس عجیب وغریب مجادلہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں جو پرنوتس کے قریب ہوا تھا اور جس میں اس نے پہلی مرتبہ اپنے بدنامی کے داغ کو دھویا تھا۔ اس کے بعد کسی نہ کسی وجہ سے راجہ کی شخصی طاقت اس پر عود کر آئی اور اس نے اسے دوبارہ ویسے ہی مکمل بنا دیا جیسے شیر اپنی واپسی سے جنگل کو اس کی اصلی حالت میں لے آتا ہے +

اس کی بہادری کا یہ اثر ہوا کہ ترشک ڈر کے مارے ان رسیوں کو چھوڑ چھوڑ کر جو وہ اسے جکڑنے کو لائے تھے خود موت کے پھندوں میں پھنس گئے۔ بیتال کی طرح اس کے خوفناک جوش وخروش نے سومپال کے ماموں کو دریائے وتولا[۵۲۹] کے کنارہ لڑائی کے دوران میں ایک لقمہ کی طرح نگل لیا۔ غرض کہاں تک بیان کیا جاوے اپنی مختصر سی فوج سے اس نے ان سب کو قتل کر دیا۔ پچھاڑ دیا اور منتشر کر ڈالا اور گو ان کی تعداد بہت تھی تاہم انہیں اس حالت میں پہنچا دیا کہ جو بھی چاہے ان پر حملہ کرسکتا تھا۔ ان کشمیریوں نے کونسی خوبی کا اظہار نہ کیا جو اول تو ایک آقا کے خلاف لڑے اور دوسرے پر بباعث اپنی شکست کے ندامت لانے کا موجب ثابت ہوئے +

۵۲۹ وتولا کی نسبت ظن غالب یہ ہے کہ اس سے مراد دریائے تبرہ سے ہے جو سلسلہ کوہ پیر پنچال کے مغربی سرے کے جنوب میں ضلع سدرون کی وادیوں کو سیراب کرتا ہے۔ موضع پرنتس میں وہ دریائے توہی (توشی) سے جا ملتا ہے۔ اس دریا کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرنوتس کی لڑائی اس نام کے شہر کے قریب لڑی گئی ہوگی۔ یہ شہر اسی جگہ آباد ہوا کرتا تھا جہاں آج کل شہر پرونتس موجود ہے +

جب سومپال اور ترشکوں کو پسپا کر دیا گیا تو کشمیری بے حیائی سے رمبھ کا ساتھ چھوڑ کر راجہ سسل کی طرف چلے گئے معلوم ہوتا ہے کہ عجیب وغریب فطرت کے ان بے حیا لوگوں کو ایک روز اپنی نسل کے اس آقا کے روبرو سر جھکاتے وقت شرم نہ آئی تھی جس کے خلاف اس سے پہلے روز اپنی کمانیں تانتے رہے تھے ۔

سسل کا کشمیر کی جانب کوچ کرنا

اس کے دو تین یوم بعد راجہ ان شہریوں اور ڈامروں کو ساتھ لئے دوبارہ کشمیر کی جانب روانہ ہوا جو اسے ملنے آئے تھے ۔ سہدیو کا بیٹا راجپتر کلھن اس کوچ میں راجہ کے آگے آگے جا رہا تھا اور کرم راجیہ کے رہنے والے ڈامروں کو جمع کرتا جاتا تھا وہی رمبھ جو سب سے پہلے شاہی فوج سے ہٹ کر بھکشو سے جا ملا تھا اب اس کا ساتھ چھوڑ کر راجہ سے مل گیا ایسے ہی وڑشیر اور تنزین جو جنک سنگھ سے ملے ہوئے تھے بے شرمی سے راجہ کے استقبال کے لئے آگے بڑھتے دیکھے جاتے تھے ۔ ایک سپاہی جو موضع کاندیتر میں پیدا ہوا تھا اور خصوصیت کے ساتھ بعض علامات سعید رکھتا تھا وہ بھانگل کے ویران ضلع میں ایک مقام پر متعین تھا ۔ چونکہ اس نے ان لوگوں کو جو سسل کی طرف کوچ کر رہے تھے کھلا راستہ دے[۲۰] دیا تھا ۔ بھکشو پرتھوی ہر کو ساتھ لے کر اسے سزا دینے نکلا ۔ اسے شکست دینے کے بعد غصہ میں اس نے جنک سنگھ کو بھی قتل کرنے کی تجویز کی جو سسل کے پاس جانے کے لئے تیار رہو

ش۲۰ فیروز پور ۔ نیل کنٹھ اور دوسرے دروں کے راستے جو کوہ پیرپنچال کے جنوب میں علاقہ لوہر سے ملتے ہیں بانگل ہی سے ہو کر گزرتے ہیں ۔

رہا تھا اور یہ خبر سن چکا تھا۔ اس پر جنک سنگھ نے جو شہر میں تھا تمام اہل شہر۔ سواروں اور تنتریوں کو جمع کر لیا اور بھکشو کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔

جنک سنگھ کی بغاوت راجہ بھکشاچر نے یہ سوچ کر کہ اس نے تخت پر قبضہ کر لیا ہے پرتھوی ہر سمیت شہر کی جانب بسرعت کوچ کیا۔ جنک سنگھ نے فوجوں کو پُل پر سدا شو[۱۳۱ ک] کے مندر کے سامنے متعین کر کے دلیری سے لڑنا شروع کیا اور گو اسے صلح پر راغب کرنے کی کوشش کی گئی تاہم اس نے نہ مانا۔ کچھ عرصہ تک تو جنک سنگھ کے سپاہی دلیری سے لڑنے اور شکست کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے نظر آتے رہے۔ لیکن پرتھوی ہر نے اپنے بھتیجے الک سمیت دوسرے پل کو عبور کر کے اس کی فوج کو کمک پہنچائی۔ اب تنتری۔ سوار اور اہل شہر منتشر ہو گئے اور جنک سنگھ بوقت شب اپنے رشتہ داروں سمیت لہر کو بھاگ نکلا۔

صبح کے وقت جب بھکشو اور پرتھوی ہر اس کا تعاقب کرنے کی تیاری کر رہے تھے بے شرم سوار اور دوسرے آدمی ان کی طرف چلے آئے۔ پروہت پریشدوں کے برہمنوں اور اور لوگوں نے اپنا پرایوپویش چھوڑ دیا دیوتاؤں کی مورتیاں بغلوں میں دبالیں اور بھاگ نکلے چند ایک جو پیچھے مورتیوں کی خالی ڈولیوں کی نگہداشت کرتے رہ گئے تھے انہیں بھکشو نے اس لئے کچھ نہ کہا کہ وہ پرایوپویش چھوڑ بیٹھے تھے۔

[۱۳۱ ک] سداشو کا مندر محل شاہی کے قریب واقع ہوا کرتا تھا دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۸۶ و ۱۹۱۔ اس لئے جس پل کا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے شاید وہی ہو گا جو ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۴۷ میں مذکور ہے۔

ہمیں آج تک یہ سوچ کر حیرت آتی ہے کہ ایک روز سوار گھوڑے کوداتے جنک کی فوج اور دوسرے دن بھکشو کی فوج میں جاتے تھے تلک سنگھ کے بیٹے یعنی بھکشو کے خسر[۷۳۲] پورہ کو اس کے چچا (جنک سنگھ) کے عہدہ کی ساری شان وشوکت حاصل ہوئی جو ایک لمحہ میں بھکشو کی شاہی شان وشوکت سمیت کافور ہو جانے والی تھی۔ جب جنک سنگھ بھاگ گیا تو راجہ بھکشو کو ان لوگوں کے گھوڑے اور اور سامان تباہ کرنے کا موقعہ مل گیا جو اس کے مخالف کے طرف دار تھے۔

اس اثنا میں تلک اور باقی ماندہ لوگ ہشک پور میں سلھن۔ سمب اور دوسرے کے ہاتھوں مغلوب ہو چکے تھے جنھوں نے بہت بڑی فوج جمع کر رکھی تھی۔ اس لئے اب سُسل مل کو شٹ۔ جنک اور دوسروں کو ہمراہ لئے جو اپنی فوجیں لئے اس سے آملے تھے نیز ان والیان ریاست کی معیت میں جن کے پاس بہت سی فوجیں تھیں براستہ لہرکشمیر کی طرف روانہ ہوا وہ دو تین روز میں ملک کے ہر حصہ پر محیط ہو گیا اور اس کے بعد یکایک

[۷۳۲] جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۷۹۱ و ۸۵۱ میں بیان کیا جا چکا ہے بھکشو کی شادی تلک سنگھ کی دختر سے ہو چکی تھی۔

[۷۳۳] معلوم ہوتا ہے کہ سُسل پہلے پہاڑوں کے اوپر والے کسی مغربی راستہ پر سے ہشک پور گیا تھا (دیکھو نوٹ ع۔ ۶۷۹ کتاب ہذا) اور اس کے بعد اس نے کھوئی ہوم سے لہر دلار ہتک جھیل ولر کے شمالی ساحل پر کوچ کیا تھا۔ اس طریقہ پر وہ غیر متوقع طور سے شہر میں نمودار ہو سکتا تھا کیونکہ قدرتی طور پر اس کے دشمن جنوب کی طرف سے حملہ کے انتظار میں ہونگے۔ جیسا کہ کلھن نے بیان کیا ہے اس راستہ سے بارہ مولہ سے سری نگر تک دو تین دن کا راستہ ہے۔

پیشتر اس کے کہ دشمن اسے معلوم کر سکتا شہر میں جا پہنچا ۞ [۵۷۲۳]

راجہ سُسل (بار ثانی)

(سنہ ۱۱۲۱ء تا سنہ ۱۱۲۸ء)

اس کا چہرہ بڑی سی داڑھی میں چھپا ہوا تھا۔ بھنوؤں میں خم آئے ہوئے تھے۔ پتلیاں مارے غصہ کے حرکت کر رہی تھیں۔ نتھنے پھولے ہوئے تھے۔ وہ بے خوف ہو کر ان چند ایک سواروں اور بے وفا سپاہیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہا تھا جو اس سے آگے آگے شہر کے بازاروں میں پہنچے تھے۔ بعض کو اور نیز ان کو جو ان کی طرف سے شکست یاب ہوئے تھے وہ زجر و توبیخ کر رہا تھا۔ شدت کی گرمی سے اس کا بدن سیاہ ہو رہا تھا۔ اور سختی کی صورت بنی ہوئی ہونے کی وجہ سے واقعی وہ موت کے دیوتا کی مانند نظر آتا تھا۔ جن اہل شہر نے پہلے اس سے دغا کیا تھا اور جو اب خوشی کے نعرے لگانے اور اس پر پھولوں کی بارش کرتے تھے وہ حقارت کی نظر ڈال رہا تھا۔ اس نے اپنی زرہ لاپرواہی سے پہنی ہوئی تھی۔ اور محض کندھوں پر ڈال رکھی تھی۔ خود کے نیچے سے نکلے ہوئے اس کے بال گرد سے سفید ہو رہے تھے۔ اور یہی حال اس کی پلکوں کا تھا۔ وہ سواروں کے ایک دستہ کے درمیان جنھوں نے تلواریں نکال کر ایک قطار کی صورت میں پکڑی ہوئی تھیں اپنے گھوڑے پر جو اچھلتا ہوا چلتا تھا سوار تھا اور اس کی اپنی تلوار نیام میں پڑی تھی۔ ہر طرف زمین دور

تک پھیلی ہوئی سپاہ سے بھری پڑی تھی جو جنگی نعرے لگا اور نقارے بجا رہی تھی۔ اس شان سے سسل شہر میں داخل ہوا۔

چھ ماہ اور ۱۲ دن کے عرصہ کے بعد وہ ۳۔ شدی جیٹھ لوکک سمت ۴۱۹۷ (۱۱۲۱ء) کو واپس آپہنچا۔ محل میں داخل ہوئے بغیر وہ بھکشو کو تلاش کرنے لگا جو پہلے ہی فرار ہو چکا تھا اور اسے کشپنکا کے کنارے لونیوں کے ہمراہ دیکھا۔ درحقیقت بھکشو پرتھوی ہر سمیت اس وقت بھاگ گیا تھا جب دشمن لب دریا پر پہنچا تھا۔ لیکن سڑک پر جب اس کو اور لونی لوگ ملے تو وہ واپس آگیا۔

راجہ نے لڑائی میں اسے بھگا دیا اور اس کے بعد پرتھوی ہر کے ایک رشتہ دار سنگھ کو گرفتار کر کے جو تلوار کے زخموں سے گھایل ہو چکا تھا شاہی محل میں داخل ہوا۔ اس جگہ اسے اپنے رقیب کے استعمال کے تازہ نشانات نظر آئے تو وہ اس سے ویسا ہی متنفر ہو گیا جیسے کوئی شخص اس عورت سے ہو جاتا ہے جو فحش میں پڑ چکی ہو۔

بھکشو معہ پرتھوی ہر اور باقیوں کے کشمیر سے موضع پشیان[۴۳۵] ناد کی

[۴۳۵] سرحدی مقام شور پور کے ساتھ ہی جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۹۶۷ و ۱۵۷۸ میں آتا ہے پشیان ناد کا ذکر آجانے سے اس بارہ میں کچھ شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ وہی مقام تھا جو آج کل پشیان کہلاتا ہے۔ یہ درہ پیر پنچال کے مغربی یا پنجاب والے پہلو میں آخری آباد مقام ہے۔ پشیان سمندر سے کوئی ۸۰۳۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں زیادہ تر ہرکارے اور اور اس قسم کے لوگ آباد ہیں جن کا تعلق راستہ کی آمد و رفت سے ہے موسم سرما میں یہاں چونکہ برف باری شدت سے ہوتی ہے اس لئے یہ جگہ ویران ہو جاتی ہے مفصل حالات کے لئے

طرف روانہ ہوا جو سوم پال کے علاقہ میں تھا۔ اس کے چلے جانے پر راجہ نے تمام ڈامروں کو اپنا طرف دار بنا لیا اور وت کے بیٹے مل کو کھیری کا انچارج اور رہرش متر کو فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ راجہ کو اگلی سب باتیں یاد تھیں اور وہ اب وقت یا محل کی پرواہ نہ کرتا تھا بھکشو کے ساتھ چھو جانے کی بو تک سے چونکہ اسے نفرت تھی اس لئے اس نے تخت کو توڑ کر نوکروں کے حوالہ کر دیا۔ ڈامر جو اپنا دھوکہ سے کمایا ہوا روپیہ ہاتھ سے دینا نہ چاہتے تھے اور راجہ سے خوف کھاتے تھے اپنی لغویانہ کوششوں سے باز نہ آئے ❊

بخلاف اس کے بھکشو معزول ہونے کے بعد اپنے موید سوم پال کے پاس رہنے لگا اور اس کے عطایائے و اعزازات کی بدولت پھر طاقت حاصل کر لی۔ بمب وسے کے پاس مدد طلب کرنے گیا تھا لیکن جب راستہ میں دشمنوں نے اسے قید کرنے کی کوشش کی تو اس نے بہادری سے لڑتے ہوئے جان دی۔ بھکشاچر نے جب میدان بمب[۵۳۵] سے خالی

دیکھو دگنی صاحب کی کتاب ٹریولز" جلد ا صفحہ ۲۹۰۔ وانس صاحب کی کتاب۔ "ہینڈ بک" صفحہ ۵۹ ناد کا لفظ جو سنسکرت صورت میں اخیر پر لگا ہوا ہے نال کے برابر کا ہے جواب نک ندہ یا نالا کی صورت میں قائم ہے ۔ ناڑ کی جدید کشمیری صورت میں یہ لفظ کوہستان کشمیر کے اکثر مقامی ناموں کے اخیر میں پایا جاتا ہے۔ دیکھو نوٹ عنہ کتاب ہذا۔

یہ دیکھنا موجب دلچسپی ہے کہ پشیان ناد کا تعلق علاقہ راج پوری سے دکھایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرونتس توہی کی بالائی وادی پرنتس (پرنوتس) کی مانند کشمیریوں کے زیر حکومت نہ تھی ❊

پایا تو بے حیائی کے ساتھ اس کی بیوی کو اپنی مدخولہ بنا لیا۔ بہادر پرتھوی ہر نے پشیان ناد سے سورپور پر حملہ کیا اور گو اس کی جمعیت تھوڑی تھی وت کے بیٹے کو لڑائی میں بھگا دیا +

بھکشاچر کا دوبارہ حملہ

آخر الذکر کے فرار ہونے کے بعد پرتھوی ہر پھر بھکشو کو ہمراہ لے کر ڈامروں کے علاقہ مدوراجیہ میں اس غرض سے پہنچا کہ انہیں اپنا طرف دار بنالے جب اس نے منکھ۔ سجے اور اس علاقہ کے اور ڈامروں کو اپنا طرف دار بنا لیا تو وجے کشیشر کی جانب کمانڈر انچیف ہرش متر کو شکست دینے بڑھا۔ ہرش متر لڑائی میں مغلوب ہوا اور سپاہیوں کے مارے جانے سے وجے کشیشر چھوڑ کر مارے خوف کے بجانب اونتی پور بھاگا۔ وجے کشیشر اور مختلف شہروں اور گاؤں کے باشندے جو نواحات میں واقع تھے خائف ہو کر چکر دھر نامی وشنو کے مندر کی طرف بھاگ نکلے۔ وہ جگہ ان کی عورتوں بچوں۔ جانوروں۔ چاول کے ذخیروں و دیگر مال و اسباب سے بھر گئی اور راجہ کے سپاہیوں نے اپنے ہتھیار اور گھوڑے بھی وہیں رکھے +

چکردھر مندر کا جلایا جانا

بھکشو کے ہمراہی جن کی جمعیت افق تک پھیلی ہوئی تھی اور جو سب لوگوں کو خوب جی کھول کر لوٹنے پر آمادہ تھے ان کے پیچھے پیچھے گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا چونکہ محصورین مندر[۴۳۶] کے صحن میں پناہ گزین تھے جو بھاری چوبی فصیلوں اور

[۴۳۵] ترنگ ۸ کے شلوک ۹۲۷ میں ببب کے متعلق ذکر آچکا ہے کہ وہ سسل کا طرفدار تھا لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھکشاچر کا حامی بن گیا تھا۔

[۴۳۶] چکردھر کے مندر کی فصیلیں چوبی ہونے سے اس امر کی توضیح ہوتی ہے کہ

دروازوں سے محفوظ تھا اس لئے وہ نہ تو انہیں پکڑ اور نہ مار سکتے تھے۔
ایک شریر ڈامر جنک راج نامی نے جو موضع کشتھلی کا ایک نرگٹ [۴۳۷] (۹)
تھا اپنے ایک ذاتی دشمن کرپور نامی کو جو اندر تھا جلا دینے کی خواہش
کی اور حماقت سے اس جگہ کو آگ لگا کر اتنے بڑے مجمع کو بے رحمانہ طور
پر مار ڈالا +

جب آگ کا شعلہ بلند ہوتا دیکھا گیا تو تمام اطراف سے آہ وزاری
کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ گھوڑوں نے دشمن کی آمد (شعلوں) سے
ڈر کر گویا کہ وہ موت کا پھیندا تھا رسیاں تڑالیں اور صحن کے اندر جہاں
تل دھرنے کو جگہ نہ تھی دوڑ دوڑ کر لوگوں کو کچل ڈالا۔ آسمان دھوئیں
سے تاریک ہو رہا تھا جس میں سے متحرک شعلے اس طرح نکل رہے
تھے جیسے گنجان سرخ بالوں اور داڑھیوں والے بھوت۔ دھواں بند
ہونے کے بعد آگ سے شعلوں کی لو اس طرح نکل رہی تھی جیسے گرمی سے
پھٹے ہوئے سنہری بادل سے سنہری لہریں آتی ہیں۔ آگ کی لہریں آسمان

تسک درادور میں اب پتھر کے آثار کی قلت کس لئے پائی جاتی ہے۔

شائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ تسک درادور کے منتہائے شمال میں جو زمین
کے ایک نشیب کے ذریعہ باقی ماندہ سطح مرتفع سے جدا ہے ستمبر ۱۸۹۵ء میں جب مجھے
اس جگہ جانے کا اتفاق ہوا تو ایک ۸۰ گز مربع چوکور احاطہ کے آثار زمین کے اندر
گہرے نشان کی صورت میں دیکھنے میں آتے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا وہ چوبی دیواریں
انہی گڑھوں کے اندر گڑی ہوئی تھیں؟

[۴۳۷] لفظ نرگت سے مراد کسی ذات یا پیشہ سے ہوگی جیسا کہ سے ماتر کا ادھیائے ۲
شلوک ۲۰ و ادھیائے ۸ شلوک ۷۲ سے معلوم ہوتا ہے۔

پر اس طرح متحرک تھیں گویا وہ ان دیوتاؤں کے سروں سے گری ہوئی سرخ پگڑیاں تھیں جو آگ کے آگے آگے فرار ہو رہے ہوں۔ بڑے بڑے شہتیروں کے پھٹنے سے جو کھڑ کھڑاہٹ کی آواز پیدا ہوتی تھی وہ گنگا کی اس آواز سے مشابہ تھی جب وہ کرہ ہوائی میں سے گذرتے وقت سورج کی تمازت سے ابل رہی تھی۔ وسیع کرہ ہوائی سے جو چنگاریاں تیزی کے ساتھ اڑ رہی تھیں وہ ان لوگوں کی روحوں سے مشابہ نظر آتی تھیں جو آگ کے خوف سے مر گئے تھے۔ ہوا ان پرندوں کی چیخوں سے گونج رہی تھیں جو اپنے بچوں کے لئے چلا رہے تھے اور زمین پر چاروں طرف جلتے ہوئے لوگوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ آگ نے عورتوں کو اس حالت میں بھسم کر دیا کہ جب وہ چیخ چیخ کر اپنے بھائیوں۔ شوہروں۔ والدین اور بیٹوں کے گلے مل رہی تھیں اور مارے خوف کے آنکھیں بند کئے لیتی تھیں۔ چند ایک جو کوشش کر کے اندر سے نکل آئے انہیں بے رحم ڈامروں نے اس طرح قتل کر دیا گویا موت انہیں اس کام پر اکسا رہی تھی۔ آگ سے اتنے آدمی نہ مرے۔ جتنے مارے پسینہ کے راہی ملک عدم ہوئے۔

جب اندر والے سب کے سب مر چکے اور باہر والے قاتلوں کے دلی ارمان پورے ہو چکے تو یکایک اس جگہ سناٹا ہو گیا۔ اب شعلے ہلکے پڑتے جا رہے تھے اور صرف آگ کی کھڑ کھڑاہٹ یا جلتی ہوئی لاشوں کے ابلنے کی سی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ خون۔ مغز۔ استخوان اور چربی یہ سب چیزیں آگ کی وجہ سے ایک محلول مرکب کی صورت اختیار کر کے سینکڑوں اطراف سے بہ نکلیں اور ان کی خوفناک بدبو کئی یوجن تک پھیل گئی ۔

اس طرح پر گویا چکر دھر میں آگ کی وجہ سے دو بار مصیبت نازل ہوئی یعنی ایک دفعہ نوسشروس ناگ کے غضب سے اور دوسری دفعہ ڈامروں کی

بغاوت کی وجہ سے۔ اس ہولناک موقعہ پر اس قدر جانیں تلف ہوئیں جس قدر کہ رجنون کے تین شہروں (ترپی پور[۲۳۸] کے جلنے اور کھانڈو کے جنگل کی آگ سے ہوئی تھیں ۔

جب بھکشو نے اس قسم کا ظلم ۱۲۔ شدی[۲۳۹] ساون کے خوشی کے دن کیا تو اسی وقت سے شاہی قسمت اور خوش بختی اس کا ساتھ چھوڑ گئی ۔ ہزارہا شہروں اور گاؤں میں مکانات ویران ہو گئے کیونکہ مکین معہ اپنے کنبوں کے اس آگ میں جل مرے تھے ۔ نونگر کا ایک ڈامر منکہ نامی مردہ لوگوں کی لاشوں کو کاپالک[۲۴۰] کی طرح تلاش کرتا اور ان سے جو چیزیں ملتیں انہیں حاصل کر کے خوش ہوتا تھا ۔

اب بھکشاچر وہاں سے اُتر کر وجے کشیتر پہنچا اور شریر ناگیشور[۲۴۱] کو پکڑ کر اسے طرح طرح کے عذاب دے کر مارا ۔ اپنے دادا کے ملک میں اس

---

۲۳۸ شوجی کے ترپور کے شہروں کو جلانے اور ارجن کے کھانڈو کے جنگل کو تباہ کرنے کا قصہ مہابھارت کے پرب ۸ سرگ ۳۴ اور پرب ۱ سرگ ۲۲۳ میں علی الترتیب مذکور ہے ۔

۲۳۹ نیل مت پران کے شلوک ۷۸۵ تا ۷۹۱ میں ساون شدی ۱۲ کو مہتی دوادشی کے نام سے یوم تعطیل قرار دیا گیا ہے اس روز برت رکھا اور شرادھ کیا جاتا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں دی گئی اب تک کشمیر کے چند ایک ناگوں کی یاترا اسی روز کی جاتی ہے مثلاً بیال موچن اچائے ہشیر .ن (دوشن) ترگرامی وغیرہ کی ۔

۲۴۰ کاپالک سے مراد اس جگہ غالباً اس چنڈال سے ہے جو شمشان میں لاش کے کپڑے، زیور وغیرہ لے لیا کرتا تھا دیکھو مارکنڈے پران ادھیائے ۸ شلوک ۱۰۵-

۲۴۱ ترنگ ۷ کے شلوک ۹۵۳ میں آچکا ہے کہ ناگیشور نے راجکمار بھوج سے دغا کیا تھا

شخص کا کونسا فعل الزام کا مستحق نہ تھا۔ لیکن جب اس نے اپنے باپ کے قاتل کو مارا تو سبھی اس سے خوش ہو گئے۔ ہرش منتر کی بیوی جسے وہ بوقت فراری اپنے پیچھے چھوڑ گیا تھا پرتھوی ہر کو وجیش کے مندر کے صحن میں مردہ ملی ؛

راجہ سسل ہرش منتر ہی کو اس تمام کشت و خون کا باعث ٹھیراتا تھا۔ چنانچہ اب وہ خود جنگ کے لئے میدان میں آیا۔ جنک راج کی خطا تو ایسی تھی کہ وہ دوزخ کی اذیتوں کا مستحق تھا۔ لیکن اونتی پور میں جلدی ہی اس کی جان نکل گئی۔ مقام حیرت ہے کہ لوگ مایا میں اندھے ہو کر اس بات کو یاد نہیں رکھتے کہ وہ جسم جس کی خاطر وہ دوسری دنیا میں اپنی خوشیوں کو مٹاتے ہیں کیسی جلدی فناہ ہو جانے والا ہے ؛

اب راجہ نے سمب کو کمانڈر انچیف مقرر کیا اور وجے کشیترا اور دوسرے مقامات سے ڈامروں کو نکلوایا۔ پرتھوی ہر مدو راجیہ سے سمالا کو چلا گیا۔ لیکن ہل کوشٹ سے شکست کھا کر اسے اپنے علاقہ کو چھوڑنا پڑا ؛

لاشوں میں سے چند ایک دریائے وتستہ میں پھینک دی گئیں اور اکثر جو باہر نہ نکالی جاسکتی تھیں وہیں چکر دہر کے مندر کے صحن میں جلا دی گئیں۔ اب رلہن نے کرم راجیہ میں کلیان داد اور دوسروں کو شکست دی اور اننت کا بیٹا آنند عہدہ دوارپتی پر مامور ہوا ؛

پرتھوی ہر کا سری نگر پر حملہ طاقت اور پرتھوی ہر جب اپنے رشتہ دار سنگھ کی لاش کو جسے سولی دیا گیا تھا لئے جا رہا تھا تو کشپتکا ندی کے کنارے اس کا ب۔ سنگھ اور اس کے ہمراہیوں سے مقابلہ ہوا ؛

کشمیر میں ماہ بھادوں کا ایک خاص دن مقرر ہے جب کہ مردہ لوگوں[۲۴۷] کے پھول (ہڈیاں) مقدس جھیل (تیرتھ) کی طرف روانہ کئے جاتے ہیں اس موقعہ پر ہر سو عورتوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آیا کرتی ہیں۔ لیکن جتنا عرصہ پرتھوی ہر کی لڑائی جاری رہی یہ حالت روزمرہ دیکھنے میں آتی تھی کیونکہ جو بہادر میدان کارزار میں کام آتے تھے ان کے لئے عورتوں کی آہ و زاری سے سارا شہر گونجا کرتا تھا۔

انہی ایام میں یشوراج کا خسر پورہ سریوک باہر سے واپس آگیا اور راجہ نے اسے عہدہ کھیری کا چارج دیدیا۔ نہ تو اس نے لونیوں کی اور نہ لونیوں نے اس کی مخالفت کی بلکہ بخلاف اس کے وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں وقت گذارا کرتے تھے۔

اب راجہ ماہ اسوج میں دوبارہ سمالا کی طرف روانہ ہوا لیکن دشمن نے اسے منی موش[۲۴۸] کے گاؤں کے قریب شکست دی۔ متواتر لڑائیوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے بھکشو نے اعلیٰ طاقت حاصل کرلی تھی۔ اس موقعہ پر اس نے اول مرتبہ اپنے آپ کو طاقتور اور بہادروں کی صف

---

[۲۴۷] کلہن اس جگہ اس رسم کا حوالہ دیتا ہے جس کی رو سے کشمیر کے تمام برہمن ان لوگوں کی ہڈیوں کو جو سال بھر میں مرگئے ہوں جھیل گنگا میں جو کوہ ہرمکٹ کے برفانی تودوں کے نیچے واقع ہے اب تیرتھ کی یاترا کے موقعہ پر ڈال دیتے ہیں۔ جھیل میں ہڈیاں ڈالنے کی رسم ۸۔ شدی بھادوں کو عمل میں آتی ہے۔ یاتری سرینگر سے ۴۔ شدی کو روانہ ہوتے ہیں جبکہ گھروں سے ہڈیاں لے جاتے وقت بہت کچھ آہ و زاری ہونے لگتی ہے۔ دستور ہے کہ تمام رشتہ دار خاندانوں کی عورتیں مرحوم کے مکان پر جمع ہوکر خوب زور زور سے روکر اپنی ہمدردی کا اظہار کرتی ہیں

ہیں درجہ اول پر ثابت کر دکھایا۔ برہمن تِنک اور سُسل کی فوج کے اور بڑے بڑے آدمی بھکشو کے ہاتھوں کام آئے اور یکایک زیادہ بارش ہو جانے سے پرتھوی ہر اور اس کے ہمراہی کچھ نہ کر سکے۔ دونو فوجوں میں یوں تو بہت سے طاقت ور آدمی تھے لیکن بھکشو جب میدان میں نکلتا تو ان میں سے کوئی بھی اس کے مقابلہ میں نہ آسکتا تھا۔ اس لڑائی کے موقعہ پر پرتھوی ہر اور بھکشو کے پاس کاڈمبری اور پٹا کا نامی دو زرد اور سفیدی مائل رنگ کی گھوڑیاں تھیں۔ گو بہت سے گھوڑے کام آئے تاہم یہ گھوڑیاں عجیب و غریب طور پر مارے جانے سے بچی رہیں حتٰے کہ وہ تھکتی بھی نہ تھیں +

اس لحاظ سے بھکشاچر کے برابر کا کوئی بہادر نہ تھا کہ جو نازک موقعوں پر فوج کی محافظت کر سکے۔ تھکان کی پرواہ نہ کرے۔ مشقت برداشت کرے اور کبھی شیخی نہ مارے۔ سُسل کی فوج میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اضطراب کے موقعوں پر سپاہیوں کو مستقل مزاج رکھ سکے یہی وجہ تھی کہ ان میں سے اکثر مختلف موقعوں پر کام آتے تھے +

چند تازہ شکستوں میں بھکشاچر نے بعض ڈامر فوجوں کو اس طرح بچایا جیسے بڑا ہاتھی چھوٹے ہاتھیوں کو بچاتا ہے۔ اِس موقعہ پر پرتھوی ہر کے برابر وفادارانہ پھرتی کسی نے ظاہر نہ کی جو ہر روز رات کے وقت

اس یاترا کے متعلق مفصل حالات ہرمکٹ گنگا مہاتم میں درج ہیں۔ جھیل گنگا گنگ بل) کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۲۰ و ۱۹۱ کتاب ہذا۔

سٹ منی موش کے محل و قوع کا ٹھیک پتہ نہیں چل سکا لیکن اس شلوک و نیز ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳ ۱۱ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جگہ سالہ یا ہل میں کہیں پر واقع ہوگی

بھکشو کے دروازہ پر سویا کرتا تھا۔

بھکشاچر کی حالت اس وقت سے لے کر ہمیشہ بھکشو جو ایک بہت بڑا سپاہی تھا شرادھ کے وشنوکے دیواہ[۷۴۴] کی مانند میدان جنگ میں آگے اور پیچھے کی فوجوں کا محافظ ہوا کرتا تھا۔

وہ تمام موقعوں پر بہادری اور استقلال سے کام لیتا تھا اور اپنے طریق عمل کی تصدیق اپنے ہمراہیوں کو الفاظ ذیل سے مخاطب کر کے کیا کرتا تھا:-

"میری کوشش تخت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس بے عزتی کو دور کرنے کے لئے ہے جو میرے اجداد کے کاموں سے منسوب ہو چکی ہے۔ لوگوں کے وہ محافظ[۷۴۵] چونکہ موت کے وقت خود بلا محافظ رہ گئے تھے اس لئے یہ خیال کر کے کہ ہمارا خاندان تباہ ہوا جا رہا ہے وہ ان لوگوں کی حالت پر رشک کھاتے تھے جن کا کوئی محافظ ہو۔ اسی خیال میں مَیں سختیاں جھیلنا پوری کوشش سے کام کر رہا ہوں اور چونکہ خود مصیبت میں ہوں اس لئے میری بدولت یوماً فیوماً میرے لواحقین کو بھی تکلیف پہنچ رہی ہے۔ خواہش رکھنے والا بھلا کسی دبیرانہ کام سے کیونکر رک سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اس کا

---

۷۴۴ سالانہ شرادھوں کے شروع اور اخیر میں وشنو کے دیوہ کے منتر پڑھے جاتے ہیں۔

۷۴۵ اس جگہ بھکشاچر کا اشارہ اپنے باپ اور دادا کی طرف ہے جن کی تباہی کا انتقام بدلہ لینا ہے۔

وقت نہ آپہنچا ہو۔ ہمارے مدعا کے حصول کے لئے ٹیڑھے[ف۷۴۶] طریقوں سے کام لیا جاوے تو ان کے افشا ہونے کی صورت میں ہمیں کیا فایدہ پُہنچ سکیگا۔ علاوہ بریں کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے ارادوں کو ظاہر نہ کریں جبکہ ہم نے رشیوں کی نمایاں کی ہوئی سیدھی سڑک پر قائم رہنے کا عہد کر رکھا ہے"۔

بھکشو کی غیر معمولی بہادری کے ان الفاظ سے ڈامروں کو اندیشہ لگ گیا اور اس لئے انہوں نے پھر کبھی اس کی سپاہ میں منافرت پھیلانے کی کوشش نہ کی۔ شاہی خون رکھنے والے عام طور پر تخت نشین ہونے سے پہلے دوسروں کے طریق حکومت ہی کو دیکھ کر واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اس نے اپنے باپ دادا کی حکومت کا زمانہ نہ دیکھا تھا یہی وجہ تھی کہ جب اس نے تخت حاصل کیا تو غلط راہ پر پڑا ہوا تھا۔ اگر وہ اسے دوبارہ حاصل کر سکتا تو کبھی ممکن تھا کہ اس کی شکست کا ذکر سننے میں آتا؟ اس صورت میں تو خود قسمت بھی اس کی طرف بنظر تحقیر نہ دیکھ سکتی۔

ہر چند کہ وہ لوہنوں کی دہوکا باز طبیعت سے واقف تھا تاہم وہ اپنے دل اس لئے بے فکری میں گذار رہا تھا کہ جب ایک بار میرا دشمن مارا گیا تو میں تخت حاصل کر لونگا۔ راجہ سسل ڈامروں کی اس ذہنی حالت کو اپنے

ف۷۴۶ اس شلوک کے معانی چنداں واضح نہیں ہیں جہاں تک اندازہ کیا جاسکتا ہے اس سے مُراد یہ ہے کہ بھکشاچر آئندہ تجاویز کے متعلق اپنی خاموشی کے بارہ میں عذر پیش کرتا چاہتا ہے۔ اگر اس نے کوئی خفیہ تجاویز سوچی ہوئی ہونگی تو ان کا اظہار زیبا نہ ہوگا یا اس سے شاید اسکا منشا اپنے ہمراہیوں کو یہ جتلانا تھا کہ میرا کوئی خفیہ ارادہ نہیں ہے بلکہ میں صرف اس بد قسمتی میں جو بکہ ہوں۔ اور راست پر ہونے کے باعث قسمت میری یاوری کرے گی۔

لئے فایدہ مند سمجھتا تھا۔ فتح حاصل کرنے کے لئے وہ پالیسی یا جبر دونوں طریقوں سے کام لینے کو تیار رہتا تھا +

لڑائی کے وقت سُسل اپنے ہمراہیوں تک کی نگہداشت نہ کرتا تھا۔ کیونکہ اسے ان کی سابقہ دشمنی یاد تھی یہی وجہ تھی کہ انہیں اس پر بھروسہ نہ تھا اور اسی سبب سے اسے فتح نصیب نہ ہوتی تھی۔ انہی جھگڑوں میں ملک کی طرف کوئی توجہ نہ دی جاتی تھی اور ملک کا ہر حصہ سخت قابل رحم حالت میں پڑا ہوا تھا۔ افسوس ہے کہ ہاتھی اپنی نخوت میں آکر شوق سے انہی درختوں کو جڑھ سے اکھاڑ ڈالتا ہے جو اس کی خاطر اس آگ سے نقصان برداشت کر چکے ہوتے ہیں جو کہ شکاریوں نے اسے پکڑنے کے لئے جلائی ہوتی ہے واقعی جن لوگوں کی قسمت پیچھے پڑی ہوئی ہو انہیں نہ تو اپنے آپ اور نہ دوسروں سے کچھ بھلائی حاصل ہوسکتی ہے +

جبکہ شاہی طاقت اس طرح تقسیم ہو رہی تھی راجہ سسل نے بھکشاچر کی فوجوں کو شکست دی جو بے وقت برف باری سے پہلے ہی خراب حالت میں تھیں +

بھکشاچر کا پشیان ناد کی طرف چلا جانا

یہ شکست کھا کر بھکشو اور پرتھوی ہر دونو پھر ایک مرتبہ پشیان ناد کی طرف چلے گئے اور دوسرے لونیے راجہ کے مطیع ہو کر خراج دینے پر رضامند ہوگئے۔ بہادر کمانڈر انچیف سمب نے ڈامروں کو شکست دی اور سارے مدوراجیہ میں بغاوت کو دبا دیا +

جب راجہ اس طرح پر اپنے مخالفوں کو دبانے میں کامیاب ہو چکا تو اس نے اپنے پیروؤں کے ساتھ سابقہ دشمنی کا اظہار شروع کیا۔ راجہ

کا غضب ہی مل کو نتٹ کی جلا وطنی کا باعث ہوا۔ کیونکہ جب الھن نے اسے خبر دی کہ راجہ سُسل تمہیں مارنے کی تیاری کر رہا ہے تو وہ خود ہی بھاگ گیا۔ اس نے آنند پسر اننت کو قید کر لیا اور پرجی کو جو کہ شاہی خاندان سے تھا اور علاقہ سندھو سے تعلق رکھتا تھا دوار پتی کا عہدہ دیدیا۔ پھر سُسل وجے کشیتر کو چلا گیا اور سمب سمیت شہر کو واپس آکر اس معتبر نوکر کو قید کر لیا نفرت کی آگ جس میں وہ اپنے نوکروں کو جلا دینا چاہتا تھا یاد کے جھونکوں سے تیز ہو رہی تھی اور اس میں رحم کا پانی جذب ہو جاتا تھا۔ ایک بار اسے جوش جو آیا اس نے سمب کو معہ اس کے چھوٹے بھائی سنگھ اور ٹھکن سنگھ کے سولی دلوا کر مروا دیا۔ اس نے فوج کی خاص کمان سریوک کے سپرد کی اور جنک سنگھ کو قید کر کے پرجی کے بھائی سجی کو چیف جسٹس راجستھان[1] کا عہدہ دے دیا +

اب آیندہ کے لئے اس کے مشیر و وزیر غیر ملکی لوگ ہی رہنے لگے یا اس کے ملک والوں میں سے صرف وہ جو اس کے پیچھے پیچھے لوہر گئے تھے۔ اس صورت میں سب لوگ خائف ہو گئے اور اس کا ساتھ چھوڑ کر دشمن سے جا ملے محل میں صرف ایک فیصدی آدمی راجہ کے طرف دار باقی رہ گئے۔ اس طرح پر جب مناد دب گیا تو اس نے تازہ مناد پیدا کر لیا جسے ٹھیک کیا یا روکا نہ جا سکتا تھا۔ دانا راجہ وہ ہے جو ان حالتوں میں کسی قصور کو نذر انداز

[1] ترنگ ۸ کے شلوک ۵۷۳ میں جنک سنگھ کو راجستھان کے عہدہ پر مامور دکھایا گیا ہے لیکن آگے چل کر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ نگر آدھیپ یا کوتوال شہر کے عہدہ پر تھا جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۶۳۲-۸۱۴-۸۳۸ سے واضح ہوتا ہے۔ کیا ہم اس سے یہ مطلب نکال لیں کہ اس زمانہ میں یہ دونو عہدے ایک ہی شخص کے سپرد ہوا کرتے تھے؟

کردے جب دیکھے کہ ایک نوکر سے سختی کرنے کا اثر باقیوں پر بھی پڑے گا۔
ماہ ماگھ لوکک سمت ۴۱۹۷ (۲۰-۱۱۲۱ء) میں مل کوشٹ وغیرہ کے ایما پر بھکشو
پرتھوی ہر وغیرہ براستہ سورپور واپس آگئے[۲۴۸]

بھکشاچر کی واپسی ۱۱۲۲ء راجہ محل چھوڑ کر اس خیال سے نومٹھ[۲۴۹]
میں چلا گیا کہ اس جگہ دریائے وتستا
ایک کھائی کی طرح پھیلا ہوا ہے اور دشمن یہاں تک رسائی محال ہے۔
ماہ چیت لوکک سمت ۴۱۹۸ (۱۱۲۲ء) میں ڈامر لڑائی کے لئے آگے بڑھے اور
سب سے پہلے جنگ کی ابتدا مل کوشٹ کی طرف سے ہوئی۔ جبکہ وہ
شہر کے سواروں سمیت لڑائی میں مصروف تھا رنواس کی رانیاں محل کی
چھت پر سے خائف ہو کر دیکھ رہی تھی بھکشو نے اپنا کیمپ کشٹپکا کے
قریب لگا لیا۔ ڈامر محل کے باغ سے درختوں کی لکڑی آگ جلانے اور راجہ

---

[۲۴۸] بھکشاچر کے سر اٹھانے کی جو تاریخ اس جگہ دی گئی ہے وہ نہایت عجیب ہے
راستہ شور پور سے مراد کوہ پیر پنچال میں سے گذرنا ہے اور عام طور پر ماہ مارچ تک میں
اس میں سے گذرنا ناممکن ہوتا ہے۔ لوکک سمت ۴۱۹۷ کا ماہ ماگھ غالباً دس۔ ا جنوری سے
۹ فروری ۱۱۲۲ء تک ہوگا۔ اس صورت میں بھکشو کے اس راستہ پر سے گذرنے کے بارہ میں
قیاس کرنا پڑتا ہے کہ ان ایام میں موسم غیر معمولی طور پر موافق ثابت ہوا ہوگا جس کی وجہ
ممکن ہے کسی قدر یہ بھی ہو کہ جیسا ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۳ میں آیا ہے موسم خزاں میں
برفباری قبل از وقت ہو چکی تھی۔

[۲۴۹] نومٹھ جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۷ میں بدیں الفاظ آچکا ہے کہ اسے
اوچل کی رانی جے متی نے بنوایا تھا اس کا محل وقوع قایم کرنے میں اس شلوک سے مدد مل سکتی ہے
بشرطیکہ سرینگر کے اندر یا اسکے نواحات میں کوئی جگہ اس قسم کی موجود ہو جسکا جغرافیائی نقشہ ان

گے اصطبلوں سے گھاس گھوڑوں کو چرانے کے لئے لے جاتے تھے۔
جبکہ پرتھوی ہر مدوراجیہ کے ڈامروں کو جمع کر کے وجے کشیتر میں فوج جمع کر رہا تھا راجہ نے اولوالعزمانہ طور پر ماہ بیساکھ میں یکایک حملہ کر دیا اور پرجی اور دوسروں کو مل کوشٹ وغیرہ کے مقابلہ کا حکم دیدیا۔ اس فوری حملہ سے گھبرا کر اور زخمی ہو کر پرتھوی ہر کی فوجیں بھاگ گئیں اور پُل کو بمشکل عبور کر کے انہوں نے اس خیال سے اپنے دل کو تسلی دے لی کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ ادھر پرجی مل کوشٹ سے جنگ میں مصروف تھا کہ پرتھوی ہر کا چھوٹا بھائی منجیشور بھی کو شکست دیکر شہر میں داخل ہو گیا لیکن دریائے وتستہ کا پُل چونکہ شکستہ تھا اس لئے وہ دوسرے کنارے تک تو پہنچ نہ سکا بلکہ پاس والے کنارہ پر کے مکانات جلا کر کشیتکا کو چلا گیا۔ راجہ سسل نے بے حوصلہ ہو کر خیال کیا کہ شہر پہ لونیوں کا

حالات سے مطابقت کھاتا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ لومٹھ دریائے وتستہ کے کسی جزیرہ پر یا کسی ایسے قطعہ زمین پر واقع تھا جس کے گرد کسی قدر دریا مڑا ہوا تھا۔

دریا کی موجودہ حالت میں شہر کے نواحات میں کوئی جزیرہ اس قسم کا نظر نہیں آتا۔ البتہ شہر کے پہلے پُل کے اوپر کی طرف ایک سیدھی لکیر میں قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر دریا کے جھکاؤ سے بنا ہوا ایک جزیرہ نما ہے اس گاؤں کے نام پر جو اس پر واقعہ ہے اس جزیرہ نما کو شوپور بھی کہتے ہیں اور اس کے ایک حصہ پر رام منشی باغ ہے جسے ایک کیمپ لگانے کی زمین کی حیثیت میں اکثر یورپین سیاحان سرینگر جانتے ہیں۔ اس کی لمبائی کم و بیش ایک میل اور چوڑائی نصف میل ہے اور وہ قطعہ جو اس مختصر سے جزیرہ نما کو خشکی سے ملاتا ہے تنگ ترین حصہ میں ۔۔ ہم گز سے زیادہ چوڑا نہیں۔

لیکن ممکن ہے گذشتہ سات صدی کے عرصہ میں دریا نے شہر کے اوپر یا نیچے کی طرف

قبضہ ہو گیا ہے چنانچہ وہ اپنی فوجیں لیکر وجے کشیتر کی طرف ہٹ گیا۔

گھمبیرا پل کی تباہی ۱۱۲۲ء

دشمن کے خوف سے راجہ کی فوج جو زور سے آگے بڑھی تو دریائے گمبھیرا[۵۵] کا پل ٹوٹ گیا۔ ۶ بدی جیٹھ (۱۱۲۲ء) کو اس کے لاتعداد سپاہی پانی میں گر کر اس طرح کام آئے جیسے قبل ازیں بہت سے آدمی چکر دھر کی آتشزدگی میں جل مرے تھے۔ راجہ بازو اُٹھا کر فوج کے گھمسان کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا کہ خوف زدہ اور مغلوب سپاہ کا دباؤ پیچھے سے پڑنے کی وجہ سے خود بھی پانی میں گر پڑا۔ وہ بمشکل دوسرے کنارے تک تیر کر پہنچا۔ کئی بار ان لوگوں نے جو تیر نہ سکتے تھے اسے نیچے کی طرف کھینچا اور اس کے ساتھ لگ لگ گئے اس کے علاوہ وہ ان لوگوں کے ہتھیاروں سے مجروح ہوا جو ندی کو عبور کر رہے تھے۔ جن فوجوں نے ابھی دریا کو عبور نہ کیا تھا انہیں

اپنا رخ بدل لیا ہو اور اس سے پہلے اس قسم کا کوئی اور قطعہ بھی موجود ہو جس پر نوشٹھ بنا ہوا ہو۔

[۵۵] گمبھیرا جس کے معنی عمیق دریا کے ہیں دریائے وشو کا (وساؤ) کے اس حصہ کا نام معلوم ہوتا ہے جو سب سے نیچے کی طرف ہے یعنی رمبیار کے ساتھ اس کے اتصال اور دریائے وتستہ کے ساتھ اس کے ملاپ کے مقامات کے درمیان۔ یہ مقام اتصال مہاتموں میں ایک تیرتھ کے طور پر مذکور رہے جس کا نام جیسے کرنوٹ ۱۲۲ کتاب ہذا میں آچکا ہے گمبھیر سنگم ہے۔ اس گمبھیر کا ذکر وجیشور مہاتم (آدپران) میں جا بجا اسی نام سے کیا گیا ہے دیکھو ادھیائے ۴ شلوک ۱۔۷۔ ادھیائے ۵ شلوک ۶۶۔۹۰ ادھیائے ۶ شلوک ۱۹ وغیرہ اس کے علاوہ اس کا ذکر وتستہ مہاتم اور ہر چرت چنتا منی کے ادھیائے ۱۰ شلوک ۱۹۲ میں بھی آتا ہے۔ کلہن نے آگے چل کر ترنگ ۸ کے

اس نے دوسرے کنارہ پر باجگذار والیان ریاست ہی کے پاس چھوڑا اور خود فوج کا عشیر حصہ لیکر روانہ ہوا اس قدر لاتعداد سپاہ چھوڑ کر بھی راجہ نے حوصلہ برقرار رکھا اور شہر میں داخل ہو کر مل کوشٹ اور باقیوں سے لڑنے لگا۔ اب وجے کی ماں سلا[۷۵۱] ان فوجوں کو وجیشور سے لیکر دیوسرس پہنچی جنھیں ان کا سپہ سالار پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ لیکن پرتھوی ہر نے اس پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا ننک کو اس عہدہ[۷۵۲] (اپوزیشن) پر مامور کر دیا اور شاہی فوجوں کو منتشر کر دیا +

ساری فوج بھاگ گئی صرف کلیان راج برہمن جو قواعد جنگ میں خوب مہارت رکھتا تھا دشمن کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ سُسل کی فوج میں بہت سے مشیر، ڈامر اور باجگذار والیان ریاست تھے پرتھوی ہر نے بہت سے سپاہیوں کو پکڑ کر ان کی شکیں کسوالیں۔ وتسٹہ تک ان کا تعاقب کرتے

شلوک ۱۴۹۷ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

درج برور سے دریا کے بائیں کنارے پر سری نگر تک جو سڑک جاتی ہے۔ وہ اب تک وشوک پر سے اس مقام کے اوپر سے ہو کر گذرتی ہے جہاں وتسٹہ کے ساتھ اس کا سنگم ہے۔ اس جگہ دریائے وشو کا عمودی دلدلی کناروں کے درمیان ہو کر بہتا ہے اور اس قدر گھرا ہے کہ سال کے کسی حصہ میں بھی اس میں سے ہو کر نہیں گذر سکتے۔

[۷۵۱] یہ امر بدیہی ہے کہ سلا اسی وجے کی ماں ہے جو دیوسرس کا طاقت ور ڈامر تھا اور جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۰۴ میں گرگ چندر کے برادر نسبتی کے طور پر آ چکا ہے بیک جس کا ذکر اگلے ہی شلوک میں آتا ہے وجے کا ایک رشتہ دار اور دیوسرس ہی کا رہنے والا تھا۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۲۲ - ۶۶۲ -

ہوئے اس نے اوجانند برہمن اور دوسروں کو جو اس فوج میں سے بھاگ گئے تھے پکڑ کر سولی دیدیا۔ جنک سنگھ سرپوک اور دوسرے وزیر نیز چند ایک راج پتر سلسلہ کوہ کو عبور کر کے وشلاتا[۵۵۳] میں کھشوں کے ہاں پناہ گزیں جا ہوئے۔ اس طرح پر جب پرتھوی ہر کو فتح حاصل ہو گئی اس نے ڈامروں کو جمع کیا اور بھکشو کو ساتھ لے کر بڑی اُمنگوں کے ساتھ نواحات شہر کی طرف وانہ

سرینگر میں مسلسل کا محصور ہونا جب راجہ پہلے کی طرح شہر میں محصور ہو گیا تو ایک جنگ عظیم شروع ہوا جس میں دونو فریقوں کے بہت سے گھوڑے اور آدمی کام آئے۔ مدوراجیہ کے ڈامرونکا سپہ سالار خود پرتھوی ہر تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس طرف سے بلا رکاوٹ محل شاہی میں داخل ہونا ممکن ہے۔ ڈامروں کی فوج جس میں مختلف جاگیردار والیان ریاست کے بہادر کشمیری سپاہی بھی موجود تھے اتنی طاقت ور تھی کہ اسے

---

[۵۵۲] کلہن نے جا بجا اپوشین کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس سے مُراد مختلف ڈامروں کی جگہ سے ہے جو اس ہلچل کے زمانہ میں چھوٹے چھوٹے قلعوں کی صورت میں ہوگی۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۲۵۴ ترنگ ۸ شلوک ۶۴۸-۹۲۹-۱۱۲۴-۱۱۵۳-۲۵۰۵ بہت سے کشمیری موضعوں میں آج تک لوگوں کو اس قسم کے قلعوں کے موجود ہونے کی یاد باقی ہے اور انہیں اس زمانہ سے منسوب کیا جاتا ہے جبکہ ملک کتراجوں اور کوٹ راجوں پر مشتمل تھا۔ یہ حالت غالباً اس تاریخ کے ان راجاؤں کے عہد میں ہو گی جنکا ذکر اس کے آخیر میں آتا ہے۔

[۵۵۳] وشلاتا ایک پہاڑی علاقہ ہے جو نوٹ ۶۵۹ کتاب ہذا کی تشریح کے مطابق دیہ بان ہال کے جنوب میں واقع ہے اس کا اور نیز پہاڑوں کو عبور کرنے کا ذکر آنے سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ جب پرتھوی ہر نے شاہی فوجوں کو دیوسر سی (دودیسر)

شکست دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بھکشو کی طرف سے ہزاروں کشمیریوں مثلاً سوبھک و خاندان کاک کے دوسرے آدمیوں نیز رتن جیسے مشہور آدمیوں نے داد شجاعت دی ٭

نعرہ لگاتی ہوئی فوج کے باجوں کا شور وغل سن کر پرتھوی ہر نے حیرت میں آکر باجوں کی تعداد گننا شروع کیا۔ بیشمار تُرہیوں اور دیگر آلات موسیقی کے علاوہ اس نے سوپاکوں کے پاس ۱۲۰۰ چھوٹے نقارے گنے۔ ہرچند کہ سُسل کی بہت سی فوجیں قبل ازیں کام آچکی تھیں تاہم وہ ۲۰۔۳۰ راج پتروں اور اپنے چند ہموطنوں کی مدد سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا ٭

سُسل کے خاص مددگار

خاندان اچھتی کے دو امرا اودے اور دھینک[۵۴۵] چمپہ اور ولاپور کے دو فرمانروا اودے اور برہم جل ہری ہدکار رہنے والا اور بھن ہنس کا فرمانروا اوج۔ کشتری کا

سے نکال دیا تو وہ جنوب کی طرف ان پہاڑوں کی جانب بھاگ نکلیں جو کشمیر کی حدود پر واقع ہیں۔ اس لئے بادی النظر میں تعاقب کے انتہائی مقام کے طور پر وتستا کا ذکر آنا واقعی عجیب معلوم ہوتا ہے۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کلہن کا حقیقی اشارہ اس مقام کی طرف ہے جہاں روائتی طور پر وتستہ کے منبع کو قائم کیا جاتا ہے۔ یہ جگہ وتھ وتر کا ناگ ہے جس کا ذکر راج ترنگنی میں وتستا تر کے نام سے آتا ہے جو پرگنہ شاہ آباد میں ویرناگ کے قریب واقع ہے دیکھو نوٹ [۲۴۳] کتاب ہذا وتھ وتر کے عین اوپر درہ بانہال کی چڑھائی شروع ہوتی ہے جس کے راستہ جنگ سنگھ اور دوسرے درزا دتبلا نا کو بھاگ گئے تھے جو نراج کی راج ترنگنی بمبئی ایڈیشن کے شلوک ۱۰۱ میں بھی ایک وتستہ پور کا ذکر پایا جاتا ہے۔

بھنگا کا سویہ راج اور اس کے ہمراہی - بھاوک کی نسل کا نیل اور بدال کے دوسرے بیٹے - راماپال اور اس کا جوان بیٹا سھجک - ان سب نے اور مختلف خاندانوں کے دوسرے جوانوں نے خونریز لڑائی کے جوش میں آکر دشمن کو جو شہر کا محاصرہ کئے پڑا تھا روکے رکھا - رلھن نے جو ایک راجہ کے بیٹے کی طرح کام کر رہا تھا ونیز وجے اور دیگر سواروں نے لڑائی میں پیش دستی دکھائی - سجی اور پرجی جو ہمیشہ لڑائی کے لئے آمادہ رہتے تھے ان کی راجہ جو خود بہت کوشش سے لڑتا تھا اس طرح حفاظت کیا کرتا تھا گویا وہ اس کے ہتھیار اور یہ انکی زرہ تھا راجہ ملک کی آمدنی ان کے ساتھ بانٹ لیا کرتا تھا اور اس نازک وقت میں اُنہوں نے واقعی بڑی وفاداری سے اسے مدد دی - راجہ کی طرف سے بھاگک - سرد بھاسن[۷۵۵] مومنی - سنگت - کلش اور دوسروں نے فوج کو منتشر کرنے میں اپنی قابلیت دکھائی - علاقہ تک کے فرمانروا لوراج[۷۵۶] کا بیٹا کملیہ بھی

[۷۵۵] یہ امر اغلب ہے کہ راجہ کے جس قدر حامیوں کا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے ان سب کا نہیں تو ان میں سے اکثر کا تعلق جنوبی کشمیر کے پہاڑی علاقوں کے راجپوت خاندانوں سے تھا - چپا اور ولاپور کے متعلق دیکھو نوٹ ۵۰۶ و ۵۰۷ کتاب ہذا - ممکن ہے کہ سُسل کی رانی جلا جو ولاپور کی رہنے والی تھی برہم جمل کی بیٹی یا قریبی رشتہ دار ہو - اودے جس کا تعلق اچھتی کے خاندان سے تھا اس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۷۰ میں آ چکا ہے - اس نے اور اس کے چھوٹے بھائی دھنیہ نے (جسکا نام یہاں دہنیک آیا ہے) جے سنگھ کے ماتحت بڑے بڑے اعلیٰ عہدے حاصل کئے تھے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۶۰۰ ۱۶۲۴ وغیرہ

[۷۵۶] معلوم نہیں ہری بد اور کشتریکا بھنگا کہاں واقع ہے ایک ٹیکا کار نے آخر الذکر نام کو کشتری بھنکھا کر کے لکھا ہے -

ہمیشہ راجہ کی طرف سے آگے ہو کر لڑا کرتا تھا۔ اس طاقت ور راجکمار کے حملہ کی جس پر بطور اعزاز چنور ہلایا جاتا تھا سوار اس طرح تاب نہ لا سکتے تھے جیسے مست ہاتھی کے مقابلہ کی ٭

جس طرح باشندگان پنچال[۷۵۷] نے پھالگن (ارجن) کی محافظت کی تھی ایسے ہی اس کا چھوٹا بھائی سنگک اور اس کا بھتیجہ پرتھوی پال دونوں طرف سے اس کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ ہر چند کہ راجہ کی رعایا باغی تھی تاہم اُس نے جواہرات جیسے نوکروں اور ان گھوڑوں کی مدد سے جنھیں اس نے بہت سا سونا دے کر خریدا تھا فتح حاصل کی۔ جس طرح کسی دعوت کے موقعہ پر میزبان بڑے اطمینان کے ساتھ کمرہ کمرہ میں پھرتا رہتا ہے

سھجک سے مراد سھج پال سے ہے جو بھووک کی اولاد سے تھا دیکھو نوٹ نمبر ۸۰۲ کتاب ہذا۔

[۷۵۵] سرد بھاسن غالباً سردیہ کا دوسرا نام ہے جن کی نسبت ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۸۳ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ سنگت کا بھائی تھا۔

[۷۵۶] تک کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۳۸۱ کتاب ہذا۔ یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ لو راج پنجاب کے کسی حصہ پر حکمران تھا۔ غالباً وہ سلاطین غور کا باجگذار راجہ تھا کلیہ کے دادا بھج کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۱۹۰۔

[۷۵۷] لڑائی کے موقعہ پر اہل پانچال کے ارجن کے ہمراہی بننے کے متعلق دیکھو مہابھارت پرب ۷ سرگ ۱۵۶ شلوک ۵۱ و سرگ ۱۵۹ شلوک ۴۷

[۷۵۸] اس جگہ لڑائی کے جس قدر واقعات بیان کئے گئے ہیں انہیں سری نگر کے جغرافیائی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں۔ باوجود چند ایک استعارات اور تشبیہات کے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے انہیں صحیح طور پر قلم بند کیا ہے۔

ایسے ہی راجہ اس موقعہ پر بلا اضطراب پھرتا دکھائی دیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو اس کا اندیشہ اس راجہ کو صرف ابتدا میں ہوا کرتا تھا آگے چل کر اسے اس کی طرف سے استقلال ہو جاتا تھا خطرہ کے یکایک نازل ہونے سے ہی انسان خائف ہوتا ہے۔ لیکن جب اس خطرہ میں پڑ جائے تو پھر وہ خوف دُور ہو جاتا ہے جیسے پانی میں ہاتھ ڈالو تو اول یہ سرد محسوس ہوتا ہے مگر اس میں غوطہ لگاؤ تو پھر سرد نہیں لگتا۔ جہاں کہیں دشمنوں کی فوج کا سیاہ جتھا نظر آتا راجہ کی فوج بھی وہیں اس طرح جا موجود ہوتی جیسے چاند کی روشنی تاریکی دستاناؔ کو دور کرتی ہے

ڈامروں نے جنوب مشرق کی طرف سے مہاسرت یا ستھ کل کو عبور کر کے شہر پر دریا کے بائیں کنارے حملہ کیا۔

جب سسل کی فوجوں نے انہیں پسپا کیا تو وہ مشرق کی طرف ہٹ گئے کیونکہ ان کے لئے پر ورسین سیتو کی طرف سے جسے آج کل ستھ کہتے ہیں صرف یہی راستہ کھلا تھا اس کے بعد وہ تخت سلیمان کی پہاڑی پر چڑھ گئے جو براہ راست سیتو کے سلسلہ میں واقع ہے اور قدرتی بات ہے کہ بھاگنے والوں کو وہ حفاظت کی جگہ معلوم ہوئی ہوگی قبل ازیں نوٹ نمبر ۱۱۴ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ گوپادری یا گوپ پہاڑی بلاشبہ کوہ تخت کا پرانا نام ہے اس نام کی صورت ابھی "تکٹ گپ کار" میں پائی جاتی ہے جو شمال مشرق کی طرف پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔

جبکہ ڈامر اس پہاڑی میں تھے انہیں شاہی فوجوں نے محصور کر لیا۔ ایسا کر لینا چنداں مشکل نہ تھا کیونکہ کوہ تخت عملی طور پر الگ ہے اور مشرقی سلسلہ کوہ کے ساتھ ملانے والا ایک تنگ اور نشیب قطعہ ہے جو اس کے مشرقی سرے پر واقع ہے اس حصہ کا نام آجکل ایت گج یعنی سورج کا راستہ ہے جس کا باعث یہ ہے کہ جنوب کی طرف سلسلہ

ایک موقعہ پر اشارہ پاکر ڈامر ایک ہی بار رھاسرت ندی کو عبور کر کے شہر پر ٹوٹ پڑے۔ راجہ کی فوج اس عظیم الشان شہر کے مختلف حصص پر منقسم تھی اس لئے اس نے صرف چند ایک سوار ساتھ لے کر دشمن کا مقابلہ اس وقت خود کیا جب وہ شہر کی فصیل توڑ کر اندر داخل ہو گئے تھے اس نے ڈامروں کو بھگا دیا اور وہ اس کے سامنے اس طرح نہ ٹھہر سکے جیسے باد خزاں کے جھونکے کے آگے گرے ہوئے پتوں کا ڈھیر۔ کاک خاندان کا سریانند۔ وشٹ تناہی انل اور ڈامر فوج کے اور بہت سے مشہور آدمی راجہ کی سپاہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

کوہ میں اس جگہ ایک خالی مقام پایا جاتا ہے۔ اس چٹانی قطعہ کے راستہ ہی کوہ تخت کی چوٹی تک گھوڑوں یا پہاڑی ٹٹوؤں پر سوار ہو کر پہنچ سکتے ہیں کیونکہ باقی حصے تمام اس قدر عمودی ہیں کہ اس پر سے گذر نہیں سکتے۔ (دیکھو نیو صاحب کی "گائیڈ"، صفحہ ۴۳)

سٹائین صاحب خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اسی بکھڑے راستہ پر سے بھکشو ان لوگوں تک پہنچا ہوگا جو پہاڑی میں پناہ گزین ہو چکے تھے اور جن کے ذریعہ آمد و رفت منقطع ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۰۷ سے واضح ہوتا ہے اسی راستہ پر سے ڈامر اس غرض سے ایت گج کی طرف ہٹ گئے تھے کہ دوسری پہاڑیوں پر جو مشرق اور شمال مشرق کی طرف پھیلی ہوئی ہیں جا چڑھیں۔ ایک اس قسم کا راستہ جس پر ٹٹو چل سکتے ہیں آج تک ایت گج سے ان پہاڑیوں کے مغربی ڈھلوانوں کی طرف جاتا ہے جو کھوں موہ کے اوپر کی طرف والی پہاڑی سطوح مرتفع اور دریا کی اس وادی کی سمت میں واقع ہے جسے نقشہ میں "ارہ" کر کے دکھایا گیا ہے۔

ان پہاڑیوں پر بھاگتے ہوئے ڈامروں کا تعاقب کرتے ہوئے راجہ کی فوج کے بازو پر ل کوشٹ کی سپاہ نمودار ہو جاتی ہے جو لہر (لار) کے آدمیوں کو ہمراہ لئے ہوئے

گوپادری میں سُسل کی فتح ۱۱۲۲ء

راجہ کے آدمی چنڈالوں (جلادوں) کی طرح بہت سے ڈامروں کو مارتے اور گھسیٹتے ہوئے اُس کے سامنے لے آئے اور انہیں مار ڈالا بھکشو کی فوج کے باقی ماندہ جوان دہشت کے مارے گوپ پہاڑی (گوپادری) پر چڑھ گئے جہاں وہ دشمن کی فوج میں محصور ہو کر گویا موت کے مُنہ میں آ گئے۔ ان کی محافظت کی غرض سے بہادر بھکشو ایک ایسے راستہ پر سے اپنے سوار لے کر پہنچا جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا پر تھوی ہر کی گردن میں ایک تیر لگا اور وہ بمشکل پہاڑی پر چڑھ سکا لیکن پھر بھی وہ اور دو تین اور جانباز سپاہی ہر وقت سایہ کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہے۔ جب راجہ کی فوج نے دشمن کی فوج کو اس طرح بڑھنے سے روک دیا جیسے اُٹھتو

بعد از وقت ڈامروں کی مدد کے لئے بائیں طرف یعنی جانب شمال سے آتا ہے چونکہ شہر پر شاہی فوجیں قابض ہیں اس لئے ل کوشٹ کے واسطے صرف وہی راستہ کھلا ہے جو براہ (ربھیا دیوی) ٹھیڈ (ٹھیڈا) اور جیشٹھیشور (جیٹھیر) ہو کر ڈل کے شرقی کنارہ کی طرف سے گذرتا ہے۔ آخر الذکر گاؤں کے قریب جیسا کہ نوٹ نمبر ۵ ضمیمہ کتاب ہذا میں مذکور ہے ایت گج کے شمال مشرق میں واقع ہے آخری مقابلہ کا پیش آنا معلوم ہوتا ہے جس میں شلوک نمبر ۱۱۰۹ کے مطابق سُسل شخصی طور پر معرض خطر میں پڑتا ہے۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ لہر کی فوج کی نسبت ابتدا میں خیال تھا کہ وہ شمال کی طرف سے توشہر اور سنگین دروازہ کے موجودہ نواحات کی راہ سے شہر پر حملہ کرنے میں شریک ہو اور اسے عام حملہ میں پسپا ہونے کے بعد مشرق کی طرف ہٹتی ہوئی ڈامر فوج کی مدد کے لئے بھیجا گیا تھا تو اس کا بعد از وقت پہنچنا صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ نواحات مذکورہ

ہوئی چٹانیں ساحل بحر پر اس کے پانی کو روک دیتی ہیں تو بھکشو کے آدمی گوپ پہاڑی (گوپاچل) کو چھوڑ کر دوسری پہاڑیوں پر جا چڑھے ٭

اتنے میں راجہ کی فوج کے بائیں طرف مل کرشٹ کی فوج نمودار ہوئی جن کے پیادوں اور سواروں کے چلنے سے افق کے کنارے تک ہر چیز متحرک نظر آتی تھی۔ راجہ کی فوج دشمن کے تعاقب میں مصروف تھی اور راجہ الگ کھڑا تھا۔ فتح کی خوشی میں فوج کو راجہ کا خیال نہ رہا۔ مل کوشٹ کی فوج کے حملہ سے راجہ سُسل کام آنے ہی کو تھا کہ میدان جنگ میں پرجی اور اس کا چھوٹا بھائی آ نمودار ہوئے۔ اس روز ۸۔ بدی اساڑھ کو سواروں کا ایک عظیم الشان معرکہ ہو جس میں ان کی تلواروں کے ایک دوسرے سے ٹکرانے سے جو آواز پیدا ہوتی تھی وہی ان کے مرحبا کا کام دیتی تھی ٭

یہ ددنو بھی اور پرجی اس پر اور اس کے بیٹے[۷۵۹] پر اس طرح غالب آ گئے جیسے جنگلی آگ اور آندھی پر ساون اور بھادوں کے مہینے اپنے برسنے والے پانی کے ذریعہ غالب آیا کرتے ہیں۔ ہر چند کہ اس زمانہ میں لڑائیاں عام طور پر ہوا کرتی تھیں تاہم ایسا دن کوئی اور بمشکل گذرا ہوگا کہ جب بہادری اور مردانگی کا امتحان ہوا ہو۔ چونکہ لہر کی فوج دیر سے پہنچی اس لئے باغی جو راجہ

سے جھیل ڈل کے کنارہ ہو کر ابیت گنج تک پہنچنے کے لئے ۱۱-۱۲ میل کا کوچ کرنا پڑتا ہے اور کسی مسلح فوج کا اس فاصلہ کو ۴ گھنٹہ سے کم کے عرصہ میں طے کرنا محال نظر آتا ہے۔

۷۵۹ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس جگہ کے علاوہ اور کہیں مل کوشٹ کے بیٹے کا حوالہ نہیں پایا جاتا۔

پر غالب آنا چاہتے تھے کامیاب نہ ہو سکے۔ اس یوم نازک میں بھکشو نے راجہ اور راجہ نے بھکشو کی طاقت معلوم کر لی۔ اب پرتھوی ہر نے مدو راجیہ والوں کو اسی مقام پر لڑائی جاری رکھنے کو کہا جہاں وہ پہلے سے موجود تھے اور خود جاکر کشپتکا کے کنارہ کی طرف سے حملہ کر دیا۔

بشوراج کا گورنر مقرر ہونا

انہی ایام میں بشوراج باہر سے آگیا اور راجہ نے جو دشمن کو دبانا چاہتا تھا اسے گورنر (منڈلیش) مقرر کر دیا۔ ڈامر اس سے پہلے اس کی بہادری اس وقت دیکھ چکے تھے جب کہ وہ کھیری کا چارج اپنے سپرد رکھتا تھا چنانچہ جب اُنہوں نے میدان جنگ میں اس کی صورت دیکھی تو وہ مارے خوف کے کانپ اٹھے۔ راجہ نے اسے زعفران۔ چتر۔ گھوڑے وغیرہ کا اعزاز دے کر اس کی اسی طرح عزت کردائی گویا وہ خود راجہ ہو۔ لوگ اپنی مصیبت زدہ حالت میں اپنی طویل تکالیف کو ایک قابل علاج مرض خیال کر کے اِس پر ویسے ہی آسرا لگا بیٹھے جیسے بیمار آدمی کسی نئے طبیب پر لگاتا ہے۔

راجہ نے پنچ چندر کو جو گرگ کے باقی ماندہ بیٹوں میں سے سب سے بڑا تھا ل کوشٹ کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ وہ ابھی نوعمر ہی تھا اور اپنی ماں چِدا کے زیر نگرانی رہتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کے باپ کے ہمراہی اس سے آکر ملنے لگے اور اس نے خاصی شہرت حاصل کر لی۔ ان ڈاموں میں سے جنہیں راجہ نے یشوراج کی مدد سے مختلف موقعوں پر شکست دی تھی بعض تو اس سے آملے اور بعض منتشر ہو گئے۔ پرتھوی ہر معہ بھکشو کے اپنے مقام (اپوشین) کی طرف چلا گیا اور راجہ نے ل کوشٹ کا مقابلہ

کرنے کو امریشور کی جانب کوچ کیا +

اس اثنا میں مل کوشٹ نے سداشو کے مندر کے قریب والی خالی جگہ کو بوقت شب چوروں سے آگ لگوادی۔ پرتھوی ہر رہ کر حملہ کرنے آتا تھا اور پرچی۔بجی اور دوسرے کشٹپتکا کے کنارے اس کا مقابلہ کرتے تھے۔ اس لونیہ نے کئی بار شہر کے مکانات[۵۶۰] کو آگ لگائی اور وتستا کا شان دار کنارہ قریب قریب بالکل ویران کر دیا +

سسل کا لہر پر حملہ اب راجہ نے ایک بہت بڑی جمعیت لے کر لہر پر حملہ کیا اور مختلف مقامات پر اس کے سخت مجادلے ہوئے۔ جبکہ وہ سندھو پر پل بنائے بغیر اسے عبور کر رہا تھا پھلائی ہوئی مشکیں[۵۶۱] پھٹ گئیں اور کمند راج اور اس کے دوسرے ہمراہی پانی کے راستہ موت کی منزل تک جا پہنچے جہاں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے +

مل کوشٹ راجہ سے زک کھا کر دردوں کے ملک کو بھاگ گیا اور چھدا نے معہ اپنے بیٹے کے لہر میں طاقت حاصل کر لی۔ اب لونیہ جیک جنک سنگھ۔سربوک اور دوسروں کو وشلاٹا سے راجہ کے پاس لے آیا۔

۵۶۰ جن مکانات کا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے غالباً دریا کے بائیں کنارہ پر واقع تھے جہاں تک کشٹپتکا ندی کو عبور کر کے باسانی پہنچا جا سکتا تھا۔

۵۶۱ دتستہ۔ چناب اور پنجاب کے دوسرے دریاؤں کے ان حصوں میں جہاں وہ نیچی پہاڑیوں میں سے گذرتے ہیں مشک پھلا کر تیرنے کا عام رواج ہے۔ لیکن خاص کشمیر میں اس کا رواج اب مفقود ہے۔ گاندربل کے اوپر دریائے سندھ میں پانی اس زور سے بہتا اور اس میں اس قسم کے بھنور پڑتے ہیں کہ اس میں کشتی کو چلانا ناممکن ہے۔

موسم گرما لہر کی تیاریوں میں بسر کر کے راجہ موسم خزاں میں بھکشو راج سمیت سمالا کی طرف روانہ ہوا۔

پرتھوی ہر کے خوف سے جو فوجیں منتشر ہو چکی تھیں ان کی حفاظت کرتے ہوئے سج کا بیٹا ڈوم نامی ایک راج پتر منی موش کے میدان جنگ میں کام آیا۔ راجہ نے سورن سانور۔ سورپور وغیرہ میں کئی لڑائیاں لڑیں۔ جن میں وہ کبھی فاتح اور کبھی مفتوح ہوتا رہا۔ جب پرتھوی ہر اور اس کے ساتھیوں نے سرلوک کو مشہور و معروف کلیان پور کے قریب شکست دی تو ناگ دت اور دوسرے اس لڑائی میں کام آئے۔

ماہ پوہ میں پرتھوی ہر نے سورن سور سے دیوسرس کے رہنے والے تک کو گرگ کی بیوی (چدا) کو قتل کرنے بھیجا۔ اس نے اپنی اور راجہ کی فوجوں سے دشمنوں کو شکست دی تھی۔ تنک نے یکایک اس پر حملہ کر کے لڑائی میں اسے مار ڈالا۔ اس طرح ظالمانہ طریق پر اس شریر شخص نے ایک اور عورت[۷۶۲] کو قتل کیا واقعی حیوانات بلیچھوں۔ شیروں اور دیو دل میں کیا فرق ہوتا ہے؟ اہل لہر جو اپنی مالکہ کو آڑے وقت میں چھوڑ کر مویشی کی طرح بھاگ گئے تھے حیرت ہے کہ انہوں نے پھر تلوار سنبھال لی۔ راجہ نے جب سنا کہ مدو راجیہ جس میں کسی حد تک امن و امان ہو گیا تھا پھر اضطراب کی حالت میں ہے تو وہ جانب وجیشور روانہ ہوا۔ مداج کے بیدڑں کی مخصوص بدزبانی ان کی طاقت کے یکایک ختم ہونے کی پیشگوئی

---

۷۶۲ ؎ اس جگہ اشارہ سلا کے قتل کی طرف ہے۔ جسے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۷۰ کے بموجب پرتھوی ہر نے قتل کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تنک نے جو اس کی جایداد کا مالک بنا اس میں کچھ مدد دی تھی۔

کئے دیتی تھی۔ جب نوکروں کو آزمائش کی چھلنی پر رکھ کر دیکھا جائے تو سب کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ ان میں گناہوں کا چھلکا زیادہ ہے اور حقیقی کیرکٹر بالکل موجود نہیں +

چونکہ راجہ خلاف شائستگی الفاظ اور اس قسم کی کمینہ گالیاں زبان سے نکالا کرتا تھا جن سے وہ بچپن سے واقف ہوچکا تھا اس لئے یشوراج اس کی طرف سے ناخوش ہوگیا +

یشوراج کی نافرمانی اس شریر آدمی کو جب بہت بڑی جمعیت دیکر اونتی پور میں متعین کیا گیا تو وہ وہاں سے ہٹ کر دشمن سے جاملا۔ جب وہ تمام بہترین فوج کو لے کر چلا گیا تو راجہ افسردہ خاطر ہوکر دیجے کشیتر سے واپس لوٹ آیا۔ اس تخت پر دھتکار ہے جس کی خاطر سے وہ چوروں اور چنڈالوں سے بے ادبانہ برتاؤ گوارا کرکے بھی جان بچانے کا خواہشمند تھا +

ماگھ کے مہینے میں وہ شہر کو لوٹ آیا اور چونکہ اس کا نوکر وِٹھ بھی دغا دے گیا تھا اس لئے اب اس کا بھروسہ اپنے ولی عہد پر بھی نہ رہا آخرکار جب اس کا اعتماد تمام کشمیریوں پر سے دُور ہوگیا تو راجہ نے اپنے سر کو پرجی کی گود میں سہارا دیا۔ پرجی نے اپنی بہادری۔ فیاضی دیانت داری و دیگر صفات حسنہ کی بدولت رودرپال وغیرہ شہزادوں کی یاد جو باہر سے کشمیر میں آئے تھے راجہ کے دل سے محو کردی۔ زمانہ کی شرارت نے اس وقت اس ساری سرزمین کو ہلا رکھا تھا۔ صرف وہی بے عیب چلن کا واحد شخص تھا جس نے تلوار اور علم کی بدولت اس ملک کی عزت کو برقرار رکھا +

اس اثنا میں پیشو راج بھکشو کے ساتھ صلاح مشورہ کر رہا تھا جس سے اس نے کہا "ڈامر تمہیں تخت پر بیٹھے دیکھنا نہیں چاہتے کیونکہ وُہ تمہاری بہادری سے خائف ہیں۔ ہمیں لازم ہے کہ از سر نو بغاوت پیدا کریں اور یا تو صدر مقام کی فوجوں کی مدد سے تخت حاصل کر لیں یا کسی طرف کو چلے جائیں"۔

جبکہ وہ اس طرح پر مشورہ کر رہے تھے۔ بل کوشٹ یہ سُن کر کہ چدا ماری گئی ہے ہورت پور سے واپس اپنے مقام پر آ گیا۔

اب دنیا پر وُہ خوفناک سال (لوکک سمت ۴۱۹۹ سنہ ۱۱۲۳ء) آیا جس میں زندہ رہنا مشکل تھا اور جو تمام جانداروں کی موت کا موجب ثابت ہوا۔

سری نگر کا از سر نو محاصرہ سنہ ۱۱۲۳ء

موسم بہار میں تمام ڈامروں نے پہلے کی طرح مختلف راستوں سے کوچ کر کے شہر میں راجہ کا محاصرہ کر لیا۔ بیشمار نہ رکنے والے مقابلے ہوئے جن میں دلیر راجہ سُسل نے شب و روز پورے جوش سے حصہ لیا۔ ڈامروں نے جو جلانے۔ لوٹنے اور لڑائی کے کام میں مصروف تھے پہلی بغاوتوں کی نسبت بھی زبردست بغاوت کھڑی کر دی۔ بیشو راج۔ بھکشو۔ پرتھوی ہر وغیرہ شہر کی فصیل توڑنے کے لئے تیار رہا سرت ندی کے ساحل پر کھڑے تھے جہاں کوئی چیز انہیں روکنے والی نہ تھی۔ جب چند روز اسی طرح لڑائی میں گذر گئے تو بیشو راج مغالطہ کی وجہ سے اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا جنھوں نے اسے دشمن خیال کر لیا تھا۔

جبکہ وہ وبہ کے ساتھ لڑ رہا تھا سُسل کے ایک سوار کے بیٹے

کیہ سنے اس کے گھوڑے اور زرہ کو دیکھ کر جو دشمن سے مشابہ تھی جوش میں اسنے غلطی سے دشمن کا آدمی سمجھا اور برچھوں سے مار ڈالا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ڈامروں نے اسے اس لئے مار دیا تھا کہ انہیں اندیشہ تھا کہ یہ بھکشو کو تخت دلا کر بعد میں ہمیں فنا کر دیگا۔ بہر نوع جس طرح اس نے اپنے شبہ نہ کرنے والے آقا کو دھوکا دیا تھا ویسے ہی وہ غیر مشتبہ حالت میں میدان جنگ میں مارا گیا۔ پرتھوی ہر نے ڈامروں کو مختلف مقامات پر لڑنے کو بھیج دیا اور خود کشٹپتکا کے کنارہ کی طرف سے حملہ کرنے بڑھا۔

اس موقعہ پر صدر مقام کے جو سپاہی بھکشو کی طرف تھے انہوں نے اس قسم کی بہادری کا اظہار کیا جو ان کے دشمنوں کی عظیم بہادری پر بھی فائق تھی۔ ان دنوں ہر روز آتشزدگی کی وارداتیں ہوتی تھیں بہادر سپاہی مرتے تھے اور اسی قسم کی اور مصیبتیں نازل ہوتی تھیں۔ آفتاب بڑی تمازت سے چمکتا تھا زلزلہ روز آتے تھے اور ایسی سخت آندھیاں چلتی تھیں کہ درخت اور چٹانیں اکھڑ جاتی تھیں۔ ہوا کے زور سے خاک کے تودے بہت بلندی تک اٹھ کر ایسے معلوم ہوتے تھے گویا آسمان کو جو بگولوں سے پھٹ چکا ہے سہارا دینے کے ستون ہیں۔ ۱۲۔ شدی جیٹھ کو جبکہ لڑائی بڑے زور سے چھڑی ہوئی تھی ڈامروں نے کاشتھیل[۷۶۳] میں ایک

---

[۷۶۳] کاشتھیل سے مراد موجودہ کاٹھول سے ہے جو سرینگر کا وہ حصہ ہے جو وتستہ اور ککل دریا کے مابین قصر شیر گڈھی سے لیکر دوسرے پل (حبہ کدل) کے نیچے تک واقع ہے۔ بلہن نے اپنی کتاب وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ اشلوک ۲۵ میں کاشتھیل کی نسبت بیان کیا ہے کہ اس محلہ میں برہمن آباد تھے۔ ایک ٹیکا کار کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشسکہ کے قائم کردہ اگر ہار بھی یہیں واقع تھے۔ سری ور کی راج ترنگنی

گھر کو آگ لگادی۔

سرینگر میں عظیم الشان آتشزدگی ماہ جیٹھ سنہ ۱۱۲۳ء

اس آگ کو } معلوم نہیں

آندھی نے پھیلایا یا اس کی ابتدا بجلی سے ہوئی بہر نوع بے روک بڑھی چلی گئی اور ایک منٹ میں سارے شہر کے اندر پھیل گئی۔ بڑے پل (برہت سیتو) پر سے ماکشک[۲۶۴] سوامن سے نکلتا ہوا دھواں اس طرح نظر آتا تھا گویا ہاتھیوں کا ایک جھنڈ بھاگا جا رہا ہو اتنے میں اندر دیوی بھون میں بھی آگ لگ اٹھی اور معاً سارا شہر شعلوں سے لپٹ گیا۔ دھوئیں کی تاریکی

ترنگ ۲ شلوک ۲۴۲ اور لوک پران ادھیائے ۱ میں بھی کاستھیل کا ذکر پایا جاتا ہے۔

۲۶۴؎ نوٹ نمبر ۲۲۳ کتاب ہذا میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ماکشکا سوامن غالباً جزیرہ ماسیم کا پرانا نام ہے جو سنتھ کل اور وتسٹہ کے مابین واقع ہے۔ ماسیم کا انتہائی مغربی سرا کاٹھل کے انتہائی جنوبی سرے کے مقابل واقع ہے اور یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ تیز آندھی سے آگ دریا کے پار تک چلی گئی ہو۔

برہت سیتو کو اسم معرفہ خیال کیا جا سکتا ہے اور اس سے مراد غالباً سرینگر کے کسی خاص پل سے ہے جو کلہن کے زمانہ میں بندھا ہوا کرتا تھا۔ ترنگ ۳ کے شلوک ۳۵۴ میں پرورسین ثانی کی جس کشتیوں کا پل تیار کرانے کا ذکر آتا ہے اس کے لئے بھی وہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ کشتیوں کا پل ملک میں اپنی قسم کا پہلا تھا اس لئے ممکن ہے یہی نام اس پل کے لئے استعمال ہوتا چلا گیا ہو جو اسی حصہ میں بنا ہوا کرتا تھا۔

یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ یہ مقام کس جگہ واقع تھا۔ پرورسین کے بسائے ہوئے سرینگر کے پرانے حصوں کی مقامیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ پرورسین کا پل موجودہ چوتھے اور پانچویں پل کے قریب قریب کہیں پر واقع ہوگا۔ چوتھے پل تک دریا

میں زمین۔ افق یا آسمان کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ سورج ایک منٹ میں
نکل کر پھر اس طرح غائب ہوجاتا تھا جیسے ہدوکا[۷۶۵] کے منہ کا پردہ۔
مکانات ابھی تو دھوئیں کی سیاہی میں چھپے ہوئے تھے اور پھر آگ کی
روشنی میں اس طرح دکھائی دے جاتے تھے گویا آخری نظارہ دے
رہے ہوں۔ وتسٹہ کے دونو کناروں پر جلتے ہوئے مکانات نظر آتے
تھے جن کی وجہ سے وہ موت کی تلوار سے مشابہ معلوم ہوتا تھا جس کے
دونوں کنارے خون سے تر ہوں۔ آگ کے عظیم الشان شعلے جو اُٹھتے
اور دبتے ہوئے برہمانڈ کے بالائی حصوں تک پہنچنے معلوم ہوتے تھے طلائی

قریب قریب سیدھا ہی بہتا ہے اور ناکشکا سوامن (ناٹیم) سے نکلتا ہوا دھواں
یہاں پر نظر آگیا ہوگا۔

اندر دیوی بھون دہار کی نسبت ترنگ ۳ کے شلوک ۱۳ میں بیان کیا جا چکا ہے
کہ یہ وُہ جگہ تھی جس کی بنا میگھ واہن کی رانی اندر دیوی نے قائم کی تھی۔ اِس کی
مقامیت بھی معلوم نہیں۔

ایسی ہی تباہ کُن آتشزدگی کی واردات سٹین حال میں بھی سرینگر میں واقع ہوتی
رہی ہیں۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء میں ایک بہت بڑی آتشزدگی واقع ہوئی تھی جس کی بدولت
شہر کا بہت سا حصہ راکھ ہوگیا تھا۔ اس قسم کی آتشزدگیوں کا خاص باعث یہ
ہوتا ہے کہ مکانات زیادہ تر لکڑی کے بنائے جاتے ہیں اور گلیاں نہایت
تنگ ہوتی ہیں جس سے آگ بہت جلد سارے شہر میں پھیل جاتی ہے
دیکھو لارنس صاحب کی کتاب "ویلی" صفحہ ۲۰۴۔

۷۶۵ لغاتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈکا ایک قسم کا آلہ موسیقی ہوتا ہے۔
شاید اس سے مراد بین باجہ سے ہو۔

چتروں کے ایک جنگل سے مشابہ تھے۔ آگ جس میں شعلوں کی وجہ سے مختلف چوٹیاں بن گئی تھیں طلائی پہاڑ (کوہ میرو) سے مشابہ نظر آتی تھی اور اس کے اوپر کا دھواں بادلوں کے ہجوم کی مانند۔ آگ کے شعلوں میں سے اہل مکان کو جب کبھی اپنے مکانات کی صورت نظر آجاتی تو وہ بچارے پھر اُمید لگانے لگ جاتے کہ وہ ابھی نہیں جلے۔ جلتے ہوئے مکانات کے دریائے وتسٹہ میں گرنے سے اس دریا کو بھی وہ تکالیف محسوس ہوئیں جو سمندر کو زیر آب آتش سے ہوتی ہیں۔ باغوں میں درختوں کی جلتی ہوئی کونپلیں معہ ان پرندوں کے جن کے پر جل رہے تھے آسمان کی طرف اُٹھتی تھیں۔ سفید گچ کی بنی ہوئی مندروں کی چوٹیاں شعلوں کے اندر سے اس طرح نظر آتی تھیں جیسے ہمالیہ پربت کی چوٹیاں بادلوں میں ڈھپی ہوئی اس آخری صبح کو جو دُنیا میں پرلے لاتی ہے دکھائی دیتی ہیں چونکہ آگ کے خوف سے بہت سی نہانے کی جھونپڑیاں[۷۶۶] اور کشتیوں کے پلوں کو ہٹا لیا گیا تھا اس لئے شہر کے اندر آبی راستے بھی ویران ہو گئے۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے ایک لمحہ میں اس شہر کے مٹھ۔ مندر مکانات۔ منڈیاں اور دوسری عمارات نابید ہو گئیں اور اس نے ایک جلے ہوئے جنگل کی صورت اختیار کر لی۔

سارا شہر جل کر راکھ کا تودہ ہو گیا لیکن بدھ اعظم کی مورتی نمایاں اور بلند نظر آتی تھی گو دھوئیں سے سیاہ ہو جانے اور سندر کے جل جانے

---

۷۶۶ اصل کتاب میں اس کے لئے لفظ مجبا داس استعمال ہوا ہے جس سے مراد چوبی غسل خانوں سے ہے جو سری نگر میں دریائے وتسٹہ۔ مار اور اور دریاؤں کے کنارہ کنارہ موجود پائے جاتے ہیں۔ نیز دیکھو نوٹ نمبر ۷۰۹ کتاب ہذا۔

سے وہ ایک جلے ہوئے درخت کی مانند معلوم ہوتی تھی۔ بھاری فوجیں جلتے ہوئے مکانات کو بچانے کے کام میں مصروف تھیں اور راجہ کے پاس صرف ایک سو جوان باقی تھے دریائے وتستہ کا پل چونکہ ٹوٹ چکا تھا اس لئے وہ اس کے پار نہ جا سکتا تھا۔ دشمنوں کو اب ایک موقعہ مل گیا اور وہ بہت بڑی تعداد میں اسے مارنے کے لئے اس کے گرد جمع ہو گئے ؏

راجہ سسل کی نازک حالت شہر کا جلنا۔ اپنی بدنصیبی اور رعایا کی مصیبت ان سب باتوں پر خیال کر کے راجہ چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح مجھے موت ہی آ جائے۔ جب کہ وہ وہاں سے چلنے کو تھا کملیہ جس کی توجہ دوسروں نے اسکی طرف کروائی تھی۔ اس کے روبرو آیا اور یہ خیال کر کے کہ وہ فرار ہوا جاتا ہے کہنے لگا "مہاراج آپ کہاں جا رہے ہیں"؟

بہادر راجہ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اس کی طرف منہ کر کے جس پر مسکراہٹ اور صندل کے ٹیکے کے آثار نمودار تھے۔ کہنے لگا "میں آج وہ کرتا چاہتا ہوں جو تمہارے عزت پر فخر کرنیوالے دادا راجہ بھج نے ہمیرے ساتھ ملک کی خاطر کیا[۱۶۰] تھا۔ مانا کہ یہ

---

[۱۶۰] یہ امر قابل تاسف ہے کہ اس جگہ اس تاریخی واقعہ کی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کوئی تفصیل درج نہیں۔ قبل ازیں ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۹۱ میں کملیہ کی نسبت بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ علاقہ تکٹ کے ایک والئے ریاست لوراج کا بیٹا تھا۔ صاحب ذ ... ہے کہ علاقہ تکٹ سے مراد وسط پنجاب سے ہے۔ کیا ہم یہ خیال رکھتے ہیں۔ کہ کس کا اشارہ اس بہادرانہ مقابلہ کی طرف ہے جو کملیہ وہ دادا بھج نے ہمیر

نامعلوم الاصل شخص (بھکشاچر) ہمارا رقیب رشتہ دار ہے۔ لیکن راجہ ہرش نے فراری سے پہلے یہ بات دیکھ لی تھی کہ ہمارا بھائی اور ہم خود کیا کر سکتے ہیں" جس طرح شیر اپنی کھال کو اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک اُسے اپنے خون سے تر نہ کرلے ایسے ہی اپنی عزت پر فخر کرنے والے اشخاص میں ایسا کون ہے جو انجام کار اپنے ملک کو اپنے جسم کے خون سے تر کئے بغیر چھوڑنا پسند کریگا؟"

اتنا کہہ کر راجہ نے لگام ہاتھ سے چھوڑ دی اور تلوار اس طرح پر اٹھائی گویا وہ گھوڑے کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے چھونا چاہتا ہے۔ اس پر سلوراج کے بیٹے (کملیہ) نے راجہ کے گھوڑے کو لگام سے پکڑ کر روکا اور کہا "جب تک نوکر زندہ ہوں راجاؤں کا کام آگے بڑھنا نہیں ہوتا"۔

اس نازک موقعہ پر راجہ کے پاس صرف پرتھوی پال آیا جو باوجودیکہ تکلیف میں تھا۔ تاہم گھر سے نکل کر اس کے پاس چلا آیا۔ راجہ نے اس کی اس بات کی بہت تعریف کی کہ تم نے اپنے آپ کو ایک شریف خاندان کا سپوت ثابت کیا ہے۔ اور اس موقعہ پر خدمت گذاری کے لئے تیار ہونے سے جو کچھ مجھ سے لیتے رہے ہو اُسکا معاوضہ ادا کر دیا ہے

لیئے محمود غزنوی کی لڑائی میں کیا تھا۔ ترنگ ، کے شلوک ۵۳ میں ہمیر کے لفظ سے مراد محمود غزنوی ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اسکی موت جو ۱۰۳۰ء میں واقع ہوئی ہے ہیں اور سسّل کے عہد حکومت میں جو ایک سو سال کا وقفہ ہے۔ وہ اس لحاظ سے نہایت طویل معلوم ہوتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ اس جگہ ہمیر کا لفظ محمود کے کسی جانشین کے لئے استعمال کیا

اب دشمن کی فوج کے تینوں دستوں نے جنہیں اپنے گھوڑوں پر فخر تھا راجہ کو مارنے کے لئے تیر برسانے شروع کئے۔ اس حالت میں راجہ نے اچانک اپنا گھوڑا بڑھایا اور دشمنوں کے دل میں کود پڑا۔ راجہ جس کے ہمراہ صرف چند ایک سپاہی تھے۔ اس وقت جب کہ اس کی صورت دشمن کی ہزارہا تلواروں پر منعکس ہوتی تھی وشنو کی اس حالت سے مشابہ معلوم ہوتا تھا جب وہ ارجن کی مدد کو آیا اور وشوروپ[۶۶۸] ہو کر دکھائی دیا تھا۔

جس طرح اکیلا باز بہت سی چڑیوں اور اکیلا شیر بہت سے ہرنوں کو بھگا دیتا ہے ایسے ہی راجہ سسل نے اکیلے بہت سے دشمنوں کو بھگا دیا۔ سواروں کا ہجوم اس قدر تھا کہ خود اُن کی وجہ سے اُنکا راستہ رکا ہُوا تھا۔ بھاگتے وقت وہ اپنے ہی پیادہ سپاہیوں پر ٹوٹ[۶۶۹] پڑے اور اُن پر حملے کرنے لگے کیونکہ اُن کی وجہ سے گھوڑوں کا راستہ رُکا ہوا تھا۔ آگ کے شعلوں کی روشنی میں تمام جنگ جو جو کام آچکے یا آرہے تھے گویا بہتے ہوئے خون سے سُرخ معلوم ہوتے تھے۔ شام کے وقت دشمن کی جمعیت کو منتشر کرنے کے بعد راجہ آنکھوں کو آنسوؤں سے تر کئے اس شہر میں داخل ہوا جس کی ساری شان و شوکت آگ کی وجہ سے ماری گئی تھی۔ ہر چند کہ وہ خود مغلوب نہ ہوا تھا تاہم اس خوشنما شہر کی تباہی کیوجہ

گیا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں یہ لفظ دہلی کے ابتدائی سلاطین اداغنہ کے ناموں کے ساتھ استعمال ہوا کرتا تھا۔ دیکھو پرنسپ صاحب کی کتاب انڈین اینٹیکوٹیز جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ – ۸۰۱

۶۶۸:۔ اس جگہ اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو مہابھارت کے پرب ۶ سرگ ۵ ، شلوک ۳ میں مذکور ہے۔

۶۶۹:۔ اس جگہ مراد یہ ہے کہ دشمن کے سوار پیچھے کو ہٹتے میں اپنی ہی پیادہ فوج پر چڑھ آور

سے اب اس نے دشمن کو شکست دینے یا زندگی کا خیال رکھنے کی آرزو چھوڑ دی۔ اس وقت کے بعد اس کی یہ حالت تھی کہ جاگتا ہو یا سویا ہوا۔ چلتا ہو یا کھڑا۔ نہاتا ہو یا کھانا کھاتا یا دشمن کے مقابلہ میں جاتا ہو جو شخص اس کی طرف دیکھتا آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

کشمیر میں قحط غلہ کے ذخیرے سب کے سب آگ میں بھسم ہو چکے تھے اس لئے اب تمام ملک پر بڑا سخت اور خوفناک قحط پھیل گیا۔ طویل مشکلات میں لوگوں کی بچت کا روپیہ تمام صرف ہو گیا ان کے مکانات جل گئے اور شہر کے باہر ڈامر ان کی چیزوں کو نہ چھوڑنے اور سڑکوں کو روکے کھڑے رہتے تھے۔ راجہ چونکہ خود مصیبت میں تھا اس لئے امرا کو شاہی خزانہ سے روپیہ نہ ملتا تھا اس حالت میں وہ بھی قحط میں کام آتے گئے۔ یوماً فیوماً ان مکانات میں جو آتشزدگی سے بچ رہے تھے پھر آگ لگ جاتی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ غریب لوگ فاقہ کشی کی حالت میں مایوس ہو کر خود لگا بیٹھتے تھے۔ دریا کے پانی میں لوگوں کی لاشیں پڑ کر پھول گئی تھیں اور ان کی وجہ سے سخت عفونت پھیلی ہوئی تھی حتےٰ کہ کوئی شخص ناک کو ہاتھ سے پکڑے بغیر دریا کے پلوں پر سے نہ گذر سکتا تھا۔ بے پوست کے انسانی پنجروں کی کھوپریوں کے ٹکڑے اس کثرت سے زمین پر پھیلے ہوئے

ہوتے ہیں۔ اور چونکہ وہ راستہ نہیں دیتی اس لئے انہی پر ہتھیار چلانے لگتے ہیں۔

نمبر ۔: نوٹ نمبر ۴۴ کتاب ہذا میں کشمیر کے قدیم طریق وصولی مالگذاری کی تکلیف قلمبند کی گئی ہے۔ جس کی رو سے ملک کی سالانہ پیداوار بالخصوص چاولوں کی بہت بڑی مقدار ٹیکیوں کے عوض شہر میں لائی جاتی تھی۔ جب نئی فصل کی تیاری سے پہلے اس قسم کے سرکاری ذخیرے تباہ ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ شہر والوں کو قحط کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اب سے تھوڑی مدت اس

تھے کہ وہ سفید نظر آتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ کا پالک لوگوں کے مراسم ادا کر رہی ہے۔ فاقوں کے مارے لوگ بمشکل چل سکتے تھے ان کے لمبے لمبے جسم بھوک کے مارے سوکھ کر کانٹا اور دھوپ کی شدت سے سیاہ ہو چکے تھے ایسی حالت میں وہ جھلسی ہوئی چوبی بلیوں سے مشابہ معلوم ہوتے تھے۔

انہی ایام میں اس مطلب کی جھوٹی افواہ پھیل گئی کہ پرتھدی ہر لڑائی میں تیر سے زخمی ہو کر مر چکا ہے لیکن درحقیقت وہ زندہ گو پوشیدہ تھا۔ اُسے ایک کاری زخم ضرور لگا تھا۔ جسکی وجہ سے وہ کام سے معذور تھا پھر نورع راجہ نے اس داستان کو خوشی سے سنا اور مزید طاقت کے ساتھ لڑائی کرنے لگا۔ فتح کی دیوی ایک چالاک فاحشہ عورت کی مانند اس کے لئے خواہش کا اظہار کر کے اس کی امنگوں کو اُکسا رہی تھی۔ لیکن اس کی خواہشات کو پورا نہ کرتی تھی۔ قسمت جس کا مزاج بالکل الٹا ہے صرف اسی لئے مہربانی دکھاتی ہے کہ اس کے ذریعہ آنے والی مصیبت کو تیز کر دے۔ چنانچہ بادل بھی اسی طرح معجز نما طاقت کے چمکدار پودوں کی تباہی کے لئے بجلی نازل کر کے پہاڑوں کو بالکل تاریکی میں گھیر دیتا ہے۔

میگھ منجری کا انتقال اس اثنا میں راجہ کی پٹ رانی میگھ منجری انتقال کر گئی جو اس کی نہایت چاہیتی رانی تھی اور جسکی

طرف کشمیر میں دیہات سے اجناس خوردنی کی تجارت بالکل مفقود دیتی۔

اگلے شلوک میں جس نئی فصل کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد کنگنی، جو، مکی وغیرہ سے لی جا سکتی ہے کیونکہ اوائل موسم گرما میں یہی اناج وادی میں پکتے ہیں

خوش بختی اب تک اسکا سہارا رہی تھی۔ بہت سی تکالیف کو برداشت کرنے کے بعد راجہ اسکی آمد کے مبارک دن کا ویسے ہی انتظار کر رہا تھا جیسے کوئی ریاضت کے انعام کا خواہشمند ہو۔ اس رانی کے اندر جذبہ محبت کے ساتھ رحمدلی خوش کلامی کے ساتھ وفا۔ اور ہوشیاری کے ساتھ تجربہ کاری کی خوبیاں اس طرح پائی جاتی تھیں جس طرح ماں کے ساتھ بچے۔ یہ جانکر کہ لوگ خوشیوں سے محروم اور اپنی روزانہ زندگی سے تنگ ہیں اس نے اب جینا اور حکومت کرنا بیکار سمجھا۔ اپنے شوہر کے متعلق افسوسناک خبریں سن سن کر آزردگی کی حالت میں وہ شوق ملاقات کو دل میں لیکر کشمیر کیطرف روانہ ہوئی تھی کہ پھل پور[۱۸۱] کے قریب مرگئی راجہ نے جسے اس سے ملنے کا شوق تھا جب یہ بری خبر سُنی تو وہ سخت افسوسناک حالت میں پڑ گیا۔

محل میں جو چار عورتیں سب سے اعلےٰ درجہ کی تھیں اور جن کی محبت میں باوجود اس کی درشت کلامی کے فرق نہ آیا تھا رانی کے ساتھ ہی ستی ہوگئیں۔ نوکروں میں ایک شخص تیج نامی نے اپنے آپ کو اس طرح پر خاص تعریف کا مستحق بنا لیا کہ گو اس کی موت اس کی موجودگی میں واقع نہ ہوئی تھی تاہم اس نے غیر معمولی وفاداری کا اظہار کیا یعنے یہ کہ جب وہ اگلے روز کہیں باہر سے (جہاں گیا ہوا تھا) واپس آیا تو اس نے چتا کے قریب سے ایک پتھر اٹھا کر اس سے اپنا سر پھوڑ لیا اور دریا میں

[۱۸۱]:- پھل پور جس کا ذکر آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۴۴ و ۱۹۲۴ میں پایا جاتا ہے غالباً لوہر کی سمت میں واقع ہوگا۔ لیکن اس بارہ میں جسقدر تحقیقات کی گئی ہے اس کے باوجود کوئی موجودہ مقامی نام اس کے مطابق نہیں مل سکا۔

ڈوب مرا۔ دشمنوں نے راجہ کو لڑائی میں اسقدر مصروف رکھا کہ اسے اس جوش میں وہ غم بھول گیا اور اس طرح پر انہوں نے گویا اس سے مہربانی کا سلوک کیا۔

جے سنگھ کا لوہر سے واپس لایا جانا اس افسردگی کی حالت میں اس نے تخت کو تیاگ دینے کی خواہش کی اور اپنے بیٹے کو جو اب بالغ ہو چکا تھا کو لوہر سے واپس بلوایا اس نے لوہر میں خزانہ اور علاقہ کی حفاظت کا اہتمام اس طرح پر کیا کہ پرجی کے بھتیجے بھاگک کو گورنر مقرر کر دیا۔ راجہ اپنے بیٹے کے استقبال کے لئے بارہ مولا تک گیا جہاں اسے دیکھ کر جب وہ اس سے بغل گیر ہوا تو اُسے خوشی بھی ہوئی اور غم بھی۔

راجکمار اس وقت تین سال بعد اپنے ملک کو واپس آیا تھا اس نے جب اپنے باپ کو مصیبت کی حالت میں دیکھا تو اسے سخت دُکھ پہنچا۔ غم کے مارے چہرہ جھکائے وہ شہر میں جو محض توہ خاکستر رہ گیا تھا داخل ہوا۔ شہر کی اس وقت وہی حالت تھی جیسے بارش کی وجہ سے جھکا ہوا بادل اس جنگل پر سے گذر جاتا ہے جو جنگلی آگ کی وجہ سے جل گیا ہو۔

جے سنگھ کی تاجپوشی اساڑہ ۱۱۲۳ء اس کے باپ نے یکم اساڑھ کو اسے تاج پہنوا دیا اور اس کے بعد تمام بڑے بڑے اصول حکومت کی تشریح کر دی اس نے لڑکھڑاتی زبان سے کہا:۔ "پرماتما کرے کہ تم اس بوجھ کو سہار سکو جس کی وجہ سے تمہارا باپ اور چچا تھک گئے ہیں اور اسے اٹھا نہیں سکے

اے میرے بہادر بیٹے یہ بار اب تمہارے حصّہ میں آتا ہے" قسمت کی بھول سے راجہ نے شاہی علامات تو اپنے بیٹے کو دیدیں لیکن حکومت اس کے سپرد نہ کی۔ جونہی راجکمار کو تاجپوشی ہوئی شہر کا محاصرہ۔ قحط۔ وبا۔ چوریاں اور دوسرے مصائب سب یکایک رک گئے۔ زمین میں بھی اب اچھی پیداوار ہونے لگی اور رفتہ رفتہ ماہ ساون میں قحط پڑنا دور ہوگیا۔

اس اثنا میں جب کہ راجہ جے سنگھ میدان جنگ میں دشمن کو فنا کر رہا تھا سازشیوں نے مشہور کرنا شروع کیا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ دغا کرتا ہے۔

جے سنگھ کو قید کرنیکا ارادہ } اس بات کی صداقت پر غور کئے بغیر سُسّل نے کیہ کے بیٹے وجے کو اسے قید کرنے بھیجدیا۔ لیکن راجکمار کو اس بات کی پہلے ہی سے خبر مل گئی۔ راجکمار مارے انتہا درجہ کے غصّہ کے مسکرا رہا تھا وجے خود اس کے سامنے تو نہ آیا البتہ اس نے راجہ کے حکم کی صرف اس قدر تعمیل کی کہ اس کی نگرانی کرتا رہا۔

راجکمار نے مارے فکر کے کھانا تک نہ کھایا اور اس مطلب کیلئے تیار ہوگیا کہ اگلے روز اس کے ہمراہ اپنے باپ کے پاس جاکر تسلی دے آئے۔ لیکن باپ نے خیال کیا کہ وہ چونکہ خبردار ہوگیا ہے اس لئے اب اس پر الزام لگانا ممکن نہ ہوگا۔ اس لئے اس نے دھوکا دہی کی غرض سے وزرا کی معرفت ایک مہربانی کا پیغام بھیجکر اُسے واپس بھجوا دیا۔ لیکن دل ہی دل میں اس نے شب و روز اس بات کا تہیہ کر رکھا تھا کہ میں چپ

چاپ اپنے بیٹے کے کمرہ میں داخل ہو کر اُسے پکڑ اور گرفتار کر لونگا۔ اس تخت پر دھکار ہے۔ جس کی خاطر سے باپ بیٹے ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے اور کہیں رات کے وقت چین سے سو نہیں سکتے کون کہہ سکتا ہے کہ راجاؤں کا اعتبار کن لوگوں پر ہو سکتا ہے جب کہ وہ اپنے بیٹوں۔ بیویوں۔ بھائیوں اور نوکروں تک اعتبار نہ کریں۔

اتپل کی سازش اتپل ایک خاص ستھانک کا بیٹا تھا جو کھلواڑہ کا چوکیدار (کھل پال[۲]) تھا اور ساہیبہ نامی ایک خراب گاؤں کے قریب رہتا تھا۔ بچپن میں ڈامروں کے بیٹے اس سے مویشی کی نگرانی کروایا کرتے تھے اس کے بعد اس نے فوجی ملازمت اختیار کر لی اور ہر وقت تِک کے ساتھ رہنے لگا۔ شروع شروع میں وہ تِک کی طرف سے پیغامبری کرتا تھا لیکن بعد میں جب راجہ اپنے دشمنوں میں نفاق پھیلانا چاہتا تھا وہ اس کا ہمراز بن گیا۔

اس شخص کو سسل نے اختیارات اور انعام کا لالچ دیکر تِک کے مقام رہائش پر پہلے بھکشو اور پھر تِک کو مارنے کے لئے کہا۔ جب اس نے اس مطلب کا وعدہ کر لیا تو اس نے اُسے بہت سے قیمتی عطیات دیئے اور اُسے گنج پتی (خزانچی) کا خطاب دیکر نوکر رکھ لیا۔ یہ شخص ایک طرف تو خوشیوں کی خواہش اور دوسری جانب اپنے آقا سے بیوفائی کرنے کے خوف ان دونو باتوں کے بیچ میں پڑا ہوا تھا اور اس بات

[۲] کھل پال:۔ پرانے زمانہ میں مالگذاری کی ادائیگی کا جو طریق مروج تھا اس کی رو سے دیہاتی اناج کو اس وقت تک کھلیان سے نہ اٹھا سکتے تھے جب تک سرکاری حصہ اس میں سے نہ لیا جائے چونکہ اکثر اس میں بہت دیر لگ جاتی تھی اس لئے خاص چوکیدار جنہیں شکدار

کا فیصلہ نہ کرسکتا تھا کہ اس معاملہ کو سرانجام دے ڈالے یا چھوڑ دے۔
اس اثنا میں اس کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا اور راجہ نے جسے اپنا مطلب نکالنا تھا ایام زچگی میں اس کے پاس اس طرح کثرت سے تحائف بھیجے گویا وہ خود باپ ہوتا۔ زچہ نے راجہ کی اس غیر معمولی توجہ کا باعث بار بار اپنے شوہر سے پوچھا جس نے آخرکار اسے وجہ بتا دی۔ اس نے جواب دیا "دیکھو اپنے آقا سے دغابازی نہ کرنا اگر یہ فعل تم سے سرزد ہو گیا تو موقعہ پا کر سُسّل خود تمہیں بھی مار دیگا کیونکہ وہ تمہیں ایک دغاباز شخص جانکر خوف کھائیگا۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ سُسّل کا اعتبار حاصل کرکے خود اسے مار ڈالو۔ اس صورت میں تمہیں اپنے آقا۔ اس کے بیٹے اور خاندان کی طرف سے بہت کچھ دولت ملے گی"۔
یہ کہہ کر اس کی بیوی نے اسکا ارادہ بدلوا دیا اور اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ اس معاملہ سے تِلک کو خبردار کرکے اس بارہ میں کارروائی کرنا۔ جب کہ یہ دغاباز شخص اِدھر اُدھر جا آ رہا تھا قسمت کے اندھے راجہ نے اس پر اتنا اعتبار کر لیا گویا وہ اس کا بیٹا تھا۔ اپنے بیٹے سے علیحدگی اور دشمن کے نوکر پر اعتبار! واقعی بدقسمت لوگوں سے کیا کیا الٹی حرکات سرزد نہیں ہو جاتیں۔ ہیچ لوگ جو اپنے نفع کے خیال میں اندھے ہوتے ہیں اس خطرہ کا خیال نہیں کرتے جس میں ممکن ہے وہ قدم رکھ دیں۔ جس طرح وہ لوگ جو شہد کے خواہشمند ہوتے ہیں مکھیوں کے ڈنکوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

بھی کہتے تھے اس کام پر مامور کئے جاتے تھے۔ ان کی ملازمت عملی طور پر سال کے تمام حصول میں قائم رہتی تھی۔

جب کہ پرجی اور راجہ تِلک کو دبا رہے تھے اپِل نے آخرالذکر کو اطاعت پر رضامند کر لیا اور اسکا بیٹا بطور پرغمال دلوا دیا۔ راجہ کاتک کے مہینے مفتوح دیوسرس سے روانہ ہو کر موضع باشترک واقع ضلع کمیری کی طرف روانہ ہوا۔

کلیان پور میں سسل کی فتح نواحات کلیان پور میں دوسری لڑائیوں کے دوران میں اس نے بھکشو۔ کوشٹیشور[۱۳] اور دوسرے بڑے بڑے سپاہیوں کو بھی نیچا دکھایا۔ سجی نے خاندان کاک کے مشہور و معروف رکن شوبھک کو بھکشاچر اور اس کے آدمیوں کے درمیان زندہ پکڑا۔ راجہ نے پہلے تو بھوک کے بیٹے وجے کو شکست دی اور اس کے بعد کلیان پور کے قریب اس کے مکانات جلا دیئے جب ددوشک[۱۴] جل چکا تو بھکشاچر کی جائے پناہ چونکہ جاتی رہی اس لئے وہ اس علاقہ سے نکل گیا اور موضع کاکرو واقع شمالا میں جا ٹھیرا۔ بھوک کے بیٹے وجے کا چھوٹا بھائی خوف کے مارے راجہ سے آملا جس نے اسے پابہ زنجیر کر کے قید کر دیا۔

راجہ نے رلہن کو ایک مضبوط جمعیت دیکر شور پور میں متعین کر دیا جس سے راجپوری کو بھی حملہ کا خوف پیدا ہو گیا جب اس طرح غیر معمولی طریقوں پر اس نے ڈاروں کو منتشر کر دیا تو اب اسے دشمنوں کی کامل اطاعت

ع۱۳:۔ کوشٹیشور جو جے سنگھ کے ابتدائی عہد حکومت کی بغاوتوں میں بہت کچھ حصہ لیتا ہے پرتھوی ہر کا بیٹا ہے (دیکھو ترنگ شلوک ۸۔۲۷۴۸) آگے چل کر جا بجا اس کا نام صرف کوشٹھک ہی آتا ہے۔

ع۱۴:۔ ددوشک شاید وہی نام ہے جس سے وادوتس مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۱۳۶ ماخوذ

میں کوئی بات حایل نظر نہ آئی۔ بھکشاچر اور لوینوں کی طاقت زائل ہوگئی اور اب انہوں نے اپنے طاقتور دشمن کے خوف سے باہر کا راستہ اختیار کرلیا۔

درحقیقت بھکشو کے طرفدار مختلف موقعوں پر بدقسمتی کے ظہور میں آنے سے سخت بددل ہوگئے تھے اور باوجود زندہ ہونے کے اپنے آپ کو مردہ خیال کرنے لگے تھے۔ راجہ کو جب سومپال کی دغابازی یاد آئی تو وہ اس خیال سے لوٹ پڑا کہ برف پگھلنے (موسم سرما) کے بعد وہ راجپوری کو شمشان بھومی بنا (جلا) دیگا۔ جب کہ اس کے اپنے ملک میں کسی حد تک مشکلات رفع ہوچکی تھیں تو خیال ہوسکتا تھا کہ راجہ اب اس قدر طاقت رکھتا ہے کہ ساحل بحر تک فتوحات حاصل کرلے۔ لیکن اس کے عہد میں ایک سو بدنصیبوں میں سے ایک بچا بھی تو وہ اس کی حکومت کا ہر سال ایک یگ کے برابر طویل خیال کرتا تھا۔ فی الحقیقت اس کے عہد میں سب لوگ غم و اندوہ۔ خوف۔ فلاکت۔ رشتہ داروں کی موت کے سوگ اور دوسرے مصائب میں مبتلا رہے۔ جب کہ کامیابی کا دارومدار قسمت کے عجیب طریقوں پر ہے تو انسان طاقت۔ سختی یا دغابازی سے کیا حاصل کرسکتا ہے۔ کجروی خود اس خالق کے طریقوں میں پائی جاتی ہے۔ جو اس (راجہ) کے سامنے ایک بڑے سے تودے کی صورت میں کھڑا ہوتا ہے اس سے وہ اس طرح محترز رہتا ہے گویا وہ تاریکی ہے۔ جب کوئی اور شخص اس کے قریب سے گذرتا ہے تو وہ اسکی طرف لوٹ کر شیر کی طرح دیکھتا ہے۔ مینڈک کی طرح

ہے۔ کلیان پور (کلم پور) کے علاقہ میں کوئی مقامی نام وددشک سے ملتا جلتا نہیں مل سکا۔

کاگروہ کا ذکر آگے چل کر شلوک ۱۵۲۵ میں آتا ہے۔ اس کی مقامیت بھی معلوم نہیں۔

وہ کودتا تو کسی قریب کے راجہ پر ہے لیکن حملہ کسی اور پر جا کرتا ہے۔ سسل
پہلے اوچل اور دوسرے راجاؤں کو الزام دیا کرتا تھا جو اپنے دلوں میں شبہ
نہ رکھنے کی وجہ سے کام آئے تھے۔ وہ ہر وقت اپنی تلوار کھینچے رکھا کرتا
تھا اور قدیم اتیہاس کے ماہروں سے وِدورتھ[۲۲۵] اور دوسروں کے قصے
سن کر صرف ظاہری طور پر کھیل اور عورتوں سے محو عیش ہونے کے وقت
ہی اپنی اعتباری طبیعت کا اظہار کرتا تھا۔ لیکن اب یہی شخص اتپل پر اس
طرح اعتبار رکھے ہوئے تھا گویا وہ اسکا دوست ہو۔ اس میں قسمت کے
علاوہ اور کس بات کا دھوکا ہو سکتا تھا؟

تک اور اس کے ہمراہی اتپل سے کہہ چکے تھے کہ تم خواہ راجہ کو مارو خواہ
سجی کو ہم دونوں صورتوں میں تمہارے فعل کی یکساں قدر کریں گے۔ لیکن اتنی
بات ضرور تھی کہ سجی کو اس شخص پر اعتبار نہ تھا۔ ادھر یہ گو راجہ کو مارنے کے
لئے تیار تھا اور مختلف موقعوں پر اس بارے میں کوشش بھی کرتا تھا تاہم
اسے کوئی مناسب موقعہ نہ مل سکا۔

جب راجہ اس بات پر ناراض ہونے لگا کہ تم نے اپنا قول پورا کرنے
میں اتنی دیر کر دی ہے تو اس نے اسے اطمینان[۲۲۶] دلانے کے لئے اس
کے پاس دیو سرس سے اپنے بیٹے اور دیا گھر پرشست راج وغیرہ آدمیوں کو

۲۲۵:۔ راجہ ودرتھ کی نسبت مشہور ہے کہ اس کی رانی نے اسے ایک چاقو کے ذریعہ جو
اس نے اپنے بالوں میں چھپایا ہوا تھا قتل کیا تھا۔

۲۲۶:۔ کلہن کا اشارہ اس جگہ اس حملہ کی طرف معلوم ہوتا ہے
جو اس نے راجہ کے شبہات دور کرنے کے لئے نمائشی طور پر تک اور
بھکشاچر پر کیا تھا۔

جو جان پر کھیل جانے کے لئے تیار تھے بطور یرغمال پہنچا دیا اور راجہ سے کہا ان سے مطلب پورا ہو جائیگا۔ ایک موقعہ پر وہ تین چار سو پیادہ سپاہی لیکر باہر نکلا جنہیں فوجوں میں سے اس نے اس قابل سمجھ کر منتخب کیا تھا کہ وہ اس شجاعانہ کام میں حصہ لے سکیں گے۔

ادھر قاتل ہر وقت موقعہ کی تلاش میں راجہ کے پاس رہا کرتا تھا ادھر یہ اسے عمدہ عمدہ کھانوں اور دیگر عطیات سے خوش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا۔ راجہ نے جسے اپنے گھوڑوں سے بڑی محبت تھی چیمپہ لین لکشمن۔ کیہ کے بیٹے (وجے) اور دوسروں کو مندورا چکرورتن (شاہ اصطبل) نامی گھوڑے کے علاج کے لئے جو شہر میں بیمار تھا بھیج رکھا تھا۔ اس طرح پر اس وقت اس کے پاس صرف چند ہی ایک ہمراہی باقی تھے۔

سسل کا اپتل کی طرف سے متنبہ کیا جانا لکشمن کے بیٹے سرنگار کو اپتل کی تجویز کی خبر معتبر ذرایعہ سے مل چکی تھی چنانچہ اس نے اسکی اطلاع راجہ کو بھی کر دی۔
جس شخص کی موت قریب ہو وہ اپنے دشمن کو بھی ویسے ہی دوست خیال کرتا ہے جیسے مذبح میں ذبح ہونے کی تیاریاں دیکھتے ہوئے بھی جانور کو اپنی موت کا یقین نہیں ہوتا نہ تو گاندھاری[٭٭٭] کا سراپ نہ خشمناک رشی کے الفاظ نہ بدشگونیاں اور نہ اس کی اپنی فوق الفطرت دوراندیشی وشنو کو اس قابل بنا سکی کہ وہ پانڈوؤں کے خاندان کو بچا سکے۔ اس

٭٭٭:- اس جگہ ان قصوں کی طرف اشارہ ہے جو مہابھارت میں مذکور ہیں۔ گاندھاری سے مراد دھرت راشٹر کی رانی اور دریودھن اور دوسرے کوروں کی ماں سے ہے۔ اس

بات کو جانتے ہوئے کون ہے جو قسمت کو بدلنے کی کوشش کریگا۔ راجہ نے ناراضگی کے لہجہ میں جواب دیا "یہ جھوٹا ہے"۔ اور سنگار کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے اپتل اور دوسروں کو جو اس وقت موجود تھے مخاطب کر کے کہا "یہ دغا باز کا بچہ نہیں چاہتا کہ تمہاری کوششوں سے مجھے فائدہ پہنچے اور یا تو خود اپنی مرضی سے یا دوسروں کے کہنے سننے پر مجھے جتلاتا ہے کہ تم اے اپتل ایک بدمعاش آدمی ہو"۔

سامعین نے اپنے خوف اور اضطراب کو مسکراہٹ میں چھپالیا اور دلیری سے جواب دیا "حضور نے وہی جواب دیا ہے۔ جو اس موقع پر دینا چاہیئے تھا"۔ جب وہ باہر چلے گئے تو راجہ نے کسیقدر خائف ہو کر دربان کی معرفت دو تین مشہور طاقتور سپاہیوں کو طلب کیا۔ مگر وہ خود آہیں بھرتا۔ مضطرب اور افسوسناک رہا اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور اب اُسے ناچنے گانے میں بھی لطف نہ آتا تھا۔ دھوکے میں آکر وہ اپنے دوستوں کو بھی اسی طرح اجنبی خیال کرتا تھا جیسے وہ دیوتا جو اپنی سابقہ جنموں کی خوبیوں کے زایل ہو جانے سے آکاش پر سے گرنیوالا ہو۔ راجہ کے متعلقین جو بدمعاشوں کے پنجے میں پھنس جانے سے اپنے آقا کو غلط راہ پر چلتے دیکھ رہے تھے اس سوچ میں پڑے ہوئے تھے کہ کسی دوسرے محافظ سلطنت کو بلایا جائے۔

کے شراپ کے متعلق دیکھو مہابھارت پرب ۱۱ سرگ ۲۵ شلوک ۳۔ ناراض رشی کے الفاظ "بسوامتر کنو اور نارد کی پیشین گوئی سے متعلق ہیں۔ دیکھو مہابھارت پرب ۱۶ سرگ ۱۔ شلوک ۱۴۔

ان بدشگونیوں کے متعلق جو درشنیوں کی تباہی کا پتہ دیتی تھیں دیکھو پرب ۱۶ سرگ ۱ شلوک ۱۔

۔موت کا نہ رکنے والا ہاتھ ہمیشہ وہیں ظاہر ہوتا ہے جہاں لوگ بیوقوفانہ کاموں کو ایسا سمجھتے ہوئے بھی انہیں کرنے لگتے ہیں۔

اپتل اور اس کے ساتھیوں نے دو دن موقعہ کا انتظار کرتے ہوئے گذارے۔ جب کہ وہ خفیہ طور پر موقعہ کی تلاش میں تھے راجہ نے تیسرے روز صبح کے وقت غسل کرکے ان سے بار بار کہا "آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاکر کھانا کھائیں" دیوتاؤں کی پوجا تک کے روزانہ کام سے فارغ ہوکر راجہ نے بوقت دوپہر قاصدوں کے ہاتھ اپتل کو کہلا بھیجا کہ مجھ سے خلوت میں ملو۔

اپتل کی سازش کا انجام

اپتل کو یقین تھا کہ محل میں چونکہ زیادہ آدمی موجود نہیں اس لئے میں اس وقت اپنی کارروائی بخیر و خوبی سرانجام دے سکونگا۔ چنانچہ یہ خیال کرکے وہ کسیقدر ڈرتا ڈرتا اپنے ساتھیوں کو دروازہ ہی پر چھوڑکر اندر داخل ہوا۔ راجہ نے اس کے چھوٹے بھائی دیاگھر کو جو باہر ہی ٹھہر گیا تھا اندر بلا لیا اور باقی نوکروں کو باہر ہی ٹھیرنے کا حکم دیا جب چند معتبر مشیروں نے کمرے سے باہر جانے میں تامل کیا تو راجہ نے کہا "صرف وہی یہاں ٹھیرے جو دغاباز ہو" اور آخرکار اس کے یہ الفاظ راست ثابت ہوئے۔ غرض اس نے صرف ایک معمر پان دینے والے اور فاضل راہل وزیر خارجیہ کو وہاں ٹھیرنے دیا باقی سب کو باہر بھیجدیا۔

اتفاق سے تِنگ کے دو قاصد رگہ دیو اور تشیہ دیشہ گو وہاں موجود تھے تاہم وہ اُپتل کے منصوبوں سے آگاہ نہ تھے۔ ان ایام میں اُپتل نے ودتس کے ایک ڈامر سکھراج نامی کو جو بھکشو کا طرفدار تھا معہ اسکی مسلح جماعت کے اپنی محافظت کے لئے تھوڑے

فاصلہ پر متعین کیا ہوا تھا اور راجہ سے کہہ رکھا تھا کہ یہ ڈامر آپ کے قدموں میں نمسکار کرنے کے بعد بھکشو اور تِک کے قتل کے لئے روانہ ہوگا۔

جب کہ راجہ اور اپتل دونو موجود تھے آخرالذکر پرشست راج کو جلدی سے یہ کہہ کر اندر لے آیا کہ اس کی بھی ضرورت ہے۔ داخل ہوتے وقت جب اس نے دیکھا کہ ڈیوڑھی خالی ہے تو اس نے دروازہ کو اندر سے بند کر لیا اور اُسے ایسا کرتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ راجہ کے بال نہانے کی وجہ سے ابھی تک تر ہی تھے اور چونکہ اُسے سردی محسوس ہوتی تھی اس لئے اس نے اپنے جسم کو ایک لبادہ سے ڈھانپ رکھا تھا۔ خنجر اسکا اُسکی نشست پر اترا پڑا تھا۔ اسے اس حالت میں بیٹھا دیکھکر ویاگھر اپتل سے کہنے لگا" جو کچھ راجہ سے کہنا ہے کہہ دو ایسا موقعہ پھر نصیب ہونا مشکل ہے!"

یہ اشارہ پاکر وہ راجہ کے روبرو گیا اور اس کے سامنے ڈنڈوت کا بہانہ کرتے ہوئے نشست پر سے خنجر اٹھالیا راجہ نے متحیر آنکھوں سے اسے اسکو نیام سے نکالتے دیکھا اور ابھی اتنا ہی کہا تھا" افسوس یہ کیا غداری ہے!" کہ اپتل نے اسی خنجر سے اس کے بائیں طرف وار کیا اور اس کے بعد پرشست راج نے اس کے سر پر۔

اپتل کے ہاتھوں شسل کا قتل سنہ ۱۱۲۸ء

تب ویاگھر نے اُسے چھاتی میں زخم لگائے اور اس پر کئی مرتبہ وار کئے لیکن اپتل نے دوسرا وار نہ کیا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ راجہ مرچکا ہے اور پہلا ہی وار پسلیوں میں پہنچ گیا تھا اور انتڑیاں کو

کھینچ لایا تھا۔

یہ اہل امداد کے لئے آواز دینے کے لئے بھاگ کر کھڑکی کے قریب پہنچا۔ دیا گھر نے اس کی پیٹھ پر وار کئے لیکن وہ دو تین ناڑکا* تک نہیں مرا۔ اپتل نے رحم کھا کر اپنے آدمیوں سے غریب پان بردار اجک کو بچا دیا جو کباب چینی (؟ کنکول) اور دوسرے اجزا پھینک کر بھاگ نکلا تھا۔

جب اندر یہ فتنہ برپا ہوا تو تِک کے آدمیوں اور دوسرے سازشیوں نے جو باہر کے ہال میں موجود تھے ہتھیار اٹھا کر لوٹ مچا دی۔ لیکن اتفاق سے باہر یہ افواہ پھیل گئی کہ راجہ نے اپتل کو قتل کر دیا ہے جس پر شاہی سپاہیوں نے اس کے آدمیوں کو مارنا کاٹنا شروع کر دیا جن کی حوصلہ افزائی کے لئے اس نے کھڑکی میں سے خون چکاں ہتھیار دکھا کر کہا "میں نے راجہ کو قتل کر دیا ہے دیکھنا اس کے آدمی بچ کر نہ جائیں"

یہ خبر بد سُنکر شاہی ملازم ہر طرف مارے خوف کے بھاگ گئے اور سازشی خوش خوش صحن پر قابض ہو گئے۔ ہال سے نکلتے وقت اُن قاتلوں نے ناگک نامی راجہ کے ایک ملازم کو جو تلوار کھینچے دروازہ میں سے داخل ہوا تھا ٹھکانے لگایا۔ اس کے علاوہ انہوں نے شاہی خوابگاہ کے محافظ نریلو کیہ کے ایک ملازم کو جو اس دغابازی پر نفرین کہہ رہا تھا نیز ایک دربان کو مار ڈالا۔ قاتلوں نے جب خاندان بھاوک کے جوہر سہج پال کو ڈھال تلوار لئے راجہ کے بدول نوکروں میں داد شجاعت دیتے دیکھا تو وہ ایک بغلی دروازے سے نکل گئے اور وہ ان کے ہمراہیوں کے زخموں سے نڈھال ہو کر فرش پر آ رہا۔ اس وقت

*:- ناڑکا سے مراد ۲۴ منٹ یا ایک گھڑی کے عرصہ سے ہوتی ہے۔

جب کہ تمام قبیلہ راج پتر کے نام پر بے عزتی کا دھبہ پڑا ہوا تھا صرف وہی تھا جو آپنے خون کے ذریعہ شرم کو دھونے میں کامیاب ہوا۔ ایک فاضل برہمن نون نامی ان کے راستہ میں آیا تو قاتلوں کے ہمراہیوں نے اسے بھی ایک راج پتر سمجھ کر مار ڈالا کیونکہ ظاہری شکل وصورت میں ایک غیر ملکی (دیشک) شخص سے مشابہ تھا۔

محل شاہی میں اضطراب } سپاہیوں نے قاتلوں کو صحیح سلامت ایک گاؤں کی طرف بھاگتے دیکھا لیکن ان میں سے کسی نے ان کا تعاقب نہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مارے غصہ کے وہ تصاویر کی طرح بے حرکت ہوگئے ہیں۔

اس وقت وہ شاہی رشتہ دار بھی آئے جو مورد عنایات شاہی ہوتے رہے تھے اور انہوں نے اپنے موٹے جسموں سے ویران صحن کو ڈھک دیا۔ چونکہ ہم راجہ ہرش کے قصہ سے بعد بہت سے بدمعاشوں کا ذکر اور ان کی کیفیت بیان کرتے آئے ہیں اس لئے بوجھ اٹھانے والوں کی طرح ہم بھی سخت (دل) ہوگئے ہیں تاہم ان لوگوں کی بداعمالی کو دیکھ کر جو شریروں سے بھی بدتر تھے ہمیں اس قدر دکھ پہنچتا ہے کہ ہم ان کا نام تک لینے کی جرات نہیں کر سکتے۔ ان بدبختوں میں وہ جو اعلےٰ درجہ رکھتے تھے۔ راجہ کی لاش کی طرف دیکھ رہے تھے ان کے نزدیک گویا صحن سے ہال تک چڑھ کر آنا ہی ایک بہادری کا کام تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ متوفی راجہ کی روح کو اس انجام پر سخت تاسف ہے کیونکہ اس کے دانتوں سے نچلا ہونٹ کٹ چکا تھا۔ اور رستے ہوئے خون کی وجہ سے وہ کانپتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھیں جو اس خیال

کے آتے ہی پتھرا گئی تھیں "مجھے کیسا دھوکا دیا گیا ہے"۔ موت کے بعد بھی اسی حالت میں رہیں۔ خون کی ندی جو اس کے زخموں سے بہ کر اس کے جسم کو سیاہ کر رہی تھی اس پیچدار دھوئیں کی مانند معلوم ہوتی تھی جو اس کے غصہ کی آگ کے باعث جو اندرونی طور پر بجھ چکی تھی باقی رہ گیا تھا۔ اس کا چہرہ اس وقت بے حس ہونے کی وجہ سے ایسے معلوم ہوتا تھا گویا منقش ہو اور اس پر سرخ لاکھ کی طرح جو خون لگا ہوا تھا اس کے باعث اس کی پیشانی پر سے صندل اور زعفراں کے ٹیکے دور ہو چکے تھے۔ وہ فرش پر ننگا پڑا تھا۔ منجمد خون کی وجہ سے اس کے بال چپکے ہوئے تھے اس کے ہاتھ پاؤں پھیلے ہوئے تھے اور اس کی گردن کندھوں پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کو اس حالت میں دیکھ کر کمینہ لوگوں نے کوئی مناسب کارروائی نہ کی بلکہ یہ کہہ کہہ کر اس کی برائی کرنے لگے "اب اپنی ناملنساری کا خمیازہ بھگتو"

شاہی لشکر کی فراری

لوگ چونکہ اپنی اپنی جان بچا کر بھاگے اس لئے وہ راجہ کو ڈولی میں یا گھوڑے پر رکھکر جلا تک نہ سکے۔ وہ اس کام کو موجب تاخیر خیال کر کے چھوڑ گئے۔ کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اسے باورچی خانہ کی جلتی ہوئی لکڑیوں پر پھینک جاتا یا مکان ہی کو آگ لگا جاتا حالانکہ آگ تو اس وقت قریب ہی موجود تھی۔ ہر شخص راجہ کا ایک گھوڑا لیکر اس پر سوار ہو گیا اور ڈاموں نے ان فوجوں کو جو ادھر ادھر دیہات میں پھر رہی تھیں لوٹ لیا۔ برف سے ڈھکی ہوئی سڑکوں پر سے بھاگتے وقت دوسرے کو مرتے۔ مارے جاتے یا لٹتے دیکھ کر باپ نے بیٹے یا بیٹے نے باپ کی پرواہ نہ کی۔

کوئی سپاہی بھی ایسا نہ تھا جس کو اپنی عزت کا خیال ہو یا جس نے راستہ میں دشمن کے مقابلہ میں آکر اپنے ہتھیار یا کپڑے نہ اتار دیئے ہوں۔ لوراج اور بٹھوراج برہمن جو فوجی قواعد میں ماہر تھے اور کانڈ کا حکمران صرف یہ تین آدمی تھے جو بہادری سے لڑتے ہوئے کام آئے۔

جب اپتل اور اس کے آدمیوں نے قریب سے دیکھا کہ فوجیں منتشر ہو گئی ہیں تو وہ دوبارہ محل میں داخل ہوئے راجہ کا سر کاٹ لیا اور اسے اور دھڑ کو اٹھا کر چلدیئے۔ وہ دیو سرس کی جانب روانہ ہوئے اور راستہ میں دیہاتیوں کو راجہ کا سر اس طرح دکھاتے گئے جیسے ایک مقتول چور کا دکھایا جاتا ہے۔ اس طرح پر وہ الجیم شدی پھاگن کو لوکک سمت ۴۲۰۳ (۱۱۲۸ء) کو ۵۵ سال کی عمر میں مارا گیا۔

جے سنگھ کا اس قتل کے واقعہ سے خبردار ہونا سنگھ دیو کو یہ منحوس خبر راسکلے کوکہ بھائی ہرمین نے اس وقت سنائی جب کہ وہ ابھی اپنی سیج پر لیٹا ہوا تھا اسے اپنے باپ سے بہت محبت تھی اور اسی لئے گو اس وقت اس کے پاس تلوار موجود[۹۷۷] نہ تھی تاہم اسے ویسا ہی جوش آیا جیسے اس قسم کی خبر سنکر کسی تلوار رکھنے والے کو آسکتا ہے۔ اس وحشت میں اسکا حافظ جاتا رہا۔ آخر کار اسے ہوش آیا اور سب باتیں یکے بعد دیگرے یاد آنے لگیں اس حالت میں استقلال ہاتھ سے دیکر بآواز بلند آہ وزاری کرنے لگا۔

---

۹۷۷ - اس شلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے باپ کی موت کے وقت جے سنگھ جیلخانہ میں یا کم از کم زیر حراست تھا نیز دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۲۳۸۔

راجہ جے سنگھ

سنہ ۱۱۲۸ء تا ۱۱۴۹ء

"جب کہ تم کوشش کے ساتھ میری خاطر سے سلطنت کو دشمنوں سے پاک کر رہے تھے کس لئے اے راجہ تم نے اپنی روح کو بے حد شریر لوگوں کے تابع بنایا۔ اے پتا جب آخرکار تم دشمنی کو دور کرنے کے لئے اپنے دشمنوں سے ملاقات کر رہے تھے تو اس وقت بے ہتھیار رہے اور سخت نکمے آدمیوں کی بھی عزت کرتے رہے۔ جب تم نے اپنے باپ اور بھائی کے قتل کا انتقام لے لیا تو اُن کی روحیں سورگ میں خوش ہوگئی تھیں لیکن آہ! اب تمہاری روح اس جگہ مارے غصہ کے پیچ و تاب کھا رہی ہے۔ اس مختصر عرصہ کے لئے انرنیہ۔ کرپ۔ درونہ جمدگنی[عـ۸۲] وغیرہ کو نگاہ حسد سے نہ دیکھو جن کا بدلہ ان کے رشتہ داروں نے لے لیا ہے۔ آپ کو جو غصہ ہے اس کا مجھے افسوس ہے۔ اے راجہ میں اسے دور کرونگا۔ مجھے اس انتقام کے متعلق چنداں فکر نہیں اور نہ اس صورت میں ہوگا خواہ اس مطلب کے

عـ۸۲:۔ درونہ اور جمدگنی کی موت کا بدلہ ان کے بیٹوں اسوتھاماں اور پرسرام نے لیا تھا دیکھو مہابھارت پرب ۱۰ سرگ ۸ شلوک ۹ و پرب ۳ سرگ ۱۱۷ شلوک ۹۔ انرنیہ کی موت کا بدلہ راون سے رام چندر جی نے لیا تھا۔ دیکھو رامائن کانڈ ۷ ادھیائے ۱۹ شلوک ۳۰۔ کرپ کا ذکر اسوتھاماں کیساتھ اس شخصوں میں آتا ہے جو باقی ماندہ تین کورو جنگجوؤں نے پانڈووں کے کیمپ پر مارا تھا لیکن مہابھارت میں اسکے بیٹے کا ذکر کہیں نہیں آتا۔

لئے تینوں لوک پر حملہ کرنے کی ضرورت پڑے۔ اس وقت ابھی گویا آپ کا پیارا چہرہ میری نگاہوں کے روبرو ہے جس پر مسکراہٹ اور شیریں کلامی کے آثار نمودار ہیں۔"

وہ اس طرح باآواز بلند آہ وزاری کرتا لیکن حقیقی اضطراب کو گہری خاموشی میں چھپائے ہوئے تھا کہ اس نے اپنے روبرو اپنے باپ کے وزیروں کو دیکھا جو شرم۔ دکھ اور خوف کے مارے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ غصہ نے اکسایا لیکن دور اندیشی نے روک دیا اس پر بھی اس نے انہیں ذیل کے درشت الفاظ سے مخاطب کیا" شرم کی بات ہے کہ میرے باپ کی موت کے وقت تم اور تمہارے ہتھیار بدتر ہو گئے ہو گو تمہاری تسلی شرافت کو دیکھ کر اس نے تمہیں مالا مال کر دیا تھا۔ شرم کی بات ہے کہ میرے چچا کے قتل پر جو کام جوٹھا کھانا[۷۸۱] کھانے والے کر سکے وہ اس وقت تم عزت داروں سے نہ ہو سکا۔"

جے سنگھ اور اس کے وزیروں کی کونسل جب کہ اس نے ان سخت سست الفاظ میں انہیں ملامت کی دو تین وزیروں نے آگے آکر اسکی توجہ کو فوری کام کی طرف مبذول کرایا بعض نے یہ رائے دی کہ ملک چھوڑ کر آپ لوہر کو چلے جائیے کیونکہ رات ختم ہوتے ہی بھکشو کی طرف سے خطرہ لگ جائیگا۔ اس لئے جہاں تک جلد ہو سکے اس کام کو سرانجام دینا لازم ہے۔ بعض اور نے جو زیادہ مستقل مزاج تھے اسے تخت

[۷۸۱] :۔ اس جگہ اشارہ اچل کی لاش کا اس کے ادنےٰ درجہ کے چتر برداروں کے ہاتھوں جلائے جانے کی طرف ہے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳۶۔

کے لئے لڑنے کا مشورہ دیا اور گرگ کے بیٹے پنچ چندر کی مدد لینے کو کہا
جو اس وقت لوہر میں تھا۔
درحقیقت اب جب کہ سُسّل مر چکا تھا کسی کو اس بات کا خیال
تک نہ تھا کہ بھکشو کی مزاحمت کی جائے گی بلکہ آخرالذکر شہر میں داخل ہونے
کے لئے اس طرح تیار تھا گویا یہ اسکا اپنا گھر ہو۔ راجہ کو اس بات سے
دُکھ پہنچا کہ وزیر مجھ پر اعتقاد نہیں رکھتے اور کہنے لگا "کل تم دیکھو گے
اس معاملہ میں کیا کرنا ہے؟"
موقعہ کے لحاظ سے اس نے اس اضطراب کو جو اسے اپنے باپ کی
موت سے ہوا تھا ظاہر نہ ہونے دیا بلکہ پورے طور پر تیار کئے ہوئے
محافظوں کو خزانہ وغیرہ کی حفاظت پر مقرر کر دیا۔ شہر کے اندر لوگوں
میں ایک عجیب ہڑبونگ مچی ہوئی تھی وہ ادھر ادھر دوڑتے پھرتے اور
ایک دوسرے کو زور زور سے آوازیں دے رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
آخری رات (کال راتری) کی مانند اس رات میں بھی خونخوار بیتالوں اور
راکھشسوں کی کثرت ہے چنانچہ ہر شخص کے دل میں اس رات کا خوف
طاری تھا۔ راجہ اس قسم کے چراغوں سے جو جھلملاتے نہ تھے اور ایسے وزیروں
سے جو خیالات میں محو ہونے کے باعث حرکت تک نہ کرتے تھے گھرا ہوا
بیٹھا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا "میں اس وقت محتاج اور بلا لگان
ہوں اور میرا باپ ایک ویران تاریک مکان میں مقتول پڑا ہے جس کے
دروازے بھی بند نہیں ہیں اور جس میں سے باد تند چل رہی ہے۔ افسوس
ہے۔ افسوس ہے میری بدنصیبی پر۔ جب تک میں اس ناقابل برداشت
دھبہ کو اپنے اوپر سے نہ دھو ڈالوں میں دربار میں عزت داروں کو کیونکر منہ

دکھا سکوں گا؟ فوجوں کے افسر کیونکہ آسکیں گے کیونکہ وہ تو ان علاقوں میں ہیں جن پر دشمن کا قبضہ ہے اور راستے بھی بباعث برف باری ناقابل گذر ہو رہے ہیں"۔

غرض اسی طرح فکرو اندیشہ میں سخت ندامت کے ساتھ راجہ نے وہ بھیانک رات کاٹی۔ صبح کے وقت وہ اس غرض سے ہال (چتشکا) میں نکلا کہ اہل شہر کو تسلی دے اور نیز فوجوں کی تلاش میں سواروں کو روانہ کیا۔ عین اس وقت ان بادلوں نے جو جمع تھے سڑکوں کو برف کے بڑے بڑے تودوں سے ڈھکنا شروع کیا۔

سجے سنگھ کا عام معافی کا اعلان کرنا

جب قاصد سخت مصیبتیں جھیل کر واپس آگئے اور انہیں دور سے بھی فوجوں کی خبر تک نہ ملسکی تو راجہ نے تھوڑا غصہ غور کیا اور اس کے بعد ڈنکے کی چوٹ شہر میں منادی کروادی "جو کچھ بھی کسی شخص نے لے رکھا ہے اب میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں نیز ان لوگوں کو (خواہ وہ خطاوار ہی کیوں نہ ہوں) جو دشمن سے مل گئے ہیں معافی دی جاتی ہے"۔ اس پر اہل شہر ہر طرف سے جمع ہونے لگے۔ انہیں اس سے گونہ محبت ہوگئی اور وہ اسے برکتیں دینے لگے۔ راجہ نے جو یہ غیر معمولی طریق سابق راجاؤں سے بالکل خلاف استعمال کیا تھا اسکا اجر اسے فوراً ہی مل گیا اب تک اس کے ہمراہی ایک سو سے بھی کم تھے لیکن اب بےشمار لوگ ہمدردی کا عنصر لئے ہوئے اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ لکشمک نے جو لوگوں کو مہربانی کے الفاظ سے مخاطب کرنا اور انہیں انعامات دینا جانتا تھا مشیر خاص کی جگہ حاصل کرلی۔

جب کہ راجہ اس طرح پر اپنی دور اندیشانہ کارروائی سے ملک میں امن چین پیدا کر رہا تھا بوقت دوپہر بھکشو شہر میں داخل ہونے کے لئے آ پہنچا۔ اس کے ساتھ اس وقت مشترکہ افواج کا ایک ایسا مجموعہ تھا جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا یعنے اس میں ڈامر۔ اہل شہر۔ سوار اور ڈاکو سبھی شامل تھے۔ جب کہ اپنے دشمن کے مرنے کی خبر پا کر وہ تخت حاصل کرنے کی خواہش میں شہر کی طرف کوچ کر رہا تھا کاک کے بیٹے تلک نے راجہ کے لفظ سے خطاب کر کے عرض کیا "سسل جس سے سبھی نفرت کرتے تھے قسمت کی مرضی سے مر چکا ہے تو کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رعایا اس کے بیٹے سے بھی جو اچھی صفات رکھتا ہے منحرف ہو گئی ہوگی؟ اس لئے اے راجہ ایک دن کی خاطر شہر میں داخل ہونے کی کیا جلدی ہے؟ بہتر ہے کہ ہم پدم پور کو چلیں اور اس اثنا میں دشمن کا شہر کا راستہ روکے رکھیں۔ اس صورت میں اگر سبھی و دیگر افسران خاص جن کی فوجیں تباہ ہو چکی ہیں واپس آئے تو انہیں قتل کر دیا جائیگا یا معہ سامان و اسپان کے انہیں روک لیا جائیگا۔ اس کے دو تین دن بعد آپ بڑے آرام سے شہر پر قابض ہو سکینگے اور خود اہل شہر آپ کو طلب کرنے لگیں گے۔"

لیکن بھکشو۔ کوشٹھیشور اور دوسرے باغی رہبروں نے اس نصیحت کی پرواہ کی اور مسکرا کر جواب دیا "ہم بڈھوں کی نصیحتیں کافی سُن چکے ہیں۔" اس وقت کچھ تو اس کے آدمی اس خیال سے کہ اب اسکا عہد حکومت آ گیا ہے اس سے مختلف مراعات طلب کر رہے تھے اور کچھ برفباری شدت کی ہو رہی تھی غرض وہ عارضی طور پر نواحات شہر میں ہی ٹھہر گیا۔

اس اثنا میں گرگ کا بیٹا پنچ چندر معہ سپاہ کے راجہ کے پاس جو

فوجوں سے بالکل محروم تھا آپہنچا۔

بھکشاچر پر تنیج چندر کا حملہ } اب تنیج چندر بہادر راجپوتوں کو ہمراہ لئے اس کلنک کے داغ کو دھونے

میدان میں اترا جو اپنے مقتول آقا کو چھوڑ جانے کی وجہ سے ان پر لگ چکا تھا۔ بھکشو کے سپاہیوں پر یہ حملہ بالکل غیر متوقع حالت میں ہوا انہوں نے گھبراہٹ میں مقابلہ شروع کیا لیکن جب انکے چند ایک آدمی مارے گئے تو لشکر میں ہر طرف اضطراب پھیل گیا۔ فوج کے بڑے بڑے رہبر مثلاً بھکشو۔ پرتھوی ہر وغیرہ بھاگتی ہوئی فوجوں کو جمع کرنے سے قاصر رہے حتےکہ خود ان میں اس قسم کی گڑبڑ مچ گئی جو سپاہیوں کی شان سے بعید تھی اور جس کی نظیر اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔

اس فراری کی حالت میں اگر راجہ کے آدمی ان کا زیادہ دور تک تعاقب کرتے تو ایک لمحہ میں ان کا خاتمہ ہوگیا ہوتا۔ آخرکار جب بھکشو کے ہمراہیوں نے اس طرح اپنا رُخ پلٹ لیا تو قسمت نے نئے راجہ کی عظمت کیوجہ سے مصیبت زدہ شہر کی طرف مہربانی کا رُخ کیا۔ فتح اور شکست کی تقسیم ان دونوں راجاؤں میں اسی طرح پر ہوئی۔ واقعہ میں لوگوں نے کچھ اور سوچا تھا قسمت نے کچھ اور کر دکھایا قسمت جس کی عجیب و غریب طاقت ذہن انسانی میں نہیں آسکتی دریا کی اس کی لہر کی مانند جو ایک کنارے کو بجاتی ہے اور دوسرے کو بناتی ہے ایک لمحہ میں مستقل کھڑے ہوئے شخص کو گراتی اور اس کو جو گرنے والا ہو کھڑا کر دیتی ہے۔

سسجی کا کوچ بجانب سرینگر } دن ختم ہونے والا تھا کہ سسجی مختلف خطرات سے بچتا اس سانپ کی مانند تھکا ماندہ

آ پہنچا جو کسی آگ میں گھرے ہوئے کوہی جنگل سے بچ کر نکل آیا ہو۔ جب اسے راجہ کے قتل کی خبر ملی تو وہ موضع میدہا[۴۸۲] چکر پور میں مقیم تھا۔ مشورہ کرنے کے بعد اس نے رات ہی کو چلنا مناسب نہ سمجھا بلکہ وہیں ٹھہر گیا۔ وہ رلہن اور دوسرے افسروں کا انتظار کرتا رہا جو شور پور و دیگر مقامات میں موجود تھے تاکہ ان کے ساتھ بلا روک ٹوک شہر کی طرف روانہ ہو۔ اس مطلب کے لئے کہ انہیں اس کے کیمپ کی شناخت میں دشواری پیش نہ آئے اس نے اپنے مکان کی چھت پر متواتر آگ جلوا رکھی۔ لیکن باوجود اس انتظام کے وہ لوگ اپنے سپاہیوں کی نافرمانی کی وجہ سے جو مختلف اطراف میں منتشر ہو گئے تھے رات کے وقت راستہ بھول گئے اور اس کے کیمپ میں نہ پہنچ سکے۔ علی الصبح جب وہ روانہ ہوا تو ڈامروں نے ایک لمحہ بھر کے لئے اس کا تعاقب نہ چھوڑا بلکہ حملے کرتے اس کے ساتھ ہی ساتھ چلتے گئے۔ اس کے ساتھ زیادہ تر بڈھے، عورتیں اور بچے تھے انہیں اس نے اپنے آگے آگے لگا لیا اور ان کی حفاظت اس طرح پر کرتا گیا جیسے کوئی گڈریا اپنے مویشی کی کرتا ہے۔ پیچھے مڑ کر پچاس سواروں کی مدد سے دشمن کا مقابلہ کرکے وہ عارضی طور پر اپنے ہمراہیوں کی حفاظت کرتا آیا۔ لیکن سڑک کے دونو طرف تاکستان اور درختوں کے جھنڈ بکثرت تھے کچھ دلیر دشمن پیچھے سے دبلے چلے آ رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر قدم پر اس کے آدمی کم ہوتے

۴۸۲:۔ میدہا چکر پور کی مقامیت نامعلوم ہے۔ چونکہ سجی اس جگہ سرینگر کی طرف کوچ کرنے سے پہلے شور پور کی طرف سے فوج کے دستوں کی آمد کا منتظر تھا اس لئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ جگہ مدر راجیہ کے کسی حصہ میں سوپیان تا سرینگر کی سڑک کے قریب واقع ہوگی۔ چونکہ کشمیر میں چکر پور کے نام اور بھی پائے جاتے ہیں اسلئے اغلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام میدہا اور چکر پور دو

چلے گئے۔ اپنے متوفی آقا اور اس کے مصیبت زدہ بیٹے کو ان کے احسانات کا معاوضہ دینے کی خواہش میں وہ صرف اپنی ہی جان بچا سکا۔ لیکن اس کی حقیقت وہ لوگ کیا سمجھتے ہیں جو شکاری حیوانات کی طرح مناسب موقعہ کا انتظار نہیں کر سکتے خواہ انہیں اس بات کا یقین ہی ہو کہ ہم اس کام میں حصّہ لینے پر مارے جائیں گے۔

ضلع کھدودی کے تندمزاج ڈامر نواحات پدمپور میں اس غرض سے موجود تھے کہ اس تباہی برپا کرنے والے کوچ میں اسے روکیں اور جان سے مار ڈالیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ مرلوک جو بہت بڑی جمعیت لیکر موضع کھیری[۸۳] تلاش سے روانہ ہوا تھا اسی سڑک پر سے کوچ کرتا ہوا گذرا۔

پدمپور میں جنگ اس وزیر کو جنگی سپاہ کا دستہ ثابت تھا۔ سبھی خیال کر کے وہ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے سپاہیوں کو لوٹ لیا اور[۸۴] قتل کر دیا اس لڑائی میں میرد اور سجن دو سوار کام آئے۔ دت کا بیٹا مل زخمی ہوا اور چند دن بعد مر گیا۔

دو ناموں سے مرکب تھا ایک اور چکر پور کے متعلق دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۲۱۳ یہ چکر پور پرہاس پور کے قریب واقع تھا۔

آجکل تسک پور نامی جو گاؤں کرال پور کے جو شاہراہ سوپیاں پر واقع ہے مشرق کی طرف ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس کے نام کی ابتدا بھی چکر پور ہی سے معلوم ہوتی ہے لیکن آگے چل کر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۴۱۳ میں پدم پور کا جو ذکر آتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخر الذکر مقام جو سری نگر کے اسقدر قریب واقع ہے مقصود نہیں۔

[۸۳] :- اس گاؤں کا ذکر صرف اسی جگہ پایا جاتا ہے اور اس کی مقامیت اب معلوم نہیں

اس جگہ ادیپ پور[۴۸۵] بال نامی ایک مقام ہے جو اس وجہ سے دشوار گذار ہے کہ طغیانی کی وجہ سے اس جگہ ایک دلدل بنی ہوئی ہے جس میں پانی بھرا رہتا ہے۔ سریوک[۴۸۶] جس کے سپاہی رک گئے تھے جب پدم پور سے باہر پہنچا اور ہر قدم پر لڑتا ہوا جا رہا تھا اس کی گردن میں ایک تیر لگا۔ ڈامروں نے جب دیکھا کہ وہ سجی نہیں تو انہوں نے اسے لوٹ تو لیا کیونکہ زخم آنے کی وجہ سے وہ بیکس ہو رہا تھا۔ البتہ سابقہ دوستی کا خیال رکھتے ہوئے اس کی جان بچا دی۔

ادھر تو یہ لوگ سریوک کی فوج سے لوٹا ہوا مال لے جا رہے تھے اور ان میں سے چند ایک پہلے روانہ بھی ہو چکے تھے ادھر میدان خالی پا کر سجی بے کھٹکے وہاں سے گذر گیا۔ اگر شیر کی عمر دراز ہو تو شکاری کا اس کے لئے لگایا ہوا پھندا اور

ہو سکی۔ ممکن ہے اس نام کا پہلا جزو ضلع کھیری سے لیا گیا ہے۔

۴۸۴ یہ ل پہلے تھوڑا عرصہ کھیری میں بھی انچارج رہ چکا تھا۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۹۶۰-۹۶۷۔

۴۸۵ اگر یہ فرض کر لیں کہ بال سے مراد اس جگہ کشمیری لفظ بل بمعنی "جگہ" سے ہے جو کشمیر کے مقامی ناموں کے آخر میں بہت جگہ پایا جاتا ہے تو ہم لفظ "اودے پا پور پال" کا ترجمہ یہ کر سکتے ہیں۔ "وہ جگہ جہاں طغیانی کا پانی بہ کر جاتا ہو"۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۴۲۲ میں اسی جگہ کے لئے لفظ اودی پاشو بھر استعمال ہوا ہے۔ پدم پور (پامپر) کے عین نیچے کی طرف جو دلدلی زمینیں موجود ہیں ان میں دریا کے دائیں کنارہ اب تک ہر سال وتستا کی طغیانی کے موقعہ پر پانی آ جاتا ہے۔

۴۸۶ سریوک ایشوراج کا برادر نسبتی تھا جسے سسل نے جلا وطن کر دیا تھا اور جو بھکشو سے جا ملا تھا۔ یہ خود بھی ایک بار جلا وطن رہ چکا تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۳۴-۱۰۰۹ و ۱۱۵۱۔

تیر کسی آوارہ گرد کے جنگل میں داخل ہونے سے ٹوٹ جانا ممکن ہے۔ جب بھی
چپ چاپ اپنے سپاہیوں سمیت پدمپور میں سے گذر گیا تو ڈامروں نے اس
وقت اسے شناخت کر لیا جبکہ وہ طغیانی کی دلدل کے قریب پہنچا۔

ان کے مال و اسباب۔ ہتھیار اور پیادوں کی دوسری چیزیں لوٹنے کیطرف
توجہ نہ دیکر اس نے دلدل[۴۸۳۳] کو عبور کیا اور ایسے میدان میں جا پہنچا جہاں گھوڑے
اچھی طرح قدم اُٹھا سکتے تھے۔ جب وہ دشمن کے خطرہ کی حد سے باہر نکل گیا تو
اس وقت اس نے تیوری چڑھا کر پہلی اُنگلی ہلا کر اور گالیاں نکال کر انہیں دھکانا
شروع کیا۔ انکے ہاتھوں صرف اس کی چھتری بچ رہی تھی جسے لئے وہ شہر میں
داخل ہوا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر راجہ کے سامنے حاضر ہوا۔ جب یہ راجہ کے
پاس پہنچا تو آخر الذکر نے اس طرح پر گویا کہ وہ اس کا بڑا بھائی ہو دکھ درد کے
آنسو بہلنے شروع کئے اور ان آنسوؤں کے ساتھ ہی دشمن کے خطرہ کو دل
سے نکال دیا۔

اننت کے بیٹے مہاتما اننند[۴۸۳۴] کو اس روز ڈامروں نے اس وقت مار ڈالا
جبکہ وہ موضع لوچنودار[۴۸۳۵] میں سے کوچ کر رہا تھا۔ چونکہ مختلف خوشی کے موقعوں پر

۴۸۳۳ دریا کے دائیں کنارہ کی طرف جو سڑک سرینگر کو جاتی ہے وہ پدم پور کے نیچے والی
دلدلی زمینوں پر سے گذرنے کے بعد ایک کھلی چٹانی سطح مرتفع پر سے گذرتی ہے۔

۴۸۳۴ آنند کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۶۳۳۔

لوچنودار کی مقامیت کا اب کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس نام کے آخری حصہ میں جو لفظ اُدار
پایا جاتا ہے وہ وادی کشمیر میں سطوح مرتفع یعنی اُدر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ
سریور کی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۴۶۵ - ۵۹۲ - ۵۹۶ میں گشک اُدار کا جو نام پایا
جاتا ہے اس سے مراد گوش اُدر سے ہے جو رامو اور خانپور سرائے کے راستہ میں واقع ہے

اس نے ٹیکسوں (منگلے ڈنڈ)[۷۸۹] کی صورت میں لوگوں پر ناقابل برداشت جبر کیا تھا اس لئے جب وہ اس افسوس ناک انجام کو پہنچا تو کسی نے اس پر رحم نہ کیا۔

ڈامروں کا افسران شاہی کا محاصرہ کرنا

سجی کا ایک ہمراہی بھاس لوک پنیہ سے بھاگ کر تھکان کی حالت میں اونتی پور میں اونتی سوامن نامی وشنو کے مندر کے صحن میں جا داخل ہوا۔ ہولدا کے ڈامروں نے غصہ میں آکر اسے اور کمپنو گراہک[۷۹۰] کشیمانند کا محاصرہ کر لیا۔ کلراج کے خاندان سے تعلق رکھنے والے اندوراج کا جو ایک فوجی افسر تھا تک نے دھیانووار[۷۹۱] میں محاصرہ کر لیا تھا جس پر اس نے بظاہر اس کا طرفدار بننے پر رضامندی ظاہر کی۔ پنچ دیو اور فوج کے اور بہت سے رہبروں کو بھی کرمراجیہ میں ڈامروں نے محصور رکھا۔

ایسے ہی سرپور کی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۶۲۰ میں دامودر اوار سے مراد موجودہ دامدر اُدر سے ہے۔ زمانہ قدیم میں اس قسم کے ناموں کے لئے لفظ سود استعمال ہوتا تھا۔

[۷۸۹] اس جگہ اشارہ ان ٹیکسوں کی طرف معلوم ہوتا ہے جو شادی یا خوشی کے موقعوں پر وصول کئے جاتے تھے۔ زمانہ حال میں اس قسم کے ٹیکسوں کی وصولی کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۳۸۹ کتاب ہذا۔

[۷۹۰] کمپنو وگراہک سے مراد اس جگہ کسی ایسے اہلکار سے معلوم ہوتی ہے جس کا فوج سے کچھ تعلق ہوا کرتا تھا۔ کمپن کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۲۲۴ کتاب ہذا یہ لفظ سوائے اس جگہ کے اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔

[۷۹۱] دھیانووار کی مقامیت کا آجکل کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵۰۸-۱۵۱۰ سے اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ وادی کے کسی مشرقی حصہ میں واقع ہوگا۔ مقابلہ کرو جوناراج کی راج ترنگنی شلوک ۱۲۰ سے۔

جس طرح درختوں کے گرنے پر پرندوں کے وہ چھوٹے چھوٹے بچے جنکے انپر گھونسلے ہوتے ہیں مرجاتے ہیں ایسے ہی مختلف مقامات میں راجہ کے آدمی مقتول اور زخمی ہوئے۔ بہتوں کے پاس جوتے یا کپڑے نہ تھے برف سے انکے پاؤں ٹھٹھر گئے اور وہ سڑکوں پر مارے بھوک کے مر گئے۔ اس وقت شہر کی طرف جانے والی سڑکوں پر صرف وہی لوگ نظر آتے تھے جن کے جسم گھاس پھوس سے ڈھکے ہوئے ہوں۔ چترتھ اور دوسروں نے بھی جو عنقریب وزیر بننے والے تھے گھاس ہی کا لباس پہن لیا۔

اس سے اگلے روز بھی بادلوں سے شدت کی برفباری جاری رہی حتےٰ کہ پرندے بھی پر مارنے نہ نکل سکے اس حالت میں دھنیہ اپنی سپاہ کو پیچھے چھوڑ کر بھکشو کی فوج سے جو ونگرام[۹۲] میں تھی سنگھ دیو کے پاس چلا آیا۔ جب بھکشو کے سپاہیوں نے سنا کہ ہمارے ساتھیوں کی راجہ کے ہاں قدر ہے تو سبھی شہر کی طرف چلنے پر آمادہ ہو گئے۔

سسل کی رانیوں کا ستی ہونا

اس وقت جبکہ غنیم کی طاقت زوال پذیر تھی اور مناسب موقعہ آپہنچا تھا چار رانیاں موت میں راجہ کا ساتھ دینے محل سے نکلیں۔ لوگ کچھ تو دشمن کے حملہ کے خوف اور کچھ سخت جاڑے کی وجہ سے ٹھٹھر رہے تھے اس لئے وہ انہیں دور شمشان تک لے جانے کو تیار نہ ہوئے۔ پس انہوں نے جلدی میں اپنے

[۹۲] آجکل ونگام کے نام کے دو گاؤں موجود ہیں جن میں سے ایک حل پرگنہ اور دوسرا کتھار پرگنہ میں واقع ہے۔

چونکہ بھکشاچر کے طرفداران یعنی پرتھوی ہر اور اس کے کنبہ کے آدمی سمالاحل کے رہنے والے تھے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اول الذکر مقام ہی سے مراد ہے۔

آپ کو سکندہ بھون دھار[۷۹۳] کے قریب بھسم کر دیا۔ جو محل سے زیادہ فاصلہ پر نہیں تھا۔ چمپا کی رہنے والی رانی دیو لیکھا جس کا حسن ایسا تھا کہ اس سے بڑھ کر خالق نے کبھی کسی کو نہیں دیا مع اپنی بہن ترل لیکھا کے آگ میں داخل ہوئی۔ ولا پور کی جچلا جو نیکیوں کے لئے مشہور تھی اس جگہ کام آئی اور گگ کی بیٹی راج لکشمی بھی وہیں بھسم ہوئی۔

ڈامروں کا خیال تھا کہ نیا راجہ ہمارے آقا سے صرف اس وقت تک تخت کو سجا سکتا ہے جب تک برف نہ پگھل جائے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس کا مذاقیہ نام ہمراج (برف کا راجہ) رکھ چھوڑا تھا۔ اس اثنا میں سسل کا سر بھکشو کے روبرو لایا گیا اور اس نے گویا اسے اپنی تنفر آمیز قہر آلودہ نگاہ ہی سے جلا دیا۔

کوشٹھیشور۔ جیشٹپال وغیرہ چاہتے تھے کہ اس سر کو جلا دیا جائے لیکن چونکہ بھکشو کے باقی مشیر اس بات پر رضامند نہ تھے اس لئے اس نے دشمنی کی وجہ سے انہیں بھی منع کر دیا۔

جب برفباری بند ہوئی تو وہ جنگ کرنے شہر کی طرف روانگی کی تیاریاں کرنے لگا اور اس عدم توجہی کو دیکھ کر جو اس کے ہمراہی دشمن کی طرفداری کی دھن میں اس سے برت رہے تھے کہنے لگا۔

[۷۹۳] نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں بیان کیا گیا ہے کہ سکندبھون وہار اس جگہ واقع ہوا کرتا تھا جہاں آجکل کھندبون ہے۔ اس جگہ سے لیکر نئے محل کی اغلب جائے وقوع تک جس کا ذکر نوٹ نمبر ۵۰ کتاب ہذا میں کیا گیا ہے $\frac{3}{4}$ میل کے قریب فاصلہ ہے یہ راستہ ایسے حصے میں سے ہو کر گذرتا ہے جو کلہن کے زمانہ میں شہر ہی کی حدود میں داخل ہو گا۔ جزیرہ مائسیم کا مرگھٹ شہر کے باہر واقع تھا اور اس طرح پر اس پر حملہ ہو سکتا ہے۔

"میں سوچا کرتا تھا کہ پرتھوی ہر زندہ ہے[۷۹۴] تو میں تخت پر جبراً قابض ہو سکونگا لیکن اگر وہ مرگیا تو سسل کے وفات پاتے ہی تخت پر قبضہ کر لونگا۔ قسمت کی مرضی دیکھئے کہ بخلاف ان امیدوں کے گو میرا مخالف مرگیا ہے تاہم اس کے ساتھ میری تخت کی امید بھی دور ہو گئی ہے۔ لیکن اب مجھے اس تخت کی کیا پرواہ ہے جو صرف دنیاوی خوشیاں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے؟ جو بات خواہش کے لائق ہے اسے میری طرح کامل طور پر اور کون حاصل کر سکتا ہے؟ اس شخص کا سر جس نے میرے آباؤ اجداد کے سروں کو زمین پر گرایا تھا آج میرے محل کے دروازے پر لڑکتا پھر رہا ہے۔ اس نے میرے بزرگوں کی خوشی میں دس ماہ تک خلل ڈالا تھا لیکن میں نے دس سال اسے طرح طرح کی تکلیفیں دی ہیں۔ اب جبکہ میرا کام پورا ہو چکا ہے میں اپنی باقیماندہ زندگی اپنے من کی خواہش بجھا لینے کے بعد آرام سے بسر کرونگا۔"

ایسے الفاظ لکھروہ تک کے پاس چلا گیا اور جب آخرالذکر نے اسے نمسکار کی تو اس نے ازراہ عنایت اسے ایک طلائی صراحی ایک سفید چھتری اور اور عطیات دیئے۔ تِلک نے اب اس کے اندر ایسے تشفی آمیز الفاظ بھرنے شروع کئے کہ تخت کی امید پھر اس کے دل میں پیدا ہو گئی اور جن کی طرح اسے چمٹ گئی۔ اس پر وہ اس جگہ سے واپس چلا آیا اور دل میں غور و خوض کرتا اور رز کام میں مبتلا رہا۔

سسل کی لاش } لونیوں نے راجہ کی لاش[۷۹۵] اس غرض سے محفوظ رکھ

---

[۷۹۴] اس جگہ اشارہ پرتھوی ہر کی موت کی طرف معلوم ہوتا ہے جس کا ذکر آخری مرتبہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۹۷ میں آتا ہے۔ ایک ایسے اہم واقعہ کا ذکر نہ کئے جانے کا باعث ممکن ہے مصنف کی سہو یا مسودہ میں کسی نقص کا موجود ہونا ہو۔

چھوڑی تھی کہ اس کی جہاں تک ممکن ہو بیعزتی کریں۔ لیکن شہر کے ایک سپاہی سجک نے دشمن کی طرف سے متوفی راجہ کے احسانات کو یاد رکھتے ہوئے خیال کیا۔ "جب ایک حکمران مرگیا تو پھر اس کی لاش کی ایسی درگت کرنے سے فائدہ؟" چنانچہ اپنا استعجاب رفع کرنے کے بہانہ سے وہ لاش تک پہنچ گیا اور لڑائی میں محافظوں پر غالب آکر دھڑ (واشنک) کو جلا دیا۔ ایک ایسے شخص کی زبانی جسے دیوتاؤں کی طرف سے الہام ہوا کرتا تھا ایک افواہ پھیل چکی تھی جس کی وجہ سے لوگ سسل کے قتل کی طرح کے ایک اور واقع کے متوقع تھے۔ یہ افواہ اس مطلب کی تھی کہ متوفی راجہ لوکک سمت ۴۱۹۴ سے اپنی رعایا کو اس لئے تباہ کرتا تھا کہ اس پر دیووں کا قبضہ تھا جو اسے دھوکے میں ڈالے رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ امر بھی لازم تھا کہ جو شخص اس کا سر کاٹے اور اِدھر اُدھر لئے پھرے وہ سوتا ہوا مر جائے۔ چنانچہ یہی واقعہ ظہور میں آیا۔[۷۹۶]

---

[۷۹۵] ان سطور سے واضح ہوتا ہے کہ جب اُتپل اور اس کے آدمی محل میں شاہی فوجوں کی فراری کے بعد دوبارہ گھس آئے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۳۴۶) تو وہ نہ صرف سسل کا کٹا ہوا سر اُٹھا کر لے گئے بلکہ اس کی لاش کو بھی لے گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا اور راجہ کی بے سر کی لاش کو وہ چھوڑ جاتے تو اس صورت میں سمجھ میں نہیں آتا۔ کیوں جے سنگھ شہر اور محل کا مالک ہوتے ہوئے دھڑ کے جلوانے کا انتظام نہ کرتا۔ اس امر کو واضح کر دینا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۴۶ کو جس ڈھنگ سے لکھا ہے اس سے اس کا مطلب صاف طور پر واضح نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر ترجمانوں نے اسکے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔

[۷۹۶] ان شلوکوں میں کلہن سسل کے قاتلوں کے یکایک مرجانے کا باعث بھی انہی اجنہ کو قرار دیتا ہے جو اس راجہ کی زندگی کے آخری سالوں میں اسکے جسم پر قابض تھے

تب بھکشو نے تہذیب و شائستگی کو بالائے طاق رکھ کر اپنی بیحد نفرت ظاہر کرنے کے لئے دشمن کا سر راجپوری بھیج دیا۔ اس جگہ اوچل کی بیٹی رانی سوبھاگیہ لیکھا نے اپنے نوکروں کے ذریعہ ان شخصوں کو قتل کرانے کی کوشش کی جو اس کے چچا کا سر لئے پھرتے تھے۔ جب راجپوری میں فتنہ و فساد مچ گیا تو یہ سر اس کے شوہر سومپال کے روبرو پہنچا جو کچھ فاصلہ پر مقیم تھا۔ یہ بدبخت کمش راجہ شراب پیکر بدمست ہو جاتا اور گنوارانہ حرکات کیا کرتا تھا اور چونکہ حیوانات کی طرح دوسروں کے بس میں تھا اس لئے اس کی حالت قابل رحم تھی اب اس کے مشیروں نے مختلف طریقوں پر اس بارہ میں بحث شروع کی کہ اس سر کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے ان میں سے ہر ایک اپنے نقطہ خیال سے ادب یا بے ادبی کے طریقوں کو بیان کر رہا تھا۔

ناگ پال جو اس موقعہ پر اپنے بھائی سے صلح کر کے اس کے پاس ہی رہا کرتا تھا اسے یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ اس کے مربی کے سر سے یہ بدسلوکی ہو۔ اسکے علاوہ دوسرے دور اندیش لوگوں نے بھی جنہیں کشمیر کی طرف سے سزا کا خوف لگا ہوا تھا یہی مشورہ دیا کہ سومپال کو لازم ہے کہ وہ ہر طرح اس سر کا مناسب اعزاز کرے۔ قسمت واقعی اٹل ہے اور اگر گیڈروں کو خوشی خوشی شیر کے ساتھ پھرتے دیکھا جا سکتا ہے تو قسمت[۷۹۷] میں بھی تبدیلی کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔

---

[۷۹۷] اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس شلوک کا مطلب ہے لفظی ترجمہ نہیں کیونکہ وہ غیر مربوط ہے۔ کلہن کا اشارہ درحقیقت اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ بھکشاچر نے اس سر کو قابل عزت طریقہ پر ٹھکانے لگانے سے انکار کیا تھا۔

[۷۹۸] اس جگہ جس گوپال پور کا ذکر آتا ہے وہ علاقہ راجپوری میں واقع ہوگا۔ اس لئے یہ وہ جگہ نہیں ہو سکتی جس کا ذکر ترنگ ۵ کے شلوک ۲۴۴ میں کیا گیا ہے۔

غرض آخر کار گوپال[۹۸] پور میں اس کے دشمنوں نے اس کے سر کو سیاہ مصبر اور صندل کی لکڑیوں پر رکھ کر جلا دیا۔ جیسا کہ اس نے بار بار شاہی طاقت کو حاصل کیا اور کھویا تھا جیسے کہ میدان جنگ میں اسے کامیابی اور ناکامی کا منہ باری باری دیکھنا پڑا تھا۔ جس طرح وہ مختلف طویل مصیبتوں اور تکلیفوں سے گذرا تھا ایسے ہی اسکے مرنے پر عجیب و غریب وقوعے دیکھنے میں آئے۔ اس کی طرح اور کس شخص کے ساتھ ایسا سلوک ہوا تھا کہ اس کا سر ایک اور جسم دوسرے ملک میں جلایا گیا ہو؟

اونتی پور کا محاصرہ جبکہ تک اور اس کے ہمراہی براستہ اونتی پور شہر کی طرف کوچ کرتے چلے آرہے تھے وہ اس جگہ بھاس وغیرہ کو مارنے کے لئے ٹھیر گئے جو پہلے سے محصور تھے ہر چند کہ انہوں نے آگ جلا کر۔ پتھر پھینک کر اور شگاف کر کر کے اُن سے لڑائی کی تاہم باوجود کوشش بسیار کے وہ انپر غالب نہ آسکے۔ مندر کی سنگین دیواروں[۹۹] میں محفوظ رہ کر محصورین محاصرین کو مار رہے تھے اور انکے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا معاملہ ہو رہا تھا۔ جبکہ وہ اس طرح تاخیر میں پڑے ہوئے تھے راجہ نے دانائی سے اس عرصہ میں کھرودی کے ڈامروں کو رشوت دیکر اپنے ساتھ ملالیا۔ ان سے یرغمال لیکر اس نے جلدی سے سجی۔ پنچ چند روغیرہ کو بھاس اور اس کے ساتھیوں کی مدد کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ ابھی اونتی پور میں نہ پہنچے تھے کہ تک اور اس کے ساتھی کیہ کے بیٹے (وجے) اور اس کے ہمراہیوں کو جو ہراول کا کام دیتے تھے دیکھ کر منتشر ہو گئے اس پر بھاس اور اس کے ہمراہی مندر سے نکل کر سجی سے آملے اور منتشر فوج کے بعض جوانوں کو راستہ میں مار ڈالا۔

[۹۹] اونتی پور کے دونوں تباہ شدہ مندروں کے چوکور اور وسیع صحن ہیں جن کے گرد بڑی بڑی بھاری دیواریں کھچی ہوئی ہیں۔

جب کمانڈر انچیف اس طرح پر فتح و نصرت کے ساتھ واپس لوٹا تو اندوراج نے بھی مع اپنے ہمراہیوں کے تنک کا ساتھ چھوڑ دیا اور یہ لوگ شاہی فوج میں واپس آملے۔ اب راجہ نے چترتھ۔ سرلوک۔ بھاس وغیرہ کو دفتر پاواگر۔ دوراپتی ضلع کھیری وغیرہ کے عہدے دیئے۔ اس میں شک نہیں کہ سبھی کے اختیارات برقرار رہے لیکن خود راجہ کو بھی۔ چیمبرلین لکشمن کے چہرے کی طرف دیکھنا پڑتا تھا دوسرے وزیروں کی نسبت تو کیا ذکر کیا جائے؟

خود راجہ کو چیمبرلین کا لحاظ کرنا پڑتا تھا۔ ڈامروں۔ کے بیشمار قبائل اسکے زیر اثر تھے اور وہ ان میں طرح طرح سے نفاق کا بیج ڈلواتا جا رہا تھا۔ دشمنوں کے فریق میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس کے ایما پر راجہ سے نہ آملا ہو یا ملنے پر آمادہ نہ ہو۔ چالاک راجہ چیمبرلین سے بظاہر ایسا برتاؤ کرتا تھا کہ اپنے راجہ ہونے تک کو چھپاتا تھا اور لکشمک کی رائے لئے بغیر کھانا تک نہ کھاتا تھا۔

جس وقت جے سنگھ کو اس طرح شہر کے اندر پاؤں پسارنے کی جگہ مل گئی تو وہ اس پھل کی نگرانی کرنے لگا جو پک رہا تھا۔ ششر (ماہ ماگھ و پھاگن) کے اختتام کے قریب بھکشو تمام ڈامروں کو وجیشور میں جمع کر کے شہر کی جانب اس پر قابض ہونے کی امید میں روانہ ہوا۔ ڈامروں نے جب اپنی فوجوں میں اس قسم کی یک جہتی دیکھی جیسی کہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی تو انہوں نے جان لیا کہ اب سلطنت ضرور بھکشو کے ہاتھوں میں چلی جائیگی اور انہیں اندیشہ پیدا ہونے لگا۔

سومپال کے ساتھ ڈامروں کی سازش

انہوں نے خیال کیا کہ وہ چونکہ ہم میں سے ہر ایک کے چال چلن۔ دلیری۔ دوستی۔ دشمنی وغیرہ سے بخوبی طور پر واقف ہو چکا ہے اس لئے

تخت پر قابض ہوتا ہی وہ ہم پر حملہ کر دیگا۔ اس لئے انہوں نے مل کر کونسل کی اور خفیہ طور پر سوم پال والئے راجپوری کے پاس قاصد بھیجکر اسے تخت دینا چاہا اس پر اس نے بھی اپنا سفیر روانہ کیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ اپنے ذاتی اور اخلاقی نقائص کی وجہ سے وہ چونکہ ایک جنگلی جانور سے بہتر درجہ نہیں رکھتا اس لئے ہم جس طرح چاہینگے حکومت کرینگے۔ گو لٹیروں کی اس مجلس نے اپنی خوشیاں حاصل کرنے کی خواہش میں تمام اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا تھا لیکن قسمت نے انکی مجوزہ بدترین خرابی اس ملک کے اندر ظہور میں نہ آنے دی۔ بے عزتی کو تو جلنے دو کیا یہ ممکن تھا کہ ایک ایسا شخص جو غلام ہونے کے لائق بھی نہ تھا تخت پر بیٹھ کر تھوڑا عرصہ بھی حکومت کر سکتا؟ کھیت میں تنکوں کا آدمی بنا کر کھڑا کر دیا اور اس کا منہ آگ سے جھلس دیا جاتا ہے۔ اور وہ چڑیوں کے جھنڈوں کو ڈرا کر چاولوں کی فصل کو محفوظ رکھتا ہے لیکن اگر اسے جنگلی درختوں کی حفاظت پر مقرر کر دیا جائے تو وہ تباہ کن جنگلی ہاتھیوں کی دستبرد سے انہیں بچانے کے متعلق کیا کر سکیگا؟

سوم پال کا سفیر جو بظاہر اپنے آقا کی طرف سے مبارکباد کا پیغام دینے بھکشو کے پاس آیا ہوا تھا خفیہ طور پر ڈامروں کو یرغمال دینے کی ترغیب دیتا رہا۔ ادھر ماہ بیساکھ میں سجی حملہ کے لئے روانہ ہوا اور شہر سے بسرعت چل کر گمبھیر اندی کے کنارے جا پہنچا۔

اس شخص کی الوالعزمی واقعی قابل تعریف تھی کہ وہ بہادروں کے اتنے بڑے مجمع کے روبرو اکیلا لڑنے کے لئے نکلا۔

گمبھیر اندی کے کنارے سجی کی فتح

بہادرانہ معرکوں کے دوران میں یہ امر کچھ تعجب خیز نہیں ہوتا کہ

جنگ میں ایک آدمی لاکھوں کو مارے یا ایک لاکھ سے ایک مر جائے۔ چونکہ پل موجود نہ تھا اس لئے دریا کو عبور کرنے کے ناقابل ہو کر وہ دوسرے کنارے پر دشمن کی جمعیت پر غور کرتا رہا جدھر سے اب تیر چل رہے تھے۔ دو تین راتوں تک یہی حال رہا کہ فریقین بالکل تیار دریا کے دونوں کناروں پر اس امر کے منتظر رہے کہ دشمن پر حملہ کرنیکا مناسب موقعہ تلاش کیا جائے۔ سجی نے اونتی پور سے کشتیاں منگوا کر ایک پل بنوایا اور خود گھوڑے سمیت ایک کشتی میں بیٹھ کر دریا کو عبور کیا۔ دشمن کی فوج نے جب اسے چند منتخب سپاہیوں سمیت دریا کو عبور کرتے دیکھا تو وہ لوگ اضطراب سے اس طرح ہلنے لگا جیسے ہوا کا جھونکا لگنے سے درختوں کی قطار ہل جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک لمحہ کے عرصہ میں اس نے کنارے پر چڑھ کر پل تیار کروایا اور اس کے سپاہی دریا کو عبور کرنے لگے جنہیں دیکھتے ہی دشمن کی جمعیت منتشر ہو گئی۔ اس وقت وہ فوج اس طرح بے تحاشا بھاگی کہ کوئی تلوار چلانے والا کوئی فوجی۔ کوئی برچھا چلانے والا یا تیر انداز مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکا۔

اتفاق سے کوشٹیشور کے گھوڑے کی زین کا بند پورے طور پر کسا ہوا نہ تھا اس لئے کاٹھی ڈھیلی ہو گئی اور اس کے ہمراہی سوار ایک لمحہ کے لئے رک گئے۔ لیکن جب سجی نے تعاقب کیا تو یہ لوگ بھی اس طرح منتشر ہو گئے جیسے ہوا کے آگے گرد کا تودا اڑ جاتا ہے۔ دشمن کے آدمی کچھ تو قتل ہو گئے۔ کچھ لٹ گئے اور کچھ منتشر ہو گئے۔ باقیماندہ اپنی خراب وخستہ حالت میں دھیا نودار اور دوسرے گاؤں میں جمع ہوئے۔

ادھر بھاس نے جو ہراول میں تھا وتسٹہ کا وہ پل عبور[ششہ] کر کے جو وجیشور سے

ششہ وجیرور کے مقام پر اب بھی دریائے وتسٹہ پر ایک پل ہے جو اس پل سے جسکا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے مشابہ ہے

پہلے آتا ہے دشمن کو بھگا دیا۔ اگلے روز جب کمانڈر انچیف (سجی) رات وجے کشتیر[۵۰۱] میں گذار کر وہاں پہنچا تو دشمن دھیانو دار کی طرف کو ہٹ گیا۔ جبکہ اس جگہ چند دن انتظار کرنے کے بعد وہ دیوسرس جانے کو تھا تک کے رشتہ دار اس کا ساتھ چھوڑ کر اس سے آملے۔ اس کے بعد دیوسرس میں داخل ہو کر اس نے تک کے بجائے اس کی جگہ (پوزیشن) اپنے آدمی جے راج اور ریشو راج پسران بھوجک کو مامور کیا۔

بھکشاچر کی فراری

بھکشو اور اس کے ساتھی اس کے تعاقب کی وجہ سے شور پور اور کوشٹھیشور کی طرف چلے گئے اور باقی ماندہ لوگ بھی یہ دیکھکر کہ اب ہماری جمیعت منتشر ہو گئی ہے اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے۔ جس وقت سومپال کا سفیر خطرے کی حالت میں بھاگا جا رہا تھا تو وہ یہ کہکر اپنے آقا کو گالیاں دیتا تھا "اس کنیز زادہ نے مجھے کہاں بھیجا ہے" اس نے خیال کیا کہ ایسے عظیم اور معرکہ کے کاموں کے متعلق میرے آقا کی خواہش ویسی ہی ہے جیسے گیدڑ کی خواہش شیرنی کا رتبہ حاصل کرنیکی ہو۔

غرض اس طرح پر سجی نے چند ہی یوم کے عرصہ میں ملک کو دشمنوں سے پاک کر کے وہ سلطنت اپنے آقا کے بیٹے کے سپرد کر دی جو اس کے آقا کی غلطیوں کی وجہ سے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ راجہ نے رشوت کے ذریعہ سمالا کے زبردست ڈامروں اور ان اہل شہر کو جواب تک بھکشو کا ساتھ دیئے جاتے تھے اپنے بس میں لانے کی کوشش کی۔ اس غرض کے لئے کہ راجہ کی طاقت کا امتحان کر کے بعد ازاں جو مناسب معلوم ہو وہ کیا جائے یہ لوگ ایک متفقہ حملہ کے لئے

[۵۰۱] گمبھیر یا وشوکا کے نچلے حصہ سے وجیشور تک تقریباً ۴ میل کا سیدھا فاصلہ ہے۔

جمع ہوئے اور لڑائی شروع ہوئی۔

جنگ دامودر آخرکار دامودر[۸۰۲] میں وہ معرکہ کی لڑائی ہوئی جس میں بہت سے بہادر کام آئے اور جہاں گرد میں چھپے ہوئے بیشمار سپاہی ادھر ادھر دوڑتے اس طرح معلوم ہوتے تھے گویا پردے کے پیچھے ایکٹر ناچ رہے ہوں۔ سہج[۸۰۳] پال کا باپ زخمی ہوکر کوشٹیشور کے قابو آچکا تھا لیکن اس نے اسے بچاکر اپنے اور اپنی رعایا کے لئے دائمی شہرت حاصل کی۔ اس جگہ راجہ اور بھکشاچر نے یکساں داد شجاعت دی لیکن آخرکار بھکشو کو وہاں ایسی شکست کامل نصیب ہوئی جس کا کسی کو خواب و خیال بھی نہ تھا۔ اس دن کے بعد بھکشو کی فوج کی یہ حالت ہوگئی کہ اس میں جو سپاہی شام کو ہوتا وہ دن کو نظر نہ آتا تھا اور جو آج ہوتا وہ کل تک غائب ہو جاتا تھا جبکہ اہل شہر اور ڈامر اس طرح پر دشمن کا ساتھ چھوڑکر راجہ سے مل رہے تھے۔ جنہیں وہ مناسب انعام و اکرام دیتا تھا منجیشور[۸۰۴] اور کوشٹ میں راجہ کے ساتھ جا ملنے کی خواہش پیدا ہوگئی کیونکہ وہ

---

۸۰۲ دامودر سے مراد بلا شبہ دامدر اُدر سے معلوم ہوتی ہے جو سرینگر کے جنوب میں واقع ہے اور جس کا نام کلہن نے ترنگ ا کے شلوک ۱۵۷-۱۶۷ میں دامودر سود اور ترنگ ۶ کے شلوک ۱۸۳ میں دامودر آرنیہ (دامودر کا جنگل) لکھا ہے۔

۸۰۳ جیسا کہ ترنگ ۸ شلوک ۱۳۲۶ سے واضح ہوتا ہے سہج پال بہاوک کے جانشینوں میں سے ایک تھا جس کا ذکر ان راجپوت سرداروں میں آیا ہے جو سسل کے حامی تھے۔ معلوم ہوتا ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۸۵ میں سہجک کا نام اسی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ راماپال جس کا ذکر ایک اور شلوک میں آتا ہے اس کا باپ تھا۔

۸۰۴ منجیشور پرتھوی ہر کا چھوٹا بھائی ہے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۰۶۰) اور بھکشاچر کے بڑے حامیوں میں سے ایک معلوم ہوتا ہے۔

دونوں آرام اور نفع کے طالب تھے۔ یہ حال معلوم کر کے بھکشو ماہ اساڑھ میں کاکردہ سے اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لئے باہر کو روانہ ہوا۔

چند بڑے بڑے ڈامر اس کے پیچھے پیچھے گئے اور سابقہ تعلقات کی وجہ سے انہوں نے اسے منانے کی کوشش کی لیکن وہ ان سے ناراض ہو چکا تھا اور یہ اسے کسی طرح بھی رضامند نہ کر سکے۔ کوشٹھیشور چونکہ ایک بے اخلاق فاحشہ عورت کا بیٹا تھا اس لئے اسے اس حالت میں بھکشاچر کی خوبصورت بیویوں کا عشق چرایا۔ لیکن ایسا کون شخص ہے جو شیر کی ایال سانپ کے من یا آگ کے شعلے یا شوہر کے جیتے جی اس کی بیوی کو ہاتھ لگا سکے۔

بھکشاچر کا کشمیر سے روانہ ہونا سوم پال کا چونکہ سسل کے بیٹے سے ایک عہد نامہ ہو چکا تھا اس لئے جب بھکشاچر نے اس کے ہاں پناہ مانگی تو اس نے انکار کر دیا۔ راجہ کو جب ہر طرح اپنی زندگی کے درپے دیکھا تو ناچار خائف ہو کر بھکشاچر سلہری[۸۰۵] کی طرف روانہ ہوا یہ مقام سرحد پر ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں تک پہنچنا مشکل تھا۔ حقیقت یہ ہے

کوشٹ پرتھوی ہر کے بیٹے کا مختصر نام ہے جس کا پورا نام کوشٹھیشور ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۶۱۔ ۱۳۹۰ وغیرہ میں آ چکا ہے۔ ترنگ مذکور کے شلوک ۱۵۸۷ - ۲۰۰۷-۱۷۰۷ وغیرہ میں یہی نام کوشٹھک کر کے بھی آیا ہے۔ اسی قسم کی دوسری مثال گرگ چندر۔ گرگ کی صورت میں موجود ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۴۸ ۲۷ - ۱۲ ۲۹ سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ کوشٹھیشور کوشٹھک پرتھوی ہر کی نسل سے تھا۔

۸۰۵ معلوم نہیں سلہری کی جگہ اب کونسا گاؤں آباد ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵۹۶ سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ راجپوری کے مغرب میں کہیں پر واقع تھی۔

کہ دیوتاؤں میں بھی ترگرت میں رحم چمپہ میں اخلاق۔ مدردیش[۸۰۶] میں فیاضی اور داردا بھیسار میں نیک دلی نہیں پائی جاتی۔ بھکشاچر کے مشیروں نے اسے یہ مشورہ دیا "راجہ کو چونکہ اب خوف نہ رہیگا اس وہ آپ کی غیر حاضری میں ڈامروں پر ظلم کریگا۔ پس یقیناً کچھ مدت گذرنے پر وہ خود ہی تمہیں بلاکر راجہ بنا دینگے۔ بہتر ہے کہ ہم مناسب امداد حاصل کرنے نزورمن کے ملک کو چلے جائیں"۔ ہر چند کہ یہ نصیحت بالکل بجا تھی تاہم اس نے منظور نہ کی۔ البتہ اپنے خسر[۸۰۷] کی یہ تجویز منظور کرلی کہ وہ محدود جلو کے ساتھ اس کے گھر میں رہا کرے نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے ہمراہی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔

ڈامروں میں بحالی امن

جبوقت اپنی طاقت کیلئے شہرت رکھنے والے ڈامر سوئے شہر روانہ ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لگن[۸۰۸] زیادہ ہونیکی وجہ سے بہت سی براتیں جا رہی ہیں۔ جب لوگوں نے ان میں سے ہر ایک کے پاس راجہ سے زیادہ شاندار چتر اور گھوڑے دیکھے تو وہ سسل کے بیٹے کو بھی انکے آگے حقیر خیال کرنے لگے۔ کوشٹھیشور جوان۔ شکیل۔ وجیہ اور خوبصورت لباس میں ملبوس تھا

[۸۰۶] مدرویش وسط پنجاب کا پرانا نام معلوم ہوتا ہے جو دریائے بیاس اور جہلم (یا چناب) کے درمیان واقع تھا۔ دیکھو کنگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۸۵۔ معلوم ہوتا ہے اس شلوک میں کسی محاورہ کو قلمبند کیا گیا ہے جو کلہن کے زمانہ میں مروج تھا۔ داروابھیسار کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا اطلاق راجپوری پر بھی ہوتا نظر آتا ہے۔

[۸۰۷] اس جگہ مراد دینگ پال یعنی چندر بھاگا کے ٹھکر سے ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۵۴-۱۰۵۴۔

[۸۰۸] سال کے ان خاص خاص حصوں کی طرف اشارہ ہے جبکہ از روئے نجوم شادی کے دن سعید ہوتے ہیں اور اس لئے ان دنوں براتیں اکثر گذرتی دیکھی جاتی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ عورتوں کی نظریں اس پر زیادہ پڑتی تھیں۔اس ملک میں جہاں تمام جھگڑے فساد رفع ہو چکے تھے مختلف حصوں میں کوچ کرتے ہوئے ڈامروں کے نقاروں کی آوازیں تہواروں کے باجوں کی آوازوں سے مشابہ تھیں۔ لکشمک نے کشمیر اور مدو راجیہ کے باقی ڈامروں کو جن کی سپاہ بلحاظ اپنی تعداد کے دشمن کے دلوں میں خوف پیدا کرنے والی تھی راجہ کا طرفدار بنا لیا۔ لکشمک راجہ کے اسقدر منہ لگا ہوا تھا کہ اس کے گھر میں داخل ہونا خدام شاہی کے لئے بھی باعث فخر و عزت سمجھا جاتا تھا۔ہر چند کہ راجہ کے پاس کبیر کی مانند دولت تھی تاہم لونیوں نے چونکہ گاؤں لوٹ لئے تھے اس لئے اُس کو وہ وقت جبکہ اخراجات بہت بڑھ چکے تھے گذارنا ویسا ہی مشکل ہو گیا جیسے قحط سالی کا زمانہ۔ ڈامروں میں جو لوگ ملازمت کے قابل تھے انہیں راجہ نے اپنے تنخواہ دار ملازم مقرر کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندرونی دربار (آبھیہ انتر) کے متعلقین کی تعداد بڑھ گئی گو بیرونی دربار (باہیہ) والوں کی کم ہو گئی۔ تسیہ ویشیہ ارگہ دیو اور ان لوگوں کے باقی متعلقین کو جنہوں نے اس کے باپ کو مارا تھا راجہ نے ایسے طریق پر قتل کروایا جو بغاوت کرنے والوں کے لئے مناسب ہو سکتا ہے۔غرض اپنے باپ کے قتل ہونے کے چار ہی ماہ کے اندر اندر اس نے ملک کی وہ حالت کر دی کہ اب سوائے اس کے وہاں اور کسی کا حکم نہ چلتا تھا اور سر بسر اس کی حکومت تھی۔ لیکن ابھی ایک بات ضرور تھی شہر میں شان و شوکت باقی نہ رہی تھی۔لوگ بے وسیلہ رہ گئے تھے۔اور ملک کو لاتعداد ڈامروں نے جو راجاؤں جیسا رعب و داب رکھتے تھے پامال کر رکھا تھا۔ایک ایسا دشمن جو ہر کام کرنے کے اہل تھا تھوڑے فاصلہ پر متعین تھا اور مشیر یا جگذار والیان ریاست اور اندرونی بیرونی دربار کے سب آدمی دشمن ہی سے دوستی کا دم بھرتے تھے۔محل میں نصیحت دینے والا ایک بھی سالخوردہ آدمی موجود نہ تھا راجہ کے تمام

نوکر زیادہ تر خلاف قانون کام کرنے پر آمادہ تھے اور بے ایمانی پر انکا عمل تھا۔ آگے چل کر جن واقعات کا ذکر آتا ہے انکے متعلق اندازہ لگاتے ہوئے یہ بات مدنظر رکھ لینا ضروری ہے کہ اس راجہ کی حکومت کے ابتدا میں معاملات کی کیا صورت تھی۔

راجہ ہے سنگھ کے عادات و اطوار

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس راجہ کی بیشمار صفات حسنہ کا مجمل طور پر ذکر کر دیا جائے گو اس میں شک نہیں کہ آگے چل کر انکا بارہا ذکر آئیگا جن لوگوں کا کیرکٹر نہایت عمیق ہوتا ہے انکی صفات کی قدر اس صورت میں نہیں معلوم ہو سکتی کہ واقعات ماقبل و مابعد کا پورے طور سے معائنہ اور بخوبی مطالعہ نہ کرلیا جائے۔ اگر کسی ایسے راجہ کی جو ہمارے زیر امتحان ہو صفات کو ہم غور سے اسی روشنی میں دیکھیں جیسی کہ وہ حقیقت میں ہیں تو ایک بے لاگ فیصلہ دینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ کوئی شخص اتنا ہوشیار نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے کے حقیقی و باطنی کیرکٹر کی تہ تک پہنچ سکے۔ اس صورت میں بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم ایک ایسے فوق الفطرت طاقت رکھنے والے راجہ کا کیرکٹر حقیقی طور پر معلوم کرسکیں؟ جس شخص کی قوت فیصلہ اس کے اپنے افعال بد کی وجہ سے دھندلی پڑ چکی ہو وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ وفادار بیویوں خوش قسمتی (؟) اتی میں یکساں رہنے والے دوست۔ زبردست قوت بیان رکھنے والے شاعر اور تمام رعایا سے مہربانی کا سلوک کرنے والے راجہ کی غیر معمولی اور سب پر فائق ہونے والی عظمت کا اندازہ کرسکے۔ اس حالت میں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کا من اس راجہ کی خوبیوں اور خطاؤں کے متعلق جو ایسا عجیب و غریب تھا صحیح نتیجہ تک پہنچے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے کیرکٹر میں ناہمواری پائی جاتی ہے لیکن لوگوں نے

اس کے مجموعی نتیجہ کی خوبی کو نہ سمجھتے ہوئے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ اس میں نقائص موجود تھے۔ بادل میں ایک بات بھی ایسی نہیں ہوتی جس سے دوسروں کو فائدہ نہ ہوتا ہو مثلاً جب بجلی چمکتی ہے تو بعض پودوں کے شگوفے[۸۰۹] اس وقت کھلتے ہیں گو اس میں شک نہیں کہ بجلی کی چمک آنکھوں کے لئے تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔ ایسے ہی بادل کی گرج گو کانوں کو بھلی معلوم نہیں ہوتی تاہم بعض پودے اسی وقت زمین سے نکلتے ہیں۔ لیکن عام طور پر کند ذہن لوگ خیال کرتے ہیں کہ بادل میں سوائے پانی برسانے کے اور کوئی خوبی نہیں ہوتی۔

اس راجہ کی اعلےٰ صفات کا ذکر سن کر جسے ہم نے بچشم خود دیکھا ہے لوگوں کو سابق راجاؤں کے بڑے بڑے کاموں کا یقین ہو جائیگا جس طرح وہ ہاتھی جو زمین کو سہارا دیئے ہوئے ہیں اپنی کھال کو ہلا کر پہاڑوں (بھودہران) کو ہلا دیتے ہیں۔ ایسے ہی یہ راجہ اپنی جگہ سے اٹھے بغیر اپنی تیوڑی پر بل ڈالکر راجاؤں (بھودہران) میں کپکپی پیدا کر دیتا تھا۔ اس کا خوف آجتک راجاؤں کے دلوں میں موجود ہے اور انکی فوجیں آہ وزاری کرتی ہیں جس طرح سمندر میں بحری آگ چھپی رہتی ہے اور اس میں گرنے والے دریا آہ وزاری کی سی آوازیں پیدا کرتے ہیں جب دنیا میں اس راجہ کا جو راجاؤں میں سورج کا درجہ رکھتا تھا پرتاپ پھیلا تو سابق راجاؤں کی شان وشوکت کا چاند مدہم پڑ گیا[۸۱۰]۔ جس طرح کوئی شخص شوجی کی صحیح طور پر تراشی ہوئی

---

[۸۰۹] بعض پودوں کی نسبت خیال ہے کہ انکے شگوفے اس وقت کھلتے ہیں جب بجلی گرتی ہے اور بعض کوکرموتھے کی قسم کی روئیدگی کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ گرج کی آواز پر زمین سے پیدا ہوتی ہے دیکھو میگھ دوت کانڈا شلوک ۱۲-۲۱-۲۵۔

[۸۱۰] چاند کی نسبت خیال ہے کہ جسقدر پانی کو سورج شکل پکش میں جذب کرتا ہے وہ سب اس میں چلا جاتا ہے جب چاند بھر جاتا ہے تو پھر گھٹنے لگتا ہے

مورتی کی طرف دیکھے تو اسے ہر پہلو سے اپنی طرف دیکھتا پاتا ہے۔ ایسے ہی جو شخص اس راجہ کی طرف دیکھتا ہے وہ اپنے مالک (ایشور)[۱۸۱] کو اپنی طرف دیکھتا پاتا ہے۔ اس کی مہربانیاں مسلسل ہیں جو کچھ وہ دیدے واپس نہیں لیتا۔ بخلاف اس کے دشمن جب اس کے اطاعت پذیر ہو جائیں تو وہ اس خوف کو دور کر دیتا ہے جو اس کی طرف سے انکے دلوں میں بیٹھا ہوا ہو۔ اس تصویر کے سوائے جو تلوار پر اس کے چہرے کی پڑتی ہے کوئی اس کے روبرو نہیں ہو سکتا نہ سوائے گونج کے کوئی اس کی آواز کا جواب دے سکتا ہے۔ اس کی آواز غصہ میں زیادہ تیز نہیں ہوتی البتہ مہربانی کی حالت میں بہت موثر ہوتی ہے۔ حقیقت میں وہ تلوار سے مشابہ ہے جس کی صرف ایک ہی تیز دھار ہوتی ہے۔ یہ راجہ شریف النسل (اکو جنم) ہے اور کبھی نہ زائل ہونے والی خوشی پھیلاتا ہے جو لوگ اس سے مدد پاتے ہیں وہ کلپ برکش کی کونپلوں کی مانند مضبوط ہیں جو زمین پر پیدا نہیں ہوتا (اکو جنم) اور جس کے شگوفوں کی خوشنمائی کبھی زائل نہیں ہوتی۔ وزرا راجہ کے اندر اس کی عظمت کی موجودگی کو سمجھتے ہیں گو اس کی عمیق فطرت انکے لئے ایسی باتیں سمجھنا مشکل بناتی ہے۔ اور وہ خود ہر موقعہ پر انکی طرف متوجہ رہتا ہے۔

لکشمک کا اقتدار جس طرح ایش نامی پیڑ کی جڑھ اپنے قریب کسی اور درخت کو اگنے نہیں دیتی ایسے ہی جب چیمبر لین (لکشمک) صاحب اقتدار بن گیا تو وہ وزرا میں سے کسی اور کو عروج ہی حاصل نہ کرنے دیتا تھا۔ وہ ان سب کی بیخ کنی ایسی آسانی کے ساتھ کرتا جاتا تھا گویا وہ گھاس کے تنکے ہوں۔ صرف طاقت ور جنک سنگھ کو وہ اکھاڑ پھینکنے کے ناقابل رہا

---

[۱۸۱] اس جگہ اشارہ گول لنگ کی طرف ہے جو ایشور یعنی شوجی کی مورتی ہوتی ہے۔

چونکہ وہ بچپن سے راجہ سے واقف تھا۔.......... تمام معاملات سے باخبر تھا اور اس کے بیٹے اب جوان ہو چکے تھے۔ اس لئے اسے کسی طرح گزند نہ پہنچایا جاسکتا تھا۔ آخر کار جب لکشمک نے مناکحت کے ذریعہ آپس میں صلح کر لینی چاہی تو جنک سنگھ کے بیٹے چُد نے نفرت سے انکار کر دیا اور اس طرح پر اسے ذلیل کیا لکشمک کو اس پر غصہ آیا اور وہ انتقام کا موقعہ تلاش کرنے لگا۔ چنانچہ راجہ سے بار بار کہتے سنتے رہنے کا یہ اثر ہوا کہ اسے جنک اور اس کے بیٹوں سے نفرت ہو گئی

دونوں آخر الذکر یعنی جنک کے بیٹے راجہ کے ہم عمر تھے اور چونکہ ان کی ماں کی گہری واقفیت تھی اس لئے جب وہ تخت نشین ہوا تو انہیں اس پر بہت کچھ امیدیں تھیں لیکن انہوں نے ناعاقبت اندیشی سے محل کے اندر ہی گھوڑوں۔ ڈولیوں۔ لباسوں۔ غسلوں۔ کھانوں وغیرہ کے متعلق اس قسم کے شاہی ٹھاٹ دکھلائے کہ دشمن کو اپنا موقعہ مل گیا۔

حقیقت میں یہ بات واجب تھیں کہ راجہ بااختیار ہو کر اپنے ہمعصروں کے برابر ہی کا درجہ رکھے۔ جب کنول پھولوں کی قطار اونچی ہو جائے تو اس کے لئے یہ امر موجب ندامت ہے کہ اس پر سے مینڈک پھدکتے ہوئے گذریں۔ اس بات کو ایک اس قسم کی دیوار بنا کر جس پر وہ اپنی یاوہ گوئی کی فرضی تصاویر نقش کر سکتے تھے دشمنوں نے سب کے خلاف راجہ کا دل کھٹا کر دیا۔

آخر کار ماہ ساون میں یہ احسان مند راجہ اس غرض سے وجیشور کی طرف روانہ ہوا کہ فتحمند کمانڈر انچیف (سجی) کی عزت کرے۔

اتپل کا گرفتار ہونا اور مارا جانا

اس اثنا میں اتپل جبکہ واپس آرہا تھا چوکی شور پور کے کماتیر نے اسے کوہستان پنچدیو میں مار ڈالا تھا یہ شخص پشیان [۸۱۲] نادے سے بغاوت پھیلانے آیا تھا اور

کمانیر موصوف نے جو گھوڑے تلاش کر رہا تھا اسے پکڑ لیا تھا۔ اس کے گھٹنے میں ایک تیر لگا تھا جس سے زخمی ہو کر وہ زمین پر گر پڑا۔ پھر بھی مرنے سے پہلے اس نے دشمنوں کے ایک سپاہی کو جو قریب آیا مار ڈالا تھا۔ جب راجہ کمانڈر انچیف کا مناسب اعزاز کر کے واپس آ رہا تھا اور اونتی پور میں ٹھیرا ہوا تھا۔ چوکی کے کمانیر نے دشمن کا سر اس کے دروازے پر لا کر رکھ دیا۔ اس کمانیر نے جسکی ڈاڑھی موٹی گانٹھ کی صورت میں بندھی رہتی تھی اور جو دشمنوں کے سروں کے لئے ہتھوڑے کے برابر تھا راجہ کے دل سے گہرے غصہ کا تکلیف دہ تیر نکال ڈالا۔ اس طرح پر جب راجہ کی پہلی مہم میں دشمن کام آیا تو لوگ اسے ایک ایسا راجہ خیال کرنے لگے جو تمام مخالفوں کا استیصال کر دیتا ہے۔

شہر میں اس کے واپس آنے پر چند ایک خطادار لوگ بھاگ گئے اور

---

۸۱۲ نوٹ نمبر ۳۴۷ میں پشیان ناد کی نسبت بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں آجکل پشیان کا گاؤں درہ پیر پنچال کے پنجاب والے پہلو میں واقع ہے۔ یہ بھی ذکر آ چکا ہے کہ اس جگہ کشمیر کے باغی پناہ گزیں لوگ اکثر جمع ہوا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سرحدی مقام کے کمانیر نے سسل کے قاتل کو درہ کے قریب کسی بلند وادی میں اس وقت پکڑا ہو گا جبکہ وہ علاقہ کشمیر میں داخل ہوا چاہتا تھا۔

اس باغی کے پہاڑوں کے گہرے حصہ میں پکڑے جانے کی توضیح اس طرح پر ہوتی ہے کہ کہ چوکی کا کمانیر اس جگہ اپنے گھوڑوں کو دیکھنے گیا تھا جو وہاں چر رہے تھے۔ کشمیر میں آجتک یہ رواج ہے کہ گھوڑوں اور ٹٹوؤں کو بلند پہاڑی مقامات میں ایسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں جہاں ان تک بآسانی پہنچا جا سکے اور وہاں وہ اساڑھ، ساون اور بھادوں کے مہینوں میں چرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ پیر پنچال کی برفانی چوٹیوں کے نیچے سینکڑوں جانوروں کو غیر محفوظ حالت میں چرتے دیکھا جا سکتا ہے۔

جنک سنگھ وغیرہ کو زیر حراست کر لیا گیا۔ اب کوشٹھیشور وغیرہ راجہ کے مخالف ہو گئے جس کی وجہ یہ تھی کہ چند مفرورین نے انہیں راجہ کی طرف سے خوف دلایا تھا۔ ماہ کاتک میں یہ شہور اور پھر تیلا راجہ سمالا کی طرف روانہ ہوا اور مختلف مقامات پر دشمن پر حملہ کیا جس سے بڑے معرکہ کی لڑائیاں ہوئیں۔ ہادی گرام کو جہاں راجہ سسل اور اس کے ہمراہیوں کی شہرت زائل ہوئی تھی بے نظیر بہادری رکھنے والے سجی نے جلا دیا۔

بھکشاچر کا پھر سر اُٹھانا جب راجہ نے کوشٹھ وغیرہ کو دبایا تو انہوں نے بھکشاچر کو بلا لیا اور وہ تخت کی خواہش میں منہ اٹھائے چلا آیا۔ ایک دن میں ۱۵ یوجن فاصلہ طے کر کے وہ پہاڑی موضع سلی[۸۱۳] کا کوٹ میں پہنچا۔ حرص وہوا میں اندھا ہو کر اس نے کوچ کی تھکان کی بھی پرواہ

[۸۱۳] شلی کا کوٹ کا ذکر صرف ایک مرتبہ اور یعنی ترنگ ۸ کے شلوک ۸۱۳ میں آتا ہے۔ لیکن دونوں شلوکوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ بھی ہم اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے کہ وہ کہاں واقع تھا۔ چونکہ یوجن یعنی ۴ کوس کا فاصلہ کم و بیش ۶ میل کے برابر ہوتا ہے (دیکھو نوٹ ۸۶ و ۵۲۶ کتاب ہذا) اس لئے اس جگہ جس فاصلہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ قریب قریب ۹۰ میل ہوگا۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ اس جگہ جو فاصلہ دیا گیا ہے وہ قریباً صحیح ہے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگوں میں بھکشاچر کے کوچ کرنے کی طاقتوں کی نسبت جو اعتقاد پھیلا ہوا تھا۔ (جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۷۰۳ میں آچکا ہے) اس کا باعث کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھکشاچر چناب پر دینک پال کے مقام رنائش سے روانہ ہوا ہوگا جہاں اس نے پناہ حاصل کی ہوئی تھی (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۵۳۴-۱۶۵۴) لیکن اس جگہ کا صحیح محل وقوع چونکہ معلوم نہیں اس لئے اس بارہ میں کوئی ٹھیک رائے زنی نہیں ہو سکتی کہ بھکشاچر نے اس موقعہ پر کونسا راستہ اختیار کیا تھا۔

نہ کی اور نہ بھوک پیاس اور دشمن کے خوف وہراس کا خیال کیا۔ لیکن اگر قسمت برگشتہ ہو تو کامیابی خواہشمند سے اس طرح پرے ہٹ جاتی ہے۔ جیسے ہوا کے مخالف چلنے والے رتھ کی جھنڈی گر جاتی ہے ایک شخص کے لئے کام کی ابتدا ہی کامیابی کے لئے کافی ثابت ہوتی ہے لیکن دوسرا خواہ کتنی بھی محنت کرے اسکی کوششیں رائگاں جاتی ہیں۔ کوہ مندر نے سمندر کو ایک لمحہ بھر بلو کر امرت نکال لیا تھا لیکن ہمالیہ کا بیٹا (میناک) [۸۱۴] عرصہ دراز تک اس سے تعلق رکھنے پر بھی اس بارہ میں کامیاب نہ ہو سکا تھا جو دریا ایک بار اپنی جگہ چھوڑ چکا ہے جس وقت سمندر میں داخل ہونے لگتا ہے اور جوار کے زور سے اس کا پانی پیچھے کو ہٹتا ہے تو وہ (دریا) مصنوعی طور پر لوگوں کو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ میں اب اُلٹا بہنے لگا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو قسمت نشیب میں لے آئے انہیں پھر فراز حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہر چند کہ بھکشا چر نے ان عظیم کوششوں میں بڑی محنت کا اظہار کیا تاہم قسمت نے ابتدا ہی میں اس کی کامیابی کو روک دیا۔ پرتھوی ہر کا چھوٹا بھائی منجیشور جو مغلوب ہو چکا تھا بھکشا چر کی آمد سے بے خبر اپنی انگلی کاٹ [۸۱۵] کر راجہ کے زیر حفاظت

---

[۸۱۴] جب اندر نے پہاڑوں کے پر کاٹ ڈالے تھے تو کوہ میناک سمندر میں جا کر چھپ گیا تھا اور اس وقت سے وہ وہیں چھپا ہوا ہے (دیکھو رامائن کانڈہ ادھیائے اشلوک ۱۱۴)

[۸۱۵] انگلی کاٹ ڈالنا غیر مشروط اطاعت کی علامت ہوا کرتی تھی دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۵۰۔ ترنگ ۸ شلوک ۳۸ ۱۷۔ ۲۲۷۲۔ ۲۳۰۸۔ ۳۳۰۰ نیز نوٹ نمبر ۱۴۸ کتاب ہذا ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۰۸ میں ملا۔ جن کی نسبت جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص قید ہو جائے وہ فاتح کے پاس اپنی کٹی ہوئی انگلی بھیجکر رحم کا خواستگار بن سکتا تھا۔

آ گیا تھا۔ کوشٹھیشور اور پرتھوی ہر نے جب بھکشو کی آمد کی خبر سنی تو اس کے پاس پہنچے لیکن وہ سحر کے زور سے بند ہے ہوئے سانپوں کی مانند کچھ نہ کر سکتے تھے انہوں نے ایک اور مقام پر اسے آرام کروایا تاکہ اس کے سفر کی تھکان دور ہو جائے جس کے بعد وہ کارکوٹ درنگ[۸۱۶] کے راستہ سلہری کو روانہ ہو گیا۔ اس جگہ وہ جتنا عرصہ رہا کشمیر پر حملہ کرنے کی آرزو میں تملاتا رہا۔ اسے اپنے زور بازو پر یہاں تک اعتبار تھا کہ اس کے طاقتور بازو دکھنے لگے تھے۔ جبکہ وہ کسی ایسے رخنہ کی تلاش میں تھا جہاں سے طغیانی کے پانی کی مانند داخل ہو سکے راجہ جو شہر میں واپس آ چکا تھا غافلانہ کارروائیوں کی فکر میں تھا۔

چیمبرلین جس کے برابر کا اقتدار وزرا میں کسی کو حاصل نہ تھا سبھی کی انتہا

---

۸۱۶ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۹۷ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہوتی ہے کہ کارکوٹ درنگ اس خاص درنگ یا چوکی کا نام تھا جو لوہر کی طرف جانے والے راستہ توش میدان پر واقع تھی۔ قبل ازیں نوٹ نمبر ۴۸۹ کتاب ہذا میں اس چوکی کی مقامیت پر پورے طور سے بحث ہو چکی ہے۔ یہ اس جگہ واقع ہوا کرتی تھی جہاں آجکل بیرو پرگنہ میں موضع درنگ واقع ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس درنگ کا نام کارکوٹ پڑنے کا باعث وہ پہاڑی ٹیلہ ہوگا جسے اب کاکودر کہتے ہیں اور جس کے ساتھ ساتھ ۶ میل تک چلنے کے بعد سڑک درہ کی سمت کشمیر میں میں چڑھنے لگتی ہے (دیکھو نقشہ) یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ کشمیری لفظ کاکودر کسی پرانے نام مثلاً کارکوٹ دھر یا ایسے ہی کسی اور نام سے لیا گیا ہو۔ چنانچہ لفظ در جو سنسکرت کے دھر سے لیا ہوا معلوم ہوتا ہے اکثر کشمیری پہاڑوں کے ناموں کے پیچھے دیکھا جاتا ہے۔ سر یور کی راج ترنگنی ترنگ ۳ شلوک ۴۶۳ میں بھی کارکوٹ درنگ سے مراد بلاشبہ اس چوکی سے ہے جو توش میدان کی سڑک پر واقع ہوا کرتی تھی۔

درجہ کی نخوت کو برداشت نہ کرسکتا تھا اور اس لئے سازشیں کررہا تھا۔ انہی ایام میں دھنیہ کے بڑے بھائی (اودے[۸۱۷]) نے جو دریائے گنگا میں نہا کر اپنے جسم کو پاک کر چکا تھا متلون مزاج راجہ کا اعتبار حاصل کر لیا۔ راجہ کے ساتھ انکی گہری واقفیت تھی اور عرصہ دراز تک راجہ انکی عزت بھی کرتا رہا تھا مگر چونکہ انکو کوئی عہدے نہ ملے تھے اس واسطے یہ لوگ اپنے دلوں میں تکلیف محسوس کرنے لگے۔ جبکہ جے سنگھ سلطنت کا بار اپنے باپ کے وزرا پر ڈال رہا تھا یہ کم حوصلہ لوگ اپنے موقعہ کا انتظار نہ کر سکتے تھے۔

سجی کے خلاف سازشیں ادھر چیمبرلین خفیہ طور پر اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح سجی کو اکھاڑ پھینکے۔ چنانچہ اس نے دھنیہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ تعلق قائم کر لیا گو ان کا آپس میں پہلے کوئی دوستانہ نہ تھا تاہم اس نے خیال کیا کہ مجھے اپنے کام میں ان سے خاصی مدد مل سکے گی۔

انہی ایام میں چند ماہ بعد قسمت کی مرضی سے راجہ یکایک مرض لوتا میں جو وبائی تھی مبتلا ہو گیا۔ پھوڑوں۔ پھنسیوں۔ اسہال۔ بدہضمی وغیرہ کی وجہ سے چونکہ اس کا جانبر ہونا مشکل نظر آتا تھا اس لئے ملک کے اندر اضطراب پھیل گیا۔ راجہ جو اپنی نسل کا واحد سہارا تھا جبکہ اس حالت میں تھا دشمن طاقتور ہو گیا اور ڈامروں نے جو آخر الذکر کے ساتھ تھے ابھی سے سلطنت کی تباہی کے خواب دیکھنے شروع کئے۔ مستقبل و حال کے فوائد کو مدنظر رکھ کر سجی کی مرضی تھی کہ راجہ کے اکلوتے بیٹے پرمانڈی کو جو مشہور رانی گن لیکھا کے بطن سے اور اس وقت پانچویں برس میں

[۸۱۷] اس جگہ مراد دھنیہ کے بھائی اودے سے ہے جس کا ثبوت ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۲۷ و ۱۰۰۳ سے ملتا ہے۔

تھا تخت پر بٹھا دیا جائے چنانچہ اس بارہ میں اس نے پرماندی کے ماموں پنچ چندر پسر گرگ سے گفتگو کی اس پر جیمبر لین کو موقعہ مل گیا اور اس نے اور اس کے ایما پر دھنیہ اور باقیوں نے راجہ سے جاکر کہا "سجی معہ اپنے بیٹے کے آپ کے ساتھ دغا کرنا چاہتا ہے۔ اور اب شرارت سے شب و روز پنچ چندر اور اس کے متعلقین کے ساتھ عہد و پیمان کر رہا ہے۔ راجہ نے بھی سنکر یہ بات صحیح مان لی۔ چالاک آدمی راجاؤں کا مادہ استعجاب بھڑکانے کے لئے ان سے عجیب عجیب باتوں کا ذکر کرتے ہیں اور راجہ بھی بے سمجھ بچوں کی طرح انکے کہنے میں آجاتے ہیں۔ انکی فہمید قواعد کی پابند نہیں ہوتی۔ پیدائشی غلام جو بدروحوں کی طرح ہوتے ہیں غلیظ مقامات میں رہتے ہیں اور دھوکا دینے میں تاک ہوتے ہیں سب بے سمجھ لوگوں کے دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ پھر ایسے راجہ سے کس بھلائی کی توقع ہوسکتی ہے؟ بدمعاش آدمی بے معنی ہنسی ہنستا ہوا راجہ کے پاس آتا ہے اور راجہ مسکراتی آنکھوں سے اس کا مطلب پوچھتا ہے۔ اس کا مطلب تاریک ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ ایسی ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو تمام عزت داروں کے لئے ضرر رساں ہوتی ہیں اور جو انکی عزت نیکی اور زندگی پر بجلی کی طرح گرتی ہیں۔ ایسا منہ لگا نوکر جو راجہ کے اشارے پر آتا جاتا ہو جو اپنے آقا سے اول جلول باتیں کرتا ہو جو سارے عالم کو بنظر حقارت دیکھتا ہو اور راجہ کے چہرے کے اعصاب کی حرکت سے نظر لطف و کدورت کو سمجھتا ہو حقیقت میں قابل حقارت ہے۔ کیا ایسا راجہ آجتک کوئی دیکھنے میں آیا ہے جو مستقل مزاج ہو اور جسے بدمعاش لوگ ایک مصنوعی گڑیا کی طرح نچا نہ سکیں؟

افسوس کہ وہ عالمگیر تباہی جو اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ راجہ اپنے نوکروں میں امتیاز نہیں کرسکتے وہ رعایا کے گناہوں کی وجہ سے آجتک دور نہیں ہوئی۔ جب سجی حسب معمول راجہ کی بیمار پرسی کے لئے آیا تو اس نے دیکھا کہ مجھ پر اعتبار

نہ ہونے کی وجہ سے دروازہ پر گار و متعین ہے چنانچہ اس سے اسے سخت اضطراب ہوا۔ اس نے پہچان لیا کہ راجہ کے دل میں مہربانی اس طرح پر بد گمانی میں مبدل ہو چکی ہے جیسے آئینہ میں تصویر اُلٹ جاتی ہے چنانچہ وہ خود بھی لاپرواہ ہو رہا جب اس کدورت کی وجہ سے اس کا آناجانا کم ہوگیا تو سازشیوں نے اس رشتہ محبت کو بالکل منقطع کر دیا جو اس میں اور راجہ میں ہوا کرتا تھا۔ ایک برہمن مشیر (آستھان دوج) کے بیٹے چالاک چتررتھ نے جو سجی کا پیرو تھا اپنے مشوروں سے جو مخالفانہ ہوا کرتے تھے راجہ کی بہبودی کو تباہ کر دیا۔

جب راجہ صحت یاب ہوا تو سجی محل میں اظہار خوشی کے طور پر انعامات تقسیم کرتا دیکھا گیا۔ جب وہ باہر نکلنے لگا تو اسے خیال تھا کہ راجہ مجھے واپس بلالیگا لیکن جب ایسا نہ ہوا تو وہ اپنے گھر چلا گیا۔ راجہ نے اس کے ساتھ صلح نہ کی بلکہ اسپر حملہ کرنے کی تجویزیں سوچنے لگا کیونکہ اُس کے زیر کمان ایک زبردست فوج تھی۔ راجہ نے یہ سوچکر کہ اگر سجی کو اُس کے عہدوں سے موقوف کر دیا گیا تو اُس کے ہمراہیوں کی امیدیں چونکہ منقطع ہو جائینگی اس لئے وہ اس کا ساتھ چھوڑ دینگے۔ اس نے اسکے عہدے دوسروں کو دیدیئے۔ راجہ نے چیف جسٹس (راجستھان) کے عہدہ کا ہار (سرج) دسنیہ کو۔ کمانڈر انچیف کا اودسے کو اور کھیری کا چارج رلہن کو دیدیا۔ اس طرح پر جب راجہ نے عہدہ چھین کر علانیہ طور پر اپنی دشمنی کا اظہار کیا تو سجی نے دیکھا کہ اب میرے ہمراہی بہت ہی کم رہ گئے ہیں اور اسے بہت خوف پیدا ہوا۔

سجی کا جلاوطن ہونا

اس پر اس شخص نے جسے اپنی عزت پر فخر تھا بیعزتی گوارا نہ کرکے شہر کو الوداع کہا اور راجہ مسل کے پھول ساتھ لیکر گنگا کی یاترا کو روانہ ہو پڑا۔ روانہ ہوتے وقت جبکہ وہ قصر شاہی کے قریب سے گذر رہا تھا اسے اس بات کی توقع تھی کہ مجھے ٹھیر جانے کے لئے کہا

جائیگا لیکن نہ تو خود راجہ نے اور نہ اس کے آدمیوں نے اسے روکا۔ اس فخر کا اظہار کرنے کے لئے جو چیمبرلین کو سجی کی جلا وطنی کے متعلق تھا اس نے اپنے بیٹے کو اس کے ہمراہ اس کے مال ومتاع کی حفاظت کے لئے روانہ کر دیا۔ سجی کو یہ سوچکر سخت رنج ہوا کہ لکشمک نے اپنا بیٹا[۸۱۸] بطور محافظ اس لئے میرے ہمراہ کر دیا ہے تاکہ وہ ثابت کرے کہ سزا دینا اور مہربانی کرنا میرے اختیار میں ہے "

لکشمک کا بیٹا دوار سے واپس آگیا اور صاف دل سجی بآہستگی پر نوتس کی طرف روانہ ہوا جہاں جاکر اس نے لوہر کی چاڑی پر سے بھاگک[۸۱۹] کو طلب کیا۔ اس نے قلعہ لوہر کا چارج پریمن کو جو راجہ کا کوکا تھا اور جسے چیمبرلین نے اس غرض کے لئے بھیجدیا تھا دیدیا۔ سجی نے اس طرح پر لوہر سے دست بردار ہوکر اس اندیشہ کو دور کرکے جو راجہ کو لگا ہوا تھا سخت گرمائی موسم راجپوری[۸۲۰] میں بسر کیا۔ لکشمک کو اس

[۸۱۸] لکشمک کا یہ بیٹا غالباً شرنگار ہوگا جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۸۷ میں آچکا ہے۔

[۸۱۹] دوار سے مراد اس جگہ غالباً درہ پیر پنچال ہے دیکھو نوٹ نمبر ۷۹ کتاب ہذا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۲۸ میں بھاگک کو "پرجی کے بھائی کا بیٹا" کرکے لکھا گیا ہے یہ شخص غالباً سجی ہی کا بیٹا تھا۔ اسی مذکورہ بالا شلوک سے واضح ہوتا ہے کہ اسے لوہر کا حاکم بنا دیا گیا تھا۔ سجی اپنی وفاداری کا ثبوت اس طرح پر دیتا ہے کہ اس اہم مقام سے اپنے بیٹے یا بھتیجے کو واپس بلا لیتا ہے اور اسے اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ چارج راجہ کے بھیجے ہوئے نئے گورنر کو سپرد کردے۔

[۸۲۰] رجوری (راجپوری) موسم گرما اور برسات میں خطرناک بخار کی وجہ سے مضر صحت مقام رہائش بن جاتا ہے۔ دیکھو مورکرافٹ صاحب کی کتاب ٹریولز جلد ۲ ۔ صفحہ ۳۰۰۔ اور جیک مونٹ صاحب کی "کارسپانڈنس" جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۔

وجہ سے شہرت حاصل ہوگئی کہ وہ کھیل کی گولیوں کی طرح وزیروں کو چڑھا اتار سکتا تھا۔
اور اس نے ڈامروں کو بھی روکا ہوا تھا۔ سجی کا رقیب پیدا کرنے کے ارادہ سے اس نے
راج منگل کو جس کے اندر شاہی خون کا بہادرانہ عنصر موجود تھا دوارپتی مقرر کر دیا۔
اسے خیال تھا کہ سجی کا یہ رقیب اپنی ہی دولت کے بل سے اس کی شہرت کو زائل
کردیگا۔ سجی کے عہدے دوسروں کو دیکر اس نے سجی کو اس نوبت تک پہنچایا کہ
وہ صرف ایک شمشیر بردار کو ہمراہ لئے بھوکا مصیبت زدہ اور قابل تضحیک بنا
سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا۔ لائق شخصوں کی جگہ نالائقوں کو مامور کرنے کی قابلیت
کون نہیں رکھتا لیکن عناصر اربعہ بھی آخر الذکر میں اول الذکر کی خوبیاں پیدا نہیں
کرسکتے۔ شوجی بلاشبہ جلدی میں اپنے جسم پر جو صندل کے لیپ کے قابل ہے چتا
کی راکھ مل لیتے ہیں لیکن تین لوک کو زندہ کرنے اور مارنے کا اختیار رکھنے والا
بھی بظاہر اس راکھ میں صندل کی سی خوشبو پیدا نہیں کرسکتا۔

چونکہ راج منگل اسقدر صاحب اقتدار نہ تھا کہ سجی کا مقابلہ کرسکتا لکشمک نے سنج پال
کو باہر سے بلانے کے لئے قاصد روانہ کئے چونکہ ملک میں طاقتوروں کی کمی تھی اس
لئے راجہ نے معاملات کی اہمیت پر نظر رکھتے ہوئے کو شٹھیشور کو اپنا معتبر مشیر
بنالیا گو حقیقت میں وہ اسے ناپسند کرتا تھا۔ جبکہ راجہ کو اسپر اعتبار ہو گیا۔ اور اسپر
خوش ہو کر اسے انعامات دینے لگا تو اسے بھی شہر میں رہتے ہوئے مرض لوتا ہوگیا۔

سجی کی سازش جے سنگھ کے خلاف

جبکہ راجہ ان لوگوں کو جمع کر رہا تھا جنہیں اسے سزا دینا
واجب تھا۔ سوپال اور دوسرے سازشیوں نے سجی
کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ راجہ کے خلاف ہو
جائے اس کی چونکہ عزت میں فرق آچکا تھا اس لئے اس نے بیان کیا کہ میں محض ایک
چھڑی کی مدد سے کشمیر فتح کرسکتا ہوں اور تخت سوپال کو دینے کا وعدہ کیا۔ آخرالامر

نے اس کے معاوضہ میں اس کے ساتھ اپنی بھانجی اور بیٹی کی شادی کرنیکا وعدہ کیا لیکن اس اثنا میں جے سنگھ نے تدابیر اور رشوت سے کام لیا۔ سومپال اور سجی نے اس وقت دونوں راجکماریوں کی شادی جلد نہ کرنے میں دانائی کے خلاف عمل کیا اور اس طرح پر انکے دشمنوں کو موقعہ مل گیا۔

سومپال کو جے سنگھ نے اپنی چالاکیوں سے اس بات پر راغب کر لیا کہ وہ سجی کی طرف کم توجہ دیا کرے اور کچھ وہ خود بھی معاملات کی صورت دیکھ کر ایسا کرنے لگ گیا۔ چیمبرلین بذات خود جاکر فرمانروائے راجپوری (سومپال) کو اس غرض سے اِس کے علاقہ کی سرحد پر لے آیا تاکہ فریقین کی راجکماریوں کی شادی کا انتظام ہو جائے۔

جے سنگھ اور سومپال کے تعلقات شادی

سومپال کی شادی راجہ کی دختر مہاپترکا سے ہوئی جو رانی کلہنیکا کے بطن سے تھی جب یہ شادی بدرجہ تکمیل پہنچ گئی تو دوراندیش چیمبرلین سومپال کی بھانجی ناگ لیکھا کو راجہ کی دلہن بناکر لے گیا۔ اس طرح پر جب فریقین میں تعلقات شادی قائم ہو گئے تو سجی نے دیکھا کہ اب موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا چنانچہ وہ ہیمنت (ماہ ماگھ و پوہ) میں گنگا کی طرف روانہ ہوا۔ جالندھر کے مقام پر جیشٹ پال اسے ملا اور بے عزتی کی وجہ سے اس کا دماغ پھرا ہوا دیکھ کر اسے بھکشو کے ساتھ مل جانے پر رضامند کر لیا۔ اس نے اس سے کہا جب تم اور بھکشاچر دونوں فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لوگے تو نہ اُپیندر (وشنو) اور نہ اندر تمہارا مقابلہ کرسکیگا۔ ہم ان دونوں راجاؤں سے انتقام لینگے یعنی ایک تو اس سے جس نے تم سے بدسلوکی کی بحالیکہ اسے تمہاری ہی بدولت تخت حاصل ہوا تھا اور دوسرے اس سے جس نے اس وقت تمہاری بے عزتی کی جب تم اسکے

ملک میں ٹھیرے ہوئے تھے"۔ اس کے ایسے الفاظ سے جوش میں آکر وہ بھکشو
کے پاس جو دینگ پال میں مقیم تھا جانے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ بھاگسک نے اسے
جانے سے روکا اور بدیں پرجوش الفاظ اسے مخاطب کیا "اپنے آقا کے پھول گنگا
میں ڈالنے سے پہلے تمہیں ایسا کرنا نامناسب ہے"۔

سجی نے طریق بیت کوش کے مطابق حلف لیا کہ بہشتی ندی (گنگا) میں نہانے
کے بعد میں ضرور تم سے ملونگا اور اس کے بعد اس کام پر روانہ ہوا جس پر
چلا تھا۔

دوسری طرف راجہ کو جس نے سب بات چیمبرلین پر ڈال رکھی تھی خیال
نہ تھا کہ سلطنت بحالت تحفظ ہے کیونکہ ڈامروں وغیرہ کے خلاف کسی قسم کی
کارروائی نہ ہوتی تھی۔ جن لوگوں نے راجہ کے خلاف بغاوت کی تھی ان سے چیمبرلین
نے صلح کر لی اور جب کبھی راجہ کے پاس کھڑا ہوتا تو اس کی طرف اس نظر سے دیکھتا
تھا گویا اس پر مہربانی کرتا ہے۔ کمانڈر انچیف اودے نے دھوکے سے کالیہ [۸۲۱] کے
بیٹے بہادر پرکت کو قتل کر دیا۔ اس پر لکشمک نے بے لحاظ ہو کر تمام ڈامروں پر جنہیں
بے اعتباری اور بدامنی پائی جاتی تھی کمانڈر انچیف سے حملہ کروا دیا۔

بھکشاچر کا وشلاتا میں وارد ہونا

جب بھکشاچر کو یہ موقعہ ملا اور اسے معلوم ہوا کہ ڈامر
راجہ سے جدا ہو گئے ہیں تو وہ ابتدائے موسم سرما میں
اس قسم کی تجاویز کرتا وشلاتا کو روانہ ہوا کہ سجی کے
گنگا اشنان سے واپس آنے تک میں کیونکہ کشمیر میں برہمی پیدا کروں۔ لیکن وہ اس
وجہ سے کشمیر پر حملہ نہ کر سکا کہ ایک تو سردی کا موسم تھا دوسرے چیمبرلین نے ڈامروں
کو بڑھنے سے روکے رکھا۔ تک نے راجہ جے سنگھ کے باپ سے جو غدارانہ سلوک

---

[۸۲۱] ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۱ میں کالیہ کو ڈامر ظاہر کیا جا چکا ہے۔

کیا تھا اس کی وجہ سے سخت دشمنی تھی اس لئے اس نے بھکشو کو بلا لیا اور دوسرے
بڑے بڑے ڈامروں نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی۔ جب کہ وہ سجی کا انتظار کر رہا
تھا جس نے اسے یقینی طور پر تخت دلانا تھا وہ قلعہ بانشالا[۸۲۲] میں مقیم تھا جو تک کے

۸۲۲ بانشالا کا نام غالباً جدید بانہال میں موجود ہے جو ایک گاؤں کا نام ہے۔ اور
اسی کے نام پر درہ بانہال کا نام پڑ گیا ہے۔ یہ درہ سطح سمندر سے صرف ۹۲۰۰ فٹ بلندی
پر ہے اور اس لئے کشمیر کے جنوب کی طرف سلسلہ کوہ کے مشرقی حصہ میں سے گذرنے کا
نشیب اور سہل ترین راستہ ہے۔ اس لحاظ سے بھکشاچر کے تجویز کردہ سرمائی حملہ کے
لئے یہ خاص طور پر موزوں تھا۔
سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ میں ذاتی طور پر درہ بانہال کی جنوبی وادی کو نہیں دیکھ
سکا اور اس لئے یقینی طور پر اس قلعہ کی مقامیت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا جس میں بھکشاچر
کا خاتمہ ہوا تھا یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ موجودہ موضع بانہال سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا
آخر الذکر ہر چند کہ نقشہ پر درج نہیں تاہم بیٹس صاحب کے گزیٹر صفحہ ۱۳۷ پر مذکور ہے کہ یہ درہ
کے دامن میں عدل کوٹ کے شمال کی طرف چند سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ترنگ ۸ کے
شلوک ۱۶۰۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ درہ بانہال کی چوٹی پر سے بانشالا کا قلعہ نظر آتا ہو گا۔
ابوالفضل اپنی تصنیف کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۱ پر بانی ہل میں درگا کے ایک ایسے مندر کا ذکر
کرتا ہے جس میں جنگ کے نتائج کے متعلق ایک عجیب طریقہ پر فال لئے جاتے ہیں۔ پنڈت صاحب
رام نے اپنی تیرتھ سنگرہ میں ابوالفضل کے اس تذکرہ کو نقل کیا ہے لیکن اس نے اس
گاؤں کے نام کو سنسکرت کی صورت دیکر بھانوشلا بنا دیا ہے۔
نوٹ نمبر ۲۵۹ کتاب ہذا میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جس پہاڑی علاقہ میں بانہال واقعہ ہے اسکا
نام زمانہ قدیم میں وشلاتا ہوا کرتا تھا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۶۶۲ میں جہاں کلہن بھکشاچر کے
کشمیر کی طرف آخری کوچ کا ذکر کرتا ہے وہاں اس نے یہی نام استعمال کیا ہے۔

داماد بھاگگ کے جو کھشوں کا ایک امیر تھا قبضہ میں تھا۔ ہر چند کہ اس قلعہ کی اونچائی
چنداں زیادہ نہ تھی تاہم اس نے اس کے اندر اپنے آپ کو محفوظ جانکر قاصدوں کے
ذریعہ تمام ڈامروں کو راجہ کے خلاف باغی کر دیا۔ اس اثنا میں سجی گنگا میں نہا کر
واپس آگیا اور اس کے آنے سے دوستوں میں خوشی اور دشمنوں میں فکر پھیلنے لگا
سنگھ دیو نے خیال کیا کہ سومپال اور خود میرے لئے یہ ایک بہت بڑے خطرہ کی
بات ہے کہ بھکشو جسے مینے بہت سی تکالیف دی ہیں اور سجی دونوں ایک دوسرے
سے مل جائیں اس لئے اس نے سومپال سے سجی کو اپنی طرف ملا لینے کی کوشش
کرنے کی درخواست کی۔ خوف زدہ سومپال نے اس مطلب کے لئے ایک فریب
سے کام لیا۔ سجی صبح کے وقت جالندھر آ پہنچا تھا اور بھکشاچر کی طرف روانہ ہونے کو
ہی تھا کہ شام کے وقت سومپال کا سفیر اس کے پاس پہنچا۔

سجی کے ساتھ عہد و پیمان اس کا پیغام پاکر اس نے دشمن سے ملنے
کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس بارہ میں جیٹ
پال نے اسے ترغیب دی لیکن بھاگگ اسے منع ہی کرتا رہا۔

"بیرونجات میں تمہارے سر جو قرضہ ہو چکا ہے راجہ اسے ادا کر دیگا اور میرے
کہنے پر تمہیں کوئی عہدہ دیدیگا" سومپال کا یہ پیغام روزمرہ سفیر کی زبانی سجی کے کانوں
تک پہنچتا تھا اس لئے آخر وہ دشمن سے ملنے کا ارادہ ترک کر کے سومپال کے
ملک کی طرف روانہ ہوا۔ ماہ بیساکھ میں کمانڈر انچیف اودے نے درہ (سنکت)
کو عبور کر کے بھکشو اور اس کے کھش پیروؤں سے جنگ شروع کی۔ اودے کی
فوج پہلے تو تھوڑی تھی لیکن بعد میں بڑھ گئی اس پر بھکشو بانشالا کے قلعہ میں
پناہ گزیں ہو گیا۔ اور وہیں محصور کر لیا گیا۔ راجہ نے جو وجیشور چلا گیا تھا مختلف
فوجیں بھیجکر کمانڈر انچیف کے کمپ میں کمک بھیجی۔

بانشالا کا محاصرہ

شاہی فوجیں گو پیا چلا کر پتھر۔ تیر اور اور چیزیں پھینک رہی تھیں اور محصورین پتھر لڑھکا کر اپنے آپ کو محفوظ کرتے تھے۔ شاہی فوج ہر چند کہ بڑی تھی تاہم وہ محصورین پر حملہ نہ کر سکی کیونکہ انکی طرف سے پتھر اور بھکشو کے نام کے تیر پڑ رہے تھے۔ آخر کار ایک ماہ اور چند دن کے بعد دھنیہ نے قلعہ کے دامن میں ایک رخنہ کر لیا اور اس پانی پر بھی جو ایک تالاب میں جمع تھے قبضہ جما لیا۔ اس پر ان لوگوں نے جو قلعہ میں تھے جب دیکھا کہ راجہ قلعہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو انہوں نے روپیہ لیکر اس کے دشمن کے خلاف ہو جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ اس پر راجہ نے چیمبرلین کو معہ ڈامروں۔ وزیروں اور راجپتروں کے اس معاملہ کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لئے روانہ کیا۔ کوشٹھیشور۔ ترلک[۸۲۳] وغیرہ اس غرض سے روانہ ہوئے کہ بھکشو کو اس خطرناک حالت سے نکالیں جس میں کہ وہ پھنسا ہوا تھا۔ جب چیمبرلین نے پہاڑی درہ کی چوٹی[۸۲۴] پر سے دیکھا کہ نیچے قلعہ کی بلندی بہت کم ہے اور اپنی بے انتہا فوج پر نظر کی تو اس نے کام کو فتح سمجھا۔ چنانچہ اگلے روز وہ لوگ جو پہلے سے وہاں تھے نیز وہ جو چیمبرلین کے ہمراہ آئے تھے مل کر اس امید سے حملہ آور ہوئے کہ اپنی فوج کی پوری طاقت سے قلعہ سر کر لینگے۔ لیکن ہر چند کہ انکی تعداد زیادہ تھی محصورین نے

---

۸۲۳ ترلک جو اگلی بغاوتوں میں بہت کچھ حصہ لیتا ہے کوشٹھیشور کا ایک قریبی رشتہ دار تھا کیونکہ اس نے آخر الذکر کے بھائی چتنک کی بہن سے شادی کر لی تھی دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۰۷-۲۲۰۹-۲۷۴۸-

۸۲۴ سنکت سے مراد اس جگہ دنیز ترنگ ۸ کے شلوک ۱۶۷۴ میں درہ بانہال کے بلند مقام سے ہے جہاں سے جنوب کی طرف تمام وادی اور موضع بانہال صاف طور پر نظر آتا ہے۔

انپر اس کثرت سے پتھر پھینکے کہ انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ ہم اس کام میں محض بہادری سے کامیاب نہ ہوسکینگے - ان پتھروں کے گرنے سے بہادر سپاہیوں کے جسم سے سر جو کٹ کٹ کر گر رہے تھے ان شہر کے چھتوں کی مانند معلوم ہوتے تھے جنہیں درختوں کی بالائی شاخوں پر سے پتھر مار مار کر اتار اگیا ہو اور اب ان میں سے شہد کی مکھیاں نکل رہی ہوں -

اس موقعہ پر کوشٹھیشور نے حماقت سے ایک ایسا کام کیا کہ جس سے بھکشوہ خود اور سب لونے تباہ ہو گئے - وہ محض یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میرے جیسا کوئی بہادر نہیں ہے بڑی نا عاقبت اندیشی سے لڑا اور یہی بات انجام کار بھکشو کی موت کا موجب ثابت ہوئی -

کہشوں کی بھکشو کے ساتھ دغابازی

اپنی اس خطرناک حالت میں دغاباز کہشوں کے درمیان رہتا ہوا بھکشاچر اپنے آپ کو یہ کہکر تسلی دیتا رہا - "کوشٹھیشور اور میں ایک طرف ہیں - باقی ڈامروں کا دارومدار اس پر ہے - یہ عظیم الشان فوج جو نظر آتی ہے آخر کار ہمارے لئے ہی فائدہ مند ثابت ہوگی" - لیکن واقعات نے اس سے مختلف ثابت کر دکھایا کہشوں نے خیال کیا کہ اگر بھکشاچر کوشٹھیشور پر جو اس کا مخالف ہے اعتبار کر سکتا ہے تو دوسروں کی نسبت کیا توقع ہوسکتی ہے ؟

دوسری طرف چالاک لکشمک نے حالات کی رو کو دیکھ کر تلک سے جس نے دھوکے سے راجہ کے باپ کو مار ڈالا تھا وعدہ کیا کہ میں تمہیں تمہارا عہدہ (پوشن) واپس دلا دونگا - کہشوں کے حکمران بھاگک کو اس نے بڑے بڑے گاؤں سونا وغیرہ دیکر رضامند کر لیا اور اسے ترغیب دی کہ بھکشو کی تباہی کے لئے پورے طور سے کوشش کرے - کہشوں کے حکمران کے خسر پورہ آنند نے دونوں میں بیچ بچاؤ کرا کے

تک کو چیمبر لین تک پہنچادیا اور اسے دوبارہ عہدہ دلادیا۔

جب کوشٹھیشور اور دوسرے ڈامروں نے چیمبر لین کی تک کے ساتھ دوستی ہوتی دیکھی۔ تو انہیں بھکشو کی موت یقینی نظر آنے لگی۔ اس پر مضطرب ہوکر انہوں نے چاہا کہ کسی طرح اسے اس دام سے نکال دیں اور کشوں کے پاس سونا اور اور تحائف دینے کا وعدہ کر کے اس غرض سے قاصد بھیجے۔ لیکن کش راجہ نے خیال کیا[۸۲۵] "اگر میں نے رشوت لیکر بھکشو کو نکل جانے دیا تو وہ بھی خیال کریگا کہ میری جان کوشٹھیشور اور باقیوں نے بچائی ہے۔ اس پر غصہ میں اگر تخت پانے کے بعد یا تو وہ مجھے مار ڈالیگا یا دینگ پال جس کے اختیارات بڑے وسیع ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ میں جے سنگھ ہی کا طرفدار بنا رہوں۔" چنانچہ اس نے انہیں اس مطلب کا جواب دے بھیجا اور جبکہ بھکشو پاخانہ میں تھا آدمیوں کی بانی اسے کہلا دیا کہ اگر چاہتے ہو تو یہاں سے "ایک تختہ اکھاڑ کر نکل جاؤ"۔ لیکن اس اپنی عزت پر ناز کرنے والے شہزادے نے خیال کیا کہ اگر میں پاخانہ کی راہ سے نکل گیا تو اس صورت میں میرا جسم کتے کی مانند نجاست سے بھر جائیگا۔ اور لوگوں کے درمیان میری سخت کرکری ہوگی چنانچہ یہ سوچ کر وہ نہ نکلا۔

چیمبر لین بڑا موقعہ شناس تھا اس نے صبح کے وقت کوشٹھیشور کو جو خفیہ طور پر فوجوں میں اضطراب اور ہلچل پھیلانے کے لئے انہیں جوش میں لا رہا تھا اپنے ساتھ ملالیا۔

بھکشاچر پر حملہ جب کش راجہ اور اس کے آدمی چیمبر لین کو یرغمال

---

[۸۲۵] بھاگنگ علانیہ طور پر ڈامروں کے سامنے بھکشاچر کو آزاد کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ اس مطلب کے لئے وہ ایک ایسا طریقہ بتاتا ہے جس کی نسبت اسے یقین ہے کہ بھکشاچر منظور نہ کریگا۔

دے چکے تو انہوں نے دن نکلتے کے ساتھ ہی بھکشو کی جان لینے کا سامان شروع کر دیا۔
راجہ وجے کشتیر میں سخت اضطراب کی حالت میں تھا اور لمحہ بہ لمحہ قاصدوں سے
خبریں منگواتا تھا۔ لوگ آپس میں ہی طرح طرح کی چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ "واہ!
کیا یہ لونڈا اور اس کے کوتھمر وزیر اس بھکشو کو تباہ کرنے کا خیال اپنے دل میں
لا سکتے ہیں جسے اس کا باپ دس سال کے عرصہ میں اتنی لڑائیوں کے بعد بھی باوجو
سخت کوششوں کے مغلوب نہ کر سکا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ ایک لمحہ
میں کھش آئیں گے اور جو کچھ ہاتھ لگ سکیگا ہنستے ہوئے لے جائینگے۔ یقین
جانئے یہ لوگ جو اس جگہ جمع ہیں، دشمن سے مغلوب ہو کر بھاگ نکلینگے۔ اور انہیں
ٹھیرتے بن نہ پڑیگی۔ کوشٹھک الگ ہے۔ اور تنترک بھی اس کا رشتہ دار ہے
علاوہ بریں دربار شاہی کے جتنے آدمی ہیں وہ سب بھکشا چرہی کا جھوٹا کھانا
کھا کھا کر موٹے ہوئے ہیں۔ وہ تیا آدمی کونسا ہے جو راجہ کی بھلائی کے لئے
کوشش کر سکیگا؟ یقیناً یہ سب سامان جو یہاں جمع ہو رہا ہے دشمن ہی کے فائدہ
کو یہاں آیا ہے۔"

جب لوگ خیموں میں اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے وزرا کی فوجوں نے تلواریں
کھینچکر قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا "شرم کی بات ہے کہ وہ جسے عرصہ تک تکلیف
دی جاتی رہی ہے اب تنہا مارا جانے کو ہے۔ لیکن بے حیائی سے انہوں نے تمام
سپاہ سے اس کا محاصرہ کر رکھا ہے۔" صرف اس قسم کی آوازیں کبھی کبھی سنائی دے
جاتی تھیں ورنہ فوج سمندر کی مانند خاموش تھی۔ اس کے چمکدار ہتھیار خوشنما لہروں کی
مانند نظر آتے تھے اور سپاہیوں کی مضطرب آنکھیں مچھلیوں سے مشابہ ہوتی
تھیں۔ لوگ مضطرب اور خائف ہو کر اندر ہی اندر سوچ رہے تھے "کیا بھکشو پر لگا کر
ہوا میں اڑ جائیگا یا فوج پر سے ہرن کی طرح قلانچ مار کر نکل جائیگا یا کسی منحوس بادل کی

موسلا دھار بارش کی مانند یکا یک برس پڑیگا؟ کیونکہ اس کی طاقت تلوار ہاتھ میں لینے کے بعد عجیب وغریب ہوجاتی ہے"۔ اب تک کامیابی وزیروں کو حاصل رہی تھی لیکن اب رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اس رکاوٹ کا دور ہو کر مدعا کا حاصل ہونا سراسر راجہ کے پرتاپ کے باعث تھا۔ جب فوجیں آنکھیں اُٹھائے اس بات کی منتظر تھیں کہ بھکشو اب آندھی کی طرح آیا چاہتا ہے ایک شخص تن تنہا تلوار ہاتھ میں لئے قلعہ سے باہر نکلا۔ معاً نظر آیا کہ اس کے گرد روتی ہوئی عورتیں ہیں۔ اور پیچھے پیچھے چند آدمی جنہوں نے پھڑ پھڑاتے ہوئے زعفرانی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو چونکہ بھکشو کی توقع لگی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے اسے دیکھ کر کہا "لو بھکشو قید سے نکل کر بھاگا جاتا ہے" لیکن معاً انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو تِلک ہے جو اندر سے نکلا ہے۔

تِلک کا ساتھ چھوڑنا حقیقت یہ تھی کہ اس شخص کو اس وجہ سے کہ اس نے بھکشو سے دغا کیا تھا اندیشہ لگا ہوا تھا کہ مجھے اس باہمی جدوجہد میں یا تو وہ یا شاہی جوان مار ڈالینگے۔ چنانچہ اسی لئے وہ باہر نکل آیا تھا۔ لوگوں کو اپنی معصومیت کا یقین دلانے کے لئے اس نے اپنی تلوار اس طرح کھینچی گویا اپنا پیٹ چاک کیا چاہتا ہے لیکن اس کے آدمیوں نے اسے اس حرکت سے باز رکھا شاہی فوج نے اسے گذرنے کا راستہ دیدیا اور وہ اس میں سے اپنے ہمراہیوں سمیت گذر کر ایک پہاڑی چشمہ کے ساحل پر جو قریب ہی واقع تھا جا پہنچا۔

قلعہ میں سے نکل کر جب وہ صحیح سالم چشمہ کے کنارہ جا پہنچا تو اس نے پھر اطمینان کا دم بھرا اور ڈامروں کی ترغیب سے طرح طرح کے مکروفریب کرنے لگا۔ "سورج غروب ہو رہا ہے۔ بھکشو کو تھوڑا عرصہ محفوظ رہنے دو۔ رات کے وقت ڈامر

محاصرہ اٹھاوینگے" جب اس نے یہ الفاظ کہے تو وزراکے فرستادہ قاتل معہ یرغمال کے طور پر لئے ہوئے آدمیوں کے قلعہ پر چڑھنے لگے۔ لیکن کہشوں نے پتھر لڑھکاکر انہیں روک دیا۔ اس پر سپاہیوں نے نعرے لگاکر اور تالیاں پیٹکر مضطرب وزیروں کو بدیں الفاظ مخاطب کرنا شروع کیا۔ "راجہ کے دشمن ایک نازک موقعہ سے بچ نکلے ہیں۔ وزیروں نے دولت دیکر سوائے اس کے اور کیا فائدہ حاصل کیا ہے کہ اس غنیم کو تخت پر بیٹھنے میں مدد مل گئی ہے؟"

جبکہ سورج معہ شاہی طاقت کے غروب ہو رہا تھا لکشمک نے کہش کے خسرپورہ سے جو بطور یرغمال تھا پوچھا "اس کا مطلب کیا ہے؟" اس نے جواب دیا "ایک پہاڑی (کمینہ واسی) بھی کسی تجویز کو شکست کر سکتی ہے۔ اپنی عدم موجودگی کی حالت میں کیونکر میں کہشوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں؟ اس پر لکشمک نے آنند کو یہ کہکر بھیجدیا "تم جاکر کہشوں کی مخالفت دور کرو۔" اور اس پر دوسرے وزیروں نے اس کا مضحکہ اُڑایا۔ راجہ کو جو بڑا دور اندیش تھا اس بات کا اندیشہ[۸۲۶] تھا کہ وشلاتا کی راہ سے دینگ پال کے آدمی بھکشاچر کو چھڑانے کی کوشش نہ کریں۔ اس خیال کو مدنظر رکھ کر اپنے حصول مدعا کے لئے دام لگاتے وقت اس نے باقیوں کے ساتھ قلعہ کے مالک کے خسرپورہ آنند کو بھی اپنے ساتھ بلا لیا تھا کیونکہ وہ اہمیت رکھنے والا آدمی تھا۔ اس اضطراب کے موقعہ پر چیمبر لین مطمئن رہا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آنند جب چھٹ جائیگا تو ایک پالو پرند کی مانند اسے پھر واپس بلا لیا جا سکیگا اس نے ان سے کہا "اگر اس میں ناکامی رہی تو بھی میری دلیرانہ کارروائی قابل

[۸۲۶] اس جگہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بھکشاچر کو چھڑانیکی کوشش کی گئی تھی اس قسم کی کوشش دینگ پال جو ترنگ ۸ کے شلوک ۵۵۴ کے مطابق چندر بھاگا کے کنارہ رہتا تھا صرف وادی وشلاتا (سچلاری) کے راستہ کر سکتا تھا۔

مضحکہ نہ ہوگی۔ اگر ہر چیز ہاتھ سے جاتی رہی تو کمش کے خسر پورہ کو مارنے سے کیا حاصل ہوگا؟ راجہ کی خوش بختی سے کمش کے خسر پورہ نے تمام اہل قلعہ کو اطاعت پر آمادہ کر لیا اور بعد ازاں قلعہ کی چوٹی پر سے قاتلوں وغیرہ کو طلب کیا۔ پہاڑی پر چڑھتے ہوئے لیٹروں (ڈامروں) کی امنگیں گردن تک۔ وزیروں کے من غیر یقینی حالت تک اور اسپراؤں کے جذبات عشق درجہ انتہا تک پہنچ گئے۔ راجہ بھکشو کے ہمراہی گویا موت میں اس کا ساتھ دینے کو آمادہ تھے۔ کمر میں چمڑے کی پیٹیاں[۴۲۷] باندھ رہے تھے جنگ میں اپنے آقا کی طرح جا بجا اپنے نام کے تیر چلاتے تھے۔ پان چبا کر نچلے ہونٹ سرخ کر رکھے تھے۔ اور اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال آراستہ کرتے رہے تھے۔ جب انہیں اپنی موت یقینی طور پر نظر آنے لگی تو وہ اس عمل کو چھوڑ کر حفاظت پانے کی غرض سے کوشٹھیشور وغیرہ کے خیموں میں بھاگ گئے۔ جب تِک نے اپنے آپ کو للشمک کے سپاہیوں سے گھرا ہوا پایا جنہیں وہ چالاکی سے یکے بعد دیگرے بھیج چکا تھا تو اس نے خوف زدہ ہو کر اپنی اُنگلی کاٹ ڈالی۔ چونکہ کمش اس خیال سے کہ بھکشو بھاگ نہ جائے اس کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ اس لئے دلی اضطراب کی وجہ سے اس نے ان دنوں کھانا نہ کھایا تھا۔

بھکشاچر کی آخری جدوجہد

بہادر بھکشاچر جو لڑائی کا خواہشمند اور قاتلوں کا منتظر تھا شطرنج کے کھیل میں وقت گذار رہا تھا جس وقت قاتل صحن میں داخل ہوئے اور اس پر حملہ

۴۲۷۔ اس جگہ سپاہیانہ موت کی جن تیاریوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے متعلق دیکھو ترنگ ۷، شلوک ۶۶۵۔ پان کے نشان کا اعزاز کی علامت ہونا ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۷ سے واضح ہوتا ہے۔ بھکشاچر کے تیروں کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۲۷۸۔

کرنے کو آمادہ ہوئے تو وہ اپنے قریب الاختتام کھیل کو ختم کر کے اُٹھا۔ اندرونی طور پر ویسا ہی کم مضطرب تھا جیسے وہ عاشق جو اپنے معشوق کے ساتھ کھیل میں مصروف حالت میں اُٹھ کر کسی دوست سے ملنے کے لئے اُٹھتے وقت ہوتا ہے اس نے خیال کیا " آج بھی بہت آدمیوں کو قتل کرنے سے کیا فائدہ ہے ؟" پس وہ کمان چھوڑ کر صرف تلوار ہاتھ میں لئے باہر نکلا۔ طویل تفکرات کی وجہ سے اس کے بال چھدرے ہو چکے تھے اس کے ویر پٹہ کی جھالر چمکدار جھنڈیوں کی مانند حرکت کر رہی تھی۔ اس کی بے نقص سنکھ کی شکل کی صراحیاں اس کے رخساروں پر آب و تاب سے چمک رہی تھیں۔ اور صندل کے ٹیکوں کے نشانات نخوت آمیز مسکراہٹ سے مشابہ تھے۔ اس کی تلوار۔ آنکھیں اور کپڑے آگ کی مانند چمک رہے تھے۔ اور اس وقت اس نے یہ ظاہر کیا کہ میری عجیب و غریب زندگی کے آخیر پر دونوں ٹانگیں ایک دوسری سے اٹک گئی ہیں اور میرے گرنے کا موجب ثابت ہوئی ہیں۔ اس کے منہ کے متحرک صاف کناروں نے جو اس کے زعفران کے پھول کے رنگ کے نچلے ہونٹ تک کھچے ہوئے تھے اسے ایک تند شیر کی ہیئت دے رکھی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں۔ ہاتھوں۔ پاؤں سے عجیب و غریب حرکات کرتا تھا اور ہلکے۔ امیرانہ اور مستقل قدم اُٹھاتا عزت داروں کا سردار معلوم ہوتا تھا اور نخوت۔ عزت اور طاقت کا اظہار کر رہا تھا۔ کوئی بات اس کے فوری زوال کی دلیل معلوم نہ ہوتی تھی۔ اس حالت میں متوقع لوگوں نے بھکشو کو اپنے دشمن کے مقابلہ میں اترتا دیکھا۔

بہادر کمار یہ۔ مدھو کا پوتا جو شاہی نسل سے تھا۔ نیز جیشٹ پال کا بھائی رنگک اس کے پیچھے پیچھے نکلے۔ حملہ آور مختلف نشیب و فراز عمارات میں سے داخل ہو رہے تھے اور انہیں بھکشو کا ہمراہی اکیلا گارگک روکے ہوئے تھا۔ اس کے

تیروں کی بوچھاڑ میں وہ اس طرح اڑتے دیکھے جاتے تھے جیسے مشرقی ہوا میں اولوں کی بوچھاڑ کے آگے آگے ہاتھی بھاگ نکلتے ہیں۔ آخر کار جب شریر کہشوں نے پتھر پھینک کر اُسے مجروح کر دیا اور اس کی کمان کو توڑ ڈالا تو اس وقت اس بہادر کو پسپا ہونا پڑا۔ جب وہ بھاگ نکلا تو دشمن مختلف راستوں سے داخل ہو گئے اور بھکشو اور اس کے ہمراہیوں کے قریب پہنچ گئے۔ ایک قدآور سپاہی برچھا اُٹھائے بھکشو کے شمشیرزن کے قریب ہو کر گذرا جس کا استقلال فوراً معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ بھکشو کو اپنے اس آدمی سے بہت محبت تھی اس نے جلدی میں دوڑ کر اس کے برچھے کے وار کو روکا اور اس کے بالوں کو پکڑ لیا اس نے اس کے علاوہ لسے اپنی تلوار سے مجروح بھی کیا اور جب کہ وہ کاری زخم کھا کر گرنے لگا تو کماریہ اور رکنک نے اور بھی وار کئے۔ جب یہ سپاہی قتل ہو گیا تو تینوں نے مل کر دشمن کی سپاہ پر جس کے پاس مختلف ہتھیار تھے حملہ کیا۔ انہوں نے اپنے ہتھیاروں سے دشمنوں کو بھگا دیا اور ان درختوں کی مانند رہ گئے جن کی کھوہ سے نکل کر کوئی بڑا سا سانپ مکھیوں کے چھتے کو اڑا دے۔ حملہ آوروں نے جب دیکھا کہ انہیں تلواروں۔ برچھوں وغیرہ سے مغلوب نہیں کیا جا سکتا تو انہوں نے پرے ہٹ کر پتھروں کی بوچھاڑ شروع کی۔ جب بھکشاچر شیر کی مانند تیروں کے پنجرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا کہشوں نے مکان پر سے بھاری بھاری پتھر پھینکنے شروع کئے۔ پتھروں کی خوفناک بوچھاڑ سے اس کا سر زخمی ہو گیا اور جب کہ وہ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا ایک تیر اس کے پہلو میں گھس کر جگر میں پہنچ گیا۔ تین قدم اُٹھا کر وہ زمین پر اس زور سے گرا کہ زمین ہل گئی اور وہ خطرہ جس سے عرصہ تک دشمن کانپا کرتے تھے دور ہو گیا۔

بھکشاچر کی موت ۱۱۳۰ء ایک تیر کماریہ کے چڑھوں میں داخل ہو گیا

اور وہ بھی مہلک زخم کھا کر اپنے آقا کے قدموں میں گر پڑا۔ رکتکسد کے عضو رئیہ میں ایک تیر لگا۔ اور گو وہ زندہ ہی تھا تاہم بے جان سا ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اعلےٰ نسل کے لوگوں کے قریب گر کر بھکشو اس مینار کی مانند چمک رہا تھا جو بجلی سے ٹوٹ کر پھولدار درختوں کے قریب گر پڑا ہو۔ راجاؤں کے اتنے بڑے مجمع میں بھکشو نے بے عزتی میں نہیں بلکہ عزت میں سب سے اعلےٰ درجہ حاصل کیا ہر چند کہ قسمت نے جو ہمیشہ اس کے خلاف رہی تھی اسے شکست ہی دلائی تاہم آخری وقت تک وہ اپنی ثابت قدمی اور طاقت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ کیا وہ سابق راجاؤں کے مقابلہ میں جو بہت مالدار تھے محض ایک فقیر نہ تھا؟ لیکن شریفانہ موت کے لحاظ سے وہ سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ جب دشمن بے حد طمانیت کی حالت میں آگے بڑھے تو کمار یہ باوجود اس خراب اور تکلیف کی حالت کے چھری کے ذریعہ ان پر وار کرتا رہا۔ وار کھا کھا کر وہ بالکل نڈھال ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس طرح حرکت کر رہا تھا۔ گویا لڑنا چاہتا تھا چنانچہ دشمن نے یہ حالت دیکھ کر اس پر اور بہت سے زخم لگائے۔ ہر چند کہ کہش یہ کہہ کہہ کر مضحکہ اڑا رہے تھے۔ "اے احمقو بس کرو۔ اب اس مردہ آدمی پر وار نہ کئے جاؤ" لیکن باوجود اس کے دشمن کے سپاہی برابر بھکشو کی لاش پر زخم لگا رہے تھے۔ رکتنک بباعث زخم کے درد کے اپنا بازو ہلا نہ سکتا تھا اور قریب المرگ تھا اسے بھی کسی بدمعاش سپاہی نے کاٹ ڈالا۔ غرض ۱۰ بدی جیٹھ لوکک سمت ۴۲۲۶ (سنہ ۱۱۳۰ء) کو یہ راجہ (بھکشو) ۳۰ سال ۹ ماہ کی زندگی کے بعد آخر ش مارا گیا۔ جن لوگوں کو اس نے عرصہ دراز تک تکلیف دی تھی اور انکی تباہی کا موجب ثابت ہوا تھا وہ بھی اس کی بہادری کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ کئی نا ڈیکا (گھڑی) کے عرصہ تک اس کے سر میں متحرک آنکھیں ہلتی ہوئی بھنویں

اور مسکراتا ہوا منہ ویسا ہی جیسے زندگی میں تھا نظر آتا رہا۔

اس کا ایک جسم اپسراؤں کی معیت میں آسمان پر جا چڑھا اور دوسرا جو[۸۲۸] زمین پر تھا زمین اور پانی کو سرد پاکر آگ میں داخل ہو گیا۔

بھکشاچر کا سر جے سنگھ کے آگے

اس سے اگلے روز وزراان تینوں کے سر لیکر راجہ کے پاس جو جے کشتیر میں مقیم تھا پہنچے۔ یہ راجہ (جے سنگھ) سمندر کی مانند ہے اور اس نے اپنے عجیب وغریب خواص کا اظہار لکشمی۔ امرت (سُدھا) رتن۔ ہاتھی (ایرادت) گھوڑا (اوچا ہشروس)، چاند ودیگر عجائبات نمودار کرکے کیا ہے۔ اس کی عجیب وغریب باتوں سے سارا عالم حیران رہ جاتا ہے اور کوئی اس کی طاقت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس نے یہ کہکر غرور کا اظہار نہ کیا کہ "میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جس تک میرے باپ کا قابو نہ چل سکا تھا" نہ وہ یہ کہکر خوش ہوا کہ راجاؤں کے پہلو سے کانٹا نکل گیا ہے۔ وہ چونکہ مکر سے پاک اور فیاضی سے بھرا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے بھکشو کا سر دیکھ کر غصہ میں یہ بھی نہ کہا "اس نے میرے باپ کے سر کو رلوایا تھا"۔ بلکہ اپنے دل ہی دل میں سوچنے لگا انسان کو ہمیشہ اپنے دل میں اپنی ہی شرافت کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور اس تبدیلی کی طرف خیال ہی نہ کرنا چاہئے جو کہ نفرت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح آدمی بلور میں اس کی صفائی کو ہی دیکھتا ہے لیکن اُس گرمی کا جو سورج کی کرنوں سے اس میں پیدا ہوتی ہے خیال بھی نہیں کرتا۔ افسوس ہے کہ اتکرش کے زمانہ سے لیکر اس راجہ تک ایک راجہ بھی قدرتی موت مرتا نہیں دیکھا گیا۔ جو لوگ

---

[۸۲۸] اس شلوک میں پانچ عناصر مٹی۔ پانی۔ آگ۔ ہوا اور آکاش کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے صرف ایک کا اس جگہ ذکر نہیں آتا۔

زندگی میں اس راجہ کے سب سے زیادہ منہ لگے آدمی تھے وہ آج اس کے سر کو اس طرح دیکھتے ہیں گویا اس سے انہیں کوئی تعلق ہی نہیں۔"

اس پرتھوی کے مالک نے اس قسم کے خیالات سوچکر نادر فیاضی کے ساتھ حکم دیا کہ ایسے دشمن کی لاش کے متعلق آخری مراسم ادا کر دیتے ضروری ہیں رات کے وقت جب اسے نیند نہ آتی تھی اس نے اس راجہ کے عروج وزوال پر غور کیا اور اس دنیاوی زندگی کے عجیب وغریب اسرار کے متعلق عرصہ تک سوچتا رہا۔

لوگوں کا اس وقت یہی خیال تھا کہ اب ایک ہزار سال تک یقیناً ملک میں کوئی دشمن سر نہ اُٹھائیگا۔ تقدیر پتلے گھاس کو جلاکر اس کی جگہ موٹی ہریاول پیدا کرتی اور سخت گرمی کے بعد بارش بھیجتی ہے۔ چونکہ اس کے طریق عمل عجیب وغریب ہیں اس لئے اس متلون مزاج کی نسبت کسی قاعدہ پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ جب کوئی بہادر کسی کام کو ختم کر کے آرام حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو قسمت اس پر نئے نئے کاموں کا بوجھ ڈال دیتی ہے۔ ایک سوار نے دور تک گھوڑے کو چلاکر تھکا دیا ہے۔ لیکن اس کا پاؤں ابھی دوسری رکاب سے نکلنے نہیں پاتا کہ ایک اور سوار گھوڑے کی دکھتی پیٹھ پر سوار ہو جاتا ہے حالانکہ وہ بے چارہ اپنے پہلے بار کو اتار کر کاٹھی اپنی پشت پر رکھتا ہوا آرام حاصل کرنے کے خیال میں ہوتا ہے۔

غرض جب سلطنت ایک رات بھر دشمنوں سے آزاد رہی تو راجہ کے سامنے ایک قاصد غم واندوہ سے چپ خط لیکر آگے بڑھا۔

لوہر میں بغاوت کی خبر ۱۱۳۰ء جب منشیوں نے حیران وششدر ہوکر اس سے سوالات پوچھنے شروع

گئے تو اس نے جواب دیا کہ جس روز بھکشاچر جس کے فساد کی وجہ سے اس قدر خطرات پھیلے ہوئے تھے مرا تھا۔ اسی رات لوہر کی قلعہ بند فوج نے بلوہ کر کے لوتھن کو قید سے چھڑا کر تاج پہنا دیا۔ لوتھن راجہ سسل کے دو سوتیلے بھائی سلہن اور لوتھن میں چھوٹا تھا جن میں سے بڑا تو مر چکا تھا اور چھوٹا تا حال قلعہ لوہر میں زیر حراست رہا کرتا تھا۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ لوتھن اپنے بیٹے[۸۲۹] اور بھتیجوں سمیت جن کی مجموعی تعداد پانچ تھی قلعہ سے نکل گیا ہے اب وہ خزانہ پر قبضہ کر کے نخوت میں بھر گیا ہے اور تخت حاصل کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔

مختلف صوبجات کے حاکم جو اس وقت موجود تھے۔ وہ اس خیال سے راجہ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ چونکہ ملک کے اندر طویل فساد سے ابھی نجات حاصل کر چکا ہے اس لئے اس بری خبر کو سنکر جو اس پر بجلی کی طرح پڑی تھی وہ غمزدہ ہوگا یا سکتہ میں آجائیگا۔ چلانے لگیگا۔ یا زمین پر گر کر بے حس و حرکت پڑا رہیگا یا انتہائے غم سے یاس و افسردگی کی مجسم تصویر بنکر چپ کا چپ دیکھتا رہیگا تاہم اس خبر کو سُنکر نہ تو اس کی شکل وصورت میں فرق آیا نہ اس نے کوئی خاص اشارہ کیا نہ بات کہی۔ ابتدائے آفرینش سے کبھی کسی راجہ پر ایسے مصائب نازل نہیں ہوئے اور نہ کوئی اور انپر غالب آسکتا۔ فی الحقیقت دوسروں کے لئے وہ قطعاً ناقابل برداشت ہوتے اب اُس کے ہاتھ سے لوہر کا قلعہ اور خزانہ نکل گیا تھا جس کے ذریعہ اُس کے باپ نے اس سلطنت کو پھر حاصل کیا تھا اور جس کے ذریعے نئے راجہ (جے سنگھ)

---

[۸۲۹] ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۱۴ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ لوتھن کا صرف ایک ہی بیٹا یعنی دلہہ تھا اس کے بھتیجوں میں سے ایک یعنی بھوج کا ذکر آگے چلکر سلہن کے بیٹے کے طور پر کیا گیا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۴۸۹۔

نے اپنے جدی راج کو دشمنوں کے ہاتھ سے آزاد کرایا تھا۔ اب تک ایک ایسے طفلک[۸۳۰] نے جس کا کوئی مناسب نام بھی نہ تھا اور جو رقیب رشتہ داروں میں صرف واحد تھا۔ جو بے یار و مددگار تھا وہ مصائب نازل کئے تھے جن کے باعث عزت اور دولت تباہ ہو گئی تھی لیکن اب جبکہ یہ واحد دشمن قتل ہو گیا تو اس ملک میں جو کہ بغاوت کا مشتاق تھا۔ اب چھ دشمن کھڑے ہو گئے۔ جو قلعہ۔ خزانہ اور مددگار سبھی کچھ رکھتے تھے۔ ادھر کشمیر کی رعایا میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور خزانہ بھی خالی تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ استقلال کے لحاظ سے رگھوکل رام[۸۳۱] بھی اس راجہ پر سبقت نہ لے جا سکتے جس نے اس قسم کے امتحان میں پورا اتر کر اپنی عظمت کا ثبوت دیا۔

ایک موقعہ پر رام چندرجی کے باپ نے اپنے بیٹے کی نیکیاں گنتے وقت یہ بات یاد کی تھی کہ جب میں نے اسے شاہی اختیارات دیئے اور جلاوطنی کا حکم سنایا دونوں موقعوں پر اس کا مزاج غیر مبدل رہا۔ اور کہا تھا کہ "جب اسے رسم تاجپوشی کے لئے طلب کیا گیا اور جب جنگل میں بھیجا گیا تو میں نے اسکے اندر

---

۸۳۰ اس جگہ اشارہ بھکشاچر کی طرف ہے۔ اس کے نام کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۱۴۱ کتاب ہذا۔ و ترنگ ۸ کا شلوک نمبر ۱۷۔

۸۳۱ اس جگہ اشارہ رام چندرجی کے بن باس کے مشہور قصہ کی طرف ہے جسے رامائن میں طوالت کے ساتھ بیان کیا ہوا ہے۔ مشہور ہے کہ جس روز راجہ دسرتھ رامچندرجی کے والد انہیں گدی پر بٹھانے کی تیاری کر رہے تھے تو رام چندرجی کی سوتیلی والدہ نے راجہ کو اس بات پر راغب کر لیا تھا کہ وہ انہیں بن باس دیدیں۔ راجہ دسرتھ نے مزید غور و فکر کے بعد عرصہ جلاوطنی کو ۱۴ سال کے لئے محدود کر دیا تھا دیکھو رامائن کانڈ ۲ ادھیائے ۱۹ شلوک ۱۔

ذرا سی تبدیلی پیدا ہوتی نہیں دیکھی دسرتھ نے اس کے ساتھ یہ بھی وعدہ کیا تھا
کہ تم معہ اپنی بیوی اور چھوٹے بھائی کے ایک محدود عرصہ تک خوشنما جنگلی قطعات
میں رہو جس کے بعد تمہیں شاہی پر بحال کر دیا جائیگا۔ اس طرح پر ہر چند کہ دونو
(رام چندرجی اور راجہ جے سنگھ) یکایک خوشی سے مصیبت کی حالت کو
پہنچ گئے تھے تاہم انکی جداگانہ حالتوں کے اعتبار سے ان میں بہت کچھ فرق تھا
فی الحقیقت معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر نے راجہ جے سنگھ کے تمام وسائل اس لئے
دور کر دیئے تھے کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ وہ مادی چیزوں پر دارومدار نہیں
رکھتا۔ واقعی اس راجہ کے پاس وسائل بافراط ہوتے تو اس کی عجیب و غریب
کامیابیوں پر کون زیادہ زور دیتا۔ اس راجہ کا ارادہ سمندر کی طرح گہرا تھا۔ قاصد
کی زبانی باتیں سُنکر اس نے اس سے پوچھا بھلا اور کیا کچھ واقع ہوا ہے جس پر
اس نے لوہر کے تمام واقعات موبمو بیان کر دیئے۔

لوتھن کا آزاد ہو کر لوہر میں تاجپوش ہونا ۱۱۳۰ء

اس نے کہا جب بھاگک قلعہ کا چارج دیکر چلا گیا تو پربمن اپنی خوش بختی میں نہایت لاپرواہ ہو گیا اور اس کی حفاظت
میں غفلت برتنے لگا۔ وہ زیادہ تر تن آرائی۔ کھانے۔ پینے اور عیش و عشرت
میں مصروف رہتا تھا۔ اور جو لوگ اس کے ماتحت تھے ان سے بیحد نخوت کا
برتاؤ کر کے انہیں بھی اپنا مخالف بنا لیا۔ چونکہ حضور نے خاندانی تعلقات کی وجہ
سے اسیر قیدیوں کو اندھا کرنے یا دوسرے طریق پر ناقابل بنانے کی اجازت نہ
دی تھی اس لئے اس نے انکی حفاظت کے متعلق کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اودین نامی
ایک چالباز اور بلند ارادہ کائستھ جیمبر لین مانک۔ اور بھیماکر کا بیٹا اندکران
تین مشیروں نے مل کر بغاوت کی ٹھانی اور مختلف موقعوں پر پربمن کو جو اپنا

اقتدار بخوبی جما چکا تھا قتل کرنے کی تجویز سوچتے رہے۔ لیکن انہیں اسے مارنے کا کوئی موقعہ نہ مل سکا اور اس طرح پر وہ بیچارہ بچا رہا۔ آخر کار ایک موقعہ پر وہ قلعہ لوہر سے کسی کام پر اتا لکا[۵۳۲] میں آیا۔ ان لوگوں کا منشا چونکہ لوٹھن کو تخت نشین کرنیکا تھا اس لئے انہوں نے اس کی بیوی کو اس ارادہ سے خبردار کر دیا اور اسے اپنی تجویز بتا دی۔ پھر انہوں نے جعلی دستاویز اس غرض سے تیار کرنے لئے کہ انکے ذریعہ ان لوگوں کو جو قلعہ میں موجود تھے یقین دلا دیں کہ کشمیر سے راجہ نے جو قریب المرگ ہے لوٹھن کی تخت نشینی کا حکم بھیجا ہے۔ اس کے بعد وہ لوٹھن کے پاس پہنچے اور اس کی زنجیریں اتار کر قلعہ سے باہر لے آئے۔ پھر بوقت شب وشنو سنگھ راج[۵۳۳] سوامن کے مندر میں اسے تاج پہنا دیا۔ راجہ سسل کی ایک آوارہ مزاج رانی سردا نامی وہیں رہا کرتی تھی اس نے بھی انہیں اس کام میں مدد دی۔ اس نے انہیں لوہے کی سلاخیں لا دیں جن کی مدد سے انہوں نے خزانہ کے

[۵۳۲] نوٹ نمبر۶ متعلقہ لوہر ضمیمہ کتاب ہذا میں اتا لکا کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ اتولی اور سندی کا پرانا نام ہوا کرتا تھا۔ جو لوہرین سے نیچے کی طرف کوئی ۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں اگلے شلوکوں میں جن دیگر مقامات کا ذکر آتا ہے انپر اسی نوٹ میں بحث کی گئی ہے۔

[۵۳۳] جس مندر کا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے غالباً وہی ہے جس کا ذکر ترنگ ۶ کے شلوک ۳۰۴ میں سنگھ سوامن کے نام سے کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ رانی ددا نے اسے اپنے والد سنگھ راج کے اعزاز میں بنوایا تھا۔ لوہرین میں اس کی موجودہ مقامیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ شائد یہ اس جگہ واقع ہوا کرتا تھا جہاں آجکل سید چنن غازی کی زیارت ہے جس کی اب بہت کچھ پرستش کی جاتی ہے۔ یہ معبد اس ٹیلے کے مشرق کی طرف ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے جہاں اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ لوہر کا قلعہ ہوا کرتا تھا۔ دیکھو نوٹ نمبر۶ ضمیمہ کتاب ہذا۔

کمرے کے قفل توڑ ڈالے اور وہاں سے تمام مال و منال۔ جواہرات و دیگر قیمتی چیزیں اُڑا لے گئے۔ نوکروں سمیت انکی تعداد سات تھی۔ پہرہ دار چنڈالوں کو انہوں نے رشوت دیکر اپنا طرفدار بنا لیا اور یہ سب کام بڑی دلیری کے ساتھ کرتے رہے۔ جب نقاروں اور باجوں کی آواز سے باشندگان قلعہ نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے لوٹھن کو اس قسم کے جواہرات سے آراستہ دیکھا جو ایک راجہ کو پہننے زیبا ہیں۔ اس نے ایسے شاندار کپڑے پہنے ہوئے تھے جو پہلے کسی کے دیکھنے میں نہیں آئے تھے اور شاہی مشیر اس کے گرد تھے جن کی وجہ سے لوگ اسے دیکھ کر اس طرح حیران ہوتے تھے گویا وہ چراغوں کی روشنی میں گھرا ہوا نمودار ہوا ہو۔ جوں جوں اس چاندنی رات کا باقی ماندہ حصہ گذرتا گیا انہیں بھی دشمن کے حملہ کا کھٹکا نہ رہا۔ اندیشہ انہیں صرف اس بات کا لگا ہوا تھا کہ پریمن کا نوعمر بیٹا جو اس جگہ کے دو ٹھکروں چرمن اور پاسک کے پاس ٹھیرا ہوا تھا کہیں انکو مع اپنے مسلمہ ہمراہیوں کے لیکر حملہ آور نہ ہو۔ صبح دم پریمن یہ بُری خبر سُنکر اضطراب اور دھوپ میں گھبرایا ہوا بغاوت کو رفع کرنے وہاں پہنچا۔ جب میں حضور کی طرف روانہ ہوا ہوں تو میں نے دیکھا تھا کہ شاہراہ کے قریب پہنچکر وہ دشمن کی سپاہ کے آگے آگے جو قلعہ سے نکل آئی تھی لوٹ گیا تھا۔

قاصد کی زبانی یہ خبر سُنکر راجہ نے جلدی سے کُل نامی لوہر کے ایک مشیر اور دوارپتی اننددوردھن کے بیٹے اودے[۸۳۴] کو روانہ کیا۔ یہ دونو چونکہ لوہر میں پیدا

[۸۳۴] یہ اودے جس کے نام کے ساتھ کلہن نے جابجا دوارپتی۔ دواریش وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۹۲۷ - ۱۹۷۰ - ۲۲۸۱ وغیرہ) اس اودے سے بالکل الگ ہے جو دھنیہ کا بھائی اور کمپناپتی (کمانڈر انچیف) تھا۔ آخرالذکر کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۸۴۰۔ آنند وردھن کو اس جگہ آبائی لقب سمجھنا چاہئے۔

ہوئے تھے اس لئے اس کے چپہ چپہ سے واقف تھے راجہ کا انہیں بھیجنے سے یہ منشا تھا کہ وہ انکی رسد رسانی کے وسائل بند کر کے اور اسی طرح کی انکی دیگر کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر قلعہ کو اپنے قبضہ میں کر لینگے۔

اس کے بعد جب راجہ شہر کو واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ سپاہی بھکشو کا سر لئے ہوئے لوگوں سے انعام مانگتے پھرتے ہیں۔ اس نے ان کو جھڑکا اور سر کو جلوا دیا۔ اپنے دادا کے ملک میں پوتے کی یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے بالخصوص عورتوں نے جلاتے وقت بہت کچھ آہ وزاری کی لیکن راجہ نے حکم دے رکھا تھا کہ انہیں اس بارہ میں کچھ نہ کہا سُنا جائے۔

لوہر کو دوبارہ فتح کرنیکی مہم ۱۱۳۰ء

راجہ نے رلہن کو لوہر پر چڑھائی کرنے بھیجا تاہم اسے اس کی کامیابی پر چنداں اعتماد نہ تھا کیونکہ ابتدائی موسم گرما کی وجہ سے شدت[۸۳۵] کی گرمی پڑتی تھی اور اس لحاظ سے یہ موقعہ غیر موزون تھا۔ رلہن اپنی شجاعت۔ وفاداری۔ بے غرضی و دیگر صفات حسنہ کے لئے مشہور تھا۔ اور راجہ جو لوہر کو فتح کرنیکا خواہشمند تھا چاہتا تھا کہ اس کی طرف سے اس کام میں ابتدا اچھی طرح ہو جائے معلوم نہیں راجہ کو تقدیر غلط راستہ پر چلا رہی تھی یا شرارتی مشیر اسے بھکا رہے تھے۔ بہر نوع وہ ایک بدیہی غلط تجویز پر چل رہا تھا کیونکہ نہ اس کے پاس وسائل تھے۔ نہ قلعے اور نہ اچھے مشیر لیکن باوجود ان تمام کمیوں کے وہ اس بات کی توقع کرتا تھا کہ میرے افسر اس کام کو بے حد گرمی کے موسم میں ایک مضبوط دشمن کے

[۸۳۵] نچلی وادی لوہرین کی نسبتاً گرم اور بخار پیدا کرنیوالی آب وہوا کا جو تباہ کن اثر اس کشمیری فوج پر پڑا تھا جسے بعد میں لوہر کی چڑھائی پر بھیجا گیا تھا اس کا ذکر مفصل طور پر نوٹ نمبر ہ ضمیمہ کتاب ہذا میں کیا گیا ہے۔

خلاف کامیابی سے سرانجام دے سکینگے۔ کمانڈر انچیف اودے اکیلا راجہ کا ساتھ دے رہا تھا اور نہ باقی سب وزیر چیمبرلین لکشمک کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ رلہن کی فوج میں راج پتر۔ سوار۔ ڈامر اور مشیر بہت تھے اور سامان بھی بکثرت تھا۔ بہت جلد وہ ایک وسیع علاقہ پر حاوی ہوگئی اس نے اتلکا میں اپنا کمپو لگا دیا اور تمام راستے بند کر کے ہر طرح دشمنوں کو مطیع کرنے کی کوشش کی۔ دشمنوں کو کچھ تو اندرونی نفاق کے خطرات لگے ہوئے تھے کچھ لُل وغیرہ پھل پور میں نواحات قلعہ میں ڈیرا ڈالے ان کا قافیہ تنگ کر رہے تھے۔ سوروا سے بھستنھل جس سے پہلے راجہ سسل نے لوتھن کی بیٹی پدم لیکھا کی شادی اس وقت کر دی تھی جبکہ لوتھن قید ہو چکا تھا وہ بھی اپنے خسر کی امداد کو آپہنچا تھا اور اس کے جوان جا بجا شاہی فوجوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ علاقہ میں ان شاہی افسروں کو دیکھ کر لوتھن کا دل مارے خوف کے گھبرا رہا تھا اور وہ اس بات پر آمادہ تھا کہ راجہ کا مطیع ہو کر جو سزا ملے اسے خوشی سے منظور کرلے۔

لکشمک روزمرہ یہ کہہ رہا تھا "اتنا کچھ تو ہم حاصل کر چکے ہیں۔ چونکہ اس خراب موسم میں اب مزید کارروائی فضول ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ ہم واپس لوٹ چلیں اس میں بدنامی کی کوئی بات نہیں۔ بعد میں جب موسم خزاں کے ابتدا پر اچھا موقعہ آئیگا تو ہم مزید طاقت حاصل کر کے چڑھائی کرینگے۔ اور پوری کوشش کے ساتھ اسے سرانجام پہنچا دینگے"۔ اس مشورہ کو نہ تو راجہ اور نہ اسکے چالباز مشیروں نے پسند کیا۔

سومپال اور سجی کی سازشیں

اودین نے جو لوہر میں وزیراعظم تھا سومپال کو بہت کچھ زر نقد کا دعدکر کے

اپنے آقا کی امداد کیلئے بلالیا۔ اس بدنام راجہ نے لوبھ میں آکر اپنی جدید رشتہ داری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے راجہ کے خلاف جو دریائے مصائب میں ڈوبا جارہا تھا۔ بغاوت شروع کردی۔ اس نے اودین کی شرائط منظور کرلیں اور اپنے دل کو یہ کہکر تسلی دے لی "اگر لوٹھن مجھے دھن دولت دیدے تو جے سنگھ کی رشتہ داری کی مجھے کیا پرواہ ہے؟ اگر ادھر کام نہ بنا تو میں چالاکی سے شاہی فریق کو کہہ دونگا کہ میں تمہارا طرفدار ہوں" اس چالاکی کے کام میں سجی بھی کسی حد تک شریک تھا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب راجہ نے سومپال کی وساطت سے سجی کو اس بات پر رضامند کرلیا تھا کہ وہ بھکشاچر کا ساتھ نہ دے تو اس کے بعد اس نے راجہ کے سفیر سے رقم موعودہ طلب کی اور اس بات پر اصرار کیا کہ جو روپیہ میرے قرضخواہوں کو واجب الادا ہے وہ فوراً ادا ہونا ضروری ہے۔ تو سفیر نے یہ معلوم کرکے کہ بھکشاچر اب زندہ مردہ برابر ہے نخوت سے اسے روپیہ دینے سے انکار کردیا اور حقارت آمیز لہجہ میں کہا "اب جبکہ خطرہ دور ہوچکا ہے تم ہمارے کس کام کے ہو؟" سجی کو جب بھکشاچر کے مرنے کی خبر ملی تو اس نے سمجھ لیا کہ اب راجہ کو میری ضرورت نہیں۔ اس غم میں مبتلا ہوئے اسے ایک ہی دن ہوا تھا کہ لوہر والے واقعہ کی خبر اسے مل گئی۔ اب اس نے پھر اپنے غرور کو ثابت کیا اور اندرونی طور پر غصہ میں سفیر شاہی سے کہا۔ "میں لوٹھن سے تمہاری صلح کرادونگا۔ ادھر سومپال سے یہ کہا "میں لوٹھن کو ترغیب دونگا کہ وہ تمہیں روپیہ دیدے"۔ حقیقت میں اس کا منشا فریقین کی طاقت وکمزوری سے کام لیکر اپنا مطلب نکالنا تھا۔ اس لئے وہ سومپال سمیت گھور ملک[۸۳۶] کو چلاگیا۔ اور اپنے

[۸۳۶] گھور ملک جس کا ذکر صرف اسی جگہ آتا ہے۔ غالباً رجوری کے شمال میں سلسلہ کوہ

چند ایک جوان لے گیا جن کی روانگی کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ معلوم نہیں اپنے سابقہ افعال میں اس نے جس دیانتداری کا اظہار کیا تھا اسے جسمانی تعیش کی حریصانہ خواہش کے باعث چھوڑ دیا اور اس طرح پر اپنے نام نکو پر ناشائستہ

رتن پیر کی سمت میں واقع تھا۔ بعد میں سومپال اور سبجی کو جنوبی وادی لوہرین میں شاہی فوجوں تک پہنچنے کے لئے اس سلسلہ کوہ کو عبور کرنا پڑا تھا۔

اس جگہ کا نام کسیقدر ترمیم شدہ صورت میں جے انت کی کتاب بینائے منجری میں پایا جاتا ہے۔ جسے حال میں پروفیسر وینس نے نیجے نگر کے سلسلہ کتب سنسکرت میں شائع کیا ہے۔ جے انت شاعر ابھی نند کا باپ تھا جس کی نسبت پروفیسر بوہلر نے اس مصنف کی کتاب کادمبری کتھا سار کے متعلق اپنے مضمون مندرجہ انڈین اینٹیکوٹیز جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ میں ثابت کیا ہے کہ وہ نویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں ہو گذرا ہے۔ اس جے انت نے بینائے منجری کے صفحہ ۴، ۲ میں ذکر کیا ہے کہ ایک خاص یگیہ کی بدولت اس کے دادا کانت کو جس کا ذکر کادمبری کتھا سار کے تمہیدی شلوک ۹ میں آتا ہے۔ گور ملک کا گاؤں مل گیا تھا۔ سٹائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس مقامی نام کی نسبت یہ خیال کرنا چنداں غیر مناسب نہ ہو گا کہ اس سے مراد گھور ملک سے ہے جس کا ذکر اس جگہ آیا ہے۔

کادمبری سار کتھا کے تمہیدی شلوک ۵ میں مذکور ہے کہ ابھی نند سے ۱ پشت پہلے اس کا ایک بزرگ گوڑ (بنگال) سے ترک وطن کر کے علاقہ دار وابھیسار میں آباد ہوا تھا۔ اس تذکرہ اور نیز اس واقعہ سے کہ ابھی نند کا پڑدادا شکتی سوامن مکتا پید للتا دتیہ والئے کشمیر کا وزیر ہو گذرا ہے پروفیسر بوہلر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ابھی نند کا خاندان اس پہاڑی علاقہ میں آباد ہو گیا ہو گا جو کشمیر کے عین جنوب کی طرف واقع ہے۔

قبل ازیں نوٹ نمبر ۷ کتاب ہذا دینز ترنگ ۸ شلوک ۱۵۳۱ میں بیان کیا جا چکا ہے

حرکات کی خاک چھڑک لی حقیقت یہ ہے کہ وہ کشمیر کا چربدار لذیذ کھانا چھوڑنے
کے ناقابل تھا جو برف کے ڈھیروں سے سفید شدہ پانی کے ذریعہ بہت جلد ہضم[۸۳۷]

کہ جغرافیائی طور پر دار و ابھیسار میں علاقہ راجپوری بھی داخل تھا۔ ظاہر ہے کہ آخرالذکر میں گھور ملک بھی جس کا اس جگہ ذکر آتا ہے واقع تھا۔

گور ملک اور گھور ملک میں جو آواز کا اختلاف پایا جاتا ہے اس کی توضیح بآسانی ہوسکتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صورتوں میں کسی کشمیری یا پہاڑی گاؤں کے نام کو جو بصورت اپ بھرنش گورل یا گوزل ہوگا۔ سنسکرت کی صورت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جیسا کہ گریرسن صاحب جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۷ء کے صفحہ ۱۸۰ پر لکھتے ہیں۔ کشمیری زبان میں "گھ" پایا ہی نہیں جاتا اور اس کے "اُو" اور "اَو" میں بھی بین اختلاف نظر نہیں آتا۔ ابھی نند نے اپنے جدی بزرگ کے اگرہار کا نام گوڑ کے وزن پر گور ملک لکھا لیکن ۳ صدی بعد کلہن نے اسے سنسکرت کا قالب دیکر گھور ملک لکھ دیا۔ ایسی ہی ایک مثال بلیرک اور بھلیرک کی ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۳۹ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۱۰ میں پائی جاتی ہے۔ نیز دیکھو نوٹ نمبر ۲۲ کتاب ہذا متعلقہ گودھرا و گودر۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ میں اس مقامی نام کی نسبت چونکہ ذاتی طور پر تحقیقات نہیں کرسکا۔ اس لئے اس کی مقامیت صحیح طور پر بیان کرنے سے قاصر ہوں میں اس قدر اور لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بنائے منجری کے عجیب حوالہ کی طرف پہلی مرتبہ میری توجہ اس سوال کے ذریعہ مبذول ہوئی تھی جو پروفیسر وینس نے اپنی چٹھی مورخہ ۲۵۔ مارچ ۱۸۹۵ء میں مجھ سے پوچھا تھا۔

۸۳۷ اس سے پہلے ترنگ ۲ کے شلوک ۳۶۲ میں کلہن نے برفانی پانی کو کشمیر کی نعمت بیان کیا ہے۔

ہو جاتا ہے۔ وہ کشمیر سے باہر رہ کر خشک جو[۸۳۸] اور اسکے چھلکے نہ کھا سکتا تھا اور اس لئے ہر طرح واپس کشمیر میں پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کشمیریوں نے جب اس معاملہ کو ختم ہوتا نہ دیکھا اور وہ گرمی کی حدت سے گھبرا گئے تو اس کی آمد کی خبر سُنکر ان میں اضطراب پھیل گیا۔ جو لوگ چیمپر لین کے ہمراہ تھے بھنا ہوا گوشت کھاتے اور پھولوں کی خوشبو والی ہلکی اور لطیف سرد شراب پیتے تھے انہوں نے بڑا حوصلہ ظاہر کیا اور شیخی بگھارتے ہوئے کہنے لگے "ہم لڑائی میں بہت جلد سجی کو پکڑ کر اسے ڈاڑھی سے کھینچتے ہوئے لے آئینگے"۔ لیکن باوجود اپنی تمام کوششوں کے وہ سجی کا مقابلہ نہ کر سکے بحالیکہ اس کے ساتھ صرف چند ایک کشمیری کہش اور اہل سندھو[۸۳۹] تھے۔ ادھر سوم پال نے جب لوٹھن کو روپیہ کے لئے زیادہ تنگ کیا تو وہ کہنے لگا "اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ میں اپنے بھتیجے جے سنگھ ہی کو جو عزت دار راجاؤں میں اول درجہ پر ہے۔ خراج ادا کر دیتا" اس پر سوم پال نے توہین گوارا نہ کر کے راجہ کی طرفداری کا رجحان ظاہر کیا۔ سوم پال نے سجی کو یہ کہکر

---

۸۳۸ کشمیر میں صرف نہایت ہی غریب لوگ جو کھاتے ہیں اور وہ بھی راستہ میں یا کسی ایسی جگہ جہاں مناسب خوراک حاصل نہ ہو سکے۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۲۰۵۔ ترنگ ۷، شلوک ۱۶۲۴۔ میدان میں رہنے والوں کی خوراک کو اب بھی کشمیری کچھ کم ناپسند نہیں کرتے اور اگر کسی کشمیری سے جو اپنی عزیز داری سے باہر رہتا ہو پوچھا جائے تو اس بارہ میں وہ یقیناً شکایات کا دفتر کھول بیٹھے گا۔

۸۳۹ سندھو سے مراد غالباً ان لوگوں سے ہوگی جو سلسلہ کوہ نمک (سندھ ساگر) کے رہنے والے ہوں کیونکہ آج تک اس جگہ سے بہادر سپاہیوں کو بھرتی کرنے کا رواج چلا آتا ہے۔ اب سے تھوڑی مدت پہلے اس علاقہ سے برہمن فوج میں بھرتی ہوا کرتے تھے۔

ملامت کی "میں تو اپنے خسر (بجے سنگھ) کی فوجوں کی امداد کی تیاریاں کر رہا ہوں
جو دشمن سے لڑنے میں مصروف ہے اور تم جو میرے حذام میں ہو انپر حملہ کرنیکی
فکر میں ہو؟ لیکن اس نے اپنی منشا کے مطابق عمل کرنے کی نیت سے دوسروں
کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شاہی فوج پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں۔

کشمیری فوجوں کا لوہر سے واپس ہونا

اساڑھ کے مہینہ میں لوگوں کو سردی کا بخار[۸۴۰] شدت سے ہوتا تھا جس سے خائف ہو کر تکشمک اپنی فوج لئے رات ہی رات پسپا ہو گیا۔ چند سپاہیوں کو
راجہ کے پاس اس غرض سے روانہ کیا گیا تھا کہ وہ فوج کی تباہی کی خبر پہنچائیں۔
لیکن وہ قتل ہونے کے شوق میں سجی کی فوج کی طرف جا نکلے۔ جس وقت راجہ
کی فوجیں ٹیلوں کے باعث دشوار گذار راستہ کے ایک طرف سے ہو کر گذرنے
لگیں۔ دشمن دوسرے راستہ روانہ ہوا۔ فوجیں سارمبر کا راستہ دشمن کے ہاتھ
میں چھوڑ کر کالینک[۸۴۱] نامی درہ سے اپنے ملک کو واپس ہونے لگیں اور اسی روز

---

[۸۴۰] موسم گرما کی برسات اور موسم خزاں میں وادی لوہرین کے اندر مندی
(اتانکا) کے قریب اور نیچے کی طرف خوفناک بخار کا زور رہتا ہے۔ سٹائن صاحب
لکھتے ہیں کہ جب اگست ۱۸۹۲ء میں میں اس وادی میں پہنچا تو مندی کے باشندوں میں سے
اکثر اس قسم کے بخار میں مبتلا تھے۔ جس کا باعث کسی حد تک دھانوں کی وسیع
کاشت ہے۔ دیکھو نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ لوہر و نیز نوٹ ۸۲۰
کتاب ہذا۔

[۸۴۱] نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جس راستہ
سے افواج کشمیر نے واپس آنا چاہا تھا وہ تین میل کے فاصلہ تک مندی (اتانکا)
سے اوپر کی طرف ۳ میل کے قریب وادی لوہرین پر چڑھتی ہے۔ اس جگہ اور پلیر کے

بلا کسی حادثہ کے وانکا واس میں جا پہنچیں جو اسی راستہ پر واقع ہے۔ جو لوگ انکے پیچھے روانہ ہوئے تھے نواحات کی جھونپڑیوں میں پناہ گزیں ہو گئے، اور کھا پی کر آدھی رات تک کسی خطرہ سے بے خبر آرام سے لیٹے رہے۔ ادھر سجی نوب تیزی سے کوچ کرتا چلا آیا اور آخر کار نقاروں کی آواز سے دشمن کو اپنی آمد سے خبردار کرنے کے دوران میں اس نے غنیم کے لشکر میں اضطراب پھیلا دیا۔

درمیان جو تنگ چٹانی درہ گذرتا ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ کلہن نے بیان کیا ہے پلیر سے ایک مشکل راستہ جو بڑے نقشہ پیمائش پر دکھایا ہوا ہے۔ جنوب مشرقی سمت میں کلین نامی ایک چوٹی تک جاتا ہے جو وہی ہے جس کا نام اس کتاب میں لنیک آیا ہے۔

اس چوٹی کے راستہ پر جو مقامی واقفیت کے مطابق نقشہ پر دکھایا گیا ہے۔ آخری آباد مقام ون کا گاؤں ہے جسے نقشہ میں بن کے نام سے دکھایا گیا ہے۔ سٹائن صاحب رائے دیتے ہیں کہ یہی وہ مقام ہے جو اس کتاب میں ونکا واس کے نام سے آیا ہے۔ یہ نام ونکا اور واس بمعنی آبادی کے دو مختلف الفاظ سے مرکب ہے۔ نقشہ میں ون کے نیچے وادی میں پھیلے ہوئے متعدد گاؤں دکھائے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری فوج کے عقبی حصہ نے ترنگ ۸ کے شلوک ۸ ۷ ۸ کے مطابق اس جگہ پناہ حاصل کی تھی اور یہیں سجی نے انپر شبخون مارا تھا۔

راستہ شارمبر اس وادی سے مطلب ہے جو وادی لوہرین سے انولی کے مقام پر شمال کی جانب سے آ ملتی ہے۔ یہ وادی جو درہ فیروز پور ضمیر کی طرف جاتی ہے۔ کشمیریوں کے لئے اپنے علاقہ میں پہنچنے کا سیدھا راستہ ثابت ہو سکتی تھی۔ شارمبر کا نام اب بھی چامبر کی صورت میں قائم ہے جو اس وادی کا سب سے بڑا گاؤں ہے۔

سجی کا شبخون اس پر فوجیں اور انکے بیکس لیڈر سرعت سے مختلف پہاڑی راستوں پر سے ہوتے ہوئے راتوں رات بھاگ گئے۔

جس طرح زلزلوں کی بدولت بڑی بڑی چٹانیں اپنی مختلف مائع معدنیات سے محروم ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی صبح کے وقت لٹیروں نے وزیروں کی خوشنما پوشاکیں چھین لیں۔ اس وقت کسی نے فوج کو لوٹ سے بچانے کے لئے تلوار نہ اُٹھائی ہر شخص کو اپنی اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض چٹانوں کو پھلانگتے ہوئے جا رہے تھے اور انکے ایسا کرنے میں انکے قرمزی رنگ کے نچلے کپڑے نظر آ جاتے تھے جن کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سرخ چوتڑوں والے بندر بھاگے جا رہے ہوں۔ بعض کے کپڑے جلتے رہے تھے اور انکے زرد جسم اس طرح نظر آ رہے تھے گویا وہ ہڑتال کے ٹکڑے ہوں جنہیں آندھی اِدھر اُدھر لڑھکائے لئے پھرتی ہو۔ بعض جن کے بدن بھاری تھے وہ درختوں سے ڈھپے ہوئے پہاڑوں پر سے گذرتے وقت اس طرح ہانپتے جا رہے تھے گویا چھوٹے چھوٹے ہاتھی بانس کے جنگلوں سے ڈھپے ہوئے پہاڑوں پر سے گذر رہے ہوں۔ ناموں کا ذکر کرنے کی تو کیا ضرورت ہے؟ ایک بھی وزیر ایسا نہ تھا جو ہمت ہار کر حیوانوں کی طرح نہ بھاگ نکلا ہو۔ دشمن کے بعض سپاہیوں نے دور سے چیمبر لین کو دیکھا کہ وہ اضطراب کی حالت میں نوکروں کے کندھوں پر سوار بھاگا جا رہا ہے۔ اس وقت اس نے کپڑے نہ پہنے ہوئے تھے۔ اور دھوپ میں اس کے بازو بند چمک رہے تھے۔ اسے پہنچان کر سب لوگ پوری طاقت سے اس کے تعاقب میں دوڑے۔

لکشمک کی گرفتاری نوکر کو جب ایک پتھر لگا تو اس نے اسے پھینک دیا۔ وہ خود بھی ایک پتھر لگنے سے مجروح ہوا اور بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ اسی حالت میں تعاقب کرنے والوں نے آ کر اسے

گرفتار کر لیا۔ اس کا جسم اس سارق (پرندہ) کی مانند دبلا ہو چکا تھا جسے تھوڑا ہی عرصہ پیشتر پنجرے میں ڈالا گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نمودار تھے۔ جن کی وجہ سے وہ چمگاڈر (ونگلی؟) سے مشابہ تھا۔ وہ اب یہ سوچ رہا تھا کہ جس طرح میں نے سجی کی دولت و عزت ضائع کی تھی ویسے ہی اب چونکہ میں اس کا قیدی ہوں وہ اس سے بھی زیادہ مجھ پر سختی کریگا۔ اس حالت میں یہ لوگ اسے کندھوں پر اٹھائے نعرے لگاتے اور ہنستے سجی کے روبرو لے گئے اور راستہ میں اس کے زیورات اور کپڑے اتار لئے۔ لیکن عزت دار سجی نے اسے دیکھ کر اپنا منہ کپڑے میں چھپا لیا اور یہ کہکر کہ برہد راج[۴۴۲] (بڑے راجکمار) کا آنا مبارک ہو" اسے اپنے کپڑے دیدیئے۔ اس نے اسے کپڑے پہنا کر گھوڑے پر سوار کرایا۔ مہربانی اور صلح کے الفاظ سے مخاطب کیا اور ہر طرح پر مزید اطمینان دلایا۔ اس کے بعد وہ اسے اپنے ہمراہ لیکر عجب آن بان سے ان کھشوں کو ساتھ لئے جنہوں نے گھوڑے۔ سامان اور تلواریں لوٹ لی تھیں سومپال کے پاس پہنچا۔ قسمت جو آسمان پر بجلی کی مانند مضطرب رہتی اور تقدیر کے بادل کے ساتھ ساتھ چلتی ہے ہمیشہ کس کا ساتھ دیتی ہے؟ وہ شخص جس کے روبرو سومپال اور دوسرے راجکمار۔ نوکروں کی طرح تال سے کھانا کھاتے تھے اور جس کے جسم پر خود بڑے انکسار کے ساتھ زعفران لگایا کرتے تھے اسے اب لوگوں نے پانچ چھ مہینے اس حالت میں انکے آگے کھڑا ہوتے دیکھا۔

ٹل کا سیاہ چہرہ سفید ڈاڑھی میں چھپا ہوا بالکل اسے لنگور کی صورت دیتا تھا اسے بھی دشمنوں نے جنگل میں پکڑ لیا اور وہ فرط غم سے چپ کا چپ

[۴۴۲] ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۱۷ سے واضح ہوتا ہے کہ برہد راج لاکشمک کا خطاب یا اس کا عرف تھا۔ سجی اپنی خوشی کو چھپانے کے لئے منہ ڈھانپتا ہے۔

رہ گیا۔ سجی نے لکشمک کو سوپال کے حوالہ کردیا۔ اور اسے لیکر وہ اس طرح خوشی خوشی اپنے ملک کو لوٹ گیا گویا اس نے کشمیر کو فتح کرلیا ہو۔ بہادر مانک اور اور لوگ لوتھن کی طرف سے اس کے پاس آئے اور بڑی بڑی رقوم معاوضہ پیش کرکے چیمبرلین کو دے دینے کی درخواست کرتے رہے۔ پرندوں کی طرح اس وقت کونسا ڈامر ایسا تھا جو یہ نہ خیال کرتا تھا کہ چیمبرلین کی نصیحت کے بازو تلے رہ کر میں کشمیر پہنچ سکونگا۔ حریص سوپال نے ان لوگوں کا کہنا نہ مانا کیونکہ اسے توقع تھی کہ میں سلطنت پر جو چیمبرلین پر دارومدار رکھتی تھی قبضہ کرسکونگا۔ علاوہ بریں اسے راجہ کی طرف سے بیش قرار روپیہ ملنے کی امید لگی ہوئی تھی۔

جب وزرا سخت ذلت کی حالت میں شہر پہنچے تو راجہ نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور چیمبرلین کو ہاتھ سے جا چکا سمجھ لیا۔ اس موقعہ پر راجہ کے دس ہزار چیدہ جوان سردی کے بخار سے جان بحق تسلیم ہوئے۔ یہ اتنی بڑی تعداد تھی جس سے بھکشاچر تاج حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا اور جس کی مدد سے سسل نے بغاوت کو فرو کیا تھا۔ اس وقت شب و روز متوفیاں کے رشتہ داروں کی آہ وزاری اور ماتمی باجوں کی آواز سارے ملک کے اندر دم بھر نہ رکتی تھی۔ تمام کاروبار بند ہوگیا کیونکہ دھوپ میں شدت کی گرمی ہوتی تھی اور ساری سلطنت تباہی کے درجہ تک پہنچ گئی تھی لیکن دوسری طرف لوہر کے دربار میں بڑی دھوم دھام اور شان وشوکت کا سامان نظر آتا تھا اور مختلف مقام سے کشمیری بھی وہاں جمع ہوتے جارہے تھے۔ جس طرح کوے اور کھجور کے درخت کے قصہ میں آتا ہے لوتھن کو شاہی طاقت اس پھل کی مانند اتفاقیہ طور پر مل گئی تھی اور اب وہ اپنی نمود و نمائش کے اعتبار سے دولت

کے دیوتا سے مشابہ تھا۔

لوہر میں لوتھن کی حکومت } اس کے بھتیجے۔ نوکر۔ بیٹا وغیرہ جن لوگوں نے اس کے ساتھ تکالیف برداشت کی تھیں وہی اب اس کے ساتھ مزے لوٹ رہے تھے۔ ہر چند کہ پختہ عمر ہو گئے کے باعث وہ اختیارات حاصل کر کے زیادہ تر ظاہری طمطراق سے کام نہ لیتا تھا۔ تاہم کسی نے اسے غیر مستحق اشخاص پر دولت لٹاتے یا مستحق لوگوں کو بند مٹھی دکھاتے .... نہیں دیکھا۔ اندھیرا بجائے خود علیحدہ طور پر پایا جاتا ہے لیکن روشنی کے ساتھ ساتھ اس کی خاصیت کی وجہ سے سینکڑوں سائے لگے رہتے ہیں۔ ایسے ہی مصیبت خوشی کے بغیر بھی موجود ہے لیکن خوشی میں خلل ڈالنے والی لاانتہا مصیبتیں دیکھی جاتی ہیں۔ یہ عروج حاصل کرنے کے کم و بیش ایک ماہ بعد لوتھن کا اکلوتا بیٹا دلہ مر گیا۔ اسی اکلوتے بچے کے غم میں آہ و زاری کرتی لوتھن کی بیوی ملا بھی فوت ہو گئی۔

جب اس کی پیاری بیوی اور اعلےٰ صفات بیٹا اس دار فانی سے کوچ کر گئے تو لوتھن کا اختیارات شاہی کا مزا جاتا رہا۔ اس کے بعد اگر کبھی وہ خوش ہوا تو اس کی وجہ یا تو اس کے اندر محبت کی کمی یا اختیارات شاہی کی نظر فریب طاقت ہو گی۔

راجہ (جے سنگھ) نے جو موقعہ شناس تھا ۲۶ لاکھ زر فدیہ دیکر لکشمک کو رہا کرا لیا۔ جب وہ واپس آیا تو لوگوں نے مارے خوشی کے اسقدر پھول برسائے کہ سڑک ڈھک گئی۔ اب کون ایسا شخص تھا جو یہ خیال نہ کرتا ہو کہ راجہ کی گئی ہوئی قسمت واپس آ گئی ہے۔ اس کی نیک بختی کی طاقت سے شکست کے واقعات اسے بہت جلد بھول گئے اور اختیارات حاصل کر کے
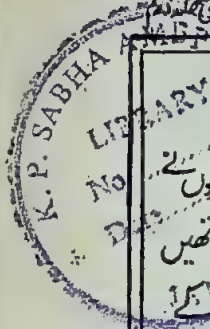
لکشمک دوبارہ لوگوں پر عنایات کرنے اور سزائیں دینے لگا۔

سجی دربار لوہر میں } سجی ہر چند کہ طمع زر میں راجہ کی محبت کو بالائے طاق رکھ چکا تھا تاہم لوتھن کا وزیر بنکر اس نے دیانت داری سے کام کیا۔ اس نے بھاگک کی بیٹی کی شادی لوتھن سے کردی اور اس طرح پر پہلی بیوی کے مرنے سے اسے جو غم اور دنیا کی طرف سے بے اعتباری سی پیدا ہو گئی تھی دور کردی۔ علاوہ بریں دانا سجی نے راجہ پدمرتھ کے پاس پہنچکر اس کی بیٹی سوبل دیوی کی شادی بھی اس سے کرادی۔ اسی طرح پر اعلےٰ تعلقات کے ذریعہ اسے پائدار بنا کر اس نے اُن لامحدود اختیارات کا معاوضہ ادا کیا جو اسے اس کی طرف سے حاصل تھے۔ ڈامروں وغیرہ کے کہنے سننے سے راجہ لوتھن نے اسے کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا اس موقعہ دشمن کو گھبراہٹ میں ڈالنے کے لئے جس نے بڑی بڑی تیاریاں کر رکھی تھیں اور نواحات کے والیان ریاست سے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے سسل کے بیٹے (بجے سنگھ) نے ایک فریب سے کام لیا۔ اس معاملہ میں دمارپتی اودے کا ہاتھ بہت بڑی حد تک تھا جس کے لئے اس شخص نے جس کی دیانتداری اٹل تھی تمام سمجھدار لوگوں کی زبان سے تحسین و آفرین حاصل کی۔ ہر چند کہ یہ شخص جہاں مقرر تھا وہاں اس کے لئے وسائل کی کمی تھی۔ دشمن ہر طرح مالی طمع دیتا تھا۔ اسے اعزاز و انعامات حاصل ہونے کی بھی توقع تھی تاہم ہمیشہ وہ اپنے آقا کی خدمت گذاری پر قائم رہا۔ اس موقعہ پر وہ لوہر سے تھوڑی دور درون پرست[۸۴۳] نامی ایک

---

۸۴۳ درون پرست کا نام صرف اسی جگہ آتا ہے اس لفظ کا ترجمہ "دشتی سطح مرتفع" ہو سکتا ہے اور ظن غالب ہے کہ یہ لوہر کے اوپر کی طرف کسی کوہی علاقہ کا نام ہوگا۔

مقام پر موجود تھا اور انتھک طریقہ پر متواتر حملے کر کر کے دشمن کی فوج کو تنگ کر رہا تھا۔ مانک اندا کر وغیرہ صحیح یا غلط طریقہ پر راجہ لوتھن سے اس کے ایک خاص امداد کی وجہ سے جس کا سجی انہیں اشارہ دیتا تھا خائف تھے۔ درحقیقت انہیں اس بات کا کھٹکا لگا ہوا تھا کہ راجہ جسے سجی پر پورا اعتبار ہے اس کے ایما پر ہمیں سازشی خیال کر کے راستہ میں سے ہٹانا چاہتا ہے۔

لوتھن کے خلاف جے سنگھ کے منصوبے

اس حالت میں دور اندیش راجہ جے سنگھ نے انہیں کہلا بھیجا "تمہارے فائدہ کی خاطر ہم ملارجن کو جو رانی سبھجا کے بطن سے راجہ سسل کا بیٹا ہے لوہر کے تخت پر بٹھا دینگے۔ تمہیں چاہئے کہ لوتھن پر بھی ویسے ہی دفعتاً غالب آجاؤ جیسے پرمین پر آئے تھے۔" یہ پیغام راجہ نے دراصل چالبازی کے طور پر بھیجا تھا ورنہ حقیقت میں وہ خود اس قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے اس کی بات کو باور تو نہ کیا البتہ اس کی تجویز سے رضامندی ظاہر کر دی۔ جب لوتھن کو خبر پہنچی کہ ملارجن سازش میں شریک ہے۔ تو اس نے اسے اور دوسرے سازشی بھتیجوں کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ اسے انکی طرف سے اس قدر کھٹکا لگا ہوا تھا کہ اس نے صرف وگرہ راج کو جو ایک مدخولہ کے بطن سے راجہ سسل کا بیٹا تھا چیمبرلین بنائے رکھا۔ راجہ نے ظاہرداری کی خاطر اپنے چچا (لوتھن) سے صلح کر لی لیکن درپردہ اپنی گم شدہ مملکت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے مکر و فریب سے کام لیتا رہا۔ لوتھن نے جو تخت پر اب بخوبی قابض ہو چکا تھا سجی کی کوششوں سے مشور کو تو نکال دیا اور خود چند ماہ تک بے کھٹکے بیٹھا رہا جب اس نے سنا کہ پدمرتھ کی اس بیٹی کی زبردست مال تیجلا دیناب جسے سجی دلہن بنانے لایا تھا شادی کے موقعہ پر جس کی رسم ابھی ادا نہ ہوئی تھی آشرئے

ہونے آئی ہے، تو وہ اس سے ملنے درپت پور پہنچا۔[۴۴۳]

ملارجن کا راجہ لوہر بنایا جانا ۱۱۳۱ء

اس پر مانک اور اس کے ساتھیوں کو خوب موقعہ ہاتھ آیا اور وہ قید خانہ سے نکل کر ایک خاص مقام پر ملے جس کے بعد انہوں نے ملارجن کو علاقہ لوہر کا تاجدار بنا دیا۔ اس اثنا میں راجہ جے سنگھ کے آدمی شاہراہ پر اس غرض سے پہنچ چکے تھے کہ قلعہ میں داخل ہو سکیں لیکن انہوں نے ٹھگروں کو مدد کے لئے بلا کر انہیں دور ہی رکھا۔ ۱۳۔ شدی پھاگن لوکک سمت ۴۲۰۶ (۱۱۳۱ء) کو لوٹھن کے ہاتھ سے تخت ویسے ہی جلدی نکل گیا جیسے ملا تھا۔ اس سادہ لوح شخص کو اب اس مصیبت میں دوہرا افسوس آتا تھا کہ وہ لڑکی جس سے بینے ابھی شادی نہ کی تھی اور وہ دوات جسے بینے ابھی استعمال نہ کیا تھا دونوں دشمن کے ہاتھ میں پڑ گئیں۔ وہ اب بے کسی کی حالت میں پھر رہا تھا گو سجی کی بدولت اتالکا اور دیگر مقامات سے اسے خزانوں کا کچھ تھوڑا بہت حصہ مل گیا۔ مانک نے راجہ جے سنگھ کے آدمیوں سے جنہیں اس نے پہلے بلا لیا تھا حقارت سے سلوک کیا اور ملارجن کو سلطنت کا پورا مالک بنا دیا۔ یہ نوجوان راجہ بڑا اوباش تھا اور (ایک) موقعہ پر اس نے اس قسم کے پان تقسیم کروائے تھے جن میں سپاریوں کی بجائے موتی کاٹ کر رکھے ہوئے تھے۔ عیاشی میں پڑ کر وہ دلالوں کو خوب مالامال کر رہا تھا اور سمجھدار لوگ اس کی اس فیاضی پر نفرین بھیج رہے تھے۔ جو خزانہ راجہ سسل نے رعایا کو تکلیف دے دیکر جمع کیا تھا اسے اس اوباش راجہ نے خوب ہی بیدردی سے لٹایا۔ وہ بڑا کمینہ اور مغرور

---

[۴۴۳] یہ امر قابل تاسف ہے کہ درپت پور کا تا حال پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کس مقام کا دوسرا نام تھا اگر اس بارہ میں ہمیں کچھ معلوم ہوتا تو اس امر کا اندازہ کرنا سہل تھا کہ کالنجر یعنی پدہر کا علاقہ کس طرف کو واقع تھا۔

تھا۔ اس نے دیانتدار لوگوں کو تنگ کر کے ملک سے نکال دیا۔ اور انکے بجائے فاحشہ عورتوں۔ تماشہ گروں۔ بد معاشوں۔ چاپلوسوں اور غلاموں کی پرورش شروع کی۔

راجاؤں کی دولت کا حشر

راجہ جو دولت رعایا پر ظلم کر کے جمع کرتے ہیں وہ ضرور رقیبوں۔ دشمنوں یا آگ کے قبضہ میں آتی ہے۔ جو دولت راجہ جیا پیڈ نے رعایا پر ظلم کر کے جمع کی تھی اسے اُتپل اور ایک لونڈی کے دوسرے بیٹوں نے جنہوں نے اس کے پوتے کو مار دیا تھا لٹا یا۔ شنکر ورمن نے رعایا سے بد سلوکی کر کے جو مال و دولت جمع کی تھی اسے پر بھاکر اور اس کی رانی کے دوسرے آشناؤں نے خوب ہی دل کھولکر صرف کیا۔ پنگو (نرجت ورمن) کی رانیوں نے اپنے شوہر کا بری طرح کمایا ہوا روپیہ محبت میں اندھے ہوکر سگھندا دتیہ پر جوان کا آشنا تھا ضائع کیا۔ راجہ یشسکر نے بڑا دھن جمع کیا تھا اسے محبت کے دام میں پھنسکر اس کی رانی نے جو ایک چنڈال سے بغلگیر ہوتی تھی مٹی میں ملا دیا۔ پروگپت کا بیٹا (کشیم گپت) مرتے وقت وہ روپیہ جو اسے سابق راجاؤں سے ورثہ میں ملا تھا ننگ وغیرہ کے لئے جو اس کی رانی کے آشنا تھے چھوڑ گیا۔ سنگرام راج کو ہر وقت دولت جمع کرنے کی دھن لگی رہتی تھی اسے وئید اسوہ وغیرہ نے لوٹا جو ہر وقت شہد کی مکھی کی مانند سری لیکھا[شتہ] کے کنول جیسے چہرے کو چوما کرتا تھا۔ راجہ اننت کی دولت جس نے لاپروائی سے اپنی رعایا کو تباہ کر دیا تھا آگ میں بھسم ہوئی گو اس نے اسے دنیا کے ہر حصہ سے لا کر جمع کیا تھا۔ راجہ کلش نے جو دولت بُرے طریقوں سے جمع کی تھی

شتہ ترنگ ۷۔ کے شلوک ۱۲۳ میں سری لیکھا کے آشناؤں کا جو ذکر آیا ہے اس میں وئید سوہ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

اسے اس کے بیٹے نالائق لوگوں اور رانی نے آشناؤں کو دے دیکر برابر کر دیا۔ رجہ ہرش کو ہر وقت مزید حصول کی چاہ لگی رہتی تھی لیکن اس کے قبضہ کا تمام روپیہ معہ اس کے محل۔ رانیوں اور بیٹوں کے آگ کی نذر ہوا۔ اس کے مقابلہ میں چندراپید اوپل۔ اونتی ورمن وغیرہ نے دولت جمع کرنے میں ضوابط کو نظر انداز نہ کیا تھا اسی لئے انکی دولت نامناسب طریقوں پر ضائع نہ ہوئی۔

جب ملارجن کو نئی نئی دولت ہاتھ لگی تو چوروں۔ سازشیوں۔ نواحات کے والیان ریاست۔ فاحشہ عورتوں۔ چاپلوسوں وغیرہ نے اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کیا۔

چتررتھ کی لوہر پر چڑھائی راجہ (جے سنگھ) نے جب دشمنوں کو دھوکا دینے کے باوجود اپنا مدعا پورا ہوتا نہ دیکھا تو اس نے چتررتھ کو حملہ کرنے بھیجا۔ اسے ایک ساتھ دوارپتی اور پاداگر کے عہدے دے دیئے گئے تھے اور وہ متعدد امرا کو ہمراہ لیکر پھل پور میں چلا گیا۔ اس کے آدمی ملارجن کی جمیعت پر غالب نہ آسکتے تھے کیونکہ ایک تو آخرالذکر کی تعداد بڑی تھی دوسرے انہیں قلعہ کا سہارا حاصل تھا۔ اس کا نوکر سنوردہن جسکی راجہ بہت قدر کرتا تھا قلعہ بند فوج میں منافرت پھیلانے گیا لیکن بوقت شب ملارجن کے آدمیوں نے اسے قتل کر دیا۔ جب کوشٹھیشور پیچھے سے آپہنچا تو دشمن ہر چند کہ ایک ایسے قلعہ میں محفوظ تھے جسپر لڑکر بھی قبضہ نہ ہو سکتا تھا تاہم ڈر گئے۔ اسپر ملارجن نے صلح کرلی، اور خراج ادا کرتے رہنے کا وعدہ کیا ساتھ ہی اوب کے طور پر اپنی ماں کو انکے ہاں بھیجدیا۔ اس نے اس قسم کی پوشاک پہنی ہوئی تھی کہ جو باوجود اس بات کے کہ باعث بیوگی اس نے زیور اتار پہنے ہوئے تھے شاہی شان وشوکت کا مظہر تھی۔ اس پر لوسٹھیشور اور دوسرے

متلون مزاج والیان ریاست اس پر فریفتہ ہوگئے۔

ملارجن کی ادائیگی خراج

جب وہ واپس لوٹ آئی تو ملارجن نے دوارپتی چترر تھ کو خراج کی موعودہ رقم ادا کردی۔ کوشٹھیشور اب چونکہ راجہ کی ماں کی صورت دیکھنے کے لئے بے چین ہورہا تھا اس لئے وہ مو چند ہمراہیوں کے قلعہ دیکھنے کے بہانے سے قلعہ میں پہنچا۔ جب وہ اس جگہ سے واپس آیا تو چترر تھ تحفے تحائف لیکر اس کے ساتھ راجہ (جے سنگھ) کے پاس پہنچا۔ راجہ نے دوارپتی اور دے سے جو ایک بڑا سیانا مشیر تھا مشورہ کیا اور دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لئے طریقے سوچنے شروع کئے۔

ادھر جب لوٹھن پدمرتھ کے پاس چلا گیا تو نوجوان راجہ ملارجن نے حملوں سے بےخطر ہوکر اِدھر اُدھر پاؤں پھیلانے شروع کئے۔ پدمرتھ کی بیٹی سوملا سے شادی کرکے اس نے اپنے وسیع اقتدار کی بدولت ناگپال کی دختر سے بھی شادی کرلی۔ نخوت میں آکر اس نے سوم پال اور دوسرے والیان ریاست کو جو خفیہ طور پر اس کے خلاف سازش کررہے تھے نوکروں طرح امدادی روپیہ دینا شروع کیا۔ بہت سے بدمعاش جن میں شاہی نسل کے آدمی بھی موجود تھے۔ شاعروں گویئوں۔ داستان گو آدمیوں۔ کشتی لڑنے والوں اور تماشہ کرنے والوں کی صورت میں اسے لوٹا کرتے تھے۔ شروع ہی سے اسے ناقص طریق پر تعلیم دی گئی تھی اور وہ بڑے زور زور سے باتیں کیا کرتا تھا لیکن احمق اسے محض اس لئے چالاک خیال کرتے تھے کہ وہ بڑی لمبی چوڑی باتیں کرسکتا تھا۔ اس کی شکل وصورت موزون تھی لیکن سوائے چہرے کے جو ایک منحوس دمدار ستارے کی مانند روشن تھا اس میں اور کوئی خوبی نہ تھی۔

اس اثنا میں راجہ (جے سنگھ) نے بہادر سچی کو اس خیال سے کہ کہیں ملارجن

کو بھی اس کا سہارا حاصل نہ ہو جائے اپنا طرفدار بنانے کی کوشش شروع کی چیمبرلین نے جو سجی کو جلا وطن کرنے اور واپس بلانے کا اختیار رکھتا تھا اس موقعہ پر خاص طور سے ایک چالاکی سے کام لیا جس کا اثر فوری ہوا۔

سجی کا دوبارہ بلا لیا جانا اس نے راجہ کے زیر ہدایت ادھیکار سرج (کمانڈر انچیف) کے عہدہ و نیز دیگر اعلےٰ عہدوں کے ہار باستثنائے راجستھان (چیف جسٹس) کے عہدے کے ہار کے اسے پیش کئے تھے[۸۴۶]۔ لیکن اس سے سجی کا اطمینان نہ ہوا۔ اس پر آخر کار لکشمک نے سوپال کا لحاظ کر کے جو اس کے گھر آیا ہوا تھا۔ اپنے سر سے ہار اتار کر بائیں ہاتھ سے سجی کو دیدیا۔ اسے لیکر سجی کا اطمینان ہو گیا اور اس کی نگاہیں اس طرح نرم ہو گئیں گویا دولت کا درخت اُگ آیا ہو۔ رلہن نے سجی کی واپسی کی کسی طرح پر مخالفت نہ کی اور راجہ کے فائدہ کی خاطر اودے اور دھنیہ کی دوستی چھوڑ دی۔ راجہ نے سجی کو بلا کر اسے شرف ملاقات بخشا اس کے کہنے پر اس نے دھنیہ اور اس کے

---

[۸۴۶] اصل کتاب میں یہ شلوک کسیقدر مبہم ہے اور اوپر جو ترجمہ دیا گیا ہے اسکی آخری سطر اپنی طرف سے واضح کی گئی ہے۔ سٹائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں اس شلوک کا جو کچھ مطلب سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ لکشمک۔ جو سوپال کی موجودگی میں سجی کے ساتھ شرائط طے کر رہا ہے آخرالذکر کو سوائے راجستھان کے اس کے باقی تمام عہدے دینا منظور کرتا ہے۔ اس انتظام کی سجی کی طرف سے مخالفت ہوتی ہے۔ جس پر غالب آنے کے لئے لکشمک داڑھی کے بال نوچکر عہدہ کے ہار کے بجائے پیش کرتا ہے اس طرح پر ہر قسم کے ایثار کے لئے آمادہ ہونے کا ثبوت دیکر وہ سجی کو اپنا طرفدار بنا لیتا ہے اور وہ آخر کار اپنے اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔

عہدہ کے ہار کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۷۱ کتاب ہذا۔

آدمیوں کو ملک سے جلاوطن کر دیا گو اپنے من سے نہ نکالا۔ اب جب راجہ کو موقعہ مل گیا تو اس نے کوشٹھیشور کو کرایہ کے قاتلوں سے مروا دینا چاہا اور اس نے جب یہ خبر سنی تو فرار ہو گیا۔ جب راجہ منجیشور کو ساتھ لیکر حملہ کرنے بڑھا۔ تو کوشٹھیشور چونکہ اب بے یار و مددگار رہ گیا تھا اس لئے بھاگ نکلا۔

لوتھن کے معرکے } لوتھن بپ نیل[۸۴۷] نامی ایک مقام پر رہتا تھا جہاں اس نے چند ٹھکروں سے مدد لیکر ملارجن پر حملہ کر دیا۔ اس موقعہ پر اس کی ناقابل یقین بہادری دیکھنے میں آئی کیونکہ مفتوح ہونے پر بھی اس نے غالب ملارجن کو مغلوب کیا۔ اس نے اس کا گھوڑا چھین لیا۔ اتا لکا[۸۴۸] کی منڈی لوٹ لی اور جابجا سڑکوں پر چوکیاں و دیگر مقامات مسمار کر دیئے۔ مناج راج نامی ایک ڈامر کے مشورہ سے وہ کشمیر کا تخت حاصل کرنے کی نیت سے کرم راجیہ میں پہنچا۔ چترر تھ کو اس واقعہ کی خبر مل گئی اور اس نے اس لونیہ کو قتل کر دیا جس کے بعد لوتھن پھر علاقہ بپ نیل کی طرف ہٹ گیا۔ جبکہ وہ اس طرح پرے رہ کر حملے کر رہا تھا۔ ملارجن جو قلعہ لوہر میں مقیم تھا اس قابل بھی نہ تھا کہ

۸۴۷؎ بپ نیل کا ذکر صرف اس جگہ یا ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۹۳ میں آتا ہے۔ اس جگہ کا محل وقوع معلوم نہیں۔ اس نام کے آخری حصہ کا اشارہ نیل پور (ترنگ ۷ شلوک ۲۵۳) کی طرف اور اول حصہ کا بپا پور کی طرف معلوم ہوتا ہے جس پر نوٹ نمبر ۵۵۱ میں بحث ہو چکی ہے

۸۴۸؎ نوٹ نمبر ۶ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ لوہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اتا لکا کی منڈی وہی ہے جہاں آجکل اتولی کے قریب منڈی واقع ہے۔ یہ چھوٹا سا شہر اب تک لوہرن اور نواحی وادیوں میں ایک تجارتی مرکز ہے۔ دیکھو نوٹ نمبر ۶۹۹ کتاب ہذا۔

اتانکا[۴۲۹] تک اتر آئے۔ آخرکار کوشٹھیشور نے جو جے سنگھ پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا لوتھن اور ملارجن میں اس طرح پر صلح کرا دی کہ بھتیجے (ملارجن) سے چچا (لوتھن) کو روپیہ کی ایک خاص رقم ادا کرا دی۔

لوتھن کا کشمیر پہنچنا لوہر میں اپنے پاؤں جما کر کوشٹھیشور لوتھن سمیت راجہ کے ساتھ جنگ کرنے کشمیر جا پہنچا۔ اس نے پہاڑوں کو عبور کر کے بلا مزاحمت کارکوٹ ورنگ پر ڈیرا ڈال دیا۔ لیکن ابھی اس نے دوسرے ڈامروں سے میل جول پیدا نہ کیا تھا کہ راجہ نے جلدی سے اس پر حملہ کر دیا اور پوری طاقت سے کام لیکر ابتدا ہی میں اسے مغلوب کر لیا۔

اس اثنا میں چیمبرلین یکایک بیمار ہو کر راہی ملک عدم ہوا۔ واقع میں ادنے خوبیوں کے لوگ اپنی دولت کو عرصہ دراز تک نہیں بھوگ سکتے۔ افسوس ہے کہ وہ لوگ جن کے دل خوش بختی کی وجہ سے خراب ہو گئے ہیں نہیں سمجھتے کہ اٹل قسمت بہت جلد انپر غالب آجائے گی خواہ وہ دروازے بند کر کے مکانوں کے اندر رہیں۔ اسے دور رکھنے کی کوشش کریں یا اس کی طرف توجہ نہ دیں۔ اسکی بیوی ان لوگوں کو جو اس کی بیمار پرسی کے لئے آئے تھے۔ اس خیال سے کہ وہ آرام میں ہے اُس کے پاس نہ جانے دیتی تھی۔ لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ میرا شوہر آرام کی نیند سوتا ہوا ہی مر گیا ہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ بخار میں مبتلا ہونے کے بعد اب چونکہ اسے افاقہ ہے اس لئے وہ آرام سے سویا ہوا ہے۔ یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ سوتا سوتا ہی چل بسا ہے۔

---

[۴۲۹] اتولی لوہرکوٹ کے اغلب مقام وقوع سے آٹھ میل نیچے کی طرف واقع ہے۔

لوہر میں فساد کوشٹھیشور اور لوٹھن کی روانگی کے بعد لوہر کا راج[۸۵۰] نہ ملارجن کے ہاتھ میں تھا نہ کوشٹھیشور اور نہ لوٹھن کے۔ ملارجن نے اودین[۸۵۱] کو جو اس کے پاس تھا دھوکے سے مار ڈالا اسپر کوشٹھیشور کو جو اودین کے تحفظ کا ضامن تھا سخت جھلایا۔ ملارجن نے اس کی جھونجل کی پرواہ نہ کی جسپر کوشٹھیشور نے لوٹھن کو ہمراہ لیکر اپنی فوج کے ساتھ بڑے غصہ میں آکر اس پر حملہ کر دیا۔

پروشنی کے کنارے ملارجن کی شکست کوشٹ کے ہمراہ ہر چند کہ صرف چند ایک سوار تھے جن میں ل کوشٹ بھی تھا تاہم دریائے پردشنی[۸۵۲] کو عبور کر کے ملارجن کی سمت فوج کو

۸۵۰؎ کلہن کا اشارہ اس جگہ ان فسادات کی طرف ہے جو بعد میں لوہر کے اندر پیدا ہو گئے تھے اور اس وقت تک قائم رہے جبکہ جے سنگھ کے ہاتھ میں عنان حکومت آنے تک اختیارات شاہی کسی کو بھی حاصل نہ تھے۔

۸۵۱؎ اودین کا ذکر آخری مرتبہ ترنگ ۸ کے شلوک ۵۸۱ میں آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ لوٹھن کا طرفدار رہا ہوگا۔

۸۵۲؎ پردشنی لوہر کے جنوب میں غالباً کسی دریا کا نام ہوگا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا یہ وہی ندی تھی جو لوہرین سے نکلکر بہتی ہے یا پرنتس توہی کا دوسرا نام تھا جس کا نام ترنگ ۷ کے شلوک ۵۴۳ میں توشی آیا ہے۔ توشی غالباً ایک عام نام ہوگا جو تمام مدا ی بہنے والی پہاڑی ندیوں کے لئے استعمال ہو سکے۔

پروفیسر بوہلر اپنی رپورٹ کے صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں "تمام نہیں تو اکثر توہیوں کے خاص خاص نام ہوتے ہیں جو کم استعمال ہوتے ہیں" چنانچہ نقشہ پیمائش پر پرنتس توہی کا دوسرا نام پلست در نگ ہے۔

شکست دی۔ اس لڑائی میں کشی۔ سندھو کے باشندے اور اور لوگ قتل ہوئے
خود راجہ ملاراجن قتل ہونے لگا تھا لیکن اسے اس وجہ سے زندہ چھوڑ دیا گیا
کہ وہ جے سنگھ کے خلاف تھا۔ اوج عزت سے گر کر وہ قلعہ کی بلندی پر
جا چڑھا اور چونکہ اب اس کی طاقت ٹوٹ چکی تھی اس لئے اس نے پھر کوشٹ
کو ایک مرتبہ اپنا طرفدار بنایا۔ کوشٹھیشور نے کچھ عرصہ تو لوتھن کا ساتھ چھوڑ
کر اس سے صلح رکھی لیکن جب اس نے رقم موعودہ ادا نہ کی تو پھر اسپر ٹوٹ پڑا
اہلکاروں کو قید کر کے کوشٹھیشور نے خود محصول چونگی[۸۵۲] وصول کرنا شروع کیا اور

نیل مت پران کے شلوک ۱۵۵ و ۱۳۹۰ میں دو جگہ دریائے پروشنی کا ذکر آتا ہے اور دوسرے موقعہ پر یہ نام ان دریاؤں کی فہرست میں آیا ہے جو وادی کشمیر سے باہر دریائے وتشٹہ سے ملتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ واقفیت ان شلوکوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔

پل کوشٹ۔ لہر کا ڈامر حکمران ہے جس کا ذکر اول مرتبہ ترنگ ۸ کے شلوک ۵۱۲ میں آتا ہے

۸۵۲ یہ شلوک اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ خیال کیا جارہا تھا زمانہ قدیم میں مقامات درنگ چونگی خانوں کا کام بھی دیتے تھے۔ چنانچہ شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۲۵۰ میں مختلف درنگوں سے آمدنی کی وصولی کا ذکر پایا جاتا ہے اور سریور نے بھی اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۴۸ میں شور پور (ہور پور) کی درنگ کی نسبت اسی قسم کے الفاظ لکھے ہیں دیکھو نوٹ نمبر ۸ ضمیمہ کتاب ہذا وجرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۵ء صفحہ ۲۰۲۔

علاقہ جموں میں آجتک رواج ہے (اور ممکن ہے ہندوستان کے باقی علاقوں میں بھی ہو) کہ جس مال پر چونگی وصول کی جاتی ہے اسپر سیندور سے ایک قسم کی مہر لگا دی جاتی ہے۔

مال پر سیندور کے ساتھ اپنے نام کی مہر اس طرح لگوانی شروع کی گویا کہ خود راجہ ہو۔ جس طرح گوند سے جڑی شیشے کی صراحی کے دو ٹکڑے ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں ایسے ہی ہر وقت انکے باہمی تعلقات منقطع ہوتے رہتے تھے۔ لوہر کا راجہ (ملارجن) اپنی درشت کلامی سے لونیہ (کوشٹھیشور) کو ناراض کر لیتا تھا اور وہ اسے اپنی رقابت کے ذریعہ۔ آخر کار ڈامر نے اس پر حملہ کر کے اسکے ہتھیار اور گھوڑے چھین لئے اور اس کی جمعیت کمزور کر دی۔ اس طرح بے وقوف کوشٹ نے غلط سمت میں اپنی طاقت کا اظہار کر کر کے آنندہ کے لئے جے سنگھ کے دشمنوں کو کمزور کر دیا۔

اس اثنا میں ملارجن مانک کے قتل کی فکر میں تھا جو نہ صرف اس کا وزیر اعظم بلکہ اس لحاظ سے کہ اس کی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی تھی اس کا خسر بھی تھا۔ بات در اصل یہ تھی کہ مانک بوجہ اپنی قوت شباب کے بڑی بے چین طبیعت رکھتا تھا اور ملارجن کی ماں کے آشنا کی حیثیت میں علانیہ اس (اپنی دوست) سے مہربانیاں واصل کیا کرتا تھا۔ کھانا کھانے کا وقت تھا کہ راجہ سے اشارہ پاکر قاتلوں نے اس پر وار کئے اور کھانا کھاتے ہوئے ہی مار ڈالا۔ ملارجن نے تلوار (اسی پت) لگا۔ بہادروں کا پٹکا (ویرپت) پہن اور خوب نعرے لگا کر مانک کے سپاہیوں کو لوٹا۔ بغاوت میں جو لوگ شریک ہوئے تھے ان میں سے اندا کر بھی رہائی نہ بچا لیو کہ ملارجن نے اسے زہر دیکر مار ڈالا۔

جب قسمت نے جے سنگھ کے دشمنوں کو منتشر کر دیا اور کوشٹ کو اس نے اپنا طرفدار بنا لیا تو سبھی کو جو پہلے سے اس کی طرف آچکا تھا فتح لوہر کے لئے روانہ کیا۔ آخر الذکر جب ایک پہر کوچ کے فاصلہ پر رہ گیا تو ملارجن جسے کوشٹ نے گھوڑے چھین کر اضطراب میں ڈال دیا تھا قلعہ سے دست بردار ہو گیا

کیونکہ اب اس میں زیادہ مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ وہ روپیہ پیسہ لیکر اوناہ کی طرف چلا گیا وہ اب شاہی اقتدار سے گر چکا تھا۔ راستہ میں لٹیروں نے اسے لوٹا لیکن پھر بھی اپنی دولت کا کچھ حصہ اس کے پاس بچا رہا۔

ملارجن کی معزولی۔ لوہر پر دوبارہ قبضہ ۱۱۳۲ء

۱۸ سال کی عمر میں ۲۔ بدی بیساکھ لوکک سمت ۴۲۰۸ (۱۱۳۲ء) کو تخت ملارجن کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ وہ جس نے[۸۵۴] چاند کو اپنے مستک پر دھارن کرنے والے (شوجی) کو امرت پلایا تھا...... اور لڑائی میں اُس کا سر تن سے جدا کیا تھا اگر شوجی کی طرف سے ایسا ظہور میں آ سکتا ہے تو پھر اور

[۸۵۴] اصل کتاب میں چونکہ یہاں پر کچھ حروف مٹے ہوئے ہیں اس لئے شلوک کا مطلب کسی قدر مشتبہ ہے۔ لیکن سری بھاگوت میں یہ کہانی مفصل طور پر درج ہے اور لکھا ہے کہ سمندر بلوئے جانے پر جب امرت برآمد ہوا اور دیوتاؤں اور راکھشوں کا جھگڑا مٹانے کے لئے وشنو مہاراج موہنی روپ دھار کر خود امرت تقسیم کرنے لگے تو اس وقت یہ بات قرار پائی کہ اول امرت دیوتاؤں اور بعد میں راکھشوں میں تقسیم کیا جائے مگر ایک راکھش راہو نامی نے خیال کیا کہ امرت تو دیوتاؤں میں ہی ختم ہو جائیگا۔ بعد میں ہمارے ہاتھ کیا خاک آئے گی۔ فوراً ایک دیوتا کا روپ بھر کر سورج اور چاند کے قریب جا بیٹھا وشنو نے اسے بھی امرت پلا دیا مگر سورج اور چاند چلا اٹھے کہ یہ دیوتا نہیں اس پر وشنو نے چکر مار کر اس کا سر اُڑا دیا۔ سورج اور چندرماں نے چونکہ چغلی کھائی تھی اسلئے راہ اور کیت کو ان سے عداوت ہے اور اماوس کے دن اور پوران ماشی کی رات کو موقع پا کر سورج اور چاند کے گرہن کا باعث ہوتے ہیں۔ راہو کے سر کو راہ اور دھڑ کو کیت کہتے ہیں۔ (دیکھو سری مد بھاگوت اسکندھ ۸ ادھیائے ۹ صفحہ ۲۶۳ اردو ایڈیشن مترجمہ منشی دوارکا پرشاد صاحب)

کون ہے جو اپنے مربی کے خلاف جھوٹی تہمت تراشنے والوں کے کہنے سُننے میں نہ آوے۔ ظاہری نمود میں انسان کو مغالطہ میں ڈالنے کی جو خصوصیت پائی جاتی ہے اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ان پانی کے قطروں کو جو کنول پھول سے لگے ہوتے ہیں موتی اور راور راجاؤں کی بے سمجھی کو انکی قوت فیصلہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ جنگل میں بہت سے جانور ایسے ہیں جو (شیر کی طرح) اپنے پنجے سے بعض (ہاتھی کی طرح) اپنی ناک (سونڈ) سے بعض (مثلاً سانپ) اپنی آنکھوں سے بعض (مثلاً ریچھ) اپنی زبان سے دوسروں کو مار دیتے ہیں مگر جس طرح سورج کی شعائیں اس مادہ آتش گیر کو نہیں جلا سکتیں جو آتشی شیشے (جیوتی وساثمن) کے سامنے رکھا ہوا ہو ایسے ہی شریر لوگ اس وقت تک راجہ کے نوکر کو گزند نہیں پہنچا سکتے جب تک وہ آخرالذکر کے آگے ہے۔ لیکن اسکے پیچھے ہوتے ہی وہ اسے اس طرح تباہ کر دیتے ہیں جیسے سورج کی شعاعیں آتشی شیشہ کے پیچھے کی چیز کو جلا دیتی ہیں۔

سجی کے خلاف سازشیں جبکہ کمانڈر انچیف (سجی) کپل کے بیٹے ہرشت کو لوہر میں بطور گورنر مقرر کر کے قلعہ کے لئے فوج جمع کرنے کی فکر میں تھا اور اس غرض سے وہاں ٹھیرا ہوا تھا کہ مناسب انتظامات کر کے اس علاقہ کے امن و خوشحالی کا بند و بست کر جاؤں بعض بدمعاش آدمیوں نے جو اس سے ناراض تھے راجہ کے کانوں میں اس کی برائیاں بھرنی شروع کر دیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ جب بدمعاش مشیر ایسے راجہ کو بچے کی مانند نچا سکتے تھے تو پھر اور کس راجہ کی نسبت توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی قوت فیصلہ کے مطابق عمل کریگا؟ یا شائد جس طرح جواہرات کی رگ دور نہیں ہو سکتی ایسے ہی وہ کند ذہنی جو بچپن میں احمقوں کی صحبت سے حاصل

ہوتی ہے وہ سن بلوغ کو پہنچکر بھی دور نہیں ہوتی ؟ افسوس ہے کہ راجاؤں کے
اپنے نیک و بد ملازموں میں امتیاز کرنے کی ناقابلیت کی وجہ سے بیگناہ ملک پر
ناحق بجلی گرتی ہے۔

درحقیقت راجہ کے مشیروں نے سجی کو لوہر کی فتح کے لئے اس امید پر بھجوایا
تھا کہ وہ اس کام میں ناکام رہیگا اور لکشمک کی طرح اس کی حالت بھی قابل مضحکہ
ہو جائیگی۔ لیکن جب وہ اس عجیب وغریب کام میں کامیاب ہو گیا تو انہوں نے
اسپر غیبت کا وار کیا جو برہمن کے سراپ کی طرح خطا نہ جانے والا تھا۔ جب
کمانڈر انچیف واپس آیا تو راجہ نے اپنی دلی کدورت کو ظاہری تلطف کے پردے
میں چھپائے رکھا جس کی وجہ سے وہ اس کے حقیقی عندیہ سے آگاہ نہ ہوسکا
یا شائد یہ بات تھی کہ سجی کو جو قدرتی طور پر دیانتدار تھا کس بات کا خطرہ یا
بے اعتباری ہوسکتی تھی بالخصوص اس حالت میں جب کہ وہ ایک اتنا بڑا
معرکہ کا کام سرانجام دیکر آیا تھا جس طرح حاسد لوگوں کی یا وہ گوئی سے عاشق
کا دل پھر جاتا ہے ایسے ہی راجہ کو اس شخص کے کاموں میں گو کہ وہ راستی آمیز
ہوتے تھے کچھ لطف نہ آتا تھا۔

ادھر سجی کو یہ خیال تھا کہ یہ دو گم شدہ سلطنتیں دوبارہ فتح کر کے راجہ
کو دی ہیں۔ اس لئے وہ خود داری اور نخوت کی وجہ سے جیسے اس کے جی میں
آتا کرتا تھا۔ اتفاق سے انہی ایام میں اس کے رشتہ دار اہل شہر سے مکانات
چھین کر اور اور طرح دق کر کے ان پر ظلم کر رہے تھے جس کی وجہ سے اکثر لوگوں
کو اس سے نفرت ہو گئی تھی۔ کوشٹھیشور کو چونکہ اپنے اعمال بد یاد تھے اس لئے
وہ نہ تو راجہ اور نہ اپنے چچا منجیشور پر بھروسہ کرتا تھا جس نے اس وقت
جبکہ راجہ اس کے خلاف تھا عناد ظاہر کیا تھا۔

چترر تھ رعایا پر جبر و تشدد کر کے دولت جمع کر رہا تھا اور سجی سے اس کی رشتہ داری بھی ہو چکی تھی لیکن راجہ اس پر مہربان نہ تھا۔ اور خفیہ طور پر دھنیہ اور "اود" کو جو راجپوری میں مقیم تھے مالی امداد دیتا تھا گو وہ اس مہربانی کا اظہار سجی کی وجہ سے نہ کرتا تھا۔ ان دونوں کے آدمی سردی کے بخار کی وجہ سے فوت ہو چکے تھے اور اس لئے اب وہ ملارجن کے ساتھ لگے ہوئے تھے جس کے ہاتھ سے گو کہ تخت نکل چکا تھا تاہم وہ دولت خاصی رکھتا تھا۔

انہی ایام میں راجپوری میں سنج پال آپہنچا جسے لکشمک نے سجی سے نفرت کرنے کے باعث قبل ازیں قاصدوں کے ذریعہ بلایا ہوا تھا۔ سجی اور چترر تھ نے راجہ کو اس طریق پر چلنے سے باز رکھا جیسا لکشمک کا ارادہ تھا اس لئے اس نے اسے اپنے ہاں آنے کی اجازت نہ دی جس پر ملارجن نے اسے قاصدوں کے ذریعہ طلب کر لیا۔ راستہ میں اس کی کسی امیر سے تکرار ہو پڑی۔ وہ زخمی ہوا اور اس کا مال و اسباب چھن گیا۔ دور اندیش لوگ اس بات کو بہت کچھ اہمیت دیتے تھے کہ گو سنج پال اس خراب و خستہ حالت میں تھا اور ملارجن نے اسے انعام واکرام دینے کے وعدے بھی کئے تاہم وہ اسے اپنے پاس نہ بلا سکا۔

سنج پال کا کشمیر واپس ہونا

راجہ اس قسم کے معاملات میں بالکل دوسروں کی رائے پر عمل کرتا تھا۔ اب اس نے اور رلہن نے اسے خفیہ قاصدوں کے ذریعہ مہربانی سے بلا لیا اور وہ بڑی جلدی کشمیر آپہنچا۔ وہ شہر کے اندر دلیری سے آداخل ہوا اور راستہ میں سڑک پر جہاں دشمن بکثرت تھے یہی سوچتا آیا کہ "اگر انہوں نے مجھے یہاں نہیں مارا تو مضائقہ نہیں وہاں مار ڈالیں" وہ شخص جسے کینا کنج اور گوڑ کے راجاؤں کی رقابت کا اعزاز حاصل تھا یہ حالت دیکھ کر سخت ملول ہوا کہ میرے اپنے

ملک میں راجہ نے میری کچھ آؤ بھگت نہیں کی۔ وجہ یہ کہ وزیروں نے اسے
ایسا کرنے سے روکے رکھا تھا۔ غرض اہل شہر آنکھوں میں آنسو بھرے محل کے
قریب اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر کار راجہ نے وزیروں کی پرواہ نہ کرکے
اسے شرف ملاقات بخشا اور اس کی یہاں تک عزت کی کہ اپنے ہاتھ سے اسے
پان دیا۔ ہر چند کہ اس کے وسائل بالکل ہی نہ تھے تاہم محض شہرت کی وجہ
سے لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور چونکہ اس کا قصر شاہی میں اکثر
آنا جانا تھا اس لئے اس کے دشمن اس سے کانپا کرتے تھے۔ سجی میں انسان
شناسی کا بڑا زبردست مادہ تھا۔ وہ جب اس شخص کا انداز تکلم برتاؤ اور
اور باتیں دیکھتا جس کی شکل وصورت پہلے ہی عجیب تھی تو وہ دل ہی دل میں
کانپا کرتا تھا۔ وہ سوچتا تھا " واقعہ میں اس قسم کا عجیب وغریب بھیانک شخص
جو بے حدوحساب عالمگیر تباہی لا سکتا ہے اس ملک میں نچلا ہو کر نہ رہیگا "
اس نے مختلف ملکوں میں بڑے بڑے بہادر دیکھے تھے لیکن سنج پال کی طرف
دیکھ کر وہ سوچتا تھا کہ واقعی دنیا کی ساری بہادری اس پر ختم ہے۔ معلوم نہیں
قسمت کی نحوست سے یا نخوت میں آکر سجی نے بعض معیوب باتیں بھی کیں
مدوراجیہ میں اس نے ایک برہمن کو جسے اس کے ہمراہیوں نے لوٹا تو غصہ
میں آکر اس کی زبان سے سخت سست الفاظ نکل گئے تھے.. اس طرح
برچھوں سے مارا گویا کہ وہ کوئی گیدڑ ہو۔ جب اپنے افعال قبیحہ کی وجہ سے
باہر کے لوگوں کو بدل کر کے وہ شہر میں لوٹا تو اہل شہر بھی اس کے جبر وتعدی
کی وجہ سے اس کے خلاف ہوگئے۔ اس موقعہ پر کمایا وغیرہ نے نخوت میں
آکر اپنے ایک معمولی سے رشتہ دار کو اعلےٰ ترین حقوق دلا دیئے۔

سجی کی بے چینی } سجی نے نخوت میں آکر سوچا " کیا میرے علاوہ اور

بھی کوئی مراعات دینے والا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ اس نے ایک معمولی تماشہ گر کو اسی قدر رتبہ دلا دیا۔ رلہن کے کملیا وغیرہ سے تعلقات شادی قرار پا چکے تھے۔ اب وہ بھی اپنے اختیارات کی وجہ سے اس کی نظروں میں کانٹا سا کھٹکنے لگا۔ انکے درمیان جو ذرا سی بات پر دشمنی پیدا ہوئی تھی وہ یہاں تک پھیلی کہ ایک سو شاخ والا درخت بن گئی جس کی نشو ونما بد گوئی کرنے والوں کی بد گوئی سے ہوئی۔

سہدیو کے بیٹے الہن نے رلہن کو جو پہلے ہی بڑا متکبر تھا اور بھی خراب مشورے دے دے کر متکبر بنا دیا اور اب وہ ہر وقت کے لڑائی جھگڑوں میں پڑا رہنے لگا۔ اس نے یہ سوچ کر راجہ پر پُر اظہار خفگی شروع کیا کہ "یہ ناشکرہ راجہ ادنٰے لوگوں کو میرے برابر کا درجہ حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے"۔ دوسری طرف راجہ چونکہ رلہن سے خائف تھا اس لئے وہ اسے اپنی پرائیویٹ مجالس گفتگو اور خفیہ موقعہ کی کارروائیوں میں شریک نہ کرتا تھا بلکہ اس سے اس طرح برتاؤ کیا کرتا تھا گویا وہ بیرونی (باہیہ) دربار سے متعلق ہو۔ لیکن رلہن بھی چالاکی سے اپنی ان ذلتوں کو چھپاتا رہا اور چالبازی سے اپنے آدمیوں کا حوصلہ بڑھاتا اور دشمنوں کے دلوں میں خوف پیدا کرتا رہا۔ اس نے تحفے تحائف دیکر سنج پال سے دوستی کر لی جو بڑا پھرتیلا آدمی تھا اور فریقین اس کی امداد کے متلاشی رہتے تھے۔ جب کبھی وہ دونوں خوب مسلح ہو کر محل میں جاتے تو وہاں فسادات کی وجہ سے سخت بد امنی پیدا ہو جاتی تھی۔ سجی نے فریق مخالف کی راجہ سمیت بے عزتی کرنے کے لئے تہوار مہی من[۸۵۵] کی مجلس میں فساد پیدا

۸۵۵؎ مہیمان کا تہوار جو ابتک کشمیر میں منایا جاتا ہے مفصل طور پر نیل مت پران کے شلوک ۵۲۳ تا ۵۳۳ میں مذکور ہے۔ ان شلوکوں سے واضح ہوتا ہے کہ ۸ شدی پھاگن

کر دیا۔ جب چوبدار نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ اس کی آمد کا اعلان کیا تو اس نے اسے گالیاں دیں اور درشت کلامی کرتے ہوئے غصہ میں آکر اسے پتھر مارا جبکہ فریق مخالف کے سارے آدمی چپ چاپ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کیونکہ اپنے آقا کو محفوظ رکھ سکیں راجہ نے اسے اپنے قریب ایک نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس سے دلجوئی کے الفاظ کہتے ہوئے معلوم نہیں دھوکا دہی کے لئے یا سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے اس وفادار شخص سے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے"۔ لیکن دل ہی دل میں وہ اس معاملہ پر غور کرتا رہا۔

اب مدور اجیہ کے برہمنوں نے پرایوپویش کر کے اس امر کا اعلان کیا کہ ہم سجی کا کمانڈر انچیف ہونا منظور نہیں کرتے۔ رلہن بڑا موقعہ شناس تھا اس نے دشمن کو خوف کرنے کے لئے راتوں رات پنچ چندر کو جس کی فوجیں تیار تھیں اور جو سجی کا دشمن تھا وہاں لا کھڑا کیا۔ سجی کو سنج پال اور اس ڈامر سے جس کی جمیعت بہت بڑی تھی سخت خوف لگا ہوا تھا۔ باقیوں کی البتہ اسے کچھ پرواہ

کو برت رکھا جاتا ہے اور دیوتاؤں اور پتروں کے اعزاز میں برف پر چراغ جلا کر رکھے جاتے ہیں۔ اس سے اگلے روز لوگ دعوت اڑاتے ہیں جو لوگ شراب پیتے ہوں وہ شراب پیتے ہیں اور برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

۸۔ شدی پھاگن کو برف پر چراغ جلانے اور برت رکھنے کا رواج اب تک جاری ہے۔

نیل مت پران میں ایک اور تہوار چھوٹے مہمان کے نام سے بھی شلوک ۵۰۶ تا ۵۱۲ میں مذکور ہے جو ۸۔ شدی ماگھ کو منایا جاتا ہے۔ لیکن اب لوگ اس تہوار کو قریب قریب بالکل بھلا چکے ہیں۔

نہ تھی اور یہ بات اس کے مخالف راہن کو معلوم تھی۔ حملہ کے خوف سے سجی اپنا مکان چھوڑ گیا اور سواروں کو بھی ساتھ ہی لیتا گیا۔ اس نے فوجوں کی صف بندی کرکے رات سڑک ہی پر بسر کی لیکن کسی نے اس پر حملہ نہ کیا۔ سجی نے اب کوشٹھیشور سے دوستی اور تعلق پیدا کر لیا کیونکہ وہ بھی راجہ کے خلاف تھا۔ آخرالذکر سے راجہ کو کچھ تو پہلے ہی نفرت تھی لیکن جب اس نے منجیشور کو اس بنا پر مار ڈالا کہ اس نے راجہ کی مخالفت نہ کی تھی تو اس کی نفرت اور بھی بڑھ گئی۔

سجی کے خلاف سازشیں

اس رات سجی نے جو کارروائی کی تھی وہ ہر چند کہ محض ذاتی تحفظ کے لئے تھی تاہم دشمنوں نے اسے اس بات سے منسوب کیا کہ وہ راجہ کے خلاف کارروائی کرنا چاہتا تھا۔ جو بے سمجھ راجہ غلطی کو صداقت اور صداقت کو غلطی سمجھ لیتا ہے وہ اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتا اور سخت مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ بے سمجھ لوگ چمکدار جوہر کو آگ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور کسی بھوری آنکھوں والی لڑکی کی نگاہ کو جو کسی اور کی طرف ہو اپنی جانب لگی ہوئی خیال کرتے ہیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ ہر صحیح بات کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھتے ہیں۔ راجہ کو اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ رہا کہ سجی کو مروا دے چنانچہ اس نے سنج پال کو طاقتور سجی کا قاتل مقرر کیا۔ سنج پال ایک دلیر شخص تھا اور بزدلوں کی طرح اسے دھوکے سے مارنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اس لئے وہ اسے علانیہ مارنے کی فکر میں ہوا اور مختلف مقامات پر موقع کا متلاشی رہا۔ جب کہ دونوں دھوکے سے ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کر رہے تھے ملک میں آئے دن اضطراب پھیلا رہا۔ ادھر تو سجی رات کے وقت قاتلانہ حملہ ہونے کے خوف سے بیدار رہتا تھا ادھر محل

شاہی میں ہر وقت چوکی پہرہ کا انتظام تھا۔ جب سجی نے رلہن کی جلا وطنی کی درخواست کی تو راجہ رضا مند ہو گیا کیونکہ وہ انکار نہ کرسکتا تھا۔ لیکن جب رلہن رخصت لیکر وہاں سے جلنے لگا تو دوارپتی اودے نے راجہ کو خبردار کیا کہ لوگوں میں اس وجہ سے سخت ہلچل مچی ہوئی ہے کہ اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا گیاہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے پھر اس کی جگہ پر مقرر کروا دیا

سجی کا پیغام

سنج پال نے سجی کے ساتھ دوستی کے متعلق طریق پیت کوش پر حلف لے لیا۔ کیونکہ آخر الذکر نے اس سے صلح کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس کے بعد جب دونوں مشورہ کر چکے تو سنج پال نے راجہ سے جا کر کہا مہاراج الہن وغیرہ کے ایما پر نیز اپنی عزت کو قائم رکھنے کے لئے سجی کا جو کسی کو اپنا رقیب رکھنا نہیں چاہتا یہ ارادہ ہے کہ اگر راجہ میری رائے مانے کیونکہ میں اُس کا وفادار نوکر اور مددگار ہوں تو میں چاہتا ہوں کہ رلہن کو جلاوطن اور دولتمند چتررتھ کو قید کر کے راجہ کے لئے ان گھوڑوں اور خزانہ کو حاصل کروں جو مہم لوہر میں ضائع ہو چکاہے اور اگر کافی وسائل موجود ہوں تو ترپر کو شٹھیشور کو بھی مار ڈالوں۔ اگر معاملات سلطنت خطرہ میں ہوں تو میں خاندانی رشتہ[۸۵۶] داریوں کی پرواہ نہیں کرتا مجھے توسب سے بڑی محبت اپنے آقا سے ہے جس کی خدمت میں میں اپنے آپکو بمنزلہ گھاس سمجھتا ہوں۔ جب کہ میں دشمن راجاؤں پر غالب آنے کا کام اپنے ذمہ لیتا ہوں نوجوان راجہ فراغت کے ساتھ جیسے جی میں آئے عیش وآرام کرسکتا ہے۔ سجی اس مطلب کے لئے کہ اسے بوقت امداد ملنے کا یقین ہو یہ چاہتا ہے کہ

---

[۸۵۶] کلہن اس جگہ سجی سے لوتھن کی رشتہ داری کی طرف اشارہ کرواتا ہے جسے وہ اپنے بیٹے (یا بھتیجے) بھاگک کی لڑکی دے چکا تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۹۲۲۔

الہن کو دوراپتی بنا دیا جائے اور مجھے رلہن کے مختلف عہدوں پر مامور کیا جائے
اس نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ میں تم اور الہن یکدل ہو کر متفق ہو جائیں تو پھر
ہمیں اس کی بھی پرواہ نہ ہوگی جو تخت پر بیٹھا ہے۔ اگر راجہ جے سنگھ اس بات
پر رضامند نہ ہوا تو ہم کسی دوسرے رشتہ دار کو بلاکر راجہ بنا دینگے۔

راجہ نے ایک گہری آہ کھینچی اور جس وقت وہ بولا تو اس کے دانتوں کی دردیں
(دوج) ان رسیوں کی مانند نمودار ہوئیں جو کسی ایسی چیز کو پکڑنے کے لئے پھیلائی
گئی ہوں جس کا نکل جانا خطرہ کا باعث ہو[۵۷]۔ وہ کہنے لگا۔" اچھا تو سجی نے یوں کہا
ہے۔ واقعی اس بہادر آدمی میں کسی دھوکا بازی۔ ناقابلیت یا کاہلی کے وجود کی نسبت
امید نہیں کی جاسکتی۔ لیکن بہر نوع میرا ارادہ اسے مار دینے کا ہے۔ اس لئے
سردست یہ امر قابل لحاظ نہ ہونا چاہئے کہ اس کی مسلمہ اہمیت کو کیونکر شکست
کیا جائے۔ اس شخص کے قتل کے متعلق جو فیصلہ دیا جا چکا ہے خواہ وہ غصہ میں
آکر یا منصفانہ طور پر دیا گیا ہے بہرصورت اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ اس بارہ
میں چونکہ ہم نے تمام بحث ادنٰے درجہ کے لوگوں کی موجودگی میں کی تھی اس لئے
وہ یقیناً رشوت دیکر یہ بات معلوم کرلیگا۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں لیکن پھر بھی بالکل
نکمے لوگ ہماری ملازمت میں آداخل ہوتے ہیں جس کی وجہ معلوم نہیں اُنکے اگلے
جنموں کی نیکیاں ہیں جنہیں مغلوب نہیں کیا جاسکتا یا مجھ ایسے شخص کی کندذہنی
ہے۔ جو راجہ احمقوں کو اپنی ملازمت میں لے لیتے ہیں۔ اس کی سزا انہیں یہ بھگتنا
پڑتی ہے کہ انکی حماقتوں کا خمیازہ اُٹھانا پڑتا ہے۔ چاپلوسوں کے لئے راجاؤں کے

[۵۷] معلوم ہوتا ہے کہ کلہن اس غیر واضح استعارہ میں راجہ کی اس احتیاط
آمیز خاموشی کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے وہ سنج پال کی نسبت اپنے ارادوں کا اظہار
کرتا ہے۔

طریقے معلوم کرنا ویسے ہی مشکل ہے جیسے بازاری سانڈوں[۵۵۸] کے لئے پہاڑی استوں (بھومی بھرن مارگ) پر چلنا شریر لوگ اور کتے صحیح طریق عمل سے متنفر رہتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی زبانوں کو بند نہیں رکھ سکتے اور دوسروں کے ٹکڑوں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ برا کام جو ہم نے شریر لوگوں سے دق آکر تجویز کیا ہے اور جن سے ہم انہیں کے خوف سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ آخیر میں ضرور ہمیں متاسف کریگا"

سجی کے قتل کی سازش

اس کے بعد راجہ نے سجی کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا جس کی وجہ سے وہ کئی راتیں جاگتا اور بے چینی سے گذارتا رہا۔ نوکروں نے راجہ کو اطلاع کر دی کہ سجی خبردار ہو چکا ہے کیونکہ کسی نے جاکر تمام حقیقت حال سے اسے واقف کر دیا ہے۔ اور اب وہ آپ کو مارنے کی فکر میں ہے۔ راجہ کو اس بات پر یقین آگیا اور نہایت خوف زدہ ہوا۔ وہ خود انکے گھروں میں پہنچا اور سجی کے رلہن سے دوستانہ تعلقات پیدا کرانے کے لئے کہنے لگا۔ کہ تم آپس میں شادی کے ذریعہ تعلقات قائم کرلو۔ جب اس طرح پر اشتباہ دور کرنے پر بھی اسے سجی کو مروانے کا کوئی موقعہ نہ ملا تو وہ سخت بے چین ہوا اور شب و روز پلنگ پر پڑا پڑا پیچ و تاب کھانے لگا۔ سنج پال اپنے کسی رشتہ دار کی موت کے سوگ میں تھا جب وہ

---

[۵۵۸] اس جگہ اشارہ ان سانڈوں کی طرف ہے جنہیں شوجی کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور جو ہندوستان کے اکثر شہروں کے بازاروں میں گھوما کرتے ہیں۔ چونکہ وہ کاہلی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں کھانے کو کافی ملتا رہتا ہے اس لئے عام طور پر وہ خوب موٹے تازے ہو جاتے ہیں اور انہیں اگر پہاڑی راستوں پر چڑھنا پڑے تو واقعی دقت پیش آئے۔

چند دن اپنے گھر سے نہ آیا تو راجہ کو اور بھی اس بات کا فکر لگ گیا کہ اب یہ کام سرانجام نہ ہوگا۔ کلراج نامی ایک فوجی افسر تھا جو فوجی قواعد میں خاص مہارت رکھنے کے لئے مشہور تھا اس کے بھائی کلیان رزج وغیرہ میدان جنگ میں کام آچکے تھے اور اس لئے راجہ سسل کی عنایات کا صلہ نہ دے سکے تھے۔ اب اس کلراج نے اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالکر اس احسان کا بدلہ اتارنا چاہا اور اس خیال سے راجہ کے غم کا باعث پوچھا۔ اس نے اسے کمانڈر انچیف کے ناقابل تلافی خطرے کا ذکر کیا جو نہ تو راضی ہوتا اور نہ مارا جا سکتا تھا۔ اس نے جواب دیا "یہ بھی کوئی بڑا کام ہے؟ جسے محض اپنی جان کے خطرہ پر سرانجام دیا جا سکتا ہے" یہ کہکر اس نے اس دلیرانہ کام کو کر ڈالنے کا تہیہ کر لیا۔

اتفاق سے کمانڈر انچیف دو روز تک اپنے مکان سے باہر ہی نہ نکلا۔ اور اس لئے کلراج کو موت یا خوش بختی کا یقین نہ ہو سکا۔ تیسرے دن راجہ کے ایک معتبر نوکر سرنگار نے خبر دی کہ سبجی اکیلا چارپائی پر دیکھا گیا ہے۔ راجہ کے عیش و طرب میں بہت نوکر ہوتے ہیں لیکن خطرہ کی حالت میں کوئی کام کرانا ہو تو وہ کسی باہر والے ہی سے کرایا جا سکتا ہے۔ کام کے دشمن (سبجی) کے ہاتھ میں کمان ہر وقت بطور علامت زیبائش کے موجود رہتی ہے لیکن تیز پور کی لڑائی میں کوہ مندر سے کمان کا کام لینا پڑا تھا۔

کلراج کو سبجی کے قتل کے لئے بھیجا جانا

کلراج فطرتی طور پر ایک دلیر شخص تھا جسکی وجہ سے اس کے اندر علامات اضطراب نمودار نہ تھیں۔ راجہ نے اسے اس بہانہ سے بھیجا گویا اس کے ہاتھ پان بھیجنے لگا ہے۔ لیکن خود اس نے سونے کی رکابی میں پان نہ لیا اور دل میں کہنے لگا "موت یقینی ہے۔ بلاشبہ میں واپس نہ آسکونگا میں مارا

جاؤں گا۔ پھر اس رکابی میں سے پان کون لیگا؟"[۸۵۹] اس شخص کی طرح اور لوگ بھی اپنی زندگی کو معرض خطر میں ڈال کر راجہ کی مصیبت دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ناکام رہ جاتے ہیں "خواہ وہ اکیلا ہو یا دوسروں کے ہمراہ۔ بہر صورت ضروری ہے کہ میں اسے مار ڈالوں۔ اس لئے آپ ہوشیار رہ کر انتظار کریں"۔ یہ الفاظ راجہ سے کہہ کر وہ رخصت ہوا۔

جب وہ روانہ ہونے لگا تو اس وقت خیال ہو سکتا تھا کہ اگر وہ کامیاب نہ ہوا تو ممکن ہے فرار ہو جائے۔ اپنے آقا کی خدمت گذاری کے لئے روانہ ہوتے ہوئے وہ دو سپاہیوں کو اپنے ہمراہ لے گیا جنہوں نے تلواریں چھپا رکھی تھیں۔ دربان نے اندر جاکر سجی کو اطلاع دی کہ اسے خود راجہ نے پان دیکر بھیجا ہے۔ اس پر اجازت پاکر وہ سجی کی طرف چلا اور اس کے ہمراہی پیچھے کھڑے رہے اس وقت اس کے گرد چند ایک مختلف طبقات کے آدمی اس طرح موجود تھے جیسے بڑے ہاتھی کے گرد چھوٹے چھوٹے ہاتھی ہوتے ہیں۔ سجی نے پان لیکر راجہ کا شکریہ ادا کیا پھر وہ مسکرا کر پوچھتا رہا مہاراج اس وقت کیا کر رہے ہیں۔ وغیرہ اور بالآخر تھوڑے عرصہ بعد اسے مہربانی سے رخصت کرنے لگا۔ ککراج کو اب اندیشہ ہوا کہ کہیں اور آدمی اندر نہ داخل ہو جائیں جس سے موقعہ ہاتھ سے جاتا رہے اس لئے اس نے ایک قدرتی موقعہ سے فائدہ اٹھانے کا بہانہ کرتے ہوئے جلدی اسے کہا۔ "کیورت (ماہی گیر) ذات کے ایک سپاہی سے جو میرے ماتحت[۸۶۰]

[۸۵۹] اس شلوک میں ککراج کی زبانی جو آخری الفاظ ادا کروائے گئے ہیں وہ مشتبہ ہیں اور اصل عبارت کی صحت کی نسبت یقین نہیں۔

[۸۶۰] ککراج کی درخواست قدرتی معلوم ہوتی ہے کیونکہ سجی کو بہ حیثیت کمانڈر انچیف اس سپاہی پر اختیارات حاصل ہیں۔ جس کی حمایت ظاہرا طور پر ککراج کرتا ہے۔

سے کچھ قصور سرزد ہوگیا ہے۔ آپ ہم پر یہ مہربانی کیجئے کہ اپنے آدمیوں کو جو اسے پکڑنے کی تیاری کر رہے ہیں روک دیجئے۔" سجی نے نخوت سے اس درخواست کی منظوری سے اس لئے انکار کر دیا گویا اس کے نزدیک اس کا اس قسم کی درخواست کرنا اپنے درجہ سے بڑھا ہوا تھا اور کہنے لگا "میں ایسا نہیں کرونگا۔

اس پر کلراج اس طرح وہاں سے چلنے لگا گویا کوئی ناراضگی کی حالت میں جا رہا ہو لیکن سجی کے نوکروں نے اس موقعہ پر آخر الذکر سے اس طرح گویا وہ اس کی ناراضگی کو دور کرنا چاہتے ہوں کہا "اس شخص کے ساتھ لحاظ کا سلوک کرنا واجب ہے" اور اسے روک کر پھر پیچھے کی طرف موڑ لیا۔ اس پر کلراج نے کہا "میرے دو نوکر موجود ہیں۔ آپ انہیں اندر آنے کی اجازت دیجئے۔ تاکہ وہ سارے معاملہ کی حقیقت بیان کر سکیں۔" سجی نے با دل ناخواستہ اس بات کی اجازت دی اور جب قاتل نے دیکھا کہ میرے ساتھی اب میرے پاس آگئے ہیں تو اس نے وار کرنے کی تیاری شروع کی۔ بے خبر سجی نے ان سے کہا "بہت اچھا آج تم لوگ چلے جاؤ۔ کل میں تمہارے معاملہ کا تصفیہ کرونگا۔ اتنا کہکر اس نے پیٹھ موڑی اور سونے کی غرض سے پلنگ پر لیٹ گیا۔

سجی کا قتل ۲۳ ؁ء { چند قدم دروازہ کی طرف بڑھ کر کلراج پیچھے کی طرف لوٹا اور پھر جلدی سے خنجر نکالکر پھرتی سے اسکے بائیں جانب وار کیا۔ سجی ابھی یہ کہتا ہوا کہ "شرم ہے۔ یہ غداری!" اپنے خنجر کی طرف ہاتھ بڑھانے ہی کو تھا کہ ان سب نے اس پر وار کر دیا۔ حاضرین مارے گھبراہٹ کے ابھی اتنا بھی سمجھ نہ سکے تھے کہ وہ خطرہ میں ہے کہ وہ اس طرح ہوگیا گویا عرصہ سے مرا پڑا ہو۔

سجی کے ہمراہیوں نے اپنی عزت کو خیر باد کہکر اس وقت بھاگنا ہی مناسب

سمجھا لیکن ان میں سے پنچ دیو نے مردانگی سے تلوار نکالی۔ وہ ادھر ادھر وار کرتا پھر رہا تھا۔ ان تینوں نے بھی برابر اس کے واروں کا جواب دیا بالآخر وہ زخمی ہو گیا۔ اس کے بدن سے خون بہنے لگ گیا اور اس حالت میں اسے ہال میں سے باہر نکال دیا گیا۔ یہ تینوں ابھی ہال ہی میں تھے جس کے دروازے انہوں نے بند کر لئے تھے کہ سجی کے نوکروں نے انہیں آکر گھیر لیا اور کھڑکیوں اور دروازوں پر انہیں مارنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ کھڑکیوں میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے لاش کے نیچے سے چارپائی کھینچ لی اور لاش کو اٹھا کر اس دروازے کے قریب رکھ دیا جسے دشمن توڑ رہے تھے۔ آخر الذکر تلواروں، تیروں، برچھوں، کلہاڑوں، خنجروں اور پتھروں سے وار کر رہے تھے جس سے محصورین گھبرائے جاتے تھے۔ آخر کار تنگ آکر انہوں نے سجی کا سر کاٹ کر اسے اس غرض سے باہر صحن میں حملہ آوروں کے قریب پھینک دیا کہ وہ بے حوصلہ ہو جائیں۔

سر کو دیکھ کر سجی کے آدمی ہر طرف بھاگنے اور خوف سے چیخیں مارنے لگے۔ خون کے بکثرت بہنے کی وجہ سے اس سر کی آنکھیں اور کان چپکیلے ہو گئے تھے۔ بھچے ہوئے نتھنے بالائی ہونٹ کے بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ آنکھوں کی پتلیاں آگے کو نکلی ہوئی تھیں اور چونکہ ادھر ادھر بھاگتے ہوئے لوگوں کی حرکات انمیں منعکس ہوتی تھیں اس لئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان میں کسیقدر حرکت ہوتی ہو۔ ناہموار طور پر کٹنے کی وجہ سے گردن کا گوشت کھردرا تھا اور اس کی تہوں میں چربی اس طرح نظر آتی تھی گویا ہلدی میں رنگی ہوئی ہو۔ ڈاڑھی کے بالوں پر گرد پڑی ہوئی تھی۔ صرف پیشانی کے زعفرانی ٹیکے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سجی کا سر ہے۔ چونکہ یہ پہلو کے بل پڑا ہوا تھا اس لئے دانت خوب اچھی طرح بھچے ہوئے نہ تھے۔

قاتلوں کو بھیجنے کے بعد راجہ کو سخت فکر لگا ہوا تھا لیکن جب اس نے باہر لوگوں کا اضطراب دیکھا تو اس نے سمجھ لیا کہ کام ضرور ہو گیا ہے۔ سجی کے مارے جانے یا محض زخمی ہونے دونوں صورتوں میں یہ کام ضروری خیال کر کے اس نے فوجوں کو تیاری کا حکم دیا اور سجی کے گھر کا محاصرہ کروا لیا۔ جب راجہ کے کان میں اس مطلب کی غلط افواہ پڑ گئی کہ سجی بچ نکلا ہے تو اسے سخت فکر دامنگیر ہوا۔ ادھر جب راجہ کے آدمیوں کو یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ سجی مارا گیا ہے تو انہوں نے سورتھ کو قید کر لیا کیونکہ ہر شخص اس سے نفرت کرتا تھا۔ اور اتفاق سے وہ آجکل وہیں موجود تھا۔

میری کوتا کو آج اس وجہ سے خوبی حاصل ہوتی ہے کہ یہ ہل کے بیٹے کلش کے بہادرانہ طریق عمل کی کیفیت بیان کرتی ہے جو سجی کے بھائی کا خسر پورہ تھا بھکشو وغیرہ نے انجام کار اس وقت بہادرانہ کام کئے تھے۔ جب انپر حملہ کیا گیا لیکن اس شخص نے حفاظت میں رہتے ہوئے بھی شریفانہ طریق عمل کا اظہار کیا۔ جب اسے محل میں اس واقعہ کی خبر ملی تو نہیں کہ وہ وہاں سے بھاگ گیا ہو بلکہ اپنی جان دینے اپنے مقتول آقا کے پاس چلا گیا۔ جبکہ وہ دروازے پر لاتیں مار رہا تھا اس کو راجہ کے قاتل سپاہیوں نے پرے ہٹا دیا اور اسے بمشکل ایک افسوسناک موت سے بچایا جا سکا۔ اس سے اس نے اوسان نہ ہارے بلکہ ایک دوسرے ہال میں چلا گیا۔ جس پر کلراج اور باقیوں کی جان میں جان آئی اور وہ راجہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس (کلش) نے جبراً اندر گھس کر ایک طاقتور سپاہی کو مار ڈالا اور آخر کار بمشکل اسے دور سے تیروں کے ذریعہ مارا جا سکا۔

سجی کے ہم جلیسوں پر حملہ ملک میں اب سخت ہلچل مچی ہوئی تھی لیکن راجہ نے سنج پال کو جو اس جگہ آ پہنچا تھا

مع رلہن کے الہن کو قتل کرنے بھیجدیا۔ رلہن اس خیال سے کشتپنکا ندی کے کنارے کنارے ہوتا ہوا گیا کہ شائد الہن راستہ چھوڑ کر اس طرف سے فرار ہو گیا ہو۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی سنج پال نے الہن کا راستہ روکا ہوا تھا اور اسے مکان کے دروازہ سے نکلنے نہ دیا تھا۔ اس نے لڑائی کے دوران میں بہتوں کو مغلوب بھی کیا تھا۔ لیکن ایک شخص کے وار سے سنج پال کا دایاں بازو کٹ گیا حتے کہ ہڈیاں اور پٹھے جدا جدا ہو گئے صرف جلد کا تھوڑا سا حصہ ساتھ لگا رہ گیا۔ اس شخص کی بھی عجیب کیفیت تھی۔ جبکہ اس کا خاندان قعر گمنامی میں پڑ چکا تھا اس نے اپنی اعلےٰ صفات سے ملک کے اندر اور باہر شہرت حاصل کی لیکن جب انعام ملنے کا وقت آیا تو اس کا وہی بازو کٹ گیا جو اس کی شجاعت کی ضمانت تھا۔ تقدیر کے یہ اُلٹے ارادے واقعی قابل شرم ہیں۔ قسمت کے عروج پر پہنچکر بھی اس کا بازو ثابت رہتا تو لوگ نتائج کے ذریعہ اس کی اعلےٰ خواہشات کا اندازہ کر سکتے۔ اگر امرت پینے کے بعد راہو کا جسم نہ کٹتا تو دنیا اس خواہش سے باخبر ہو جاتی جو عرصہ سے اس طاقتور راکھش کے دل میں چلی آتی تھی۔ جب سہدیو کا بیٹا (الہن) زخمی ہو گیا تو اسے اپنے بڈھے چچا شیل کو قتل ہوتے دیکھ کر رشک آیا۔ جبکہ وہ تکلیف میں مبتلا تھا ججل نامی ایک وفادار نوکر جس نے اسے محفوظ رکھا تھا۔ دو سپاہی اور ایک چنڈال چوکیدار (دیامک) قتل ہوئے۔ وہ گھر سے باہر نہ نکلا اور صحن میں بیٹھ کر اپنے چھوٹے بیٹے کی طرف پیار کی نظر سے دیکھ رہا تھا کہ رہن سے متفرقون کی گردن اڑائی

الہن کا قتل کچھ تو زخم سے ناکارہ ہو چکا تھا اور کچھ دھوئیں کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ سپاہی اسے پابزنجیر کئے باہر لے جا رہے تھے کہ چند ابکینہ اشخاص نے اسے مکان کے دروازہ میں مار ڈالا۔ راجہ کا غصہ اس وقت بھی فرو نہ ہوا۔ جب اس نے الہن کا سر دیکھ

لیا جس نے اس کی وزارت عظمےٰ کو تباہ کیا تھا۔

راجہ نے جن نوکروں کو بھیجا تھا انھوں نے بڑے جوش سے سجی کے ہمراہیوں پر حملہ کیا اور اس موقعہ پر سجی کے اکثر آدمیوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ سجی کے چھوٹے بھائی لکشمک کو پابزنجیر کر لیا گیا اور جب اسے راجہ کے روبرو پیش کیا جا چکا تو چند بے رحم اشخاص نے اسے محل کے صحن میں قتل کر ڈالا۔ سجی کے عمزاد بھائی سنگت نے محل شاہی کے صحن میں اس طرح ادھر ادھر دوڑ کر گویا کوئی سٹیج پر دوڑ رہا ہو بہادری سے جان دی۔ سنگت کا بھائی دیوانہ موتی بغرض تحفظ اپنے گھر کو بھاگ گیا تھا۔ جہاں بان خاندان کے بعض شریروں نے اسے مار ڈالا۔ سجی کا خسر پورہ چتر یہ ایک بڑا شریف النسب جوان تھا اس نے بھی عاشقانہ زندگی کے مزے لوٹ کر شریفانہ موت پائی۔ دربان سنگک زخمی ہوکر بعد میں مر گیا۔ ایسے ہی سجی کے دوسرے ہمراہی بھی جا بجا کام آئے۔ ویرپال جیسے دو تین اپنے سبک رفتار گھوڑوں کی وجہ سے جانبر ہو گئے اور کوشٹھیشور کے پاس پہنچکر موت کے خطرہ سے نکل گئے۔ سنگت کا بھائی شرو یہ گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ کہ سبھنا مٹھ کے قریب شریر آدمیوں نے اسے روک لیا اور اور وہ قید ہو گیا۔ سجی کا بیٹا سجل۔ اس کے بڑے بھائی کا بیٹا شوینک۔ اور الہن کے بیٹے کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

غرض راجہ اور وزیر کے برے لوگوں کے زیر اثر آنے کی وجہ سے ۵ شدی اساڑھ لوکک سمت ۴۲۰۹ (۱۱۳۳ء) کو یہ خوفناک واقعہ ظہور میں آیا۔ ہر چند کہ راجہ کے گرد آجتک اعلےٰ درجہ کے نوکر موجود ہیں۔ تاہم وہ اس وزیر کو یاد کر کے افسوس کرتا ہے جس کی ہمت کسی کام کے آگے ہارنا نہ جانتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بتیاں کو جگانے۔ پہاڑی پر سے کودنے۔ زہر چبانے یا سانپ کو پالنے

سے بھی راجاؤں کی ملازمت زیادہ خطرناک ہے۔ کون ایسا شخص ہے جو پورے تیقن کے ساتھ راجاؤں کے سامنے کھڑا رہے تو مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا چال چلن (گُن) دوسروں پر دارومدار رکھتا ہے جیسے چھکڑوں کے آگے کھڑے ہو کر جن کی رسیاں (گن) دوسروں کے ساتھ لگی ہوتی ہیں انسان ضرور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ راجہ کی دانست میں سجی کا قتل ایک فعل غلط تھا لیکن رعایا اسے درست گردانتی اور اسے راجہ کی حیرت خیز طاقت سے منسوب کرتی تھی۔

راجہ نے سنج پال کو کمانڈر انچیف اور کلراج کو کوتوال شہر مقرر کیا۔ دھنیہ اور اودے ملا رجن کا ساتھ چھوڑ کر شہر کو واپس آ گئے اور پہلے کی طرح پھر راجہ کے معتبر آدمی بن گئے۔ خوشحالی کی دیوی نے باقی سب کا سامنا چھوڑ دیا اور اپنے تلوّن کو چھوڑ کر مستقل طور پر چتررتھ کا ساتھ دینے لگی ہر چند کہ وہ غیر معمولی طاقت رکھتا تھا اور راجہ تک کو اس پر اختیارات حاصل نہ تھے تاہم وہ ملک میں امن و امان بحال نہ کر سکا جس میں اس کی طرف سے بہت سے مظالم ظہور میں آتے تھے۔ موضع گندھروان کے کمانیر قلعہ (کوٹیش) نے ٹِک کو مار ڈالا۔ اور راجہ کے پاس پاری وشوک میں اس کا سر بھیج دیا۔

لوتھن کا سر اُٹھانا ایک دن راجہ لوتھن یکا یک بوقت شب چند ہمراہیوں سمیت ہاڑی گرام میں جا پہنچا۔ کوشٹھیشور فطرتاً راجہ سے عناد رکھتا تھا اور اب جو اس نے مزید شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس کی وجہ سے اور بھی مکدر ہو چکا تھا۔ اس نے متواتر قاصدوں کے ذریعہ لوتھن کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ چونکہ راجہ کا باقی تمام ڈامروں سے اتحاد تھا اس لئے لونیہ (کوشٹھیشور) نے راجہ سے صلح کر لی اور لوتھن کو بھگا کر واپس کر دیا۔ چونکہ

اس (لوتھن) نے اوچل وغیرہ کی مانند تخت حاصل کرنے کی احمقانہ خواہش ظاہر کی تھی اس لئے لوگ اس وقت اس پر ہنسی اڑانے لگے۔ جب اس کی محنتوں کا کچھ بھی نتیجہ نکلتا نظر نہ آیا۔

اب راجہ نے چاہا کہ قاتلوں کے ذریعہ کوشٹھیشور کا خاتمہ کرا دے اس کے سپاہیوں کو اپنی طرف ملا لے اور اسی قسم کے دوسرے طریقوں سے کام لے۔ کوشٹھیشور کو اس بات کی خبر مل گئی اس نے غصہ میں قاتل کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور بجائے اس کے کہ راجہ کو خوش کرنے کی کوشش کرتا اس سے اس طرح لڑنے پر آمادہ ہو گیا گویا وہ اس کے برابر کا دشمن ہو۔

کوشٹھیشور پر راجہ کا حملہ

راجہ جے سنگھ نے اپنی فوج کے افسروں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے مقامات سے کوشٹھیشور پر حملہ آور ہوں اور خود بھی فوج لیکر اس کی طرف چڑھا۔ اس زبردست لوینہ کو خبر تھی کہ راجہ جوش میں تھوڑی فوج لیکر آ رہا ہے اس لئے اس نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا لیکن ناکام رہا۔ ہر چند کہ چتر رتھ کے پاس بہت بڑی فوج تھی تاہم بوقت مقابلہ تقدیر کی مرضی سے وہ کوشٹھیشور کی فوج کے صرف ایک دستہ سے مغلوب ہو گیا۔ جس طرح ہر ایک تحریر کے شروع میں لفظ "اوم" لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی یہ شکست اُس کے ادبار کی ابتدا تھی۔ اس کے بعد شب و روز اس کی ہمت زائل ہوتی گئی۔ رلہن وغیرہ سے لڑ کر لوینہ نے اپنی تمام فوجوں کی صف بندی کر دی اور شام کے وقت کمانڈر انچیف سنج پال کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ آخر الذکر کے باقی آدمی تو فرار ہو چکے تھے صرف ۱۰۰ آدمی باقی تھا انہی کی مدد سے وہ غنیم کے مقابلہ میں اس طرح جما رہا۔ جیسے ہاتھیوں کی ٹکڑوں کے مقابلہ میں چٹان۔ اس شیر مرد کی کہاں تک تعریف کی جائے جس کا جسم جوں

جوں لڑائی تیز ہوتی تھی زرہ سے باہر نکلا پڑتا تھا۔ جبکہ وہ اس طرح پر دشمن کے سامنے استقلال سے جما کھڑا تھا۔ ترلک اور باقی لونٹے اپنی فوجیں لیکر اس سے آملے۔ ہرچند کہ اپنے رشتہ دار[۸۶۱] کے لحاظ سے وہ جنگ میں شریک نہ ہوئے تاہم مشکل کے وقت ان سے تھوڑی بہت مدد ضرور ملتی رہی اور اس نے اپنی بہادری سے دشمن کو پسپا کیا۔ مناسب وقت پر تیاری فوجوں کو دم دلاسا دیکر رات کے وقت خبردار رکھنا مختلف مقامات پر قبضہ کرنے اور دست بردار ہونے کا موقعہ پہچاننا۔ جن مقامات پر قبضہ ہوجائے۔ وہاں اپنا پاوں جمائے رکھنا۔ صرف اتنی ہی خوبیاں بھی دشمنوں کو اس فاتح لیڈر کے سامنے سے بھگانے کے لئے کافی ہوتیں۔ دشمن پر اس کے حملہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

سنج پال کے ہاتھوں کوشٹھیشور کو شکست

یہ حالت دیکھ کر کوشٹ سخت بددل ہوگیا۔ اس کے اپنے آدمی اس کو دغا دینے لگے اور آخر کار بحالت اضطراب وہ پہاڑی سے اتر کر وہاں سے فرار ہوا۔ ایسے موقعہ برفباری سے سڑکیں تمام رکی ہوئی تھیں اس لئے دشمن کا تعاقب اور گھوڑوں کے آگے چلنے کی دقت یہ دو مصیبتیں درپیش تھیں۔ جب اس طرح پر راجہ نے اسے ملک سے باہر نکال دیا تو وہ ذلت کے رنج میں چند ہمراہیوں سمیت گنگا اشنان کے لئے چلا گیا۔ انہی ایام میں سوم پال جو اپنے بیٹے بھوپال کے ہاتھوں تنگ تھا اور اس کی حصول تخت کی طویل کوششوں سے دق آچکا تھا بغرض پناہ راجہ کے پاس آیا۔ اس نے ناگپال کے دو بیٹے بطور

---

[۸۶۱] ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۰۷ میں ترلک کو کوشٹھیشور کا رشتہ دار ظاہر کیا گیا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۴۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوشٹھیشور کے چھوٹے بھائی چنتک کا داماد تھا۔

یر غمال دیئے جس پر راجہ نے جو ہمیشہ ان لوگوں سے مہربانی کرتا تھا جو بغرض پناہ اس کے پاس آئیں انکے تحفظ کا وعدہ کیا۔ اس کی موجودہ مصیبت پر نظر رکھتے ہوئے فیاض منش راجہ نے اس بات کو اس وقت یاد نہ کیا کہ اس دھوکے باز شخص نے برہدراج (للکشمک) کو سخت تنگ کیا تھا۔ راجہ نے اس کی امداد کے لئے اپنی فوج دی اور اس کے دشمن کو شکست دیکر پھر اسے با اختیار بنایا۔

ملارجن اور کوشٹھیشور کا اتحاد اس اثنا میں کوشٹ سورگ کی ندی (گنگا) میں نہا کر واپس آ چکا تھا اور ملارجن کا طرفدار بنکر بغاوت کا جھنڈا بلند کر رہا تھا۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ ملارجن سورج گہن کے موقعہ پر کروکشیتر[۸۶۲] گیا تھا جہاں اس کی اس لونیہ سے ملاقات ہو گئی اور وہ اس دشمنی سے دست بردار ہو گیا جو اسے اس کے ساتھ تھی۔ لوتھن کوشٹھیشور کے کہنے سے پیشتر اس کے پاس آیا ہوا تھا۔ جب اس نے سنا کہ وہ ملارجن کا طرفدار بن گیا ہے۔ تو وہ بیچارہ اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ کمینہ سومپال نے ہرچند کہ

---

[۸۶۲] تھانیسر کے قریب کورکشیتر کے مقدس علاقہ کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۶۹۲ کتاب ہذا۔ کورکشیتر تیرتھ کی عظیم یاترا سورج گرہن کے موقعہ پر ہوتی ہے۔ دیکھو مسٹر جے۔ ایم۔ ڈوئی کا گزیٹیر آف دی انبالہ ڈسٹرکٹ ۹۲-۱۸۸۳ء صفحات ۴۲-۱۳۹-

ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۸۵ میں جو تاریخ دی گئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ کوشٹھیشور کو ۱۱۳۳ء (لوکک سمت ۴۲۰۹) میں شکست ہوئی تھی اور اسی سال موسم خزاں میں وہ گنگا کو روانہ ہوا تھا۔ جس سورج گرہن کے موقعہ پر وہ بوقت واپسی کورکشیتر میں ملارجن سے ملا تھا وہ غالباً وہی تھا جو ڈاکٹر شرام کی کتاب "ایکلپسز آف دی سن ان انڈیا" کے صفحہ ۱۲۲ کے مطابق ۲۳- جولائی ۱۱۳۴ء کو ہوا تھا۔ یہ گہن تھانیسر میں دیکھا گیا تھا۔

شووجیش کے لنگ کے روبرو بطریق پیدت کوش حلف لیا تھا کہ میں راجہ (ہل اجن) کی بد دیں کبھی دریغ نہ کرونگا۔ تاہم اس نے اس حملہ کی طرف بالکل ہی توجہ نہ دی جو راجہ کے دشمنوں نے کرنے کی تیاری کی تھی بخلاف اس کے اس کے بیٹے بھوپال نے راجہ کو خوش کرنے کے لئے مختلف ٹھکروں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس وقت کوشٹ کو لوٹ لیں جب وہ انکے علاقہ سے گذرے۔

چترتھ کا جبر و تعدی سے کام لینا اس اثنا میں اونتی پور کے برہمنوں نے جو چترتھ[۸۶۳] سے اس لئے ناراض تھے کہ وہ ضد سے ان پر ٹیکس لگائے جاتا تھا، پر ایوپویش شروع کیا۔ لیکن یہ ایک ایسا نخوت شعار شخص تھا کہ راجہ تک کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ اس نے انکی طرف بالکل توجہ نہ دی اس لئے ان میں سے بہتیرے آگ میں جل کر بھسم ہو گئے جب اس کے نوکروں نے گایوں کے مرغزار بھی ضبط کر لئے تو ایک چرواہا بھی جل مرا۔ بھٹ اور بھٹ کے خاندان کا ایک نوجوان وجے راج نامی جو پرتھوی راج کا بیٹا تھا مشکلات میں مبتلا ہو کر اپنے چھوٹے بھائی سمیت کہیں باہر جانے کو تیار ہوا اس وقت یہ مصیبت دیکھ کر اس نے آنسو بہاتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا دیکھو ایک بد معاش وزیر کی بدولت بیکس رعایا کیونکر تباہ ہو رہی ہے اور راجہ جو اس پر یکساں طور پر مہربان ہے رعایا کی طرف بالکل خیال نہیں کرتا۔ اگر راجہ ہی اپنے وزرا کی رائے کا پابند ہو کر رعایا کی خبر گیری مصیبت کی حالت میں نہ کرے تو پھر انکی مصیبتیں دور کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ عام

[۸۶۳] ترنگ ۸ کے شلوک ۶۴ و ۱۹۴ و ۲۲۵ سے واضح ہوتا ہے کہ چترتھ کو پاداگر اور دوار دو نو عہدے حاصل تھے۔ اس جگہ جن شکایات کا ذکر کیا گیا ہے وہ غالباً اس کے پہلے عہدے کے خلاف ہی کی گئی تھیں۔

طور پر ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ہلچل کے موقعوں پر جبکہ باہم رقابت ہو تو کبھی محافظ محفوظ کو اور کبھی محفوظ محافظ کو سزا دے لیتا ہے۔ جس طرح پتھر اور فولاد کو رگڑا جائے تو پتھر صاف ہو جاتا ہے لیکن بعض اوقات پتھر خود اس لوہے کو ہموار کر دیتا ہے۔ راجہ میں تمام نیک صفات موجود ہیں اور وہ صرف ایک عیب کی وجہ سے قابل نفرت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ مجھے تو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نظر نہیں آتا کہ چتر رتھ کو قتل کر دیا جائے۔ جب ایک شخص کی موت سے بہتوں کا فائدہ ہو تو اسے مارنا خلاف قانون نہیں سمجھا جاتا۔ حتّٰی کہ جن (بدھ) نے بھی ایک سانپ کو مار ڈالا تھا جو جانداروں کو مارا کرتا تھا۔ اگر ہم اس شریر شخص کو سزا دے سکے تو پھر کسی اہلکار کو لوگوں پر جبر کرنے کی جرأت نہ ہو گی کیونکہ اسے خطرہ لگا رہیگا مبادا کوئی منچلا مجھ سے بھی وہی ہاتھ کر جائے۔ اے بھائی اگر اس جسم کی قربانی سے لاتعداد لوگوں کو خوشی حاصل ہو سکے تو کیا یہ بہترین سودا نہیں ہے؟

جب چھوٹا بھائی اس سے متفق الرائے ہو گیا تو اس نے اسے طریق پینت کوش پر حلف دیا۔ اور اس کے بعد خود چتر رتھ کے ساتھ ساتھ اس غرض سے لگا رہنے لگا۔ کہ موقع ملے۔ تو اسے جان سے مار دے۔ اس کلجگ میں بھی جو مقدس قوانین کی کمزوری کی وجہ سے ناپاک ہو چکا ہے زمین کے دیوتاؤں (برہمنوں) کی نہ دبنے والی طاقت روشن طریق پر ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ برہمنوں کے روبرو شریروں کے تمام تباہی کے منصوبے شکست ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی شخص اس وقت تک انکی مخالفت پر اصرار نہیں کرتا حتّٰی کہ اس کے پہلے جنموں کے تمام پن بالکل ہی زائل نہ ہو چکے ہوں۔ سجی نے دوجوں کو تنگ کیا تھا آخرکار وہ دوج ہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ چتر رتھ نے برہمنوں کو ستایا تھا آخر برہمن ہی اس کے قتل کا موجب ثابت ہوا۔ اس نوجوان نے یقیناً بلا سبب اپنی زندگی کو قربان کر

ہوئے اس کی موت کی تجویز کسی سحر کی وجہ سے کی تھی جو برہمنوں نے کر دیا تھا۔

جبکہ برہمن جل جل کر مر رہے تھے چتر رتھ جس سے ، انہیں نفرت تھی اسکے آدمی آپس میں لڑ جھگڑ کر مرے جاتے تھے۔ لیکن چتر رتھ کے ساتھ ساتھ چونکہ ہر وقت ایک مضبوط جمیعت رہتی تھی اس لئے اس کے قاتل کو دن اور رات اس تک پہنچنے کا بہت کم موقعہ ملا اور وہ کئی راتوں تک جاگتا رہا۔ جب کبھی چتر رتھ باہر نکلتا تو سڑکوں پر دور تک لاتعداد آدمی جمع ہو جاتے تھے جن کے درمیان وہ نمودار ہو کر یکایک ہی غائب ہو جاتا تھا۔

وجے راج کی کوششیں چتر رتھ کے خلاف

لیکن وجے راج بھی بلا کا مستقل مزاج آدمی تھا۔ ایک موقعہ پر جبکہ چتر رتھ شاہی محل کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا وہ جلدی سے اس کے پیچھے پیچھے دوڑا۔ چتر رتھ ایک ستون کے قریب امرا کے دائرہ میں کھڑا تھا کہ اس نے دلیری سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر خنجر سے وار کیا۔ اس پر چتر رتھ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا قریب المرگ ہے۔ اس کی آنکھیں پھر گئی تھیں۔ اور قوت زائل ہو گئی تھی۔ اس حالت میں اس کے خوف زدہ آدمی بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے کیونکہ انکے اوسان اس خیال سے خطا ہو چکے تھے کہ اسے راجہ کے حکم سے مارا گیا ہے۔ قاتل نے یہ سمجھ کر کہ وہ مر چکا ہے دوبارہ اس پر وار نہ کیا اور اپنے بھائی کو جو زینہ کے راستہ اوپر چڑھ آیا تھا روکے رکھا۔ ہر چند کہ تمام راستے کھلے تھے تاہم بجائے اس کے کہ وہ بھاگ نکلتا اس نے زور زور سے چلانا شروع کیا "چتر رتھ کو راجہ نے مروا ڈالا ہے" یہ سُنکر چتر رتھ کے تمام بدبخت ہمراہی جو اسکے ساتھ بھنا ہوا گوشت کھانے اور شاہی عیش منایا کرتے تھے مارے خوف کے بھاگ گئے۔ اس کا بڑا بھائی لوتھر تھ مارے خوف کے ایک رقاصہ کے پاس عنرضی

حفاظت جا چھپا۔ اور اپنے منہ کو اس کی چھاتیوں میں چھپالیا۔ جب چترتھ کو ہوش آیا تو اسے راجہ کے پاس اُٹھا کر لے گئے جس نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا گھبراؤ مت۔ کس نے تم پر وار کیا ہے؟" سپاہی راجہ کا حکم پاکر دوارپتی کو زخمی کرنے والے کی تلاش ہی میں تھے کہ وہ خود آکر کہنے لگا "میں ہی وہ آدمی ہوں"۔ اس وقت اس نے بہادری سے بیس تیس سپاہیوں کو قتل کیا اور استقلال کے ساتھ بہادرانہ طور پران کا مقابلہ کرتا ٹانگ میں زخم کھا کر مرگیا۔ اس کے بازو پر ایک پتہ بندھا ہوا پایا گیا جس پر اس کے اس فعل کی وجہ بدیں الفاظ مذکور تھی "میں[۸۶۴] مختلف اوقات پر نیکوں کی حفاظت برائی کرنے والوں کے اتلاف اور مقدس قوانین کی بحالی کے لئے نمودار ہوا کرتا ہوں"۔ اس خواہش کی وجہ سے جو اس نے اپنی موت کے وقت اس شعر میں ظاہر کی اس کا نام درجہ تقدیس حاصل کر چکا ہے۔

چترتھ کا زخم ہر چند کہ مندمل ہوگیا تاہم پیشانی کی ہڈیوں میں ایک گھاؤ آچکا تھا جس کی وجہ سے اسے کھانے سے نفرت ہوگئی اور وہ دیوانہ ہوگیا۔ پانچ چھ ماہ تک اس کی یہ حالت رہی کہ اس کا جسم سوکھ کر کانٹا سا ہوگیا اور وہ چارپائی پر ہی پڑا رہا کرتا تھا۔

کوشٹھیشور اور ملارجن کی بغاوت

اس اثنا میں کوشٹ بغاوت کی تیاری کرنے کے لئے ملارجن کے پاس ایک پہاڑی[۸۶۵] قلعہ میں پہنچا جس کے گرد گھنا جنگل تھا۔ جبکہ وہ ادھر ادھر اپنی

[۸۶۴] یہ شلوک بھگوت گیتا کے ادھیائے ۴ میں آٹھویں نمبر پر ہے اور اس جگہ کرشن جی کی زبان سے ادا ہوا ہے۔

[۸۶۵] اس جگہ جس پہاڑی مقام (گری درگ) کا ذکر ہے غالباً وہ بلند سطح مرتفع ہوگی۔ جہاں تک انسان مشکل سے پہنچ سکتا ہے اور جو سلسلہ پیر پنجال کی شمالی ڈھلوان میں

جماعت کے آدمیوں کو جمع کرتا پھر رہا تھا لوگ متفکر ہو رہے تھے۔ انہیں اپنی سابقہ تکالیف فراموش نہ ہوئی تھیں اور اب تاج کے لئے مزید جد و جہد کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ دشمن کی فوج دیکھ کر لوگوں پر ویسا ہی اثر پڑا گویا کسی بیوقت بادل سے سردی پیدا ہو گئی ہو۔ اور انکے حوصلے پست ہو گئے۔ آخرکار بجے سنگھ نے اس جنگلی قلعہ کا جو کئی کوس تک پھیلا ہوا تھا نواحات کے جنگلی دیہات پر قبضہ رکھنے والے وزیروں سے محاصرہ کروا دیا۔

جب سنج پال یونوں[۸۶۶] کو ہمراہ لیکر پہنچا تو دشمن اس طرح بے حس و حرکت ہو گیا جیسے ہوا بند ہو تو درخت ساکن رہتے ہیں۔ دھنیہ نے اپنی فوج سلیکا کوٹ میں جمع کی۔ اسے دشمن سے ایسی نفرت تھی جیسے شیر کو ہاتھی کی بو سے ہوتی ہے۔ رلھن نے جس کی فوج راجہ نے گوداس[۸۶۷] میں متعین کی تھی جنگل کا پتہ پتہ چھان مارا۔ اس کے آگے دشمن اس طرح چھپ گئے جیسے اُلو سورج کے آگے چھپ جاتے ہیں۔ راجہ نے جب اس طرح پر تمام ناکے بند کر دیئے تو کوشٹھیشور

کسی جگہ واقع تھی۔ اس جگہ آجنک شاندار صنوبر کے جنگل اُگے ہوئے ہیں جیسا کہ نقشہ سے معلوم ہوتا ہے۔

[۸۶۶] یون سے مراد اس جگہ بلاشبہ مسلمانوں سے ہے۔ جیسا کہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۴۹ سے معلوم ہوتا ہے یہ لوگ راجہ ہرش کے زمانہ میں فوج میں بھرتی ہونے لگ گئے تھے۔

[۸۶۷] گوداس کا ذکر صرف اسی جگہ آتا ہے۔ غالباً اس سے مراد گوس سے تو نہ ہوگی۔ جسے سر یودر نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ کے شلوک ۵۳۲ و ۵۹۲ میں گوسکا کے نام سے لکھا ہے اور جو راموہ سے قریباً دو میل شمال کی جانب واقع ہے کیونکہ یہ جگہ بہت زیادہ بلندی پر کوہستان میں واقع ہے۔

تین چار مہینے رکا رہا۔ وہ خود مصیبت میں مبتلا تھا اور نواحات کے والیان ریاست نے اس کی چنداں پرواہ نہ کی تھی۔ اس کے اپنے آدمی اُسکا ساتھ چھوڑ گئے تھے اور راجہ کے افسر جابجا اس کی مزاحمت کر رہے تھے۔ دور اندیشی کا مادہ نہ رکھنے کی وجہ سے وہ راجاؤں کے طریقے نہ جانتا تھا اب اپنے پاؤں اکھڑتے دیکھ کر اور قصور بھلا کے وہ راجہ سے صلح کرنے پر رضامند ہوا۔ سنج پال نے جو ایک وفادار آدمی تھا اس وقت کوشٹھیشور کو برا بھلا کہنا فضول جانا کیونکہ وہ راجہ کی خفگی کو دور کرنے کے لئے تیار تھا اور اس کے حسب منشا کارروائی کرنے کو رضامند ہو گیا[۸۶۸]

کوشٹھیشور کی اطاعت

سنج پال چاہتا تھا کہ کسی طرح راجہ کے دشمن سے صلح ہو جائے۔ اس لئے اس نے اسے سزا نہ دی گو خود اس کے ہاتھوں بہتیری تکلیف[۸۶۹] اُٹھائی تھی۔ اگر پرتھوی ہر کے بیٹوں نے کوشٹھیشور کے ساتھ اچھی طرح شلوک کیا تو یہ کچھ تعجب خیز امر نہیں ہے۔

---

۸۶۸ اس شلوک اور اس کے بعد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنج پال نے راجہ کی طرف سے کوشٹھیشور کی تجاویز صلح منظور کر لی تھیں۔ لیکن راجہ آخر الذکر کو معاف کرنے پر آمادہ نہ تھا اس لئے وہ اس انتظام کو پسند نہ کرتا تھا۔

۸۶۹ کلہن کا اشارہ اس جگہ اس حملہ سے ہے جو کوشٹھیشور نے سنج پال پر کیا تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۲۰۵۔ پرتھوی ہر کے بیٹوں سے مراد چتنک۔ لوشٹھک اور چُد سے معلوم ہوتی ہے اور شائد کوشٹھیشور کے دوسرے بھائیوں سے بھی جو بظاہر راجہ کی طرف رہے تھے۔ لیکن درپردہ اپنے باغی بھائی سے ہمدردی رکھتے تھے۔ کوشٹھیشور کے نسب کے متعلق دیکھو نوٹ ۷۷۳ و ۸۰۴ کتاب ہذا اور اس کے بھائیوں کے متعلق ترنگ ۸ شلوک ۲۳۱۸-۲۴۹۶ و ۲۴۵۱-

جب سنج پال نے کوشٹھیشور کو راجہ کے روبرو بھیجا تو گو اس نے اپنے ہاتھ کی اُنگلی کاٹ دی تاہم اسے خوش نہ کر سکا۔ اس کا قاصد گردن میں پگڑی ڈالے سر پر جوتا رکھے عرصہ دراز تک منتظر رہا لیکن راجہ کا غصہ بالکل فرو نہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کوشٹھیشور نے دو تین شاہی احکام کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔ بعض احکام کی مخالفت کی تھی اور مارے نخوت کے راجاؤں ہی کی طرح عمل کرتا رہا تھا۔

اس اثنا میں راجہ کو خبر ملی کہ ملارجن جو فرار ہو گیا تھا پکڑا گیا ہے۔ حقیقت میں خوش نصیب لوگوں کو کامیابی پر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

ملارجن کا ساورنک میں روک لیا جانا

ملارجن پیادہ پا اچھی طرح سفر نہ کر سکتا تھا اور کچھ سفر کی وجہ سے تھکا ماندہ تھا اس لئے اپنے نوکروں کے کندھوں پر سوار ہو کر راستہ طے کر رہا تھا۔ جب مختلف خطرات سے بچکر وہ موضع ساورنک[۱۷۰] میں پہنچا جو علاقہ لوہر میں داخل تھا تو ٹھکر جلگ نے اسے روک کر اس پر گارد متعین کر دی۔ راجہ کو اب معلوم ہوا کہ یہ وفادار نوکر (ٹھکر) میرے پاس آیا ہے۔

ملارجن پہلے ہی بمشکل بچکر نکلا تھا اب راستہ[۱۷۱] میں پھر دشمن کے ہاتھوں پڑ گیا۔ واقعی قسمت کے پھندے سے کون بچ سکتا ہے؟ گنگا اپنے آسمانی

۱۷۰؎ ساورنک سے مراد غالباً موجودہ سورن سے ہوگی جو پرتنس توہی کی وادی میں ایک بڑا بسا گاؤں ہے۔ لوہر (لوہرن) سے اس کا فاصلہ تقریباً دو کوچ ہوگا۔

۱۷۱؎ اس جگہ جس ورگ یا مقام کی طرف اشارہ ہے وہی پہاڑی مقام ہے جہاں اس سے پہلے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۰ کے مطابق ملارجن اور کوشٹھیشور دونوں رہے تھے۔

راستہ کوٹے کرتی ہوئی بمشکل ایک رشی (جھنو) کے پیٹ سے بچکر نکلی تھی کہ اسے ایک اور رشی (اگستیہ) نے اس وقت پی لیا جب وہ سمندر میں داخل ہوئی۔ اٹل باتوں سے کون بچ سکتا ہے؟

جبکہ جگک ملارجن کی نگرانی کر رہا تھا۔ دور اندیش راجہ نے دوارپتی اودے کو ملارجن کے لانے کے لئے بھیجا۔ کیونکہ راجہ کو سوائے اس شخص کے جو دانا۔ بہادر دور اندیش اور دلیر تھا اور کسی پر امید نہ تھی کہ وہ مشکل موقعہ پر استقلال کو قائم رکھیگا۔ جب اودے ان راستوں[۲۷۲] کو عبور کرتا ہوا جہاں فریقین سے روپیہ وصول کرنے والے لوگوں نے حفظ امن کا سلسلہ منقطع کر رکھا تھا وہاں پہنچا تو اس نے راجہ کے دشمن (ملارجن) کو کھڑکی میں کھڑے دیکھا۔

ملارجن کی اطاعت

اسے دیکھ کر ملارجن نے بہت سی باتیں کرتے ہوئے اس کی تعریف کی۔ بناوٹی طور پر اپنی دلیری اور استقلال کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔ "تم جو داناؤں کے سردار ہو اور سب سے بڑھ کر اپنے آقا کی وفاداری کی قدر کرتے ہو ان لوگوں کی بدولت یہاں پہنچ گئے ہو جو حرص میں آ گئے ہیں۔ چونکہ مجھے تم جیسا کوئی مددگار حاصل نہ تھا جو ایک

۲۷۲ء اس جگہ اشارہ ان پہاڑی علاقوں کی طرف معلوم ہوتا ہے جو علاقہ کشمیر و راجپوری کی جنوبی سرحد کے مابین واقع ہیں۔ ان علاقوں میں کھش لوگ آباد ہوا کرتے تھے۔ جن کی لوٹ مار کی شہرت کا ذکر قبل ازیں نوٹ نمبر ۱۰۴ کتاب ہذا میں کیا جا چکا ہے۔ کشمیر اور راجپوری کے درمیانی راستوں پر ان کی حالت چونکہ محفوظ ہوتی تھی اس لئے وہ بحالت امن بھی دونوں طرف سے ایک قسم کا خراج یا جبریہ روپیہ وصول کرتے ہونگے۔ درہ خیبر پر افریدیوں کی حالت اب سے کچھ مدت پہلے بعینہٖ ایسی ہوا کرتی تھی۔

جواہر کی مانند ہو اس لئے میں نے اپنی حکومت شباب میں بہت سی سازشوں سے تکلیف اُٹھائی ہے۔ جس طرح سورج کو موسم سرما میں بآسانی دیکھا جا سکتا ہے ایسے ہی وہ راجہ جنہیں انکے با اختیار ہونے کی حالت میں تیج کی وجہ سے دیکھا نہیں جا سکتا وہی بدقسمتی کے وقت سب کی نظروں کے سامنے سے گذرتے ہیں وہی راجہ تعریف کا مستحق ہے جو سورج کی طرح طلوع و غروب (عروج و زوال) کے وقت قرص سرخ کی مانند چمکے جس کے عروج کے وقت اس کی رعایا کی عورتیں خلوص دلی سے اُس کے درشنوں کو مبارک خیال کرتی ہیں اور زوال (موت) پر السپرائیں بڑی محبت کے ساتھ اُسے خوش آمدید کہتی ہیں۔ درجہ (پد) اور کوئی چیز (ارتھ) حاصل کرنے کے بعد میں انجام کار اس شاعر کی مانند حیران ہو گیا ہوں جسے الفاظ (پد) اور موضوع (ارتھ) مل گیا ہو لیکن شعر کو ختم کرنے کے متعلق وہ بحالت اضطراب ہو۔ اب لازم ہے کہ تم ایک بات کا وعدہ کر کے مجھے اطمینان دلاؤ اور وہ بات بھی حیطۂ امکان سے باہر نہیں ہے۔

یہ کہکر اس نے ایک شیشہ کا لنگ مہ بیٹھ دداریتی کے روبرو اس غرض سے رکھا کہ وہ اطمینان دلانے کی غرض سے اسے چھوئے۔ اودے نے خیال کیا "یقیناً یہ شخص یہ کہنا چاہتاہے کہ میں اسے ایسے جنگجوؤں سے صاف میدان میں لڑنے کی اجازت دوں جو برچھے، نیزے اور تیر استعمال کرتے ہیں"[۵۲۳] چنانچہ اس نے اس کے حسب منشا شو لنگ کو ہاتھ لگا دیا۔ جس کے بعد ملارجن نے کہا:-

"میں یہ چاہتا ہوں کہ راجہ کے سامنے مجھے اسی حالت میں پیش کیا جائے نہ میری آنکھیں نکالی جائیں۔ نہ مجھے جان سے مارا جائے اور نہ زخمی کیا جائے۔"

[۵۲۳] اودے کا خیال تھا کہ ملارجن کھلی لڑائی میں سپاہیانہ موت کا طالب ہے۔

ان کمینہ الفاظ کو سُنکر سب لوگ مارے شرم کے عرق عرق ہو گئے - اور انہوں نے
اس طرح زمین کی طرف اپنے سروں کو جھکا لیا جیسے بارش میں شاخیں جھکا لیتی
ہیں - اس وقت انہیں بھکشو کا آخری وقت یاد آیا - اور اسے یاد کر کے پھر انہیں
خوشی حاصل ہوئی -

جبکہ اودے اسے ڈولی میں ڈالے لئے جا رہا تھا وہ بلا شرم و حیا ان لوگوں
کی طرف دیکھتا گیا جو کبھی اس کے ماتحت ہوا کرتے تھے - راستہ میں وہ کھانے
اور سونے میں بالکل حیوانوں کی طرح مصروف رہا اور کسی قسم کا خیال اس کے
ذہن میں نہ آیا - جب لوگوں نے اسے اس حالت میں زیر حراست جلتے دیکھا
تو انکے دلوں میں رحم پیدا ہوا اور انہوں نے راجہ کی اس کارروائی کو ناپسند
کیا - انہوں نے کہا یہ نادرست ہے کہ راجہ بڑے بھائی کی حیثیت میں چھوٹے
بھائی کے ساتھ اس قسم کا ظالمانہ سلوک کرے جو باپ کے سایہ عاطفت سے
محروم ہے - اور رحم کا مستحق ہے - ایسا ظالم کون ہوگا جو اذیتوں کے ذریعہ اس
نوجوان کے جسم کو بدنما بنائے جس کی آنکھیں نیلگوں کنول پھول کی مانند ہیں -

اس طرح پر لوگ اگلے واقعات کو انکے نتائج کے ساتھ نہ ملاتے ہوئے
اس کے قصور کو بُھلا کر جب اسے سڑک پر دیکھتے تھے تو راجہ کو لعنت ملامت
کرتے تھے - لیکن نوجوانوں - احمقوں وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ اچھے سیانے
آدمیوں کے خیالات بھی کبھی یکسو نہیں رہتے - جب سامعین قمار بازی[۸۷۴] اور
پنچال کی شہزادی (درو پدی) کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹے جانے کی کیفیت سنتے ہیں
تو پانڈوؤں کی نسبت دھرت راشٹر کے بیٹوں کے خلاف ان کا غصہ بہت تیز ہو

---

[۸۷۴] اس جگہ اشارہ ان فصول کی طرف ہے جو مہابھارت پرب ۲ سرگ ۵ شلوک ۶۷ -
پرب ۸ سرگ ۸۳ اور پرب ۹ سرگ ۵۱ میں مذکور ہیں -

جاتا ہے لیکن جب وہ کوروؤں کا لہو پیئے جانے اور درلودہن کا جس کا زانو ٹوٹ چکا تھا سر پھوڑے جانے کا ذکر سنتے ہیں تو وہی لوگ پانڈوؤں کے خلاف خشمناک ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معاملات کی وجوہ اور انکے نتائج کو سوائے ان لوگوں کے جو ان میں شریک ہوئے ہوں اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ پھر بھلا کیونکر ممکن ہے کہ مختلف واقعات کو دیکھ کر دیکھنے والوں کے خیالات میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ اسے ایک ڈولی میں بٹھا کر بوقت شام شہر میں لے گئے۔ اس کے ہاتھ میں مٹی کا ایک برتن تھا جس کے اندر اس کی کٹی ہوئی انگلی رکھی تھی اور لوگ اس کی حالت زار دیکھ دیکھ کر آنسو بہا رہے تھے۔

ملارجن کا قید ہونا ۱۱۳۵ء } ۱۵ اشدی اسوں لوکک سمت ۴۲۱۱ (۱۱۳۵ء) کو راجہ نے اسے نومٹھ میں قید کر دیا۔ پانچ چھ دن اس نے سخت قلق میں کاٹے کھانا تک نہ کھایا اور راجہ کے پاؤں چھونے کی درخواست کرتا رہا۔ آخر کار راجہ نے رحم کھا کر اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ جب راجہ نے اس کے تحفظ کا وعدہ کیا تو اس نے بیان کیا کہ چتررتھ اور کوشٹ مجسم شرارت ہیں اور اس قابل ہیں کہ انہیں مار دیا جائے۔ اس پر راجہ نے کوشٹ کو جو اپنے مقام رہائش کو جا چکا تھا قید کرنے کی خواہش کی اور اس مطلب کے لئے پانچ چھ مشیروں کو جن میں دلہن بھی تھا روانہ کیا۔

کوشٹھک اور چتشک کی گرفتاری } جب سب لوگ اس کام میں ہمت ہار بیٹھے تو راجہ نے خود اس کا بیڑا اٹھایا جس پر حوصلہ کر کے رلہن نے کوشٹ کو بازوؤں سے اس طرح پکڑ لیا جیسے شارک مچھلی کو پکڑتی ہے۔ اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی گئی اور وہ اس مضبوط شخص کے بازوؤں میں اس طرح بے حس و حرکت رہا جیسے کوئی سویا ہوا شخص

بھوت کے دباؤ میں ہوتا ہے۔ کلراج کے بھتیجے بھکھراج نے راجہ کا اشارہ پاکر اس کی گردن کو خنجر سے زخمی کیا۔ جب راج پتر پرتھوی پال اس کے سر پر کلہاڑی مارنے کو تیار ہوا تو راجہ نے غصہ سے اس کو منع کر دیا۔ اس کی گردن میں کاری زخم لگا جس کی وجہ سے وہ ہاتھ پاؤں ہلانے سے عاری ہو کر فرش زمین پر لہو میں غلطاں لوٹنے لگا۔

کملیہ اور دوسرے طاقت ور جوانوں نے کوشٹھیشور کے بھائی چنتک کو اس طرح زمین پر گرا لیا جیسے ہاتھی لکڑی کی گیلی گرا لیتے ہیں۔ جب برہمن ملک نے اپنے دو آقاؤں کو اس طرح بیکسی کی حالت میں گرفتار دیکھا تو وہ تلوار لئے آگے بڑھا۔ جبکہ وہ بلا توقع اس ہجوم میں داخل ہو کر چند شاہی نوکروں پر وار کر رہا تھا راجہ نے خود اسے دیکھا۔ جبکہ اس طاقتور جوان نے کئی سپاہیوں کو جو راجہ کی طرف سے اس کی طرف بھاگ رہے تھے قتل کر دیا تو کلراج اس کی طرف خنجر لیکر لپکا۔

کلراج نے جو ہتھیار چلانے میں بڑا ماہر تھا اسے دیوار کے ساتھ دبائے رکھا۔ لیکن اسے مار نہ سکا کیونکہ ملک بھی بڑی تیزی سے مقابلہ پر وار کر رہا تھا اس حالت میں کلراج نہ تو وہاں سے ہٹ سکتا تھا۔ نہ کھڑا رہ سکتا تھا نہ مار سکتا تھا بلکہ بغیر زخمی کئے محض اسے زد کے ہوئے تھا۔ ملک پاؤں مار کر اور بازو پھیلا کر سخت شور و غل مچا رہا تھا۔ یکایک اس کی نظر بدمراج پر پڑی جو بھاگا آ رہا تھا۔ کلراج کو بھی اب موقعہ مل گیا اور اس نے اس کی چھاتی میں وار کیا۔ لیکن جب وار کر کے ہاتھ ہٹانے لگا تو ملک نے پھرتی سے اس کا انگوٹھا کاٹ ڈالا اتنے میں مغرور بجراج نے اس پر حملہ کیا۔ اور جب ملک اس پر وار کرنے لگا تو دونوں نے بڑی تیزی سے اس پر وار کئے۔ ملک کوشش کر کے ان تینوں حملہ آوروں سے

بھی بچ نکلا۔ اور راجہ کی طرف دوڑا جس نے اسے جنشنگک ہال کے دروازہ میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ جبکہ وہ راجہ کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کلراج جلدی اور گھبراہٹ میں اس کے پیچھے دوڑا اور اس کے سرین کی ہڈی کو زخمی کر کے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اتنے میں تمام سپاہیوں نے اسے گھیر لیا اور وہ دلاوروں اور بزدلوں کو قتل کرتا خود بھی اس جگہ بہادروں کی طرح گر پڑا۔ اور ایک خون کی ندی نے اس کے کفن کا کام دیا۔ وہ اس لحاظ سے بہادروں کے زمرہ میں شمار ہونے کے قابل تھا کہ اس نے اپنے ان آقاؤں کے زیر نظر قابل تعریف بہادری کا اظہار کیا تھا جو مصیبت میں گرفتار ہونے کے باوجود ابھی زندہ تھے اور اسے ایک ایسی موت نصیب ہوئی تھی جو قابل رشک تھی۔ کوشٹ کے باقی نوکر تو بھاگ گئے صرف جنک چندر نامی ڈامر نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ اس میں دلیری کی کچھ کمی نہیں ہے۔ ہر چند کہ وہ ہنتہ تھا تاہم اس نے شاہی نوکروں میں سے ایک سے کلہاڑا چھین کر جنگ شروع کیا اور لڑتے ہوئے بہتوں کو اس غرض سے جمراج کے دربار کی طرف روانہ کر دیا کہ اس کے خود وہاں پہنچنے کے لئے بطور نقیب کام دیں۔ سورج لوک کی طرف اپنا راستہ تیار کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں جو کلہاڑا تھا وہ دشمن کی ریڑھ کی ہڈی (سشمنا) کاٹنے کے لئے ویسے آمادہ نظر آتا تھا جیسے ہلال شعاع سشمنا کے ذریعہ آفتاب کی روشنی حاصل کرنے کے لئے مشتاق نظر آتا ہے۔[۸۲۵]

کوشٹ کی بیوی کا ستی ہونا اس وقت کوشٹ کی بیوی نے جو کام کیا

---

[۸۲۵] خیال کیا جاتا ہے کہ سشمنا نامی کرن سورج کی روشنی کو چاند تک لے جاتی ہے۔ دیکھو نرکت ادھیائے ۲ شلوک ۶ و وشنو پران ادھیائے ۲ صفحہ ۲۹۷۔ مرنے کے بعد بہادر لوگوں کی روحیں سورج لوک کو جاتی ہیں۔

اس کی نظیر نہ تو کبھی ہمارے دیکھنے اور نہ سُننے میں آئی ہے۔ کیونکہ جب اس نے سنا کہ اسے قید کر دیا گیا ہے تو وہ بڑی ہمت کے ساتھ ستی ہو گئی۔ اس کے رشتہ دار ایسے کہہ رہے تھے "ممکن ہے تیرا شوہر اب بھی زندہ بچ نکلے" لیکن اس نے ان کی ایک نہ سنی۔ اور آگ میں داخل ہو گئی۔ اس عورت کے پاؤں کو لگنے سے جو نیک عورتوں کی دنیا کی طرف جا رہی تھی آگ اس گناہ سے پاک ہو گئی جو سات رشیوں[۸۷۶] کی بیویوں سے بغلگیر ہونے کی خواہش کے ذریعہ اس سے سرزد ہوا تھا۔ اس عورت نے جو وسنت کی لڑکی تھی (جو دھنیہ اور اودے کا بھائی تھا) اور اس لحاظ سے شریف النسب[۸۷۷] تھی۔ ڈامر عورتوں کے عام طریقوں کو پسند نہ کیا۔ اگر لونیوں کی بیویاں بیوگی کے عالم میں خواہش زر سے دیہاتی اہلکاروں۔ معمولی لوگوں اور ایسے ہی دوسرے آدمیوں کے پاس عصمت فروشی کرتی پھریں تو مضائقہ نہیں اس کی اور ملک اور جنک چندر کی وجہ سے کوشٹ اس وقت بھی سر اُٹھا سکا جبکہ ذہنی اضطراب کی وجہ سے وہ مایوس ہو چکا تھا۔ کوشٹ کا زخم ہر چند کہ مندمل ہو گیا تاہم اس کے جسم میں کیڑے پڑ گئے جس کا باعث اس کے اگلے جنم کے پاپ تھے اور کئی راتوں کے بعد آخر کار وہ قید خانہ ہی میں مر گیا۔ چترر تھ کا بدن سوکھ کر کانٹا سا ہو چکا تھا۔ اس نے جب سنا کہ ملارجن نے راجہ کو میرے خلاف اکسا دیا ہے۔ تو وہ نہایت خائف ہوا۔

چترر تھ کا انجام } اس کی پیاری اور واحد بیوی نیک سوریہ متی جو اس کی

۸۷۶ھ اس جگہ جس قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ مہابھارت پرب ۳ سرگ ۲۲۴ شلوک ۳۰ میں پایا جاتا ہے۔

۸۷۷ھ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۸۳ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ دھنیہ اور اودے راجنیہ یعنی کشتری خاندان سے ہیں۔

طاقت کے مثامن کا درجہ رکھتی تھی قبل ازیں دوسرے عالم کو سدھار چکی تھی۔ اسکی جسمانی صحت ایک لاعلاج مرض سے شکست ہو چکی تھی۔ مکان بغیر بیوی کے تباہ ہو چکا تھا اور آقا دشمنی کی وجہ سے مخالفت پر آمادہ تھا اس لئے اب اسے کسی طرح پر بھی چین نہ آتا تھا۔ یہ خیال کر کے کہ باوجود خطاوار ہونے کے راجہ اس صورت میں مجھ پر نامہربان نہ ہو گا۔ اگر میں کسی تیرتھ پر قیام پذیر ہو گیا وہ سریشوری میں اس جگہ مرنے کے بہانہ سے چلا گیا۔ اس پر راجہ نے مختلف مقامات میں اس کی ہر قسم کی دولت جو اس نے بوجہ کُبیر سے بھی زیادہ مالدار ہونے کے جمع کر رکھی تھی ضبط کر لی۔ اس کا سونا۔ کپڑے۔ سامان۔ گھوڑے۔ جواہرات۔ اسلحہ اور دیگر قیمتی چیزیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شان و شوکت دکھا رہی تھیں۔ چتر رتھ کی دولت نے پہاڑی ندی کے پانی کی طرح اس شاہی درخت کو شاداب کر دیا جو بغاوت لوہر کی بادِ صرصر کے جھونکوں نے جھلس دیا تھا۔

ششش بھو کے بیٹے وجے کے گھر میں شاہی دولت مقید لیکن ہمیشہ بیدار رہتی تھی جو کثرت تفکرات کی زردی سے اس طرح معلوم ہوتی تھی گویا اس پر سفید چھتریوں کا عکس پڑا ہوا ہو۔ ہر چند کہ فسادات ایک عرصہ سے رک چکے تھے تاہم اسے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا اور جنگل میں رہنے والے شخص کے لئے ایسا ہونا یوں

ششش قبل ازیں ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۶۳ میں ذکر آچکا ہے کہ بھو کا بیٹا وجے کلیان پور (کلم پور) کا ایک شریف عالی نسب باشندہ اور بھکشو کا حامی تھا۔ چونکہ کلہن نے وجے کے قتل کی کوئی خاص وجہ بیان نہیں کی اس لئے اندازہ کرنا پڑتا ہے کہ راجہ کا منشا اس ڈامر کی عظیم الشان جائداد کو قبضہ میں لانے کا تھا۔

راجہ شالو سے مراد ہرشچندر سے ہے جس کی نسبت مہابھارت اور اور کتابوں میں روایت ہے کہ وہ سوبھ نامی ایک شہر پر جو ہوا میں معلق ہے حکمران ہے۔

بھی قدرتی ہے۔ اس کھٹکے ہی کے باعث وہ رشاندار کلیان پور کو چھوڑ کر اس طرح کہیں نہ جاتا آتا تھا۔ جیسے راجہ سالوسوبھ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا تھا۔ جب اس نے اننہ نامی راجہ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک قاتل دیکھا تو اس نے اسے قتل کر ڈالا اور خود بھی اس کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس طرح پر راجہ جے سنگھ جو اپنی رعایا کی محافظت کا اسقدر خیال رکھتا تھا جھگڑے فساد کے ایام گذارتا رہا۔

جبکہ چتر رتھ تیرتھ میں ٹھیرا ہوا تھا اس کے دو نوکر شرنگار اور جنک نامی دو مشہور سازشی عہدہ پاواگر حاصل کرنے کے لئے پوری کوشش کر رہے تھے۔ شرنگار جنک پر اس طرح غالب آگیا کہ اس نے راجہ کو رشوت دے دلا کر عہدہ حاصل کر لیا۔ جس طرح موسم برسات دریاؤں میں پانی لاتا ہے ایسے ہی راجہ نے بھی ایک عرصہ کے بعد دوارپتی کا عہدہ[۶۷۹] اودے کو دوبارہ دیدیا۔ چتر رتھ ایک عرصہ تک سخت تکالیف برداشت کر کے راہی ملک عدم ہوا۔ کیونکہ بالآخر اسے اس کے افعال بد کا معاوضہ ملنا تھا۔ اس کی ذات قابل مضحکہ اور گندے آدمی کا وجود جزو لازم بن جاتا ہے جو احمقوں کے الفاظ بھی قابل تسلیم بنا دیتا ہے اور قدیم اعزاز کو مطیع کر سکتا ہے جو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے لیکن پھر بھی انکے فہم و قیاس کے دائرہ سے باہر نکلا ہوا ہے۔

شرنگار کا وزیر اعظم بنایا جانا

سجک کے بیٹے شرنگار[۶۸۰] نے اس وقت جبکہ راجہ نوعمر تھا اسے قمار بازی اور

---

[۶۷۹] ہمیں خیال کرنا پڑتا ہے کہ اودے جس کا ذکر قبل ازیں نوٹ نمبر ۴۸۳ کتاب ہذا میں دوارپتی کے طور پر آچکا ہے اس وقت اس عہدہ کو ہاتھ سے دے بیٹھا ہوگا۔ جب پاواگر اور دوار کا عہدہ چتر رتھ کو ملا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۹۶۴۔

دوسرے طریقوں پر خراب کر دیا تھا اور اس وقت سے وہ اس کا منہ لگا آدمی تھا۔ جب راجہ کو اختیارات شاہی حاصل ہوئے تو اس نے چتر رتھ کو شب و روز پان پہنچانے کا کام یہاں تک کیا کہ بالکل ہار تھک گیا۔ جو پیغامات وہ لیجایا کرتا تھا ان کی وجہ سے اسے تمام معاملات سے واقفیت ہو گئی اور وہ ایک معتبر مشیر بن گیا۔ جب چتر رتھ کا خاتمہ ہو گیا تو وہ راجہ کے پاس ان نوکروں کو لے آیا۔ جنہوں نے اسے چتر رتھ کا دفینہ بتا دیا۔ انہی ایام میں تخت چونکہ تمام امرا اور مشیروں سے خالی تھا۔ اس لئے اسے وزیر اعظم کا عہدہ مل گیا۔ ہر چند کہ وہ تنگ دل اور تنگ خیال تھا اور بالکل سطحی فیاضی دکھایا کرتا تھا تاہم اس کی دولت برے کاموں میں استعمال نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ صرف مستحق لوگوں کو انعام واکرام دیتا تھا۔ وہ اپنے گوروؤں کو چاول فیاضی سے دیا کرتا تھا۔ اس سے پہلے بھی جب اس کی ضرورت پوری ہو جاتی تھی اور جب کبھی وہ اپنے کُنبے کی عورتوں کو حسب ضرورت کھانا اور کپڑا مہیا کر دیتا تھا تو وہ اپنے آپ کو دولت مند خیال کرنے لگ جاتا تھا۔ لیکن اس نے چونکہ اپنی نقدی سے سریشوری کے مندر میں چاندی کا پایہ (پیٹھ) لگوا دیا اس لئے وہ نجات کا مستحق معلوم ہوتا تھا۔ اساڑھ[۸۸۱] میں پورنماشی کے روز وہ نندی کشتیر کے مقام پر

۸۸۰؎ یہ شرنگار وہ نہیں جو چتر رتھ کا نوکر تھا اور جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۵۲ و ۲۳۶۸ میں آتا ہے۔

دونوں سجکوں کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۵۷۷ و ۱۴۵۹۔

۸۸۱؎ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ میں کسی خاص تہوار کا پتہ نہیں لگا سکا جو نندی کشتیر (بھوتیشور) میں اساڑھی میں منایا جاتا ہو۔

چنپک کلہن کا باپ تھا جس کے ان تعلقات کا ذکر جو اسے نندی کشتیر کے مندروں کے

اسقدر صرف کثیر سے دھوم دھام کرتا تھا جس کی نقل آجکل راجہ بھی نہیں اُتار سکتے۔ اس کی ہدایت پہلے چمپک وغیرہ کی طرف سے ہوئی تھی اور اس کے ذریعہ بعد میں اُسے پانچ چھ سال تک بخوبی خوشحالی حاصل رہی۔

ہر چند کہ ایام طفولیت میں وہ ایک نا قابل ہمراہی خیال کیا جاتا تھا تاہم اس عہدہ پر مامور ہو کر اس نے اپنے آقا کی محبت کی وجہ سے عجیب عجیب کام کر کے دکھلائے۔ جس ناگ واسکی کی نسبت ترپور کے دشمن (شوجی) کا اس وقت جبکہ وہ انکے گلے میں زیبائش کا کام دے رہا تھا یہ خیال تھا کہ اسے انکی نوجوان بیوی (پاربتی) کے ناخنوں سے تکلیف نہ پہنچ جائے وہی ناگ اس وقت بالکل ثابت اور قائم رہا جب شوجی کا حکم پا کر وہ کوہ مندر کے گرد بطور رسی کے لپٹ گیا۔ اس حالت میں کیونکر ہو سکتا ہے کہ اپنے آقا کا حکم پا کر دوسرے لوگ بھی طاقت کا اظہار نہ کریں۔

داہن اور دھنیہ ایک طرف تو شرنگار سے ملے ہوئے تھے اور دوسری طرف جنک سے اس طرح پر انہوں نے ان دونوں کے درمیان نفاق ڈلوا دیا۔ اور ان میں سے ہر ایک بذریعہ رشوت دوسرے کو اُس کے عہدے سے معزول کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک موقعہ پر شرنگار نے جنک کو معہ اس کے بیوی بچوں کے قید کروا دیا۔ اور موتیوں جیسے آنسوؤں کے علاوہ ان سے موتی

متعلق حاصل تھے ترنگ ۷ کے شلوک ۹۵۴ میں آچکا ہے۔

نیل مت پران کے شلوک ۳۱۷ تا ۳۲۱ میں ایک تہوار کا دیوسواپن کا ذکر آتا ہے جو اساڑھ کے آخری دس یوم میں منایا جاتا ہے۔

۸۸۲ دیت ترپور سے لڑتے وقت اندر نے کوہ مندر کو کمان اور ناگ واسکی کو اس کمان کی ڈور بنایا تھا۔

بھی چھڑوائے۔ جنک۔ نے اپنی بے عزتی ہوتی دیکھ کر غصہ میں گنوار محافظان جیل کو رشوت دی اور انہیں سکھا کر شرنگار کی سخت بے عزتی کرائی۔[۸۸۳]

جے سنگھ کے عابدانہ کام } اس راجہ نے جس کا من نہایت مضبوط اور سب باتوں پر محیط ہے۔ اپنے عابدانہ افعال کے ذریعہ نیکوں میں درجہ اول حاصل کیا ہے۔ جس طرح صندل کا درخت جلتا ہوا بھی اس شخص کو فرحت دیتا ہے جس نے جنگل میں آگ لگائی ہو ایسے ہی اس نے اس طرح پر گویا بدھ کی مانند اس میں کامل بودھی (روشنی طبع) موجود ہو۔ دشمنوں کو مصیبت کے وقت مدد دینے میں دریغ نہیں کیا۔ گوروؤں۔ طالب علموں۔ برہمنوں۔ محتاجوں وغیرہ کا پورا لحاظ رکھ کے اس نے ان لوگوں کو جو مستحق تھے انعام واکرام دیئے ہیں۔ چونکہ وہ دولت مند ہونے کے علاوہ عابدانہ خیالات رکھتا ہے۔ اس لئے اس نے شو وجیش اور اور بہت سے دیوتاؤں کے مندر گچ کے ذریعہ تیار کرا کے کیلاش کے درجہ کے بنوائے ہیں۔ چونکہ اسے عمارات کی بحالی کا شوق ہے اس لئے اس کی توجہ ہر وقت مٹھوں مندروں۔ باغوں۔ تالابوں۔ نہروں وغیرہ کی درستی کی طرف لگی رہتی ہے۔

راجہ جے سنگھ کے عادات وخصائل } ہر چند کہ راجہ جے سنگھ اس قسم کا چال چلن رکھتا ہے تاہم اس وجہ سے کہ ایک موقعہ پر اس سے ایسے لوگوں کے ساتھ دشمنی کا[۸۸۴]

---

[۸۸۳] اس سے آگے اصل کتاب کے پانچ شلوک ۱۷۲۳ تا ۱۷۲۵ اس خیال سے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ کہ وہ نہایت پیچیدہ غیر مربوط اور کسی قدر فحش کی حد تک پہنچتے ہیں۔ مگر ان کے نہ ہونے سے داستان کے سلسلہ میں کسی قسم کا نقص واقعہ نہیں ہوتا۔

برتاؤ ہو گیا جو اعزاز کے لحاظ سے مذہبی طلبہ (برہمچارن) کا درجہ رکھتے ہیں۔ بعض کند ذہن لوگ اسے ظلم مجسم قرار دیتے ہیں۔ آسمانی دریا[۸۸۵] (گنگا) کے اعلےٰ کام مثلاً سارے عالم کو سیراب کرنا۔ ساتوں سمندروں کو بھرنا اور برہما اور دوسرے دریاؤں کو خوش کرنا محض اس کی ایک خطا کی وجہ سے نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں جو یہ ہے کہ وہ ساگر کے بیٹوں کی راکھ سے چھو گئی تھی۔ بس اس وجہ سے لوگ اسے اس قابل سمجھنے لگ گئے ہیں کہ اس میں مردوں کی ہڈیاں ڈالی جائیں اور اس سے شمشان کا کام لینے لگے ہیں۔

انہی ایام میں برہمن شور تھ[۸۸۶] نامی ایک بدمعاش اہلکار کو جو بہت بڑا سازشی تھا گلا گھونٹ کر مار دیا گیا۔ اس طرح پر اپنے مختلف دشمنوں کو ضائع کر کے راجہ نے جو نیکی .... کرنے پر تلا ہوا تھا ملک کو ان مشکلات سے چھڑایا جو اس کی خوشحالی کے راستہ میں حائل تھیں۔ جس طرح سورج کی شعاعیں بادلوں سے نکل کر طاقت حاصل کرتی ہیں ایسے ہی راجہ دشمنوں کی رکاوٹیں دور کر کے طاقت حاصل کرتے ہیں۔ جس طرح انگور جوں جوں پکتا ہے شیریں ہوتا جاتا

۸۸۴ء کلہن کا اشارہ اس جگہ غالباً سجی کے قتل کی طرف ہے اور وہ جے سنگھ کے دوسرے مظالم پر اس بنا پر پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے کہ اسے سیاسی ضروریات سے ایسا کرنا پڑا تھا۔

۸۸۵ء پران میں یہ روایت آتی ہے کہ راجہ بھاگیرت نے اس غرض سے گنگا کو دیولوک سے نیچے اتارا تھا کہ وہ سگر کے ان ساٹھ ہزار بیٹوں کی خاک کو پاک کرنا چاہتا تھا جو رشی کپل کی نگاہ خشمگین سے جل کر راکھ ہو گئے تھے۔

۸۸۶ء یہ شور تھ غالباً وہی شخص ہے جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۵۶ میں پایا جاتا ہے۔

ہے ایسے ہی یہ راجہ جوں جوں بالغ ہوتا گیا توں توں اس میں خوبیاں آتی گئیں۔ وہ ہمیشہ یگ کیا کرتا تھا جن میں بہت وکشنا تقسیم کرتا تھا اور شادیوں۔ یاتراؤں اور مختلف تہواروں کے موقعہ پر امداد دینے میں اسے دریغ نہ ہوتا تھا جس طرح چاند بلند پہاڑوں کی بوٹیوں^{۸۸۸} کو اپنی روشنی دیتا ہے ایسے ہی وہ عابد لوگوں کے یگ کے لئے خود سامان دیا کرتا تھا۔ جب اہل شہر اپنے بیٹوں کی شادی رچاتے یا مورتیاں استھاپن کرتے تو وہ بڑی توجہ سے سارا سامان مہیا کیا کرتا تھا۔ اس نے سرکاری لکڑی^{۸۸۹} کو صرف کر کے سارا شہر از سر نو تعمیر کرایا۔

جے سنگھ کی پرہیزگاری سمجھ دار لوگ حیرت سے یہ بات دیکھا کرتے ہیں۔ کہ راجہ گو امور سلطنت میں منہمک رہتا ہے تاہم شوجی کی پوجا بالکل ایک منی کی مانند کرتا ہے۔ صبح سے شام تک اسے کوئی اس قسم کا کام کرتے نہیں دیکھا جاتا جس میں تجربہ کار لوگ مشورہ نہ دیتے ہوں۔ اس سے پہلے جہالت کی جو تاریکی چھائی ہوئی تھی اس میں سے جیاپیڈ جیسے راجاؤں نے بادل بن کر فیاضی کی بارش کے ساتھ بجلی کی روشنی

۸۸۸ء خیال کیا جاتا ہے کہ پہاڑوں کی طاقت ور بوٹیاں رات کے وقت روشن ہو جاتی ہیں۔ دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۱۶۹۔

۸۸۹ء اس شلوک سے واضح ہوتا ہے کہ آجکل کی طرح زمانہ قدیم میں بھی کشمیر کے عظیم الشان جنگلات سے لکڑی کی ضرورت مالی آمدنی کا ایک خاص ذریعہ ہوا کرتی ہوگی۔ اسی شلوک سے اس بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ سری نگر میں نجی عمارات بنوانے میں لکڑی سے جو کام آجکل لیا جاتا ہے وہی زمانہ قدیم میں لیا جاتا تھا۔ جب کبھی عظیم آتشزدگی سے سرینگر کے مختلف حصص جل جاتے تھے تو عمارت کے لئے لکڑی مفت دینے کے طریق پر زمانہ حال میں بھی عمل ہوتا رہا ہے۔

کی مانند علم کی روشنی وقتاً فوقتاً نمودار کی تھی لیکن اس راجہ نے اپنی عجیب وغریب نیکی کو اس قسم کی دولت دیگر جو ایک چمکدار جوہر کی مانند چمکتی ہے مستقل طور پر منور کر دیا ہے۔ اس نے علما اور ان کی اولاد کو اس وقت تک کے لئے کہ جب تک پیارے سورج اور چاند قائم رہیں۔ اس قسم کے گاؤں کا مالک بنا دیا ہے جن میں بافراط پیداوار دینے والے کھیت بکثرت ہیں۔ اس نے ودوانوں کے لئے جو مکانات بنوائے ہیں انکی چوٹیاں یہاں تک اونچی ہیں کہ سپت رشی ستارے انہیں حیرت سے دیکھتے ہیں۔ اس نیک راجہ نے تعلیم کا مستقل طور پر انتظام کر دیا ہے اور اس پر اپنا روپیہ صرف کر کے ودیا کو ملک میں ہیرے کی طرح روشن کر دیا ہے۔ جس طرح آریہ راج کو بستر پر لیٹ کر اس پانی کے بہنے کی آواز سے بڑا لطف ہوتا تھا۔ جو کہ جلہری سے شولنگ پر گرتا ہے۔ ایسے ہی یہ راجہ جب سونے لگتا ہے تو وہ بانسریاں و دیگر آلات موسیقی نہیں بجواتا بلکہ بے عیب عالموں کی باتوں پر غور کر کے خوش ہوتا ہے۔

جے سنگھ کے زمانہ کے مندر وغیرہ } مشہور و معروف للتادتیہ۔ اونتی درمن وغیرہ کے زمانہ میں مندروں کے استھاپن کرنے اور دوسرے کارہائے عبادت میں جو خامی رہ گئی تھی وہ اب پوری کر دی گئی ہے۔ اس راجہ کے عہد میں جو مندر اور مٹھ قائم ہوئے ہیں انکے قیام کے لئے اس نے دوامی اوقاف مقرر کر دیئے ہیں۔ رتنا دیوی جس سے اسکے شوہر کی محبت بدرجہ غائت تھی اس کے دہار نے سب سے پہلے تمام تعمیرات میں شہرت حاصل کی۔

رلہن کے عابدانہ کام } انہی ایام میں رلہن جو بہت سی نیکیوں کا دوست تھا عبادت کی سڑک پر تمام وزیروں کا رہبر بنا۔

یہ نیک دل وزیر جب کبھی اپنے مکان کے اندر بھی رہتا تب بھی سنیاسیوں۔ فاضلوں اور ودوانوں کی صحبت کے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

عمر بھر وہ اس قسم کے نیک کاموں میں مصروف رہا۔ مثلاً برہمنوں کو مرگ چھالا اور بچھڑوں والی گائیں دان دینا اور ان کی خاطر لڑکیوں کی شادی کردینا وغیرہ اس نے فراخ دلی سے تمام سامان یگ مہیا کر کے ان لوگوں کو جو ہون وغیرہ کیا کرتے تھے۔ اس قابل بنادیا کہ وہ بے روک اپنے مراسم ادا کر لیا کریں۔ اس کے دل پر کبھی برائی کا اثر نہیں پڑا اور وہ یگ کے موقعوں پر ۶۴ ذاتوں[۸۸۹] کو اعلےٰ درجہ کا کھانا کھلاتا تھا جس سے لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ اس نے دونوں پرورسینوں[۸۹۰] کے شہروں کو بڑے بڑے مندروں اور پلوں (یا پشتوں) سے آراستہ کیا اور انکے قیام کے لئے اگرہار مہیا کئے۔ اس نے راجہ پرورسین کے پہلے شہر میں جو شوالیشور کا مندر تعمیر کیا اسے لوگ بنظر تحیر دیکھتے تھے اور یہ اسکے بنائے ہوئے مندروں میں سب سے مشہور ہوا۔

سسلا کے اعزاز میں تعمیرات { اس نیک آدمی نے بھلیرک[۸۹۱] پر یا دفواو بھلیرک) میں اپنی متوفی بیوی سسلا

---

[۸۸۹] ذاتوں کی چھوٹی جماعتوں کی تعداد ۶۴ ہے دیکھو کلوک کی شرح منو سمرتی ادھیائے ۱۰ شلوک ۳۱۔

[۸۹۰] جیسا کہ نوٹ نمبر ۱۵۲ کتاب ہذا میں واضح کیا گیا ہے اس جگہ اشارہ پران ادھشٹان (پانڈریتھن) کی طرف ہے جو پرورسین اول کا مقام رہائش تھا نیز پرورپور یا سرینگر کی طرف جہاں پرورسین ثانی نے اپنا دارالسلطنت قائم کیا تھا۔

[۸۹۱] اس جگہ جس مقام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے بلاشبہ وہی ہے جو ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۳۹ میں بلیرک پرپا کے نام سے مذکور ہے۔

اعزاز میں ایک وہار بنوایا۔ یہ وہار اس بلی کے نام سے مشہور ہوا۔ جو دوسرے حیوانات کی طرح رشتہ محبت منقطع کر لینے کے بجائے اپنی مالکہ کے ساتھ ستی ہو گئی تھی۔ جب سسلا کا شوہر اس سے ناراض ہو گیا تھا تو یہ بلی اپنی مالکہ کے ساتھ ہر وقت ایک سہیلی کی مانند بغرض تحفظ لگی رہتی تھی۔ اور جب سسلا تیرتھ میں جان دینے چلی گئی تھی یہ بلی رویا کرتی تھی اور بعد میں جو کھانا اس کے روبرو رکھا جاتا تھا اسے نہ کھاتی تھی اسی طرح اس نے غم میں جان دیدی۔

جو درجہ دوا کو رانیوں میں حاصل تھا وہی سسلا کو وزرا کی بیویوں میں اس لحاظ سے حاصل تھا کہ اس نے بہت سی مذہبی عمارات تعمیر کروائی تھیں۔ چنکن وہار کا اب صرف نام باقی رہ گیا تھا لیکن سسلا نے اسے از سر نو اس طرح پر تعمیر کروایا کہ ایک پتھر کا مندر (پرساد) اور مکانات وغیرہ بنوا دیئے اس کے علاوہ اس نے رہٹ لگوائے۔ طالب علموں کے لئے ہال بنوائے اور اسی قسم کے اور بہت سے کام کئے۔ اس نے جو وہار بنوایا وہ تمام سابقہ شاہی خاندانوں کے مقام رہائش[۸۹۲] کی زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ اور تمام شہر اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا اس وہار کو استھاپن کروانے کے بعد اسے مرض دق ہو گیا۔ اس نے سرشوری کے مندر میں جان دی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ضرور نجات حاصل کر لی ہو گی۔

وزیروں کی تعمیرات } جو مٹھ اور اگر ہار دہنیہ نے اپنی بیوی کے نام سے استھاپن کئے وہ اس نام سے مشہور نہ ہوئے۔

---

[۸۹۲] اس جگہ اشارہ اس مقام کی طرف ہے جہاں پہلے شاہی محل واقع ہوا کرتا تھا جب اننت دیو کے نیا محل تیار کرانے پر چھوڑ دیا گیا تھا (دیکھو ترنگ ، شلوک ۱۸۶) قبل ازیں ترنگ ۳ کے شلوک ۳۰۸ میں اس جگہ کا نام پران راجدھانی آ چکا ہے۔

بھلا نیکی کے بغیر شہرت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے ؟ بخلاف اس کے اودے کمانڈر انچیف[۸۹۳] نے جو مٹھ اور اگرہار اس طرح پر قائم کئے انکے ساتھ ہمیشہ اس کا نام سننے میں آتاہے۔ دوارپتی اودے نے جو عالیشان مٹھ بہت سی برہمپوریوں سمیت بنوایا تھا وہ پدم سرس کے کنارہ پر زیب دے رہا ہے۔ اس کے بڑے بھائی سرنگار نے جوج (تنترپتی) تھا اور بڑا نیک دل آدمی تھا ایک مٹھ ایک باغ اور سرد وار[۸۹۴]

[۸۹۳] معلوم ہوتا ہے کہ اودے کو اسکا سابقہ کمپناپتی کا عہدہ جو ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۲۴ کے مطابق اسے حاصل تھا دوبارہ سنج پال سے مل گیا ہوگا کیونکہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۰۵ کے بعد اس کا ذکر اس خطاب کے ساتھ نہیں آتا۔ بصورت دیگر یہ زیادہ اغلب ہے کہ کلہن نے اسکے اس سابقہ عہدہ کا ذکر محض اس وجہ سے کر دیا ہو کہ وہ دوسرے اودے سے جو دوارپتی تھا ممیز ہو سکے۔ کیونکہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۳۲۲ میں سنج پال کی وفات کے ضمن میں مذکور ہے کہ اس کے بیٹے گیا پال کو کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا۔ اس بارہ میں مقابلہ کرو نوٹ نمبر ۲۲ کتاب ہذا سے۔

[۸۹۴] سرد وار کے مختلف شلوکوں میں سری دیوار کا نام اس سلسلہ کوہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جو جھیل ڈل کے مشرقی ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۴۶ میں سرشوری تیرتھ (ایشیر) کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ سری دوار کے مغرب میں واقع ہے اور ترنگ ۴ کے شلوک ۱۰ میں آیا ہے کہ کوہ مہادیو سری دوار کے سامنے ہے اسکے علاوہ ترنگ ۲ کے شلوک ۱۴۰۔ ترنگ ۴ کے شلوک ۹۰ اور ترنگ ۵ کے شلوک ۴۷ میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ان تمام مقامات میں سری دوار کو پہاڑی (پربت۔ گری) بیان کیا گیا ہے۔

اسی شلوک میں جس شرنگار کا ذکر آتا ہے وہ بلاشبہ شاعر منکہ کا بڑا بھائی ہے جو سری کنٹھ چرت کے ادھیائے ۳ شلوک ۴۵ تا ۵۱ میں اسکا حوالہ دیتا ہے۔ منکہ بیان کرتا ہے کہ شرنگار کو برہت

پہاڑی کے قریب ایک لمبوترا تالاب بنوایا۔ بڑے خزانہ (برہد گنج) کے منتظم النکار ۹۵ نے ملک کے اندر بہت سے غسل خانے (سنان کوشٹ) مٹھ برہم پوریاں پل وغیرہ بنوائے۔

تنتر پتی کے عہدہ کا ہار راجہ سسل سے حاصل ہوا تھا۔ جونراج ترنگ ۳ کے شلوک ۵۰ کی نسبت شرح کرتا ہوا لکھتا ہے کہ برہت تنتر پتی سے مراد دھرم ادھیکارن یعنی جج سے ہے۔ اس شلوک میں جو لفظ تنتر پتی آیا ہے وہ بھی حقیقت میں وہی خطاب ہے۔ منکھ نے نسٹرنگار کی علمیت کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔

۹۵ آگے چل کر النکار کا ذکر راجستھانیہ یا چیف جسٹس کے طور پر آتا ہے۔ دیکھو ترنگ شلوک ۲۵۵۷-۲۶۱۸-۲۶۷۱ وغیرہ۔ چونکہ کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۵۴ میں منکھ کو اس کا بھائی بیان کیا ہے اس لئے یقینی ہے کہ النکار ہی اس شاعر کا تیسرے درجہ پر سب سے بڑا بھائی تھا جس کا ذکر اس نے سری کنٹھ چرت میں اکثر کیا ہے دیکھو ادھیائے ۳ شلوک ۵۶ تا ۶۲۔ ادھیائے ۲۵ شلوک ۳۷ تا ۶۱۔

یہ شناخت سب سے پہلے پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۵۲ پر کی ہے۔ منکھ نے اپنے بھائی کی نسبت بیان کیا ہے کہ وہ راجہ سسل اور جے سنگھ کے ماتحت سندھی وگرہ یا وزیر خارجیہ کا عہدہ رکھتا تھا۔ دیکھو ادھیائے ۳ شلوک ۶۲۔ و ادھیائے ۲۵ شلوک ۶۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر یہی عہدہ خود منکھ کو بھی مل گیا تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۳۵۴ جس زمانہ میں منکھ نے نظم لکھی تھی اور مخفی نہ رہے کہ پروفیسر بوہلر کے حساب سے یہ نظم ۱۱۳۵ء اور ۱۱۴۵ء کے درمیان لکھی گئی تھی اس زمانہ میں النکار نے ابھی راجستھانیہ کا انتے عہدہ حاصل نہ کیا تھا منکھ نے اپنے بھائی کو علم صرف و نحو میں بخوبی ماہر قرار دیا ہے اور اسکا مشہور نام لنک بیان کیا ہے۔

لفظ سنان کوشٹ سے مراد زمانہ حال کے کشمیری لفظ سران کتھ سے ہے جو دریا کے غسل خانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کشمیر کے سنان کوشٹوں کا ذکر کشیمندر نے اپنی کتاب سے ماترکا کے ادھیائے ۲ شلوک ۸۳ میں بھی کیا ہے۔

النکار کی تعریف یہ دانا شخص (بدھ) ایک ایسے شخص کا بیٹا تھا جو مختلف علوم میں ماہر تھا اور دوائیوں کے ذریعہ لوگوں کو آرام پہنچایا کرتا تھا (یا وہ سیارہ عطارد (بدھ) کی مانند تھا جو بوٹیوں کو آسائش پہنچانے والے چاند کا بیٹا ہے) بہ حیثیت ایک شاعر (کوی) کے وہ اپنی فیاضی میں تمام فیاضوں پر سبقت رکھتا تھا (یا وہ سیارہ زہرہ (کوی) کی مانند تھا جس نے تیاگ کے ذریعہ راکشسوں (دانوتو) سے قطع تعلق کیا تھا) وہ وشنو کا اس قدر بھگت تھا

۸۹۶ اس شلوک میں چونکہ لفظی باریکیاں رکھی گئی ہیں اس لئے اس کے دو مختلف معنی ہو سکتے ہیں جیسے کہ اوپر دکھایا گیا ہے۔ چاند راجہ سوم کی حیثیت میں پودوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اس شلوک سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ النکار کا والد طبیب بھی تھا۔ سری کنٹھ چرت کے ادھیائے ۳ شلوک ۳۵ تا ۴۴ میں منکھ اپنے باپ وشووَرت کی نسبت اس بات کا ذکر نہیں کرتا البتہ اسے عام طور پر ایک فاضل شخص اور شوجی کا سچا بھگت ظاہر کرتا ہے۔

منکھ نے النکار کی تعریف کرتے ہوئے اُسے علما کا فیاض مربی ظاہر کیا ہے اور سری کنٹھ چرت کے ۲۵ ویں کانڈ میں علما کی جس سبھا کا ذکر آتا ہے وہ اسی کے گھر میں منعقد ہوئی تھی۔

سیارہ شکر یا زہرہ کے متعلق پورانوں میں روایت ہے کہ وہ دیتیوں کا گورو تھا اور بعد میں دیوتاؤں کے ذریعہ انہیں مروا کر اس نے توبہ و استغفار کیا تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر سطور بالا کے اصل شلوک میں بھی پایا جاتا ہے

۸۹۷ اس شلوک میں جو لفظی خوبیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کی بدولت اس شلوک کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں:۔ پس اس (دشنو) نے جس سے پہلے وشنو کے پجاری (اپور وویشنو) نہ ہوگذرے تھے نرسنگھ اوتار دھارن کر کے (راکشش) ہرنیہ کشپ کو مارا گو مارنا نہ چاہتا (نرہنس) تھا۔ اور وراہ اوتار کے موقعہ پر زمین (دت گوس) کو بحال کیا۔

کہ اس سے پہلے ویسا کوئی نہیں گذرا راجہ سے محبت کرتا اور سونا۔ کھانا۔ اور کپڑا تقسیم کرتا اور روشنو آدمی وراہ کے تہوار پر گائیں دان دیتا تھا۔

سر نگار بھٹ نے بھٹارک مٹھ[898] کے قریب جو مٹھ تعمیر کروایا وہ اس وجہ سے چنداں مشہور نہ ہوا کہ ایک بھرے ہوئے سمندر کے قریب ایک کنوئیں کا درجہ رکھتا تھا۔ فرمانروائے داروا بھیسار[899] کے وزیر صلح جنگ کے جت نامی نے جو عابدانہ کاموں کا شائق تھا ایک شولنگ استھاپن کیا۔

درختوں میں صرف کرویر (سیوتی) ہی ایسا ہے جو بکثرت اس قسم کے پھول پیدا کرتا ہے جو خود بخود پیدا ہوئے ہوئے شولنگ[900] پر چڑھائے جانے کا فخر رکھتے ہیں۔ جلہہ کا چھوٹا بھائی بھت، ہی ان تمام وزیروں میں جنہیں راجہ نے با اختیار بنایا۔ خاص اعزاز کا مستحق ہے۔ جس طرح بششٹ نے جیشٹ ملا[901] رودر

---

[898] بھٹارک مٹھ کا نام اب تک کشمیر کے علاقہ بردمر کی صورت میں باقی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک وسیع عمارت ہوا کرتی تھی۔

[899] فرمانروائے داردا بھسار سے مراد بظاہر والئے راجوری سے ہے۔ منکھ نے اپنی کتاب سری کنٹھ چرت کے کانڈ ۲۵ شلوک ۷۵ میں راجپوری کے وزیر جلہن کا ذکر ان شخصوں کے ضمن میں کیا ہے جو النکار کی سبھا میں شریک تھے۔

[900] اس جگہ کسیقدر مہمل لفظوں میں سویمبھو یا قدرتی لنگ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۳۰ میں بالکیشور کے نام سے آ چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرامرار پتھر پہلے پہل کسی کرویر کی جھاڑی کے قریب ملا ہوگا۔ اور وہیں پوجا کی گئی ہوگی۔

[901] نوٹ نمبر ۵ کتاب ہذا میں اس بات کا ذکر آ چکا ہے کہ جس جیشٹ رودر لنگ کا ذکر اس جگہ آتا ہے اس کی پرستش زمانہ قدیم سے موضع وانگتھ سے اوپر بھوتیشور یا بتھیر

کے لنگ کو پوجا تھا۔ ایسے ہی وہ بالکیشور لنگ کو پوجتا ہے جو قدرتی اور ابتدائی ہے۔ اس جگہ اس نے بھٹ پور[۹۰۱] نامی ایک شہر کی بنا قائم کی جہاں بہت سے عظیم الشان مکانات۔ وہار اور مٹھ موجود ہیں۔ شہر میں بھی اس نے شو بھٹیشور نامی لنگ استھاپن کیا اور مدو گرام میں ایک تالاب بنوایا جو حسن عبادت کی تصویر تھا۔

رانی رتنا دیوی کی تعمیرات

رتنا دیوی نے اپنی دولت بہت بڑی حد تک اپنے وہار کے مقام پر صرف کی جہاں اس نے بیکنٹھ مٹھ اور اور مقدس عمارات قائم کیں۔ رتنا پور[۹۰۳] میں اس کا بے عیب مٹھ جو ایک مشہور جگہ ہے اور بہت سے دروازے رکھتا ہے عبادت

کے قریب ہوتی ہے۔ ہر مکٹ گنگا مہاتم اور نندی کشتیر مہاتم میں آخر الذکر کا بیان اس کے قدیم سنسکرت نام وشسشٹ آشرم کے طور پر کیا گیا ہے جس کی بنا یہ ہے کہ اس جگہ رشی بسشٹ کی رہائش کی نسبت گمان کیا جاتا ہے۔ نیل مت پران کے شلوک ۱۲۲ میں جیشٹ رُدر کے استھاپن کئے جانے اور اس کی پہلی پوجا کو رشی بسشٹ ہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔

۹۰۱ء معلوم ہوا ہے کہ بت پور نام کا ایک گاؤں جس سے مراد غالباً بھٹ پور ہوگی پرگنہ مچھپور میں موجود ہے۔ لیکن سٹائن صاحب شخصی طور پر اس کی مقامیت نہیں معلوم کر سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مقام ہے جسے نقشہ پر بت پور کے طور پر دکھایا ہوا ہے۔

۹۰۳ء رتنا پور جو رانی کے نام پر آباد ہوا تھا غالباً موجودہ رتن پور کا نام ہوگا جو چیراتھ پرگنہ کا ایک بڑا سا گاؤں ہے۔ اور نقشہ پر رتم پور کے طور پر دکھایا ہوا ہے۔

۹۰۴ء سویت دویپ کا لفظی ترجمہ سفید جزیرہ ہے جہاں وہ برکت داخلی

کے راج ہنس کے وسیع پنجرے کی مانند معلوم ہوتا ہے ۔ اس نے موت پر غالب آنے والے (شوجی) کی جو مورتی بنوائی وہ گچ کی عمارات میں سے چمکتی ہوئی شویت دویپ[۹۰۴] (سفید جزیرہ) کا دھوکا دیتی ہے ۔ اور اس کے باعث اس رانی کا نام زندۂ جاوید ہو گیا ہے ۔ جب اس نے اپنا گوکل بنوایا تو اس کے سامنے شوروَرمن وغیرہ کی گوکلین جو قبل ازیں بنوائی گئی تھیں ماند پڑ گئیں ۔ اس گوکل میں گایوں کے آزادانہ طور پر چرنے کیلئے مرغزار بنے ہوئے ہیں اور وتستہ سے وہاں پانی با فراطی جمع رہتا ہے ۔ اسی وجہ سے اس جگہ گائیں تمام عوارض سے پاک رہتی ہیں ۔ وشنو گوردھن[۹۰۵] دھر کی مورتی جو وہاں استھاپن کی گئی وہ کمال خوشنمائی کا نمونہ تھی اور ایسی تھی کہ وسوکرمان بھی اسے نہ بنا سکتا ۔ یہ رانی مٹھ بنوانے کے بعد نندی کشتیر تیرتھ میں جا رہی اور بجے ون اور اور رجگھون میں بھی بڑے خوبصورت مٹھ بنوائے ۔ اس نے اپنے نام پر وار وابھسار میں ایک شہر بھی بنوایا جہاں راجاؤں کی طرف سے بہت کچھ شریفانہ فیاضی کا اظہار ہوتا تھا اور جو اندر پوری کے مقابلہ کا شہر تھا ۔ یہ رانی اپنے نوکروں سے مہربانی کا سلوک کرتی تھی ۔ اس نے چیمبرلین اور دوسرے مستحق نوکروں کے اعزاز میں جو مر چکے تھے مختلف عمارات بنوائیں ۔ جب ملک تمام حصوں میں اس قسم کی عمارات سے آراستہ ہو چکا تو راجاؤں کے افسر (بجے سنگھ) نے اپنا مٹھ

کردہ وجود رہتے ہیں جو غیر فانی ہیں ۔ اس جزیرہ کو راجہ سویت نے آباد کیا تھا ۔ جس نے ایک طویل ریاضت کے بعد شوجی کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا ۔ کہ موت کے دیوتا کو اس جگہ سے خارج کر دیا جائے ۔ یہ روایت ہر چرت چنتامنی کے ادھیائے ۲ میں مفصل طور پر آتی ہے ۔

۹۰۵ ۔ وشوکرمن دیوتاؤں کا مصور گنا جاتا ہے ۔

۹۰۶ سنگھ پور کا نام اس راجہ کے مخفف نام سنگھ دیو کی بنا پر

بنوایا۔ جو ان سب مٹھوں کے تلک کا درجہ رکھتا تھا۔ (جو تمام زیورات پہننے کے بعد لگایا جاتا ہے)

سنگھ پور کی بنیاد راجہ نے اس مٹھ کے لئے بہت سے گاؤں وقف کر دیئے اور سمجھ دار لوگوں نے اس کا نام سنگھ پور[906] مشہور کر دیا۔ فرمانروائے کارپتھ[907] کے نواسہ نے اس جگہ علاقہ سندھو کے برہمنوں اور بہت سے درووڑوں کو جو پہلے سدھ چھتر کے علاقہ میں رہتے تھے آباد کیا۔ لیکن جس راجہ نے سارے کشمیر کو دوبارہ اس کے گاؤں اور اس کا شہر واپس دیا اس کے تعمیر کردہ مٹھوں اور دیگر عمارات کی تعریف بے فائدہ ہے یہ ملک جو زمانہ کی دستبرد سے ایک خشک جنگل کی مانند ہو چکا تھا اس نے دوبارہ اسے دولت آبادی اور مکانات دیئے۔ چونکہ راجہ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ اس سے مانگا جائے اسے دینے میں انکار نہ ہوتا تھا اس لئے اکثر حالتوں میں کاریگروں تک نے بھی مندر اور مٹھ تعمیر کر دیئے۔ اہل شہر ہر قسم کے تہوار

قائم کیا گیا ہے جو ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۳۷۔ ۱۳۴۹۔ اور ۱۴۳۸ میں آیا ہے۔

[906] دریائے وتستہ کے دائیں کنارہ پر سم پور نام کا ایک گاؤں ہے جس میں غالباً جے سنگھ کے مٹھ کا نام باقی ہے۔ یہ بجے ون کے قریب واقع ہے۔

[907] ولسن صاحب نے وایو پران کے ایک شلوک کا حوالہ دیا ہے اور اس کے علاوہ وشنو پران کے ادھیائے ۳ شلوک ۹ و ۳۱ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کارپتھ اور اس کا دار السلطنت انگدی کوہستان ہمالیہ میں واقع ہیں۔ رگھو بنس کے کانڈ ۱۵ شلوک ۹۰ میں اس علاقہ کا نام کاراپتھ آیا ہے۔ مقامی نام سدھ چھتر جس کا ذکر اور کہیں نہیں آتا مشتبہ ہے۔

بڑی دھوم دھام سے منایا کرتے تھے۔ اور راجہ شوق سے انہیں اپنے خزانہ کپڑے جواہرات وغیرہ میں سے حصہ دیا کرتا تھا۔ اگر کبھی دھانوں کی فصل بے موقعہ برفباری طوفان یا دیگر بواعث سے تباہ بھی ہوئی تو اخیاس خوردنی میں کمی واقع نہ ہوتی تھی۔ زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ گو رات کے وقت راکشسوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اور دمدار ستارے اور اور منحوس باتیں دیکھنے میں آتی تھیں تاہم خلقت نہ مرتی تھی۔

کوشٹھیشور کے چھوٹے بھائی چُد کو جس نے بغاوت کھڑی کی تھی راجہ نے میدان جنگ میں شکستیں دیکر اور خفیہ طور پر مصائب میں مبتلا کر کے موت کے دیوتا تک پہنچا دیا۔

جے سنگھ کے عہد میں امور خارجہ کی حالت

راجہ نے ولاپور کے راجہ وکرم راج کو معزول کر کے اس کے بجائے راجہ کلہن کو تخت پر بٹھا دیا اور اسی قسم کا سلوک دوسرے علاقوں کے فرمانرواؤں سے کیا۔ کنیہ کبج اور[۹۰۸] دیگر مقامات کے طاقتور اور با اختیار راجاؤں کو اس راجہ کی جو تا جاؤں میں آفتاب کا درجہ رکھتا تھا دوستی

۹۰۸؎ اس جگہ جن بعید سلطنتوں کے ساتھ دوستانہ سیاسی تعلقات کے قیام کا ذکر آیا ہے اس کے متعلق ہمارے پاس ایک دلچسپ شہادت موجود ہے۔ منکھ نے اس پر کام کو کرتے ہوئے جو انجمن منعقد کی تھی حاضرین میں گوبند چندر والئے کنیا کبج یا قنوج کے سفیر سہل کا بھی ذکر کیا ہے دیکھو سری کنٹھ چرت ادھیائے ۲۵ شلوک ۱۰۲۔ اس کے علاوہ شلوک ۱۱۰ میں اپرادتیہ والئے کونکن کے سفیر تیج کنٹ کا بھی ذکر آتا ہے۔ ان دونوں فرمانرواؤں کا ذکر کتبوں میں پایا جاتا ہے۔ دیکھو رپورٹ صفحہ ۵۱

۹۰۹؎ اس شلوک سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری فوج ودسیہ کی مدد یا اسکی

پر فخر تھا جبکہ وہ اس طرح شان وشوکت سے حکومت کر رہا تھا اور کبھی اس کے ارادوں میں رکاوٹ واقع نہ ہوتی تھی یشو دھر نامی دردوں کا راجہ مر گیا۔ ہر چند کہ متوفی راجہ اپنے عہد میں بڑا دور اندیش اور سمجھ دار رہا تھا اور راجہ سے اس کے بہت کچھ تعلقات تھے۔ تاہم اس کے انتقال پر راجہ کے لئے تفکرات پیدا ہو گئے کیونکہ اس کے ورثا وزیروں کے اقتدار میں آ گئے تھے۔

دردوں کے فسادات یشو دھر کے وزیر ودسیہ کی اس کی بیوہ سے محبت ہو گئی تھی اور چونکہ اس کا بیٹا ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچا تھا اس لئے وہ خود چالاکی سے راج پاٹ کا مالک بن بیٹھا۔ جبکہ وہ بتدریج ملک کو اپنے تابع فرماں بنا رہا تھا اور اس لڑکے کو جو محض برائے نام راجہ تھا مارنے کی فکر میں تھا تاکہ خود بے فکر ہو کر حکومت کر سکے پریک نامی ایک وزیر نے یشو دھر کے ایک اور بیٹے کو تخت کا حقدار قرار دیکر بغاوت شروع کر دی۔

دردوں کے معاملہ میں مداخلت جبکہ پریک کشمیر کی مدد سے تخت کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ راجہ ایک غلط فہمی میں پڑ گیا جسے لالچ کے نام سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے اس حالت میں اس نے سنج پال اور دوسروں کو جو تمام کام کرنے کے لائق تھے الگ چھوڑ کر باوجود خود دانا ہونے کے سج کے بیٹے شرنگار کی نصیحت پر عمل کیا جس نے پریک کی دوستی کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے نابالغ بھائی کو روانہ کر دیا درحقیقت راجہ کو خیال تھا کہ سرنگار کو چونکہ وزیر اعظم کا عہدہ اور دوسرے اعزاز دیئے گئے ہیں۔ اس لئے اسے اپنی عزت پر غرور پیدا ہو گیا ہے۔ کسی ملک پر مہم لے جانے میں مشہور تجربہ کار لوگوں ہیں جو تمام حالتوں میں بے خوف رہتے ہیں

اور ان لوگوں میں جو لڑکوں یا احمقوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اور جن کے کام فضول ہوتے ہیں کس قدر اختلاف ہوتا ہے؟ افسوس ہے کہ راجاؤں کی خود رائی انکی کامیابی کی راہ میں کس قدر حائل ہوتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کا غرور اپنے نوکروں کے ذریعہ جو ان کے ارادوں کے خلاف ہوتے ہیں توڑنا چاہتے ہیں۔ وہ فوج۔ ملک قلعوں۔ مالی حالت وغیرہ کو مدنظر نہیں رکھتے۔ نواحات کے علاقوں کے فرمانروا اپنے مشیروں سے محض انکے درجہ تفوق کے اعتبار سے مشورے لیتے ہیں۔ جو لوگ بظاہر دوست لیکن حقیقت میں دشمن ہوتے ہیں ان سے ان لوگوں کو خائف رہنا چاہئے جنہیں وہ مدد دیتے ہیں۔ جب دشمن کے معاونوں پر غالب آنے کا سوال درپیش ہو جو محض سیاسی اصولوں کو مدنظر رکھ کر حل ہو سکتا ہے تو بیوقوفوں اور شریروں اور معاملات سلطنت سے واقفیت رکھنے والوں میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ جس طرح دریا کے پشتہ کے گر جانے سے جو درخت گر پڑا ہو وہ ہلکی روانی میں نہیں بہ جاتا ایسے ہی وردوں کا تخت جو وزیروں کی باہمی دشمنی میں پڑ چکا تھا اب طاقت نہ رکھنے والے لوگ اپنے قبضہ میں نہ لا سکتے تھے۔ ہر چند کہ پریک معاملات کی اس نازک حالت میں رشوت لینے پر آمادہ تھا تاہم شرنگار کا چھوٹا بھائی اس قدر سست کام کرتا تھا کہ وہ ڈگدہ گھاٹ پر بھی قبضہ نہ کر سکا۔ جب سج کا بیٹا جیسے آیا تھا ویسے ہی اُلٹے پاؤں چلا گیا۔ تو ددسیہ راجہ کشمیر سے ناراض ہو گیا اور اس نے پریک سے صلح[۹۰۹] کر لی۔ جس طرح کہ بندر کسی درخت پر صرف تھوڑی دیر کے لئے آبیٹھتا ہے اسی طرح شرنگار بھی وزیر اعظم کے

مدد کے بہانہ سے بھیجی گئی تھی۔ جب یہ معاون فوج کسی قسم کی مدد کئے بغیر واپس آجاتی ہے۔ تو ددسیہ اپنے سابق رقیب سے صلح کر کے کشمیر کی طرف بڑھتا ہے۔

درجہ پر صرف تھوڑی دیر قائم رہنے کے بعد عدم کو سدھارا

سرنگار کی موت

لکشمک کی موت تک یہ حال رہا تھا کہ وزیر اعظم کا عہدہ ایسا زبردست عہدہ ہوا کرتا تھا کہ کوئی اسکی برابری نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ آبشار کے پانی کی مانند سینکڑوں حصوں پر تقسیم ہو گیا۔ انہی ایام میں باقی وزیر بھی جنہیں راجہ کی مہربانی سے اختیارات حاصل تھے قسمت کی مرضی سے راہی ملک عدم ہوئے۔ اگر کوئی راجہ اپنے کسی متوفی وزیر کے بجائے اس کے بیٹے کو مقرر کردے۔ تو ہم اس کی کہاں تک بجا تعریف کریں؟ لیکن وزیر کے نوکروں نے ایک عجیب طرز عمل اختیار کیا انہوں نے بے حیائی سے اپنے آقا کی دولت پر اس طرح قبضہ کر لیا گویا وہ ان کی اپنی بیوی ہو۔ اپنے متوفی آقا کی دولت راجہ کو دکھانے کے بعد انہوں نے اسے بچوں کے نفع کا بہانہ کر کے اسے چرا لیا۔ جب وشو سپرنٹنڈنٹ خزانہ مر گیا۔ تو صرف سہج نے نائیبوں کا دفتر برقرار رکھا۔ ہر چند کہ راجہ نے اس سے درخواست کی تاہم اس نے اپنے آقا کی جگہ نہ لی۔ بلکہ اس کے بیٹے تشٹ کو اس کے فرائض سمجھانے شروع کر دیئے۔ افسوس ہے کہ با اختیار لوگ نوکروں کو یکے بعد دیگرے اعلےٰ اعلےٰ درجے دیتے جاتے ہیں۔ گو وہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ گنگا کا پانی[۹۱۰] خالق (برہما) کے کمنڈل میں اس کا منہ صاف کرنیکا کام دیتا تھا۔ بعد میں جب اسروں کا دشمن (وشنو) برہمانڈ پر چلتے چلتے تھک گیا تو اس نے

[۹۱۰] پرانوں میں گنگا کی نسبت مذکور ہے کہ یہ اس وقت برہمانڈ میں سے نکلی تھی جب وشنو نے آسمان اور زمین پر گھومنے کے بعد اسے اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے چھو دیا تھا۔ زمین تک پہنچنے سے پہلے یہ مقدس ندی شوجی کے سر پر سے ہو کر گذرتی ہے۔

اس شلوک میں شاعر نے جد اور جمل کا تلازمہ خوب باندھا ہے۔

اس کی تکان دور کی۔ یہی پانی شمبھو (شو) نے اپنے سر پر لیا۔ مطلب یہ کہ اگر ایک آقا کسی شخص پر مہربان ہو جائے خواہ وہ بیوقوف (جد) ہی ہو تاہم اس کے آئندہ آقا یکے بعد دیگرے ضرور اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ خراب حکمت عملی کا درخت سجی کی جلا وطنی کے وقت پیدا ہوا۔ سج کے بیٹے (سرنگار) کی حماقت نے اسے سینچا اور اب مناسب عرصہ گزرنے پر وہ پھل دینے کے قریب تھا۔ ناراض ودسیہ دو تین سال تک لوتھن کو تخت پر ہاتھ مارنے کے لئے اُکساتا رہا۔

لوتھن کے مزید حملے اس کی خواہشات میں ابھی تک فرق نہ آیا تھا گو وہ اپنے رشتہ داروں سمیت راجہ شور کے زیر تحفظ رہتا تھا اور زراعت۔ تجارت وغیرہ کے ذریعہ اپنا پیٹ پالتا تھا۔ اب وہ دور ہی بیٹھا بیٹھا النکار چکر اور دوسرے ڈامروں سے جن کی درد وزیروں سے رشتہ داری تھی سازشیں کرتا رہا۔ جبکہ وہ ان لوگوں کے قرب میں پہنچنے کے لئے جو کوہی علاقوں میں ڈیرا جمائے بیٹھے تھے روانہ ہونے لگا تو اس کا دوست رذیل جنک بھدر مر گیا۔ روانہ ہونے کے بعد وہ کرناوہ[911] اور دوسرے مختلف

---

911 کرناوہ یا کرناہ جس کا ذکر ترنگ ہذا کے شلوک ۲۵۲۵ میں بھی آتا ہے کرناو کے موجودہ پہاڑی علاقہ کا نام ہے جو کمراز کے عین مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس میں کچھ حصہ وادی کشن گنگا کا جو مظفر آباد سے اوپر کی طرف ہے نیز وہ متعدد وادیاں شامل ہیں جنہیں دریائے کرناو سیراب کرتا ہے۔ آخرالذکر جنوب کی طرف سے دریائے کشن گنگا میں جا ملتا ہے۔

چونکہ شاردا کی تحریر میں "د" اور "ہ" میں چنداں اختلاف نہیں پایا جاتا اس لئے ان دونوں ناموں میں غالباً کرناہ ہی زیادہ قابل ترجیح ہے۔

علاقوں میں دیکھا گیا جہاں بعض نے بغاوت کرنے کا ارادہ کیا اور بعض نے وفادار رہنے کا۔ جبکہ یہ بہادر دشمن چالاکی اور اطمینان کے ساتھ حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا راجہ کاہلی میں پڑا رہا اور اس نے اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی جب ان لوگوں کی مدد سے جو فساد پیدا کرنا چاہتے تھے بغاوت زور پکڑ گئی تو اس وقت راجہ نے دوارپتی اودے کو مقابلہ پر بھیجا۔

لوٹھن اور النکار چکر جبکہ آخر الذکر شنکرورمن کے شہر میں فوجیں جمع کر رہا تھا اس نے سنا کہ لوٹھن کے ساتھ النکار چکر بھی مل گیا تھا۔ اس نے یہ بھی سنا کہ اس کے ہمراہ راجہ سسل کا بیٹا وگرہ راج اور سلہن کا بیٹا بھوج موجود ہیں۔ اس لئے اس نے جلدی کر کے کئی دنوں کا کوچ ایک دن میں ختم کیا۔ اودے کے حملہ نے اسے روک دیا اور چونکہ وہ ڈامر (النکار چکر) اپنے جھوٹ کے ذریعہ اپنے ہم جلیسوں کو اس کام میں شریک نہ کر سکا اس لئے مایوس ہو کر بھاگ گیا۔

لوٹھن کا سرہ شیلا کوٹ میں جانا یہ لوگ اب قلعہ سرہ شیلا[۹۱۲] میں چلے گئے جو سندھو (کرشن گنگا)

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے زمانہ میں اس علاقہ پر چھوٹے چھوٹے والیان ریاست حکمران ہوتے تھے جو محض برائے نام کشمیر کے تابع فرمان ہوا کرتے تھے۔ اس میں زیادہ تر کمش لوگ آباد تھے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۷۵۶-۳۰۰۶-۳۰۸۸-

ظن غالب ہے کہ لوٹھن کا ارادہ کشمیر خاص پر ان آسان دروں میں سے ایک کے ذریعہ حملہ کرنے کا تھا جو کرنا وسے اتر یا حل پرگنہ کی طرف جاتے ہیں لیکن اودے کی پھرتیلی کارروائی کے باعث اسے بالائی وادی کشن گنگا میں ہٹ جانا پڑتا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۰۹ ۲۴-۲۵۲۵-

اور مدہومتی اور مکتیشری کی ندیوں کے مابین واقع ہے۔ دوارپتی اودے نے بعید علاقوں میں پھرتے ہوئے یہ معلوم نہ کیا آیا النکار چکر جنگل کی جھاڑی میں چھپا ہوا ہے یا قلعہ میں موجود ہے۔ آخر جب معلوم ہوا کہ وہ قلعہ میں پہنچ گیا ہے تو قسمت کو بھی اس بات کا یقین نہ آتا تھا کہ راجہ کو شکست نہ ہوگی۔

کشمیر میں بغاوت جب یہ بغاوت شروع ہوئی تو باقی تمام دشمن بھی اس طرح بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ جیسے بارش سے جوہڑ کے ٹوٹ جانے سے مچھلیاں آزاد ہو جاتی ہیں۔ ترنگ اور دوسرے جو خفیہ طور پر مدامنی رکھتے تھے انہوں نے لوٹھن[۹۱۳] پسر پرتھوی ہر سے سازشوں میں

---

۹۱۲ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ سرہ شیل کے قلعہ کا پتہ دریائے کشن گنگا پر شاردا کے جس کا جدید نام شردی ہے قدیم مندر کے تھوڑا فاصلہ نیچے کی طرف ملا ہے۔ اس بارہ میں مفصل حالات کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۱۳ ضمیمہ کتاب ہذا۔

آگے چل کر کلہن نے محاصرہ کے جو جغرافیائی حالات قلمبند کئے ہیں انپر بھی اسی نوٹ میں اچھی طرح بحث کی گئی ہے۔ سرہ شیل کا پتہ سٹائن صاحب کو اس موقعہ پر ملا تھا جب وہ ستمبر ۱۸۹۲ء میں اس طرف دورہ کرنے نکلے تھے۔

۹۱۳ اس جگہ یہ امر مشتبہ ہے آیا مصنف نے لوتھک کے بجائے تو غلطی سے لوٹھن نہیں لکھ دیا۔ اس کے لئے پارتھوی ہری کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ اشارہ دعویدار سلطنت لوٹھن کی طرف نہیں بلکہ پرتھوی ہر کے بیٹے کی طرف ہے۔ جس کا نام ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹۱۲ میں لوشتھک آیا ہے اور پراکرت کے ڈھنگ پر شلوک ۲۷۹۹ میں لوتھک۔ لیکن ترنگ ہذا کے شلوک ۳۲۱۳ میں پرتھوی ہر کے بیٹے کا نام لوٹھن آتا ہے۔

اس طرح پر یہ امر داخل امکان رہ جاتا ہے کہ لوٹھن کا لفظ لوشتھک اور لوتھک کے

چالاکیاں کروانی شروع کیں۔ یہ شخص گاؤں اور شہر جلاتا پھر رہا تھا اور تعاقب کرنے والے اس حد تک پہنچ نہ سکتے تھے۔ گو کئی موقعوں پر وہ مصیبت میں پھنسا۔ تاہم اس کے ساتھی اسے بچاتے رہے۔ وہ تمام اطراف میں پھرتا اور افق پر نظر آتے ہی اس طرح غایب ہو جاتا تھا جیسے کلپ کے آخیر پر برہم پتر[۹۱۴] نامی دمدار ستارہ۔ جب وزیروں نے تھک ہار کر موقعہ تناشی سے صلح کرنی چاہی تو لوگوں نے خیال کیا گویا مدوراجیہ کا سارا علاقہ ضائع ہو گیا ہے۔

اسی اثنا میں جبکہ دشمن طاقت حاصل کرتا جا رہا تھا اور ادھر سے اس کے مقابلہ کی کوئی خاص صورت نظر نہ آتی تھی راجہ نے کونسل کر کے دہنیہ کو مقابلہ پر روانہ کیا۔ جب یہ کام اس کے سپرد کیا گیا تو لوگوں نے خیال کیا کہ دوارپتی اودے اس میں اپنی سبکی خیال کریگا۔ اور اس لئے لاپرواہ ہو کر بدامنی میں پڑ جائیگا۔ ساری رعایا یہ خیال کر رہی تھی کہ "بھکشو اور ملارجن دونوں اکیلے اکیلے تھے۔ لیکن یہ تین ملے ہوئے ہیں اور اس لئے ان سب کو ٹھکانے لگانا مشکل ہے"۔ لیکن دوارپتی ان باتوں کی پرواہ نہ کرتا تھا اسے محض اس بات سے غرض تھی کہ راجہ کامیاب ہو جائے خواہ شہرت حاصل ہو یا نہ ہو۔ جس راجہ کے اگلے جنموں کے کرم اچھے ہوں صرف اسے ہی ایسا وزیر نصیب ہوتا ہے جو اپنے آقا کے کام میں مضطرب نہیں ہوتا۔ جب آخر الذکر دوسروں کے زیر اثر آجائے تو غصہ سے لاپرواہ

پہلو بہ پہلو ایک ہی شخص کے لئے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اسی کی ایک مثال وہ ہے جس میں ایک ہی شخص کا نام گرگ چندر گگ چندر گرگ اور گگ استعمال ہوا ہے۔

[۹۱۴] اس جگہ اس پراسرار دمدار ستارہ کی طرف اشارہ ہے جس کا نام برہت سنگھتا کے ادھیائے ۱۱ شلوک ۱۵ میں برہم ڈنڈ آیا ہے۔ یہ افق پر مختلف مقامات میں نظر آئیگا۔ اور اس کا طلوع گویا دنیا کی تباہی کی خبر دیگا۔

نہیں ہوجاتا اور جو نیک دلی کے ساتھ معینہ کام سرانجام دینے کے درپے رہتا ہے۔

قلعہ سرہ شلا پر مہم پنج چندر کا چھوٹا بھائی سست چندر بھی جسے راجہ نے اول الذکر کے مرنے پر اس کی جگہ دیدی تھی۔ مہم پر روانہ ہوا۔ دو بیا ئہک اور دوسرے لوگ گویوں سمیت دھنیہ کے پیچھے پیچھے گئے۔ نیز وہ شاہی نوکر بھی جو بیرونی دربار سے تعلق رکھتے تھے انکے ساتھ روانہ ہوئے جبکہ دھنیہ اور باقی آدمی تل گرام میں داخل ہوگئے جو کہ سندھو[915] (کرشن گنگا) پر

[915] سندھو کا لفظ کرشن گنگا یا کرشنا کے لئے نہ صرف ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۹۲ میں استعمال ہوا ہے بلکہ شاردا مہاتم کے شلوک ۱۱۴ - ۱۱۸ وغیرہ میں بھی کرشن گنگا کے پہلو بہ پہلو پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام عوام الناس کی اصطلاح سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ بقول سٹائن صاحب جب وہ شاردا تیرتھ اور سرہ شیل کو گئے تھے تو انہوں نے اس دریا کا نام "سند" یعنی "دریا" ہی سنا تھا۔ اس شلوک میں سندھو کے ساتھ کوٹ قلعہ کا جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ محض امتیازی ہے۔ کیونکہ اس کی بدولت ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ اس جگہ کس سندھو سے مراد ہے۔

درنگ کے بارہ میں نوٹ نمبر ۵ ضمیمہ کتاب ہذا میں لکھا گیا ہے کہ کشمیر میں یہ لفظ اس قسم کی سرحدی چوکیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو کسی پہاڑی راستے کے ناکہ پر واقع ہوں۔ اس جگہ و نیز ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۰۲ میں جس درنگ کا ذکر آیا ہے یہ وہی ہے جس کے نام پر درنگ کا وہ چھوٹا سا گاؤں آباد ہے جو اتر پرگنہ سے شاردا تیرتھ (شردی) واقع کشن گنگا کے سیدھے راستہ پر آباد ہے۔

پیمائش کے بڑے نقشہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ درنگ ملئے ہوم رہا یا شرم مذکور ترنگ ۸ شلوک ۲۹۳۷) کے جنوب مغرب کی طرف نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے خود تو اس جگہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا البتہ نواحات سے دریافت

واقع ہے تو دوارپتی نے جو درنگ میں متعین تھا اُن کے تمام عقبی راستے بند کردیئے۔ فضول حملیں۔ بے فائدہ مقابلوں اور ایسے ہی کاموں سے بچتا وہ استقلال اور دوراندیشی کے ساتھ بڑھا چلا گیا۔ اور دشمن پر حملہ کردیا۔

مدہومتی پر کمپ } دھنیہ نے بہت سے لکڑ ہاروں اور دوسرے کاریگروں سے دریائے مدہومتی[۹۱۶] کے کنارے مکانات کی

کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ اس راستہ میں دو پرانے برجوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ جو درنگ کے پیچھے سے ہوکر شمالی سلسلہ کوہ کی طرف جاتا ہے۔

جس راستہ پران برجوں کے آثار موجود ہیں وہ نقشہ میں دکھایا ہوا ہے اور جو یاتری شاردا کے مندر کو جاتے ہیں وہ آجتک اسی راستہ پر سے ہوکر گذرتے ہیں۔ یہ لوگ اس سلسلہ کوہ پر چڑھ کر جو فاصل آب کا کام دیتا ہے اس وادی کے ذریعہ کشن گنگا کی طرف اُتر آتے ہیں جو تھجن کی طرف جاتی ہے۔ آخرالذکر کا نام مہاتم میں تیج ون اور نقشہ پر تھجین بھی آیا ہے۔ درنگ کا نام مقامی برہمنوں میں سُن درنگ یعنی طلائی درنگ مشہور ہے یہی وجہ ہے کہ مہاتم میں اس کا نام سورن آر دہا تنگ آیا ہے۔ دیکھو نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا۔

اس بات کی توضیح کہ درنگ نسبتاً زمانہ حال تک چوکی کا کام دیتا رہا ہے ایک عجیب و غریب طریقہ پر اس طرح ہوتی ہے کہ درنگ ہائے ہوم میں افریدیوں کی ایک بستی موجود ہوا کرتی تھی (دیکھو لارنس صاحب کی کتاب صفحہ ۳۰۹) ان جنگجو پہاڑیوں کو عہد افاغنہ میں اس غرض سے وہاں آباد کیا ہوا تھا کہ پہاڑی راستوں کو وادی کشن گنگا میں فسادی بومب لوگوں اور چلاسیوں کے حملوں سے محفوظ رکھا جائے۔ نقشہ کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ درنگ میں مختلف وادیاں فاصل آب سے کشن گنگا کی طرف آتی ہوئی ملتی ہیں اور ان مختلف راستوں کی نگرانی اس جگہ سے بخوبی طور پر ہو سکتی ہے جن کے ذریعہ سرہ شیل کوٹ سے دشمن کشمیر کی طرف بڑھ سکتا ہے۔

قطاریں بنوادیں جو ایک شہر سے مشابہ معلوم ہوتی تھیں۔ اس طاقتور اور قابل افسر نے جنگل کو جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کر کے آبادی کی صورت میں مبدل کر دیا اور کیمپوں میں ہر قسم کا سامان بکثرت مہیا کر دیا۔ ہر چند کہ وہ مقام جس پر راجہ نے حملہ کرنا تھا ایک ایسے ملک میں واقع تھا جہاں کی سردی کثرت برفباری سے خوفناک ہوتی ہے۔ تاہم راجہ کی خوش قسمتی سے وہاں ہر طرف دھوپ پھیلی رہی راجہ نے فتح پانے کی غرض سے جسقدر سامان بہم پہنچایا وہ اتنا تھا کہ اسے

سطر ۹۱۶ مہومتی ایک چھوٹی سی مقدس ندی ہے جو شاردا کے منہ رو واقع شردی میں جنوب کی طرف سے کشن گنگا میں آ ملتی ہے۔ دیکھو نوٹ نمبر ۱۵ کتاب ہذا و نمبر ۱۲ ضمیمہ کتاب ہذا۔

اس جگہ سرہ شیل کوٹ کے محاصرہ کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ نواحات شردی میں وادی کشن گنگا کی آب و ہوا کی حالتوں سے عین مطابق ہیں۔ شردی کم و بیش سمندر کی سطح سے ۶۵۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس کے چاروں طرف گھنے جنگلوں سے ڈھپے ہوئے پہاڑ ہیں۔ وادی کا کھلا میدان فراخ ترین مقام پر نصف میل سے زیادہ چوڑا نہیں اور عام طور پر تو اس کی چوڑائی بہت کم ہے۔ شردی کے اوپر کی طرف کشن گنگا اس قسم کی کھڈوں میں سے ہو کر گذرتی ہے جہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت بڑے فاصلہ تک وادی عملی طور پر غیر آباد ہے۔ چونکہ اس جگہ جنگلات بکثرت ہیں۔ بہت سی برفانی چوٹیاں قریب قریب واقع ہیں اور بارش اور برفباری خوب ہوتی ہے اس لئے اس جگہ اس سے زیادہ سردی پڑتی ہے جس کا اندازہ اس بلندی سے کیا جا سکتا ہے۔

معاملات کی اس صورت میں دھنیہ کے لئے ضروری تھا کہ وہ بغرض احتیاط محاصرین کے لئے لکڑی کی جھونپڑیاں بنا دیتا۔ چونکہ کلہن ان جھونپڑیوں کا محل وقوع مہومتی کا کنارہ بیان کرتا ہے جو صرف شردی کے قریب کافی طور پر ہموار ہے اس لئے ظاہر ہے کہ کیمپ کم و بیش اس جگہ واقع ہوگا جہاں آجکل ڈوگرہ فوج کا قلعہ اور اس کی مختصر سی قلعہ دار فوج کی چوبی

دیکھکر دنیا حیران ہوتی تھی۔ حتےٰ کہ یہ سامان اس وقت بھی ختم نہ ہوا جب اس کشمکش میں اس کی طاقت میں فرق آگیا۔ اس میں شک نہیں کہ ملک کی قسمت میں اس خطرہ کے نمودار ہوتے ہی دور ہو جانا لکھا تھا تاہم اس بارہ میں ان دیہاتیوں کی آہ و زاری جنہیں بیگار میں بوجھ اُٹھانا پڑتا تھا بمنزلہ توبہ کی قربانی (کشانتی چرو) کے ثابت ہوئی۔ راجہ نے اپنی فوجوں کے اندر اس طرح پر استقلال پیدا کیا کہ جو لوگ گھروں سے ایک عرصہ تک غایب رہنے کی وجہ سے فوج سے نکل کر واپس چلے گئے انپر ناراضگی کا اظہار کیا اور جو فوج کے ہمراہ رہے انہیں

بارکیں ہیں۔ دیکھو نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا۔

شردی کے نیچے کی طرف وادی کشن گنگا میں ہمیشہ سامان خوراکی صرف محدود مقدار میں میسر آسکتا ہوگا۔ اور اس سے اوپر کی طرف تو اس پر بالکل ہی کاشت نہیں ہوتی۔ اس صورت میں کلہن دھنیہ کے انتظام کمسریٹ کی جسقدر تعریف کرتا ہے وہ اس لحاظ سے بالکل موزوں اور مناسب ہے کہ ایسے مقام میں چھوٹی سی فوج کی گذر اوقات کے لئے بھی سامان مہیا کرنا سخت مشکل ہوگا۔

یہ نتیجہ جن وسائل سے حاصل کیا گیا انہیں صاف طور پر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۱۳ میں واضح کیا گیا ہے۔ نوٹ نمبر ۳۹۲ کتاب ہذا میں یہ بات جتلائی جا چکی ہے کہ زمانہ حال کی طرح عہد ماضی میں بھی کشمیر میں فوجی سامان بھیجنے بھجوانے کا واحد ذریعہ بیگار ہی ہوا کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ کلہن کے زمانہ میں اس کام میں اس سے زیادہ نرمی سے کام نہ لیا جاتا ہوگا جتنا آجکل لیا جاتا ہے۔ مصنف نے دبے لفظوں میں جو اشارہ کیا ہے اس سے ہمارا یہ نتیجہ نکال لینا کچھ غیر موزوں نہ ہوگا کہ دھنیہ کے انتظام کمسریٹ میں شاید اس سے کم جانوں کا اتلاف اور لوگوں کو مصیبت پیش نہ آئی ہوگی جتنا ایسے چند سال پہلے گلگت والی سڑک بننے کے وقت تک گلگت کی قلعہ دار فوج کو سامان رسد پہنچانے میں ہوا کرتا تھا۔ دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۴۱۳۔ کشانتی چرو کے متعلق دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۵۔

انعامات دیئے۔ اس طرح پرگو فوج تین چار ماہ تک ثابت قدمی سے مقابلہ پر اڑی رہی تاہم وہ محصورین پر غالب نہ آسکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا سامان خوراک بند کرنے کے متعلق کوئی کاروائی نہ کی گئی جس سے یقیناً انکی حالت زار ہوجاتی۔

کشمیر میں بد امنی جب برفباری کا موسم گذر گیا تو ڈامر اپنی قوت کا اظہار کرنے کے لئے ان پہاڑوں کی مانند جم کر کھڑے ہو گئے جن پر تازہ شاخیں پھوٹ نکلی ہوں۔ جا بجا دیہات میں کاشتکار کھیتوں کا اور برہمن وید پڑھنے کا کام چھوڑ کر تلوار ہاتھ میں لے بغاوت میں شریک ہو گئے۔ وردو[۹۱۷] اپنے سواروں کو تیار کئے اس انتظار میں تھے کہ راستہ کے پہاڑوں کی برف پگھل جائے۔ شاہی فوج کے جوانوں کو بارہا اس بات کا خطرہ لگ جاتا تھا کہ کہیں برف کے تودے ہم پر موت کے کفن کی مانند نہ آپڑیں۔ اس طرح پر راجہ کو جس نے اپنی فوج کی حقیقی طاقت کا اندازہ کئے بغیر اس کام کو اختیار کیا تھا اپنی کامیابی کی نسبت شبہ پیدا ہونے لگا۔ دغاباز قسمت چالاکوں کے خلاف ایک خاص طریق عمل برتتی ہے جس کی رو سے انہیں اپنی طاقت کے متعلق بھی تیقن نہیں ہوسکتا اور خواہ وہ کتنا بھی غور و فکر کریں ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں جو بے وسیلہ ہو ناکام رہ جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دشمن کی طاقت کی افواہیں سنکر ہی کانپنے لگ جائے تو اس کی کامیابی محض اس وجہ سے شکست ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے ہی تفکرات میں اندھا ہوتا ہے۔ اگر ہاتھی کنول پھول کے وسائل کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس سے یہ سوچتا ہوا ڈر جائے کہ ممکن ہے یہ مجھ پر اپنی شہد کی مکھیاں (یا تیر) چھوڑ دے جو اپنے پتوں (یا رتھوں) کے ذریعہ

[۹۱۷] بالائی وادی کشن گنگا کے علاقہ وردو اور تواحی پہاڑی علاقوں میں اب بھی جفاکش ٹٹو بکثرت پائے جاتے ہیں۔

حملہ آور ہو۔ جب مجھے اپنے رسّیوں (یا رسیوں) کے ذریعہ جکڑ دے" تو اس صورت میں باوجود بڑے بڑے اعضاء رکھنے کے ممکن ہے کہ وہ خائف ہو کر اسے اکھاڑنے سے قاصر رہے۔

جب لوٹھن اور باقی مشکل کرناہ سے بچکر النکار چکر کے پاس پہنچے تو خیال کر لیا کہ انہوں نے سلطنت کو فتح کر لیا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس کے ہمراہیوں کی سازشیں بے سود ہی ثابت ہوئی تھیں ورنہ کیسے ہو سکتا تھا کہ دوارپتی النکار چکر پر جلدی سے بااثر طریقہ پر حملہ آور ہوتا؟

النکار چکر کا سرہ شلا کوٹ کی طرف ہٹ جانا چونکہ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اس لئے اس نے راجکماروں کو قلعہ میں داخل کر دیا اور خود بھی انکے پیچھے پیچھے جا داخل ہوا۔

پہاڑی قلعہ جو اس جگہ جہاں ندی کی طرف بڑھا ہوا تھا تنگ اور ایک لمبے ٹیلے پر واقعہ تھا انہیں ایک بگلے کی مانند نظر آتا تھا جو مچھلیاں کھانے کی تاک میں ہو۔ جب لوٹھن وغیرہ نے دیکھا کہ جس طرح بے ہاتھی کے فیل خانہ میں طاقت نہیں ہوتی ویسے ہی اس قلعہ کی حالت ہے تو وہ نہایت خوف زدہ ہوئے اور انہوں نے فتح کی تمام امیدیں چھوڑ دیں۔ "اس جگہ سے دشمن پر تیر برسانے چاہئیں۔" اس جگہ سے اس پر پتھروں کی بارش کرنی چاہئے۔ یہاں سے ندی کی حفاظت واجب ہے اور یہاں سے گوپیا چلانا درست ہوگا۔" جب کہ ڈامر اس قسم کی ہدایات استقلال کے ساتھ دے رہا تھا فوج کے جوانوں نے خیال کیا کہ وہ صرف اپنی ذات کے تحفظ کی فکر کر رہا ہے ورنہ ہماری طرف سے لڑائی کا اسے کوئی خیال نہیں۔ جب تل گرام میں فریق مخالف نے بار بار حملے کرنے شروع کئے اور فزاق (النکار چکر) ان کا مقابلہ نہ کر سکا تو وہ فکر سے دبلے ہونے لگے۔ نرم سمجھ رکھنے والا لوٹھن (یہ

خیال کرکے کہ اب وہ میری حفاظت نہیں کرسکتا) علانیہ طور پر مصروف ڈامر کو لعنت ملامت کررہا تھا۔ لیکن بھوج نے اپنے جوش میں آئے ہوئے چچا کو یہ کہکر روکے رکھا۔ "کہیں ہم وغا نہ ہوجائے" اور النکار چکر کی خوشامدانہ طور پر وقت بیوقت تعریف کرتا رہا۔

لوتھن کے ساتھ جو نا موافق تھا النکار چکر چالاکی ہی کا برتاؤ کرتا تھا۔ البتہ بھوج کے دوستانہ برتاؤ کی وجہ سے اس کے مشورہ دینے کے قابل ہونے پر اسے اعتبار تھا اور اس کے ساتھ دوستانہ سمجھوتہ ہی رکھتا تھا۔ بھوج ہی نے اپنے چچا کو یہ کہکر ڈامر سے رخصت ہونے کی اجازت مانگنے سے روکے رکھا کہ "وہ ہمیں اس لئے نہ جانے دیگا کہ اسے خیال ہے اگر ہم چلے گئے تو راجہ اسے مار ڈالیگا"۔ اس کے بعد بھوج نے ڈامروں سے کہا "جب ہم اور آپ اس جگہ محصور رہینگے تو دشمنوں کو چونکہ پیچھے سے کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اس لئے وہ دلیر ہوکر زیادہ استقلال سے حملہ کرنے لگینگے۔ وہ جو کچھ بھی کرینگے اس میں کامیاب ہونگے۔ اس لئے مجھے اکیلا یہاں سے نکل جانے دو۔ میں بہت جلد لونیوں یا دردوں کو لیکر واپس لوٹونگا۔ اور پھر ہم محاصرہ اُٹھا سکینگے"۔ اس قسم کی باتیں کرکے اس نے چالاکی سے اس کی منظوری اپنے چلے جانے کے متعلق حاصل کرلی۔ النکار چکر نے ظاہرا طور پر اس سے مہربانی کا برتاؤ قائم رکھا لیکن اسے یہ کہہ کہہ کر ٹالتا رہا۔ "آج۔ آج رات کو یا کل میں تمہیں جانے دونگا" چونکہ حملہ آوروں نے جو فاصلہ پر تھے انکے ذرایعہ آمدورفت کامل طور پر منقطع نہ کئے تھے اس لئے وہ نواحی دیہات سے اجناس خوردنی حاصل کرتے رہے۔

محاصرین کے اندیشے اب دھنیہ اور دوسرے وزیروں کو اس بات کا اندیشہ پیدا ہوا کہ مہم کا انجام خطرناک نہو۔

اس لئے انہوں نے راجہ کو ترغیب دی کہ دشمن سے صلح کرلی جائے - لیکن راجہ نے بعض وجوہ سے صلح کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا اور قلعہ کی دیواروں کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا - اس نے انہیں سمجھایا کہ ڈامر میرے رقیب رشتہ داروں سے رشوت لیکر انہیں چھوڑ دیگا - اور وہ شہرت حاصل کرکے اپنی اپنی جگہ واپس چلے جائینگے - اگر اس نازک حالت میں بھی ہم محنت یا طاقت سے کام نہ لیں، تو یقیناً ہمیں اس بات کا افسوس ہوگا جیسا لوگ کہینگے کہ حاصل شدہ موقع ہاتھ سے دیدیئے جب کوئی اور راجہ بھی یہ بات سنتا ہے کہ راجہ ہرش[۹۱۸] اگر سات دن اور مقابلہ پر جا رہتا تو وہ دودھ کی ندی حاصل کر لیتا تو اسے یقیناً رنج پہنچتا ہے - ہر شخص اس بات کو جو اس کے مقدر میں ہو نیک ہو یا بد افعال کے ذریعہ حاصل کر لیتا ہے - لیکن ایک ضائع شدہ موقع تین لوک کے برابر درجہ رکھتا ہے - پردار چیونٹی پاؤں بھی رکھتی ہے اور پر بھی لیکن ہوا میں یا زمین پر چل پھر نہیں سکتی صرف سوراخ کے اندر حرکت کر سکتی ہے گویا کہ وہ لنگڑی اور اندھی ہو - جبکہ قسمت کی طرف سے ایک خاص رستہ قائم ہو چکا ہے تو اس کے بغیر تحصیلات کیا فائدہ دے سکتی ہیں؟ لولا ارن سورج (سہسر پاد) کی رہبری کرتا ہے - اگر اس کے دو پاؤں ہوتے تو

[۹۱۸] کلہن اس جگہ جے سنگھ کی زبانی صاف لفظوں میں ہرش کی آخری جد وجہد کی طرف اشارہ کرواتا ہے - جس میں وہ راجہ "اگر قوت فیصلہ کو ہاتھ سے نہ دیتا تو اس کا تخت کبھی اس کے ہاتھ سے نہ نکلتا -

اس شلوک میں جو محاورہ درج کیا گیا ہے اس کا ہم معنی محاورہ آجکل بھی کشمیری زبان میں بدیں الفاظ پایا جاتا ہے - "تسود لہ کیہہ دود ہیو" جس کا مطلب یہ ہے کہ "اگر وہ فلاں بات کرتا تو ہر چیز کو دودھ بنا لیتا - یہ محاورہ ضائع شدہ موقعوں کا ذکر کرتے ہوئے استعمال ہوتا ہے -

وہ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا؟ اس لئے محض تماشائی بنا چھوڑ کر تمام قلعہ کا محاصرہ شروع کرو۔ اس بات کا مضائقہ نہیں کہ اس کام میں ہماری یا انکی عمریں صرف ہو جائیں۔ متواتر حرکت کرتے رہنے سے ہوا گرم ہو جاتی ہے اور پانی دوامی رگڑ کے ذریعہ بڑے بڑے پہاڑوں کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔ اگر کسی کام کو استقلال کے ساتھ کیا جائے تو گو اس سے انسان درجۂ تکمیل تک نہ پہنچے تاہم غیر متوقع اہمیت کے نتائج ظہور میں آتے ہیں۔"

قلعہ سرہ شلا کا محاصرہ ۱۱۴۴ء راجہ کا یہ سخت حکم سُنکر دھنیہ اور باقی ماندہ آدمی ساحل دریا کو چھوڑ کر سرعت سے اس شاہ راہ کی طرف بڑھے جو قلعہ کی طرف جاتا تھا۔ جبکہ محصورین تیر برساتے اور باہر والوں کو بنظر استعجاب دیکھ رہے تھے کہ وہ کیونکر لڑکر اور اپنی جگہ پر قائم رہ سکینگے۔ دھنیہ نے باوجود نیچے کھڑا ہونے کے اوپر والوں کو پرے ہٹا دیا اور مکانات کی ایک مسلسل قطار بنا کر اس مقام کو شہر کی صورت دیدی۔ اس کے بعد فریقین میں مقابلوں کا سلسلہ شروع ہوا جس میں دونوں طرف کے لاتعداد آدمی کام آئے۔ اگلے روز گرگ کا بیٹا (سست چندر) شاردا[۹۱۹] کے مندر کی یاترا کر کے آیا اور اس نے اتنے جوان مارے جو کہ اندر نگری کو آباد کرنے کے لئے کافی تھے۔ النکار وزیر نے جو بیرونی راجستھان کا عہدہ رکھتا تھا نڈر ہو کر فوق الفطرت حملے کئے اور بہت سے دشمنوں کو مار ڈالا۔ بھلا میدانوں میں رہنے والے پہاڑوں میں رہنے والوں کا کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں؟ لیکن آلات حرب کو بھی جو غیر متوقع نتائج پیدا کر دکھاتے ہیں مدنظر رکھ لینا چاہئے۔ قلعہ میں

---

[۹۱۹] دیوی شاردا کا قدیم مندر (مدھومتی اور کشن گنگا کے مقام اتصال پر اس جگہ سے ½ ۱ میل اوپر کی طرف واقع ہے جہاں سرہ شیل کوٹ کی مقامیت شناخت کی گئی ہے۔

تھوڑے آدمی تھے اور محاصرین کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی - اس لئے اول الذکر نے گو بہتوں کو مار لیا تاہم انہیں بھی سخت نقصان پہنچا -

جب قلعہ پر اس طرح دو تین بار حملہ ہوا تو بند دروازوں کی وجہ سے اس کی صورت سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا خوف سے آنکھیں بند کر رہا ہو۔ محصورین نے جب دیکھا کہ دھنیہ اور دوسرے وزیر پہرہ داروں کو اپنا طرفدار بنانے۔ اندرونی طور پر نفاق پیدا کرنے اور دوسری کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں تو انہوں نے ہمت ہار دی۔ رات کے وقت ان لوگوں کو نیند نہ آتی تھی بلکہ جاگتے کے لئے وہ ایک دوسرے کو آوازیں دیتے رہا کرتے تھے۔ دن کے وقت وہ سو جاتے تو قلعہ خاموش اور ویران نظر آتا تھا۔ جس طرح بجلی کی کڑک سے چڑیاں درختوں کے کھوہ میں کانپ اُٹھتی ہیں۔ ایسے ہی پہرہ دار رات کے وقت نقارہ بھی بجاتے تو یہ لوگ کانپ جاتے تھے۔ شاہی فوجیں شب و روز ہر ممکن طریقہ پر انہیں جوش میں لائے رکھتی تھیں اور پانی تک پہنچنے کا راستہ ان کشتیوں کے ذریعہ بند کر رکھا تھا جو ہر وقت ادھر ادھر چلتی رہتی تھیں۔ جب دریا تک[۹۲۰] ان کی رسائی کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا تو کسی نہ کسی طرح وہ پیاس کی تکلیف برداشت کرتے رہے۔ لیکن جب باہر نکلنے کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے ان کا سامان خوراک ختم ہو گیا۔ تو وہ نہایت بد دل ہوئے - اس وقت راجہ کے رشتہ دار گو راجاؤں کے لائق کھانا کھانے کے خواہشمند تھے تاہم محصور ہو کر ادنےٰ چیزوں پر بھی قناعت کرتے تھے۔ ان کی خواہشات۔ اب دور ہو چکی تھیں - بھوک سے

---

۹۲۰ قلعہ میں پانی کی بہم رسانی کا ذریعہ دریا تھا - اس دریا تک رسائی مشکل کرنے کے لئے یہ کیا جا سکتا تھا کہ قلعہ کی چٹان کے نیچے کشتیاں وغیرہ لنگر انداز کر کے رکھی جائیں دیکھو نوٹ نمبر ۱۳ ضمیمہ کتاب ہذا -

دلھی ہوکر اب انہیں راجہ کے نوکروں کے کھانوں پر رشک آتا تھا کہ وہ انہیں کافی ملتے تھے اس لئے اس موقعہ پر جب بھوج نے کہا کہ "اگر ہم سب اسی جگہ جمع رہیں تو کچھ سر (ن) سکیگا" تو النکار چکر نے اسے دوسروں سے الگ کر کے قلعہ کے مرکزی حصہ میں رکھدیا اس کی رائے میں صرف بھوج ہی تخت کا حقدار بن سکتا تھا کیونکہ باقی دو میں سے لوٹھن بہت بڈھا اور دوسرا وگرہ راج ایک مخولہ کا بیٹا تھا۔ یہ خیال کر کے آ دشمن بھوج کے علاوہ باقی دو کے لئے چنداں کوشش نہ کرینگے النکار چکر نے قلعہ کے باہر مشہور کر دیا کہ بھوج فرار ہو گیا ہے۔

قلعہ میں سازشیں سلہن کا بیٹا بھوج بڑا سمجھدار جوان تھا اور ہر معاملہ سے واقفیت رکھتا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ النکار چکر کی بیوفا بیوی سست چندر کے حسن مردانہ پر عاشق ہو چکی ہے اور اب اس فکر میں ہے کہ اپنے شوہر کو مار کر اس کی تجاویز سے باہر والوں کو خبردار کر دے النکار چکر اس کی محبت میں اندھا ہو رہا تھا اس لئے جب دغا کے خوف سے بھوج نے اسے اس معاملہ سے واقف کیا اور خود چلے جانے کی اجازت مانگی تو اسے باعث حلیم الطبع ہونے اور لاپرواہ طبیعت رکھنے کے اس (عورت) میں کوئی عیب نظر نہ آیا جس طرح بدھستو کو پاپی پر بھی غصہ نہیں آتا۔ جس طرح شربھ[۹۲۱] اس ہاتھی کو جسے اس نے پیٹھ پر ڈالا ہوا ہو بھول جاتا ہے ایسے ہی عاشق اپنے دل سے معشوقہ کی نفرت کو بھلا دیتا ہے خواہ وہ اسقدر زیادہ ہو کہ اس کی موت ہی کا موجب ثابت ہو۔

بھوج کی فراری کے لئے کوششیں غرض بھوج اس جگہ سے

۹۲۱ شربھ ایک فرضی جانور کا نام ہے جو ہاتھیوں شیروں وغیرہ کا جانی دشمن ہے۔ شاہنامہ میں اس جانور کا ذکر سیمرغ کے نام سے کیا گیا ہے۔

روانہ ہوا لیکن جب دو سوتے ہوئے دشمن کے کمپ سے قریب قریب باہر نکل گیا تو
النکار چکر کے بیٹے نے جو اس کے ہمراہ تھا معلوم نہیں دغابازی یا خوف سے اسے
واپس چلنے کی ترغیب دی۔ کیونکہ اس کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ اور اب وہ اسے
پھر واپس قلعہ میں اپنے باپ کے پاس لے آیا۔ آخر الذکر نے اپنے بیٹے کو
لعنت ملامت کی اور بھوج کو تاکید کی کہ رات کو تم نے ضرور یہاں سے نکل جانا۔
اس کے بعد اس نے دن کے وقت اسے چھپا رکھا۔ اور ہر شخص سے کہدیا کہ وہ
چلا گیا ہے۔ دھنیہ اور باقیوں کو جب خبر ملی کہ تینوں میں سے ایک (بھوج) بچکر
نکل گیا ہے اور باقی ماندہ دو (لوتھن اور وگرہ راج) کل روانہ ہونے والے ہیں۔
تو وہ فکر میں شب بھر بیدار رہے۔ پس جب رات کے وقت بھوج چلنے کی تیاری
کرنے لگا تو اس نے قلعہ کے برج سے دیکھا کہ دشمن سب بیدار ہیں اور انکے
کمپوں میں آگ روشن ہے۔ اس سے قلعہ تک اسقدر روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کہ
چیونٹی بھی شاہراہ پر سے گذرتی تو دشمن جو گھات میں بیٹھے تھے ضرور معلوم کر جاتے
مشعلوں کی جھلملاتی روشنی میں دشمن کے مکانات ہلتے معلوم ہوتے تھے۔ فی الحقیقت
ایسا نظر آتا تھا گویا وہ سر ہلا کر اسے بے تحاشا نکل جانے کی کوشش سے روکتے
ہیں۔ اس صورت میں اس کے لئے نکل بھاگنا ناممکن ہو گیا۔ آخر کار جب دن
نکلا تو ڈامر نے اسے رسی سے باندھ کر ٹیلے کے نیچے لٹکایا[۹۲۲]۔ ایک اور ڈامر سردار

[۹۲۲] سرہ شیل پہاڑی کا تنگ شمالی حصہ دریا کی جانب عمودی چٹان کی صورت میں ہے۔
جو پہاڑی کی چوٹی سے ۳۰۰ فٹ نیچے کی طرف بہتا ہے۔ آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ بھوج نے
فرار کی دوسری کوشش اس ذریعہ سے کی تھی۔ سٹائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ
میں نے اس ٹیلوں کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ دریا کی طرف اتار ہر چند کہ ایک خطرناک کام ہے
تاہم ایک ہوشیار اور ماہر کار آدمی ایسا کر سکتا ہے۔

کشمیراج نامی کی معیت میں وہ ایک چٹان تک پہنچ گیا جو ٹیلہ کے نصف فاصلہ پر ایک بلند نشست روترو کا[۹۲۳]) کی صورت میں تھی۔ یہ چٹان بمشکل اتنی تھی کہ وہ اس پر بیٹھ جاتے۔ یہاں پہنچکر وہ پانچ دن اور راتیں برابر جاگتے رہے کہ مبادا نیند میں غافل ہوکر نیچے نہ گر جائیں۔ انکے پاس جو کی چند روٹیاں تھیں جنہیں کھاکر وہ گذارہ کرتے تھے اور وہاں سے اس طرح رفع حاجت کیا کرتے تھے جیسے پرندے اپنے نشیمن سے کرتے ہیں۔ وہاں وہ دونوں نظروں سے پوشیدہ اس طرح بے حس وحرکت بیٹھے رہے گویا تصویر بنے ہوئے ہوں اور تعجب کے ساتھ دشمن کے کیمپ کے پھیلاؤ کو دیکھتے رہے۔ اس جگہ جے سنگھ کے تیج کی گرمی نے انہیں خوفناک سردی بھلادی۔ چھٹے روز جب ان کا کھانا دانا ختم ہوگیا تو آسمان سے بادلوں نے اس طرح برفباری شروع کردی جیسے کوئی زخموں میں نمک بھرتا ہو۔ ان کے ہاتھ پاؤں سرد ہوگئے اور وہ وہیں کے وہیں سو گئے۔ بجالیکہ انہیں لازم یہ تھا کہ اپنے بجتے ہوئے دانتوں کی موسیقی سر کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ کوشش اپنی جان بچانے کے لئے کرتے۔ دونوں کے دونوں اب سوچ رہے تھے کہ "یقیناً آج بھوک اور سردی کے مارے ہم دشمن کے کیمپ میں اس طرح جا گرینگے جیسے دو پرندے کسی جال میں جا پڑیں۔ ہم کسے مدد کے لئے طلب کریں؟ کون ہے جو ہمیں اس جگہ سے اسطرح کھینچ لے جیسے ہاتھیوں کے گلہ میں بڑا ہاتھی دلدل میں ڈوبتے ہوئے دو چھوٹے ہاتھیوں کو نکال لیتا ہے۔" آخرکار ان کی دعا قبول ہوئی اور رڈامر نے ان دونوں کو

۹۲۳؎ وترو کا سے مراد غالباً ایک چھوٹے چوبی پلیٹ فارم سے ہے جو اکثر کشمیری گھروں کے صحن میں درختوں کے سایہ میں پڑا رہتا ہے۔ اس کے ۴ چوبی پائے ہوتے ہیں اور موسم گرما میں لوگ اس پر بڑے آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔ دیکھو ہرش چرت صفحہ ۱۹۰۔ پنجاب میں اس کا نام تخت پوش مشہور ہے۔

اس حالت میں رسے کے ذریعہ اوپر کھچوا کر ایک خالی مکان میں رکھ دیا۔ وہاں وہ پھوس جلا جلا کر سردی دور کرتے رہے اور اس نیند میں جو آخر کار انہیں حاصل ہوئی اپنی مصیبت کو بھول گئے۔

لوتھن اور وگرہ راج پر اس سے بھی بڑھ کر مصیبت نازل ہوئی کیونکہ کوئی بھی ان سے مہربانی کا سلوک نہ کرتا تھا بلکہ ہر شخص انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا وہ جو اور چھلکے دار کودرو[۹۲۴] وغیرہ کی بنی ہوئی روٹیاں کھا کر گذارہ کرتے رہے اور انکے کپڑے میل سے بالکل گندہ ہو گئے۔ آخر کار جب النکار چکر کا ذخیرہ خوراکی ختم ہونے لگا دھنیہ نے اس کے دو آدمیوں ہول اور شسکر کو کھانا دیکر اپنا طرفدار بنالیا۔

النکار چکر کی اطاعت

آخر کار ڈامر نے بھوک سے تنگ آکر اور اس خوف سے کہ کہیں میں دغا سے گرفتار نہ کروادیا جاؤں قاصدوں کے ذریعہ اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ راجہ کے دشمن شاہی فوج کے حوالہ کر دیئے جائیں۔ اس کامن جو شرارت کے عنصر میں شرابور تھا گناہ اور بے عزتی کے خوف کو اس وقت چھوڑ بیٹھا جب ناقابل برداشت تکالیف نے اس کی ہمت توڑ دی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ راجہ کے بعض دشمنوں کو قابو رکھ کر اپنی حفاظت کا انتظام کیا جائے اور جس طرح بھی بن پڑے عزت بنائے رکھنے کا فکر کیا جائے۔ غرض اس نے اپنے نوکر اودین کے مشورہ پر سلہن کے بیٹے بھوج کو تو چھپائے رکھا البتہ باقی دو کو حوالہ کر دینے کا انتظام شروع کیا۔ اس نے خیال کیا کہ یہ معاملہ سب کے لئے بہتر ہوگا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ بھوج

[۹۲۴] کودرو ایک ادنےٰ درجہ کا اناج ہوتا ہے جسے کشمیر میں کدر کہتے ہیں اسے صرف مدورجہ کے غریب لوگ کھاتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں اسکی کاشت وادی میں محض اس لئے ہوا کرتی تھی کہ ٹیکس کلکٹر اس پر ٹیکس لگانے کی پرواہ نہ کرتا تھا۔

کی عدم موجودگی میں راجہ باقی دو کو چنداں سخت سزا نہ دے گا اور خود مجھے بھی کچھ کہے سنے بغیر چھوڑ دیگا۔

دھنیہ اور باقی وزیر جب اس سے صلح کرنے کے خواہشمند ہوئے تو انہیں اسکی خراب حالت سے جس میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ خوراک وغیرہ موجود نہ ہونے سے پہنچ چکا تھا واقفیت نہ تھی نہ وہ اس کی تجویز سے باخبر تھے۔ وہ اس جگہ سے چلے جانے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈتے تھے اس لئے انہوں نے خیال کیا کہ "اب جبکہ اس نے دو رقیب رشتہ داروں کو واپس دینا منظور کر لیا ہے۔ تو اور کیا کرنا باقی رہ گیا ہے؟" بعد ازاں دھنیہ نے اپنے بھتیجے کلیان کو اس بات کا ضامن بنایا کہ جب وہ دونوں راجہ کے حوالے کر دیئے جائینگے فوج ہٹالی جائیگی۔

اگر کوئی نظم لکھنی ہو۔ کسی ایسے دشمن کو جو خفیہ طور پر ناراض ہو راضی کرنا ہو۔ کسی بڑے سانپ کو پکڑنا یا ٹیڑھی حکمت عملی کا کوئی اور کام کرنا ہو تو کامیابی اسی شخص کے حصہ میں آتی ہے جو اپنے کام میں پوری دلچسپی لیتا ہوا خاتمہ کے وقت پوری کوشش کے ساتھ سرعت سے بھی کام لے۔ لیکن اس موقعہ پر وزرائے شاہی ان مصیبتوں کی وجہ سے جو عرصہ دراز تک گھروں سے غائب رہنے کے باعث ان پر نازل ہوتی رہی تھیں ہمت ہار کر سست ہو چکے تھے جس طرح کسی ایسے معاملہ کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے جس کی صرف روایات باقی رہ گئی ہوں ایسے اس وزیر کو تلاش کرنا مشکل ہے جو کسی پیچیدہ معاملہ کو اس کے آخیر میں سمجھ سکے۔ جونہی فوجوں کو اس عہد نامہ کی خبر ہوئی وہ گھروں کی طرف روانہ ہو پڑیں اور اس مہربانی کو بالکل فراموش کر دیا جو راجہ نے ان پر کی تھی۔ ادھر روانگی کے وقت انہوں نے اپنی جو چیزیں فروخت کیں انہیں پاتے ہی اس لونیہ نے عہد نامہ کی شرائط پورا کرنے میں تامل کرنا شروع کیا اور دھنیہ وغیرہ اپنی فوجوں کی تھوڑی تعداد دیکھ کر گھبرانے لگے۔

تخت کے دعویداروں کو حوالہ کرنے میں تاخیر

دشمن دن بھر شاہراہ کی طرف اس امید میں دیکھتے رہے کہ لوتھن اور وگرہ راج ابھی یہاں پہنچا چاہتے ہیں لیکن چونکہ النکار چکر نے انہیں حوالہ کرنے میں تامل کیا اس لئے وہ بچارے سخت حیران ہوئے رات کے وقت جبکہ ہر طرف چکرواک (چکوا چکوی) کی بلند آوازیں سنائی دیتی تھیں وہ سخت مصیبت کی حالت میں رہے۔ مایوسی میں اب انہیں سوائے خودکشی کے اور کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ انہیں رہ رہ کر طرح طرح کے خیالات ستا رہے تھے۔ "اب جبکہ وہ کام جسے ہم نے اسقدر محنت کے ساتھ تیار کیا تھا ہماری دلی کمزوری کی وجہ سے ناکام رہا جاتا ہے۔ دوسرے وزیر یقیناً ان کارروائیوں پر جو ہم نے کی ہیں مضحکہ اڑائینگے اور اس ناکامی پر رحم کے ساتھ تاسف کرینگے علاوہ بریں وہ راجہ کو ہماری دشمنی پر اکسائینگے جو یقیناً ہمیں مہربانانہ الفاظ سے مخاطب نہ کریگا۔ وہ لوگ معاملہ کے نشیب وفراز پر غور کئے بغیر فوراً ہمیں شرمندہ کرینگے"۔ بعض دق ہوکر کہہ رہے تھے۔ "اس لٹیرے (النکار چکر) نے راجہ کے دشمنوں (لوتھن وغیرہ) کے مشورہ سے ہمیں یہ دھوکا دیا ہے۔ اب وہ اپنا مدعا حاصل کرکے یقیناً ہماری ہنسی اڑاتا ہوگا"۔ اس طرح کڑھتے ہوئے انھوں نے وہ رات بسر کی۔

علی الصبح چیف جسٹس (راجستھانیہ) النکار وغیرہ کے ساتھ قلعہ تک گیا اور حکمت عملی سے ڈرا دھمکا کر اس ڈامر کو اپنی شرائط ایفا کرنے پر رضامند کر لیا۔ اس طرح پر ایک دن کی تاخیر کے بعد النکار چکر نے آخر اس روز صاف لفظوں میں لوتھن سے کہہ دیا کہ اب تمہیں چلا جانا ہوگا۔ اس پر بعض ذاتی عزت کی قدر کرنے والوں نے اسے وہ باتیں سمجھائیں جن کے ذریعہ وہ اپنی بے عزتی اور بدنامی

دور کر سکتا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا: "یہ وقت ایسا ہے جس میں گو معمولی لوگوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ تاہم اعلےٰ کشتریوں کو اس سے روشنی حاصل ہوتی ہے تلوار کا پھل بادل کی مانند تاریک لیکن اپسراؤں سے ملا ہوا ہے اور آفتاب کے ساتھ ایک خاص اور حیرت خیز تعلق رکھتا ہے۔ ممکن ہے ہم راجہ کو مطیع نہ کر سکیں تاہم اگر میدان جنگ میں لڑتے ہوئے جان دیں تو آفتاب یا محبت کرنے والی پیاری اپسراؤں کی چھاتیوں تک پہنچ جائینگے۔ اس قسم کی موت میں ہمیں وہ تکلیف برداشت نہیں کرنا پڑتی جو اس بستر پر ہوتی ہے جس پر متواتر لیٹے رہنے سے بل پڑ گئے ہوں نہ اس میں جوڑوں سے زندگی نکلنے کی تکلیف ہوتی ہے نہ روتے ہوئے خویش و اقارب کو دیکھ کر دل گھٹتا ہے۔ حقیقت میں میدان جنگ کی موت ویسی ہی خوشگوار ہوتی ہے جیسے کسی حسین عورت کے وصال کی آرزو۔ تمہارا باپ اس راستہ پر سے آسمان کو گیا تھا جس پر تلوار کے پھلوں کا جنگل اگا ہوا تھا۔ تمہارے دونوں بھائی ایک مدت تک خنجروں کے جنگل میں بھٹکا کئے اور آخرکار صحیح راستہ پر سے آسمان کو گئے۔ پس لازم ہے کہ تم بھی اسی راستہ پر سے چلو جس پر سے تمہارے بزرگ گئے ہیں اور نیک افعال کے ذریعہ آسمان میں طبقہ آفتاب کے اندر داخل ہو تاکہ اس دنیا میں بھی حوصلہ مندوں کے لئے تمہارا نام یادگار رہے۔ قسمت نے بارہا تمہیں وہ سلطنت دی جسے تم کمزوری سے گنوا بیٹھے ہو۔ اس سلطنت کو حاصل کر کے تم نے بالکل بچوں والی باتیں کی ہیں بجائیکہ عمر کے لحاظ سے تمہیں ہر بات اطمینان اور دلجمعی سے کرنی چاہئے تھی۔ قسمت اب تمہیں ان افعال سے تائب ہونیکا موقعہ دیتی ہے۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں تم نے گونگوں کی طرح عمل کیا تھا لیکن جس طرح تم نے سلطنت کھو دی تھی دیکھنا تو بسکے اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ کھو دینا۔ بھکشاچر نے سلطنت حاصل کر کے کھو دی تھی۔ اس کے بعد وہ دوسروں کا بچا کھچا

کھانا کھا کر گذارہ کرتا رہا بحالیکہ ایک راجہ ہو کر اسے ایسا نہ کرنا چاہئیے تھا علاوہ بریں اس ملک میں رہ کر وہ کئی آدمیوں کی موت کا موجب ثابت ہوا۔ تاہم اس بیاہمت شخص نے بھی ایک بات ایسی کی تھی جو اس کے مرنے پر درجہ تکمیل کو پہنچ گئی اور اب اس کی سب باتوں پر درجہ تفوق رکھتی ہے۔"

اس طرح لوگوں نے اسے اکسانے کی بہت کوشش کی لیکن چونکہ وہ ہمت کے جوہر سے عاری تھا اس لئے بالکل پختہ ارادہ نہ کرسکا۔ وانر ایندھن کو جس میں جلنے کا مادہ ہی نہیں ہوتا آگ کے قریب بھی رکھا جائے تو نہیں جلتا۔ اس میں خودداری کا مادہ چونکہ بالکل موجود نہ تھا اس لئے جب اسے خطرہ نظر آیا تو اس چھوٹے بچے کی مانند جسے سوتے میں جگا دیا گیا ہو منہ نچلا ہونٹ نکال کر رونے پر آمادہ ہوا۔

لوتھن اور وگرہ راج کا دشمن کے حوالہ کر دیا جانا ۱۱۴۴ء

جب ڈامرنے اسے دشمن کے حوالہ کر دیا تو راجہ کے افسروں نے اس کی اس حالت پر رحم کھا کر حوصلہ افزائی کی نیت سے کہا۔

"مایوس نہ ہو۔ راجہ کے دل میں جو رحم کے چڑھتے ہوئے چاند کی روشنی سے منور ہے دشمنی کی بھیانک تاریکی بہت جلد نمودار نہیں ہوتی۔ وہ مہربانی کے آبحیات کا سمندر وفا کا دیوتائی پہاڑ (میرو) اور ان لوگوں کی جو اس کا آسرا تلاش کرتے ہیں۔ تکالیف کی گرمی دور کرنے کے لئے صندل کا درخت ہے۔ اس کی شخصیت کو دیکھ کر جو آسمانی ندی (گنگا) کی مانند پاک اور بے عیب ہے خزاں کی حالت میں تمہارے گھبرائے ہوئے من کو تسکین حاصل ہو جائیگی۔ وہ تمہارا ویسے ہی ادب کریگا جیسے خاندان کے کسی بے عیب بڑے آدمی کا کرنا چاہئیے۔ اور شرم کے احساس کو دور کر دیگا۔ وہ اس قدر رحمدل ہے کہ جن لوگوں نے اسے گزند پہنچایا ہو اور بعد میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہوں ان سے بھی وہ مہربانوں کی طرح سلوک کرتا ہے

کیونکہ وہ اس کے رحم کی آزمائش کا ایک ذریعہ بنتے ہیں۔"

اسکے ان الفاظ سے خوش ہو کر وہ مکان سے باہر نکلا اس وقت اس کی متحرک موٹی ڈاڑھی اور لٹکتے ہوئے لبادے نے اس کی صورت ایک بڈھے بیل کی سی بنا رکھی تھی جو احاطہ کے اندر سے نکل رہا ہو۔ جب دھنیہ نے اسے ڈولی میں آتے دیکھا تو معلوم کیا کہ اس کے جسم پر زیورات نہیں ہیں۔ کپڑے پھٹے پرانے ہیں ہتھیار بھی نکمے سے لگے ہوئے ہیں اور وہ خود گھبراہٹ سے کبڑا ہو چکا ہے۔ اس کی آنکھیں ایک عرصہ تک بے حرکت رہیں۔ ڈاڑھی موٹی اور نہ تراشی ہوئی تھی۔ اور کندھے اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ غرض اس کا سارا جسم دھنیہ کو ایک الو کی مانند نظر آتا تھا جسے اس کے بل میں سے باہر نکالا گیا ہو۔ فوج نے چلتے وقت کمپ کو آگ لگا دی جس کی وجہ سے پہاڑی اس کسوٹی کی مانند نظر آتی تھی جس پر راجہ کی عظمت کا سونا پرکھا گیا ہو۔ جب کمپ اٹھالیا گیا تو آسمان سے سخت برفباری ہوئی جس سے لوگوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ راجہ کو فوق الفطرت طاقتیں حاصل ہیں۔ برف اس شدت کی پڑی کہ اگر پہلے پڑتی تو فوجیں اس کے نیچے دب کر اس طرح تلف ہو جاتیں جیسے کیڑے (گرڑ تاہ) کیڑوں کو تلف کرنے کے سفوف (پشتانک) میں پڑ کر۔ غرض اس طرح پر لوتھن جس کی عمر ۵۰ سال سے کم تھی۔ ۱۰ اشدی پھاگن لوکک سمت ۴۲۱۹ (۱۱۴۳ء) کو دوبارہ حراست میں آگیا۔

قیدیوں کا سرینگر میں پہنچنا

فوجوں کو ایک عرصہ طویل کے بعد آتے دیکھکر راجہ جو نخوت سے پاک تھا انکے استقبال کے لئے ایک بلند دیوان پر چڑھ گیا۔ فوجوں کو تو اس نے انعام و اکرام دیکر اور مہربانی کے الفاظ سے مخاطب کر کے رخصت کیا اور اس کے بعد دھنیہ اور باقی فوجی لیڈروں سے ملاقات کی۔ صحن میں اس نے دیکھا کہ دربان لوتھن

کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں لیکن اس کے گرد خلقت کا وہ ہجوم ہے کہ نظر نہیں آتا۔ سپاہیوں نے اسے بغلوں سے پکڑا ہوا تھا۔ مارے شرم کے اس نے اپنی پوشاک کا کنارہ ناک تک چڑھایا ہوا تھا۔ اس کی داڑھی کے سفید پریشان بال اس کے کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے تھے جن میں بالے وغیرہ موجود نہ تھے اور اس کے رخسار نمایاں طور پر پچکے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ اہل شہر اس پر طرح طرح کے آوازے کس رہے تھے جنہیں وہ اپنی آنکھوں کے کونوں میں سے دیکھ لیتا تھا۔ جن میں پتلیاں ساکن اور دھندلی تھیں۔ قسمت کی نظر بد اسے ایسی لگی کہ وہ مایوسی مصیبت۔ خوف۔ تھکان اور بھوک میں مبتلا ہوا۔ اس کا جسم جسے نیند کا لطف حاصل کئے مدت گزر چکی تھی اس گائے کی مانند کانپ رہا تھا جسے سردی لگ گئی ہو۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا زمین ہل رہی ہے۔ پہاڑ گر رہے ہیں اور آسمان نیچے آرہا ہے اس کے ہونٹ بالکل خشک تھے۔ ہر قدم پر رک رک کر وہ دل میں کہہ رہا تھا "اے کاش اس وقت آسمان ہی میری مدد پر اتر آئے۔ یا بھیانک تاریکی پھیل جائے یا آندھی اس محل کو جس میں میں پہنچ چکا ہوں گرا دے۔ راجہ کو میں نے اتنے نقصانات پہنچائے ہیں بھلا میں کیونکر اس کے روبرو کھڑا ہو سکوں گا؟"

قیدیوں کا استقبال راجہ کی بھوؤں سے اشارہ پاکر وہ دربار کی طرف بڑھا جس میں حاضرین کی آنکھیں کنول پھولوں کی مانند متحرک تھیں۔ جب راجہ نے اشارہ کرکے اسے قریب بلایا تو وہ زمین پر دوزانو ہو کر گر پڑا اور اپنا سر راجہ کے چرن کمل پر رکھ دیا۔ راجہ نے اپنے کنول جیسے ہاتھ لوتھن کی پیشانی کو لگائے جو جھکا ہوا تھا اور اس کے سر کو اٹھایا گویا وہ بحالت اضطراب آگے جھک گیا تھا۔ ان ہاتھوں کا جن میں زیورات پڑے ہوئے اور خوشبویات ۹۲۵ لگی ہوئی تھیں چھونا ہی چاند کی مانند ٹھنڈک پہنچانے والا تھا

انکے لگنے سے اس کے من سے تکلیف کی گرمی اور جسم سے مصیبت دور ہو گئی۔ اسے اسی لمحہ راجہ پر بھروسہ ہو گیا جو اس کے اگلے جنم کے پن کی وجہ سے رحم کا سلوک کر رہا تھا۔ راجہ نے اس وقت اپنے دل میں سوچا کہ "خوف مت کرو" یہ الفاظ کہنا نخوت میں داخل ہوگا۔ اگر اسے یہ کہا گیا "تم اب بھی خوشی حاصل کر سکو گے"۔ تو الفاظ سطحی ہونے کی وجہ سے با اثر ثابت نہ ہونگے۔ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ "میں تم سے ناراض نہیں ہوں"۔ تو سابقہ عداوت کے تمام افعال مسدود ہوتے ہیں۔ "تم میرے رشتہ دار ہو" یہ کہنا اس موقعہ پر گویا حقارت کے لہجہ میں داخل ہوگا "تم مصیبت میں مبتلا ہو" یہ اپنی عظمت پر فخر کرنے میں داخل ہوگا۔ ان سب باتوں کو سوچکر راجہ نے اس وقت اسے کچھ بھی نہ کہا۔ جب وگرہ راج نے اس کے قدموں پر سر رکھا اور جان کی امان چاہی تو اس نے اس کے سر کو اپنا پاؤں لگایا۔ اس کے بعد راجہ نے اپنے ہاتھ سے اپنے چچا (لوتھن) کو پان دیا گو وہ بھی کہتا رہا کہ میں اس عزت کا مستحق نہیں ہوں۔ دوارپتی اودے کو جو جھکا ہوا تھا اس نے مسکرا کر کہا "تم نے بہت تکلیف اُٹھائی ہے" پھر دھنیہ اور سست چندر کو جو اس کے روبرو کھڑے تھے اس نے اپنے بائیں بازو سے چھوا۔ جب لوتھن نے راجہ میں ہوشیاری۔ مہربانی دوراندیشی اور اخلاق یہ سب صفات موجود پائیں تو اسے خود اپنے آپ سے نفرت ہو گئی۔ دھنیہ کی زبانی اس نے اسے حوصلہ افزائی کے کلمات کہلائے اور اس کے بعد ہاتھ جوڑ کر اپنے چچا کو ایک ایک شاندار ایوان میں بھیج دیا۔ اس سلوک پر وہ بیچارہ عرق عرق ہوا جاتا تھا۔

اس با اخلاق راجہ نے جو دنگ حملہ کرتے وقت اپنے چہرے پر ظاہر کیا تھا۔

---

۹۲۵ اس جگہ اشارہ ان معجز اثر بوٹیوں کی طرف ہے جو انگوٹھیوں میں بطور نگینہ کے لگائی جاتی ہیں۔

وہی حصول مدعا کے بعد قائم رکھا۔سمندر زیر آب آگ سے ابل نہیں پڑتا۔نہ کوہ ہمالیہ کے سرد پانی سے ٹھنڈا ہوتا ہے۔ایسے ہی گہرے دل گردہ کے آدمی تکلیف اور خوشی کے وقت یکساں حالت میں رہتے ہیں۔راجہ نے اس قسم کی دائمی مہربانی اور دلی توجہ کے اظہار سے جیسا کہ رشتہ داروں کے درمیان ہونا واجب ہے رفتہ رفتہ ان دونوں (شاہی خاندان کے آدمیوں) کے ذلت کا احساس دور کر دیا جن کی طاقت زائل ہو چکی تھی۔دور اندیش راجہ ایک مداری کی طرح ابھی تک بغاوت روپی سانپ کے ڈنگ سے خوف کھاتا تھا کیونکہ بھوج اس وقت تک آزاد تھا گو اس میں شک نہیں کہ وہ سلطنت کو اپنے رشتہ داروں کے ہونٹوں میں سے نکال چکا تھا۔اس کے خوف کی وجہ یہ تھی کہ اس کے وزیر عرصہ دراز تک گھروں سے باہر رہنے کی تھکان کے خوف سے گھبرا کر کوششیں چھوڑ چکے تھے اور گو ابھی تک دشمن باقی تھے تاہم اس کے خلاف منتالسے لاپرواہ بنا چکے تھے۔

بھوج کا سرہ شلا کوٹ میں مزید قیام سلہن کے بیٹے بھوج کو جب سے اس ٹیلے پر سے بچایا گیا تھا وہ اسی خالی مکان میں مقیم تھا اور اسے اپنے چچا لوٹھن اور وگرہ راج کی نسبت کچھ خبر نہ تھی۔پس جب اس نے چیف جسٹس (راج گرہیہ) النکار کو ڈامر کی طرف آتے دیکھا تو اس کے دل میں اس بات کا خوف پیدا ہو گیا کہ کہیں مجھ سے دغا نہ ہو۔اس کے بعد اس نے فوج کو ڈیرہ ڈالے دیکھا جو دور تک اس سڑک[۹۲۶] پر جو شہر کی طرف جاتی تھی اس مقام تک پھیلی ہوئی تھی

---

[۹۲۶] سرہ شیل پہاڑی کی چوٹی پر سے کشن گنگا کا راستہ اوپر اور نیچے کی طرف دور تک دیکھا جا سکتا ہے۔

جہاں نگاہ کام نہ کرتی تھی۔ اس کے بعد اسے دھنیہ اور سست کی ڈولیوں میں ایک اور ڈولی نظر آئی جس میں اس کا چچا سوار تھا۔ اور جسے وہ دور سے پہچان نہ سکتا تھا اس نے اپنے دل میں سوچا کیا وجہ ہے کہ فوج یہاں سے جا رہی ہے اور دھنیہ اور سست کی ڈولیوں کے درمیان یہ تیسری ڈولی کس کی ہے؟ اس نے ایک نوکر سے اس معاملہ کی کیفیت پوچھی جس نے خوشی سے اسے بتایا کہ معاہدہ طے پا چکا ہے اور لاٹھن اور وگرہ راج شہر کی طرف جا رہے ہیں۔ اس پر اس کے شبہات دور ہو گئے اور دغابازی کا جو خوف اسے لگ رہا تھا اس کی بجائے اس کے دل میں اپنے رشتہ داروں کی نسبت اندیشہ پیدا ہوا۔

جب فوج رخصت ہو گئی اور پرند تنہائی میں خوشی سے چیخیں مارنے لگے تو اسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دریا ان دو کے چلے جانے پر آہ وزاری کر رہا ہے۔ تب اس نے خیال کیا "ممکن ہے لونیہ (النکار چکر) کچھ سوچ کر مجھے بھی چھوڑ دے اور دھنیہ وغیرہ میرے اس جگہ موجود ہونے کی خبر پا کر مجھے بھی یہاں سے لے جائیں دریا کی لہروں کی آواز سن سن کر اسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا راجہ کی فوجیں مجھے لے جانے کے لئے واپس آ رہی ہیں۔ اتنے میں بادل چھا گئے اور آدھی رات کا سماں بندھ گیا۔ اس وقت سے لیکر بیساکھ[927] کے مہینہ تک بادل ایک قسم کا یگ کرتے رہے جس میں برف کے تودے ان کی آہوتیاں تھیں۔ اتنے میں النکار چکر نے بھوج کے پاس آ کر اپنے آپ پر لعنت ملامت کرنی شروع کی اور کہنے لگا "مجھ بدبخت نے ان دونوں کو گویا قتل کر دیا ہے جنہوں نے مجھ پر بھروسہ کیا تھا میں سخت بے رحم اور بیحیا ثابت ہوا ہوں" سلہن کے بیٹے نے موقعہ شناسی سے

[927] ترنگ ہذا کے شلوک ۲۷۳۹ سے واضح ہوتا ہے کہ برفباری ماہ پھاگن کے شکل پکش سے شروع ہوئی تھی۔

اس نے غصہ کو فرو کیا اور نرم لفظوں میں اسے تسلی دینے کے طور پر کہا "تمہارا اس معاملہ میں کچھ قصور نہیں" پھر وہ بولا "تم نے یہ کارروائی اپنے ہمراہیوں. بال بچوں، رشتہ داروں اور دوسرے مصیبت زدہ لوگوں کو بچانے کے لئے کی ہے۔ کوئی شخص تمہیں قصوروار نہیں ٹھیرا سکتا۔ اگر تمہارا منشا دغا کرنے کا ہوتا تو یقیناً تم مجھ پر بھی رحم نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام تم نے موقعہ سے مجبور ہو کر کیا ہے۔ اگر راجہ راجاؤں کے دستور العمل پر چلے تو اسے چاہیئے کہ راجہ ہرش کی اولاد کی طرح ہمیں جان سے نہ مارے بلکہ زیر اقتدار رکھے۔ ان میں سے مجھے باقی رکھ کر واقعی تم نے دانائی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اس سے نہ تو تمہاری بے عزتی ہوگی۔ نہ ان دو کے ساتھ بدسلوکی ہوگی۔ اور نہ راجہ کسی قسم کا پاپ کریگا"۔

جب وہ یہاں تک کہہ چکا تو ڈامر نے اس طرح پر گویا اس پر سے کوئی بار اُٹھ گیا ہو توصیفی لہجہ میں کہا "اس کام میں تم میرے ہمیشہ کے لئے گواہ ہو"۔ پھر جب بھوج نے اس سے فوراً رخصت ہونے کی اجازت مانگی تو وہ کہنے لگا کہ جونہی برف تھمے گی چلے جانا اتنا کہہ کر وہ چلا گیا۔

بھوج سے چونکہ کسی نے یہ بات کہہ دی تھی کہ اگر تم کھانا نہ کھاؤ گے تو النکار چکر اسے تمہاری ناراضگی پر محمول کریگا۔ اور ممکن ہے سختی کا برتاؤ کرنے لگے۔ اس لئے وہ کھانا کھاتا رہا۔ جب وہ کھانا کھانے لگتا تو اسے خیال آتا "آخر کار مجھے یہ ان دو (رشتہ داروں) کی فروخت سے حاصل ہوا ہے"۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اپنے دو رشتہ داروں کا گوشت کھا رہا ہو۔ اسی طرح النکار چکر نے اسے دو ماہ تک نہ جانے دیا۔ جب کبھی وہ روانگی کا ذکر درمیان لاتا تو وہ یہ کہکر ٹال دیتا "آج کل میں برف تھمتی ہے تو میں تمہیں یقیناً بھیجے دیتا ہوں"

بھوج اس لئے روانگی کے واسطے گھبرا رہا تھا کہ "ممکن ہے جب راجہ کو میرے یہاں ہونے کا پتہ ہے تو برف پگھلنے کے ساتھ ہی وہ اس طرف کو چڑھائی کر دے جس صورت میں النکار چکر یقیناً مجھے اس کے ہاتھوں فروخت کر دیگا"۔ بھوج روانگی کے لئے جو بہانہ بھی پیش کرتا۔ النکار چکر اسی میں کوئی نقص نکالکر اسے اپنے پاس رکھنے کا انتظام کر لیتا۔

بھوج کے ساتھ راج ودن کی طرفداری

راج ودن تیجس نامی بل ہر[۹۲۵] کا بیٹا تھا اور

۹۲۵؎ جیسا کہ آگے چل کر واضح کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بل ہر کسی خاندان یا قبیلہ کا نام ہے۔ راج ودن کے لئے کئی موقعوں پر بلہر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

ترنگ ۵ کے شلوک ۴۶۱۔ ۷ کے شلوک ۴۰ اور ۸ کے شلوک ۳۶۳۵ میں کلہن نے کمبل اوڑھنے کو افلاس کی علامت ظاہر کیا ہے۔

کھوئی آشرم سے مراد بلاشبہ کھوئی ہوم پرگنہ سے ہے۔ جس میں جھیل ولر کا شمالی کنارہ اور اس کے متعلق وادیاں بھی شامل ہیں۔ سری ور کی راج ترنگنی ترنگ ۳ شلوک ۳۵۲ و لوک پران و تیرتھ سنگرہ میں بھی یہی نام استعمال ہوا ہے۔

ادینک غالباً اس چھوٹے سے علاقہ کا پرانا نام ہوگا جو کھوئی آشرم کے قریب میں واقع ہے۔ پنڈت صاحب رام اپنی تیرتھ سنگرہ میں وُلر (مہاپدم ناگ) کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ کھوئی ہام آکھیہ راشٹر (کھوئی ہوم) اور ایونوشیہ کے درمیان واقع ہے اس کے بعد ایک شلوک میں انہوں نے موضع آدگرام یعنی آرگام واقع ولر کو ایونوشیہ میں بتایا ہے اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جھیل کے شمال مشرقی کنارہ پر جو گاؤں واقع ہیں وہ کسی زمانہ میں ایونک کے نام سے ایک علیحدہ علاقہ ہوا کرتے تھے۔ لوک پرکاش کے پرکاش ۴ میں جو دو بار ایکن کے وشیہ کا ذکر کھوئی آشرم کے بارہ میں آتا ہے اس سے

اس کی ماں ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ شباب ہی سے اسکی پوشش ایک کمبل ہوا کرتی تھی۔ جب تاج کے لئے لڑائی ہوئی جس میں بہت سے بہادروں کی اعلیٰ صفات کی آزمائش ہوئی تھی تو سسل کی فوج میں شریک ہو کر اس نے اپنے دستہ میں خاصی اہمیت اور اعزاز حاصل کر لیا تھا۔ بعد میں راجہ نے اس پر اس وجہ سے مہربانی کی کہ اس کا باپ مشیر تھا اور مختلف اوقات میں ایوینک و دیگر اضلاع کا چارج اس کے سپرد رہ چکا تھا۔ جب کھویاشرم کے ناگ نے راجہ کا دل اس کی طرف سے پھیر دیا تو راج ودن نے راجہ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھوج کو اپنی حمائت میں لے لیا۔ سب لوگوں کا خیال تھا کہ وہ چونکہ راجہ کا نوکر رہ چکا ہے اس لئے وہ اس کا سخت دشمن نہیں ہے۔ نیز وہ چونکہ لونیہ نہیں ہے اس لئے راجہ کا مقابلہ نہ کر سکیگا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ بغاوت کی تیاری کرنے لگا تو باوجود بہت کچھ کہنے سُننے کے النکار چکر نے بھوج کو اس کے حوالہ نہ کیا۔

انہی ایام میں النکار[۹۲۹]۔ ورنگ میں آ پہنچا اسے راجہ نے روپیہ دیکر بھوج کے متعلق معاملہ طے کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن جب ڈامر النکار کے پاس جانے لگا تو بھوج نے اس سے کہا "اگر تم مجھے چھوڑ کر جاؤ گے تو میں خودکشی کرونگا"

دردوں کی طرف بھوج کی فراری

النکار چکر نے اسے صرف اتنا کہکر ٹال دیا۔ "میں کل صبح تم سے ملونگا"

مراد اسی علاقہ سے ہے۔ مخفی نہ رہے کہ شاردا تحریر کے حروف "ک" اور "ڈ" میں بہت کم اختلاف ہوتا ہے۔

۹۲۹ اس جگہ اصل کتاب میں لفظ وشے ادھی کرت استعمال ہوا ہے جو النکار چکر کے علاوہ کسی اور النکار کے لئے استعمال ہوا ہو تو اس کے معنی افسر ضلع کے بھی ہو سکتے ہیں۔

آخر کار بھوج رات کے چوتھے پہر میں چپ چاپ بغیر کچھ کہے قلعہ سے نکل بھاگا[930]۔ رات ختم ہونے کے قریب تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ اس حالت

[930] اس جگہ کلہن نے بھوج کی فراری کی طرف اشارہ تو کیا ہے مگر وضاحت سے بیان نہیں کیا۔ مجمل طور پر اس کا خلاصہ حسب ذیل معلوم ہوتا ہے۔ بھوج چونکہ اس بات سے خائف ہے کہ کہیں ڈامر مجھے راجہ کے سفیر النکار (ترنگ ۸ شلوک ۲۷۰۲) کے حوالہ کسیقدر نقدی کے عوض نہ کردے سرہ شیل کوٹ سے بھاگ نکلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ وہ وادی کشن گنگا میں اتر کر شور سے مل سکتا ہے جو بیتھل کا حکمران ہے۔ اور اسی کے علاقہ سے وہ اور لوتھن ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۸۲ کے بموجب روانہ ہوئے تھے یا اس کے علاوہ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ مشرق کی طرف پہاڑوں کو عبور کر کے بالائی کشن گنگا پر دردوں کے علاقہ میں جا داخل ہو۔ کیونکہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۸۱-۲۴۸۳- اور ۲۵۱۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ بھی اسکا دوستانہ استقبال کیا جائیگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ بھوج لوتھن اور وگرہ راج کے خاندانوں کے سامنے مہم میں اپنے ان ہم جلیسوں کو چھوڑ دینے کے بعد نمودار ہونے کی خفت سے گھبراتا ہے اس لئے وہ درانڈ (ترنگ ہذا شلوک ۲۷۰۹) کا راستہ اختیار کرنا پسند نہیں کرتا۔

درانڈ کے مقامی نام کا ذکر صرف ایک مرتبہ اس جگہ ہی آیا ہے اور شلوک کے الفاظ اس بات کو کافی طور پر واضح نہیں کرتے۔ آیا درآندہ جگہ ہے جہاں بھوج جا سکتا ہے اور آیا وہ شور کے علاقہ کا بڑا شہر ہے یا اس طرف والے راستہ پر واقع ہے۔ اگر آخری قیاس کو درست تصور کریں تو ہم دراد کے نام کو اس سے متعلق قرار دے سکتے ہیں جو اس علاقہ کا جدید نام ہے جو شردی کے جنوب میں کرنا وتک وادی کشن گنگا سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن دونوں صورتوں کا آوازی تعلق قائم کرنا مشکل ہے۔

لیکن بخلاف اس کے نقشہ پر ہم اس راستہ کو بخوبی طور پہ دیکھ سکتے ہیں جو

میں بھوج راستہ پوچھتا چلا جارہا تھا کہ النکار چکر کو اس کی فراری کی خبر مل گئی۔ جب دن نکلا تو وہ چند ہمراہیوں سمیت دیوی شاردا کے مندر تک اس کے تعاقب میں گیا لیکن اسے پکڑ نہ سکا۔

بھوج دراصل درانند کی طرف اس وجہ سے نہ گیا تھا کہ اپنے دونوں رشتہ داروں بغیر ان کی عورتوں کو کیا منہ دکھاؤنگا۔ کیونکہ وہ تینوں ایک ساتھ اس کام کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اسے اپنا ضمیر خطاوار نظر آتا تھا اور وہ یہ خیال کرکے اپنی بے عزتی پر غور کرتا تھا کہ ممکن ہے مجھے کہا جائے "بڈھے لوٹھن نے پانچ چھ مرتبہ ایسے کاموں کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ لیکن یہ گو نوجوان ہے کچھ نہیں

. بھوج نے حقیقت میں اختیار کیا۔ شردی (شاردا) سے اوپر کی طرف وادی کشن گنگا تنگ ہوکر ایک ناقابل گذر کھڈ بن جاتی ہے (دیکھو نوٹ نمبر ۱۹ کتاب ہذا) اس وجہ سے بھوج کو مجبوراً وادی سے اوپر چڑھ کر اس پہاڑی ٹیلہ پر پہنچنا پڑتا ہے جو کشن گنگا اور وادی کشمیر کے مابین فاصل آب ہے۔ اس سلسلہ کی چوٹی پر سے جنوب مشرق کی طرف نقل وحرکت کرتے ہوئے وہ علاقہ وردھنی ضلع گریز کی سرحد کے قریب جا پہنچتا ہے جو قلوہ وگدہ گھاٹ یا موجودہ درہ دوکھٹ کے قریب واقع ہے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۷۱۵ و نوٹ نمبر ۵۹۸ کتاب ہذا)۔

چونکہ اس سلسلہ میں دروں کی اوسط بلندی ۱۲۰۰۰ فٹ کے قریب ہے اس لئے ہم آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ کلہن نے شلوک ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۴ میں بھوج کی جن مشکلات سفر کا ذکر کیا ہے وہ چنداں مبالغہ آمیز نہ ہونگی۔ جیساکہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۶۴۱-۲۶۸۱- اور ۲۶۹۲ سے معلوم ہوتا ہے اسکی فراری کی تاریخ ماہ بیساکھ لوکک سمت ۲۲ میں کوئی ایک تھی جو انگریزی حساب سے ۲۳-مارچ لغایت ۲۲-اپریل ۱۱۴۴ء کی کوئی درمیانی تاریخ ہوگی۔ جیساکہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۶۸۱ سے واضح ہوتا ہے اس سال برفباری چونکہ غیر معمولی شدت سے ہوئی تھی اس لئے بھوج کو معمول سے زیادہ تکالیف پیش آئی ہونگی۔

کر سکتا" اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ درددوں کی مدد سے جنگ کیا جائے اور اس خیال سے وہ دریائے مدھومتی کے کنارے کنارے ہولیا۔

بعض مقامات میں جمے ہوئے[931] پتھروں کی تیز نوکیں اسے اس طرح چبھتی تھیں گویا موت کے دانتوں کی نوکیں ہیں۔ بعض جگہ بادل دن کی روشنی کو چھپا کر اس قسم کی تاریکی پیدا کرتے تھے گویا موت کے دیوتا کا جال ہو۔ بعض جگہ پہاڑ کے گرتے ہوئے تودے ہاتھیوں کے گلہ سے مشابہ معلوم ہوتے تھے۔ بعض مقامات میں لہروں کی سنسناتی ہوئی جھاگ اُڑ کر اس کے بدن پر اس طرح لگتی تھی گویا تیر لگتے ہوں۔ کئی جگہ ہوا اس زور سے چلتی تھی کہ اس کی جلد ادھڑ جاتی تھی اور بعض مقامات میں چمکدار برف کی منعکس شعاعیں اس کی بینائی ضائع کئے دیتی تھیں۔ کھلے مقامات (پرسرت) میں اسے گہرائی میں اُترنے کا دھوکا ہوتا تھا اور صاف راستہ پر تنگ (اپرسرت) کا۔ بعض موقعوں پر جب کہ وہ نشیب مقامات پر اتر رہا ہوتا اسے معلوم ہوتا تھا گویا اوپر کو چڑھ رہا ہے۔ اسی طرح برفانی موسم میں مصائب جھیلتا چھ سات دن میں وہ درددوں کے علاقہ کی سرحد پر ایک گاؤں میں پہنچا۔ اس کی ظاہری صورت ذلت آمیز اور افسوسناک تھی لیکن قلعہ وگدہ گھاٹ کے کمانیر نے اسے خفیہ طور پر اپنا لباس دیدیا اور بظاہر اس کی معززانہ

---

[931] یہ شلوک اس لحاظ سے دلچسپ ہیں کہ شائد سنسکرت نظم میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ برفانی پہاڑوں کو عبور کرنے کی مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کلہن نے جو تفاصیل دی ہیں وہ ذاتی تجربہ سے ملتی جلتی معلوم ہوتی ہیں۔ یونانی اور لاطینی زبانوں کی نظم میں بھی یہی کمی پائی جاتی ہے اور اس کے برابر کی واحد مثال وہ ہے جو سٹیلیکو کے کوہستان ایلپس کو عبور کرنے کے متعلق کلاڈین نے ڈی بیلو گیٹی کو کے صفحہ ۳۴۰ پر دی ہے۔

آؤ بھگت کی۔ جب ودسیہ کو دور سے اس کی آمد کی خبر اس قاصد کے ذریعہ ملی جو کمانیر موصوف نے اس کے پاس بھیجا تھا تو اس نے ایک چتر۔ آلات موسیقی اور دیگر علامات شاہی بھیجیں۔ اسی کمانیر کے ذریعہ اس نے بھوج کو اس جگہ آنے کی مبارکباد کہلا بھیجی اور اپنا خزانہ اس کے اختیار میں کر دیا۔

جب بھوج قصر شاہی میں جا کر راجکمار کی حیثیت میں زندگی بسر کرنے لگا تو راج ودن کا بیٹا اس سے شرف ملاقات حاصل کرنے آیا اور اسے اس بات پر آمادہ کرنا چاہا۔ کہ اس کے باپ کی حمائت کرے۔ اسے اس کے پاس اس کے باپ نے بھیجا تھا جس کا اب راجہ سے قطعی طور پر بگاڑ ہو چکا تھا۔ اس حالت میں بھوج کو ایسا معلوم ہوا کہ اسے صاف طور پر جواب دینا گویا حکمت عملی کے اس جال کے سرے کو جو دشمن پر ڈالا جائے اس کے حوالہ کر دینے کے برابر ہو گا۔ اس نے اسے ایک ایسا جواب دے بھیجا جس میں معاملہ کی اہمیت اور اعتبار کی کمی دونوں باتیں نمایاں تھیں۔ اور اس طرح پر نہ تو اسے صاف لفظوں میں "ہاں" اور نہ "نہ" کہا۔ اس پر راج ودن نے قاصدوں کی زبانی اسے کہلا بھیجا کہ "تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ آیا میں ابھی تک راجہ کا مشیر ہوں یا اس سے بالکل قطع تعلق کر چکا ہوں۔"

راج ودن کی بغاوت } بھوج کو اپنے ارادہ کا استقلال جتلانے کے لئے اس نے ایک خاندانی جھگڑے کے عذر پر ناگ وغیرہ سے لڑائی شروع کر دی گو راجہ نے انہیں قبل ازیں بے قصور قرار دیا تھا۔ وہ نہایت بہادر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود بے وسیلہ ہونے کے با اختیار بن گیا۔ رفتہ رفتہ لڑائی میں وہ ان کے برابر ہو گیا اور اس کے بعد ان پر غالب آ گیا بتدریج اس عجیب و غریب شخص نے ایسا درجہ حاصل کر لیا کہ ناگ کے رشتہ داروں کو اس کی ملازمت میں آتے شرم محسوس نہ ہوتی تھی۔ فیاضی۔ صبر۔ راست بازاری

بے حرصی اور دیگر اعلیٰ صفات نے اسے یہاں تک ممتاز کیا کہ گو اس کا ابھی اُٹھتا عروج تھا تاہم اس کے ساتھ اس طرح ہمراہی جمع ہو گئے گویا ہمیشہ سے با اختیار تھا۔ یہ بات کچھ تعجب خیز نہیں کہ پرتھوی ہر اور باقیوں نے جو باوسیلہ تھے پورے استقلال کا اظہار کیا۔ البتہ تعریف کا مستحق راج ودن ہے جس نے بے یار ومددگار ہوتے ہوئے اتنے بڑے کام کا بیڑا اُٹھایا۔ اس نے چوروں۔ جنگلی لوگوں اور گھوسیوں کا ایک بہت بڑا مجمع اکٹھا کر لیا اور خود دیہات پر قبضہ کر کے بھوج اور اس کے آدمیوں کا منتظر ہوا۔ دوسرے ڈامروں نے بھی عاقبت اندیشی کو بالائے طاق رکھدیا جس کی وجہ معلوم نہیں وزرا کا باہمی نفاق تھا یا لوٹ مار کی خواہش۔ انہیں بغاوت کی جو خواہش لگی ہوئی تھی وہ لوتھن کی گرفتاری پر ابتدا ہی میں دبا دی گئی تھی۔ لیکن اب اس کی سینکڑوں شاخیں پھر پھوٹ نکلیں۔ ترلک اور جیراج ہرچند کہ راجہ کے منہ لگے آدمی تھے تاہم وہ بھی اس جوش سے بچ نہ سکے اور آخرکار اس سازش میں شریک ہو گئے۔

ترلک کے پاس سارے ڈامر اس طرح جمع ہوا کرتے تھے جیسے گڑھے میں اُلو۔ تپ دق میں تمام امراض۔ دوزخ میں شیاطین۔ اور سمندر میں آبی دیو۔ اس شخص نے مکر سے ضلع دیوسرس کے حاکم کو اپنا طرفدار بنالیا اور بغاوت شروع کر دی۔ اس پر اس علاقہ کے برہمنوں نے اپنی زمینیں بچانے اور اسے دبانے کے لئے وجیشور میں راجہ کے خلاف پرایوپویش شروع کر دیا۔ راجہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ وقت ڈامروں کے استیصال کے لئے موزوں نہیں ہے لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ اس پر آخرکار راجہ بھی انکے کہنے کے مطابق عمل کرنے پر راضی ہو گیا۔

جب راجہ مہم پر روانہ ہونے لگا۔ جے راج جو باغیوں کا سرغنہ تھا ایک خطرناک

پھوڑا نکل آنے کی وجہ سے مرگیا۔ اس پر خوش نصیب راجہ برہمنوں کو خوش
کرنے کے لئے مدور راجیہ کی طرف روانہ ہوا جہاں سے اس طرح پر ایک دشمن کم
ہوگیا تھا۔ برہمنوں کو دوسرے وزیروں نے النکار کے خلاف بھڑکا دیا تھا۔ اور
وہ اس کی موقوفی پر مصر تھے۔ ناچار راجہ نے ۸ نیک کہنے سننے پر اسے برطرف کردیا
جب کبھی ڈامر بری حالت میں ہوتے تو وہ ہمیشہ انہیں صلح پر رضامند کرنے کے
لئے کوشش کیا کرتا تھا اس لئے اس کے حریص ہم جلیس خیال کرتے تھے کہ وہ
ان کی شرارتوں کو ترقی دیتا ہے۔ راجہ نے برہمنوں سے یہ کہکر ان کا پرایوپویش
چھڑوا دیا کہ دعویداران تاج کا تصفیہ کرکے میں ترلک کا ضرور استیصال کرونگا
اس پر ترلک نے خوف زدہ ہوکر مختلف طریقوں پر اپنی دشمنی کے ذریعہ راجہ کو
اس پوشیدہ مرض کی طرح تنگ کرنا شروع کیا جو گو نظر نہیں آتا تاہم دوسری
خرابیاں پیدا کرکے تکلیف دیتا ہے۔

دیوسرس میں فساد ترلک کے کہنے پر راجک[۹۳۲] نے اپنے بھتیجے یشوراج
پر جو جے راج کا چھوٹا بھائی تھا اور جسے راجہ نے
اس کی جگہ مقرر کردیا تھا حملہ کردیا۔ سنج پال یشوراج کی محافظت کے لئے دیوسرس
پہنچا جہاں آخرالذکر دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا لیکن ہمراہ فوجیں چونکہ تھوڑی
تھیں اس لئے اپنی فتح کی امید مشتبہ نظر آنے لگی۔ یہ خبر پاکر رلہن جنگ کرنے
بڑھا اور فتح کی دیوی کی نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ جب اس نے بلونے والے
پہاڑ (مندر) کی مانند دشمنوں کے سمندر کو بلوڈالا تو سنج پال بادل کی مانند اس
قابل ہوگیا کہ چھوٹے چھوٹے دشمنوں کو جو آبی ذرات کا درجہ رکھتے تھے اپنی طرف

۹۳۲ھ راجک بھوجک کا بھائی تھا اور بھوجک جے راج اور یشوراج کا باپ
دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۵۱۲۔

جذب کرے۔ جس طرح چھوٹا بچہ کسی تنہا مقام پر نہیں رہ سکتا۔ ایسے ہی جب راجک شکست یاب ہو گیا تو یشورج بغیر کسی محافظ کے اس جگہ ٹھیرنے کے ناقابل تھا۔

ترلک کی سازشیں

ترلک کو چونکہ خوف لگا ہوا تھا کہ ان دشمنوں کے ساتھ جو تخت کے دعویدار بنے ہوئے تھے۔ راجہ کی لڑائی جلد ختم ہو جائیگی اسلئے کئی چالیں چلکر راجہ کا وقت ضائع کر رہا تھا جسطرح سیپ اپنے تکلون کو ہر طرف پھیلا لیتی ہے ایسے اسنے موقعہ پا کر مختلف اطراف سے دشمنوں کو جمع کر لیا جنہیں اس نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ انہی ایام میں پرتھوی ہر کا بیٹا چتنک جو کوشٹ کا چھوٹا بھائی تھا قید خانہ سے فرار ہو گیا تھا۔ ترلک چونکہ اس کا خسر پورہ تھا اس لئے اس نے اسے اپنے پاس پناہ دی اور اس کے بعد بیشمار ڈامر ساتھ دیکر اس سے سمالا پر حملہ کروا دیا۔ جس طرح تالاب کے اندر مچھلیاں عقاب کی آواز سنکر سطح پر آجاتی ہیں ایسے ہی اس کی آواز سنکر تمام ڈامر جمع ہو گئے۔ اس وقت گگ (گرگ چندر) کے بیٹے سست چندر نے بہادر راج دون کر اس طرح روکا ہوا تھا جیسے ساحلی چٹان اس وقت سمندر کو روکتی ہے جب وہ تباہی کے لئے بلند ہوتا ہے۔ یہ دونوں جن کی جمعیت گھٹتی بڑھتی رہتی تھی کسی برفانی چوٹی کی ڈھلان سے مشابہ تھے جس میں موسم گرما میں مٹی بھی نظر آتی ہے اور برف بھی[۹۳۳] سست چند کے چھوٹے بھائی جے چندر اور سری چندر ہر چند کہ قصر شاہی سے وظیفہ پاتے تھے تاہم راجہ نے انہیں نظر انداز کر رکھا تھا۔ اب انہیں اس بات کی توقع نہ تھی کہ پھر راجہ کے منظور نظر بن سکینگے۔ اور اپنے بڑے بھائی کی طرف سے

[۹۳۳] مخفی نہ رہے کہ جے سنگھ کی شادی گن لیکھا سے ہو چکی تھی جو سست چندر اور اس کے بھائیوں کی بہن تھی۔

اندیشہ لگا ہوا تھا۔ جس کی بوجہ اس کی خدمات حسنہ کے راجہ بہت کچھ قدر و عزت کرتا تھا۔ آخر وہ فوج سے بھاگ کر راج ودن سے جا ملے اور اس طرح پرگویا راجہ کے دو خسر پورے اس کے دشمن بن گئے۔

انہی ایام میں اگلے راجاؤں کی جمع کی ہوئی دولت حاصل کرنے کی خواہش میں اس نے بے شمار کھشوں سے بھوتیشور[۹۳۴] کا مندر لٹوا دیا جو پہاڑوں پر سے ہو کر اس جگہ پہنچ گئے۔ سارا ملک نہایت افسوسناک حالت میں پڑ گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی راجہ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ چوروں کے حملہ سے کوئی امان نہ تھی اور طاقتور کمزوروں کو قتل کر دیتے تھے۔ کمانڈر انچیف اودے اور رلہن کو چتشک پر حملہ کرنے کا حکم دیکر راجہ افسردگی کی حالت میں شہر کو روانہ ہوا۔ پرتھوی ہر کے بیٹے (چتشک) کو دونوں کی فوجوں نے روکے رکھا لیکن اسے مار نہ سکے جس طرح کسی لاعلاج زبردست مرض کو ادویہ کے ذریعہ روک سکتے ہیں۔ لیکن دور نہیں کر سکتے۔ کچھ عرصہ کے لئے رلہن کی شہرت میں بھی فرق آگیا جسکی وجہ شائد اس کی اعتدال پسندی یا اپنے ہمراہیوں کے متعلق بُرے ارادے رکھنا تھی

---

۹۳۴ بھوتیشور جس کا موجودہ نام بوتھ شیر ہے اس کے مندر کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۴۸ کتاب ہذا۔

کھوئی ہوم (کھوئی آمرم) سے جہاں ہمیں فرض کرنا پڑتا ہے کہ راج ودن کا ہیڈکوارٹر تھا بوتھ شیر تک پہاڑوں پر سے پہنچنے کا راستہ یا تو یہ ہے کہ کوہ ہر مکھ کے جنوب کی طرف سے ہو کر براستہ ایرن نال۔ لود۔ برہم سر وغیرہ کے جائیں یا ہر مکھ کے شمال کی طرف ہو کر براستہ بند پور نال جاتریوں کی اس سڑک پر سے جو جھیل گنگا کی طرف سے آتی ہے بوتھ شیر کو اُتر آئیں۔ دونوں صورتوں میں لٹیرے اس مندر کے پروہتوں پر یکایک اچانک حملہ کر سکتے تھے۔

دردوں اور ملیچھوں کا بھوج کو مدد دینا } جب دردسیہ کو بھوج کی خبر ملی تو اس نے والیاں ریاست کو جمع کرنے کے لئے شمالی ممالک کی طرف قاصد روانہ کئے۔ ملیچھ سردار کوہ ہمالیہ کی نواحی وادیوں میں سے نمودار ہوئے[۹۳۵]۔ یعنی ان وادیوں میں سے جن میں کبیر کی ہوی پوشیدہ طور پر بے شعوری کے افعال کا ارتکاب کرتی رہی تھی جہاں کے غار کنروں کے گیتوں سے گونج رہے ہیں۔ جو گرم ریت کے سمندر کی سردی سے واقف ہیں۔ اور جو اپنی کو ہی باد نسیم (اتر کوروس) کے ذریعے خوش کرتی ہیں۔ انہوں نے ان تمام علاقوں کو اپنے گھوڑوں سے بھر دیا اور فرمانروائے قوم ورد کے کمپ میں جا شریک ہوئے۔

جب دردوں کا حاکم اس طرح پر والیان ریاست کو جمع کر رہا تھا ان کے باجگذار حاکم تمام اطراف سے آکر بھوج کے پاس جمع ہوئے۔ وہ ایک عجیب بولی بولتے تھے اور جس طرح سلوک کرنے سے بندر ہل جاتے ہیں۔ اس طرح واقفیت بڑھا رہے تھے۔ اس حالت میں انہیں پہاڑوں سے اترتے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ ان کے علاوہ جے چندر دوسرے کشمیری اور کبیر[۹۳۶] بھی جنہیں راج ودن نے

[۹۳۵] یہ امر قابل افسوس ہے کہ کلہن نے علاقہ ہمالیہ کا صرف فرضی جغرافیہ دینے پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ ہمیں اسٹور۔ گلگت۔ سکرڈو وغیرہ کے پرانے نام جہاں سے ددسیہ کے معاونوں کا حاصل کیا جانا اغلب ہے معلوم ہو جاتے۔ اگر لفظ ملیچھ پر زور دیا جائے تو ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ سندھ کے قبائل ورد کو بدھ مت سے اسلام میں لانیکا کام ۱۲ ویں صدی میں ہی بہت کچھ ترقی کر چکا تھا۔ وردوں کے مذہب کے متعلق دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحہ ۴۲۹۔

"بحر ریگ" اور اتر کرس کے ویسے ہی فرضی ملک کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۲۴۹ کتاب ۱۔

بھیجا تھا اس سے آملے۔ سلہن کے بیٹے کے پاس صرف کرنے کے لئے بہت سی دولت تھی۔ اس نے سونے کے ذریعہ فراخدلی کے ساتھ ان لوگوں کو جو اس کے ہمراہ تھے نیز بل ہر[۹۳۷] جیسوں کی جو فاصلہ پر تھے مدد کی۔ جب راج ودن نے سازشوں کے ذریعہ بغاوت کو خوب پختہ کر دیا تو وہ نڈر ہو کر بھوج سے ملنے آیا۔ انہوں نے اظہار مدعا کے ذریعہ ایک دوسرے کو تسلی دی اور ایک دوسرے کی نسبت ان میں جو بدگمانی تھی دور ہو گئی۔ بھوج کا تو یہ خیال تھا کہ ہماری تیاری اس قدر نہیں کہ ہم دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ البتہ راج ودن کو اپنی طاقت پر پورا بھروسہ تھا اور وہ اس بات پر مصر تھا کہ چند سوار جو موجود ہیں انہیں ہی امداد کے لئے ساتھ لے لیا جائے

۹۳۶ وراہ مہر کی برہت سنگھتا کے ادھیائے ۱۴ اشلوک ۲۹ میں کیرا ایک نسل کا نام ظاہر کیا گیا ہے جو شمال مشرق میں کشمیریوں ابھیسروں اور وردوں کی مانند آباد تھی۔ بعض لغات دانوں کا خیال ہے کہ کیر کشمیریوں ہی کا دوسرا نام ہے۔ لیکن اس شلوک سے اس بارہ میں ہر قسم کے شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ اس امر کی تصدیق کہ کیر کا نام نواحات کشمیر کی کسی قوم یا قبیلہ کے لئے استعمال ہوتا تھا اسنت کے زمانہ کی چمبہ کی ایک تانبہ کی پلیٹ سے ہوتی ہے جسے پروفیسر کیل ہورن نے کتاب انڈین اینٹی کوئیری کی جلد ۱۷ صفحہ ۷ پر شائع کیا ہے۔ اس میں کیروں پر سہل دیو کی ایک فتح کا ذکر ہے جس کا نام اس جگہ درگروں یعنی ڈگروں اور ترگرتیوں کے درمیان آیا ہے۔ یہ امر واقعی عجیب ہے کہ کشمیر کی دیگر کتب میں اس قوم کے متعلق اور کوئی حوالہ نہیں پایا جاتا۔

۹۳۷ کلہن نے بل ہر کا لفظ جا بجا راج ودن کے بجائے استعمال کیا ہے جو تیجس بلہر کا بیٹا تھا دیکھو نوٹ نمبر ۹۲۸ کتاب ہذا۔ جب ہم ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۶۹-۲۷۷۶-۲۸۵۷ تا ۲۸۶۷ اور ۲۹۰۱ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ راج ودن اور بلہر ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ یہ امر اغلب ہے کہ بل ہر کسی قبیلہ یا خاندان کا نام ہے۔

اور دردوں کے سردار کا انتظار نہ کیا جائے۔ بھوج نے کہا اگر دشمن ہماری فوج کے پہلے ہلے کی تاب لاسکا تو مقابلہ برابر کا ہوگا۔ اگر ہمیں شکست حاصل ہوئی تو ہمارا اتماد ٹوٹ جائیگا۔ اس لئے میں صرف ایک ہی لڑائی لڑنا چاہتا ہوں جس میں ہم سب مل کر حملہ کریں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ پھر ایک ہی دن میں فتح یا شکست ضرور حاصل ہو کر رہے گی"۔ راج ودن نے اس صلاح پر مضحکہ اڑایا اور وہ مسکراتا ہوا آنے والی فوج کا انتظار کئے بغیر دردوں کی جمیعت کو لیکر آگے بڑھا۔

بھوج کا حملہ جب یہ راجکمار درہ کے آخیر تک ہراول فوج کے پیچھے پیچھے چلا گیا تو اس نے سنا کہ دردوں کا فرمانروا آپہنچا ہے وہ تو اس سے ملنے قلعہ[۹۳۸] (دوگدہ گھاٹ) کی طرف مڑا لیکن بل ہر فوج کو لیکر ماتر گرام کی سمت میں بڑھا چلا گیا۔ ہر چند کہ دشمن کے گھوڑے اتنے بیشمار تھے کہ معلوم ہوتا تھا ہر طرف آوارہ ہرن پھر رہے ہیں۔ تاہم گرگ کا بیٹا دست چندر جو فطرتاً مستقل مزاج تھا بے حوصلہ نہ ہوا۔ نیلاشو کے تمام ڈامر اور سپاہی دشمن سے

۹۳۸ اس جگہ جس کوٹ (قلعہ) کی طرف اشارہ ہے وہ قلعہ وگدہ گھاٹ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جس کی نسبت نوٹ نمبر ۴۷ کتاب ہذا میں بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ اس پرانی سڑک کو روکے ہوئے تھا جو درہ دو کھٹ سے ہو کر وادی کشن گنگا کو جاتی تھی۔

ماتر گرام موجودہ زمانہ کے ماتر گوم کا نام ہے جو وادی بندپور میں اس جگہ کے قریب واقع ہے جہاں سے گلگت کی جدید سڑک درہ تراگ بل کی طرف چڑھتی ہے۔ یہ گاؤں پیمائش کے بڑے نقشہ پر د۔ ج ہے اور کرال پور کے قریب واقعہ ہے۔

ماتر گوم اس جگہ واقع ہے جہاں بندپور ندی (مدھومتی مذکورہ ترنگ، شلوک ۱۱۷۹) کا تنگ راستہ ختم ہوتا ہے۔ یہ پہلا مقام ہے جہاں درہ دوکھٹ کی طرف سے آنے والی فوج آرام کے ساتھ خیمہ زن ہو سکے

مل کر اس کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ ہر چند کہ وہ خطرہ کی حالت میں تھا تاہم جب اس کے اپنے آدمیوں نے اسے رخصت ہونے کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا "میں اپنے آقا کا چہرہ نیچے کی طرف جھکا ہوا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا" سوریہ ورم[۹۲۹] چندر کی نسل میں ایک شخص بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے خاندان مل کے آدمیوں کی خدمات حسنہ سرانجام نہ دی ہوں۔ ودسیہ نے جس کے ہمراہ دیگر والیان ریاست تھے بھوج کا عزت سے استقبال کر کے اسے مع امرا کے فتح حاصل کرنے کے لئے رخصت کیا۔ اس کے بعد وہ اس کے کوئی ایک کوچ کا فاصلہ پیچھے پیچھے چلتا گیا اور بیشمار ملیچھوں کی جمیعت ساتھ لے لی۔ چونکہ جو فوج اس کے پیچھے پیچھے تھی بوجہ کثیر التعداد ہونیکے دنیا میں لرزہ پیدا کر رہی تھی اس لئے سلہن کے بیٹے نے غرور میں آ کر خیال کیا کہ ساری دنیا ہی میرے ہاتھ میں ہے، اس جمیعت میں چند سوار اور ملیچھ افسر اور شریک ہو گئے اور انہوں نے سمدر دھارا نامی ایک مقام پر قیام کیا جہاں ان کی موجودگی سے خوف پیدا ہو گیا۔

سست چندر پر حملہ راج ودن نے اس قدر نا قابل مغلوب بہادر جمیعت دیکھ کر خیال کیا کہ سست چندر یقیناً موت کے منہ میں آ جائیگا۔ انہی ایام میں موسم برسات کے بادلوں سے یہاں تک پانی برسا کہ جل تھل ایک ہو گیا۔ جب زمین ایک پیالہ کی مانند بن گئی جو بجائے شراب کے پانی سے بھرا ہوا ہو تو اس میں ڈوبے ہوئے درخت جن کی صرف چوٹیاں نظر آتی تھیں سطح آب پر نظر آنے والے نیلے کنول پھولوں سے مشابہ تھے

---

[۹۲۹] ڈامر سوریہ ورم چندر کا ذکر ترنگ ۷ کے شلوک ۳۵۷ و ۱۲۶۴ میں آتا ہے اور جب ہم آخر الذکر شلوک کو ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲ سے ملا کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنک چندر اور گرگ چندر کا باپ تھا۔

جب راجہ کو سست کی نازک حالت کی خبر ملی تو اس نے دوارپتی اودے اور دھنیہ کو باقی ماندہ فوج دیکر روانہ کیا۔ راستہ میں دریا پڑا جس کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکے اور آخر ایک پک ڈنڈی پر ہو لئے جس طرح دھننجے (ارجن) کی مہم کے موقعہ پر سینی کے بیٹے (ساتکی) اور پون کے بیٹے (بھیم سین) نے کیا تھا۔ بجلی لگاتار چمک رہی تھی رعد کڑک رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ (بجلی اور رعد) آسمان جس کے بادل نیچے جھکے ہوئے تھے اور زمین جس پر پانی پھیلا ہوا تھا کے درمیان سیئے ہوئے ہیں۔ راجہ اپنی فوج سے بالکل علحدہ ہو گیا اور اس کے ساتھ محض ایک نمائشی جلو باقی رہا۔ اس سے پہلے ترنک کو راج ودن کی دیانتداری پر اعتبار نہ تھا۔ قاصدوں کے ذریعہ اس نے دردوں کو متنبہ کر دیا کہ بھوج کو اس کے حوالہ[۹۴۰] نہ کریں اور خود پرتھوی ہر کے بیٹے (چتنک) کی مدد کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ راج ودن یا چتنک ان دونوں میں سے کسی ایک کی مدد سے بھوج کو اپنے قبضہ میں لے آئے

ترنک نے ایک طرف توبل ہر کی عظیم طاقت کو دیکھا جو بغیر دیوار کے (ہوا پر) تصویر بنا سکتا تھا اور دوسری طرف راجہ کی طرف غور کیا جو ہر طرف سے دشمنوں کے دباؤ میں آیا ہوا تھا۔ اس کی فوج مختلف حصوں میں بٹی ہوئی تھی اور وہ لاعلاج تکلیف میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی شرارت کی کوئی انتہا نہ تھی اب اس نے سیہ کی مانند ایک اور خطرناک کانٹا (دشمن) باہر نکالا جسے اب تک چھپایا ہوا تھا۔

---

۹۴۰ ترنک دراصل یہ چاہتا ہے کہ مدعی سلطنت بالکل راج ودن ہی کے زیر اثر نہ رہے بلکہ اس سے اپنا کام بھی نکالنا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ چتنک کو دوسرے باغی سردار سے بھڑاتا ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۷۴۷۔

ترنک بھوج کو "دوسرا راجکمار" اس لئے کہتا ہے کہ پہلا دعویدار سلطنت لوتھن تھا

شور پور میں لوتھک کی لڑائی

دفعتاً شور پور میں پرتھوی ہر کا بیٹا لوتھک[۹۴۱] نمودار ہوا جسے ترلکسنے خوب اچھی طرح تیار کر دیا تھا۔ اس کے ہمراہ اور بہت سے ڈامر تھے اور اب وہ اس کے فریق کے دو حصوں میں اس طرح قائم ہو گیا جیسے وہ غبار جو تاریکی اور اندھیرا کرنے والے بادلوں کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی پرجوش سازشوں کے لئے مشہور تھا اور ہمیشہ اس دھن میں لگا رہتا تھا کہ جہاں کہیں راجہ جس نے اس کے خاندان کو تباہ کر دیا تھا مصیبت میں ہو یہ خود بھی اس کام میں حصہ لے وہ ایک مدت سے سازشوں کی سوچ بچار میں تھا۔ اب اس کی دشمنی اس طرح نمودار ہوئی جیسے بارش سے بھرے ہوئے تالاب کا بند ٹوٹ جانے سے پانی بہ نکلتا ہے۔ جس طرح دنیا اس وقت وشنو کے پیٹ[۹۴۲] سے نکلی تھی جبکہ وہ سمندر پر سویا پڑا تھا ایسے ہی اس کی طاقت برسات کے موقعہ پر نمودار ہوتی نظر آتی تھی پنچ دیو[۹۴۳] جو شور پور درنگ کا کمانیر تھا اس کی جمعیت اس لشکر کو گننے کے لئے بھی

---

[۹۴۱] سٹائن صاحب خیال ظاہر کرتے ہیں کہ لوتھک غالباً پرتھوی ہر کا وہی بیٹا ہے۔ جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۹۶ میں لوتھن کے نام سے آچکا ہے۔ جے سنگھ نے لوتھک کے بھائی کو شتھیشور کو مروا ڈالا تھا اور چتنتک کو قید کر دیا تھا۔ دیکھو ترنگ شلوک ۲۳۱۱۔

[۹۴۲] برہما جو اس دنیا کا خالق ہے اسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ وشنو کے ناف کمل سے پیدا ہوا تھا۔

[۹۴۳] بہادر پنچ دیو اس سے ۱۶ سال پہلے شور پور درنگ کا کمانیر رہ چکا تھا دیکھو ترنگ شلوک ۱۵۷۷۔ اس جگہ غالباً دریائے ریمبیار کی طرف حوالہ ہے جو شور پور کے پاس سے ہو کر بہتا ہے دیکھو نوٹ نمبر ۵ ضمیمہ کتاب ہذا۔

ناکافی تھی اسکے پاس مناسب سامان نہ تھا اور ان میں سپاہی بھی چند ایک ہی تھے۔ لیکن باوجود اتنی مختصر فوج کے اس نے لوتھک کی سپاہ کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور کچھ حصہ دریا میں غرق کر دیا۔ کنار دریا پر اس قدر چتائیں جل رہی تھیں کہ انکے عکس سے دریا میں ڈوب مرنے والوں کا بھی سنسکار ادا ہوتا نظر آرہا تھا۔ لوتھک ایک روز موت کو فراموش کر کے لڑا لیکن جب اس کی جمعیت شکست یاب ہو گئی تو اس کے دوستوں نے بمشکل اگلے روز اسے پیچھے ہٹنے کی ترغیب دی۔

جبکہ وہ ستور پور کے اس ویران گاؤں میں تمام اطراف سے اپنی منتشر فوج کو جمع کر رہا تھا اسے خیال تھا کہ شہر پر بآسانی دو تین یوم میں قبضہ ہو سکیگا اس کا ارادہ پدم پور پر حملہ کرنے کا تھا لیکن ترلک نے اسے یشوراج اور کمانڈر انچیف کے خوف سے جو پچھلی جانب موجود تھے اس کام سے باز رکھا۔ ہولدا کے اس ڈامر[۹۴۴] کا اکیلے کا اتنا رسوخ تھا کہ جب اس نے اس کام کی منظوری نہ دی تو تمام لونیوں نے بالکل حملہ نہ کیا گو وہ لوتھک کا حکم ماننے کو تیار رہتے تھے۔ سسل نے تاج کے لئے جو لڑائی کی تھی اس میں بھی اس قسم کی دقتیں نہ پیش آئی تھیں جیسی اس موقعہ پر حائل ہوئیں۔ راجہ نے چتنک کو پاؤں کے مرض (جوتی کا چھالا) کے برابر جانکر اسے تو نظر انداز کر دیا اور رلہن کو لوتھک کے پسپا کرنے کو بھیجا جو اسے گردن کی سوجن کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ جب یہ وزیر اسے مارنے کے لئے بڑھا تو اس کے پیچھے پیچھے سمالا کے باشندے

---

[۹۴۴] ہولدا کے ڈامر سے مراد غالباً ترلک سے ہے۔ آخر الذکر کے وطن کا کہیں واضح طور پر ذکر نہیں کیا گیا البتہ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲۹۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مارتنڈ سے زیادہ فاصلہ پر نہ ہو گا۔ شائد وہ بالائی وادی لدر میں تھا جو ہولدا یا ولر سے ملی ہوئی ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۱۳۱ میں جن حالات کا ذکر آتا ہے ان سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اس طرح گرے جیسے پارتھ (ارجن)[۹۳۵] کے پیچھے پیچھے اس وقت اس کے ساتھی گئے تھے جب وہ پراگ جیوتش کے راجہ کو قتل کرنے چلا تھا۔ اس نے پیچھے مڑکر انہیں شکست دی اور اس کے بعد پھر تیزی سے اس طرح دشمن کی طرف بڑھا جیسے ہاتھی کنول کے تالاب کی طرف بڑھتا ہوا شہد کی مکھیوں کو مارتا جاتا ہے آخر کار جنگ وجدل سے تھک کر رات اس نے رامش[۹۳۶] میں گذاری۔ جہاں ندیوں کی آواز دشمن کی فوج کے نعروں کی مانند سنائی دیتی تھی۔

لوتھک اور رلہن کی لڑائی

صبح کے وقت جب کہ وہ کلیان پور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوتھک نے جس کی فوجوں کا دل بادل افق تک چھایا ہوا تھا۔ اس پر حملہ کرکے اس کو روک دیا جونہی دشمن کی پیادہ فوج مقابل ہوئی لوتھک نے اسے دیکھتے ہی حملہ کرکے اس طرح منتشر کردیا جیسے کوئی بڑا سانپ (اژدہا) اپنے سامنے کی بکریوں کو نگل جاتا ہے۔ اس کے حملہ کرنے پر رلہن کے پیادہ سپاہی اس طرح اس کا ساتھ چھوڑ گئے جیسے طوفان کی آمد پر موسم خزاں میں درخت کے پتے اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ان بدبختوں کو عین اس کے سامنے بھاگتے ہوئے شرم نہ آتی تھی۔ کون ہے جو فرض کو اس قدر افضل سمجھتا ہو کہ زندگی کی پرشوق محبت پر بھی اسے ترجیح دے؟۔

---

[۹۳۵] ارجن کے سنشپک کے ساتھ لڑنے کے قصہ کے لئے دیکھو مہابھارت پرب، سرگ ۷، ۲ شلوک ۱۔

[۹۳۶] اگلے شلوک میں کلیان پورا (کلم پور) کا ذکر آنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رامش سے مراد رامُش سے ہے جس کا موجودہ نام راموہ ہے اور اس سیدھے راستہ پر جو سمالا سے شورپور کی طرف جاتا ہے واقع ہے دیکھو نوٹ نمبر ۱۲۷ کتاب ہذا

رلہن کی بہادری

جب اس کے دوستوں نے بھاگتے ہوئے رلہن کو بھی اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا تو اس نے انہیں بدیں الفاظ مخاطب کیا جن کی یاد آقا کی وفاداری کے لحاظ سے خالق (برہما) کے چہرے پر بھی مسکراہٹ لاسکتی ہے۔ "اگرچہ فریقین میں عزت کے خیالات یکساں ہوتے ہیں پھر بھی عام لوگ فاتح کی مفتوح سے زیادہ عزت کرتے ہیں۔ اس شخص کی زندگی قابل شرم ہے جو نمک خوار ہوتا ہوا بھی اپنا فرض ادا کرنے سے دیدہ دانستہ قاصر رہے۔ راجہ کے قدموں میں خدمت کرتے ہوئے میرے چہرے پر پہلے سیاہ ڈاڑھی نمودار ہوئی اور اس کے بعد بڑھاپے کی سفید۔ جس طرح جھیل کی سطح پر پہلے نیلے کنول نمودار ہوتے ہیں اور ان کے بعد سفید۔ اگر میرے قدم لڑکھڑا جائیں تو پھر کیا خوش قسمتی (لکشمی) کی برکتیں جو کہ خوشی کے تیوروں سے چمک رہی ہیں مضحکہ خیز نہ ہو جائینگی؟ یہ شیوہ بہادروں کا نہیں بلکہ بزدلوں کا ہے کہ ذرا سی محنت کے خوف سے قسمت سے منہ پھیر جائیں۔ جب انسان کپڑے اُتارتا ہے تو اسے سردی سی لگنے لگتی ہے لیکن جب وہ تیرتھ کے مقدس پانی میں نہالیتا ہے تو اسے خوشی کا ایسا زبردست احساس ہوتا ہے جو برہما کی بے نظیر خوشی سے مشابہ ہوتا ہے۔ جو لوگ میدان جنگ میں جان دینے لگیں انہیں شروع شروع میں افسردگی سی معلوم ہوتی ہے لیکن بعد میں انہیں اس خوشی کے حاصل کرنے کا اطمینان ہوتا ہے جسے کامل راحت (کیولیہ) کہتے ہیں۔"

اتنا کہکر وہ اکیلا دشمن کی صف میں گھس گیا اور تیر جو اُسے لگتے تھے انکی سنسناہٹ شیر کے نتھنوں سے نکلنے والے سانس کے مشابہ تھی۔ اس کی تلوار میدان جنگ میں ایک بلند لہر کی مانند نظر آتی تھی اور وہ اس کے سنہری قبضہ

کی چمک کی وجہ سے اس کھلاڑی سے مشابہ نظر آتا تھا جس نے اپنے بدن پر ہڑتال لگائی ہوئی ہو۔ اس کی تلوار کے ساتھ جو دشمن کی تلواروں پر پڑ رہی تھی دشمنوں کی جانیں ایک جال کی مانند اس طرح لگی ہوئی تھیں جیسے گھاس کے تنکے کھربلے کے ساتھ جا لگتے ہیں۔ جنگ میں جو لوگ اس کے ہمراہ گئے انہیں دشمن حیوانات کی مانند نظر آتے تھے۔ اور ان کی جانیں بھی اس طرح ضائع ہو گئیں جیسے جانور گھاس کو کھا جاتے ہیں۔ جس طرح وہ پانی جسے ایک بڑی مچھلی نگلتی ہے اسکے گلپھڑوں کے راستہ نکل جاتا ہے حالانکہ اُس کا منہ بند ہوتا ہے ایسے ہی وہ موت کے منہ سے جس میں وہ پڑ چکا تھا کسی رخنہ میں سے نکل گیا۔

جب متواتر حملے کرتے رہنے کے بعد وہ کسیقدر دم لینے کی خاطر ایک طرف کو ہو گیا۔ تو گو اس کی بہت سی فوج ضائع ہو چکی تھی تاہم وہ دشمن کی طرف نخوت آمیز نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی اثناء میں پیچھے کی طرف سے چتشک کی طاقتور فوج نے اس پر حملہ کیا بحالیکہ پہلے اسے خیال تھا کہ وہ میرا طرفدار ہے اور میری امداد کے لئے آرہا ہے۔

جب اس نے دونوں طرف سے دشمن کی فوج کو مقابل پایا تو اُسے اضطراب پیدا نہیں ہوا بلکہ وہ اس طرح پر خوش ہوا جیسے مور دو سر والا سانپ دیکھکر خوش ہوتا ہے۔ جس طرح بلونے والے پہاڑ (مندر) نے سمندر کے پہلوؤں کو ضائع کر دیا تھا ایسے ہی اس نے ان دو فوجوں کو باری باری آگے پیچھے حملہ کر کے تھکا دیا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر وہ بار بار ان دونوں فوجوں کی صفوں کے درمیان جو اس طرح ساکن تھیں گویا کیلوں سے جڑی ہوئی ہیں اس تیزی کے ساتھ پھر رہا تھا جس طرح جولاہا اپنے تانے کے بیچ میں پھرتا ہے۔ اس کی طرف سے ایک فوج کی بڑھتی ہوئی لہر کو بھاس نے اس طرح پر روکا جیسے کسی جزیرہ کے کنارے پر غار

کے دہانہ میں ایک طرف پانی جمع ہو جاتا ہو۔ وہ اس شجاعت سے کام لے رہا تھا کہ دشمن کے ہتھیار عورت کی بالیوں کی مانند ہلتے دکھائی دیتے تھے۔ فی الحقیقت اس نے دشمن کو مردوں کی طرح کام کرنے کے نا قابل بنادیا تھا۔ جب اس نے دشمنوں کے پیالہ کی شکل کے چہروں کو جو خوف وہراس سے سفید ہو رہے تھے پسینہ سے بھرا تو میرے خیال میں گویا اس نے راجہ پرررسم ابھیشیک کا تازہ پانی چھڑکا تھا۔ رات بھر وہ اور پرتھوی ہر کا بیٹا (لوتھک) اس طرح پر ایک دوسرے کی کمزوری کے منتظر رہے، جیسے ساحر اور بیتال رہتے ہیں۔

لوتھک کی شکست اگلے روز رلہن نے دشمن کو جنگلی قطعات[۹۴۷] کی طرف پسپا ہو جانے پر مجبور کر دیا اور راجہ کی فوجوں کو جو اس کی مدد کو آئی تھیں محض تماشائی بنادیا۔ آخر کار تیسرے دن سنج پال جو ترلک وغیرہ کے کمینہ پن سے واقف تھا رلہن سے آملا۔ جس طرح گہن کا کھایا ہوا درخت جیٹھ اساڑھ کی دھوپ کھا کر مرجھا جاتا ہے ایسے ہی راجہ کے تیج کی حرارت سے تنگ آکر لوتھک جنگل میں ان کے ہاتھوں مرجھا کر رہ گیا۔ اودے نے چتشک سے کئی بار مقابلہ کر کے اسے دبایا لیکن اسے بالکل نیست و نابود نہ کر سکا جیسے بارش سے چتا کی آگ مدہم پڑ جاتی ہے مگر بالکل بجھ نہیں جاتی۔ آخر کار رحالم ورد کی مغرور فوج پہاڑی ڈھلوانوں سے لڑائی میں شریک ہونے اُتری۔ اس کے گھوڑوں کے سنہری جھولیں پڑی ہوئی تھیں۔ لوگوں کو خطرہ لگ گیا کہ ترشکوں نے

---

[۹۴۷] کلم پور (کلیان پور) کے عین مغرب کی طرف کوسلسلہ پیر پنچال کی ڈھلوانیں واقع ہیں جن کے ایک بہت بڑے حصہ پر گھنے صنوبر کے درخت اگے ہوئے ہیں۔ ان کا ذکر سرپور نے بھی اس لڑائی کے دوران میں کیا ہے جو کلیان پور کے قریب ہوئی تھی دیکھو سرپور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۴۶۶۔ و نوٹ نمبر ا ضمیمہ کتاب ہذا۔

جس علاقہ پر حملہ کیا ہے وہ شائد انہی کے قبضہ میں پڑ گیا ہے اور سوچنے لگے کہ اب ملیچھ سارے ملک کو پامال کر دینگے۔

بھوج کے معاونوں کی شکست

جبکہ دھنیہ اور دوارپتی اودے ابھی ایک کوچ کے فاصلہ پہ تھے

سست چندر نے جو بے یار و مددگار تھا۔ ان کی تلواروں کا پہلا حملہ برداشت کیا۔ جس طرح دریاؤں والا پہاڑ شعلوں کی چمکدار قطاروں والی جنگلی آگ کو روک دیتا ہے ایسے ہی اس نے دشمن کی اس جمعیت کو جن کے گھوڑوں کے سنہری ساز و سامان تھے روک دیا۔ انہیں چونکہ اپنی تعداد کی طاقت پر بھروسہ تھا۔ اس لئے انہوں نے جے چندر وغیرہ کو جو آگے بڑھنے کے خلاف تھے الگ کر کے خود میدان جنگ کا رخ کیا۔ بیس تیس سواروں کے ساتھ گرگ کے بیٹے (سست چندر) نے جوش میں آکر حملہ کر دیا۔ اور انکے ہزارہا سواروں کو مغلوب کیا۔ اس نے دشمنوں کے روبرو اس قسم کی فوق الفطرت بہادری کا اظہار کیا کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے سامنے سرب بیاپک وشنو (وشوروپ) کی مانند نظر آتا تھا۔ وہ بزدل اپنے چہروں کو گھوڑوں کی زین پر رکھ کر ایک منٹ میں بھاگ گئے اور کزوں کی طرح پہاڑوں میں جا چھپے۔

رات کے وقت راج ودن۔ جے چندر وغیرہ نے دردوں سے کہا۔ "تمہارے شکست یاب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم ملک سے ناواقف ہو اور یوں بھی تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔ مناسب ہے کہ کل سے تم ہمیں اپنا رہبر جانو اور دوبارہ فتح حاصل کرو۔" درد بظاہر اس بات پر رضامند ہو گئے لیکن حقیقت میں وہ بھاگنے کی تیاری کرتے رہے۔ طاقتور بل ہر نے دھنیہ اور دوارپتی اودے کو دور ہی روکے رکھا اور عقبی راستے روک کر دردوں کو وہیں رہنے پر رضامند کرنے کی

کوششیں کرنے لگا۔ اس کے بعد اسے خیال آیا کہ راجکمار کو معہ درددوں کے کمپ کے تار ملک میں رکھا جائے۔

جبکہ وہ ایسا کرنے کی تیاری کر رہا تھا اور ڈامر اندھے ہو کر بغلیں بجا رہے تھے سلہن کے بیٹے کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ میں نے ساری سلطنت کو فتح کر لیا ہے۔ ہر چند کہ ابھی تک اس نے ایک بھی فتح حاصل نہ کی تھی تاہم اسے اس وجہ سے اطمینان تھا کہ اس کے گرد بہت سے امرا جمع تھے۔ پس اس نے خیال کیا کہ قسمت مجھ پر مہربان ہے۔ ہاتھی کے دانت جو کنول پھولوں کو اکھاڑنے میں گویا سورج کی مخالفت کرتے ہیں اس وقت خود بخود پھٹ جاتے ہیں۔ جب چاند جو سفیدی میں ان کا رقیب ہے نمودار ہوتا ہے ایسے ہی روشنی سے معمور آفتابی پتھروں کی حرارت بھی اس وقت دور ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نازک موقعوں پر خوش نصیبی اور بدقسمتی غیر متوقع طور پر نمودار ہو جاتی ہیں۔

ناگ اور راج ودن کی حالت

ناگ[۹۴۸] اور راج ودن ان دو میں سے ایک یعنی ناگ چونکہ ڈامر تھا اس لئے بھکشو کے اکثر فسادات میں بھی اس سے لاپروائی کا برتاؤ کیا گیا تھا۔ علاوہ بریں تِلک وغیرہ سے اس کی چونکہ رشتہ داری تھی اس لئے راجہ اسے

---

[۹۴۸] ان شلوکوں کو سمجھنے کے لئے دیکھو ترنگ ۸ کا شلوک ۲۹۹۸ جہاں پر ناگ کو صاف طور پر ڈامروں کا رشتہ دار بیان کیا گیا ہے و نیز ترنگ ۸ شلوک ۲۶۹۹۔ کلہن اس جگہ ان دونوں شخصوں یعنی ناگ اور راج ودن کے تعلقات کی عجیب تبدیلی کا ذکر کرنا چاہتا ہے۔ ناگ تو راجہ کا طرفدار بن جاتا ہے اور راج ودن جو راجہ ہی کی بدولت اس عروج کو پہنچا ہے۔ دعویدار تخت کا حامی بنتا ہے۔

باغیوں کا سردار گنا کرتا تھا۔

بخلاف اس کے دوسرا یعنی راج ودن لوینہ نہ تھا۔ اس کے اندر ترقی حاصل کرنے کا حیرت خیز مادہ تھا جس کی نظیر بہت کم دوسرے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ان وجوہ ونیز اس سبب سے کہ وہ مشکلات میں مدد دیتا تھا راجہ کو اس پر بھروسہ عیناً تھا باوجود اسقدر باہمی اختلاف کے حیرت ہے کہ اس نازک وقت میں ان دونوں نے بھی یکساں اغراض رکھنے کی وجہ سے تعجب خیز دوستی کا اظہار کیا۔

جب ناگ نے دیکھا کہ جو بغاوت خود مجھے پیدا کرنی چاہئے تھی اسے کسی اور نے پیدا کر دیا ہے تو اسے ویسے ہی رنج محسوس ہوا جیسے کسی شاعر کو اس وقت ہوتا ہے۔ جب اس کے مضمون کو کوئی دوسرا اڑا لے۔ راجہ کے دشمن (بھوج) کو اپنے قابو میں لانے کے لئے اس نے اسے بدیں الفاظ مخاطب کیا "راج ودن کو چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جاؤ"[۹۲۹] اور اُس نے یہ بھی کہا "تمہیں اسوقت تک انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے جب تک کہ تیجس بل ہر کا بیٹا ڈولی میں بیٹھ کر تمہارے پاس آئے جیسے کسی پھر بدار نے عورت کا انتظار کیا تھا" اس پر وہ ہنس پڑے۔ کیونکہ بکری پانے کی خاطر (کام دہن) گائے کو چھوڑنا کون پسند کرتا ہے۔ ہر شخص اپنی اغراض کو مدنظر رکھ کر دوستی یا دشمنی کی طرف متوجہ ہوتا ہے دوسروں کی محبت یا نفرت کی اسے شمہ بھر پرواہ نہیں ہوتی۔ چاند ہاتھی کے دانتوں کو اس وجہ سے خراب کر دیتا ہے کہ ان کی سفیدی اس کی سفیدی کو مات کرنے کی

۹۲۹ء ان شلوکوں کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کلہن اس کوشش کی ناکامی واضح کرنا چاہتا ہے جو ناگ نے راج ودن کو بھوج کی طرف سے ہٹانے کے لئے کی تھی۔ اور جس میں وہ خود اس کے معاملات کا مختار بننا چاہتا تھا۔ اس جگہ جس قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اسکا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

امید دلاتی ہے۔ شہد کی مکھیاں شوق سے ہاتھی کی پیشانی پر لگی رہتی ہیں تاکہ اسکی کنپٹیوں کے عرق کو حاصل کر سکیں۔ لیکن کنول چاند سے کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کرتا گو وہ جانتا ہے کہ وہ ہاتھی کا دشمن ہے۔ بخلاف اس کے شہد کی مکھیاں ہاتھی کی دشمن نہیں ہیں۔ گو وہ جانتی ہیں کہ یہ کنول پھول کو جس سے انہیں غذا ئیت بہم پہنچتی ہے ضرر پہنچاتا ہے۔

ناگ نے اب بل ہر کو ضعف پہنچانے کے۔ لئے راجہ کی طرفداری اختیار کر کے اس کا جانی دشمن بن گیا۔ مغلوب وردوں کو اپنے آدمیوں کے ذریعہ اس نے کہلا بھیجا کہ "راج ودن کا راجہ (جے سنگھ) سے کچھ بگاڑ نہیں ہوا اور وہ بھوج سمیت تمہیں مار دینا چاہتا ہے۔" دونوں جرنیلوں (کمپناپتی) مشہور و معروف کشیم ودن اور رودسیہ[95]) نے جو ورد حاکم کی فوجوں کا افسر اسے اعلےٰ تھا۔ نیز اودھں کمانیر قلعہ نے بے جسے خوف لگا ہوا تھا بھوج کو پوشیدہ طور پر اس بات کی خبر کر دی لیکن وہ بڑا دور اندیش تھا ان کی بات سنکر محض ہنس پڑا۔

سورج جیسے راجہ کا تیج دشمن کی فوج میں پڑ کر آتشی شیشے کی حرارت کی طرح ددسیہ کو ایندھن کی طرح جلانے لگا۔ ددسیہ نے راجہ کے ساتھ برائی کرنے کے خیال کو اپنے دل میں جگہ دی تھی اس کا عوض اسے یہ ملا کہ وہ مرض تپدق میں مبتلا ہو گیا اور اندھیرے پکش کے چاند کی مانند دن بدن گھٹنے لگا۔

وردوں کا پسپا ہونا } جب ان کا افسر جو میدان جنگ میں انکے آگے رہتا اور پیچھے کی طرف سے بھی حفاظت کیا کرتا

---

[95] ورد راجانک سے مراد اس جگہ غالباً ددسیہ سے ہے جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۵، ۷، ۲ وغیرہ میں ورد راج کے طور پر آیا ہے۔ قلعہ سے مراد غالباً دگرہ گھاٹ سے ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۷۷۔

تھا بیمار ہو گیا اور ان کی حالت اس قسم کی ہو گئی۔ کہ انپر بخوبی حملے ہو سکتے تھے تو وہ نہایت خوف زدہ ہوئے اور بل ہر کو کھانا کھلاتے ہی چھوڑ کر اگلے روز گھوڑوں پر سوار ہو پہاڑوں کی طرف چلے گئے۔ چونکہ وہ دیکھ چکے تھے کہ سلہن کے بیٹے بھوج کی کتنی قدر ہے اس لئے انہوں نے اسے یہ کہہ کہہ کر کہ ہم صبح واپس آجائینگے اپنے ہمراہ چلنے پر رضامند کر لیا۔ چونکہ وہ طریق پیت کوش پر حلف اٹھا چکا تھا اس لئے اسے اپنی مرضی کے خلاف انکے ہمراہ جانا پڑا لیکن جب اس نے اپنے مقاصد میں فرق آتا دیکھا تو وہ اس شخص کی مانند مایوس ہو گیا جو کسی چٹان پر گر جائے۔

جبکہ وہ سڑک پر چلتا تھا مارے شرم کے اس کی آنکھیں بند ہوئی ہوئی تھیں بعض اوقات اس کا چہرہ اس خون کی وجہ سے سرخ ہو جاتا تھا جو کثیر مقدار میں اسکے سر کی طرف جاتا تھا۔ بعض اوقات وہ زینہ کے پتھروں سے مشابہ ہوتا تھا جبکہ انپر سے میلا پانی بہ رہا ہو۔ بعض اوقات اسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آسمان گرنے لگا ہے اس وقت اس کا چہرہ زمین سے ہم سطح ہوتا تھا۔ اور وہ خیال کرتا تھا۔ "ان احمقوں پر تف ہے جو بار بار راجہ کی عظمت کو دیکھتے ہوئے بھی یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ جنس فانی میں سے ہے۔ ایسے راجہ کے تیج کو تو صرف بڑے بڑے شاعروں کے دماغ ہی بیان کر سکتے ہیں۔ جن کی قوت متخیلہ زبردست ہو اور وہ۔ است امور کو صاف طور پر معلوم کر سکیں۔ اگر راجہ کے تیج کی چنگاریاں زمین پر نہ گرتیں تو ہم زمین پر قدم رکھتے ہی ہمت کیوں ہار دیتے؟ میدان جنگ میں تلوار کے بیشمار پھلوں کا پانی (آب) پیا جاتا ہے۔ پھر اس کے تیج کی حرارت کے بغیر کیونکر ممکن ہے کہ اتنے بہادروں کے جسم مرجھا گئے ہوں۔ اگر اس کے تیج کا پیدا کردہ کثیف دھواں موجود نہ ہو تو کھلی آنکھیں رکھتا ہوا انسان صحیح

اور غلط راستہ کے امتیاز میں کیوں دھوکا کھائے ؟"

وہاں پہنچکر اس نے دردوں کو مدہومتی[951] کے ایک کنارہ پر اتار دیا اور خود اس کے دوسرے کنارے پر ڈیرہ ڈال کر اس کی لہروں کی آڑ میں تنہائی کا مزہ لینے لگا۔ جب کچھ عرصہ گذرنے پر اس کا اضمحلال دور ہوا تو انہوں نے اسے اپنے کیمپ میں لے لیا اور چونکہ انکے دلوں میں بغاوت کا شوق پیدا ہو چکا تھا اس لئے وہ دوبارہ اس کا اعتبار حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی چالاکی کی وجہ سے یہ کرنا چاہتے تھے کہ اسے اپنے پاس نظربند رکھیں اور راجہ سے جسکی عیاضی غیر محدود تھی نقد و طلا حاصل کرتے جائیں۔" یہ جنگ کا موقعہ نہیں ہے۔ موسم سرما قریب ہے۔ ماہ چیت میں ہم پھر مہم لیکر چڑھائی کرینگے۔ اگر تم کاہل رہنا پسند نہیں کرتے تو ہم تمہیں علاقہ بہت[952] کے راستہ سے با اختیار ترک کے مقام سکونت کی

---

[951] مدہومتی وہ ندی ہے جو بندپورتال کو سیراب کرتی ہے جس کی ایک بغلی وادی درہ دو کھٹ کی طرف کو جاتی ہے۔ یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ بھاگتے ہوئے درد اسی طرف کو ہٹ گئے تھے۔ دیکھو نوٹ نمبر ۵۹۸ کتاب ہذا۔

[952] نوٹ نمبر ۲۰۱ کتاب ہذا میں یہ امر واضح کیا جا چکا ہے کہ زمانہ حال کے کشمیری لفظ بٹ کی طرح لفظ بھٹ عام طور پر تبتی نسل کے لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کشمیر کے مشرق اور شمال مشرق کی طرف کے پہاڑوں میں آباد ہیں۔ چنانچہ انہی معنوں میں یہ لفظ جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۱۶۸ اسری ور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۱۷ و ۲۴۸ ترنگ ۳ شلوک ۳۲ - ۲۰۱ - ۴۴۵ اور شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۲۵ میں آیا ہے۔

اس شلوک میں بھٹ راشٹر کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد غالباً علاقہ دراس سے ہے جو بالائی وادی سندھ سے ملحق ہے اور جہاں درد علاقہ واقع کشن گنگا سے بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔

طرف سے چلینگے۔ راج ودن راجہ کا طرفدار رہے۔ اس قسم کے الفاظ ان میں سے کمینہ کمینہ لوگ بھی استعمال کرتے اور اسے اپنے علاقہ میں قید کر لینا چاہتے تھے۔

جس طرح فراق کے دن موسم گرما کے دنوں سے بھی لمبے ہو جاتے ہیں ایسے ہی ورد[۹۵۳] اپنی چالاکی میں راجپوری کے باشندوں پر بھی سبقت لے گئے۔ آخر بل ہر نے قاصدوں کے ذریعہ اسے چلے جانے پر لعنت ملامت کی اور کہلا بھیجا "میں اس آدمی کی مانند ہوں جسے کنوئیں میں ڈالا گیا ہو اور رسی ٹوٹی ہو" باوجود اسکے اس نے گرگ کے بڑے بیٹے سست چندر سے خوب مقابلہ کیا اور راجہ کی فوج کو آتے دیکھ کر بھی نہ گھبرایا۔ اس کی بہادری کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ورد سردار اور بھوج وغیرہ کی فراری آتجر بھی اس کو بے ہمت نہ کر سکی۔

جب قوی سے قوی امداد بھی ناکام رہ گئی تو اس صورت میں سوائے فوق الفطرت وجود کے اور کون لڑائی کا سلسلہ شکست کئے بغیر بہادری سے لڑ سکتا ہے۔ مہلت حاصل کرنے کے لئے اس نے دہنیہ اور دوارپتی اودے کو جو صلح کرنا چاہتے تھے۔ اس امید میں روکے رکھا کہ ممکن ہے بھوج آجکل میں ہمارے ساتھ آملے۔

ورد بھوج سے اس بات کی تجویز کرتے ہیں کہ اسے وراس سے جائیں جو اس شاہراہ پر واقع ہے جو کشمیر اور لداخ کو ایک دوسرے سے ملاتا ہے۔ وہاں سے وہ ان پہاڑوں میں محفوظ ہو سکتا تھا جو کشمیر کے شمال مشرق میں واقع ہیں اور اس جگہ سے خاوہ ترائک ہیں۔ آخرالذکر کہاں رہتا تھا اس کی بابت کلہن کچھ بیان نہیں کرتا جیسا کہ نوٹ نمبر ۹۴۴ کتاب میں خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ اگر ہم فرض کریں کہ وہ بولدا (ولر) میں رہتا تھا تو ظاہر ہے کہ ورددں کی تجویز کردہ سڑک بہت کچھ مفید ہوتی۔

۹۵۳ء دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۵۳۱-۱۵۰ ورداوں کی چالاکیوں اور مکاریوں کے متعلق دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحہ ۴۴۳۔

بھوج النکار چکر کے حوالے ادھر النکار چکر سلہن کے بیٹے (بھوج)[954] کو لینے آگیا۔ رشتہ داری کے لحاظ سے دردوں کے پاس پہنچکر اس نے اپنی درخواست کی۔ لیکن جب باوجود اصرار کے اس نے دیکھا کہ وہ مخالفت اور دشمنی پر آمادہ ہیں تو اس نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ میں راستہ کے پل کے قریب پڑ کر جان دیدونگا۔ جب وردسردار کی فوجوں نے اسے مرنے کو تیار دیکھا اور معلوم کیا کہ اس کے نوجوان ہمراہی بھی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں تو انہیں خوف پیدا ہوا اور اس پر رحم آگیا۔

بلہری[955] ندی اپنے بازوؤں کے ذریعہ جھگڑنے والوں کو الگ کرتی اور دردوں کو اس آواز کے ذریعے ملامت کرتی معلوم ہوتی تھی جو اس کی لہروں کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتی تھی جب اس کی اپنی عورتوں نے حاسد ملیچھ سرداروں اور تباہی سے خائف سپاہ نے ودسیہ کو شرمندہ کیا تو اس نے بھوج کو چھوڑ دیا۔

اب النکار چکر ندی کو عبور کرکے دوسرے کنارہ جا پہنچا۔ پل کے مغلوب محافظوں کو اپنا نقیب بنالیا اور نقاروں کی آواز سے تمام علاقہ کو گونجا دیا۔

ودسیہ نے جب اپنی اور اپنی فوج کی کمزور حالت دیکھی تو وہ صلح کرنے پر آمادہ ہوا اور راجہ کے ایک سفیر کو طلب کرکے اسے کہنے لگا۔ "تمہارے راجہ کی طاقت فوق الفطرت ہے اور ایک مچھیرا بھی اس وقت تک اس کی برابری

[954] النکار چکر کے بارہ میں دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۴۸۳-۲۴۸۸ وغیرہ۔ اگلے شلوکوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ڈامر بھوج کو دوبارہ قابو میں لانے کے لئے ایک قسم کا پرایویشن اختیار کرتا ہے۔

[955] بلہری شاید اس ندی کا نام تھا جو درہ دو کھنڈ سے بہ کر نکلتی ہے اور نواحات کی وادیوں کو سیراب کرنے کے بعد اتّ وتھ کے مقام پر مدھومتی سے جا ملتی ہے۔

کرسکتا ہے۔ جب تک کہ وہ اس دھوکہ میں رہے کہ میں سرحدی باجگذاروں کی مانند ہوں (یعنی جب تک کہ وہ اپنی حقیقی طاقت سے خبردار نہ ہو) لیکن اسکی عظیم الشان طاقت کا جو اعتبار سے باہر ہے۔ تجربہ حاصل کرکے یہ راج اور میں دونوں موت کے دیوتا کے پاس آسمان میں اس کی عظمت کا اعلان کرنے جاتے ہیں۔ جس طرح کوئی جاتری کنارہ ٹوٹ جانے سے تیرتھ کے مقدس پانی میں گرکر عظمت حاصل کرتا ہے ایسے ہی میں اس فوق الفطرت راجہ سے مغلوب ہونا فتح کے برابر خیال کرتا ہوں۔"

ودسیہ کی واپسی اور موت اب ودسیہ واپس اپنے شہر کو چلا آیا اور وہاں کچھ عرصہ زندہ رہ کر یم نگری میں داخل ہوگیا جہاں اس کی بے عزتی خوش آمدید کا ہار بن کر نمودار ہوئی۔ راج ودن کو معلوم نہ تھا کہ بھوج آرہا ہے اس لئے اس نے اسی روز دوارپتی اودسے اور دہنیہ سے صلح کرلی۔ سوار کے واپس چلے جانے کے بعد یہ دونوں سمجھدار سست کو ساتھ لئے راجہ کے روبرو پہنچے۔ نہ معلوم اس وجہ سے کہ انہیں اپنی طاقت پر کامل اعتبار تھا یا کسی دھوکے میں پڑکر انہوں نے ناعاقبت اندیشی سے اس بات کو بھلا دیا کہ بھوج ابھی تک مطیع نہیں ہوا۔ راجہ نے جو دلہن کو مبارکباد دینا چاہتا تھا بار بار اسے طلب کر بھیجا لیکن وہ واپس نہ آیا کیونکہ ابھی تک اس نے دشمنوں کا استیصال نہ کیا تھا۔ جس طرح باورچی اس وقت تک کھانا نہیں کھا سکتا۔ جب تک اس کا آقا اس کے کھانے کی داد نہ دے جس کا وہ سب سے زیادہ مشتاق ہوتا ہے ایسے ہی وہ اپنا کام ختم کئے بغیر راجہ کے روبرو کھڑا نہ ہوسکتا تھا۔ جب اس نے پرتھوی ہر کے بیٹوں[۹۵۶] کی جوڑی کو میدان جنگ میں

[۹۵۶] اس جگہ مراد لوشٹک اور چتنک سے ہے۔

دو کر دیا (کاٹ ڈالا) تو وہ اسی طرح کچھ کرنے کے ناقابل ہو گئے جیسے وائے نگدہ اس وقت ہو گیا تھا جب بھیم نے اس کے دو نصف حصے جدا کر دیئے تھے۔

اس لڑائی میں شکست کھا کر لوشٹک اس طرح اپنے علاقہ میں واپس آ گیا گویا وہ اپنی ماں کے رحم میں داخل ہو گیا ہے۔ جیسے اس سانپ نے کیا تھا جسے کھانڈوں[۹۵۷] کے جنگل میں ارجن نے کاٹ ڈالا تھا۔ چتنک بھی اپنی عزت کی پرواہ نہ کرتا ہوا اور بہادری کو بالائے طاق رکھ کر ترلک کے مضبوط قلعہ میں اس طرح پناہ گزیں ہو گیا جیسے کچھوا اپنے آپ کو اپنی ڈھال (پشت) کے نیچے چھپا لیتا ہے جب راہن اس طرح پر بہادری سے اپنے کام کو ختم کر چکا تو وہ راجہ کے پاؤں کے ناخنوں کی چمک کو اپنے سر کی پوشش بنانے اس کے پاس پہنچا۔

جب یہ بغاوت کا درخت راجہ کے تیج سے خشک ہو گیا تو وزیروں کی غلط تجویزوں کی وجہ سے پھر اس میں کونپلیں پھوٹ نکلیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ راج ودن نے جسے سزا کا مستوجب ہوتے ہوئے بھی وظائف دیئے گئے تھے اب سن لیا تھا کہ بھوج حفاظت کے ساتھ واپس آ رہا ہے۔

بھوج ونیا گرام میں } راج ودن نے بھوج سے اخفائے راز کی خاطر روپیہ وصول کرنے کے واسطے اُسے ونیا گرام[۹۵۸]

وائے نگدہ سے مراد جراسندہ سے ہے جو دو الگ الگ پیدا شدہ نصف حصوں سے مرکب تھا۔ دیکھو مہابھارت پرب ۲ سرگ ۱۷ شلوک ۱۲ و پرب ۲ سرگ ۲۴ شلوک ۱

۹۵۷ اس جگہ حوالہ مہابھارت کے پرب ۱ سرگ ۲۲۷ کے قصہ کی طرف ہے۔

۹۵۸ ونیا گرام کو آجکل شناخت نہیں کیا جا سکتا۔ اس شلوک و نیز ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹۳۲-۲۹۵۱ و ۳۳۰۸ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کرم راج سے زیادہ دوری پر واقع نہ تھا اور اغلباً وادی کے مغربی پہاڑی علاقہ میں تھا۔

میں جوکہ کھشوں کے علاقہ میں واقعہ ہے اتارا اور اسے کہنے لگا۔ "اگر تم کل آگئے[۹۵۹] ہوتے تو دوارپتی اور اس کے ہمراہی کبھی میرے تعاقب سے بچکر نہ نکلتے"۔ جس طرح تیز بہاؤ میں پڑکر کشتی ہلنے لگتی ہے وہی حالت راج ودن کی تھی لیکن ترنگ نے اسے جو نصیحت کی وہ کشتی باندھنے کی رسی سے مشابہ تھی جس کی بدولت اسکے اندر استقلال اور سکون پیدا ہوا۔ بدمعاش ترنگ پھر خود فسادات کا سرغنہ بنا اور خیال کرنے لگا کہ میں راجہ کو اُٹھتی ہوئی مصیبت میں بے کسی سے غرق کرسکونگا ہر چند کہ النکار اور دوسرے وزیروں نے اس کے معاملات میں دخل نہ دیا تاہم وہ اس شخص کی مانند سازشوں سے باز نہ آیا جو بے قابو ہونے کی وجہ سے اپنی حماقت کو ترک نہیں کرسکتا۔ راجہ نے اسے اس طرح نظر انداز کر دیا جس طرح حکیم کچی بیماری کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اور دوسرے دشمنوں کو جو پکے ہوئے پھوڑوں کی مانند تھے تلف کرنے کے درپے ہوا۔ النکار چکر بھوج سے یہ کہکر بغاوت کھڑی کرنے کے لئے روانہ ہوا کہ "اگر ہم مشکل میں پھنس گئے تو تم نے پیچھے سے آجانا"۔ انند واد کا بیٹا جے نند واد اور دوسرے ڈامر ساکنان کرم راج جو کہ اپنی طاقت کے واسطے مشہور تھے اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ چیف جسٹس (راج گرہیہ) النکار جو مختصر سی فوج لئے سامنے کھڑا تھا اس کی وقعت اُن کی نظروں میں اس ریتلے بند سے زیادہ نہ تھی جو دریا کے بہاؤ کے آگے بندھا ہوا ہو۔ لیکن وہ اکیلا بہتوں کے سامنے لڑتا رہا۔ جس سے لوگوں کو رامچر (ملہ رام) وغیرہ کا جنگی جوش یاد آگیا۔ النکار نے جس کے لئے خون بمنزلہ شراب اور میدان جنگ ایک شراب خانہ بن گیا تھا اپنے راکششوں جیسے دشمنوں کو جن کے پاؤں اپنی ہی بدمستی کے

۹۵۹ کلہن اس جگہ یہ جتلانا چاہتا ہے کہ راج ودن یہ کہتا تھا اگر مجھے پہلے سے دردوں کی طرف سے بھوج کی واپسی کی خبر ہوتی تو میں اودسے اور دھنیہ سے صلح نہ کرتا۔

سبب سے لڑکھڑا رہے تھے شکست دیکر اپنی بہادری کا ثبوت دیا. غرض کہاں تک بیان کیا جائے اس نے ہر جگہ دشمن کی خوفناک فوج کو اس طرح منتشر کر دیا جیسے آندھی روئی کے ڈھیر کو اڑا دیتی ہے۔ اس نے میدان جنگ میں آنند داو کے بیٹے کو ایک تیر مار کر مار ڈالا اور اس کی لاش کو گدھوں۔ بگلوں وغیرہ کا شکار بننے کے لئے چھوڑ دیا۔ بھوج تو عروج حاصل کرنا اور راجہ اسے گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ان دونوں میں معاملات کی وہی صورت ہوگئی جو کہ تیتر اور شکاری کے درمیان ہوتی ہے۔ جبکہ اول الذکر دلدل میں بھاگ رہا ہو۔ تیتر جب دلدل میں بھاگتا ہے تو وہ اڑنے کے نا قابل ہو جاتا ہے اور اس لئے آخر کار تھک جاتا ہے۔ یہی حالت شکاری کی ہوتی ہے جو اس کا تعاقب کرتا اور دلدل میں پھنس کر بھٹکتا پھرتا ہے۔ اس روزانہ جدوجہد میں بھوج تھک گیا اور راجہ جو اسے گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ ہر روز زیادہ حیران ہوتا جا رہا تھا۔

جبکہ بھوج دیناگرام میں تھا۔ راج ودن نے راجہ کو یہ کہنے کا موقعہ دیا "کیا ان چور چنڈالوں کی قسمت پھر چڑھی ہوئی ہے؟" کیونکہ ڈامر جن کا جتھا ٹوٹ چکا تھا۔ اب پھر حوصلہ پکڑ کر پہلے کی نسبت زیادہ زور شور سے سازشیں کر رہے تھے۔ ہر چند کہ جب دوار پتی اکیلا انپر حملہ کرتا تو وہ تاب مقاومت نہ لا سکتے تھے۔ تاہم ساتھ ہی یہ بات بھی ضرور ہے کہ بار بار کے حملوں سے وہ خود بھی بہت تھک گیا تھا۔

کرم راجیہ میں بھوج کی واپسی

انہی ایام میں ان کی محافظت اور دوسروں کی مدد کے لئے سنہن کا بیٹا جسے النکار چکر نے یرغمال دیکر بلا لیا تھا۔ اس جگہ آ پہنچا۔ جبکہ وہ

ہا یا شرم میں اپنی تھکی ماندہ فوجوں کے ساتھ ان سے شامل ہونے کی متواتر کوششیں[960] کر رہا تھا۔ دوار پتی کو اس کی خبر مل گئی۔ اور جب اُس نے ان سے کسی بہانہ سے یہ ظاہر کرتے ہوئے گویا اسے بھوج کی آمد کی خبر ہی نہیں بظاہر صلح کر لی تو پھر وہ تارملک میں جو بھوج کے راستہ میں پڑتا تھا چلا گیا۔ جبکہ وہ اس جگہ کھڑا تھا بھوج کو شام کے وقت دور سے نعرے سنائی دیئے گو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ نعرے کدھر سے آ رہے ہیں اور خوف کا اظہار کیا۔ ہر چند کہ اس کے ہمراہی اس کے بے بنیاد خوف پر ہنسنے لگا۔ تاہم اس کا خوف دور نہ ہوا اور اس نے گھوڑوں کو تیار کرایا۔ النکار چکر کو جو بھوج کی تلاش میں تھا خوف پیدا ہوا اور وہ تیزی سے دشگرامی[961] سے بھاگ گیا۔

[960] ہائے آشرم سے مراد موجودہ موضع ہائے ہوم سے ہے جو اس سڑک پر جہاں سے یاتری شاردا کے مندر کو جاتے ہیں درنگ کے قریب واقع ہے اس کی مقامیت کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۹۱۵ کتاب ہذا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ثانی صفحہ ۳۶۵ پر ہائے ہاموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ شاردا مندر کی سڑک پر واقع ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس لفظ سے اس کی مراد ہائے آشرم ہی سے ہے۔

سطور آئندہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھوج جو ریناگرام (واقع مغرب؟) سے آتا ہے۔ النکار چکر اور باقی ڈامروں کو ہائے آشرم میں ملنا چاہتا ہے۔ اس پر اودے راستہ روکنے کے لئے تار ملک میں جا پہنچتا ہے جو بھوج کے راستہ میں پڑتا ہے۔ اس جگہ سے وہ اس گاؤں پر حملہ کرتا ہے جس میں بھوج شب باش ہوا ہے۔

النکار چکر راجکمار کو تلاش کرتا ہے لیکن اسے پا نہیں سکتا۔ اور آخر دشگرامی سے لوٹ جاتا ہے۔ جہاں شائد بھوج ٹھیرا ہو تھا۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ تار ملک کی مقامیت تاحال قائم نہیں کی جا سکی۔

رات کے وقت گاؤں میں نقاروں کی آوازیں اور فوجوں کے نعرے سنائی دینے لگے۔ جس سے حملہ ہونے کی خبر ملتی تھی۔

بھوج کی فراری } بھوج پوشیدہ طور پر تاریکی میں فرار ہو گیا مگر النکار چکر اگلے روز کی لڑائی کے لئے تیاریاں کرنے لگا۔ دوارپتی نے گاؤں میں جو آگ لگادی تھی اس سے پہاڑی کا راستہ روشن ہو گیا اور قدرتی طور پر بھوج اور اس کے آدمیوں کو مدد مل گئی ورنہ یقیناً وہ تاریکی میں راستہ بھول جاتے۔ ڈامر گو اندرونی طور پر بھوج کے منتظر تھے تاہم ظاہر میں ابھی تک اس صلح کے پابند چلے جا رہے تھے جو دوارپتی کے ساتھ ہوئی تھی لیکن اب اس واقعہ سے خبردار ہو کر انہوں نے صلح کو بالائے طاق رکھدیا۔ بھوج نے اپنا حوصلہ قائم رکھا مگر اننکار چکر کے ساتھ اس کا جھگڑا ہو گیا۔ مگر اس جگہ (درروں کے ملک میں) بھی بھوج کو خوراک وغیرہ مل جانے پر کسی قسم کی آسائش حاصل نہ ہوئی کیونکہ اسے (اپنی آرزوؤں کے پورا کرنے کی) پیاس لگی ہوئی تھی۔ جب تک سانپوں کا سردار (واسکی) بلونے والے پہاڑ (مندر) کے ساتھ[۹۶۲] نگا رہا تھا اسے بالکل

۹۶۱؎ دش گرامی کا لفظ صرف اسی جگہ استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ تارک کے قریب کہیں پر واقع تھی۔

۹۶۲؎ بھوج نے ہر موقع پر جب النکار چکر سے مل کر کام کیا تکالیف اُٹھائیں ان تکالیف کا مقابلہ کلہن ناگ واشکی کی ان تکالیف سے کرتا ہے جو اسے ان موقعوں پر اُٹھانا پڑتی تھیں جب کبھی شوجی نے اس سے کوہ مندر کے ساتھ کام لیا چنانچہ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۲ سے واضح ہوتا ہے تر پور کو جلانے کے وقت شوجی نے کوہ مندر کو کمان اور واشکی ناگ کو اس کی رسی بنایا تھا۔ پھر جب سمندر کو بلویا گیا اس وقت بھی پہاڑ کے گرد واشکی ہی کو بطور رسی کے لپیٹا گیا تھا۔

راحت حاصل نہ ہوئی تھی کیونکہ ترپور کے جلنے کے موقعہ پر اس سے شوجی کے بان کی گرمی محسوس ہوئی تھی اور سمندر کو بلونے کے موقعہ پر آتش زیر آب (ٹروانل اگنی) سے۔ اسی طرح بھوج کو بھی النکار چکر کی دوستی سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور جب وہ النکار چکر کے بیٹوں کے علاقہ میں سامان خوراک حاصل کرنے گیا تو انہوں نے اسے قید کر لینے کی کوشش کی۔ معلوم نہیں وہ اپنے باپ کے کہنے پر ایسا کرنا چاہتے تھے یا خود ہی ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن وہ ان کی مختلف کوششوں کو رائیگاں کر کے نکل گیا اور کسی دوسرے علاقہ میں چلا گیا۔ وہاں سے وہ پھر دور اندیشی سے دینا گرام کو چلا گیا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ صرف بل ہر[۹۶۳] ہی کے ذریعہ مجھے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ باقی لونیوں پر تو اب اسے اعتبار ہی نہ رہا تھا۔

بھوج دینا گرام میں } اس اثنا میں ہر چند کہ دوارپتی نے دشمنوں کے استیصال کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ مگر اس کی آنکھ میں کوئی بیماری پیدا ہو گئی جس سے وہ بیکسی کی حالت میں پڑ گیا اور حملہ کرنے کے ناقابل ہو گیا۔ جس ٹامر[۹۶۴] کا ارادہ اپنی دو بیٹیاں بھوج کو دینے کا تھا۔ اس نے اس وقت جبکہ وہ مغلوب ہو گیا ان کی شادی راجہ (جے سنگھ) کے بیٹوں پرماندی اور گلہن سے کر دی۔ دوارپتی چونکہ سخت بیمار تھا اس لئے سوائے اس کے اسے کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ دوستانہ طور پر صلح کرے کیونکہ اب سزا دہی کا تو کوئی موقعہ ہی نظر نہ آتا تھا۔

انہی ہلچل کے دنوں میں گرگ کا بیٹا ستت چندر بواسیر خونی کے عارضہ سے

---

[۹۶۳] جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۸۵۸ سے واضح ہوتا ہے۔ بلہر راج ودان خود لونیہ نہیں ہے۔

[۹۶۴] معلوم نہیں اس جگہ کس ٹامر کی طرف اشارہ ہے شائد النکار چکر کی طرف ہو۔

کمزور ہو کر ہلاک ہو گیا۔ جب وہ بیمار تھا اُسکے دونوں چھوٹے بھائیوں مخرور جے چندر اور سری چندر نے حملے کر کے اور مشکلات پھیلا کر ملک کو تباہ کر دیا۔ ترلک جنگ پر آمادہ تھا اور دوسرے طاقتور حکمرانوں کے ساتھ اپنے تعلقات مضبوط بنا رہا تھا۔ اس نے راجہ کی دعوتِ صلح بھی منظور نہ کی۔ جب سست مر گیا اور دوارپتی بیمار ہو گیا تو راجہ نے دہنیہ کو تار ملک کی طرف روانہ کیا۔

راجہ کو اس بات کا کھٹکا لگا ہوا تھا کہ بھوج اپنے معاون کے ہاتھ سے نکلکر دوسرے طاقتور شخصوں کے ہتھے نہ جا چڑھے جس سے اس کی اہمیت بڑھ جائیگی یا یہ کہ ملک چھوڑ کر کسی دوسری جگہ نہ چلا جائے جہاں اس تک پہنچنا ہی مشکل ہو۔ اس لئے اس نے چاہا کہ صلح سے یا کسی اور طریقہ پر اس تک رسائی حاصل کیجائے۔ اور دہنیہ کو ہدایت کی کہ اس بارہ میں پوری کوشش سے کام لے۔ اس بری حکمت عملی کا اثر جس کے خراب نتائج پر پہلے سے توجہ نہ دی گئی تھی۔ الٹا راجہ پر پڑا اور اس نے اسی کو ضرر پہنچایا جس طرح وہ سانپ ضرر پہنچاتا ہے جسے دم کاٹنے کی بجائے سوراخ میں سے کھینچکر نکالا جائے۔

راج ودن کا عروج

جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ راجہ بے اختیار اور راج ودن ہی سیاہ و سفید کا مالک ہے تو دیوان عام اور دیوان خاص کے درباریوں میں بدامنی پھیل گئی۔ دوزخ کے راستہ کی طرح انتظام حکومت کے راستہ میں بھی ہمیشہ کئی قسم کے سوراخ (مشکلات) موجود پائے جاتے ہیں۔ جو شخص اس راستہ پر چل پڑے اور متواتر آگے بڑھتا جائے تو ممکن ہے کہ کسی اتفاق سے اسے عبور کرلے یا راہ ہی میں گر پڑے کیونکہ اس میں کسی قسم کا حساب کام نہیں دے سکتا۔ جب راجہ نے بل ہر (راج ودن) سے بھوج کی حوالگی کے لئے کہا تو اس نے کہا "ممکن ہے بھوج اپنی خستہ حالی کی وجہ سے

چلا جائے"۔ اس طرح پر اس نے جے سنگھ کو بھوج کا گذارہ مقرر کرنے کی ترغیب دی۔ راجہ پر یہ فریب کارگر ہوتا دیکھ کر راج ودن کو جو سازش کے کاموں میں ماہر تھا اپنی چالاکی سے کام لینے سے اور موقع بھی مل گئے۔

دھنیہ جو جا بجا بل ہر وغیرہ سے عہد نامے کرتا پھر رہا تھا اس کی حالت لوگوں کی نظروں میں قابل مضحکہ بن گئی۔ سرکاری کاروبار پیچھے ہی پیچھے پڑتا جا رہا تھا۔ اور رہنٹ کے اس رسا کی مانند جس پر ٹنڈیں بندھی ہوتی ہیں۔ اس کا کہیں خاتمہ ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ اس کی حکمت عملی گو تیز تھی تاہم وہ اپنے مدعا تک پہنچنے یا اس کے چھونے سے ویسے ہی قاصر رہ جاتی تھی جیسے وہ تیر جو کسی چلتے ہوئے چکر کی طرف پھینکا جائے۔ راجہ کے قابو میں گو دو راجہ (لوٹھن اور وگرہ راج) آ چکے تھے تاہم وہ بیچارگی کی حالت میں تھا اور اس باقی ماندہ ایک پر حملہ کرنے کا اسے ویسے ہی فکر لگا ہوا تھا جیسے شطرنج میں کوئی کھلاڑی دو بادشاہوں[۹۶۵] کو مات دیکر تیسرے کے فکر میں ہو۔ اس نے کھیل کی کوئی پوشیدہ تجویز نہ سوچی ہوئی تھی جسے وہ اپنی نردوں کے بچانے کی خاطر چھوڑ دیتا۔ تاہم اس نے اپنے دشمنوں کی طرف توجہ نہ دی جو اس کے سوار اور پیادوں وغیرہ کو اپنی طرف ملاتے جاتے تھے۔

راج ودن اور ناگ کی لڑائی

جبکہ ڈامر اپنے منتشر جتھے کو ایک جا کر کے اس انتظار میں تھے کہ سردیوں کا

۹۶۵ سٹائن صاحب کے خیال کے مطابق ان شلوکوں کی تشبیہ ہندوستانی کھیل "چترنگ" سے لی گئی ہے جسے چار آدمی اکٹھے بیٹھ کر کھیلتے ہیں۔ اس کھیل کی نسبت البرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی جلد اول صفحہ ۱۸۳ پر پورے طور سے بحث کی ہے لیکن ہم یقینی طور پر معلوم نہیں کر سکے کہ یہاں کس قسم کی کھیل سے مراد لی گئی ہے۔ شاید کشمیر میں شطرنج کی طرح کی کوئی کھیل مروج ہوگی جس پر بجائے دو آدمیوں کے چار آدمی کھیل سکتے ہونگے۔

موسم ختم ہو۔ باہر (راج ودن) کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ ناگ میرے آدمیوں کو ضائع کر دیگا۔ ناگ اپنے آپ کو ایک طاقتور اور ہوشیار دشمن ثابت کر چکا تھا اور چونکہ وہ اسے ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا اور دوسری طرف دھنیہ بھی کوچ میں تھا اس لئے وہ اکثر خوف سے کانپا کرتا تھا۔ بھوج کے ساتھ مشورہ کر کے راج ودن نے دھنیہ کو کہلا بھیجا "ناگ کو قید کر کے میرے حوالہ کر دو پھر میں بھوج تمہارے حوالہ کر دونگا۔ دھنیہ نے جو مشکلات میں پھنسا ہوا تھا یہ بات نہ سوچی کہ راج ودن مجھے ایک مشکل تر کام دینا چاہتا ہے اور اس کا منشا ہے کہ اس کا دشمن ناگ گرفتار ہو جائے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ راجہ حصول مدعا کے لئے جلدی کرتے ہوئے صحیح راستہ سے بھٹک کر غلط افعال کے مرتکب ہو بیٹھیں گکشٹ[۹۶۶] کے بہادر جانشین رام چندر جی نے بھی اس وقت جبکہ وہ سیتا جی کی تلاش میں تھے یہ غلطی کر لی کہ سگریو کی دوستی حاصل کرنے کے لئے ذاتی نفع کے خیال میں محو ہو کر بالی کو مار ڈالا تھا۔ پانڈوؤں کا راجہ بدھشٹر ہر چند کہ بڑا عابد و متقی تھا تاہم جب شاہی طاقت کے گھمنڈ نے اس کے قلب کو سیاہ کر دیا تو نیکی کو بالائے طاق رکھ کے اس نے اپنے اُستاد[۹۶۷] درونہ کو مار ڈالا۔ سمجھ دار لوگ راجہ کو اس بارہ میں قصوروار نہ گردانتے تھے کہ اپنے نفع کی خاطر اس نے ناگ پر حملہ کر دیا تھا جو ہر چند کہ کچھ عرصہ سے غیر جانب داری کے طریق پر عامل تھا تاہم وہ بھکشو کی لڑائی کے زمانہ ہی سے باغی چلا آتا تھا۔ البتہ اس وجہ سے لوگوں میں بہت ناراضگی پھیل گئی کہ راجہ نے بھوج کی حوالگی کے متعلق ضمانت لئے بغیر کیوں اسے قید کر دیا۔ البتہ اگر راجہ نے یہ کارروائی اس بات کو سمجھتے ہوئے کی کہ اس سے

۹۶۶ء دیکھو راماین کانڈ ۴۔ ادھیائے ۱۶ شلوک ۲۷۔

۹۶۷ء دیکھو مہابھارت پرب ۷ سرگ ۱۹۲ شلوک ۱۲۔

آئندہ بہتری حاصل ہوگی تو اس صورت میں اس کی ذہانت فوق الفطرت گنی جانی چاہئے اب بھوج نے اس طرح پر گویا کہ اس کی راج ودن سے دشمنی تھی ناگ کو کہلا بھیجا تل ہر اس صورت میں مجھے راجہ کے حوالہ کردینے کا ارادہ رکھتا ہے کہ تم اس کے حوالہ بطور ضمانت کردیئے جاؤ " اس نے یہ اس لئے کیا کہ اسے ناگ کی گرفتاری پر یقین نہ تھا اور وہ خیال کرتا تھا کہ ناگ اس تجویز سے واقف ہوکر راجہ کے خوف سے الگ تھلگ رہے گا۔

ناگ کی حراست

جب سست چندر مرگیا تو راجہ نے جے چندر کو اپنا طرفدار بنالیا اور اس کے ذریعہ ناگ کو اپنے روبرو پکڑوا منگوایا

بھوج کو خطرہ پیدا ہوا کہ ناگ اگر راجہ کا طرفدار بن گیا تو ہماری دونوں کی خیر نہیں اسی لئے اس نے اسے راستہ میں مذکورۂ بالا پیغام دے بھیجا تھا۔ ناگ نے قاصدوں کے ذریعہ جواب میں کہلا بھیجا۔

"میں جانتا ہوں جو کچھ تم کہتے ہو درست ہے لیکن افسوس اس حالت میں جبکہ مجھے گھسیٹے لئے جارہے ہیں میں کچھ کرنے سے معذور ہوں " جو شخص قسمت کی لہر میں غرق ہوا جارہا ہو اس کے کانوں میں اس شخص کی آواز جو پاس کھڑا ہو کر کچھ کہے نہیں پڑتی۔

جب ناگ قید ہوگیا اور اس کے رشتہ دار مارے خوف کے مکار بلہر سے امداد کے طالب ہوئے۔ تو بلہر اس وقت اس قدر مغرور ہوگیا کہ اس کی طرف نظر بھر کر بھی دیکھنا مشکل تھا۔ پھر دھنیہ سدرلہن کے بلہر کی طرف روانہ ہوا اور ناگ کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ جو گویا بھوج کی فروخت کی قیمت تھا۔ بل ہر دل ہی دل میں ہنسا اور مکاری سے کہنے لگا تم لوگ پہلے ناگ کو میرے حوالہ کردو پھر میں بھوج کو تمہیں دیدونگا۔ چونکہ اس کی حالت اسقدر مستحکم تھی کہ اسپر حملہ ہو نہیں سکتا تھا اس نے

اس نے دونوں وزیروں کی فوج کو جو کہ اس کے ساتھ لڑنے آئے تھے اپنی منشا کے مطابق کام کرنے پر مجبور کرلیا۔ اور اس وقت ان دونوں کو جو کہ بارش۔ لڑائی اور تھوڑی تنخواہ وغیرہ کے سبب سے پریشان ہوئے ہوئے تھے کہا۔ "اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو جو تم چاہو گے کردونگا۔" جبکہ وہ دونوں ایک کوچ کے فاصلہ پر چلے گئے۔ اس نے انہیں ایسا بھکایا کہ انکے مدعا بالکل شکست ہو گئے۔ بل ہر میں ایک خاص مستقل مزاجی اور قوت ارادی پائی جاتی تھی جو آجکل اکثر بہادروں سے مفقود ہے۔ اس نے نہ تو دھنیہ کے ساتھ دغابازی کا سلوک کیا جو بے سوچ سمجھے اس کی طرف چلا آیا اور راستہ بھول گیا تھا اور نہ بھوج کے ساتھ بحالیکہ وہ طمع میں آکر ایسا کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا "اگر وزیروں نے غلطی سے میرے کہنے پر ناگ کو میرے حوالہ کردیا تو میں دوبارہ اسے اس کی اصلی حالت پر بحال کردونگا۔"

ناگ کا شاہی کیمپ میں مارا جانا

ناگ کے ایک بھتیجے لوشٹک کی اس سے خفیہ طور پر دشمنی تھی۔ وہ چونکہ ناگ کی عدم موجودگی میں اس کی دولت پر قابض ہو چکا تھا اس لئے اب اس قبضہ کو دوامی بنانے کی فکر میں اس نے دھنیہ اور دوسرے وزیروں کو ناگ کے مارنے کی ترغیب دی۔ جب وزیروں نے دشمن کے دھوکہ میں آکر ناگ کو بلا وجہ مار ڈالا تو راجہ نے اپنے آدمیوں اور دشمن کے اس فعل کو ناروا جب قرار دیا۔

بل ہر کی طاقت اب اور بھی بڑھ گئی کیونکہ کچھ تو ناگ کے آدمی اس سے آملے اور کچھ وہ ڈامر جو اپنے رشتہ دار کے قتل پر راجہ کے خلاف ہو گئے تھے اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ قسمت اٹل ہے اور اگر کوئی شخص غلطی پر بھی ہو تو اس کا مدعا پورا کر دیتی ہے بخلاف اس کے بعض حالتوں میں انسان کی قوت

امادی کو زائل کر کے اس سے غلط کام کرا دیتی ہے۔ اگر قسمت مہربان ہو تو ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک شخص جو اپنے افلاس کے خیال میں پریشان حال ہے راستہ بھول کر دفعتاً کسی ٹیلہ پر گر پڑتا ہے اور نیچے اس خزانہ پر آ گرتا ہے جو کسی اور شخص نے جمع کر رکھا ہو۔ اس طرح پر گو اس کا ایک عضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن قسمت اس کا افلاس دور کر کے اس کی تلافی کر دیتی ہے۔ بھوج کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ وزیروں نے ناگ کو بلا سوچے سمجھے مار ڈالا ہے اس لئے اس کے دل میں خوف پیدا ہوا اور وہ سوچنے لگا "یہ بات ذہن میں نہیں آتی کہ لائق راجہ نے معاہدہ کرنے کے بعد اس قسم کا ذلت آمیز فعل کیا ہو[۹۶۸]۔ کوئی وجہ نہیں کہ وہ بھی طمع کی وجہ سے اس دھوکہ کے کام میں شریک ہو جس کا جھگڑا بھکشو کی بغاوت کے زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔" آخر کھشوں[۹۶۹] نے اس کا خوف اور بے اطمینانی دور کرنے کے لئے ایک کھال پر خون چھڑک کر بیت کوش کے طریق پر حلف لیا۔ چونکہ پہرہ داروں کی حفاظت میں رکھے جانے کی وجہ سے اسے خوف لگا ہوا تھا اس لئے بل ہر اسے اطمینان دلانے اکیلا اس کے پاس آیا۔

بھوج کو حاصل کرنے کے لئے جے سنگھ کی کوششیں

جب وزیروں کی بے سمجھی سے یہ مہم ناکام رہ گئی تو تجربہ کار راجہ بذات خود اس کی دوستی

---

۹۶۸ اس سے آگے شلوک نمبر ۳۰۰۳ و ۳۰۰۴ کی اصل عبارت اس قدر بگڑی ہوئی ہے کہ ان کا ترجمہ کرنا ناممکن ہے۔ ان میں وہ دلائل بیان کی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جنکی بنا پر بھوج کو شبہ پیدا ہوا کہ رعجودن مجھے معرض خطر میں ڈالنا چاہتا ہے۔

۹۶۹ کھشوں کا ذکر آنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھوج اس وقت تک دینا گرام ہی میں تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۹۱۷-۲۹۵۱۔

کی طرف متوجہ ہوا۔ اور بڑے استقلال سے اس میں کوششیں کرنے لگا۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ درختوں کی بڑھتی ماہ چیت میں دریا کے پانی کے موسم برسات میں۔ نیکی اور اعزاز کی مودبانہ سلوک سے۔ فوری محبت کی باہمی اختلاط سے۔ شاہی طاقت کی پوری ہمت سے۔ فتح کرنے کی قوت کی بے خوف استقلال سے اور جو کام بگڑا جا رہا ہو اس کی درستی راجہ سنگھ دیو سے ہو سکتی ہے؟ جس طرح انسان ندی کے بھاؤ کے خلاف پیرنے میں ناکام رہتا ہے ایسے ہی وہ اس معاملہ کے خلاف چلنے سے جو راستہ کی ہر شے بہائے لئے جا رہا ہو اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ اس لئے ہر چند کہ راجہ کے دشمن غلط طریقہ پر اسے دغاباز اور احمق قرار دیتے تھے تاہم اس نے خالی از فریب برتاؤ کے ذریعہ ان کے منصوبوں کو شکست کرنے کی کوشش کی۔ اس نے یہ تجویز اختیار کی کہ بھوج کے آس پاس رہنے والے جو کچھ بھی مانگتے انہیں دے دیتا جس سے بھوج کو اپنے تمام آدمیوں پر بے اعتباری ہو گئی۔ ہاتھیوں کو دریا کے چپٹے کناروں پر شیر کی بو آئے تو انہیں دریا میں آگ لگی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔ جس طرح پرندے کو اپنے سوا خدا گھونسلہ میں خوف محسوس ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ سمجھتا ہے کہ اس میں سے نکل کر میں سامنے بچھے ہوئے جال میں جا پھنسونگا ایسے ہی بھوج کو خطرہ لگا ہوا تھا اور وہ اپنے پاس والوں پر بے اعتباری بھی رکھتا تھا مگر اس خیال سے نکل بھی نہ سکتا تھا کہ راستہ راجہ کے آدمیوں نے روکا ہوا ہے۔ جس مصیبت کی حالت میں وہ اس وقت مبتلا تھا اس میں اسے ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی کام اس قسم کا نظر نہ آتا تھا جس سے وہ اپنا دل بہلا سکے یا جس سے اس دنیا یا عاقبت میں فائدہ اُٹھانے کے قابل ہو۔ جس کا دل خود مجروح ہو وہ دوسرے شخص کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر بڑا متاثر ہوتا ہے۔ جس طرح پر کہ شہد کی مکھی جو

کنول پھول کے اندر محبوس ہو چکرواک کی فراق میں آہ و زاری سُنکر اور بھی افسردہ ہو جاتی ہے۔

بھوج اور برہمن ایک موقعہ پر بھوج نے ایک برہمن کو دیکھا جس کے وہ زخم جو اسے لڑائی میں لگے تھے ابھی تک خون سے بھرے ہوئے تھے اس کے بال نوچے ہوئے تھے۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ بڑے زور سے کراہ رہا تھا۔ جب اس نے اس سے اس حالت کی کیفیت پوچھی تو اس نے بیان کیا کہ باغی ڈامر مجھ سے ساری چیزیں چھین کر لے گئے ہیں اور مجھے زخمی کر کے ڈال گئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے بھوج کو اس وجہ سے لعنت ملامت شروع کی کہ تم میری مدد نہیں کر سکتے۔ کچھ تو وہ پہلے ہی اپنی مصیبت پر شب و روز کڑھتا رہتا تھا کچھ اب اس برہمن کی مصیبت دیکھ کر اسے اور بھی رنج پہنچا۔ گویا ایسی حالت تھی کہ کسی نے اس کے تازے زخم کو چھیڑ دیا ہو۔ آخر اس نے برہمن کا غصہ دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے بدیں الفاظ مخاطب کیا۔ "اے برہمن میں اس بارہ میں قصور وار نہیں بلکہ ہمدردی کا مستحق ہوں کیونکہ میں خود مصیبت میں مبتلا ہوں۔" اس پر اس نے جواب دیا۔ "راجکمار! تم ایک شریف اور عزت دار نسل سے ہو اور صداقت و ابطال میں امتیاز کر سکتے ہو۔ پھر میں پوچھتا ہوں کہ باوجود اس کے تمہیں اس طرح ضد کے ساتھ مصر ہونے میں کیا حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح پر زندگی کو خطرہ میں ڈال کر تمہارا کونسا مطلب حل ہوتا ہے؟ تم کمینہ لوگوں کے سامنے جھکتے ہو اور لوگوں پر مصائب نازل کر رہے ہو اور جسے تم مغلوب ہونے کے قابل خیال کرتے ہو کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہ اس برہمن کی مانند جو اپنے آپ کو آگ میں سے گذار کر پاک (اگنی شوچ) کرتا ہے اور اس پر کوئی داغ نہیں پڑتا۔ دشمنوں کی بہادری کی آگ میں گر کر اپنے آپ کو صاف کیا

کرتا ہے۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ بلور جس پر تلوار کی نوک بے اثر ثابت ہوتی ہے اسے کنول کی پتی کے ریشے سے چیرا جا سکتا ہے؟ جس نے پرتھوی ہر۔ اوتار[۹۷] (بھکشاچر) اور زبردست دشمنوں کو مغلوب کر لیا تو کیا اس کے مقابلہ میں ایسے ذرا ذرا سے دشمن زک نہ اُٹھائینگے۔ تم مدعیان تخت کے طریقوں سے باخبر ہوتے ہوئے کیونکر اپنی حالت پر فخر کر سکتے ہو؟ ایسے لوگوں کا من تو صرف معاش کی فکر میں اس طرح لگا ہوا ہوتا ہے۔ جیسے ان سانپوں کا جنہیں سپیروں نے پکڑ لیا ہو۔ ان چھوٹے سانپوں کی حالت شرمناک ہے جو پرتھوی کو سہارا دینے والے سانپ (شیش ناگ) کی نسل سے ہیں۔ مگر جب سپیرے اُن کا منہ کھولتے ہیں تو وہ اس وقت خوشی سے خوراک کا لقمہ لینا منظور کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سپیرے جب لوگوں کو ڈرانے کے لئے انہیں تھیلے کے اندر کداتے اور باہر نکالتے ہیں تو ان کا مدعا اپنے گذارہ کے لئے کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ سانپوں کی شہرت منظور نہیں ہوتی"۔

برہمن کی زبانی اس قسم کی باتیں سُنکر بھوج نے اسے مہربانی کے کلمات کہکر رخصت کیا اور ساتھ ہی اس کی سمجھ تیز ہو گئی۔ جسم کے اندر شریف روح کی موجودگی دلی اطمینان کی عظمت کو نمودار کرتی ہے ورنہ مخلوق اپنی فطرتی نرمی یا سختی کا اظہار کرتے ہیں۔ ممکن ہے کسی معمولی چیز پر چاند کی کرنیں پڑ جائیں جس کی روشنی امرت کا درجہ رکھتی ہے تو وہ چیز سخت ہو جائے لیکن (چندرمنی) سنگ ماہ ان کرنوں کی وجہ سے نرم اور تر ہو جاتا ہے۔ ہرچند کہ وہ کشتری خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے شرم و حیا کو بالکل بالائے طاق نہ رکھدیا تھا اور بار بار وہ اس فاصلہ پر غور کرتا تھا جو اس کے اور راجہ کے درمیان حائل تھا۔ بہادری۔ دانائی۔ فیاضی۔ صداقت۔

---

۹۷ معلوم ہوتا ہے کہ بھکشاچر کے ہمراہی ڈامر اسے اوتار کہا کرتے تھے۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۸۵۸۔

مہربانی و دیگر صفات کے اعتبار سے زمانہ قدیم کے راجہ اس راجہ کے مقابلہ میں بالکل حقیر ہیں۔ پھر بھلا ہم ایسے ادنیٰ آدمیوں میں کیونکر اس کی مقاومت کی تاب ہو سکتی ہے؟[۹۷۱] جن موقعوں پر اس کا تیج نمودار ہوتا ہے اس وقت بھی وہ اپنے اطمینان قلبی اور صبر کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ لیکن ہم بیوقوف گو مطیع ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہیں کر سکتے جوش میں آجاتے ہیں۔ چندن کے بلند درخت میں ہر چند کہ آتش صفت زہر والے سانپ رہتے ہیں۔ تاہم وہ سرد ہی رہتا ہے۔ لیکن گہرے کنوئیں کا اندرونی حصہ اس وقت گرم سا ہو جاتا ہے۔ جب کہ ہم سردی کے مارے کانپ رہے ہوں۔ آسائش حاصل کرنے کا طریق یہی ہے کہ راجہ سے پناہ طلب کی جائے اس کا دل قوی ہے اور اس کے خلاف جو فسادات تجویز کئے گئے تھے ان کی وجہ سے وہ ناراض بھی نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی مضبوط صندل کے درخت کو جلانے کے لئے اس میں آگ لگا دے اور پھر اس آگ سے خود ہی جھلس کر جلن کو دور کرنے صندل کے درخت کے پاس آئے تو کیا صندل کا درخت اسپر ناراض ہو جائیگا۔ دھنیسنے ذانا راجہ کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے متواتر اس طرح پر اس کی خدمت کی ہے گویا کسی کئے ہوئے قصور کی تلافی کرنا چاہتا ہے"۔

بھوج کا مطیع ہونے پر آمادہ ہونا جبکہ وہ راجہ کو خوش کرنے کی فکر میں تھا اس نے ایک روز شاہی قاصد کو دیکھا جو اکیلا باہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس سے پہلے جب یہ قاصد دردوں کے ملک میں گیا تھا اس وقت بھی بھوج نے اسے دیکھا تھا اور وہ اس سے بخوبی واقف تھا۔ جب وہ پرنام کرنے لگا اس نے اسے اپنے سامنے بلا لیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

---

[۹۷۱] اس سے آگے شلوک ۳۲۳۰ تا ۳۲۰۹ کا ترجمہ مسٹر جوگیش چندر دت کی کتاب سے کیا گیا ہے۔ سٹائن صاحب نے ان شلوکوں کا ترجمہ نظر انداز کر دیا ہے۔

"راجہ دوسروں کے ساتھ معاہدے کرکے کیا لیگا۔ اس سے کہو مجھ سے عہد وپیمان کرے۔ طبیب سمجھ دار شخصوں کی معرفت مریض کو کھانا دیا کرتے ہیں۔" قاصد سمجھدار تھا اسے اس بات پر اعتبار نہ آیا اور وہ اسے مذاق سمجھکر مسکرانے لگ گیا۔ اس پر بھوج نے بار بار اسی معاملہ کا ذکر کیا اور کسی حد تک اسے یقین بھی دلا دیا۔ دوران گفتگو میں قاصد کو بھوج کے الفاظ کی راستی پر یقین ہو گیا اور اسپر وہ اس کے قریب جاکر راجہ کا ذکر بدیں الفاظ تعریفی لہجہ میں کرنے لگا۔

"اے راجکمار! اس راجہ کے قدموں کا سایہ جو شریف اور اعلےٰ طبیعت رکھتا ہے۔ طلائی پہاڑ (سمیرو) کی مانند صرف انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتا ہے جو خود خوبیاں رکھتے ہوں۔ جس طرح موسم خزاں کے آفتاب کی تمازت سے گرم شدہ پانی کی حرارت کو چاند کی روشنی کے ذریعہ دور کر سکتے ہیں ایسے ہی اس کی دشمنی کو ذرا سا بھی اس کی خواہشات کے مطابق عمل کرکے دور کیا جا سکتا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ راجہ کے جاسوس کی حیثیت میں میں ایک بار اُس موقعہ پر تم سے ملا تھا جب تم دردوں کے ملک کی طرف جا رہے تھے۔ جب میں اس جگہ سے واپس آیا اور تمہاری نسبت ساری باتیں بیان کیں تو وقت گذارنے کے لئے میں نے اس قصہ کو اس طرح پر طوالت دی تھی۔ "مہاراج جبکہ بھوج کے آدمی بھوک۔ پیاس اور تھکان سے تنگ آکر آپ کو برا بھلا کہہ رہے تھے بھوج نے یہ دیکھ کر انہیں جھڑکا اور یہ کہا تھا کہ "وہ تو ہمارا دیوتا ہے۔ وہ ہماری نسل کا زیور ہے۔ وہ ایک ایسا راجہ ہے جس کے قدموں کو ہم اپنے افعال بد کی وجہ سے چھو نہیں سکتے۔ ہر چند کہ ہم بالکل کسی قسم کی قدر نہ کئے جانے کے قابل ہیں تاہم اس سے تعلق رکھنے ہی کی وجہ سے ہماری عزت ہوتی ہے۔ جس لکڑی میں صندل کی لکڑی کی خوشبو بسی ہوئی ہو اس پر اصلی صندل ہی کا دھوکا ہو جاتا ہے۔" میری زبانی یہ باتیں سُنکر راجہ کو

تم پر رحم آگیا اور اس طرح پر گویا کہ تمہارا باپ ہے اس نے مجھ سے پوچھا "بھلا وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟"

یہ سُنکر بھوج کا دل پگھل گیا اور اس نے با چشم پرنم اس قاصد کی طرف دیکھا جو اس کے سامنے کھڑا تھا اور بظاہر اسے تشفی دے رہا تھا۔ اگر کوئی شخص اسقدر سادہ لوح ہو کہ صرف نہایت صاف بات ہی کو سمجھ سکے تو وہ دوسرے کی فطرت کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے کیونکہ وہ اس منشا کو نہیں سمجھتا جو اس کے فیصلہ کی تہ میں ہوتا ہے۔

جب قاصد بھوج کا پیام لیکر واپس آیا تو دھنیہ کو اس کی بات پر اعتبار نہ آیا۔ کیونکہ اس وقت وہ کسی مشکل میں مبتلا نہ تھا۔

بھوج کو اس بات کا فکر لگا ہوا تھا کہ بل ہر مجھ پر ناراض نہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے مصنوعی صاف دلی سے اسے بتایا کہ "یہ معاملہ بھی ناگ والے معاملہ ہی کی طرح ہو گا۔ در اصل میں راجہ کو دھوکا دینے کے لئے چالاکی برت رہا ہوں" لیکن خفیہ طور پر وہ باہمی معاہدہ کو مکمل کرنے کے لئے متفکر تھا۔ اپنے پیام پہنچانے کے لئے اس نے ایک غیر ملکی (ویشک) شخص کے بیٹے کو نوکر رکھا جو ایسے موقعوں پر بخوبی مدد دے سکتا تھا اور سازش کے معاملوں میں خوب چالاک تھا۔ بل ہر کو بھوج کی نسبت کسی قسم کا شبہ نہ تھا۔ اس لئے وہ اس خیال میں رہا کہ قاصد جو محض نوعمر اور ہم سے قطعی بے تعلق ہے شائد اپنے آپ کے لئے کچھ کر رہا ہوگا۔ واپسی پر قاصد نے بھوج کو خبر دی۔ "میں راجہ کے پاس ہو آیا ہوں اور وہ اس معاہدہ کو طے کرنے کے لئے کوئی معتبر شخص سفیر کی حیثیت میں چاہتا ہے۔"
بھوج کو اور تو کوئی معتبر شخص نظر نہ آیا البتہ اس نے نونہ نامی اپنی دایہ کو بھیجدیا گو وہ ایک عورت کی حیثیت میں بہت کم سمجھ رکھتی تھی۔ اس لائق دایہ نے

اس وقت اس کی نگرانی کی تھی جب یہ یتیم رہ گیا تھا اور بچپن میں ماں کی طرح اس کی پرورش کرتی رہی تھی۔

بھوج رانی کلھنیکا کی وساطت چاہتا ہے

بھوج چاہتا تھا کہ رانی کلھنیکا میرے اور راجہ کے درمیان ثالث بنکر معاملہ طے کرادے وہ حسد سے پاک تھی اور اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے اپنی سوتوں کے بناؤ سنگار میں مدد دیا کرتی تھی۔ چونکہ وہ قابل مشیروں کی رائے پر عمل کرتی تھی اس لئے معاملات خواہ اچھی حالت میں ہوں یا بُری میں وہ راجہ کبھی اسے بحالت اضطراب نہ پاتا تھا۔ جب راجہ تخت پر بیٹھا تھا تو اس کے خسر (سسل) کے حسب منشا اور نیز لوگوں کی خواہش کے مطابق اسے پٹ رانی (مہادیوی) کا مکٹ دیا گیا تھا۔ بچوں کی محبت۔ عیش وعشرت کی خواہش یا شوہر کو خوش رکھنے کی فکر میں ہرچند کہ اسے بہت سی بُری تحریکیں پیش آتی رہتی تھیں۔ تاہم وہ خراب افعال کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ اپنی رعایا اور دوسروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے میں اس کے اور اس کے شوہر کے خیالات یکساں تھے۔ وہ کسی قسم کی نخوت نہ رکھتی تھی اور اس کا چال چلن بے عیب تھا وہ جوانی ہی سے اپنے شوہر کے خیالات کو جانتی تھی۔ وہ اپنی عزت اور اعلےٰ نسبی کی طرف سے بڑی محتاط رہتی تھی اور کبھی کسی ایسے کام میں حصہ نہیں لیتی تھی جس کا انجام خراب ہو۔ بھوج کی خواہش کے مطابق اس نے مقام روانگی سے لیکر سرحد تک اس کے سفر کا مناسب انتظام کردیا۔

حسب معاہدہ رانی نے ضامنان توسط کی حفاظت کا پورا انتظام کردیا اور بھوج کو سفر خرچ کے لئے اپنے پاس سے بہت سا روپیہ وغیرہ بھیجا۔ علاوہ بریں اس کی حفاظت کے لئے آٹھ خاص طور پر اعلےٰ نسب کے راج پتر بھیجے۔ دہنیہ

اس معاملہ سے باخبر ہو کر خود وہاں پہنچا اور اس نے راجہ سے دایہ کو اس بات
کا اطمینان دلا دیا کہ بھوج کی منشا کے مطابق عمل کیا جائیگا۔ راجہ نے ہر چند کہ
اس پر اعتبار کر لیا تاہم حقیقت میں وہ اس پالیسی کے اثرات کے متعلق اپنے
دل میں شبہات رکھتا تھا۔ اس نے دل میں سوچا "ٹھگ کریا چالاکی سے وہ اب
دشمنی کا اظہار نہیں کرتا اس لئے مناسب ہے کہ اسے اس مشکل سے نکالا
جائے لیکن ساتھ ہی اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ گذرنے پر وہ دشمنی پر آمادہ نہ ہو جائے
بادلوں کا ہجوم ابھی تک دور نہیں ہوا اور سورج گو نمودار ہو گیا ہے تاہم وہ
عرصہ دراز تک چمکتا نہ رہیگا نہ جب تک فسادات باقی ہیں ہماری قوت فیصلہ
کچھ کام دے سکتی ہے۔ ممکن ہے ناگ کے قتل کی وجہ سے ہمیں بیوقوف خیال
کرے کیونکہ وہ حقیقت میں بے سمجھی کا کام تھا اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے
کو یہ دھوکا دہی کا طریق سوچا ہے۔ ایسی دور اندیشی کسی اور جوان میں جو مشہور
ہو کمزور نہ ہو۔ قابل ہو۔ بہتوں کی مدد رکھتا ہو اور کشتری ہو نہیں پائی جاتی۔
زعفران کے پھول کی ڈنڈی نہیں ہوتی۔ کشیرن (انجیر؟) کے درخت میں بغیر
پھول کے پھل لگتا ہے۔ ایسے ہی بڑے بڑے آدمیوں میں خواہشات دنیوی
سے کسی خاص عمر میں بے توجہی عمل میں نہیں آتی۔ بھوج کی چالاکی خواہ کتنی بھی
گہری ہو اور وہ اپنے آپ کو خواہ کتنا بھی بنائے بہر صورت اسے چھوڑنا واجب
نہیں۔ اگر ہم اس کی طرف دیکھیں ہی نہ تو ہماری آنکھوں کا کیا فائدہ ہے۔ رانی
اور ان راج پتروں کا خیال ہے کہ مطیع ہونے سے بھوج کے اثر میں فرق آجائیگا
اور وہ ۔ سمجھتے ہیں کہ راست طریقہ پر ہوشیاری سے عمل کرنے کے علاوہ اور کوئی
طریق عمل باقی نہیں ہے۔ جو ندی ٹیڑھی چلتی ہے اسے سب لوگ صاف طور پر
دیکھ نہیں سکتے جیسے اس قطرہ آب کو جو معشوقہ کے بالوں کی لٹ سے نیچے

کرتا ہو"۔

اس طرح پر اس حکمت عملی پر غور کر کے جو ازروئے دانائی مناسب معلوم ہوتی تھی اس نے باقی وزیروں کو رخصت کر کے صرف دہنیہ اور رلہن کو اپنے طریق عمل سے باخبر کیا۔

دہنیہ کا بھوج کی طرف روانہ ہونا

"آپنے مدعا کے متعلق اطمینان حاصل کرنے کے لئے سلہن کا بیٹا تم سے ملنا چاہتا ہے"۔ ان الفاظ میں بھوج کے قاصدوں نے دہنیہ کو بلایا اور وہ اس سے ملنے گیا۔ اس خیال سے کہ راجکمار جو صلح پر آمادہ تھا مسلح فوج کو دیکھ کر خائف نہ ہو جائے دہنیہ نے اپنے چند ایک ہمراہی ندی[۹۷۲] کے اندر ایک جزیرے میں اس غرض سے ٹھیرا دیئے کہ اس کا انتظار کریں۔ اس ندی کا پانی کبھی گھٹنوں سے زیادہ اونچا نہ ہوا تھا لیکن اب گرمی میں برف پگھلنے سے اس کی موجیں آسمان تک بلند اُٹھنے لگیں اور نہایت خوف پیدا ہو گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ندی کو بھی ان سے دشمنی ہو گئی ہے۔ کیونکہ اب وہ اسقدر گہری تھی کہ ہاتھی بھی اس میں سے گذر نہ سکتے تھے۔ اس طرح پر رک کر وہ (دہنیہ) دشمنوں کے قابو میں آ گیا جو موقعہ کے منتظر تھے۔

جبکہ دہنیہ کے آدمی سفید کپڑے پہنے اس جزیرے پر مقیم تھے جس کے دونوں کناروں کو دریا کی لہریں کاٹ رہی تھیں وہ سمندری جھاگ سے مشابہ نظر آتے

---

۹۷۲ کلہن نے اس جگہ اس دریا کا نام نہیں لکھا اور نہ اس قسم کی کیفیت لکھی ہے جس سے شناخت میں مدد مل سکے۔ آگے چل کر پانچی گرام کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مراد دریائے کھمل سے ہے جو اتر کے مغرب کی طرف عالے پہاڑوں سے بہتا ہے۔

تھے ہزاروں کمش دہنیہ کو مارنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان حالتوں میں وہ بھوج کے قابو میں ہے۔ سلہن کا صاف دل بیٹا اپنی آنکھوں[۹۷۳] سے جو نہایت متفکر نظر آتی تھیں کانوں کو چھوتا اور انہیں شرارت سے باز رکھنے کے لئے بدیں الفاظ دھمکی دیتا تھا۔ "اگر دہنیہ کو جو ہم پر اعتبار کر کے اور بغیر کسی برے خیال کے یہاں آیا ہے مار دیا گیا تو ہمارا نرک میں جانا یقینی ہے۔ علاوہ بریں اس کے قتل سے راجہ کی طاقت میں بھی کچھ فرق نہ آسکے گا۔ کیونکہ اس کے اور بہتیرے نوکر ہیں۔ تارکشیہ (گرڑ) کا ایک پر ٹوٹ بھی جائے تو اس کی پرواز میں سستی نہیں آتی۔ راجہ ان لوگوں کو مار کر جو ان پر اعتبار کریں بدنام ہوتے ہیں۔ پھر یہ کیسے مناسب ہو سکتا ہے کہ برابر کا آدمی برابر والے کو ضرر پہنچائے جبکہ وہ اپنے فرض کو سمجھتا ہے۔ جس طرح یہ اپنے گزارہ کے لئے پوری وفاداری کے ساتھ راجہ کی خدمت کر رہا ہے ایسے ہی میں بھی چاہتا ہوں کہ اس راجہ کی خدمت کروں۔"

جب اس کے اس قسم کی باتیں کہنے پر بھی وہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے تو اس نے خودکشی کی دھمکی دیکر انہیں اس سے باز رکھا۔ اس کے بعد خطرہ کو دور کرنے کے لئے اس نے ان سب سے بوقت شب طریق پیت کوش پر حلف لیا اور اس بات کی خبر دہنیہ کو بھی کر دی۔

رانی کلہنیکا کا بھوج کے استقبال کو بھیجا جانا

جب دہنیہ نے بھوج کی صاف دلی کی خبر راجہ کو بھیجی تو اس مستقل مزاج اور صاف دل راجہ نے جسے اپنی کامیابی کا پورا یقین

[۹۷۳] کان کو ہاتھ لگانا ممانعت کے معنوں میں آتا ہے مگر بھوج بوجہ احتیاط ہاتھوں کا کام آنکھوں سے لے رہا تھا۔

نہ تھا۔ بڑے غور سے اس بات کو سوچا کہ عہد نامہ کو کیونکر مکمل کیا جائے۔ اس کے بعد اس نے رانی کلہنیکا کو مع وزرا کے اپنے ارادہ سے دوسروں کو خبردار کئے بغیر تار ملک کو روانہ کیا۔ رانی بھی اپنے شوہر کے کہنے کے مطابق سفر پر تیار ہو گئی۔ اور اس کے بعد اس اندیشہ سے کہ مبادا حکمت عملی کی وجوہ جبر وتشدد سے کام لینا لازم بنا دیں کہنے لگی "مہاراج نامور وزیروں[۹۷۴] کے برے طریق عمل کو دیکھ کر کیا یہ واجب نہیں ہے کہ دشمن پر بھروسہ کرنے سے پیشتر ہم اس معاملہ پر پھر ایک دفعہ غور کر لیں۔ فطرت انسانی کے لئے کیونکر ممکن ہے کہ وہ ان باتوں کی تہ کو پہنچ سکے جو دوسروں کے دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ میں اپنی جان کو قربان کر کے بھی آپ کے تحفظ کے لئے آمادہ ہوں لیکن جو باتیں حکمت عملی کروانا چاہتی ہے ان سب کو کرنے کی اجازت نیک عورت کا راست چال چلن نہیں دیتا۔ جھگڑے والے کاموں میں نیک چلنی کا اظہار صرف لفظی[۹۷۵] طور پر ہی ہوتا ہے۔ تمہیں اپنا دشمن رکھتے ہوئے بھوج نے برفانی پہاڑ (ہمادری) پر برف فروخت کرنا شروع کر دیا ہے آجکل لوگ چونکہ زیادہ تر کمینہ چال چلن رکھتے ہیں اس لئے وہ امن رکھنا جانتے ہی نہیں۔ اپنے اور پرائے کا فرق انہیں معلوم نہیں ہوتا اور نخوت کی وجہ سے بالکل بگڑ جاتے ہیں۔ جب کسی نیک راجہ کے دل کو اس کے بیٹے۔ وزیر اور عورتیں سکھا پڑھا کر بگاڑ دیتی ہیں تو وہ بھی غصہ میں اعتباری آدمیوں کو ضرر پہنچا بیٹھتا ہے

[۹۷۴] اس جگہ اشارہ دہنیہ اور دوسرے وزرا کے ذریعہ ناگ کے قتل کی طرف ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۹۹۶۔

[۹۷۵] اس شلوک میں جو محاورہ آیا ہے اس کے ہم معنی محاورے یہ بھی ہیں۔ "الوؤں کو ایتھنز میں لے جانا"۔ "پتھر کا کوئلہ نیوکیسل پہنچانا"۔ وغیرہ لیکن اس جگہ اس محاورہ کا استعمال واضح نہیں۔

آپ زبان کے صادق اور معاملات کی تکمیل میں دغا سے کام لینے والے ہیں اور گویا کہ تینوں لوکوں کے بنے ہوئے پیالے میں اقبال کے شربت کو میرے ساتھ شامل ہو کر پی رہے ہو (تینوں لوک میں آپ کی عزت ہو رہی ہے اور میں بھی اس میں حصہ دار ہوں)۔ بخلاف اس کے اگر میں نے اپنی زندگی ان لوگوں کی خاطر نثار کر دی جنہیں مجھے تباہی سے بچانا لازم ہے تو وہ شہرت و عظمت صرف مجھی کو حاصل ہو گی اور اس لئے میں خود غرضوں کے زمرہ میں داخل ہو جاؤنگی۔"

جب وہ نیک رانی یہ الفاظ کہہ چکی تو راجہ نے جس کے ارادے راست تھے اس سے رخصت چاہی اور اس کے اعتراضات کو رفع کئے بغیر کام پر بھیجدیا۔ سب لوگ دل ہی دل میں خیال کرتے تھے:۔ "کیا راجہ اپنی بے سمجھی میں اس شخص[۹۷۶] کو اپنی حفاظت میں لینا چاہتا ہے۔ جو تمام مصیبتوں اور تباہی کی مجسم صورت ہے؟ اور اس کا وظیفہ مقرر کرنا چاہتا ہے؟ اگر وہ تمام طریقوں کی آزمائش کر کے اب رانی کو نیچے بھیجنے پر مجبور ہو گیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خیال میں اب اور کوئی تجویز عمل میں لانے کے لئے نہیں رہی۔

ڈامروں کی سازشیں جو ڈامر اب تک باہمی اختلاف کی وجہ سے یا اس خیال سے کہ دیکھیں راجہ جبر سے کام لیتا ہے یا نرمی سے غیر طرفدار رہے تھے اب ان سب چھوٹے بڑوں نے انتظار کو پرے پھینک کر بھوج کے آدمیوں کے ساتھ سازشیں گانٹھ لیں۔ اُنہوں نے غیر طرفداری کی پالیسی چھوڑ دی کیونکہ انہوں نے خیال کیا کہ تاج کی خاطر ہمارے اس جدوجہد میں الگ تھلگ رہنے سے ہی بھوج اس حالت کو پہنچا ہے۔

[۹۷۶] معلوم ہوتا ہے اس جگہ اشارہ بھوج کی طرف ہے۔ بہر نوع الفاظ سے اس بارہ میں کچھ پتہ نہیں چلتا۔

ترلک نے فوراً اپنا بیٹا بھوج کے پاس بھیجا اور چنشک سے مضبوط فوج کے ساتھ سمالا پر حملہ کروا دیا۔ نیلاشو کے ڈامر بھکشو کی بغاوت میں بھی دوستانہ برتاؤ پر قائم رہے تھے لیکن اب وہ بھی دشمن سے جا ملے۔ صرف لہر۔ دیوسرس اور ہولا کے تین ڈامر اور نیلاشو کی ایک ڈامر عورت وفادار رہی۔ سلہن کے بیٹے کی فوج پر جس میں مختلف ڈامر بھرتی تھے بر فباری ویسے ہی ختم نہ ہوئی جیسے برسات سے طغیانی میں آئی ہوئی ندیوں کی آواز سمندر میں گرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتی جب بھوج کو رانی کی آمد کی خبر ملی تو اس نے علانیہ طور پر بلہر سے کہدیا "حقیقت یہ ہے کہ میرا ارادہ اب راجہ سے صلح کرنے کا ہو گیا ہے۔ اب تک ہم ایک دوسرے کی طرف سے دھوکہ میں رہے ہیں لیکن جب کسی شخص کی رشتہ دار عورتیں ضامن بنیں تو وہ کیونکر اپنے خاندان سے الگ رہ سکتا ہے؟ جہاں خاندان کا سرتاج (جے سنگھ) اس قسم کی محبت کا اظہار کرے تو مجھ ایسا کم حیثیت شخص کیونکر سختی کا برتاؤ کرنا مناسب سمجھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ یہ ایک فریب ہے۔ اگر ایسا ہے تو مضائقہ نہیں کوئی شخص محض اس لئے مجھے بدنام نہ کر سکیگا۔ کہ میں نے اعتبار ظاہر کیا تھا۔ تمہیں یہ کہتے ہوئے کہ "ہم سب متفق ہیں" فتح کی توقع نہ رکھنا چاہئے۔" ایسے اتحادات[۹۷۷] پہلے بھی ظہور میں آچکے ہیں لیکن اس پر بھی ہم اپنے عروج سے گر پڑے ہیں" بھوج نے یہ اور اسی قسم کی اور باتیں جو مناسب حال تھیں کہیں اور بل ہر وغیرہ باوجود کوشش بسیار اسے اس کے ارادہ سے نہ بدل سکے۔ مددگار والیان ریاست نے اس سے کہا "اب جبکہ تمہاری کوششوں کا ثمرہ نمودار ہونے والا ہے اور دشمن کی پوری تباہی

---

[۹۷۷] کلہن کا اشارہ دردا اور ڈامر فوجوں کے مشترکہ حزیمت اُٹھانے کی طرف ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۸۴۲۔

عنقریب دو تین یوم میں ہونے والی ہے تم کیوں اپنے ارادہ کو بدل رہے ہو؟

پانچ گرام کی طرف کوچ

رانی توتا رملک میں ٹھیری اور دھنیہ اور رلہن معہ راج پتروں کے فوج کو ساتھ لئے پانچگرام[۹۷۸] کی جانب روانہ ہوئے۔ جب بھوج نے انکے آنے کی خبر سنی اور معلوم کیا کہ وہ دریا کے جنوبی کنارے کے قریب ٹھیر گئے ہیں تو وہ بھی ان کے قریب پہنچا اور مقابل والے کنارہ پر جنگل میں ڈیرہ ڈال دیا۔

راجہ کی فوج کے بعض آدمیوں نے جب ہر طرف سے بھوج کے کمپ میں سپاہی آتے دیکھے تو انہیں اس معاہدہ پر اعتبار نہ آیا۔ راج ودن (بلہر) نے اکثر دھنیہ وغیرہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جو وہاں بہت کم فوج لیکر آئے تھے اور واپس نہ جا سکتے تھے۔ بعض جو راجہ کی سپاہ پر حملہ کرنے کے خواہشمند تھے جھیل مہاپدم پر کشتیوں میں چھپے بیٹھے رہے اور سویہ پور سے پل کو کاٹ دیا۔ بعض اور لوگ جو راجہ سے ناراض تھے صرف اس انتظار میں تھے کہ راج ودن کب دلیری سے حملہ کرتا ہے اور اس اثنا میں مختلف راستوں کی سڑکیں روکے ہوئے تھے۔

ڈامروں کی بغاوت کی تیاریاں

بھانگیل و دیگر نواحی علاقوں کے ڈامروں نے قصبہ شنکر ورمن پر اور سمالا والوں نے کشپتیکا[۹۷۹] پر حملہ کرنے کی تجویز کی۔ ترلک وغیرہ مہاسرت نے بھی

---

۹۷۸ پانچی گرام سے مراد غالباً موجودہ پنز گام سے ہے جو اتر پرگنہ کا ایک بڑا سا گاؤں دریائے کھل کے بائیں کنارہ پر واقع ہے گو نقشہ میں دکھایا ہوا نہیں ہے۔ یہ گاؤں اس راستہ پر واقع ہے جو دریائے کھل کی وادی سے گذر کر درہ نتیشنر پر سے گذر جاتا ہے اور آخر کرناو میں جا ملتا ہے۔

۹۷۹ نہر کشپتیکا جو سرینگر کے جنوب کی طرف واقع ہے اس کا ذکر ترنگ ۸ کے

کے کنار[۹۸۰]وال تک پہنچنے کی فکر میں تھے اور نیلا شو کے ڈامر مرکز شہر پر حملہ کرنے کی تجویزیں کر رہے تھے۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے؟ سب لوگ اس فکر میں تھے کہ راجہ کے آدمیوں کو اس طرح قتل کر دیا جائے جیسے پانی میں بطخوں کو نگو دیا جاتا ہے۔ جس طرح بعض سیاروں کے اتصال سے خشک سالی ہونے کے باعث بارش غیر یقینی ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اس وقت یہ معاملہ نظر آرہا تھا جس کی تجویز کا ہر پہلو خطرہ میں پڑا ہوا تھا۔ بھوج سخت اضطراب کی حالت میں تھا کیونکہ اسے بل ہر کو جو ہر قدم پر سرکش ہو کر شاہی فوج کو تباہ کر دینا چاہتا تھا روکنا پڑتا تھا۔ وہ انتظامات امن کو بگاڑنا چاہتا تھا اور اس لئے ہر وقت ان میں کوئی نہ کوئی رخنہ پیدا کر دیتا تھا۔ دونوں کمپوں میں ذرا بھی غلط فہمی پیدا ہوتی تو مستقل مزاج بھوج اسے رفع کرنے کے درپے ہوتا۔ راجہ کے خوشامدی اس وقت جبکہ انہیں سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا اور حالات کی صورت

شلوک ۷۳۲، ۹۵۵-۶-۱-۱۰۶۱-۱۱۱۷-۱۱۲۹-اور ۱۱۶۴ میں آتا ہے۔

شنکر ورمن کے شہر کا موجودہ نام پٹن ہے اور یہ بانگل (جانگل) پرگنہ میں واقع ہے۔

آخر للاکر کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۸۲۰ کتاب ہذا۔

۹۸۰ کسی دوسری جگہ کنار حماسرت کی نسبت مذکور ہے کہ یہ وہ مقام تھا جہاں سے ہولدا (ولر) اور مرو راجیہ کے دوسرے حصص کے باغیوں نے شہر کا محاصرہ کیا تھا۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۷۳۳-۷۵۳-۱۱۵۸۔ قبل ازیں نوٹ نمبر ۹۴۴ کتاب ہذا میں یہ بات جتلائی جا چکی ہے کہ ترک کی اقامت ہولدا میں تھی۔

نوٹ نمبر ۱۴۳ کتاب ہذا میں نیلا شو کی مقامیت کی نسبت جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اگر درست ہے تو لازم آتا ہے کہ اس علاقہ کے ڈامر شہر پر مرکز کی طرف سمت شمال سے حملہ کریں۔

اچھی ہوتی تھی بہ بڑے جوش و خروش میں ہوا کہتے تھے۔ لیکن اس نازک حالت میں وہ بھی مایوس ہو گئے جس بات کی منادی ملک کے اندر ڈنکے کی چوٹ ہو چکی ہو اسے وہ راجہ کے کان میں کہتے ہیں۔ اپنے بدن کو جھکا کر افسوسناک لہجہ میں وہ اسے ایسی باتیں سناتے ہیں جن سے اسے شرم آنے لگتی ہے۔ وہ فخریہ طور پر اسے ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں۔ جو دشمن بھی نہ کہہ سکے اور جن سے اسے بے صدرنج ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ راجہ کے خوشامدی وہی لوگ ہوتے ہیں جو شیطنت و حماقت مجسم ہوں۔ ناٹک کا مسخرہ۔ بازاری شاعر۔ کتا جو اپنے گھر میں گوئوں کے احاطہ کی حفاظت کرتا ہو۔ کھتا[۹۸۱] کو پہاڑ پر اپنی گپھا میں اور شاہی محل کا خوشامدی یہ سب روٹیوں پر حملہ کرنے کے کام میں ہی ماہر ہوتے ہیں اس کے علاوہ باقی موقعوں پر ان کی حالت اس کچھوے کی سی ہوتی ہے جسے جھیل کے اندر سے نکال لیا گیا ہو۔

بھوج کے اطاعت پذیر ہونے سے پہلی رات

آخر کار[۹۸۲] دن کی روشنی نے بلند پہاڑ کشنا بھرت کی بلندی پر جس کی حرارت سورج کی طاقت زائل ہونے کے بعد دور ہو چکی تھی آرام حاصل کیا۔ سورج نے اپنا سرخ قرص دکھایا جبکہ اس کی شعاعیں اس کے بھائی انوردر (شفق) سے مل رہی اور پہاڑوں کی چوٹی پر آرام کر رہی

---

[۹۸۱] لفظ کھتا کو ڈکشنریوں میں کہیں نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے یہ کسی جانور کا نام ہے۔

[۹۸۲] اس شلوک کے ایک اور معنی بھی ہو سکتے ہیں جس میں کشنا بھرت کے معنی راجہ کے ہوں لیکن اس سلسلہ میں مصنف کا منشا جن معانی سے ہے وہ وہی ہو سکتے ہیں جو اوپر دیئے گئے ہیں۔ رات کی کیفیت میں جو شلوک لکھے گئے ہیں ان میں سے بھی اکثر ذومعنی ہیں۔

تھیں۔ لوگوں نے ہاتھ جوڑ کر دن اور رات کے درمیان ثالث کا کام کرنے والی سندھیا کی پرستش کی۔ جبکہ چاند (رو جن) نکلنے کو تھا (یا جبکہ راجہ کامیاب ہونے کو تھا) ہاتھیوں کے دانتوں پر چھالے نمودار ہوئے۔ تمری پتھروں میں سے نمی نکلنے لگی اور سمندر پر جوار آنے لگا۔ شہد کی مکھیاں جب اپنی دوہری غذا (کنول کے شہد اور ہاتھی کی کنپٹیوں کے عرق) سے محروم ہو گئیں تو رات بھر کے لئے آخر انہوں نے ہاتھیوں کی کنپٹیوں ہی کو اپنا نشیمن بنایا کیونکہ کنول کے پھول بند ہو چکے تھے۔

جے سنگھ کے وزرا اب گھبرا رہے تھے کیونکہ انہیں یہ معاملہ ختم ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ وہ ایک نازک حالت میں تھے اور فوجوں سمیت دریا کے کنارے فکر میں ڈوبے جا رہے تھے۔ انہیں کوئی جگہ ایسی نظر نہ آتی تھی جہاں ثابت قدمی سے پاؤں جما سکیں۔ فی الحقیقت جو لوگ دریا کے بہاؤ میں بہتے جا رہے ہوں انہیں ہر چیز غیر قائم اور متحرک نظر آتی ہے۔ بِل ہر کے اندر جو دوسرے کنارہ پر تھا بار بار حملہ کرنے کی خواہش پیدا ہوتی تھی لیکن سلہن کا بیٹا اسے روک دیتا تھا۔ وزیر اس خیال سے کہ معاملہ طے ہو چکا ہے اپنے ہمراہ بہت کم جمعیت لائے تھے۔ جسے طاقتور ملہر بڑی آسانی سے تباہ کر سکتا تھا جس طرح شہر میں وتسٹہ اور سندھو کے سنگم کی یاترا[۹۸۳] کے موقعہ پر لوگ کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی اس رات بے تھکان شب بھر اِدھر اُدھر پھرا کئے۔ راج پتر ان خطوط کی وجہ سے بیچپیگی میں پھنس چکے تھے جو اندرونی اور بیرونی دربار کے اہلکاروں نے مختلف لوگوں کی

[۹۸۳] جیسا کہ نوٹ نمبر ۱ ضمیمہ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے جو لوگ کشمیری پریاگ کو جانے لگیں وہ رات کے وقت سرینگر سے کشتیوں میں سوار ہو جاتے ہیں تاکہ صبح کے وقت تیرتھ میں جا پہنچیں۔

تحریک سے ڈامروں کا جتھا توڑنے کے لئے بھیجے تھے۔ بھوج کے آدمیوں نے بہت کچھ اودھم مچایا لیکن اس نے اپنے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ بھوج کو جمع شدہ سرداروں پر بھروسہ نہ تھا اور وہ اطمینان سے سوچ رہا تھا کہ "اگر بل ہر کی طرف سے غفلت برتی گئی تو ممکن ہے وہ غصہ میں آکر یکا یک حملہ کر دے۔ اگر ایک بار اس نے قتل پر ہاتھ اُٹھا لیا تو تمام اطراف سے ڈامر اس طرح جمع ہو جائیں گے جیسے پرایوپویش کے لئے برہمن جمع ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے اس نے بظاہر اپنے آپ کو دغا بازی کرنے کے لئے تیار رکھا اور بل ہر کو یہ کہکر رضامند کر لیا کہ "جب رات گذر جائیگی تو ہم حملہ کر دیں گے"۔ اس خیال سے کہ میری خاطر جو سردار آئے ہوئے ہیں انہوں نے کھانا نہیں کھایا اس شریف النسب شخص نے بھی فاقہ ہی رکھا۔ لیکن وزیروں نے خطرہ میں یہ نہ سوچا کہ ہماری اور اس کی رائے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں بلکہ یہ سمجھ لیا کہ وہ دھوکے بازی کر رہا ہے۔ جب پرندہ پر پھیلاتے اور مچھلیاں دوڑتی تھیں تو وہ خیال کرتے تھے۔ کہ دشمن حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے۔ چونکہ وہ خود سخت اضطراب کی حالت میں تھے۔ اس لئے دریا کے دوسرے کنارہ پر چکرواک پرندوں کے علاوہ انہیں اور کسی کے مبتلائے مصیبت ہونے کا خیال نہ تھا۔ (یعنی جس طرح دریا کے دونوں کناروں پر چکوی اور چکوا رات کے وقت جدا جدا ایکساں مصیبت کی حالت میں ہوتے ہیں اسی طرح ایک کنارے پر وزیر اور دوسرے کنارے پر بھوج کی حالت تھی مگر وزیر اس کی حالت کو بوجہ اپنے اضطراب کے بھولے ہوئے تھے) جس طرح رامچندر جی کے جاسوس ہنومت کو سمندر عبور کرنے میں اس کے باپ پون نے مدد دی تھی۔ ایسے ہی ہوا نے ان کے جاسوسوں کو ندی عبور کرنے میں مدد دی۔ ان جاسوسوں نے رات بیداری میں بسر کی۔ اور دشمن کے قریب رہے

جس کے کان لب دریا کے درختوں کے ہوا سے سائیں سائیں کرنے کی وجہ سے بہرے ہو چکے تھے۔

بھوج کی آمد شاہی کیمپ میں دن نکلنے کے وقت جبکہ ابھی سورج کی کرنیں پہاڑ کی برفانی چوٹی پر پڑ کر سنہری کنول پھول کا دھوکا دے رہی تھیں۔ اور جب کہ شبنم ابھی پودوں کے آنکھ جیسے شگوفوں سے جو اس طرح پر چکرواک کے فراق پر روتے نظر آرہے تھے خشک نہ ہوئی تھی۔ کہ انہیں سامنے سے ایک جوان ڈولی میں بیٹھا آتا نظر آیا وہ پہلے دریا کے کنارہ پر اترا تھا اور اب خوبصورت پوشاک پہنے جنگی تبر ہاتھ میں لئے ان کی طرف آرہا تھا۔ اس کے ہمراہ صرف چند ایک پیادہ آدمی تھے اور وہ ابھی جنگل کی آڑ میں سے نکلا تھا۔ وہ ڈولی برداروں کے سروں کو اپنے پاؤں سے چھو کر چلا رہا تھا۔ ڈامر سپاہی اسے آگے بڑھنے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ ایک ایسی نگاہ سے انکی طرف دیکھتا تھا۔ کہ کسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

جب انہوں نے اس کی پیشانی پر صندل اور زعفران کے ٹیکے دیکھے تو انہوں نے گو اسے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا تاہم اندازہ کر لیا کہ یہی بھوج ہوگا۔ رات بھر وہ راج ودن (بل ہر) کو طرح طرح کے فریب دیتا رہا تھا اور اس کے بعد علی الصبح یکایک کسی بہانے سے اس سے رخصت لیکر ادھر کو روانہ ہو پڑا تھا۔ جب اس کی ڈولی پانی میں اُتری تو دھنیہ وغیرہ دوسری طرف سے گھوڑوں کو دوڑاتے اس کے قریب پہنچے اور اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اتنے میں دونوں کیمپوں سے ایک شور بلند ہوا جن میں سے ایک تو افسوس اور آہ وزاری کا تھا اور دوسرا خوشی کے نعروں کا۔ ان آوازوں کو سُنکر ڈامر ہر طرف سے یہ سمجھ کر نکل پڑے کہ لڑائی شروع

ہوگئی ہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ بھوج مخالفوں کے ساتھ مل گیا ہے

تو وہ سر دُھننے لگے۔

دھنیہ اور وزیروں نے اس کا عزت کے ساتھ استقبال کیا اور اسے تعریفی الفاظ میں مخاطب کیا۔ کوئی بات ایسی ظہور میں نہ آنے دی جو اضطراب پیدا کرنے والی ہو اور ہر شخص نے حفظ مراتب کو ملحوظ رکھا۔ شاہی کیمپ میں ہر شخص کا دل مارے خوشی کے اچھلا جاتا تھا لیکن دھنیہ نے ضبط سے کام لیکر مختلف طریقوں پر تعریف کرتے ہوئے بھوج سے کہا:-

"ہے راجکمار آپ مستقل مزاج ہیں آپ کی ذات سے یہ زمین پاک ہوگئی ہے اور آپ اس طرح دانائی اور بزرگی کی جائے رہائش ہیں جس طرح میرو پربت دیوتاؤں کی ہے۔ آپ کے الفاظ بے بدل ہیں اور اس لئے وہ کھیر سمندر کے دودھ سے بھی افضل ہیں کیونکہ اس میں بھی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ آپ کے سوا اور کون ہے جو نر کوکل[۹۸۴] کی مانند کمینوں سے نکل کر اپنی نسل والوں سے آملا ہے؟ اب جبکہ آپ نے راست شعاری کا راستہ کھول دیا ہے تو کوئی تعجب نہیں اگر ہم بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے جائیں۔"

اس اور اسی قسم کے دیگر خطابات کا اس نے مناسب الفاظ میں جواب دیا اور اس کے بعد انہوں نے اسے ایک گھوڑے پر جو بڑے فخر کے ساتھ ناچ رہا تھا سوار کرایا اور تعریف کرتے ہوئے اپنے ہمراہ لے گئے۔ جب کوئل کو اس کی اپنی نسل کے پرندے آکر ہمراہ لے جاتے ہیں تو کوے دور تک کائیں کائیں کرتے اس کا تعاقب کرتے ہیں ایسے ہی اس وقت لونیوں نے کیا اور وہ کئی کوس تک

[۹۸۴] کوکل یا کوئل کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی پرورش کوے کے آشیانہ میں ہوتی ہے۔ اور جب وہ پل جاتی ہے تو وہاں سے اڑ کر چلی آتی ہے۔

بھوج کے پیچھے پیچھے نعرے مارتے گئے۔ اس طرح پر ۱۰ جیٹھ لوکک سمت ۴۲۲۱ (سنہ ۱۱۴۵ء) کو ۳۳ سال کی عمر میں بھوج راجہ کا مطیع ہوا۔

بھوج اور جے سنگھ کی صلح سنہ ۱۱۴۵ء

جب اس نے منزل پر پہنچکر رانی کو پرنام کیا تو اس نے اس کے ساتھ ویسے ہی سلوک کیا جیسے کوئی اپنے بیٹے سے کرتا ہے اور چونکہ اس کے ہمراہی تھکے ہوئے تھے اس لئے خود اس کے کھانے کا انتظام کر دیا۔ اس کے اندر اس قسم کی صفات دیکھ کر جو ایک چندر بنسی خاندان کے راجکمار کے شایاں شان تھیں رانی کو جس نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا خیال گذرا کہ شائد میری آنکھیں مجھے دھوکا دے رہی ہیں ویسے ہی اس (بھوج) نے رانی کی صداقت مہربانی۔ خوبصورتی اور دیگر صفات حسنہ سے اندازہ کیا کہ راجہ یقیناً بے عیب چال چلن رکھتا ہوگا۔ چہرہ کی رنگت انسانی طبیعت۔ دروازہ کی شان و شوکت گھر کی دولت۔ اور بیوی کا برتاؤ شوہر کے چال چلن کا پتہ دیتا ہے۔

شام کے وقت جبکہ بھوج سفر کی تھکان کی علامات ظاہر کر رہا تھا اور آرام کرنے کے لئے جانے کو تیار تھا۔ کسی کو اسے یہ کہنے کی جرات نہ ہوئی کہ آپ راجہ کے سامنے جائیں لیکن اس کے بعد وزیروں نے جنہوں نے ابھی تک ثالث بننے کے متعلق اپنے اعتراض ظاہر نہ کئے تھے بمشکل جرات کر کے کہا "راجہ جس کا شک ابھی رفع نہیں ہوا آپ کو کچھ حکم دینا چاہتا ہے" یہ لفظ[۹۸۵]

---

[۹۸۵] بھوج کے رانی کے کیمپ واقع تارملک میں پہنچ جانے کے بعد جو کچھ ہوتا ہے اس کی اس جگہ بالکل مبہم سی کیفیت دی گئی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بھوج کوچ کی تکان کا بہانہ کر کے راجہ کو ملے بغیر چلے جانے کا ارادہ رکھتا ہے جب اسے بتایا جاتا ہے کہ راجہ تم سے ملنے کا منتظر ہے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ مجھ کو دھوکا دیا گیا ہے اس سے وزرا خائف ہو جاتے ہیں۔

گویا اس بات کی تمہید تھے کہ "راجہ کے سامنے جاؤ" یہ اس کے کانوں میں برچھی کی طرح لگے۔ ایک عرصہ تک تو وہ ان الفاظ کو سُنکر پیچ و تاب کھاتا رہا لیکن اس کے بعد جب اس کا غصہ کسی قدر فرو ہوا تو اس نے معلوم کیا کہ وزیر کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے مگر وہ بات ان کی زبان سے نہیں نکلی۔ بعد ازیں جب وہ اس طرح کے پُر جوش الفاظ زبان سے نکال رہا تھا گویا جان دیدینا چاہتا ہے۔ انھوں نے ادب سے سر جھکا لئے اور نرم الفاظ سے اس کے غصہ کو رفع کیا کسی شخص کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ میں سچ بات کہکر بھوج کے اطوار کو جو گو مخالفانہ لیکن مناسب اور پر اثر ہیں بدل سکتا ہوں۔ آخر کار بہادر دھنیہ نے بڑی نرمی سے اسے حسب ذیل الفاظ کہے اس کے دانتوں کی چمک کے ذریعہ وہ وفاداری ظاہر ہوتی تھی جو کہ اپنے آقا کے متعلق اس کے دلمیں موجود تھی۔ "آپ آداب شاہی سے واقف ہیں اور ہمیشہ مناسب طریق پر عامل رہے ہیں۔ پس اگر کوئی بات ان آداب کے مطابق عمل میں آئے تو آپ کو گھبرانا نہ چاہئے۔ وہ عہد نامہ نامکمل رہتا ہے جس میں ایک فریق دوسرے سے جس کے ساتھ عہد نامہ کیا جاتا ہو ملے بغیر چلا جائے۔ آپ نے اس بات کا پہلے سے کیوں اندازہ نہ کر لیا؟ راجہ کو معلوم ہے کہ آپ نیکیوں سے معمور ہیں اور اپنے رشتہ داروں کی نسبت اپنے فرائض کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ آجکل کے زمانہ میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ راجاؤں کو آپ جیسے وفادار متعلقین مل جائیں یقین مانئے کہ راجہ چالاک آدمیوں کی نصیحت پر عامل ہو کر آپ سے غرور۔ نخوت۔ عدم توجہی۔ لاپروائی یا سرد مہری کا برتاؤ نہ کریگا اس کا اخلاق آئینہ

لیکن بعد میں دھنیہ کی نرم تقریر سے یہ باہمی غلط فہمی رفع ہو جاتی ہے اور بھوج پھر شہر کی طرف چلنے پر راغب ہو جاتا ہے۔

کی مانند صاف ہے اور لوگوں کے سانس (الفاظ) سے دھندلا نہیں پڑ سکتا۔ اسکی سلطنت میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں اس کے مقابلہ میں اس کی ذاتی خوبیاں بدرجہا افضل ہیں۔ سورج سے جو روشنی منعکس ہوتی ہے وہ کسی چراغ سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ عابدانہ گفتگو میں ایک قسم کی تقدیس موجود ہوتی ہے جو صرف رشیوں کی جھونپڑیوں میں پائی جاتی ہے جو اس کے مخالفین کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ آپ کا گھر عنقریب خوشحال ہونے والا ہے۔ اس سے بڑھ کر دولت مند راجہ آپ کی خاطر کیا کر سکتا ہے؟ جو شخص موسم گرما میں تالاب کے پانی کا استعمال چھوڑ دے اس کی نسبت وہ سانپ زیادہ دانا ہے جو گرمیوں میں صندل کے سرد درخت کے گرد کنڈلی مارے بیٹھا رہتا ہے اور ماگھ کے مہینہ میں اپنے گرم بل میں جا داخل ہوتا ہے۔ رانی اور راجکمار راجہ ہی کا حصہ ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ کسی جرم کے مرتکب بھی ہو جائیں تو وہ ان کی دانست میں جائز ہے بشرطیکہ یہ راجہ کی بہتری کی خاطر ہو۔ آپ کا کام اس وقت اُس پانی کی مانند ہے جو ابالنے کے بعد سرد کر لیا گیا ہو۔ اگر اسے دوبارہ گرم کریں تو اس پانی کی مانند آپ کا کام بھی بے مزہ ہو جائیگا۔

ہر چند کہ بھوج اس فاضلانہ تقریر کی تردید کے ناقابل تھا اور اس کا غصہ بھی فرو ہو چکا تھا پھر بھی وہ راجہ کی طرف قدم اُٹھانے میں بے دلی کا اظہار کرتا تھا۔ لیکن جب سڑک پر جا بجا اس نے لوگوں کو اپنی تعریفیں گاتے دیکھا تو اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں راستی ہی پر چل رہا ہوں۔ اس روز پیادہ سپاہیوں کے چلنے پھرنے سے جو گرد اُٹھی اُس سے معلوم ہوتا تھا کہ زمین نے آسمان کے ساتھ تعلق قائم کر لیا ہے۔ بھوج اپنے دل میں سوچ رہا تھا کیا مجھے راجہ کے پاس جانا چاہئے؟ کیا سازشی لوگ میری اس ملاقات میں مخالفت تو

نہ کہینگے ؟ راجاؤں کے محلوں میں خوشامدیوں کے ہاتھوں رکاوٹ پائے بغیر کسے اپنی اعلےٰ صفات کے اظہار کا موقعہ ملتاہے ؟ ہمالیہ پربت کے پانی کی ندی (گنگا) اس امید میں بہ نکلی ہے کہ میرے اندر چونکہ ٹھنڈک موجود ہے۔ اس لئے سمندر جو آتش زیر آب (بڑوانل اگنی) سے دکھی ہے میرے اس میں داخل ہونے سے خوش ہوجائیگا لیکن جس وقت وہ سمندر میں جاکر گرتی ہے اسے سمندری راکشس پی جاتے ہیں اور اس کی امید ناتمام ہی رہ جاتی ہے۔"

وہ اس قسم کے خیالات میں مستغرق جارہا تھا۔ اس لئے وہ اہل شہر کے جوش وخروش کو نہ دیکھ سکا مگر جب سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کو روکا تب اسے معلوم ہوا کہ راجہ کا محل قریب آگیا ہے۔

راجہ کی طرف سے بھوج کا استقبال

جب وہ گھوڑے سے اُتر کر آگے کی طرف بڑھا تو راجہ معہ وزرا کے بلند ایوان پر چڑھا ہوا اسکی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ نہ تو زیادہ لمبا اور نہ پستہ قامت تھا۔ اور اس کے چہرہ کی رنگت دھوپ کی وجہ سے سانولی ہوچکی تھی۔ اس کے جسم کی رنگت کنول پھول کے کچے بیج کے چھلکے کی مانند ہلکی زردی مائل تھی۔ اس کے شانے سانڈ کے کوہان کی مانند مضبوط اور بھرے ہوئے تھے اور اس کی چھاتی فراخ تھی۔ چونکہ اس کی ڈاڑھی زیادہ لمبی نہ تھی اس لئے اس کے رخساروں اور گردن کی لمبائی برابر نظر آرہی تھی۔ اس کی ناک اونچی اور ہونٹ بمب پھل کی مانند سرخ تھے۔ اس کی پیشانی فراخ لیکن اُبھری ہوئی نہ تھی۔ وہ سنجیدگی اور استقلال کے ساتھ قدم اُٹھاتا تھا۔ اس کی پوشاک اور پگڑی اُس کے جسم پر ٹھیک طور پر سجی ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی پر صندل کا تلک جو کہ چاند کی طرح سفید تھا برابر مانگ تک پہنچا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

اسے دیکھ کر راجہ کی آنکھیں مہربانی سے وا ہو گئیں اور جب اس نے اسے اپنے سامنے طلب کیا تو وہ دربار کے کمرہ میں جس میں بہت سے لوگ جمع تھے اور از راہ تعجب گردنیں اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ داخل ہوا۔ راجہ کے آگے جھک کر اس نے اپنے ہاتھ سے اس کے پاؤں کو چھوا اور خنجر جو اس کے ہاتھ میں تھا تخت کے آگے رکھ دیا۔ راجہ نے اپنے ہاتھ کو جس پر ملم سامدریک کے روسے پان کا نشان تھا۔ آگے بڑھایا اور دو انگلیاں اس کی ٹھوڑی کے نیچے کر کے کہنے لگا "تم نہ تو لڑائی میں گرفتار ہوئے ہو نہ اس وقت قیدی ہو پس میرے عزیز کیا وجہ ہے کہ وہ ہتھیار جو تم دے رہے ہو اسے ہم لے لیں؟" اس نے جواب دیا "مہاراج انسان ہتھیار کو محض اپنے آقا یا خود اپنے تحفظ کی غرض سے اپنے پاس رکھتا ہے۔ جبکہ آپ اپنے تیج کی آگ سے ساتوں سمندروں کی حفاظت کر رہے ہیں کسی شخص کو تلوار استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آپ کے چرنوں کی سیوا عاقبت میں بھی حفاظت کا وسیلا ثابت ہوتی ہے۔ پھر بھلا اس دنیا میں ذریعہ تحفظ تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

راجہ نے جواب دیا:۔ "سچائی کے اس مقابلہ میں تم ہی فتحمند فریق ہو۔ اس سے بڑھ کر ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا۔"

بھوج بولا:۔ "میں اس وقت کوئی بات آپ کی خاطر عنایت حاصل کرنے کے لئے نہیں کہتا نہ کوئی اس قسم کا تعریفی کلمہ زبان سے نکالتا ہوں۔ سوائے اس کے جو کچھ کہ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے دکھائی دے رہا ہے۔ کونسی ایسی بات ہے جو آپ نے لئے پہلے نہیں سوچی؟ کونسی تکلیف ہے جو پہلے آپ کو نہیں پہنچائی جو بات ظہور میں نہیں آئی وہ عوام کو معلوم نہیں ہوئی۔ مگر اس وقت اس کا پوشیدہ رہنا ہی ضروری ہے۔ کیا آپ جسے ہم اپنی چرمی آنکھوں سے ایک

معمولی نسل کا آدمی قرار دیتے تھے۔ ل کے خاندان میں کسی بہت بڑے کام کو سرانجام دینے پیدا نہیں ہوئے؟ مہاراج جب کبھی ہم آپ سے برائی کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو زمین بڑے زور سے کانپ اُٹھتی تھی۔ جو آپ کی شان وشوکت ہم نے اپنی آنکھوں دیکھ لی ہے اسے بڑے سے بڑے شاعر اپنے ذہن میں بھی نہیں لا سکتے۔ آپ کے تیج کی حرارت پہاڑ کی چوٹی پر۔ کھڈ میں ٹیلہ پر۔ برف یا جھاڑی میں ہر جگہ میرے ساتھ رہی ہے۔ دور سے میں ہر وقت آپ کی پناہ کا طالب رہتا تھا لیکن چونکہ کوئی باہمی معاہدہ نہ تھا۔ اس لئے ادب کے ساتھ پناہ حاصل کرنے سے قاصر رہا۔ پس جو کچھ میں نے خواہش امن کو دل میں لئے ہوئے کیا تھا وہ محض یہ ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ میں زندہ ہوں۔ کسی قسم کا جھگڑا پیدا کرنے کے لئے نہیں تھا۔ آپ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے تمام بلاد کے حکمرانوں میں ہماری عزت ہے لوگ شیشہ کی بوتل کی محض اس وجہ سے قدر کرتے ہیں کہ اس میں کبھی گنگاجل رہ چکا ہے۔ آج تک "شاہی" لفظ کی چمک لاتعداد کنبوں پر پڑتی ہے جو اپنی ابتدا اس شاہی خاندان سے ملاتے ہیں۔"[۹۸۶]

اس قسم کی تعریفیں کرنے کے بعد جب اس نے کہا "ہر طرح پر آپ ہی سیاہ و سفید کے مالک ہیں"۔ تو اس نے پھر راجہ کے قدموں کو اپنے سر سے چھوا۔ جھکتے ہوئے جب اس کی پگڑی سرک کر گر گئی تو راجہ نے اس وقت جبکہ وہ اُٹھا اس کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی۔ اور مہربانی کے الفاظ سے اپنا خنجر اور زنیرہ جو کہ بھوج نے ڈال دیا تھا اس کے دامن پر رکھ دیا اور جب اس نے انہیں لینے میں پس و

---

۹۸۶ اس کے آگے شلوک نمبر ۳۲۳۱ ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہے اور اس کے کچھ معنے نہیں نکل سکتے۔ بھوج کا اشارہ در اصل اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ ورودوں اور دوسرے حکمرانوں کے متفقہ جھگڑوں میں بھی مجھے سوائے مصیبت کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔

پیش کیا تو بڑے اطمینان کے ساتھ اسے کہا:"میں نے تمہیں جو یہ دو خنجر دیئے ہیں انہیں یا تو پہنا کرو یا بطور ایک اعزازی شے کے رکھ چھوڑو۔ انہیں قبول کرنے سے انکار نہ کرو بلکہ میری مرضی پر چلو"۔ راجہ کے حکم کی تعمیل لازم تھی۔ اس لئے جب اس نے اصرار کیا تو موقعہ شناس بھوج نے اس کی مرضی پر عمل کیا اور آداب بجالاتے ہوئے دونوں خنجر اپنے پاس رکھ لئے۔ اس کے بعد یک لخت راجہ نے تکلف کو چھوڑ کر اس کے ساتھ اس قسم کا ہنسی مذاق اور مہربانی کی گفتگو شروع کردی گویا وہ مدت سے اس کے پاس ہے۔

اتنے میں دانا دھنیہ اندر داخل ہوا اور راجہ کے سامنے پرنام کرتے ہوئے کہا"مہاراج آپ کی نیکیوں کا ذکر سننے کے علاوہ اب ہمارے لئے نہ تو زندگی اور نہ دولت میں سامان راحت موجود ہے۔ اگر کسی چیز میں ہے تو آپ کی دوامی مہربانی میں ہے۔ آپ ہماری اس عرضداشت کو یاد رکھئیگا"۔ راجہ نے جواب دیا "بھوج کی نسبت ہمارے جو کچھ خیالات ہیں وہ اگر ظاہر بھی کئے جاسکیں تو انہیں سمجھا نہ جاسکیگا"۔

بھوج کا رانیوں کے روبرو پیش کیا جانا

تھوڑا عرصہ مختلف معاملات پر بحث کرنے کے بعد راجہ وہاں سے اُٹھ کر معہ بھوج کے رانی روادیوی کے محل کی طرف گیا۔ یہ رانی اپنی نیک طینتی و دیگر صفات حسنہ کے لئے مشہور تھی۔ جب بھوج نے پرنام کرکے اس کی طرف دیکھا تو اِس نے محسوس کیا کہ راجہ بہشتی درخت (پاریجات) اور رانی اس کے پہلو میں تمام خواہشیں پوری کرنے والی بیل (کلپ لتا) ہے۔ راجہ نے رانی سے کہا۔"اے رانی یہ شخص عزت کا مستحق ہے کیونکہ وہ مہربانی اور خاندانی محبت کے احساس سے ہمارے پاس آیا ہے"۔ جس پر رانی نے جواب دیا۔"ہم

اس کی اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ قدر کرتے ہیں"۔

وہاں سے راجہ اسے ہمراہ لیکر رانی کلہنیکا کے محل کی طرف گیا۔ جس نے اس سارے معاملہ کا بار اپنے اوپر اُٹھایا تھا۔ جب بھوج راجہ سمیت محل میں داخل ہوا تو اس چنچل رانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔"اب تو تم فوراً ہی مہاراج کے معتبر دوست بن گئے ہو" اس کے شوہر نے بھوج کا جو معززانہ استقبال کیا تھا اس سے کسیقدر حیران ہوکر اس نے بھوج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا"مہاراج آپ اس بات کو نہ بھولئے کہ اپنی عزت کا پاس کرتے ہوئے اس نے اپنے دوستوں کے مشوروں کو نظرانداز کرکے اپنے رشتہ دار کی محبت کی رہبری میں چلنا ہی پسند کیا ہے۔ وہ جو آپ کی طرح اپنے خاندانوں میں کنول (زیور) کا درجہ رکھتے ہوں انہیں کنول پھولوں پر سبقت حاصل ہونی چاہئے۔ کیونکہ آخرالذکر تو روزمرہ بڑھتے ہوئے پانی کو جو انکا سابق مہربان دوست ہوتا ہے چھوڑتے جاتے ہیں اگر وہ نہ آتا تو ہم مصائب میں مبتلا ہوکر نہ تو اپنی عزت کو برقرار رکھ سکتے نہ واپس ہی آسکتے۔ اگر دریا کے کنارہ پر اُگا ہوا درخت طوفان میں بہ جائے تو وہ بیل جو اس کے اوپر چڑھی ہوئی ہو یقیناً ساتھ ہی بہ جاتی ہے۔ عورت کی زندگی اپنے شوہر کے اس قدر تابع فرمان ہونی چاہئے کہ اسے سوائے اس کے اپنے بچاؤ کا اور کوئی خیال ہی نہ ہو"۔

راجہ نے جواب دیا۔"رانی تم جو میری تمام کارروائیوں کی شاہد ہو جانتی ہو کہ اس بارہ میں میرا ارادہ ویسا ہی ہے جیسے تم نے بیان کیا ہے۔ مینے سجی اور غدارجن کو جو قصوروار تھے سزا دی لیکن میری روح کو آجتک بھی چین حاصل نہیں ہوسکا"۔

دربار میں بھوج کا برتاؤ } جب راجہ نے بھوج کو معہ اپنے ہمراہیوں کے

ایک عالیشان مکان میں رہنے کے لئے کہا تو اُس نے خیال کیا کہ محل کے سوائے مجھے اور کسی جگہ مدامی رہائش اختیار نہ کرنا چاہئے ۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ اگر میں راجہ کی نظروں سے دور فاصلہ پر رہا تو چونکہ راجہ سے ہمیشہ ملاقات نہ ہو سکے گی اس لئے اسے خوش نہ کر سکونگا ۔ یہ سوچکر اور حفظ ماتقدم کا خیال کرکے اس نے مدامی طور پر محل کے اندر ہی رہنے کے لئے راجہ سے درخواست کی ۔ راجہ اس کا برتاؤ دیکھ کر خوش ہوا اور محل کے اندر اس کی رہائش کے لئے ایک پورا سجا ہوا مکان وقف کر دیا ۔

ہر چند کہ راجہ کے گرد بہت سے خدمت گذار اور اور لوگ رہتے تھے جنکی محبت راجہ کے ساتھ اپنے ذاتی فوائد کی غرض سے تھی ۔ مگر راجہ کو بھوج سے ایسی دل بستگی ہو گئی تھی ۔ گویا وہ اس کے پاس عرصہ دراز سے رہتا چلا آ رہا ہے ۔ جب کھانے کا وقت آتا یا عجیب وغریب چیزیں دیکھنے یا اسی قسم کے اور کاموں کا موقعہ ہوتا راجہ اسے فرزند عزیز کی طرح یاد کرتا اور قاصدوں کے ذریعہ بلوا منگاتا رشتہ داری کے لحاظ سے کھانا کھاتے وقت راجہ اسے اپنے دائیں طرف جگہ دیتا تھا اور اسے وہ کھانا بھجواتا تھا جنہیں اس نے خود چکھا یا چھوا ہو ۔ خود بھوج کی طرف سے ...... اس قسم کی محبت کا اظہار ہوتا تھا کہ راجہ کے چھوٹے چھوٹے بچے اس سے اس طرح کھیلا کرتے تھے گویا وہ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے ۔ چونکہ بھوج راجہ کے ساتھ صاف دلی کا برتاؤ کرتا تھا اس لئے خود راجہ اور اس کے درباری بھی پورے طور سے اس پر بھروسہ رکھتے تھے ۔ اس نے دربار خاص کے وہ آدمی راجہ کو بتا دیئے جنھوں نے دوران فساد میں غداری کا اظہار کیا تھا اور اس طرح پر راجہ کو ان اشخاص سے جو اس کی طرف سے لاپرواہی برتتے تھے نیز اور بہت سے دشمنوں کے چنگل سے رہائی دلائی ۔ دربار

کے موقعوں پر وہ کاروباری معاملات کی طرف دلی توجہ دیتا تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ نہ سست اور نہ تند مزاج نہ مکار ہے۔ اگر کسی غلطی کے باعث راجہ کسی کام میں ناکام رہ جاتا یا وہ کام کافی طور پر سر انجام نہ پاتا یا وہ اپنی حد سے تجاوز کر جاتا تو وہ اس طرف متوجہ ہی نہ ہوتا تھا اور نہ ہی اسپر نکتہ چینی کرتا جس طرح کہ کوئی معمولی شاعر کسی بڑے شاعر کی تصنیف پر کیا کرتا ہے۔ وہ اپنی بہادری کے قصوں پر کبھی اظہار غرور نہ کرتا تھا۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ طور پر اس سے واقعات ماسبق کی نسبت دریافت کیا جاتا تو وہ اپنی طرف سے ان میں رنگ آمیزی نہ کرتا تھا۔ جو لوگ اس کے پاس بیٹھ کر اس قسم کے خوشامدانہ فقرات استعمال کرتے کہ آپ اپنی نسل کے راجہ جے سنگھ کے ہم رتبہ ہیں انہیں وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر چپ کرا دیتا تھا۔ اس کا کیرکٹر اس قدر عمیق تھا کہ سازشی مسخرے اور یاوہ گو وغیرہ اس کے پاس رہ کر بھی اس کی تہ تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ جب کبھی کسی قسم کی ہلچل وغیرہ کے باعث لوگ مضطرب ہو جاتے تو یہ اپنی جگہ پر بالکل بے فکر رہتا تھا۔

جب راجہ کو اسپر پورا اعتبار ہو گیا تو اس نے اس کی نگرانی میں کمی کر دی۔ لیکن اس سے یہ ہوا کہ وہ ایک اچھے سدھائے ہوئے گھوڑے کی طرح اس کے پاس ہی رہتا تھا۔ ہر چند کہ باقی موقعوں پر وہ (بغرض خدمت) راجہ کے سامنے رہا کرتا تھا تاہم جب کبھی راجہ رنواس یا دربار میں جاتا تو وہ خود بخود اس کے پیچھے پیچھے ہو لیتا تھا۔ چونکہ وہ شکی مزاج آدمی تھا اس لئے اپنے متعلق تمام درخواستیں خود ہی پیش کرتا تھا۔ جس سے اسے دوسروں سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑتی تھی یہاں تک کہ جو بات اسے خواب میں بھی نظر آتی اسے وہ راجہ سے چھپا کر نہ رکھتا تھا۔ وزیروں۔ رنواس کی عورتوں اور دوسروں سے وہ باہمی بدگوئی

کی جو باتیں سُنتا انہیں بیان نہ کرتا تھا بلکہ بُرے خواب کی طرح بُھلا دیتا تھا۔ ہر چند کہ وہ مذاق پسندوں کے مجمعوں میں شریک ہو کر ان کی گفتگو سے لطف اُٹھاتا اور مناسب جواب دیا کرتا تھا تاہم اندرونی طور پر مسخروں اور بھانڈوں سے اسے بہت نفرت تھی۔

اس قسم کی باتوں سے اس نیک دل راجکمار نے سمجھ دار اور محبت کن راجہ کے اندر اتنی خوشی پیدا کی جو اسے اپنے بیٹوں سے بھی حاصل نہ ہوئی ہوگی۔ اس طرح پر راجہ جے سنگھ نے اپنی نسل کے قیام کے لئے ایک ایسا کام کیا جس کا کلجگ کے راجاؤں کے ہاتھ سے سرانجام پانا مشکل نظر آتا ہے۔

ترلک پر حملہ اس طرح پر ان تمام مصائب پر غالب آنے کے بعد اب راجہ نے ترلک کی طرف توجہ دی۔ آخر الذکر اس وجہ سے تاخیر کر رہا تھا کہ پہاڑی راستوں پر سے برفیں چونکہ پگھل چکی ہیں اس لئے اس حالت میں انہیں عبور کر کے حملہ کرنا بزدلی میں داخل ہے جو بہادروں کے شایاں شان نہیں۔ جبکہ وہ کوچ کرنے کے لئے مناسب وقت کی انتظار میں تھا سنج پال نے بے سوچے سمجھے یورش کر دی اور اُس نے جس کے پاس دارالسلطنت کے صرف چند ایک لائق سپاہی تھے البتہ دیوسرس کی فوجیں بہت تھیں۔ مارتنڈ کے قریب ڈیرا ڈال دیا۔ اپنی طاقت پر اسے اتنا بھروسہ تھا کہ اس بات پر غور ہی نہ کیا کہ دشمن کے لئے اس مقام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور دارالسلطنت سے باہر کے سپاہی ناقابل اعتبار ہیں۔ ترلک کے آدمیوں کے پاس ہر چند کہ تیر نہ تھے تاہم وہ اس کے ساتھ شامل ہو کر بڑی بہادری سے لڑے۔

جبکہ سنج پال کی فوجیں پوری طاقت سے حملہ کر رہی تھیں تو بیہ ترلک نے

لاتعداد سپاہ سمیت بڑے جوش سے ان پر دھاوا کر دیا۔ اس پر تمام دیوسرس کے لوگ لوٹ کا مال جمع کر کے سنج پال کا ساتھ چھوڑ فرار ہو گئے۔ جب دشمن کی سپاہ ہر طرف پرے کے طوفان کی طرح پھیل گئی تو اس وقت صرف دار السلطنت کے سپاہی ہی بڑے بڑے پہاڑوں کی مانند ثابت قدم رہے۔ سورج پوری تمازت سے چمک رہا تھا وہ بہت دیر تک میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں جمے رہے اور اس کے بعد بہت سے دشمنوں کو مار کر مختلف جگھوں میں کام آئے۔

جنگ مارتنڈ } جبکہ یہ سارے بہادر آدمی لڑائی میں قتل ہو چکے تو خود سورج (مارتنڈ) کو بہت سی ضربیں لگیں۔ کیونکہ اکثر جوان اس کے قرص[۹۸۷] کو توڑ کر اس کے اندر آباد ہونے کے لئے داخل ہوئے۔

اس لڑائی میں گیا پال پسر سنج پال نے خوب داد شجاعت دی۔ گو اسکی سواری میں تین گھوڑے مارے گئے تاہم اس کی پھرتی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ کبھی پاپیادہ نظر نہ آتا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی جرج ابھی نو عمر ہی تھا اور پہلی مرتبہ ہی اس لڑائی میں شریک ہوا تھا تاہم اس کی شجاعت کو دیکھ کر بڑے بڑے بہادر جو اچھے اچھے میدان دیکھ چکے تھے حیرت میں تھے۔ کمانڈر انچیف سنج پال[۹۸۸] کے بائیں بازو نے وہ وہ کرتب کر کے دکھائے جو دائیں نے نہ کئے تھے۔ سورج بڑے

---

[۹۸۷] خیال ہے کہ جو لوگ لڑائی میں بہادری سے لڑتے ہوئے کام آتے ہیں وہ پس دن سورج دیوتا کے لوک میں جا پہنچتے ہیں۔ کچھ اشارہ ان لوگوں کی طرف بھی ہے جنہوں نے مغلوب ہونے کے بعد مارتنڈ کے مندر میں پناہ حاصل کی تھی دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۲۹۵۔

[۹۸۸] سنج پال کے کمپناپتی کے عہدہ پر مامور ہونے کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۱۹۰ و نوٹ ۸۹۳ کتاب ہذا۔ رلہن کے بھائی پر حملہ کرتے وقت اسکا دیاں بازو اُڑ گیا تھا۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۱۶۶۔

بڑے ہاتھیوں کو صرف گرمی سے تکلیف پہنچاتا ہے لیکن چاندان کے دانتوں کو توڑ ڈالتا ہے۔ راہوار پر سوار ایک ہاتھ میں تلوار چمکاتا وہ ایک پردار پہاڑ پر جنگلی آگ اور اس کے دھوئیں سے مشابہ معلوم ہوتا تھا۔

لیکن اس گھمسان کے معرکہ میں جب اس کے گھوڑے نے راستہ رکا ہوا پایا تو وہ پیچھے کی طرف لوٹا اور تیر کا زخم کھانے پر اسے اپنی پیٹھ سے گرادیا چونکہ اس نے بھاری زرہ پہنی ہوئی تھی اس لئے سخت زمین پر گرتے ہی وہ بیہوش ہو گیا اور اس حالت میں اس کے دونوں بیٹے اسے میدان سے اُٹھا کر باہر لے گئے ساری فوج ترک اُٹھا کر منتشر ہو چکی تھی۔ اس لئے ان دونوں نے دشمن سے آنکھ بچا کر اسے مارتنڈ کے مندر میں لا ڈالا اور اس کے بعد راہ فراری اختیار کیا۔

راجہ نے جب یہ خبر سنی تو وہ اتنی بڑی جمعیت لیکر جس سے ترلک کو بآسانی مغلوب کیا جا سکتا تھا روانہ ہوا اور وہاں پہنچکر اس کی جگہ پر اس کو روک دیا۔ جب وہ وجے کشیتر میں پہنچا تو سنج پال نے محاصرین کو پسپا کر کے لونیہ (ترلک) کا مکان جلا ڈالا۔ آخر الذکر ہر چند کہ راجہ کی ناراضگی سے اس نوبت کو پہنچ چکا تھا تاہم اسے کسی بات کی کمی محسوس نہ ہوتی تھی کیونکہ مختلف پہاڑی وادیوں سے اسے ضروری سامان مل جاتا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں اور گھر بار سے الگ ہو چکا تھا اس کے ہمراہی اس دانائی سے کام لیتے ہوئے جو مصیبت میں بآسانی حاصل ہو جاتی ہے اسے لعنت ملامت کرتے تھے۔ آخر کار جب اسے کسی طرف سے سہارا ملتا نظر نہ آیا تو اپنی انگلی[۹۸۹] کاٹ ڈالی اور خشمناک راجہ سے جان کی امان مانگی۔

لوہر میں گلہن کی تاجپوشی } تب اس لائق راجہ نے

---

[۹۸۹] اس جگہ جو استعارہ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ترلک کو معافی حاصل کرنے میں سخت مشکل پیش آئی۔

گلہن کو جورانی ردا دیوی کے بیٹوں میں سب سے بڑا تھا اوہر کا تاجدار بنا دیا۔[۹۹۰] یہ راجکمار ہر چند کہ صرف چھ سات سال کی عمر کا تھا تاہم وہ صفات حسنہ میں بڑے بڑے حکمرانوں پر ویسے ہی سبقت لے گیا جیسے آم کا تازہ پودا بڑے بڑے درختوں سے اونچا نکل جاتا ہے۔ جو والیان ریاست اس موقعہ پر اظہار اطاعت کرنے جمع ہوئے انکے سروں پر پہنے ہوئے لعلوں کی روشنی جب رانی کے پاؤں پر پڑی جو اس رسم کی ادائیگی میں شریک ہوئی تھی تو ایسا معلوم ہوا گویا وہ پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ جب اس کی رسم ابھیشیک (تاجپوشی) ادا ہوئی تو بادلوں نے زمین پر جو ایک طویل خشک سالی کے باعث خشک ہو رہی تھی اس طرح پانی برسایا گویا وہ زمین کو رانی[۹۹۱] بناکر اس کی رسم ابھیشک ادا کرنا چاہتے تھے۔

راج ودن کی بغاوت

راج ودن کو اب پھر بغاوت کھڑا کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس نے جے چندر[۹۹۲] پر جو راجہ کے احکام کی بڑی پھرتی سے تعمیل کرتا تھا حملہ کر دیا۔

---

[۹۹۰] یہ امر اغلب ہے کہ جس سکہ کی کیفیت کننگھم صاحب نے کوائنز آف مڈیول انڈیا نامی کتاب کے صفحہ ۴۴ پلیٹ نمبر ۵ تصویر نمبر ۳۵ میں لکھی ہے اور جس پر شری گلہن کی عبارت مندرج ہے اسے اس راجکمار نے واسطے لوہر کی حیثیت میں مسکوک کرایا تھا۔ یہ سکہ اسی قسم کا ہے جیسے جے سنگھ کے زمانہ کے معمولی تانبہ کے سکے ہیں۔

[۹۹۱] زمین کو چونکہ اکثر راجہ کی بیوی خیال کیا جاتا ہے اس لئے اسکی تشبیہ رانی سے دی گئی ہے۔

[۹۹۲] جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹۸۱ سے معلوم ہوتا ہے گرگ چندر کا بیٹا جے چندر جے سنگھ کا طرفدار بن چکا تھا۔

لوشٹک[۹۹۳] کی معیت میں جو ناگ کا بھتیجا تھا اس نے ایک درہ میں گرگ کے بیٹے (رجے چندر) کی تعاقب کن فوج کو جو پیچھے پیچھے آرہی تھی شکست دی۔ گرگ کا بیٹا یہ شکست کھاکر بہت کچھ افسردہ خاطر ہوگیا تھا لیکن چند دن بعد ایک جنگ کے موقعہ پر اس نے ناگ کے بھتیجے لوشٹک کو گرفتار کرلیا۔ اس کے بعد اس نے بڑی تیزی سے دیناگرام کی طرف کوچ کیا۔ یہ مقام ایک ایسے دشوار گذار موقعہ پر واقع تھا کہ اب تک اسپر کسی نے حملہ نہ کیا تھا۔ اب اس نے اسے جلاکر بآسانی فتح حاصل کرلی۔ اس پر بھی راج ودن نے حوصلہ نہ ہارا۔ اس نے نہ تو صلح کی اور نہ ہی غصہ میں آیا۔ اس کی فوج دن بدن کم ہوتی جارہی تھی۔ اسپر بھی وہ راجہ پر حملے کے لئے جاتا اور رجے چندر کے ہاتھوں زک اُٹھاتا تھا۔ آخر کار راجہ نے جس کے بازوؤں کی رسائی لامحدود تھی لڑائی میں اسے خفیہ قاتلوں سے مروا ڈالا۔

راج ودن۔ لوتھن اور اور باغیوں کی موت اس کے کٹے ہوئے سر نے جو لٹک رہا تھا گویا اس کی قسمت کے درخت کو جس میں سے ابھی شگوفے پھوٹنے والے تھے کاٹ دیا۔ راجہ نے پرتھوی ہر کی نسل کا خاتمہ کرنے کی نیت سے لوتھن کو بھی خفیہ طور پر قتل کرا دیا۔ ہر چند کہ اس سے پہلے ایک موقعہ پر ترلک نے اسے بچالیا تھا لیکن اس مرتبہ وہ راجہ کی چال کے جال میں آہی گیا۔ مل کوشٹ گشتر جیہ[۹۹۴]۔ سدچندر وغیرہ کا جینا مرنا برابر تھا لیکن آخر کار وہ بھی افلاس سے تنگ آکر مر گئے۔

۹۹۳ؔ اگلے شلوک کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوشٹک راج ودن کا طرفدار تھا اور یہی بات ترنگ ۸ کے شلوک ۲۹۸۷ و ۲۹۹۸ سے واضح ہوتی ہے۔

جے سنگھ کے مذہبی اوقاف

راجہ اوچل کا مٹھ دامی وقف نہ رکھتا تھا کیونکہ شاہی طاقت کی نخوت میں اس نے زندگی کے فانی ہونے کا خیال ہی نہ کیا تھا۔ اب تک ہر ایک راجہ اپنی مرضی کے مطابق یکے بعد دیگرے اس مٹھ کے اخراجات کا انتظام کر دیا کرتے تھے لیکن اب جے سنگھ نے اپنی نسل کو قائم رکھنے والے کی حیثیت میں اس کے لئے ایک دوامی جاگیر مقرر کر دی۔ اس نے سلادہار کو جس کی بنا اس کے چچا نے ڈالی تھی بدرجہ تکمیل پہنچایا اور اپنے باپ کے وقت کے تین مندروں کو بھی مکمل کیا جو ابھی تک نصف ہی تعمیر ہوئے تھے۔ اس نے اپنی خوشی سے مندروں کے پروہتوں اور اور اپنی پسند کے لوگوں کو گاؤں۔ مندروں کے سامان اور منڈی کی عمارات[۹۹۵] بخشیں۔ اس کے رنواس کی ایک چندر لکھی رانی چنڈ لا مر چکی تھی۔ اس کے اعزاز میں اس نے ایک مٹھ بنوا کر بہت سا سامان مہیا کروا دیا۔ جہاں یہ حالت تھی کہ کوئی شخص اس مٹھ کے دروازہ سے خالی واپس نہ جاتا تھا۔ اس راجہ نے جو نخوت سے پاک تھا سور یہ متی کا مٹھ جو شہر کی آتشزدگی سے تباہ ہو چکا تھا۔ پہلے سے بھی بڑا بنوا دیا۔

سنج پال کی موت

جب سنج پال راہی ملک عدم ہوا تو راجہ نے اس کے بیٹے گیاپال کو فوج کا چیف کمانیر بنا دیا۔ جیسے چاند کی سرد روشنی میں لوگ آفتاب کی سخت دھوپ کو بھول جاتے ہیں ایسے ہی لوگ

---

[۹۹۴] جیہ غالباً وہی شخص ہے جس کا ذکر جیک کے نام سے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۳۱ میں آ چکا ہے۔ سد چندر کے متعلق دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۴۴۔

[۹۹۵] مندروں یا خاص خاص اشخاص کو دوکانیں عطا کئے جانے کا ذکر کتبوں میں پایا جاتا ہے۔ دیکھو کتاب اپی گرام انڈیا جلد ۱ صفحہ ۱۱۸

سنج پال کے بیٹے کی خصلت کو دیکھ کر سنج پال کو جو متکبر تھا اور گو اپنے اخیر وقت میں کسیقدر نرم طبیعت کا ہو گیا تھا بھول گئے۔ جب بیحد گرمی کے موسم میں بادل اُٹھتے ہیں تو ندی اپنا پانی بڑھانے کی خواہش ظاہر نہیں کرتی کیونکہ اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ مبادا وہ درخت جو اس کے کنارہ اس کے دکھ درد کا شریک ہے بجلی گرنے سے صدمہ اُٹھائے۔

دھنیہ کی موت

جب یہ راجہ جو تمام راجاؤں میں ایک جوہر کا درجہ رکھتا تھا اپنے دشمنوں کو تباہ کر چکا تو دھنیہ جس پر اس کی خاص نظر عنایت تھی اور جس نے بھکشو کی موت سے بھوج کی شکست تک شاہی معاملات کا بار تنہا اُٹھائے رکھا تھا مر گیا۔ جبکہ ملک[۹۹۶] میں جا بجا مدعیان تخت نظر آرہے تھے دھنیہ کی بے روک وزارت نے نوعمر راجہ کے راستہ سے تمام روکاوٹیں دور کردی تھیں۔

وہ راجہ جو اپنی رعایا کو ہر قدم پر مصیبت میں مبتلا ہوتے دیکھ کر ان کی مدد پر آمادہ ہو واقعی اس لائق ہوتا ہے کہ ساری مخلوق کو ضائع کر کے بھی اس کی حفاظت کی جائے۔ جب دھنیہ کا آخری وقت آیا تو راجہ اس کے پاس سے اُٹھ کر کہیں نہ جاتا تھا بلکہ جو لوگ اس کی صحت یابی کے لئے دعاگو تھے۔ ان کے ساتھ رہ کر سوتا تک نہ تھا۔ اس وزیر[۹۹۷] کے مرنے پر راجہ کی جو اپنی رعایا سے پیار کرتا تھا شباہت میں جو

---

[۹۹۶] یہ شلوک جس کا ترجمہ اس جگہ درج کیا گیا ہے اصل کتاب میں چھ شلوک چھوڑ کر آگے لکھا ہوا ہے لیکن سلسلہ مضمون کے لحاظ سے اسی جگہ درج ہونا چاہئے تھا۔

[۹۹۷] اس شلوک کا مطلب مشتبہ ہے۔ کلہن کا منشا دراصل یہ جتلانا معلوم ہوتا ہے کہ دھنیہ کی موت پر راجہ نے جو ہمدردی کا اظہار کیا اس سے رعایا میں نئے سرے سے جان پڑ گئی۔

فرق پیدا ہو گیا۔ اس سے لوگوں کو اس دنیاوی زندگی میں گویا نئی جان حاصل ہو گئی رعایا جو اس سے پہلے مان دھاتر جیسے راجاؤں کی موت سے مصیبت میں مبتلا ہو گئی تھی اس کے مرنے پر خوش ہو گئی۔ وقت انسان سے مختلف کام لینے کی زبردست قدرت رکھتا ہے۔ اسی کی مرضی سے از مان وفاداری کو یاد رکھتا ہے یا بالکل ہی بھول جاتا ہے۔ مُر (راکھش) کو مغلوب کرنے والے (وشنو) نے شیشناگ کے اوتار میں زمین کو سہارا دیا اور وراہ اوتار میں اسے کھود ڈالا۔ سجی کو موقوف کرانے کے بعد جب یہ کوتوال شہر[۹۹۸] مقرر ہوا تھا تو اس نے ان بہت سی خرابیوں کو دور کیا تھا جو ملک کے اندر ایک عرصہ سے موجود تھیں۔

کلراج کا انتظام شہر میں مختلف خرابیوں کی وجہ سے تجارتی کاروبار میں دینار کا استعمال ترک ہو چکا تھا اس نے ان خرابیوں کو دور کر کے پھر اس سکہ کو بخوبی مروج کیا۔ اس سے پہلے دستور تھا کہ اگر کوئی شادی شدہ عورت بدچلنی کی مرتکب ہوتی تو اس کے گھرانے کے آدمیوں پر جرمانہ کیا جاتا تھا لیکن اس نے بہت کچھ غور کرنے کے بعد اسے موقوف کر دیا۔ جب وہ شہر کا کوتوال ہوا تو اول اول اپنی پوری توجہ لوگوں کی بہتری کی طرف دیتا رہا لیکن بعد میں اس نے انپر تشدد شروع کر دیا۔ اور بہت سے لوگوں کو اس بنا پر سزائیں دیں کہ انہوں نے رقاصہ عورتوں کو شادی شدہ عورتوں کی طرح گھروں میں داخل کر کے ان سے مجرمانہ اختلاط کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔

---

[۹۹۸] ترنگ ۸ کا شلوک ۲۱۹۰ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ کوتوال شہر سے مراد سجی کے قاتل کلراج سے ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس شخص کا اس جگہ نام نہیں دیا گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا کلہن نے کلراج سے کسی قسم کے ذاتی تعلقات رکھنے کی وجہ سے اس قسم کی احتیاط برتی ہے؟

لیکن ان نقائص پر جو بھوسہ کی مانند ہلکے ہیں (معمولی ہیں) زیادہ توجہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ دیانت داری اور بے غرضی کے معاملہ میں کوئی شخص اسکا ثانی نہ تھا۔ موقعہ شناسی کے اعتبار سے وہ بھی بھکشو اور ملارجن کا مقلدرہ چکا تھا۔ تاہم اس نے یہ نہیں کیا کہ اپنے آقا کی خدمت گذاری چھوڑ دی ہو۔ ہر چند کہ بسجائے عروج اس کے اخراجات زیادہ نہ ہوا کرتے تھے تاہم جب وہ مرا ہے تو اتنا بھی نہ چھوڑ گیا کہ اس کی آخری رسومات کے لئے کافی ہوتا۔ راجہ کی احسان شناس طبیعت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا مل سکتا ہے کہ اس نے اس کے عیال و اطفال سے اس کی موت کے بعد بھی ویسا ہی سلوک کیا جیسے اس کی زندگی میں کرتا تھا۔

جے سنگھ کی قائم کردہ مذہبی عمارات

جب دھنیہ مرا ہے تو اس نے ایک وہار تعمیر کروانا شروع کیا تھا جس کا نام اس کی مرحوم بیوی سجا کے نام پر سجا وہار ہونا تھا۔ راجہ نے اسے مکمل کروا کر کے اس کے لئے دوامی وقف قائم کیا۔ راجہ کے عابدانہ افعال دیکھ کر اُن لوگوں کے دلوں میں بھی جو پہلے صرف جنگ وجدل سے زندگی بسر کرتے تھے نیکی کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور وہ مذہبی خوبیوں کے حصول کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کملیہ[999] کے چھوٹے بھائی راجکمار سنگیہ نے اپنے نام پر ایک لنگ استھاپن کیا۔ وہ ایک ایسی کشتری نسل سے تھا جس کے آدمی ترشکوں کے علاقہ میں رہنے کے باعث سوائے ظلم کے اور کچھ نہ سیکھے تھے۔ وہ ہر وقت دشمنوں کے جتھے ہی میں رہا کرتے تھے اور اُس وقت جبکہ راجہ سسل اپنے

[999] ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۹۱ میں کملیہ کا ذکر ان معنوں میں آیا ہے کہ وہ علاقہ تنک کے ایک حکمران لوراج کا بیٹا تھا کلہن کا اشارہ اسلامی فتوحات کے بعد پنجاب کی حالت کیطرف ہے۔ سنگیہ وہی سنگک ہے جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۹۲ میں آیا ہے۔

مخالفوں سے لڑائی میں مصروف تھا کشمیر میں آکر نوکر ہوئے تھے۔
اس نے دریائے وتشٹہ کے کنارے جو بان لنگ استھاپن کیا اسے دیکھ کر ادی مکت[۱۰۰۰] تیرتھ کا خیال پیدا ہوتا تھا۔ جو آسمانی ندی (گنگا) کے کنارے واقع ہے اس کا مٹھ دیکھنے کے بعد جہاں سنیاسیوں کا خاصہ مجمع رہتا ہے۔ شولوک کے دیکھنے کی خواہش دور ہو جاتی ہے۔ یہ نیک دل شخص ہر چند کہ ہمارے زمانہ میں ہو گذرا ہے تاہم اس نے یہ نہیں کیا کہ دوسرے مندروں یا غریبوں کی جائداد کو لوٹ کر اوقاف میں صرف کیا ہو۔ کمانڈر انچیف اودے کی بیوی چنتا نے وتشٹہ کے کنارے ایک وہار تعمیر کروایا۔ اس کے وہار میں جو پانچ عمارات بنی ہوئی ہیں وہ دیوتا کے اُٹھے ہوئے بازو کے ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی مانند نظر آتی ہیں۔ النکار کے بھائی منکھک[۱۰۰۱] نے جو وزیر خارجیہ کا عہدہ رکھتا تھا سریکنٹھ (شوجی) کا مندر اور مٹھ بنا کر شہرت حاصل کی۔ رِلہن کا چھوٹا بھائی سُمنس بھی مٹھ بنا کے۔ اگر ہار قائم کر کے اور مندروں وغیرہ کی بحالی کے ذریعہ اس کے برابر کا بن گیا۔ اس نے ایک مٹھ بھوتیشور[۱۰۰۲] اور دوسرا ترگرامی میں بنوایا اور ایک میں پتروں کیلئے کنک واہنی ندی

[۱۰۰۰] ادی مکت بنارس کے قریب ایک تیرتھ کا نام ہے۔

[۱۰۰۱] منکھک یا منکھ سری کنٹھ چرت نامی کتاب اور اس کوش کا مشہور مصنف ہو گذرا ہے جو اسکے نام پر موسوم ہے اس شخص کے حالات اور اس کی تصانیف کے متعلق دیکھو رپورٹ صفحہ ۵۰۔ اس کے بھائی النکار کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۵۹۸ کتاب ہذا جن دنوں منکھ نے اپنی کاویہ لکھی تو سندھی وگرا ایک کا عہدہ النکار کے پاس تھا۔ اس کاویہ کا نام سری کنٹھ چرت ہے جس میں شوجی کے حالات اس کے اس نام سے لکھے گئے ہیں جس سے کلہن نے منکھ کے استھاپن کردہ لنگ کا ذکر کیا ہے۔ منکھ اور کلہن کی دوستی کے متعلق دیکھو دیباچہ کتاب ہذا۔

[۱۰۰۲] جیسا کہ نوٹ نمبر ۴۸ و ۶۲ کتاب ہذا میں دکھایا گیا ہے کنک واہنی اس ندی کا

اور دوسرے میں دریائے وتسٹہ کا پانی پہنچایا۔ کشیپا گار[1003] نامی ایک مقام پر جہاں وہ دریا جو چشمہ نیل ناگ سے نکلتا ہے اس طرح مشرقی سمت میں مڑتا ہے گویا وہ گنگا کا رقیب بننا چاہتا ہے اس نے گوؤں وغیرہ کے گذرنے کے لئے ایک پل بنایا اور اس طرح پر ایک ایسا عابدانہ کام کیا جو اسے (بھوساگر) دنیاوی زندگی کے سمندر کو عبور کرنے میں مدد دے سکتا تھا۔ شہر میں بھی اس نے اپنے نام پر ایک شوجی کا مندر بنوایا اور ایک مٹھ تعمیر کرایا جس میں بہت سے مکمل شولنگ استھاپن کئے۔ شو ممیشور[1004] کے مندر کو اس نے ایک سنہری آملک (کلس) کے ذریعہ آراستہ کیا

نام ہے جو بھوتیشور (بوتھ شیر) کے تیرتھ کے پاس سے بہ کر گذرتی ہے اور جس کا نام آجکل کانک ندی ہے۔

ترگرامی موجودہ ترگام کے متعلق جو وتسٹا اور سندھو کے مقام اتصال کے مقابل واقع ہے دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۳۲۳۔ جھیل بونسر جو ترگرامی کے قریب واقع ہے اور جس میں دریائے وتسٹہ کا پانی آکر ملتا ہے اسے اب بھی تیرتھ سمجھ کر لوگ کپال موچن یاترا کے موقعہ پر جاتے ہیں۔ دیکھو آخر الذکر کا مہاتم۔

[1003] کشیپا گار کا ذکر اور کہیں نہیں آتا۔ اس جگہ جس دریا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بلاشبہ دریائے وتسٹہ ہے دیکھو نوٹ نمبر ۵ کتاب ہذا۔ لیکن وتسٹہ کا کوئی بھی حصہ کشمیر میں اس قسم کا نہیں جہاں اس کی نسبت کہا جائے کہ وہ مشرق کی طرف بہتا ہے۔ البتہ کہیں اس میں صرف اس قسم کے جھکاؤ پائے جاتے ہیں۔

[1004] آل سار کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۴۴ ۵ کتاب ہذا۔

امریشور کلپ میں ممیشور کا نام ایک چھوٹے سے شوجی کے مندر کے لئے استعمال ہوا ہے جو مائل واقع وادی لدر میں موجود ہے اور جہاں لوگ امریشور (امرناتھ) یاترا کے موقعہ پر جاتے ہیں۔ امریشور مہاتم کے ادھیائے ۱ شلوک ۷ میں لنگ کا نام ممیشور اور گاؤں کا

اور سوم تیرتھ کے نواحی حصوں میں آبپاشی کر کے اور باغ لگاکر انہیں رونق دی۔ اس خاندان میں ایسے ایسے راجہ ہو گزرے تھے جنہوں نے وزیروں کی عالی نسبی۔ دولت وغیرہ پر رشک کھاکران کی جائداد۔ زندگی وغیرہ۔ لے لی تھی۔ خود اندر نے حسد میں آکر راجہ مان دھاتر کو سورگ سے خارج کر دیا تھا کیونکہ وہ اس کے نئے تخت پر قابض ہو گیا تھا۔ لیکن یہ سمجھدار راجہ اس بات کو اپنی عظمت میں داخل سمجھتا ہے کہ اس کے خدام عابدانہ کاموں کے ذریعہ عاقبت کی ترقی حاصل کریں۔

رلہن کے عابدانہ عطایا کی تعریف

جب رلہن نے راجہ کلش کی عجیب ایجاد کے مطابق گلٹ شدہ چتر

مالملک آیا ہے۔ اغلب ہے کہ اس جگہ اشارہ اس چھوٹے سے مندر کی طرف ہے جو اب بھی تباہ شدہ حالت میں مال کے اوپر کی طرف پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ ایک معمولی قسم کا حجرہ ہے جس کا اندرونی حصہ ۷ فٹ ۹ انچہ مربع ہے اور جس کی محراب ستونوں پر قائم ہے۔ اس مندر کے سامنے ایک پتھر کا تالاب ہے جو کم و بیش ۱۲ فٹ مربع ہوگا۔ اس میں ایک چشمہ کا پانی آتا ہے۔ سوم تیرتھ کا لفظ اس مشہور و معروف مقدس استھان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جو شہر سری نگر کے اندر وتسٹہ کے دائیں کنارہ پر دوسرے پل کے عین نیچے واقع ہے اس گھاٹ کا عام نام سومیار ہے۔ وتسٹہ مہاتم کے ادھیائے ۱۷ شلوک ۳۸ میں سوم تیرتھ کا ذکر آیا ہے جہاں وتسٹہ میں نہانے کے شفا دینے والے اثرات پر بحث کی گئی ہے۔

ایک اور سوم تیرتھ وجیشور کے قریب واقع ہے جس کا ذکر وجیشور مہاتم کے ادھیائے ۲ شلوک ۷۷۔ ہر چرت چنتا منی کے ادھیائے ۱۱ شلوک ۲۵۷ اور شائد سروادتار کے امریشور مہاتم شلوک ۱۲ میں پایا جاتا ہے۔ نیل مت پران کے شلوک ۱۳۵۵ میں بھی ایک سوم تیرتھ مذکور ہے جس کی مقامیت کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا۔

یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان سب میں سے کس خاص مندر کی طرف کلہن کا اشارہ ہے۔

لگوائے تو راجہ اسپر بہت خوش ہوا۔ سریشوری میں شوجی اور پاربتی کا جو مندر[۱۰۰۵] ہے اور جس میں ان کی اکٹھی تصویر دکھائی گئی ہے اس جگہ اس نے مع چھوٹی گھنٹیوں اور شمعدانوں کے جن سے مناسب موقعوں پر دیپ مالا کی جا سکتی ہے جو ایک گلٹ شدہ چھتر لگوایا ہے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کوہ میرو گلٹ شدہ چھتر کے بھیس میں اس جگہ اپنے رشتہ دار کوہ ہمالیہ کی محبت کی وجہ سے آخرالذکر کی دختر اور داماد (پاربتی اور شوجی) کی پیشانی پر بوسہ دینے آ گیا ہے۔ شوجی کی آنکھ سے نکلنے والے آگ کے دیوتا نے[۱۰۰۶] اس جگہ پاربتی کے پتے (شوجی) کو یہ کہتے سُنکر کہ وہ جسمانی ملاپ جس کے لئے کام دیو نے اسقدر کوشش کی تھی اور جس کی خاطر میں نے اسے (کامدیو) جلا دیا تھا اسے اب اُما (پاربتی) نے بدرجہ تکمیل پہنچا دیا ہے" گلٹ شدہ چھتر کی صورت اختیار کر لی ہے۔

وہ سنہری چھتر بھی جسے رلہن نے رکمنی کے پتی (کرشن جی) کے مندر کی چوٹی پر لگوایا تھا بڑی آب و تاب سے چمکتا ہے۔ اور اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ وشنو کے چمکدار چکر کو جو راکششوں کا خون پینے سے مستی میں آکر گم ہو گیا تھا اور بعدازاں اُسے وشنو نے تلاش کر کے پھر حاصل کر لیا تھا دیکھنے کے لئے سورج دیوتا خود آیا ہوا ہے۔

سریشوری کے مقدس مقام پر جو کام دیو کو مغلوب کرنے والے دیوتا یعنی شوجی اور اُس دیوتا کی جس کی علامت پرند (گرڑ) ہے قریبی دوستی کا اظہار کرتا

[۱۰۰۵] اس جگہ جس مندر کا ذکر آیا ہے اسے اونتی ورمن کے وزیر شور نے بنوایا تھا۔ دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۳۷۔

[۱۰۰۶] یہ مندر شو پاربتی کی مشترکہ مورتی کے لئے تھا۔ کام دیو کو اس وقت اس آگ نے جلا دیا تھا جو شوجی کی آنکھ سے نکلی تھی۔ جب اس نے شوجی کو بھی عشق کے بس میں لانا چاہا۔

ہے اول الذکر یعنی شوجی کا سنہری چھتر معہ اپنے آرائشی سٹاف و دیگر سامان کے اس گرد سے مشابہ نظر آتا ہے۔ جو گنگا کے کنارے اگے ہوئے کنول پھولوں کی پنکھڑیوں سے اس کے سامنے سانپوں کے پھنکارے مارنے سے اڑتی ہے اور آخر الذکر (وشنو) کا چھتر گول شکل کی بجلی کی مانند ہے۔ جوان بادلوں میں رہتی ہے جو اس کی جٹاؤں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ دنیاوی بیضہ (برہمانڈ) کا سنہری خالی حصہ معہ اپنی عظیم الشان دولت کے ایک گول ڈبہ کی مانند جو اس چتر کے نیچے پھیلا ہوا ہو اور جس کے اندر شوجی اور کیتو کے دشمن (وشنو) کے جنہوں نے جواہرات پہنے ہوئے ہیں تاریک اور چمکدار زیورات یکجا رکھے ہوئے ہوں نظر آتا ہے۔ طلائی چتر گویا اس ڈبہ کا ڈھکنا ہے۔

جے سنگھ کے بیٹے راجہ کے اُس بیٹے (گلہن) کے بعد جو لوہر پر حکمران تھا رانی رواد یوی کے بطن سے چار اور اعلےٰ صفات کے ہوشیار بیٹے پیدا ہوئے۔ اپرادتیہ[۱۰۰۰ ک] لوہر میں پرورش پا رہا ہے کیونکہ وہ گلہن سے ویسے ہی جدا نہیں رہ سکتا جیسے لکشمن رگھو کل رام سے جدا نہ رہ سکتا تھا۔ نوعمر جیا پیڈ کی محافظت راجکمار للتادتیہ کے ویسے ہی سپرد ہے جیسے ستر گھن کی بھرت کے تھی۔ اس خورشید صفت راجہ کے گھر جس کی پرستش ویسے ہی راحت بخش ہے جیسے آفتاب کی ایک پانچواں نیک شہزادہ یشسکر پیدا ہوا جو دوپہر کے آفتاب کی طرح چمکتا ہے۔ للتادتیہ اپنے چنچل اطوار سے جو جوانی کے باعث بے قرار اور بوجہ نیک طینتی دل خوش کن ہیں دیوار جیسی سخت

[۱۰۰۰ ک] یہ ایک عجیب بات ہے کہ اسقدر بعد کے زمانہ میں جے سنگھ کے وقت میں آکر کشمیر کے بڑے بڑے راجاؤں کے نام از سر نو رکھے جانے لگے تھے۔ ایسی ہی مثال تاریخ روما میں ملتی ہے جس کے ایام زوال میں روموس آگسٹس وغیرہ نام پائے جاتے ہیں۔

چیزوں کو بھی نرم کرلیتا ہے۔ اس کا سرخی مائل چہرہ جس پر صندل کے ٹیکے لگے ہوئے ہیں اور سرخ نچلا ہونٹ یہ دونوں اس سنہری کنول پھول سے مشابہ ہیں جس پر دوپہر کی دھوپ پڑ رہی ہو اور شہد کی مکھیاں اُس پر بیٹھی ہوئی ہوں۔ ہر چند کہ نوعمری کی وجہ سے اس کی گفتگو صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتی تاہم اس میں وقر کا لہجہ پایا جاتا ہے اور وہ اس امرت بھری آواز سے مشابہ ہوتی ہے جو اس وقت نکلتی تھی جب سمندر کو بلویا گیا تھا۔ یہ نوعمر راجکمار جو ایک بڑی نامور نسل سے تعلق رکھتا ہے اپنے اطوار سے آئندہ ہونہاری کے آثار نمایاں کر رہا ہے[ش۱۰۰] اس (راجہ) کی چار نیک چلن لڑکیاں منیلا۔ راج لکشمی۔ پدمشری اور کملا ہیں۔ بجے سنگھ اور روا کا بے عیب جوڑا موسم برسات اور کنول پھولوں کے تالاب سے مشابہ ہے اور ان کے حسین اور خوبصورت، بچے خوشیوں اور تفریحوں کا مجموعہ ہیں۔

رانی رِدا کے عابدانہ افعال } روادیوی کی دولت ہمیشہ اس ملک میں جو تیرتھوں اور مندروں سے متبرک ہے صرف کئے جانے کے باعث اس کے اقبال کا باعث بن گئی ہے۔ یہ رانی جب والیان ریاست۔ عمائد اور وزرا سمیت مقدس مقامات کی زیارت کو جاتی ہے۔ تو مجسم شاہی اقبال نظر آتی ہے۔ ستی[ف۱۰۹] کے اس ملک (کشمیر) میں جو بیشمار تیرتھ ہیں ان میں جب یہ پاکباز عورت (ستی) اشنان کرتی ہے تو وہ ستی (پاربتی) کے جسم سے چھوئے جانے کی خواہش کو ترک کر دیتے ہیں۔ جب

ش۱۰۰ اس سے آگے کے شلوک نمبر ۹ ، ۳۳ کا ترجمہ نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا کچھ مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

ف۱۰۹ کشمیر کو ستی کا ملک بھی کہا جاتا ہے۔ جو پاربتی کا ایک نام ہے۔ دیکھو ستی سرس مذکورہ ترنگ ۱ شلوک ۲۵۔

وہ یاترا کے لئے نکلتی ہے تو خواہ مطلع صاف ہی کیوں نہ ہو بارش سے بھرے ہوئے بادل اس کے شوق دیدار میں اس طرح پیچھے پیچھے لگے رہتے ہیں گویا وہ برکھا رت ہے۔ جب وہ دیناوی تیرتھوں کے مقدس پانیوں کو دیکھنے کے لئے روانہ ہوتی ہے تو آسمانی پانی رشک کھا کر اپنے آپ کو بارش کی صورت میں نمودار کرتے ہیں یہ نازک بدن رانی تیرتھوں کی یاترا کا اسقدر شوق رکھتی ہے کہ راستہ کے نہ تو ان پہاڑوں سے خوف کھاتی ہے جو آسمان سے باتیں کرتے ہیں اور نہ ان دریاؤں سے جو اپنے کناروں کو بہا کر لے جاتے ہیں۔ اس دانا اور ہوشیار رانی نے اس قدر مندر بنوائے اور بحال کئے ہیں کہ وہ لنگڑی دواپر بھی سبقت پا گئی ہے۔ اس نے رُور کا ایک مشہور و معروف مندر رور لیشور نامی تعمیر کروایا ہے جسپر سنہری آملک لگا ہوا ہے اور ملک کشمیر کا ایک زیور ہے۔ یہ مندر گویا سارے عالم کی خوبصورتی کا نچوڑ ہے۔ یہ سفید پتھر کا بنا ہوا اور چاند کی مانند روشن ہے اور آجتک ویسے ہی چمکتا ہے جیسے رُور نے اپمنیو[۱۰۱۰] کی پیاس بجھانے کے لئے دودھ کا وسیع سمندر بہادیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے شاناتا[۱۰۱۱] وساد کے مندر (یا مندروں) کو بھی مرمت کروایا ہے۔

جب راجہ خشمگین ہوتو نوکر اس (رانی) کے پاس آکر ویسے ہی پناہ حاصل

[۱۰۱۰] اُپ مینو کے قصہ کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۱۶۱ کتاب ہذا۔

[۱۰۱۱] ظاہر ہے کہ شاناتا وسادپرساد سے مراد کسی خاص مندر سے ہے گو اس نام کے کسی مندر کا ذکر اس سے پہلے نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کا اشارہ راجہ اشوک کی طرف ہے جس کے لئے ترنگ ۱ کے شلوک ۱۰۷ میں اس نے شاناتا وساد کا لفظ استعمال کیا ہے جہاں پر اس نے وجیشور میں اس راجہ کے دو پرساد تعمیر کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں یہ لفظ اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔

کرتے ہیں جیسے برفانی کوہستان کی ندی (گنگا) میں اسوقت سمندری مخلوق پناہ حاصل کرتی ہے جب وہ (یڑوانل اگنی) بحری آگ سے تنگ آگئی ہو۔

راجہ سے اسے اسقدر محبت ہے کہ راجکماروں تک کو بھی سزا یا انعام دینا اسی کے اختیار میں ہے۔ اس معزز رانی نے سوپال کے بیٹے بھوپال[1012] کے ساتھ کماری منیلا کی شادی کر کے اس کے اعزاز کو دوبالا کر دیا۔ جو طاقت کسی شخص کی طرف سے اسکے اپنے گھر میں ظہور میں آتی ہو وہ عام طور پر باہر بھی اپنا اثر ڈالے بغیر نہیں رہتی۔ چنانچہ جو روشنی سورج کی اپنی تاریکی کو دور کرتی ہے وہی اس کے اندر سے خارج ہو کر بھی جا بجا تاریکی کو ہٹاتی جاتی ہے۔

راجکماریونکی شادی اس راجہ کی قسمت میں بڑی بڑی سلطنتوں کے معاملات کی درستی میں حصہ لینا لکھا تھا۔ جب کماری منیلا کی شادی بھوپال سے ہوگئی تو اس کا خسر[1013] بھی جو جواہرات سے بھری ہوئی خوشنما زمین پر قابض تھا دشمنی سے دست بردار ہو گیا اور اس نے نیک نیتی سے سلطنت اپنے بیٹے کو دیدی۔ جب راجہ پراجی دھر لڑائی میں دشمنوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا تو اس کے چھوٹے بھائی گھٹوت کچھ کو راجہ کی مدد سے انتقام حاصل کرنیکی امید تھی۔ اپنی طاقت پر بدرجہ اتم اعتماد کرتے ہوئے اس نے رواکی مدد سے کماری راجیشوری[1014]

[1012] منیلا کی شادی بھوپال سے ہونا راسخ الخیال ہندو قانون کی خلاف ورزی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بھوپال کے والد سوپال کی شادی قبل ازیں جے سنگھ کی ایک اور بیٹی سے ہو چکی تھی دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۶۴۸۔ اسی قسم کی ایک اور مثال گرگ چند کی دو بیٹیوں کی سسل اور جے سنگھ سے شادی ہونے کی ترنگ ۸ کے شلوک ۴۶۰ میں ملتی ہے۔

[1013] سوپال کی پہلے اپنے بیٹے بھوپال سے لڑائی تھی جس نے اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۲۱۵۔

حاصل کرلی اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ اعلیٰ شاہی عروج (راجیشری) بھی اس کے ساتھ ہی اس کے حصہ میں آگیا۔ راجہ کے وزیر ونکی مدد سے اس نے راجہ پنچ وٹ کو جس نے اس کے بھائی کو مارا تھا نیز انگد اور پرجی کو تخت سے برطرف کردیا[1015]۔ جے سنگھ ہی کی طاقت اور مہربانی سے اس نے دریائے کرشنا[1016] کو جو دشمن کے قابو میں اور انکی تلواروں کے زیر سایہ تھا عبور کرلیا۔ اس نے اُرشا کے راجہ دوتیہ کو شکست دیکر ذلیل کیا اور راجہ کی مدد سے اتیہ اگر پور[1017] جو بہادروں کا مسکن تھا قبضہ کرلیا۔ اس طرح رہبر فوجی برون[1018] نے اپنے چمکدار چھتروں کے ذریعہ چاندنی کی کرنیں پھیلاتے ہوئے عظمت

[1014] راجیا شری در اصل راجکماری راج لکشمی ہی کا دوسرا نام ہے جسکا ذکر ترنگ ہذا کے شلوک ۲۲۸۰ میں آتا ہے۔ حقیقت میں دونوں نام ہم معنی ہیں۔

[1015] اصل کتاب میں اس جگہ جملہ "پرجم انگدم" آیا ہے جسکا مطلب کسی قدر مشتبہ ہے پرجی اور انگد دونوں خاص نام ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انگد کے لفظ کو قصبہ انگدی سے ملایا جائے جسکا ذکر وایو پران میں اس طرح پر آتا ہے کہ وہ کارپتھ میں واقع ہے۔ دیکھو وشنو پران ادھیائے ۳ صفحہ ۳۱۹۔ علاقہ کارپتھ کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۹۰۷ کتاب ہذا۔

[1016] کرشنا سے مراد دریائے کرشن گنگا ہے جیسا کہ نوٹ نمبر ۵۵۰ کتاب ہذا میں دکھایا جا چکا ہے۔ اس شناخت کی تصدیق اگلے شلوک میں اس طرح پر ہوتی ہے کہ اس میں ارشا یعنی ہزارہ کا ذکر ہے۔ جہاں تک کشمیر سے پہنچنے کا راستہ اس دریا کو عبور کرکے ہی تھا ہے۔

[1017] اتیہ اگر پور سے مراد غالباً موجودہ اگرور سے ہے جو ہزارہ کی شمال مغربی سرحد پر کوہستان سیاہ کے قریب ایک مشہور پہاڑی علاقہ کا نام ہے۔ لفظ اتیگر پور سے آوازی اصول کے مطابق لفظ اگرور نکال لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اسی نام کو ایک اور ڈھنگ پر بطلیموس نے بھی لکھا ہے۔

[1018] اس شلوک کے دوہرے معنے ہیں کیونکہ واہنی ناتھ کے معنی رہبر فوج کے علاوہ ندیوں کے مالک یعنی سمندر کے بھی لئے جاسکتے ہیں۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۲۔

حاصل کی۔

جے سنگھ کی حکومت ۱۱۲۹-۵۰ء } تخت حاصل کرنے سے پہلے راجہ جے سنگھ کی عمر ۲۲ سال کی ہو چکی تھی اور موجودہ لوکک سمت ۴۲۲۵ (سنہ ۱۱۴۹-۵۰ء) [1019]

میں اسے حکومت کرتے ہوئے اتنا ہی عرصہ ۲۲ سال) ہو چکا ہے۔ پرماتما کرے اس راجہ کی کامل دانائی جو رعایا کے پُن کی وجہ سے اس میں پائی جاتی ہے اور جو اس حد تک کسی اور حکمران میں نہیں پائی گئی اس کلپ سے بھی زیادہ عرصہ تک قائم رہے پانی بھی جسے قدرت نے مائع بنایا ہے وقت پاکر منجمد ہو کر پتھر کی طرح سخت بن جاتا ہے اور پھر اسی پتھر کا پانی بن جانا قرین قیاس ہے۔ وقت کی اس عجیب و غریب حکومت میں جو غیر معمولی عظمت رکھنے والوں میں بھی لامحدود درجہ کی سریع تبدیلی واقع ہوتے دیکھ چکا ہے قسمت کی طاقت کی بنائی ہوئی سڑک پر کس کی حالت غیر مبدل رہ سکتی ہے؟

سابقہ حکمرانوں کے عہد حکومت کا خلاصہ

جب کلجگ کے ۶۵۳ سال گذر چکے تھے تو راجہ گونند پرتھا کے بیٹوں (پانڈوں)

[1019] سنہ اس جگہ مراد جے سنگھ کے حقیقت میں تخت نشین ہونے سے ہے جس کا سنہ ۱۱۲۸ء (لوکک سمت ۴۲۰۴) تھا جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲۸ سے ظاہر ہوتا ہے اس کی رسم ابھیشیک کی طرف اشارہ نہیں جو ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۳۲ کے مطابق لوکک سمت ۴۱۹۹ میں ادا ہوئی تھی۔ اس شلوک سے جے سنگھ کی تاریخ پیدائش کا بھی پتہ چل جاتا ہے جو ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲۷ میں مذکور نہ تھی یعنی یہ کہ وہ لوکک سمت ۴۱۸۱ مطابق سنہ ۱۱۰۵-۶ء میں پیدا ہوا تھا۔

ترنگ ۱ کے شلوک ۵۲ سے واضح ہوتا ہے کہ کلہن نے اپنی تصنیف کی تمہید اس سے پہلے کے لوکک سمت میں لکھی تھی۔

کے باجگذار کی حیثیت میں کشمیر پر حکمران تھا۔ اس کے بعد اسکا بیٹا دامودر آخرالذکر کی رانی یشومتی، اور انکا بیٹا گوننده ثانی تخت نشین ہوئے۔ انکے بعد ۳۵ راجہ[سنہ ۱۰۲۰] ایسے ہوگذرے ہیں جن کی عنایات۔ نسب اور ناموں کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ پھر لو اور لو کے بعد کش کشمیر کا راجہ بنا۔ اس کے بعد آخرالذکر کا بیٹا اور پوتا کھگیند راور سرینیدر یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے۔ جن کے بعد گودھر جو ایک خاندان سے تھا۔ اور پھر اسکا بیٹا سورن حکمران ہوئے۔ پھر آخرالذکر کا بیٹا جنک اور اسکے بعد اُس کا بیٹا شچی نر جو رانی شچی کے بطن سے تھا تخت پر بیٹھا۔ پھر اس حکمران کے چچا کا بیٹا اشوک حکمران ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جلوکس اور پھر نامعلوم النسب دامودر ثانی تخت نشین ہوئے۔ اور انکے بعد ہشک۔ جشک اور کنشک جو تینوں ترشک نسل کے تھے تخت پر بیٹھے۔ انکے بعد ابھیمنیو پھر اسکا بیٹا گوننده ثالث اور پھر اسکا بیٹا وبھیشن تخت نشین ہوا۔ بعدازاں اندرجیت راجہ بنا اور پھر حسب ترتیب اس کا بیٹا راون۔ اس کے بعد وبھیشن ثانی۔ [سنہ ۱۰۲۱] اور اتپلاکش یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔ انکے بعد ہرنیاکش اور پھر ہرنیہ کل تخت پر بیٹھا۔ جس کے بعد راجہ وسوکل کی باری آئی۔ آخرالذکر کا بیٹا مہر کل اس لحاظ سے مشہور ہوا کہ اس نے تین کروڑ خلقت کو قتل کرادیا تھا

سنہ ۱۰۲۰ اُن عدم پتہ راجاؤں کے حالات جو کلہن کی تاریخ میں درج نہ تھے۔ تاریخ کشمیر مولفہ منشی محمد الدین صاحب فوق سے لیکر کتاب ہذا میں اضافہ کئے گئے ہیں۔ دیکھو جلد اول صفحہ ۲۳۔

سنہ ۱۰۲۱ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کلہن نے اس جگہ وبھیشن ثانی کے بیٹے نر کا نام نہیں لکھا جسکے حالات اس نے ترنگ ۱ کے شلوک ۱۹۷ تا ۲۷۴ میں لکھے ہیں۔ اس کا باعث مصنف ہی کی سہو قرار دی جاسکتی ہے نقل کرنے والے کا قصور معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس مقام پر مسودہ کی ترتیب بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن شلوک ۳۱۰۲ میں کلہن نے نر ثانی کا ذکر کیا ہے۔

اس حکمران کے بیٹے یکسٹ کے گھر کشتیند پیدا ہوا اور اسکا بیٹا وسوتند ہوا تب نر ثانی تخت نشین ہوا جس سے اسکا بیٹا اکش۔ اکش سے گپتر (گوپا دتیہ) اور گوپا دتیہ سے گوکرن پیدا ہوا۔ آخر الذکر کا بیٹا نریندر ادتیہ اور اسکا فرزند یدہشٹر نابینا تھا۔ جب اسے اسکے وزرانے معزول کردیا تو پرتاب ادتیہ جو ایک اور نسل سے تھا تخت پر بیٹھا اور اسکے بعد اسکا بیٹا جلوک تخت نشین ہوا۔ جب آخر الذکر کا بیٹا تنجن لا ولد مرگیا تو ایک اور خاندان سے وجے تخت نشین ہوا اور جب اسکا بیٹا جے اندر لا ولد مرا تو تخت وزیر سندی مت کے ہاتھ آیا۔ تب گونند کی نسل سے مشہور و معروف میگھ واہن جو بھوپ آدتیہ کا بیٹا[1022] اور یدہشٹر کا پوتا تھا تخت پر بیٹھا..........................

اب تورمان کا بیٹا اور ہرنیہ کا بھتیجا پرورسین ثانی حکمران ہوا۔ اسکا بیٹا یدہشٹر ثانی تھا۔ پھر نریندر آدتیہ اور رنا دتیہ نے[1023] یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ آخر الذکر کا بیٹا وکرم آدتیہ تھا۔ پھر رنا دتیہ کا بیٹا بالا دتیہ صاحب اقتدار ہوا اور پھر بالا دتیہ کا داماد درلبھ وردن۔ اسکا بیٹا درلبھک تھا۔ آخر الذکر کی اولاد میں چندرا پیڈ ہو گزرا ہے جس کے چھوٹے بھائی تارا پیڈ اور مکتا پیڈ (للتادتیہ) تھے۔ اب راجہ مکتا پیڈ کا ایک بیٹا کولیا پیڈ اور پھر وجرادتیہ جو آخر الذکر کی ایک اور رانی کے بطن سے تھا تخت پر بیٹھا۔ وجرادتیہ کے دو بیٹوں پرتھویا پیڈ اور سنگراما پیڈ کے بعد جیا پیڈ راجہ اور جج[1024] اسکا وزیر بنا۔ پھر

[1022] ترنگ ۲ کے شلوک ۱۴۵ میں کلہن نے میگھ واہن کو یدہشٹر اول کا پوتا لکھا ہے اور اسکے باپ کا نام گوپادتیہ ظاہر کیا ہے۔ بھوپادتیہ کو گوپا دتیہ کا مترادف سمجھا جا سکتا ہے۔

اس شلوک کے بعد پرورسین اول۔ ہرنیہ اور ماترگپت کے نام آنے چاہئیں تھے دیکھو ترنگ ۳ شلوک ۹۷ تا ۳۲۳۔ یہ امر اغلب ہے کہ کئی سطر اس جگہ سے ضائع ہو گئی ہو۔

[1023] یہاں پرجن چھ راجاؤں کے نام درج نہیں انکے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۱۰۲۳ کتاب ہذا۔

[1024] ترنگ ۴ کے شلوک ۴۱۲ میں جج کو جیا پیڈ کا برادر نسبتی ظاہر کیا گیا ہے اسکا وزیر نہیں۔

جیا پیڈ کے بیٹے للتاپیڈ اور سنگراما پیڈ تخت نشین ہوئے اور انکے بعد چپٹ جیا پیڈ جو ایک شراب کش کی دختر کے بطن سے بڑے (للتاپیڈ) کا بیٹا تھا۔ اس کے چچا اُتپل وغیرہ نے باہم مشورہ کر کے اسے جادو کے زور سے مروا ڈالا اور پھر بجائے خود تخت نشین ہوتے کے اسکی جگہ جیا پیڈ کے ایک بھتیجے اجتا پیڈ کو تخت پر بٹھایا۔ بعد ازاں سنگراما پیڈ کا بیٹا اننگا پیڈ تخت نشین ہوا۔ اننگا پیڈ کے مغلوب ہونے پر اجتا پیڈ کا بیٹا اُتپلا پیڈ راجہ بنایا گیا لیکن وزیر شورنے اسے تخت سے اُتار کر سکھ ورمن کے بیٹے اور اُتپل کے پوتے اونتی ورمن کو تخت پر بٹھا دیا۔[۱۰۲۵]

اب گوپال کا بھائی سنگت حکومت کرنے لگا۔ جو شاہراہ پر سے مل گیا تھا۔ اور پھر انکی ماں سگندھا نے حکمرانی کی تنتری سپاہیوں نے اسے تخت سے اتار کر شور ورمن کے پڑپوتے پارتھ اور اس کے بعد اس کے باپ نرجیت ورمن کو تخت پر بیٹھایا۔ بعد ازاں چکرورمن شورورمن اور نرجیت ورمن[۱۰۲۶] کا بیٹا (پارتھ) اولتے بدلتے تخت پر بیٹھتے رہے۔ اسی ہلچل کے زمانہ میں وزیر شنبھو وردہن نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ جب چکرورمن اسے مار کر اور تخت بحال کر کے مر گیا تو پارتھ کا شریر بیٹا انمتا ونتی ورمن تخت پر قابض ہو گیا۔ جب آخر کار تخت اس کے بیٹے شور ورمن ثانی کے ہاتھ سے جاتا رہا تو برہمنوں نے وزیر یشسکر کو حکمران بنا دیا۔

یشسکر کے بعد اسکا عمزاد بھائی ورنت تخت نشین ہوا اور پھر یشسکر کا بیٹا

۱۰۲۵ اس شلوک کا آخری حصہ مسودہ پر موجود نہیں۔ اس میں اغلباً شنکرورمن اور گوپال کے نام ہونگے۔

۱۰۲۶ اس جگہ جن اکثر خاندانی تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے انکے متعلق دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۲۸۷ تا ۲۹۷۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۲۹۵ سے واضح ہوتا ہے کہ نرجیت ورمن کا بیٹا جسکا نام شورورمن کے نام پر رکھا ہوا ہے اس سے مراد راجہ پارتھ سے ہے جسے دوبارہ راجہ بنایا گیا تھا۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۳۰۴ سے واضح ہوتا ہے کہ شنبھو وردہن کی تاجپوشی حقیقت میں چکرورمن کے دوسرے اور تیسرے عہد کے درمیان عمل میں آئی تھی۔

سنگرام ٹیڑھے پاؤں والا (وکرانگھری) پھر وزیر پروگپت نے اسے دغابازی سے قتل کرکے تاج حاصل کیا اسکا بیٹا کشیم گپت تھا۔ آخر الذکر کا بیٹا ابھیمنیو اپنی ماں دواہی کے زیر نگرانی انتقال کرگیا۔ جب یہ ظالم عورت ابھیمنیو کے بیٹے نندی گپت اور پھر اپنے باقی پوتوں تربھون اور بھیم گپت کو مار کر ٹھکانے لگا چکی تو اس نے خود حکمرانی شروع کی اور مرتے وقت اپنے بھتیجے سنگرام راج کو تخت پر بٹھا گئی۔

اب آخر الذکر کے بیٹوں ہری راج اور اننت دیو نے حکومت کی اور پھر اننت کے بیٹے کلش نے۔ پھر کلش کے دو بیٹے اتکرش اور ہرش یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔ راجہ ہرش دیو کو تخت سے اتار کر اوچل جس کی بہادری لامحدود تھی خود تخت پر قابض ہوا وہ اسی خاندان سے تھا کیونکہ وہ مل کا بیٹا تھا جو دِولّ کے بھتیجے جسراج کا

۱۰۲۷ ردسد کے بیٹوں میں سب سے بڑا تھا جس نے اوچل کے خلاف سازش کی رہبری کی تھی دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۸۳۔ اس نے صرف ایک شب حکومت کی تھی دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۴۲ تا ۳۵۶۔

۱۰۲۸ سلہ دراصل سلہن کی مخفف صورت ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۴۵۱-۴۷۲۔

۱۰۲۹ سسل اور جے سنگھ کے بزرگ کانتی راج کے متعلق دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۲۸۵ اس کے خاندان کی کیفیت ترنگ ۸ میں مذکور ہے۔ آخر الذکر کو بباعث اس کی طوالت کے سمندر سے مشابہت دی گئی ہے۔ دریائے گوداوری کی نسبت جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ چونکہ راج ترنگنی پر بھی یکساں طور سے عائد ہوتے ہیں۔ اس لئے اس شلوک کا لفظی ترجمہ کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

دریائے گوداوری کے سات دہانوں کے متعلق جنکا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ دیکھو لفظ سپت گوداوری مذکورہ پدم پوران جلد ۱ ادھیائے ۳۹ شلوک ۴۱ بھاگوت پوران جلد ۱۰ ادھیائے ۷۹ شلوک ۱۲ اور مقامی نام مذکورہ مہابھارت پرب ۳ سرگ ۸۵ شلوک ۳۳-۴۴ وغیرہ

پوتا تھا۔ جب اوچل کو اس کے نوکروں نے دھوکے سے مار ڈالا تو روجوان[۱۰۲۷] میں سب سے بڑا تھا سنکھراج کا لقب اختیار کر کے لمحہ بھر کے لئے راجہ بن گیا۔ جب روگرگ کے ہاتھوں قتل ہوا تو سلہہ[۱۰۲۸] (سلہن) جو ایک اور رانی کے بطن سے راجہ اوچل کا بھائی تھا راجہ بنا۔ زبردست سسل نے جوچل کا بیٹا اور اوچل کا اخیافی بھائی تھا اسے قید کر کے خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ جب ناراض نوکروں نے اسے تخت پر سے اتار دیا۔ تو راجہ ہرش کا پوتا بھکشاچر چھ ماہ کے لئے راجہ بنا۔ جب سسل نے اسے معزول کر کے تخت دوبارہ حاصل کر لیا تو مغرور لونیوں نے بغاوت کے ذریعہ فساد کھڑے کئے اور آخر کار اسے جان سے مار ڈالا۔ سسل کا بیٹا راجہ جے سنگھ اب تمام لونیوں اور راجہ بھکشاچر کو مارنے کے بعد ایک بے نظیر قوت برداشت رکھنے والے حکمران کی حیثیت میں دنیا کو اپنی فرمانروائی سے خوش کر رہا ہے۔

جس طرح دریائے گوداوری اپنے سات پرزور دہانوں میں سے بہتا ہوا بالآخر آرام کرنے کے لئے سمندر میں جا گرتا ہے ایسے ہی راجاؤں کا یہ دریا (راج ترنگنی) اپنی پہلی سات زوردار لہروں کے ساتھ بہتا ہوا مشہور و معروف کانتی راج[۱۰۲۹] کی زبردست نسل کے سمندر میں گر کر ختم ہو جاتا ہے۔

اس جگہ پر مشہور و معروف اور نامی شاعر کلہن کی تالیف کردہ راج ترنگنی کی آٹھویں جلد کا خاتمہ ہو کر اس کی تصنیف مکمل ہو جاتی ہے ÷

دوسری جلد ختم ہوئی

ضمیمہ نوٹ ہائے راج ترنگنی

نوٹ نمبر ا

بھید گری اور گنگو بھید کا تیرتھ

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ ع ۱۳ کتاب ۱)

جس قدر مقدس مقامات کا ذکر کلہن نے اپنی تصنیف کے مقدمہ میں کیا ہے وہ جو ترنگ ا کے شلوک ۳۵ میں مذکور ہے عرصہ دراز تک شناخت میں نہیں آسکا۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ نہ تو پروفیسر بوہلر کو اور نہ مجھے اس بارہ میں کسی قسم کی واقفیت کشمیر کے پنڈتوں سے حاصل ہو سکی چونکہ نہ تو ترنگ ا کے شلوک ۳۵ اور نہ نیل مت پران کے مختصر حوالہ میں اس تیرتھ کی مقامیت کی نسبت کوئی خاص بات لکھی ہوئی ہے اس لئے عرصہ دراز تک میں اس بارہ میں کوئی باقاعدہ تحقیق بھی نہ کر سکا۔ اس میں شک نہیں کہ ایک ٹیکا کار نے بھید گری کی تشریح کے طور پر لفظ بھید بھرادو لکھا تھا لیکن میرے کشمیری دوستوں کو اس کی نسبت بھی ویسی ہی کم واقفیت حاصل تھی جیسے بھید گری کے متعلق۔

یہ بات کہ میں اس مقام کے بارہ میں کس سمت میں تحقیق و تجسس کا سلسلہ شروع کروں سب سے پہلے اس وقت معلوم ہوئی کہ جب ۱۸۹۵ء میں میں مہاتم کی کتابوں کے ان مختلف مسودوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا جنہیں گورنمنٹ بمبئی کے لئے کتابیں جمع کرنے کے لئے دورہ کرتے ہوئے پروفیسر بوہلر نے حاصل کیا تھا۔ اس مسودہ میں جو مختلف مہاتم موجود ہیں انہیں جداگانہ طور پر مسودوں کی اس باترتیب فہرست میں دکھایا گیا ہے جو پروفیسر بوہلر کی رپورٹ کے ساتھ ضم ہے اور جس میں انکے نمبر ۸۸-۵۱-۵۷-۸۰-۵۴-۷۷-

۴۷-۹۸-۷۸-۴۵-۹۷-۱۰۳-۷۲-۸۵-۶۹-۴۹-۹۴ اور ۸۷ دیئے ہوئے ہیں۔یہ نمبر اسی ترتیب سے دیئے گئے ہیں جس میں وہ واقعہ میں مسودہ کے اندر پائے جاتے ہیں۔آخر الذکر کاغذ اور لکھائی کے اعتبار سے کشمیر کے مہاتموں کا قدیم ترین مسودہ جو میں نے اپنی عمر بھر میں دیکھا ہے معلوم ہوتا تھا۔اس کی قدامت ۲۰۰ سال سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی۔چونکہ مسودے کے ورق کھلے اور غیر ہموار تھے اس لئے اس کے مختلف حصے بے ترتیبی سے لگے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔رپورٹ کے صفحہ ۳۴ پر ترتیب وار فہرست کو مرتب کرنے والوں کی جو اس غلطی کا ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے گنگو بھید مہاتم کے دو حصوں کو مختلف عنوانوں کے ساتھ مختلف مضامین کے طور پر دکھایا ہے اس کی توضیح اس کیفیت سے ہو جاتی ہے۔میں نے اب اس مسودہ کے اوراق کی ترتیب درست کر دی ہے۔خلاصہ یہ کہ اس مسودہ میں مہاتموں کے ایک سلسلہ کے علاوہ ایک مضمون اس قسم کا موجود ہے جو بلا شبہ روایتی حالات اور اس کا اسی تیرتھ کے کسی جاتری کا رسالہ ہونا ظاہر کرتا ہے۔آخری خلاصہ میں اس کا نام بجا طور پر گنگو بھید مہاتم دکھایا گیا ہے۔لیکن مختلف اوراق کی بدترتیبی کے باعث ان مسودوں کی ترتیب وار فہرست میں جو ۷۶-۱۸۷۵ء میں خریدے گئے تھے اسے دو مختلف مضامین کی حیثیت میں دکھایا گیا ہے یعنی نمبر ۵۶ گنگا مہاتم اور نمبر ۵۷ گنگیشور مہاتم۔جیسا کہ نوٹ عنہ ۲ کتاب ہذا میں دکھایا گیا ہے۔کشمیر میں گنگا مہاتم اس مہاتم کا عام نام ہے جس میں کوہ ہرمکٹ کی مقدس جھیل گنگا کی جاترا کا ذکر آتا ہے۔آخر الذکر کی چونکہ میرے پاس متعدد جلدیں موجود تھیں اس لئے میں نے پونا والے مسودہ کو جلدی دیکھنا ضروری نہ سمجھا تھا۔یہی باعث تھا کہ میں اس قابل قدر حوالہ کو بھی نظر انداز کر گیا جو پروفیسر بوہلر نے اس مضمون کے بارہ میں اپنے ترجمہ کے مختصر نوٹ میں دیا تھا (گنگا مہاتم نمبر ۵۶ میں پہاڑی کا ذکر آتا ہے)۔

گنگو بھید مہاتم میں جس کی مذکورہ بالا ایک عجیب اور بظاہر غیر مکمل نقل ہے تمہیدی

شلوکوں کے دوران میں ہی اس بات کا ذکر آتا ہے کیونکہ رشی پلستیہ نے ستی کی سرزمین میں طویل ریاضت کرتے ہوئے اپنے یگ کی خاطر کوہ ہموت سے دیو لوک کی گنگا چلائی تھی۔ جب وہ رشی اپنی پوجا ختم کرکے دریا کو روک دینا چاہتا تھا آسمان سے سرسوتی کی آواز نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ اسی آواز نے اس امر کا بھی اعلان کیا کہ جس جگہ بھید نامی جنگل میں پہاڑ میں سے یہ ندی نکلی ہے وہاں گنگو بھید کا مقدس تیرتھ بن جائیگا۔ ایک پہاڑی کی چوٹی پر "جہاں ہموار زمین طول اور عرض میں دس دہنش تک پھیلی ہوئی ہے بغیر کسی بند کے خالص پانی کا ایک بڑا سا تالاب بن جائیگا جو ندیوں کے پانی سے الگ رہیگا۔ اس کے مشرقی دامن میں ابھیا نامی ایک ندی بہے گی جو تمام گناہوں سے نجات دینے والی ہوگی" جو نہ تو کبھی بہنے سے رکے گی اور نہ کھڑے ڈھلوان سے نیچے گریگی" (دیکھو شلوک ۱۳ مہاتم مذکور) اس کے بعد اس دیوتائی آواز نے رشی کو اطلاع دی کہ مقدس گنگا اس صورت میں ہر ماہ کے صرف ایک ثلث حصہ تک بھاکریگی اور باقی عرصہ سورگ اور نرک میں بہتی رہیگی۔ ساتھ ہی رشی سے بر مانگنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ اس پر پلستیہ مقدس دریا کی روحانی طاقتوں کی بڑی تعریف اور اس امر کی التجا کرتا ہے کہ یہ ندی ہمیشہ کے لئے میرے قریب بہتی رہے (شلوک ۲۴ تا ۶۹ مہاتم مذکور) اس پر اس کی درخواست قبول کر لی جاتی ہے اور گنگو بھید تیرتھ بنا دیا جاتا ہے۔

جس دیوی کی آواز رشی کے کان میں پڑی تھی اس کی صورت دیکھنے کے لئے رشی بڑی سخت ریاضتیں کرتا ہے۔ آخر کار ایک ہزار سال بعد تقدیر کی دیوی سرستی آسمان سے راج ہنسنی کی صورت میں اس کے آگے نمودار ہوتی ہے۔ جب رشی موصوف ماہ چیت کی ۸ و ۹ شدی کو اس کی پوجا کر چکتا ہے تو وہ اپنی صفات کا اظہار کرتی ہے اس پر رشی اس کا نام بھید ارکھتا اور ۱۴ اور ۱۵ اشدی چیت کو ہنسوا گیشوری بھیدا کے طور پر اس کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ اس زمانہ سے لیکر گنگو بھید تیرتھ پر چار ایام مذکور

میں اس دیوی کی پوجا ہوتی چلی آئی ہے (دیکھو شلوک ۸۹ مہاتم مذکور)۔

اس مقدس مقام کی یاترا سے جو جو عظیم الشان روحانی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں ان کا ذکر کرنے کے بعد مہاتم میں یکایک گوردہن دھر وشنو کی مورتی کا ذکر آجاتا ہے جو قریب ہی واقع ہے اور جس کے قریب ۱۲۵ ہست کے فاصلہ تک کبھی برف نہیں گرتی (شلوک ۹۹ مہاتم مذکور) آگے چلکر اوجس نامی یم کی ایک معجز اثر مورتی کا ذکر ہے جو یہیں اس رشی کی خاطر سے رکھی گئی تھی۔ اس کی پوجا کے ایام اسوج کی اماوس اور ۱۴ بدی ماگھ مقرر ہیں۔ (شلوک ۱۰۱ تا ۱۱۱ مہاتم مذکور) اس کے بعد مہاتم کے آخری حصہ میں شلوک نمبر ۱۱۲ میں راماشرم۔ ۱۱۳ میں رامش تیرتھ ۱۱۴ میں سپت رشی آشرم اور ۱۱۸ میں وتبرنی ندی کا کم و بیش غیر مکمل حوالہ پایا جاتا ہے۔ بظاہر اس سے مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ گنگو بھید یاترا کے ساتھ ہی ان تیرتھوں کی یاترا کرنا بھی ضروری ہے۔

سطور بالا میں مہاتم کے مضمون کو اس وجہ سے اس تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان تفصیلات سے حدود شبہ سے بڑھ کر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہی وہ تیرتھ ہے جس کا ذکر کرتا ہوا کلہن اس جھیل کی کیفیت بیان کرتا ہے جو "بھید پہاڑی کی چوٹی پر واقع اور منبع گنگا ہونے کے باعث مقدس ہے" اور جس میں سرسوتی نے اپنے آپ کو ہنس کی صورت میں نمودار کیا تھا۔ یہ بات کہ مہاتم کا روایتی بیان کسقدر قدامت رکھنے کا دعویدار ہو سکتا ہے نیل مت کے ساتھ مقابلہ کرنے پر واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آخر الذکر کے تیرتھوں کی فہرست میں "گنگو بھید کی دیوی بھیدا" کا ذکر شلوک ۱۳۱۲ میں پایا جاتا ہے۔

مقدس ندی کی کتھا کا حوالہ دینے کے بعد جو غالباً ابھیا ہی کا غلط نام ہے (کیونکہ شاروا تحریر میں بھ اور ی کا ک اور تھ پڑھا جانا بالکل قرین قیاس ہے) ہم اس ترتیب میں یم کی اوجس مورتی کا ذکر موجود پاتے ہیں جس کی تاریخ پرستش شلوک ۱۳۱۳ میں

اس کی املاس مفرد کی گئی ہے اور اس کے علاوہ نارایَن (وشنو گ۔ دہن دہرم کے مندر کا ذکر شلوک ۱۳۱۵ رام تیرتھ (زاماشرم) کا ذکر شلوک ۱۳۱۶ سیت رشی تیرتھ کا ذکر شلوک ۱۳۱۸ اور وِیتَرتی ندی کا ذکر شلوک ۱۳۱۹ کے مطابق موجود پاتے ہیں۔ البتہ نیل مت پران کی مختصر فہرست میں ہمارے تیرتھ کی شناخت کے لئے کوئی مدد نہیں مل سکتی اور اس کے ایک اور فقرہ سے جس میں "پُلستیہ کے بنائے ہوئے دیوی بھیدا کے مندر" کا ذکر ہے اس بارہ میں کسی قسم کی مدد مل سکتی ہے۔ البتہ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پنڈت مہتاب کول کے پرانے مسودہ میں ایک ٹیکا کار نے اس کا جدید نام بھید براد و لکھا ہے ؛

ماتم میں جو مقامی نام مذکور ہیں ان میں سے صرف ایک ہی ایسا ہے جو مجھے کسی اور طریقہ پر معلوم تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ رامش جس کا ذکر اس کتاب میں آتا ہے وہی رامش ہے جس کا تذکرہ راج ترنگنی کے ترنگ ۲ شلوک ۵۵ میں موجود ہے۔ جس کا نام آج کل رامو ہے اور جو اس شاہراہ پر واقع ہے جو سوپین سے سری نگر کی طرف جاتا ہے۔ لیکن صرف یہی مقام راست سراغ مہیا کرنے کے لئے ناکافی ہوتا اگر شلوک ۹۹ کے اس حوالہ کی بدولت جس میں برف نہ گرنے کا ذکر ہے۔ مجھے ابوالفضل کی وہ تحریر یاد نہ آجاتی جس کا مطلب یہ ہے "شکروہ کے قریب ایک نشیب پہاڑی ہے۔ جس کی چوٹی پر ایک چشمہ ہے جو سال بھر بہتا رہتا ہے اور یاتری لوگ اس جگہ جاترا کرنے آتے ہیں۔ اس حصہ کوہ پر برف باری نہیں ہوتی (دیکھو آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۲) اس جگہ یہ بیان خالی از مطلب نہ ہوگا کہ مترجم نے اس فقرہ کے متعلق جو نوٹ دیا ہے اس میں شکروہ کی نسبت خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اس سے مراد کرہ یا جشک پور سے ہے۔ لیکن ترجمہ کے صفحہ ۳۷۰ پر شکروہ کو صحیح طور پر ناگام کے قریب مراز کے جنوب مشرق میں ایک پرگنہ قرار دیا گیا ہے ؛

اس فقرہ میں جس شکروہ کا ذکر ہے وہ صاف طور پر جدید پرگنہ شکروہ کا نام معلوم ہوتا ہے جو
رامو کے عین جنوب میں واقع ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ابوالفضل کا اشارہ
حقیقت میں ببید پہاڑی کی طرف ہے۔ آخرالذکر کی تلاش ان کراروں میں کی گئی جو سلسلہ
پیرپنچال سے نیچے کی طرف آتے ہوئے ضلع شکروہ کے مغرب کی جانب پھیلے ہوئے
ہیں +

اس طرح پر ہم جس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں اس کی مزید تصدیق اس تذکرہ سے بھی ہوجاتی
ہے جو سریور کی راج ترنگنی میں پایا جاتا ہے اور جسے اس شہادت کی رو سے جواب
حاصل ہو چکی ہے۔ اس مقام زیر بحث کے ساتھ منسوب کیا جا سکتا ہے۔ سریور اپنی
راج ترنگنی کی ترنگ ۴ کے شلوک ۵۸۴ میں ان واقعات کا مفصل ذکر کرتا ہے جو اس
حملہ کے موقعہ پر ظہور میں آئے تھے جو مقصود خاں (محمود خاں) نے کشمیر کے نوجوان
فرمانروا محمد شاہ پر کیا تھا محمود خاں نے رجوری سے براستہ شورپور ہرپور کلیان پور یا
کلم پور کی طرف کوچ کیا تھا جو موبین اور راموہ کی درمیانی سڑک پر واقع ہے موضع دراب گام
کے قریب جس کا ذکر سریور کی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ کے شلوک ۵۶۶ میں آتا ہے اسکی
فوجوں کا مقابلہ محمد شاہ کے مارگیش جہانگیر نے کیا۔ یہ مقام جیسا کہ نقشہ پر دکھایا گیا ہے
بلاشبہ موجودہ دراب گام جو ایک چھوٹا سا گاؤں ہے معلوم ہوتا ہے۔ جو کسی زمانہ میں
شکرو پرگنہ کا ہیڈکوارٹر تھا اور جو راموہ کے جنوب میں قریباً تین میل کے فاصلہ پر
شکرو کی مغربی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔ کسی قدر مقابلہ کے بعد حملہ آور فوج
مغلوب ہوئی اور محمود کو بھاگتے ہی بن پڑی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس پرچوری کا حکمران
سرنگار سیہ اور اس کے بعض ہمراہی ببید جنگل کی راہ سے اپنے علاقہ کی طرف واپس چلے
گئے۔ (دیکھو سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۵۹۴ و ۶۱۴)

جب ہم نقشہ پر سرسری نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ دراب گام سے رجوری

کی طرف جانے والی سیدھی سڑک درہ پیرپنچال یا ان دروں میں سے کسی ایک کے اوپر سے ہو کر گذرتی ہے جو اس کے عین مغرب کی طرف واقع ہیں جو فوج دروب گام کے قریب مفقعت یاب ہو اس کے لئے ان تک پہنچنے کا نزدیک ترین اور محفوظ ترین راستہ ان جنگلات سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں میں ہو گا جو آخرالذکر مقام کے عین جنوب مغرب میں واقع ہیں۔

اس طرح پر ہم اسی علاقہ تک جا پہنچتے ہیں جہاں ہم ہاتم اور ابوالفضل کی تحریر کا مقابلہ کرتے پہنچے تھے۔ اس طرح پر مجھے یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوا کہ بھیدہ کا جنگل ہی وہ مقام ہے جس کا ذکر ہاتم کے شلوک ۱۰ ایسی متشابہ الفاظ میں کیا ہوا ہے۔

اب صرف اتنا کام باقی تھا کہ اس سمت میں جستجو کی جائے جس کا پتہ تیرتھ کی مقامیت سے چلتا تھا نیز اس کے متعلق مقامی روایات معلوم کی جائیں۔ اس کام میں مجھے اس وقت کامیابی حاصل ہوئی۔ جب ماہ ستمبر ۱۸۹۵ء میں میں نے مراز میں ایک مختصر سا دورہ کسی قدر خاص اسی مطلب کے لئے کیا۔

جب میں ۱۵ ستمبر کو انت ناگ سے شکرو کی طرف جا رہا تھا تو مجھے سب سے پہلے اس معاملہ کی نسبت واقفیت حاصل ہوئی جس کی میں جستجو میں تھا۔ زین پور کی سطح مرتفع پر ستہ گوم کے قریب مجھے ایک سال خوردہ برہمن ملا۔ مجھے معلوم تھا کہ کسی بھیدا دیوی کی پوجا موضع حال مثل پورہ واقع شکرو میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اگلے روز میں اس طرف کو روانہ ہوا۔ حال مثل پورہ ایک بڑا اور آباد گاؤں ہے جس میں صرف برہمن ہی آباد ہیں اور یہ شکرو کے مرکز میں۔ اس مقام کے قریب واقعہ ہے جس کا نام نقشہ پر کشو پور دکھایا ہوا ہے میں نے بغیر کسی زیادہ وقت کے پروہت سورج کول کا پتہ چلا لیا اور میں اس وقت حیران رہ گیا جب وہ مجھے سیدھا گاؤں میں اس مقام پر لے گیا جہاں آج کل بھیدا دیوی کی پوجا ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک پرانے چنار کے درخت کے گرد ایک چھوٹا سا احاطہ بنا

ہوا ہے۔ درخت کے نیچے ایک کھردرے پتھر کے چبوترہ پر چند ایک چھوٹے لنگ اور پرانی وضع کی سنگ تراشی کے ٹکڑے جمع تھے ایک چھوٹی سی ندی جو [illegible] قریبی چشمہ سے بہ کر آتی ہے اس احاطہ میں سے گذاری ہوئی ہے۔

بادی النظر میں مجھ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ گنوارانہ مندر جو وادی کے ہموار میدان میں مغربی پہاڑیوں کے جنگلات سے چند میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے وہ مقام نہیں ہو سکتا جہاں سرسوتی کی پوجا بھید پہاڑی کی چوٹی پر ایک جھیل میں کی جاتی تھی۔ لیکن سابقہ تجربہ کی بدولت مجھے یہ بات معلوم تھی کہ کشمیر میں اکثر خاص خاص دیوتاؤں کی پوجا اصلی مقام سے اٹھ کر نواحات کے زیادہ پر آسائش مقامات میں منتقل ہو چکی ہے اس لیئے میں نے اس بھیدا دیوی کو ایک ایسے رہبر کی حیثیت میں دیکھا جو مجھے صحیح راستہ پر ڈال سکتا تھا۔ نواحات کے مقدس چشموں اور پوجا کے دوسرے مقامات کو تلاش کرتے ہوئے سب سے اول "بُدیہ بہار" کا نام میرے کانوں تک پہنچا یہ نام چونکہ ان ناموں سے ملتا تھا جن کا ذکر راج ترنگنی اور نیل مت پران کے ٹیکا کاروں نے بھیدا بھرادو یا بھید بھرادو کے طور پر کیا ہے اس لئے میری توجہ اس پر مبذول ہو گئی اور معلوم ہوا کہ سورج کول اس بات سے واقف ہے کہ یہ مغربی پہاڑیوں کے کسی ناگ کا نام ہے لیکن اس نے بیان کیا کہ نہ تو میں خود کبھی اس جگہ گیا ہوں اور نہ ٹرانات کے برہمن دیہاتیوں میں سے کسی نے کسی کو اس جگہ کی جاترا کے لئے جاتے [illegible]۔ البتہ [illegible] میں سے ایک شخص پہاڑیوں پر مویشی چراتے ہوئے وہاں سے گذرا [illegible] اس شخص نے مجھے جو مقامی ہدایات دیں ان پر عمل کر کے میں اسی روز براستہ [illegible] دور کلی کی طرف روانہ ہوا جو ایک پہاڑی موضع ہے اور اس کنارہ پر واقعہ ہے جو [illegible] اب گام سے جنوبی مغربی سمت میں اوپر کی طرف اٹھتا ہے ورا سبگام سے [illegible] کا فاصلہ کم و بیش ۶ میل کا ہے۔

جب میں کمپ سے کر اس جگہ پہنچا تو بید برار کی نسبت جسے کشمیری اپنی بولی میں بُدبرار
کہتے ہیں مزید واقفیت حاصل کرنے میں مجھے چنداں وقت پیش نہ آئی اُس موضع
کے تمام بڈھے بوڑھے کیا کشمیری کا شتکار اور کیا گوجر اس مقام سے واقف تھے
اور ان میں سے ایک نے جو خاصہ سن رسیدہ تھا مجھے ناگ کی کیفیت بتائی۔ اس نے
بیان کیا کہ جب میں جوان تھا تو یاد ہے کہ برہمن یاتری اس چشمہ کے پانی میں نہانے
آیا کرتے تھے۔

پس میں اگلی صبح کو بُدبرار کی طرف روانہ ہوا راستہ جو نقشہ پر دکھایا ہوا ہے پہلے
تو جنوب مغرب کی طرف کے ایک کرارے پر سے گذرا اوس کے بعد اسی سمت میں
دلفریب دشتی مناظر میں سے گذر کر برنگی ندی کی طرف کو بڑھا۔ کوئی چھ میل کوچ کرنے
کے بعد میں ایک ایسے مقام پر پہونچا۔ جہاں ندی کے دونوں طرف کے گھنے جنگل
سے ڈھکے ہوئے کرارے کسی قدر پیچھے کو ہٹ گئے ہیں وادی کی تہ پر ایک
چھوٹی چراگاہ بن گئی ہے۔ اس جگہ مجھے بھینیں چرانے والے گوجروں کی ایک چھوٹی سی
مستقل بستی نظر آئی جو اس مقام پر واقع تھی جسے کشمیری زبان میں بدبرار اور پہاڑی بان
میں بج براری کہتے ہیں۔ اس کے قریب ہی وہ قدیم مقام تھا جس کی تلاش میں میں
سرگردان تھا۔

یہ مقام جہاں اب نقشہ پر بھیدگری کا اندراج صحیح طور پر کیا گیا ہے۔ ندی
ایک چھوٹے سے ٹیلے کے گرد ہو کر مڑ جاتی ہے جو مشرقی کرارہ سے ہٹ کر بنا
ہوا ہے اس ٹیلے یا چھوٹی سی پہاڑی کی چپٹی سطح پر جو شمال مشرق سے جنوب
مغرب تک ۳۰ گز اور شمال مغرب سے جنوب مشرق تک ۱۰ اس سے کسی قدر کم ہے
صاف شفاف پانی کا ایک چوکور تالاب بنا ہے جس کے چاروں طرف پرانی لیکن
بہت گھسی ہوئی پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ تالاب سطح مرتفع کے شمالی حصہ میں

واقع ہے۔ اور اس کا پھیلاؤ کم وبیش ۵۵ فٹ مربع ہے۔ جب میں اس تالاب کے پاس پہنچا ہوں تو اوس کی اوسط گہرائی ۴ فٹ تھی۔ اس میں پانی ایک بھرے ہوئے چشمہ سے آتا ہے جو اس کے شمال میں اُبلتا ہوا دیکھا جا سکتا ہے۔

کوئی چھ فٹ کے فاصلہ پر تالاب کے گرداگرد ایک ناہموار پتھر کی دیوار کے آثار پائے جاتے ہیں جو کسی زمانہ میں تالاب کے چاروں طرف ہوا کرتی ہوگی یہ آثار شمال مغرب اور شمال مشرق کی طرف زیادہ اچھی حالت میں ہیں۔ شمال مشرقی پہلو کے وسط میں دیوار کے اندر ایک رخنہ موجود تھا جہاں دو تراشے ہوئے پتھر جو کسی زمانہ میں دہلیز کا کام دیتے ہوں گے لگے ہوئے تھے اور جن میں اب تک چولوں کے سوراخ موجود تھے۔ اس دروازہ کے عین نیچے پہاڑی کی ڈھلوان پر اور باندی میں دریا کی سطح کے قریب قریب ایک چشمہ دکھائی دیا جس میں وہ پانی جمع ہوتا رہتا تھا جو قدرتی طور پر اس تالاب سے اچھل کر نکل جاے۔ اس طرح پر گویا یہ چشمہ اس تالاب کے فالتو پانی کے نکاس کا کام دیتا تھا۔

اس دروازہ کے قریب باہر کی طرف ایک بہت بڑا پتھر کا ٹکڑا ہے جس کی ہموار سطح پر دو اُبھرے ہوئے لنگ بنے ہوئے ہیں۔ ہر ایک لنگ کی اونچائی جس میں اس کی پیچیدہ طریق پر تراشی ہوئی سطح (بھدر۔پیٹھ) بھی شامل ہے ۔ نَو نَو انچہ ہے دونوں لنگوں کے درمیان نیز اس لنگ کے دائیں طرف جو جنوب کو واقع ہے ایک ایک فٹ اونچی ابھری ہوئی تصویریں تراشی ہوئی ہیں جن میں ایک داسی برہنہ تن دونوں ہاتھوں پر پانی کے مٹکے اٹھلائے ہوئے جاتا دکھایا گیا ہے۔ لنگ اور تصاویر دونوں زمانہ قدیم کی اعلےٰ صناعی کا نمونہ ہیں اور انہیں گہرے کھُدے ہوئے حجروں میں رکھا ہوا ہے پاس ہی چٹان کے ایک الگ چھوٹے ٹکڑے پر کسی سرمایہ تصویر کا ایک حصہ نظر آتا ہے جو ابھری ہوئی تراشی ہوئی ہے۔

سنگ تراشی کے دیگر آثار میں سے ایک وہ بھی ہے جو تالاب کے شمالی کنارہ کے قریب ایک ستون کے عمدہ طور پر تراشے ہوئے بچلے حصہ کا ٹکڑہ ہے۔

یہ چھوٹا سا مرتفع مقام یا پہاڑی جس پر تالاب واقع ہے شمال مشرقی اور شمال مغربی سمت میں عمودی طور پر ایک پہاڑی ندی کی سنگریزوں سے پُر تہ تک پہنچا ہوا ہے۔ جو تالاب کی سطح سے کوئی ۷۰ فٹ نیچے کو بہتی ہے۔ جنوب مشرق کی طرف تالاب سے ملحق ایک چھوٹی سی گھاس کی کیاری ہے جنوب مغرب کی طرح اس پہاڑی کے باقی حصہ پر قدیم دیواروں کے آثار اور بڑی بڑی سرخ اینٹوں کے ٹکڑے موجود ہیں۔

اس پہاڑی کے جنوب مشرق کی طرف اس سے کوئی ایک سو فٹ اوپر پہاڑ کے پہلو میں ایک کھلی چبوترہ کی سی زمین ہے جس کے کچھ حصہ پر گوجروں کی جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں اس کے مرکز میں ایک نشیب سا ٹیلا ہے جس میں سے پرانی وضع کی سخت سرخ اینٹوں اور کھردرے عمارتی پتھروں کے سرے باہر کو نکلے ہوئے ہیں۔ اس جگہ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف تقریباً ۸۰ گز کے رقبہ میں دیواروں کے آثار ملتے ہیں جو گوجر اس جگہ آباد تھے انہیں اچھی طرح یہ بات معلوم تھی کہ یہ آثار قدیم رہائشی مکانات کے ہیں بحالت موجودہ ان کی نسبت ہم دو ہی باتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ اس جگہ تیرتھ کے پجاری رہا کرتے ہوں گے یا جاتریوں کے لئے دہرم شالائیں بنی ہوئی ہوں گی جیسے اب تک مارتنڈ۔ تلمل اور کشمیر کے باقی اس قسم کے تیرتھوں میں پائی جاتی ہیں۔ جہاں لوگوں کی آمد و رفت بخوبی ہے۔

مسمی خیرا ایک عمر رسیدہ گوجر نے جو کم از کم ۷۵ سال کا ہوگا اور ۴۰ سال سے بدبار میں آباد تھا مجھے بتایا کہ مجھے بخوبی یاد ہے جن دنوں میں عالم شباب میں تھا تو

برہمن لوگ اکثر ‌آکر ناگ میں نہاتے اور شرادھ کرایا کرتے تھے۔ اس کے بعد لوگوں کی آمد و رفت بتدریج کم ہوتی گئی حتےٰ کہ اب تین چار سال سے میں نے کبھی کسی برہمن کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔ اس نے صاف لفظوں میں بیان کیا کہ تالاب کبھی بھی منجمد نہیں ہوتا اور ہمیشہ ایک ہی سطح پر رہتا ہے۔ میں نے مزید یقین حاصل کرنے کے لئے پانی کو ہاتھ لگا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ دوپہر کی ہوا سے بھی زیادہ گرم ہے۔ گو ہوا بھی اس لحاظ سے کہ سورج خوب اچھی طرح چمک رہا تھا اور مطلع صاف تھا چنداں خنک نہ تھی بدقسمتی سے کیمپ سے چلتے وقت میں نے اپنے ساتھ کوئی تھرما میٹر نہ لے لیا تھا اور اس لئے میں اس کی صحیح حرارت معلوم نہ کر سکا۔

اس مختصر کیفیت سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو گئی ہو گی کہ یہ برار تمام تفصیلات میں کس قدر اس بیان سے مشابہ ہے جو ہم نے بیدا دیوی کے مقدس مقام کی نسبت تحقیق کیا ہے یہیں پر ہمیں ایک اس قسم کا قدرتی تالاب نظر آتا ہے جو ایک چھوٹی پہاڑی کی چوٹی پر ایک محدود جگہ کے اوپر" بغیر کسی بند کے" بنا ہوا ہے اور جیسا کہ مہاتم میں مذکور ہے "بہتے ہوئے پانی سے پر ہے" واقعہ ہے۔ مہاتم کے شلوک ۱۲ میں اس کا ناپ جو ۱۰ دہنش دیا گیا ہے وہ بھی اس صورت میں بالکل ٹھیک نظر آتا ہے۔ اگر ہم سمجھ لیں کہ اس سے مراد تالاب کی جسامت ہی سے ہے۔ ۱ دہنش ۴ ہست کے برابر ہوتے ہیں اور اگر حسب معمول ۱½ فٹ کے برابر خیال کریں تو تالاب کے پہلو کا ناپ ۶۰ فٹ بنتا ہے۔ چونکہ حقیقت میں تالاب کا ہر پہلو ۵۵ فٹ ہے اس لئے مطابقت بالکل قریبی نظر آنے لگتی ہے جیسا کہ مہاتم میں مذکور ہے تالاب کے مشرقی دامن میں وہ چشمہ بھی موجود ہے جو نہ تو بہنے سے رکتا اور نہ عمودی ڈھلوان پر سے بہ کر نیچے آتا ہے

اس قدر حالات معلوم کر چکنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ قدیم تالاب

جو بدبرار کے چشمہ سے پر ہوتا ہے گنگو بھید کا مقدس تالاب ہے اور مشرق کی طرف جس چشمہ کے چشمہ میں اس کا زاید پانی بہ کر چلا جاتا ہے۔ وہی پاپ دور کرنے والی ندی ابھیلہ ہے۔ اس تیرتھ کی معجزانہ ابتدا کی علامات کے طور پر جن قدرتی خصوصیتوں کا ذکر مہاتم میں پایا جاتا ہے وہ سب صاف طور پر بدبرار میں موجود ہیں۔ ان کی شہادت کو زیادہ پختہ یقین کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود انہی خصوصیات سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ کیوں اس مقام کو تقدیس کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وادی کی قدرتی سطح سے بلند پہاڑی کی چوٹی پر ایک بڑے سے چشمہ کا نکلنا اور اس قدر محدود جگہ میں تالاب کا موجود ہونا بجائے خود حیرت خیز قدرتی ظہورہ ہے مانا کہ کشمیر میں خوبصورت چشمے جابجا بے شمار ہیں تاہم یہ جگہ خصوصیت سے اس قسم کی تھی کہ عابد لوگوں کی نظر اس پر پڑتی۔ اس صورت میں ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں کیا باعث تھا کہ کلہن نے اپنے ملک کے دوسرے مقدس عجائبات مثلاً پاپ سودن اور تری سندھیا کے معجز نما چشموں اور "خود بخود پیدا شدہ آگ" کا ذکر کرنے کے بعد خاص طور پر اس تیرتھ کا ذکر کیا۔

ہر چند کہ یہ بات معلوم نہیں۔ آیا اس تالاب کا پانی کبھی منجمد ہوتا ہے یا نہیں تاہم اس کا تعلق کسی قدر اس عقیدہ کے ساتھ قرار دیا جاتا ہے کہ اس جگہ کبھی برف باری نہیں ہوتی جس کا ذکر مہاتم میں بھی ہے اور ابوالفضل نے بھی کیا ہے اگر چشمہ کا پانی قدرتی طور پر گرم ہے تو ممکن ہے اس کی وجہ سے ہی تالاب کا پانی منجمد نہ ہوتا ہو اور ساتھ ہی جب کبھی اس جگہ برف گرتی ہو تو وہ پگھل جاتی ہو۔ بہر نوع مجھے چونکہ اس بارہ میں ذاتی مشاہدہ حاصل نہیں اس لئے میں یقینی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتا ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ نہ تو کلہن اس بارہ میں کچھ لکھتا ہے اور نہ نیل مت میں کچھ مذکور ہے۔ اس مقام کی رفعت پر غور کیا جائے جو میرے حساب سے ۸۰۰۰ فٹ ہے اور زمین کی ساخت پر توجہ دیں تو معلوم ہوتا ہے کہ معمولی موسم سرما میں وادی برنئی کی تہ پر بہت کچھ برف باری ہوتی ہوگی۔

بعض کم اہمیت کی چیزیں مثلاً گورودھن دھر کا مندر اور یم او جس اب دیکھنے میں
نہیں آتیں تو اس میں شک نہیں کہ ماہاتم اور نیل مت پران میں اس بارہ میں ان کا ذکر موجود
ہے۔ لیکن یہ بات چنداں حیرت خیز نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تیرتھ کی حیثیت
میں گنگو بھید ایک عرصہ سے فراموش ہو چکا ہے ممکن ہے کسی زمانہ میں یہ چیزیں تالاب
کے قریب اس چھوٹی سی سطح مرتفع پر واقع ہوں جہاں پرانی دیواروں کے آثار
اب تک نمودار ہیں۔

یہ بیان کرنا مشکل ہے کہ کس لئے ایک اس قسم کے تیرتھ کی جہاں کسی زمانہ میں
یاتریوں کی اس قدر آمدورفت تھی یہ حالت ہوئی کہ لوگ اس کی طرف سے غافل ہو کر
اسے بالکل بھول گئے۔ ممکن ہے اس وجہ سے کہ یاترا کا موسم ماہ چیت کے آخری حصہ
میں معین ہونے اور اس وقت راستہ میں بہت سی صعوبتیں پیش آنے کی وجہ سے یاتریوں
کی آمدورفت اس جگہ پر بتدریج کم ہوتی گئی ہو اور وہ اس قسم کے تیرتھوں میں جیسے کہ
بھیدا دیوی واقع حال منل پورہ ہے جانے آنے لگ گئے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ
سولھویں صدی کے آخیر پر بھی اس جگہ کی لوگوں میں خاص مشہوری ہوگی ورنہ ابوالفضل
کی فہرست میں اس کا ذکر نہ پایا جاتا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پرانا شارح جس کی شرح ایک
ٹیکا کار نے رتن کنٹھ والے مسودہ میں دی ہے اس سے واقف تھا وہ صحیح طور پر
بھیہ گری کے بجائے بھیدا بھرادو یا بدبرار لکھتا ہے اور اصل کتاب کے لفظ ہنسروپ
کی تشریح کے طور پر لفظ ہنس واگیشوری لکھتا ہے اور یہ وہ اصطلاح ہے جو ماہاتم کے
شلوک ۸۸ میں سرستی بھیدا کے لئے استعمال ہوئی ہے۔

اس سے پہلے ان آوازی تبدیلیوں کا ذکر کیا جا چکا ہے جن کے باعث بدلتے
بدلتے اس جگہ کا موجودہ نام پڑ گیا ہے شارح نے جو لفظ بھیدہ بھرادو لکھا ہے اور
جس کا حقیقی تلفظ بید بار ہے وہ بھیدا دیوی کے لئے صحیح کشمیری لفظ ہے۔ اور

جیسا کہ نیل مت میں مذکور ہے یہی اس دیوی کا نام ہے۔ اس لفظ کی صورت بید برار میں جو میں نے حال میں ایک برہمن کی زبانی سنی تھی۔ مرکب لفظ کے پہلے حصہ کا آخری حرف چھوٹا ہو گیا ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ پہلے جزو پر وہاں زیادہ پڑتا ہے اور کشمیری میں اس کا رواج عام پایا جاتا ہے عام مسلمان دیہاتی جو کشمیری بولتے ہیں انہیں میں لفظ کا تلفظ بدبرار پایا جاتا ہے جس کا باعث یہ ہے کہ وہ لوگ لفظ بید کو بڈ سے جس کے معنے بڑا کے ہیں ملا دیتے ہیں۔

گوجروں میں اس لفظ کا تلفظ بج براری پایا جاتا ہے جس کا موجب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کو پہاڑی صورت دیدی گئی ہے "د" کا "ج" میں مبدل ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

آخیر میں اس بات کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا کہ مقام بدبرار سے آگے وہ سیدھی سڑک چلتی ہے جو دراب گام کو پیر پنچال سے ملا دیتی ہے اس راستہ پر لوگوں کی آمد و رفت عام ہے اور اس لئے وہ پیمائشی نقشہ میں درج [illegible] راستہ وادی کے اوپر چڑھ کر بدبرار سے جنوب کی طرف وادی رمبیار کی جانب فاصل آب تک پہنچتا ہے اس کے بعد وہ وادی رمبیار میں جا ملتا ہے اور اس طرح سے مقام دیجی پر بڑی سڑک کو درہ پیر پنچال سے ملا دیتا ہے۔ بدبرار کی مقامیت سے دلچسپ طریقہ پر اس نتیجہ کی تصدیق ہوتی ہے جو ہم نے سرویس کے بھیلا ون پتھ یا بھیدا جنگل کے راستہ کی نسبت دیئے ہوئے حوالہ سے حاصل کیا ہے۔ یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ جب چوری کی سپاہ دراب گام کے آگے مغلوب ہوئی تو اسے بھیدا کی جنگل دار وادی کے علاوہ واپس بھاگنے کے لئے کوئی اور آسان اور سیدھی سڑک نہ مل سکی ہوگی۔

خاتمہ پر ہم صرف اتنا اور جتلانا ضروری خیال کرتے ہیں کہ مہابھارت کے پرب ۳ ادھیائے ۸۲ کے شلوک ۶۵ میں ولن پرب کے اندر تیرتھوں کی جو فہرست دی ہوئی ہے

اس میں بھی گنگو بھید کا نام پایا جاتا ہے۔لیکن اصل عبارت میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں پائی جاتی جس سے معلوم ہو سکے کہ اس سے مراد کشمیر والے گنگو بھید ہی سے ہے۔ چونکہ کشمیری یاترا کے باقی مشہور مقامات کا بھی مہابھارت میں بہت کم ذکر پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ امر مشتبہ ہے آیا اس سے مراد بھیدا کے چشمہ سے ہے یا کسی اور چیز سے۔ یہی الفاظ پدم پران جلد ا۔ ادھیائے ۳۲ کے شلوک ۲۹ کی نسبت کہے جا سکتے ہیں۔ جہاں اسی طرح گنگو بھید ایک تیرتھ کے نام کے طور پر موجود ہے +

نوٹ نمبر ۲

شاردا کا مندر

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۱۵ کتاب ہذا)

یہ قدیم تیرتھ جو بظاہر کشمیر کے تیرتھوں میں نہایت اہم اور حد سے زیادہ مشہور نظر آتا ہے زمانہ حال میں سری نگر کے پنڈتوں کی یاد سے ویسے ہی فراموش ہو گیا ہے۔ جیسے بھیدا کا مندس مقام جس کا ذکر نوٹ نمبر ا ضمیمہ کتاب ہذا میں کیا جا چکا ہے۔ شاین صاحب لکھتے ہیں ۱۸۹۲ء میں میں نے اس کے متعلق جو تلاش شروع کی تھی وہ اگر ویسی ہی وقت طلب ثابت نہ ہوئی جیسے بھیدا دیوی کے متعلق ہوئی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کلہن نے اتفاقیہ طور پر اس کی مقامیت کا کسی قدر بدیہی الفاظ میں ذکر کیا ہے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ابھی تک نواحی علاقوں کے برہمن اس مندر کی یاترا کرنے جاتے رہتے ہیں۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۵۶ و ۲۷۰۶ میں کلہن قلعہ سرہ شیل کے یادگاری محاصرہ کے متعلق جو اس کے اپنے زمانہ میں ہوا تھا۔ شاردا استھان کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے حوالوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مندر اس پہاڑی قلعہ کے قریب جوار ہی میں واقع تھا

ہر چند کہ اس زمانہ میں میں آخر الذکر کی شناخت میں کامیاب نہ ہوا تھا تاہم اس مقام کی عام کیفیت جن الفاظ میں قلمبند کی گئی تھی۔ ان سے معلوم ہوتا تھا کہ بالائی کشن گنگا کی وادی کی طرف اشارہ ہے۔ موجودہ شاردا تیرتھ میں بہت سے مقامی نام اس قسم کے پائے جاتے ہیں۔ نیز ابوالفضل کے مختصر خلاصہ میں جو کچھ تحریر ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ ہمارا قیاس درست ہے (ابوالفضل کے خلاصہ کے متعلق دیکھو آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۵) پنڈت صاحب رام نے جو کسی قدر مہمل نوٹ اپنی تیرتھ سنگرہ میں دیا ہے اور جس میں مختلف شارداؤں میں سے ایک کو لولاد پرگنہ سے متعلق قرار دیا گیا ہے جو جنوب کی طرف سے وادی کشن گنگا سے ملتا ہے اس میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔

غرض ماہ ستمبر ۱۸۹۲ء میں میں کمراز کے شمال کی طرف اس مطلب کے لئے دورہ کرنے نکلا کہ اگر ممکن ہو تو اس تیرتھ کی صحیح مقامیت سے واقفیت حاصل کروں۔ اس کے متعلق سب سے پہلی معتبر واقفیت مجھے سندت رام پروہت سے حاصل ہوئی جو سوگام واقعہ لولاد میں رہتا ہے۔ اس نے کسی قدر صحت کے ساتھ مجھے وہ راستہ بتایا جس پر یاتری لوگ سفر کرتے ہیں۔ اس نے جو کچھ بیان کیا اس سے اس خیال کی جو میں باندھ چکا تھا تصدیق ہو گئی۔ کیونکہ اسی نے بیان کیا کہ دریائے کشن گنگا اور کنک توری کے مقام اتصال پر نقشہ میں جو شردی کا موضع اور کھنڈرات دکھائے گئے ہیں وہی شاردا مندر کا مقام ہے۔ اس کی ہدایات پر عامل ہو کر میں اسی روز گش (قدیم گھوش) واقعہ اتر پرگنہ کی طرف روانہ ہوا جس کی نسبت بیان کیا گیا تھا کہ شاردا مندر کے دیہاتی پروہت وہیں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک جو گوتھینگ کا رہنے والا تھا اور جس کا نام چندر پنڈت تھا اگلے ہی روز مجھ سے ملا اور وہ میرے ہمراہ اس مقام تک چلنے پر آمادہ ہو گیا۔

مہاتم میں یاترا کی نسبت جو کچھ مذکور ہے اسے اس کی مدد سے میں بہت آسانی سے سمجھ گیا ۔ مہاتم کی نسبت دعوے تو کیا جاتا ہے کہ اسے بھر گو سنگھتا سے لیا گیا ہے لیکن اس میں جو بہت سے مقامی نام پائے جاتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسبتاً زمانہ حال کا لکھا ہوا ہے یا یہ کہ اس میں کسی قدر مزید اضافہ کر لیا گیا ہے اور اس میں اس تیرتھ کی روایتی ابتدا کے متعلق یاترا کے مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ماتنگ کے بیٹے منی شاندلیہ نے دیوی شارداکو دیکھنے کے لئے جو تین مختلف طاقتیں رکھنے والی شکتی ہے بڑی سخت ریاضت کی تھی آخر کار آکاش بانی پاکر وہ شیال دہار اشٹر کی طرف روانہ ہوا ۔ شیال سے مراد غالباً سمالا سے ہے جو پاس والے ضلع کا نام ہے (دیکھو نوٹ عـ۱۹۲ کتاب ہذا)

وہاں گھوش یا گش میں مہادیوی اس کے آگے نمودار ہوئی اور اس نے اپنے آپ کو اپنی صحیح حالت یعنی شکتی کے روپ میں شاردا کے جنگل میں دکھانے کا وعدہ کیا ۔ آخر کار دیوی ہیشیرا شرم میں اس کی نظروں سے غائب ہو گئی ۔ آخر الذکر ہائی ہوم کے موجودہ گاؤں کا سنسکرت نام معلوم ہوتا ہے جو گش کے شمال مشرق کی طرف چار میل کے قریب فاصلہ پر واقع ہے ۔ جیسا کہ نقشہ میں دکھایا گیا ہے (دیکھو نوٹ عـ۱۹۶ کتاب ہذا)

آخر کار منی کرشن گنگا کی طرف روانہ ہوا جو اس چشمہ کا نام ہے ۔ جسے آج کل کرشن ناگ کہتے ہیں اور وہاں اس نے اشنان کیا ۔ نہانے سے اس کا جسم سنہری بن گیا ۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ تاریکی سے عام طور پر چھٹنے والا ہے (دیکھو شلوک ۲۵ مہاتم مذکور) یہ ناگ موضع درنگ کے اوپر کی طرف واقع ہے ۔ پیمائیش کے بڑے نقشہ پر یہ جگہ ہائی ہوم کے بالکل قریب دکھائی گئی ہے اور غالباً یہ وہی درنگ ہے جس کا ذکر کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۰۷ میں کیا ہے ۔ آج کل مقامی برہمن

اس جگہ کا نام سُن درنگ یا طلائی درنگ بتاتے ہیں۔ چنانچہ مہاتم میں منی کے معجزانہ طریق پہ صورت بدل دینے کے مقام کا نام جو سورنا رو دھانگ لکھا گیا ہے اس سے مراد یہی سن درنگ ہے۔

یہ بیان کرنا مشکل ہے آیا سن درنگ یا سورن درنگ کا نام اس چشمہ کے متعلق روایات کی وجہ سے پڑ گیا یا بخلاف اس کے یہ اس قصہ کی ابتدا کا باعث ثابت ہوا۔ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۰۵ میں توضیح کی جا چکی ہے اس کا نام درنگ ہونے کا باعث یہ ہے کہ یہ مقام شاردی اور چلاس کی سڑک پر پرانی سرحدی چوکی (درنگ) تھی۔

ممکن ہے ابتدا میں "سُن" کا حصہ درنگ کے ساتھ اس لئے بڑھا دیا گیا ہو کہ اس سے دوسری درنگوں میں تمیز ہو جائے۔ لیکن میری دانست میں اس کا باعث غالباً دریائے کشن گنگا سے سونا نکلنا تھا۔ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ زمانہ قدیم میں دردلوگ جو وادی کشن گنگا اور بالائی سندھ پر آباد ہوتے تھے دریا سے سونا نکالا کرتے تھے ہیرو ڈوٹس کی تاریخ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ گلستھینیز در سترابو جلد ۱۵ صفحہ ۷۰۶ دبنبری صاحب کی کتاب ہسٹری آف اینشنٹ جغرافی ۱۸۸۳ء جلد ۱ صفحہ ۲۲۹۔

اس جگہ سے شاندلیہ سلسلہ کوہ کے شمال کی طرف چڑھنے لگتا ہے جہاں رنگوائی نامی جنگل میں اسے دیویوں کا ناچ نظر آتا ہے۔ مجھے جس شخص سے اس بارہ میں واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ یہ مقام ایک بلند کوہی مرغزار ہے جس کا نام رنگ دور مشہور ہے اور یہ اس درہ کے عین نیچے واقع ہے۔ جس میں سے ہو کر وہ سڑک جو درنگ سے کشن گنگا کی طرف جاتی ہے فاصل آب کو عبور کرتی ہے بعد ازاں وہ گوستھمبن جنگل یا مرگ گوتھمن کی طرف بڑھتا اور تیج دن میں پہنچتا ہے جو گوتم کا مقام رہائش اور کرشن گنگا کے کنارہ واقع ہے۔ (دیکھو مہاتم مذکور شلوک ۱۳۶)

مہاتم میں آخرالذکر مقام کی تقدیس پر مفصل طور سے بحث کی گئی ہے اور یہ وہی جگہ ہے جس کا نام آج کل تھمبن ہے جسے نقشہ پر تھگین کر کے دکھایا ہوا ہے۔ حقیقت میں یہ کشن گنگا کے بائیں کنارہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ مہاتم میں آگے چل کر بیان کیا ہوا ہے کہ مدرشی راستہ میں ایک پہاڑی پر سے گذر کر جس کے مشرق کی طرف اسے دیوتا گنیش نظر آتا ہے۔ شاندادن میں جا پہنچتا ہے۔ جس جگہ آج کل موضع شردی واقع ہے (دیکھو مہاتم مذکور شلوک ۵۸) یہاں پر مہاتم میں شاردا کی تین مختلف صورتوں یعنی شاردا ناردا یا سرستی اور واگ دیوی کی تعریف میں ایک بھجن درج ہے۔ (دیکھو شلوک نمبر ۶۸ مہاتم مذکور) جس کے بعد اس بات کا ذکر ہے کہ اس مقدس مقام پر کیونکر وہ اس منی کے روبرو نمودار ہوئی اور اس کی طویل ریاضتوں کے عوض اسے اپنے مقام رہائش شری شیل میں مدعو کیا۔ دیکھو شلوک ۹۹ مہاتم مذکور)

اس جگہ نیز بھی شاندلیہ کے پاس پہنچے اور انہوں نے شرادہ کروانے کی درخواست کی جب اس نے ترپن کی غرض سے مہاسندھو میں سے پانی لیا تو اس کا نصف حصہ مشہد بن گیا۔ اور اس نے اس ندی کی صورت اختیار کر لی جس کا نام مدھوتی مشہور ہوا۔ جیسا کہ مہاتم کے شلوک ۱۰۴ تا ۱۱۲ میں مذکور ہے۔ اس وقت سے لے کر یہ حال چلا آتا ہے۔ کہ سندھو اور مدھوتی کے سنگم پر جو شرادہ کرائے جائیں تو تمام گناہوں کا ازالہ ہو جاتا ہے اس سنگم کا ذکر آجانے سے اس بارہ میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ مہاتم میں شاردا کی جائے مقدس کو کس جگہ قرار دیا گیا ہے۔ سندھو سے مراد دریائے کشن گنگا ہی سے ہو سکتی ہے۔ جس کا نام کلہن کے زمانہ سے "سند" یعنی "ندیا" مشہور ہے مدھوتی وہ نام ہے جو روایتی طور پر آج تک اس ندی سے مشہور کیا جاتا ہے جو جنوب کی طرف سے مقام شردی میں کشن گنگا سے آملتی ہے۔

شردی کا نام جو اب اس چھوٹے گاؤں اور قلعہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جن کے

قریب شاردا کا مندر واقع ہے بلاشبہ اس دیوی کے نام سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کا یہ استھان ہے۔ عام طور پہ سنسکرت زبان کا "ش" کشمیری زبان میں "ہ" کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن اس حالت میں اگر ایسا نہیں ہوا تو چنداں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ شاردا۔ شیھشانت وغیرہ سنسکرت الفاظ کشمیری میں بھی اپنی اصلی صورت قایم رکھتے ہیں۔ اس مقام کے نام کی نسبت ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ اس کا تعلق اس دیوی سے ہے جس کا وہ استھان ہے مہر مہاتم کے باقی حصہ یعنی شلوک ۱۲۷ تا ۱۴۲ میں اس یاترا کے مختلف مراحل کا ذکر کیا ہوا ہے جو ان مقامات سے مطابق ہیں جن کی کیفیت روایتی قصہ میں قلمبند ہے۔ اور ہم۔ شدی بھادوں وہ وقت خیال کیا جاتا ہے جب یہ تیرتھ خاص طور پر مقدس ہوتا ہے۔ لیکن اس تاریخ کے علاوہ عام طور پر ہر ماہ کے روشن نصف حصہ کی چوتھی اور چودھویں تاریخ بھی مقدس مانی جاتی ہے۔

اس یاترا میں جو خصوصیت قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ مہاتم کے شلوک ۸۸ میں لکھا ہوا ہے اور عملی طور پر بھی دیکھا جاتا ہے کہ وشنو لوگ بھی مجبور ہیں کہ شاردا کے مندر پر پشو ہوم کریں اس حکم کی وجہ بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاردا کی پوجا بطور شکتی کے کی جاتی ہے چندر پنڈت کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نواحی علاقوں کے برہمن جو اب بھی شاردا کے مندر کی یاترا کرتے ہیں۔ اب کئی سال سے اس دشوار گذار درہ میں سے نہیں گذرتے جو درنگ کے پیچھے کی طرف واقع ہے اور ناں شکل کھڈوں کی طرف سے سفر کرتے ہیں جن میں سے وہ راستہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے وادی کشن گنگا میں سے گذرتا ہے۔ وہ ۴۔ شدی بھادوں کو یاترا پر روانہ ہو کر صرف اس ندی میں نہانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو درنگ کی طرف سے بہ کر آتی ہے اور کرشن ناگ میں اس کے منبع تک نہیں پہنچتے۔ اس کے بعد وہ گوش کی طرف بڑھتے ہیں جہاں وہ اخروٹ کے درختوں اور چنار کے پیڑوں کے ایک چھوٹے باغیچہ میں جاتے ہیں جو دریائے کابل (کاویری) کے کنارے واقع ہے اور جس کا

نام رنگ دور ہے اور کوہ ہرمکھ ذاتی تک پہنچنے کے بجائے یہیں تک آنا کافی تصور کرتے ہیں وہاں سے وہ معمولی راہ پر ہو کر آور - زرآ ہوم اور درہ سیتلون کے راستہ دو دینال تک جاتے ہیں وہاں پر وہ دریا کے بائیں کنارہ پر چڑھ کر تیج دن میں پہنچتے ہیں اور بالآخر چوتھے روز شاردا میں جا پہنچتے ہیں -

مقامی طور پر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ قلعہ شردی کی مختصر سی قلعہ بند فوج کو سامان رسد چونکہ اسی راستہ بہم پہنچایا جاتا ہے اس لئے اسکی اکثر مرمت ہوتی رہتی ہے اور اس قابل ہے کہ قلی اس پر سے بوجھ اٹھا کر گذر سکیں چنانچہ یہ معلوم کر کے میں ۶-ستمبر کو زیر ہوم کی طرف روانہ ہوا جو درہ سیتل دن کے دامن میں آخری گاؤں ہے اور اس درہ کو عبور کر کے اگلے روز سمت شمال کی طرف بالکل غیر آباد وادی میں جا پہنچا - جس کے بعد ۸ تاریخ کو دو دینال میں پہنچا - وہ راستہ جو فاصل آب سے نیچے کی طرف جاتا ہے قریب قریب ہر حصہ میں گھنے جنگلات سے ڈھکی ہوئی گہری کھڈوں میں سے ہو کر گذرتا ہے جن میں سے اکثر کسی ندی کے پاس میں واقع ہیں یہ راستہ اس قدر دشوار گذار ہے کہ اسے دیکھ کر مجھے کسی حد تک ان مشکلات کا اندازہ ہو گیا جو ان یاتریوں کو پیش آتی ہوں گی جو مطابق اعتقاد راستہ پر سے گذرتے ہوں گے

چونکہ مجھے بتایا گیا تھا کہ کشن گنگا کے بائیں کنارہ والا راستہ اس قسم کا ہے کہ اس پر اسباب اٹھا کر چلا نہیں جا سکتا اس لئے میں نے دو دینال کے مقام پر مواج دریا کو پرالے سے جھولے کے ذریعہ عبور کیا اور ۹ تاریخ کو وادی کے بالائی حصہ کی طرف شردی کے دائیں کنارہ پر کوچ کرنے لگا - سڑک ہر چند کہ نسبتاً آسان گذار ہے تاہم اس پر جانوروں کا گذرنا مشکل ہے اور متعدد چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سے ہو کر گذرتی ہے جو مزروعہ علاقوں میں واقع ہیں انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں وادی بالائی کشن گنگا کے اس حصہ میں جہاں ایک زمانہ میں وہ واقعات ظہور میں آئے تھے جن کا ذکر کلہن ترنگ ۸ کے

شلوک ۷۸ ۸،۲ تا ۷۰۹ میں کرتا ہے اور جو اب دراو (سنسکرت ورد ندی ؟) کا ایک جزو ہے
آجکل کی نسبت زیادہ آبادی ہوگی۔ اور اس لحاظ سے اس کی اہمیت بھی بڑھی ہوئی ہوگی
یہ حصہ چونکہ ایک عظیم قدرتی دیوار کے ذریعہ الگ ہے اس لئے خیال نہیں پڑتا کہ وہ
کبھی کشمیر کے علاقہ خاص کا حصہ ہو گو اس میں شک نہیں کہ راجگانِ ہنود کے عہد و از منہ ابعد
میں اس جگہ کے والیان ریاست فرمانروایان کشمیر ہی کو اپنا حاکم اعلےٰ تصور کرتے تھے
آج کل جو لوگ اس جگہ آباد ہیں ان کا کرناو (کرناہ) کی پہاڑی آبادی سے قریبی تعلق ہے
اور کشمیری آباد گاروں اور دردوں کی ان میں بہت کم آمیزش نظر آتی ہے۔ اگر زمانہ
قدیم میں بھی یہی نسلی حالات موجود ہوں گے تو شاردا تیرتھ کا کشمیر کے مقدس ترین مقامات
میں شریک کیا جانا یقیناً اور بھی زیادہ حیرت خیز معلوم ہوتا ہے۔

موضع تھمبن کے مقابل میں مجھے وہ مقام دکھایا گیا جہاں یاتری اس قسم کا اشنان کرتے
ہیں جو تیج دن کے لئے ضروری ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اس وادی کی پہاڑی ندی جو
اس مقام پر سمت جنوب مشرق سے جدا ہوتی ہے کشن گنگا میں آملتی ہے۔ اس سے اوپر
کی طرف جا کر جب میں موضع کھیری گام میں پہنچا اور شردی سے تھوڑے فاصلہ پر تھا تو
میرے ہمراہی پروہت نے مقابل کے کنارہ پر ایک تنگ اور بلند ٹیکری دکھائی جو دریائے عمودی
ٹیلوں سے جدا ہو کر دریا کی طرف ڈھلوان ہے اور اُسے گنیش کی پہاڑی (گنیش گری) جسکا
ذکر مہاتم میں آتا ہے ظاہر کیا۔ اس کا موجودہ نام گنیش گھاٹی مشہور ہے۔ جب میں کچھ عرصہ بعد
اس مقام پر پہنچا تو مجھے معلوم ہوگیا کہ کس لئے اس ٹیکری کو گنیش کی مقدس پہاڑی سمجھتے
ہیں اور جیسا کہ نوٹ نمبر ۱۳ ضمیمہ کتاب ہذا میں دکھایا گیا ہے اس بات کا بھی پتہ لگا کہ یہی قلعہ
سرکشیل کا محل وقوع ہے جسکی مجھے ایک مدت سے تلاش تھی۔ کھیری گام سے اوپر کیطرف
وادی اس قدر تنگ نہیں رہجاتی۔ جونہی راستہ میں ہم ایک نکڑ پر سے مڑتے ہیں شردی
کا قلعہ اور شاردا کا مندر نمایاں طور پر ہماری نظروں کے سامنے آجاتے ہیں اور ان کے

پیچھے کی طرف بلند چوٹیوں کا شان دار امیفی تھیٹر نظر آنے لگتا ہے۔ کشن گنگا جو شردی کے اوپر کی طرف تھوڑے سے فاصلہ پر سے پہاڑوں کی ایک تنگ اور لمبی غار سے نکلتی ہے اس جگہ نسبتاً ہموار ہو کر بہتی ہے جس وقت پانی چڑھا ہوا ہوتا ہے تو اسے عبور کرنے کا واحد ذریعہ جھولے کا پل ہوتا ہے جو بجائے خود بہت خطرناک ہے لیکن ہم نے شاخوں کی بنی ہوئی رسی کے ساتھ بندھے ہوئے لکڑیوں کے ایک پشتہ کے ذریعہ اسے عبور کیا تھا۔

شاردا کا مندر ایک نمایاں اور شان دار صورت میں مدھومتی کے دائیں کنارہ پر ایک کنارہ کے چبوترہ نما دامن میں واقع ہے جو مشرقی سمت کی ایک صنوبر سے ڈھپی ہوئی چوٹی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس چبوترہ کے عین نیچے شمال مغرب کی طرف وہ مقام ہے جہاں دریائے مدھومتی اور کشن گنگا ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ اس جگہ ایک ریتیلے کنارہ پر یاتری شرادہ کی رسم ادا کرتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے مندر میں پہنچنے کا ذریعہ ایک زینہ ہے جس کے اوپر سے ایک وسیع نظارہ دیکھنے میں آتا ہے۔ جنوب مشرق کی طرف مدھومتی کی وادی ایک کھڈ کی صورت میں تنگ ہوتی ہوئی نظر آتی ہے جو ان عمودی کراروں کے درمیان واقع ہے جن میں سے ہو کر کشمیر کا وہ راستہ گذرتا ہے جو کروس ہو کر جاتا ہے۔ شمال مشرق کی طرف جہاں سے کشن گنگا نکلتی ہے بنجر جٹیل پہاڑوں کے سلسلے جن کے پیچھے کی طرف برفانی چوٹیاں نظر آتی ہیں راستہ کو بند کئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ شمال کی طرف چٹانوں میں ایک تنگ شگاف واقع ہے جہاں سے دریائے سرگن نکلتا ہے یہی وہ دریا ہے جسے کنکتوری کر کے دکھایا گیا ہے اور جو پہاڑوں سے بہ کر چلاس کی طرف جاتا اور مدھومتی کے اوپر طرف تھوڑے سے فاصلہ پر کشن گنگا میں جا گرتا ہے۔ اسی کو کلہن نے سرسوتی کے نام سے لکھا اور مقامی طور پر اس کا یہی نام مشہور ہے۔ مغرب کی طرف نظارہ ان بلند سلسلوں تک جاتا ہے جو خاگان کی سمت میں بلند ہوتے ہیں۔ شاردا کے

قدیم مندر کے کھنڈرات جو آج کل اس جگہ موجود ہیں۔ اس وجہ سے بالکل مختصر طور پر بیان کئے جائیں گے کہ ان کے متعلق مجھے جو کچھ بھی حالات میسر آسکے ہیں وہی ہیں جو میجر سی۔ بی۔ بیٹس صاحب کی کتاب گزیٹر آف کشمیر میں صفحہ ۳۲۹ پر درج ہیں۔ جو گورنمنٹ کے نیم کانفیڈنشل مطبوعات میں سے ایک ہے جسے "سیاسی اور فوجی حوالوں کے لئے" شائع کیا ہے اور جو عوام کے ہاتھوں تک بمشکل پہنچ سکتی ہے۔ میجر بٹیس نے شردی کے متعلق جو مفصل اور صحیح کیفیت قلمبند کی ہے وہ میرے اس جگہ جانے کے ایک عرصہ بعد معلوم ہوئے تھے۔

پہاڑی کے نیچے ڈھلوان سے مغربی جانب سے مندر تک پہنچنے کا ذریعہ وہ شاندار لیکن بحالت موجودہ نیم مسمار پتھر کی سیڑھی ہے جس کے ۶۳ پائے ہیں اور جس پر چڑھ کر اس چوکور احاطہ کی دیوار تک پہنچ سکتے ہیں جو مندر کے گرد بنا ہوا ہے۔ اس کی چوڑائی ۱۰ افٹ ہے اور بھاری ساخت کی دو دیواروں کے درمیان کسی قدر عمودی طور پر بنی ہوئی ہے سیڑھی کے پلے چھ چھ کی تعداد میں ختم ہوتے ہیں۔ صحن میں داخل ہونے کا راستہ ایک دروازہ میں سے ہے جو کشمیر کے معمولی طرزِ تعمیر کے مطابق دوہری محراب والا بنا ہوا ہے۔ یہ دروازہ اب صحن کے جنوب مغربی کونہ میں واقع ہے۔ یہ بات کہ ابتدائی ساخت میں بھی یہ اسی حالت میں واقع تھا یا نہیں اب یقینی طور فیصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ چاردیواری کا سارا جنوبی پہلو منہدم ہو گیا ہے جس کا باعث یہ ہے کہ دریا سے مدہومتی کی طرف والے عمودی ڈھلوان کی بنیادی دیواریں شکستہ ہو چکی ہیں۔ اگر اصلی صورت میں صحن کی شکل پورے طور پر چوکور تھی اور وہ گھٹا بڑھا ہوا حصہ جو اب جنوب مغربی کونہ میں نظر آتا ہے اس وقت موجود نہ تھا تو یہ دروازہ مغربی پہلو کے وسط میں واقع ہوگا۔ لیکن ان بواعث سے جن کا ذکر قبل ازیں کیا گیا ہے۔ دروازہ کا جنوبی یا دایاں پہلو گر چکا ہے شمالی سمت میں اب بھی درمیانی دروازہ کے دونوں پہلوؤں میں ایک ایک ستون وہ موجود ہے جو

ڈیوڑھی کی محرابوں کو سہارا دیئے ہوئے تھا۔ اس دروازہ کا مجموعی عمق ۱۲ فٹ ہے۔

اس دروازہ میں سے داخل ہو کر جس صحن میں داخل ہوتے ہیں وہ مستطیل شکل ہے اور اس کے گرد چھ فٹ موٹی بھاری سی دیوار بنی ہوئی ہے۔ دیوار محیط کا شمالی پہلو جو ثابت ہے ۲۲۴ فٹ ہے اور مشرقی پہلو بھی جو چند ان نقص دار نہیں ۱۴۹ فٹ ۶ انچ ہے۔ اس طرح پر اس چوکور صحن کے لمبے اور چھوٹے بازوؤں کا تناسب ۳-۲ کا قائم ہو جاتا ہے خاص ان دیواروں کی اونچائی جو محیط ہیں صحن کی لیول سے لے کر منڈیر کے نچلے حصہ تک ۱۱ فٹ ہے منڈیر دیوار کی چوٹی پر مخروطی شکل میں ۸ فٹ بلند ہے اور مشرقی پہلو میں اس کی حالت خاصی اچھی ہے باہر کی طرف سے دیکھنے پر احاطہ کی دیواریں اور بھی بھاری اور شان دار نظر آتی ہیں۔ کیونکہ انہیں بنیادی دیواروں پر اس غرض سے بنایا ہوا ہے کہ زمین کی ناہموار سطح کا نقص دور ہو جائے یہ بنیادی دیواریں ۵ سے ۱۲ فٹ تک بلند ہیں اور بعض مقامات میں باہر کی طرف سے دیوار کی مجموعی نمایاں بلندی ۳۰ فٹ نظر آنے لگتی ہے۔ شمالی دیوار کے مرکز میں ایک چھوٹا سا حجرہ قریباً ۳ فٹ ۲- انچ مربع اندرونی ناپ کا موجود ہے جس کا ایک تہری محراب والا دروازہ اندرون صحن کی طرف نکلتا ہے اب اس میں اوسط درجہ کی جسامت کے دو قدیم لنگ موجود ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدا میں انکا مطلب بھی یہی رکھا گیا ہوگا کہ اس میں کوئی مورتی یا لنگ استھاپن کیا جائے۔ دیوار محیط کے مشرقی پہلو میں بھی ایک ایسا چھوٹا سا حجرہ موجود ہے اور اس کے جنوب کی طرف ۵ فٹ کے فاصلہ پر ۳ فٹ چوڑا ایک مربع دریچہ واقع ہے۔ اس سے نکل کر مندر کے پچھلی طرف والے پہاڑی چبوتروں اور امر کنڈ نامی چشمہ تک جو کسی قدر بلندی پر واقع ہے پہنچ سکتے ہیں۔

مندر جو اس چوکور احاطہ کے مرکز میں واقع ہے ایک مربع حجرہ کی شکل کا ہے جو طرز ساخت اور بلندی کے اعتبار سے معمولی کشمیری طرز کا بنا ہوا ہے اس کے نیچے ایک بنیادی

چبوترہ ۲۴ فٹ مربع اور ۵ فٹ ۳ انچ اونچا موجود ہے ۔ خاص اس حجرہ کی دیواریں بنیادی چبوترہ کے کنارہ سے ۲ فٹ ہٹ کر بنی ہوئی ہیں ۔ شمال مشرق اور جنوب کی طرف انہیں ابھری ہوئی تھری محرابوں اور کھمبوں کے ذریعہ آراستہ کیا ہوا ہے ان محرابوں کے نیچے چھوٹے تھرے رخنے بنے ہوئے ہیں ۔ جن پر دوہری چھتیں ہیں ۔ بنیادی چبوترہ سے لیکر ۲۰ فٹ کی بلندی تک دیواریں ابھی تک صحیح حالت میں ہیں ۔ اور بڑی تھری محرابوں تک ابھی ان کی قریب قریب ایسی ہی حالت ہے ۔ محرلی مخروطی تپھر کی چھت کے آثار اب بالکل نظر نہیں آتے ۔ ایسی بھاری چھت کے کھنڈرات بھی یقیناً بہت زیادہ ہوتے لیکن اب چونکہ حجرہ کے اندر یا اس کے اردگرد کسی قسم کے ایسے کھنڈرات موجود نہیں اس لئے خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید یہ چھت کبھی موجود نہ تھی ۔ بحالت موجود اس حجرہ پر ایک نیچی چھوٹے تپھروں کی چھت موجود ہے جسکی نسبت میجر بٹیس نے ۱۸۷۳ء میں لکھا تھا کہ "اسے حال میں ہی کرنیل گنڈ و سابق ضلع دار مظفر آباد نے بنوایا ہے"۔
حجرہ کے اندر داخل ہونے کا راستہ مغرب کی طرف سے ہے اور یہاں تک پہنچنے کا ذریعہ ایک ۵½ فٹ چوڑا زینہ ہے جس کے دونوں طرف دیوار ہے ۔ دروازہ کے سامنے ایک کھلی ڈیوڑھی ان کھمبوں سے کوئی ۴ فٹ پرے واقع ہے جو دروازہ کے دونوں پہلوؤں میں موجود ہیں ۔ اس کے باہر کی طرف سہارا دینے والے دو ستون دو فٹ ۴ انچ مربع اور قریباً ۱۲ فٹ اونچے ہیں ۔ حجرہ کا اندرونی حصہ ۱۲ فٹ ۳ انچ مربع ہے اور اس میں کسی قسم کا آرائشی سامان موجود نہیں صرف ایک نمایاں شے جو اس کے اندر موجود ہے وہ ایک بڑی سی تپھر کی کھردری سل ہے جس کا ناپ ۶×۷ فٹ اور موٹائی قریباً نصف فٹ ہے اس تپھر کی نسبت یہ عقیدہ پھیلا ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ کنڈ ڈھکا ہوا ہے جس میں شارداشنڈلیہ کو نظر آئی تھی اور یاتری اس کی خاص طور پر تعظیم وتکریم کرتے ہیں ۔ جب میں اس جگہ گیا تھا تو ایک سرخ کپڑے کا جھلمل دار منڈپ اس کے اوپر تنا ہوا تھا ۔ اندر کے باقی ماندہ حصہ میں جابجا سنکھ ۔ گھڑیال اور پوجا کا باقی سامان

لگا ہوا تھا۔

یہ تمام حجرہ ایک کسی قدر بھربھری قسم کے پتھر کا بنا ہوا ہے اور اس پتھر کی، اس طرح کی سلیں لگی ہوئی ہیں جو حجم یا صفائی کے لحاظ سے کچھ کم قابلِ ذکر نہیں۔ مصالحٔ مستعملہ اور عمارت کی مضبوطی کے اعتبار سے مندر مجھے اس گرداگرد کی چار دیواری سے گھٹیا نظر آیا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے چونکہ دیواروں کے محفوظ رخنوں میں اب تک پلستر کے نشانات موجود پائے جاتے ہیں۔ اس لئے میرا اندازہ ہے کہ کسی زمانہ میں سارے مرکزی مندر پر پلستر پھرا ہوا ہوگا۔

حجرہ کی ظاہری شکل وصورت اور اس کی مساحت اور آسائش وغیرہ کو دیکھ کر مجھے خیال کرنا پڑتا ہے کہ یہ مندر کسی زیادہ قدیم زمانہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ طرز تعمیر کے اعتبار سے یہ کسی قدر کپٹیشور یا کوتھیر کے حجروں سے جو اب منہدم ہو چکے ہیں ملتا جلتا نظر آتا ہے اور یہ زمانہ اغلباً راجہ بھوج کا یا گیارھویں صدی کا ہوگا جیسا کہ نوٹ ء لنشا کتاب ہذا میں بیان کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اگر کوئی مندر ایسے مقبول اور مشہور مقام پر زمانہ قدیم سے موجود ہو تو لوگ ہمیشہ اس پر توجہ دیتے ہیں اور اس میں وقتاً فوقتاً اصلاح ومرمت ہوتی رہے صرف یہی بات کہ ایک ایسی عمارت جو ساخت کی مضبوطی یا مصالحہ کی عمدگی کے اعتبار سے کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتی اپنی موجودہ حالت میں بلحاظ اچھی حالت میں ہونے کے کشمیر کی اکثر مشہور تعمیرات پر سبقت رکھتی ہے۔۔ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ یہ مندر نسبتاً زمانہ مابعد کا بنا ہوا ہے۔

چندر پنڈت کا بیان ہے کہ سکھوں کے حملہ سے پیشتر جبکہ کرناد کے مسلمان راجہ وادی کشن گنگا میں عملی طور پر خودمختار حکومت کرتے تھے یہ مندر قریب قریب ویران پڑا رہا کرتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک نے اس میں بارود بھروا رکھا تھا جس کے بھک سے اڑ جانے پر اصلی چھت ٹوٹ گئی تھی۔ اگر یہ بیان درست ہے

توہار سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ مندر کی کبھی بھی پتھر کی چھت نہ ہوا کرتی تھی ۔ ورنہ
اس کے ٹوٹنے سے اغلباً نچلی دیواروں پر بھی اثر پڑتا ۔ بعد میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے
اس مندر کی مرمت کرادی تھی ۔ علاوہ بریں اس نے گوتھنگ برہمنوں کے لئے سالانہ وظیفہ
ماہوار جاگیر مقرر کردی تھی ۔ چندر پنڈت کا بیان ہے کہ میرا تعلق برہمنوں کے اسی فرقہ
سے ہے اور ہم ہی اس مندر کے موروثی محافظ ہیں ۔

مندر کی مرمت وغیرہ کی حالت اچھی ہونے کا باعث کچھ تو ان محافظوں کی مسلسل
کوششیں ہیں اور کچھ حصّہ اس کام میں اس مختصر سی ہندو جماعت کا بھی ہے جو شردی کے
نواحی قلعہ میں فوج کا کام دیتی ہے یہ قلعہ جو چوکور وضع کا اور سنگریزوں کا بنا ہوا ہے مندر
کے بالمقابل واقع ہے اور یہاں مدھومتی کے بائیں کنارہ پر اسے مہاراجہ گلاب سنگھ کے
عہد میں اس غرض سے بنایا گیا تھا کہ لوٹ مار کرنے والے چلاسی لوگ وادی مرگن کے راستہ
سے بآسانی آجاتے تھے ۔ میں نے دیکھا کہ قلعہ میں کوئی ۴۰ ایک ڈوگرہ اور سکھ جوان
ہیں جو بے قاعدہ قلعہ دار افواج سے تعلق رکھتے ہیں ۔ دیکھو نوٹ ____ کتاب ہذا

یہ بہادر آدمی جو سالہا سال سے اس ویران مقام میں مقیم ہیں اور سال کا بہت بڑا حصّہ
باہر کی دنیا سے کسی قسم کا میل جول نہیں کر سکتے اس مقدس مقام کی جو گویا انہی کی زیر حفاظت
ہے خوب سمجھ کے ساتھ نگرانی کرتے ہیں یہ اس کے اردگرد جنگل کی گھنی گھاس کو اُگنے نہیں دیتے ورنہ
اس بارہ میں تھوڑی سی غفلت کریں تو سبزی اسی طرح پر اُگ آئے جیسے بوتھ شیر یا بھوتیشور کے
کھنڈرات پر اگی ہوئی ہے علاوہ بریں انہوں نے میدان سے لاکر ایک شخص کو جو ہندو فقیر
ہے اس دیوی کا بھوجکی بنا رکھا ہے ۔

چندر پنڈت کے بیان سے معلوم ہوا اور بعد میں اس کی تصدیق بھی ہوگئی کہ اس مندر
کی یاترا باقاعدہ طور پر بھادوں کے شکل پکش میں شروع ہوتی ہے یاتری لوگ جو تھی شدی
کو گش سے سفر پر روانہ ہوجاتے ہیں اور ۸ ویں کو شاردا کنڈ پر جاکر مدھومتی کے کنارہ

شرادہ کراتے ہیں۔ جیسا کہ نوٹ نمبر ۱۴۱ و نمبر ۱۴۲، کتاب ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی وہ تاریخیں ہیں جن پر جھیل گنگا واقع کوہ ہرمکٹ میں یاترا ہوتی ہے۔

ان دونوں یاتراؤں میں جو عجیب تعلق پیدا ہو گیا ہے اس کی توضیح بھی اسی امر سے ہوتی ہے۔ مقدس جھیل گنگا پر یاتری لوگ صرف انہی سالوں میں جا سکتے ہیں جب کہ سورج تاریخ مقررہ کو برج ۱ــ میں ہو (دیکھو ہرمکٹ گنگا ماہاتم نمبر ۲۲۱ کا مسودہ مولفہ سٹائن صاحب صفحہ ۲) چونکہ یہ بات ان ماہوں میں نہیں ہو سکتی جبکہ زایدٔ مہینہ (ادہک ماس) بھادوں میں واقع ہو اس لئے کوہ ہرمکٹ کی یاترا ہر تیسرے چوتھے سال ملتوی کرنا پڑتی ہے

اس قسم کے خاص خاص سالوں میں ہرمکٹ گنگا کے بجائے شاردا جانے کا رواج پیدا ہو گیا ہے ہر چند کہ ایک عرصہ سے یاتریوں کی زیادہ تعداد شاردا کے قدیم مندر کے بجائے ان جدید قایم کردہ مقامات کی طرف جانے لگ گئی ہے جن کا ذکر سطور ذیل میں کیا جائیگا۔ تاہم اب بھی ایسے سالوں میں دو تین سو یاتری کشن گنگا کے مقدس مقامات میں ضرور پہنچتے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر کمراز کے نزدیک ترین علاقوں کے برہمن ہوتے ہیں۔ کیونکہ جیسے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے شاردا کا مندر عملی طور پر برہمنان سری نگر کو بالکل ہی معلوم نہیں عام سالوں میں شاردا کی یاترا میں صرف چند ایک اکے دُکے یاتری شریک ہوتے ہیں۔ مجھے شک ہے آیا چندر پنڈت اور گوتھینک میں اس کی برادری کے پروہت ان یاتریوں کے ہمراہ جانا گوارہ کرتے بھی ہوں گے یا نہیں۔ لیکن جب ہم اس شہرت پر غور کرتے ہیں جو کسی زمانہ میں شاردا کے مندر کو نہ صرف کشمیر میں بلکہ اس سے پرے بھی حاصل تھی تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں حالت اس سے مختلف ہوگی خود کلہن للتادیتہ کے عہد حکومت مذکورہ ترنگ ۴ شلوک ۳۲۵ میں کسی راجہ گوڑیا بنگالہ کے ہمراہیوں کا ذکر کرتا ہے جو بظاہر شاردا کے مندر کی یاترا کے لئے لیکن حقیقت میں اس قتل کا انتقام لینے آئے تھے جس میں للتادیتہ کے ایما پر ان کا راجہ مارا گیا تھا۔ اس موقع پر جو

قصہ بیان کیا گیا ہے اس کی تاریخی وقعت خواہ کچھ بھی ہو بہر نوع یہ امر ظاہر ہے کہ اگر شارداکے مندر نے اس قدر شہرت حاصل کی ہوئی ہوتی تو اس کا ذکر یقیناً داخل نہ کیا جاتا۔

اس بارہ میں ہمیں البیرونی کی بھی شہادت حاصل ہے جس نے دوران قیام پنجاب سے یا اس مندر کا ذکر سنا ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنی ایک عبارت میں جس کا حوالہ قبل ازیں نوٹ نمبر ۵؛ کتاب ہذا میں دیا جا چکا ہے شاردا کے چوبی بت کی نسبت بیان کرتا ہے کہ اس کی پوجا کے لئے بہت سے یاتری جمع ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ اس جگہ بت کو چوبی ظاہر کیا گیا ہے تاہم کسی اور جگہ مجھے اس قسم کا حوالہ نظر نہیں آیا۔ البتہ جالس کے قریب دارل میں ایک مشہور چوبی بت ہوا کرتا تھا۔ جس کی بدھوں میں بہت پرستش تھی اور اس کا ذکر فاہیان اور ہیون سانگ نے بھی کیا ہے۔ دیکھو کتاب سی۔یو۔کی ترجمہ بیل صاحب جلد ۱ تمہیدی صفحہ ۲۹ و کتابی صفحہ ۱۳۴۔ البیرونی نے اس چوبی بت کی مقامیت کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی کافی صحیح ہے کیونکہ وہ "اندرون کشمیر دار الخلافہ سے دو یا تین یوم کے فاصلہ پر کوہستان بولر کی سمت میں" واقع ہے۔ جس سے مراد اس علاقہ سے ہے جو گنگا ... اور ارانخ کے درمیان علاقہ بالائی سندھ سے تعلق رکھتا ہے دیکھو کتاب انڈیا جلد ۱ صفحہ ۱۱۷)۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ البیرونی شاردا کا ذکر حالات کشمیر میں نہیں کرتا بلکہ ہندوؤں کی مشہور مورتیوں کے دوران میں ملتان کے دیوتا سے آفتاب تھانیسر کے چکر سوامن اور سومنات کے لنگ کے بعد کرتا ہے۔

دوسری شہادت ہمیں کشمیری شاعر بلہن سے حاصل ہوتی ہے جو گیارھویں صدی کے آخری نصف حصہ میں شہرت حاصل کر چکا ہے۔ دکر مانک دیو چرت کے ادھیا ۱۸ اشلوک ۵ میں اس نے پرورپور یا سری نگر کی جو کیفیت اس وقت قلمبند کی ہے جبکہ وہ اپنے وطن سے بہت دور دکن میں تھا تو اس میں اس نے علم کی اس پرستی کو جو اسے حاصل تھی

دیوی شارداکی مہربانی سے منسوب کیا ہے۔ "اس جگہ دیوی کو ایک ہنس سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مکٹ دریائے مدہومتی کی ریت سے جو دریائے گنگا کا مقابلہ کرتا ہے حاصل کئے ہوئے چمکدار سونے کا ہے۔ اپنی شہرت کے ذریعہ جو شیشہ کی مانند چمکدار ہے روشنی پھیلا کر وہ گوری کے باپ ہمالہ کی گردن (چوٹی) اس وجہ سے بافتخار اٹھواتی ہے کہ اس کی وہاں رہائش ہے۔" اس شلوک کے مطلب سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلہن کو اس سونے کے وجود کی خبر تھی جو دریائے کشن گنگا اور اس معاونوں میں پایا جاتا ہے اور اس لئے اس نے اپنے شلوک میں لفظ "سکیٹ" کے استعمال میں یہ خوبی رکھی ہے کہ اس کے معنی "ریت" اور نیز اس چیز کے ہیں جسے ریت دھوکر حاصل کیا جائے چنانچہ مہا بھارت کے پر با سرگ ۵۲ شلوک ۴ میں ایسے ہی لفظ "پیپلیک" اس قسم کے سونے کے لئے استعمال ہوا ہے جسے چیونٹیاں جمع کرتی ہیں۔ (ہیروڈوٹس جلد ۳ صفحہ ۱۰۵) نیز "پنید جو" بھی ممکن استعمال ہوا ہے

اگر ہم زیادہ روایتی قصص کی طرف متوجہ ہوں تو شاردا کے مندر کا ذکر اس عجیب داستان میں بھی موجود پایا جاتا ہے جو کتاب پربھاوک چرت میں عظیم جین فاضل ہیم چندر کی نسبت جو ۱۰۸۸ء سے ۱۱۷۲ء تک کے زمانہ میں ہو گذرا ہے بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر اور نیز اس پر بحث پروفیسر بوہلر نے ہیم چندر کی سوانحعمری اور اس کے کارنامے کے تعریف ان میں کی ہے۔ قصہ یہ ہے کہ جب راجہ جے سنگھ والئے گجرات نے ہیم چندر کو ایک نئی گرامر مرتب کرنے کا کام تفویض کیا تو اس نے اس بارہ میں ضروری مصالحہ طلب کیا جو یہ تھا کہ پرانی گرامریں ہوں جو کشمیر کی دیوی سرسوتی ہی کے کتب خانہ میں پائی جاسکتی ہیں۔ جے سنگھ نے فوراً چند اعلیٰ رتبہ کے اہلکاروں کو مسودے لانے کے لئے پرورپور روانہ کیا۔ وہاں پر وہ دیوی کے مندر میں پہنچے اور اظہار مدعا کیا۔ اپنی تعریفوں سے خوش ہو کر دیوی خود نمودار ہوئی اور اس نے اپنے خدمتگذاروں

کو حکم دیا کہ مطلوبہ کتابیں میرے منظور نظر ہیم چندر کو دے دی جائیں۔ اس پر وہ مسودے ساج کے صفیروں کے حوالہ کر دیئے گئے جو انہیں ہیم چندر کے پاس لے گئے اور ان مسودات کے مطالعہ کے بعد اپنی عظیم الشان ویاکرن کی کتاب متذکرہ ہیم چندر تالیف کی۔

دیگر وسائل اور خود اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہیم چندر نے ضروری مصالح مختلف مکروں سے حاصل کیا تھا۔ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر بوہلر کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ پربھاوک چیرت کا یہ بیان کہ تمام مسودے سرسوتی کے مندر واقع کشمیر سے حاصل کئے گئے تھے مبالغہ آمیز ہے اور اس مبالغہ آمیزی کا باعث وہ تعلیم ہے جو مصنف کے دل میں شاردا کے ملک کی علمی عظمت کے بارہ میں تھی لیکن تفصیلات پر غور کرنے سے اس داستان کا روایتی ہونا اور بھی واضح ہوتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سرسوتی کے مندر سے مراد شاردا کا مندر ہے کیونکہ یہ دونوں نام ایک ہی دیوی کے لئے استعمال ہوتے ہیں بایں ہمہ اس جینی کتاب کا مصنف مندر کو سری نگر میں واقع قرار دیتا ہے اور ہمارے پاس اس بارہ میں جو کافی تاریخی مصالحہ موجود ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ اس قسم کا کوئی مندر نہ تو ہیم چندر کے زمانہ میں اور نہ اس کے بعد اس جگہ واقع تھا۔

پربھاوک چیرت میں جو قصہ مذکور ہے اس کی نسبت اغلب طور پر یہ بات معلوم کی جا سکتی ہے کہ اس کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ جس صورت میں ہمیں یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ ہیم چندر کی نسبت یقین کیا جاتا ہے اس نے مسودوں کی صورت میں شاردا کے ملک یعنی بعید کشمیر سے علمی امداد حاصل کی تھی تو اس حالت میں یہ امر بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ مضمون کو دلچسپ بنانے کے لئے ان مسودات کے حصوں کو علم کی دیوی کے مندر سے منسوب کر دیا جائے۔ یہ بات ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ پربھاوک چیرت کے تیرھویں صدی کے نصف حصہ میں تیار ہونے سے پہلے شاردا کا مندر کشمیر

میں ایک مشہور تیرتھ بن چکا تھا اور اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امر چنداں بیجا معلوم نہیں ہوتا کہ اس کتاب کے مصنف نے مندر کا جائے وقوع پرورپور کو تصور کیا ہو کیونکہ اس زمانہ کی طرح ازمنہ گزشتہ میں بھی یہی ایک ایسا مقام تھا جہاں علم کا مرکز قائم تھا۔

سطور بالا میں شاردا کے مندر کی نسبت جس حوالہ پر بحث کی گئی ہے وہ اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے یہ تیرتھ اس زمانہ میں دور دور تک مشہور تھا۔ زمانہ قدیم ہی سے کشمیر کو سرسوتی شاردا کا منظور نظر ملک ہونے کا دعوےٰ رہا ہے اور شاردا پیٹھ۔ شاردا منڈل وغیرہ نام اب بھی اس کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ بات اس وقت ہمارے مطلب کے دائرہ سے خارج ہے کہ تحقیق کریں کہاں تک اس وادی نے علم وفضیلت کا مسکن ہونے کے باعث یہ قابل فخر نام حاصل کیا ہے تاہم اس میں کلام نہیں کہ ایسے ناموں کی وجہ سے بیرون جات میں اس تیرتھ کی بہت کچھ شہرت پھیل گئی تھی جو شاردا کے نام سے مشہور تھا۔

شٹائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک عجیب واقعہ سے مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی تھی کہ کشمیر کے شاردا مندر کی شہرت اب بھی کسی قدر گجرات کے علاقہ میں ہے عرصہ چند سال کا گذرتا ہے کہ دوارکا واقعہ گجرات کے خاص مٹھ کا پجاری شنکر آشرم سوامی لاہور میں آیا تو اس نے مجھ سے شاردا تیرتھ واقع کشمیر کے مفصل حالات دریافت کئے کیونکہ وہ اس جگہ یاترا کرنے جانا چاہتا تھا لیکن بعد میں اس کا ارادہ فسخ ہو گیا۔ میں نہیں کہ سکتا اس انفساخ کا باعث راستہ کی مشکلات یا کوئی اور مادی وجوہ تھیں جنہیں میں معلوم نہیں کر سکا۔

جونراج کی راج ترنگنی میں شاردا کے مندر کی نسبت ایک عجیب واقعہ زمانہ مابعد کے متعلق درج ہے۔ جس شلوک میں اس واقعہ کا ذکر پایا جاتا ہے وہ اس

زاید مضمون میں درج ہے جس سے ہم پہلی مرتبہ پروفیسر پٹرسن کے ایڈیشن ۱۸۹۶ء کے مطالعہ سے واقف ہوئے ہیں (دیکھو بمبئی ایڈیشن کے شلوک ۱۰۵۶ تا ۱۰۷۱) مخفی نہ ہے کہ یہ زاید شلوک جو تعداد میں ۳۵۰ کے قریب ہیں نہ تو کلکتہ ایڈیشن میں درج ہیں اور نہ اس نسخہ میں دیکھے ہیں جو سٹاین صاحب کو کشمیر میں ملا تھا - ان میں سلطان زین العابدین کے عہد حکومت ۱۴۲۰ء تا ۱۴۷۰ء کے ابتدائی حصہ کے واقعات میں اس کے شارداکے مندر میں جانے کا حال درج ہے

اس بادشاہ نے برہمن سعلیا کے ساتھ جس طرح منصفانہ برتاؤ کیا تھا وہ عام طور پر مشہور ہے - شلوک ہائے مذکور میں اس بادشاہ کا باقاعدہ جاترا میں شریک ہوکر ۱۴۲۲ء میں اس غرض سے دیوی کے مندر تک جانا لکھا ہے کہ اس کے معجزات کو دیکھے شلوک نمبر ۱۰۵۷ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزات کی صورت عام طور پر یہ ہوتی تھی کہ دیوی کے چہرہ پر پسینہ نظر آتا تھا - اس کا بازو ہلتا تھا اور اس کے پاؤں کو چھوا جائے تو گرم محسوس ہوتا تھا -

جن زیادہ شلوکوں کا ذکر بسطور بالا میں کیا گیا ہے ان کی نسبت سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس ذریعہ سے حاصل کئے گئے ہیں ؟ اکثر حالتوں میں یہ شلوک داستان کی توضیح کرتے ہیں لیکن بعض میں ان کا موجود ہونا مضمون کے تسلسل کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے چونکہ جونراج اپنی تصنیف کو نامکمل ہی چھوڑ کر مر گیا تھا - اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شلوک بعد میں اضافہ کر دیئے گئے تھے ممکن ہے کہ جونراج نے ان شلوکوں کو خود نہ لکھا ہوتا ہم وہ زیادہ عرصہ بعد کے لکھے ہوئے نہیں معلوم ہوتے -

انہی شلوکوں میں مذکور ہے کہ مندرجہ بالا معجزات کے بعد بادشاہ نے دریا سے مدہومتی کے پانی میں غسل کیا اور اسے پیا اور بعد ازاں اس مقدس مقام پر بیٹھ گیا جہاں یاتریوں اور مندر کے پروہتوں کا ہجوم تھا - بیان کیا گیا ہے کہ راجہ نے ان لوگوں میں جو کمینہ پن دیکھا اس کے باعث اس نے اظہار خشم کیا اور دیوی پر سے اس کا اعتقاد اٹھ گیا -

جب بادشاہ دیوی کو نمایاں اور مادی صورت میں دیکھنے سے قاصر رہا جس کا باعث جو نراج کلجگ کا یہ بھاؤ اور پجاریوں کی بے اعتقادی قرار دیتا ہے تو اس نے خواب میں اس کی صورت دیکھنے کی کوشش کی۔ اس مطلب کے لئے وہ ۔۔ بھادوں (پکش نامعلوم) کو رات بھر مندر کے صحن میں سو رہا (دیکھو شلوک نمبر ۱۰۶۹) لیکن شاردا اس بادشاہ کو نیند میں بھی نظر آئی۔ آخر الذکر کی اعلیٰ صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے مصنف اس مایوسی کو نوکروں کی شرارت اور ملیچھوں کے ہجوم سے منسوب کرتا ہے مذکور ہے کہ نیک زین العابدین کو اس طرح مایوس کرنے کے بعد دیوی نے خود ہی اپنی مورتی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاردا کی ایک معجزنما مورتی جو غالباً وہی ہوگی جس کی نسبت البیرونی نے بھی سنا تھا۔ پندرھویں صدی کے ابتدائی حصہ میں موجود تھی اور صحیح یا غلط طور پر اس کی تباہی کو اس یاترا سے منسوب کیا گیا تھا جو زین العابدین نے اس مندر کی جانب کی تھی۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سولھویں صدی میں بھی شاردا کا مندر کشمیر خاص میں خاص شہرت رکھتا تھا اس کا ثبوت وہ بیان ہے جو ابو الفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ پر بالفاظ ذیل قلم بند کیا ہے۔ "ہٹے ماموں سے دو دن کے فاصلہ پر دریائے پدمتی واقع ہے جو علاقہ دردو (درد) میں سے ہو کر بہتا ہے اس دریا میں سونا پایا جاتا ہے اس کے ساحل پر شاردا نامی ایک پتھر کا مندر ہے جو درگا سے منسوب کیا جاتا ہے اور جس کی بہت بڑی پرستش ہوتی ہے ہر ماہ کے شکل پکش کی ۸ ویں تتھی کو یہ ہلنے لگتا ہے اور اس کا عجیب و غریب اثر پیدا ہوتا ہے"

ظاہر ہے کہ اس جگہ "ہٹے ماموں" سے مراد ہائے ہوم سے ہے جس کا نام ہایاشرم بھی ہے۔ اور جو پرانی یاترا کی سڑک پر واقع ہے پدمتی غالباً "مدھومتی" کے بجائے غلطی سے لکھا گیا ہے۔ چونکہ دریا کو علاقہ دردو سے بہتا ہوا دکھایا گیا ہے۔

اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ مدھومتی اور کشن گنگا دو نو کو ایک دوسرے سے ملا دیا گیا ہے ۔ کیونکہ اس علاقہ میں سے بہنے والا دریا تو آخرالذکر ہی ہے ۔ اس جگہ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ شاردا ماہاتم کے شلوک نمبر ۱۲۰ میں جو چنداں واضح نہیں ہے یہ کشن گنگا کا دوسرا نام مدھومتی بھی لکھا گیا ہے

دریا میں سونا پائے جانے کا ذکر صاف طور پر کشن گنگا سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہی ایک ایسے پہاڑی علاقہ کو سیراب کرتا ہے جسے آج تک سونے سے بھرا ہوا تسلیم کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ بیٹس صاحب اپنے گزیٹر کے صفحہ ۱۹ پر کپتان منٹگمری صاحب کا ایک بیان درج کرتے ہیں جس میں مذکور ہے کہ دیوسائی کی سطح مرتفع کے دریاؤں میں سونے کے ریزے ملتے ہیں ۔ اس سے پہلے فقرہ میں ابوالفضل نے بھی کے دریاؤں میں جو کشمیر کے مغرب کی طرف ایک پہاڑی علاقہ ہے ریت کو دھو کر سونا نکالنے کا ذکر ہے

یہ امر اغلب ہے کہ جونراج نے اپنی کتاب کے شلوک ۸۸۵ میں دریاؤں کی ریت سے سونا نکالنے کا جو ذکر کیا ہے وادی کشن گنگا سے ہی تعلق رکھتا ہے زین العابدین کے عہد حکومت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے ۔ "اس زمانہ میں لوگ دریاؤں کی ریت میں سے سونا نکالا کرتے تھے جو زرد رنگ کی ریت ہوا کرتی تھی اور جس میں بے حد چمک پائی جاتی تھی ۔ بادشاہ نے تانبہ کی پلیٹ پر ایک حکم اس مطلب کا کندہ کروایا کہ زمانہ مستقبل میں فرمانروا دریاؤں سے نکالے ہوئے سونے کا ۱/۴ حصہ وصول کیا کریں گے" ۔ ان شلوکوں میں جو اس سے پہلے ہیں جونراج ایک تانبہ کی کان کا ذکر کرتا ہے جسے پہلے راجہ جیاپیڈ نے کھدوایا تھا ۔ راج ترنگی کی ترنگ ۴ شلوک ۶۱۷ میں مذکور ہے کہ یہ کان کرم راجیہ کی پہاڑی میں وادی کے مغرب کی طرف واقع تھی ۔

اس سے پہلے مقامی نام سن درنگ کی توضیح میں جو نوٹ لکھا جا چکا ہے اس میں دریائی سونے پر خاص ٹیکس لگائے جانے کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ اس سے بالکل مطابقت

کھاتا ہے، جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔

جونراج اور ابوالفضل کے حوالہ جات اس وجہ سے خاص طور پر مفید ہیں کہ ان سے دون کے زمانہ قدیم میں سوناجمع کرنے کی تصدیق ہوتی ہے۔

ہر ماہ کی ۸- سدی کو شاردا کے مندر کے ہلنے کے بارہ میں جو قصہ سطور بالا میں درج کیا گیا ہے وہ بظاہر اس معجزہ کا بقیہ ہے جسے جونراج کی راج ترنگنی میں شاردا کی مورتی سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہی وہ تاریخ ہے جس کو اب تک یاتری اس مندر میں جاتے ہیں لیکن جہاں تک معلوم کیا جا سکا ہے ناگی موجودہ روایات میں اس عجیب ظہورہ کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ پنڈت صاحب رام نے اپنی تیرتھ سنگرہ میں اس معجزہ کا ذکر قریب قریب ایسے ہی لفظوں میں کیا ہے لیکن ظن غالب ہے کہ اس نے (جیسا کہ اکثر دوسرے مقامات پر کیا ہے) اس جگہ ابوالفضل ہی کے خیالات کو ظاہر کر دیا ہے۔

قبل ازیں نوٹ نمبر ہ الکتاب ہذا میں اس بات کا ذکر آ چکا ہے کہ زمانہ مابعد کے مغل اور افغان حکمرانوں کے عہد میں وادی بالائی کشن گنگا میں ایک قسم کی ہلچل پیدا ہو جانے سے بھی شاردا کے مندر کی طرف سے بہت کچھ غفلت برتی جانے لگی تھی۔ اس زمانہ میں کرناو اور دراو کے علاقے بمب قبیلہ کے چھوٹے درجہ کے حکمرانوں کے ہاتھ میں تھے۔ جنہیں وادی کشمیر کی گورنمنٹ سے کچھ علاقہ نہ تھا۔ لیکن جو اپنے ملک جنگ جو اور فسادی پہاڑی باشندوں میں امن برقرار نہ رکھ سکتے تھے زیر ہوم اور دونگ ہا سے ہوم میں افریدیوں کی جو بستیاں پائی جاتی ہیں وہ دراصل عہد درانی میں اس غرض سے قایم ہوئی تھیں کہ وادی کشن گنگا کی طرف سے جو حملے ہوں ان سے دروں کی محافظت کی جائے (دیکھو نوٹ نمبر ۱۵۹ کتاب ہذا)

سکھوں کے عہد میں بھی یہ حالات چنداں اصلاح پذیر نہ ہوئے اور ۱۸۴۶ء میں فسادی بمب لوگوں نے کشمیر پر خود دوسری نگر تک حملہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اس طویل عرصہ میں کشن گنگا کے بعید مندر تک یاترا کرنے کا خیال کشمیر کے امن پسند برہمنوں کو خطرناک نظر آتا ہوگا

گوتھینگ پروہتوں کی روایات مظہر ہیں کہ جب سے ڈوگروں کی حکومت قائم ہوئی اور بودھ لوگوں کے تنازعات کو دبایا گیا ہے تب سے شردی کے راہ پر یاتریوں کی آمد و رفت پھر باقاعدہ طور پر ہونے لگی ہے ۔

خود وادی کے اندر اس قدیم تیرتھ کے بجائے جابجا مصنوعی تیرتھ قائم کر لینے کا باعث ان سیاسی حالتوں اور راستہ کی مشکلات سے ظاہر ہوتا ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور اور مقبول ہارون کے قریب موضع میں شاردا کنڈ نامی چشمہ ہے جو جھیل ڈل کے شمال مشرقی گوشہ سے تقریباً ½ میل کے فاصلہ پر واقع ہے چونکہ یہ جگہ شہر کے بالکل قریب ہے اور کشتی میں سوار ہو کر وہاں تک پہنچ سکتے ہیں اس لئے سری نگر سے یاتریوں کا بہت بڑا ہجوم اس شاردا اشٹمی کو گویا ان کے قریب آ گئی ہے پہنچتا ہے اس چشمہ پر لوگ ٹھیک اسی تاریخ کو جاتے ہیں جو حقیقی شاردا کی یاترا کے لئے مقرر ہے اور وہ بھی صرف انہی سالوں میں جبکہ جھیل گنگا واقعہ ہرمکٹ کی یاترا نہ ہو - یہ بات آج تک معلوم نہیں ہو سکی کہ وہ باچ بٹ جو یاتریوں کے ہمراہ جاتے ہیں کیونکر ڈل کے معلوم و مشہور کناروں پر ان تمام مقدس مقامات کو دکھا سکتے ہیں جن کا ذکر شاردا مہاتم میں آتا ہے ۔

پنڈت صاحب رام نے اپنی تیرتھ سنگرہ میں ایک اور شاردا کا بھی ذکر کیا ہے جو موضع کلیانذی واقع کھوئی ہوم کے قریب واقع ہے سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ مجھے چونکہ اس مقام کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا - اس لئے میں نہیں بیان کر سکتا آیا جس شاردا کا ذکر پنڈت صاحب موصوف نے کیا ہے وہی ہے جو ہوریل نامی ایک مقام کے قریب واقع ہے (کیونکہ یہ مقام بھی کھوئی ہوم ہی میں واقع ہے) جس کا ذکر پروفیسر بوہلر نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۳۷ کے نوٹ میں کیا ہے ۔

اخیر میں ہمیں صرف اس قدر اور بیان کرنا ہے کہ نسبتاً قدیم شاردا تیرتھ کے قریب میں بھی اور اسی کے ساتھ پر ایک اور مندر اسی نام کا ان حالات کو مدنظر رکھ کر تیار کر لیا گیا ہے

جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ گوش کے قریب واسے باغیچہ میں جسکا نام دنگو ور مشہور ہے اور جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ایک چھوٹی سی چار دیواری موجود ہے۔ جس میں قدیم ابھری ہوئی لنباد یہ کے چند ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں یہ جگہ مقامی طور پر شارو اکا مندر مشہور ہے۔ اور شارو ایاترا کے موقع پر نواحات کے برہمن جو دیوی کی پوجا کے خواہشمند ہوتے ہوئے بھی حقیقی یاترا کی مشکلات اور صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے یہ بڑی مندر کے بجائے اس جگہ چلے آتے ہیں۔

سطور بالا میں شارو اتیرتھ کی جو تاریخ قلمبند کی گئی ہے ہمیں یاد دلاتی ہے کہ مذہبی روایات کی پختگی کے باوجود کشمیر کے مقامی مذہبی فرقے زمانہ اور جگہ کی تبدل حالات کے مطابق بنتے رہتے ہیں۔

نوٹ نمبر ۳

سنین راج ترنگنی

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۸ و نمبر ۹ کتاب اول)

اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدا سے علمائے یورپ کی توجہ جو خاص طور پر کلہن کی لکھی ہوئی تاریخ کشمیر یعنی راج ترنگنی کی طرف مبذول چلی آتی ہے۔ اس کا باعث زیادہ تر ان واقعات کا جو اس میں قلمبند ہیں اہمیت نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے انہیں ٹھیک طور پر تاریخ وار درج کرنے کی کوشش کی ہے زبان سنسکرت میں اس وقت جو بھی کچھی تاریخی کتابیں موجود ہیں ان سب میں راج ترنگنی کو اس بات کا خاص فخر حاصل ہے کہ اس میں واقعات کی جو تاریخیں دی گئی ہیں اور جو چوتھی ترنگ کے آخری حصہ سے شروع ہوتی ہیں بالکل صحیح ہیں۔ سچ پوچھو تو گذشتہ صدی کے ابتدائی حصہ میں جن محققوں نے ہندستان

کے دیگر حصص کے واقعات اور اشخاص کا زمانہ جن کے صحیح حالات معتبر تاریخوں کے عمداً یا سہواً تلف کئے جا چکنے کی وجہ سے ملنے دشوار ہو رہے تھے معلوم کرنے کی کوشش کی انہیں اپنے اس کام میں تاریخ کشمیر کے قلمبند شدہ واقعات کی تاریخوں سے بہت کچھ مدد ملی - لیکن افسوس کا مقام ہے کہ راج ترنگنی کے ابتدائی حصہ میں سنین کا سلسلہ بالکل قائم ہی نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ کلہن نے اس جگہ تغافل سے کام لیا ہے یا اس نے لاپرواہی کی ہے بلکہ اس کا باعث یہ ہے کہ اس کو اس کے لئے ضروری مصالحہ دستیاب ہی نہیں ہو سکا اور جس کے لئے اپنے دیباچہ میں وہ خاص طور پر افسوس کرتا ہے خصوصاً ترنگ اول کے ۵۲ عدم تہ راجاؤں میں سے ایک بڑی تعداد کے حالات کے نہ ملنے نے اس سوال کو اس کے لئے اور بھی پیچیدہ بنا دیا تھا - پھر بھی جہاں تک اس سے ہو سکا اس نے مجموعی طور پر ان حکمرانوں کے زمانہ حکومت کو قائم کرنے کی کوشش کی ہے -

اس صورت میں یہ ایک قدرتی امر تھا کہ وہ محقق جنہیں اپنے کام کے دوران میں راج ترنگنی سے مدد حاصل کرنے کا موقعہ ملا وہ اس کے واقعات کی تاریخوں پر کسی نہ کسی قسم کی بحث کرتے مگر افسوس کہ ان کی چھان بین کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوتا تو درکنار دن بدن اس کی پیچیدگیاں اور بھی بڑھتی چلی گئیں - چنانچہ شائین صاحب ایک آزاد اور منصف مزاج مورخ کی حیثیت میں بیان کرتے ہیں کہ کلہن کے ساتھ انصاف کا سلوک کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ گو تاریخی نقطہ خیال سے اس کے قلمبند کئے ہوئے واقعات کے تسلسل میں کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے - تاہم ان اختلافات یا تاریکیوں کا ذمہ وار وہ خود نہیں ہے -

اس بارہ میں کسی قدر خرابی تو اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ولسن ٹرائر اور لیسن وغیرہ ابتدائی مترجموں نے جن مسودات کی بنا پر ترجمے وغیرہ کئے - ان مسودوں میں بعض نقائص واقع تھے اور کچھ وجہ یہ تھی کہ اس خاص سنہ کے متعلق جس کے مطابق کلہن نے تمام معتبر تاریخوں کو درج کیا ہے انہیں غلط فہمی پیدا ہو گئی اس کے بعد جنرل کننگھم اور محققوں نے

کلہن کی تاریخ کے ابتدائی حصہ کی تاریخوں کو جب ایک فرضی بنا پر قائم کرنے کی کوشش کی اور اُس کے متعلق دیگر ذرائع سے حاصل کردہ تاریخوں سے مدد لینی چاہیئے تو اس سے معاملہ سلجھنے کے بجائے اور بھی پیچیدہ ہو گیا اور وہ جن نتائج پر پہنچے وہ زیادہ مشکوک نظر آنے لگے۔

لوکک سمت جس کا دوسرا نام سپت رشی بھی ہے اور جو راج ترنگنی میں جا بجا استعمال کیا گیا ہے۔ اب تک بھی نہ صرف کشمیر بلکہ جنوب مشرقی پہاڑی علاقوں مثلاً چنبہ۔ کانگڑہ اور منڈی وغیرہ کے برہمنوں میں مروج ہے اور اس کامیابی کا سہرہ پروفیسر بوہلر کے سر ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی برہمنان کشمیر کی موجودہ روایات اور اور شہادت کی مدد سے یہ بات ثابت کی تھی کہ لوکک سمت کا آغاز چیت شدی ۱ کلیم کلجگی سمت ۲۵ (ختم شدہ) یا ۷۶-۳۰۷۵ قبل مسیح سے ہوتا ہے۔

کلہن کی تصنیف کے اس ابتدائی حصہ میں ترنگ ۱ تا ۳ اور ترنگ ۴ کے بہت بڑے حصہ تک کہیں پر تاریخیں درج نہیں کی گئیں جن سے معلوم ہو سکے کہ کون سا واقعہ کب ظہور ہوا۔ بخلاف اس کے ترنگ ۴ کے آخری حصہ سے لیکر مختلف راجاؤں کی گدی نشینی کی تاریخیں سلسلہ وار درج کی گئیں ہیں اور اس کے علاوہ ملک کے اور سیاسی اور تمدنی واقعات کو صحیح لوکک سمتوں میں اور ساتھ ساتھ اکثر جگہ مہینا اور دن کی قید کے ساتھ درج کیا گیا ہے اور ہم ان واقعات کی تاریخوں کو کامل صحت کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں۔

سٹائن صاحب نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں اس امر پر بڑی عالمانہ بحث کی ہے اور بہت کچھ غور وخوض کے بعد وہ مندرجہ ذیل نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔

"ہم دیکھ چکے ہیں کہ کلہن کی بیان کردہ تاریخیں ناقدانہ طور پر قابل اعتبار ہونے کی رو سے تین حصوں پر منقسم ہوتی ہیں۔ اول وہ جو پہلی تین ترنگوں میں ان خاندانوں کے

متعلق پائی جاتی ہیں۔ جو خاندان کارکوٹ سے پہلے حکمران رہے اور دوسرے وہ جو چوتھی ترنگ میں کارکوٹ خاندان کے متعلق پائی جاتی ہیں اور سوئم وہ جو ترنگ ۴ سے ۸ تک میں موجود ہیں۔ آخری حصہ کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس میں جو تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔ وہ اس وجہ سے بہت کچھ یقینی اور قابل اعتماد ہیں کہ ان کے متعلق مورخ کو کافی طور پر مصالحہ دستیاب ہو چکا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اتنی بڑی کتاب میں بعض ادنے درجہ کی غلطیاں داخل ہونا بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے۔ لیکن اگر اس قسم کی غلطی ان آخری ترنگوں کی تاریخوں میں موجود بھی ہو تو وہ ابھی تک ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں تک بیرونی شہادت کی رو سے ان تاریخوں کی پڑتال کی گئی ہے وہ درست ثابت ہوئی ہیں۔ فی الحقیقت پانچویں سے آٹھویں ترنگ تک بیان کردہ تاریخوں میں کسی بھی قسم کی غلطی موجود نظر نہیں آتی۔ اور جب تک اس کے خلاف کامل ثبوت پیدا نہ کیا جائے اس کی درستی پر حرف نہیں لایا جاسکتا"۔

لیکن پہلی تین ترنگوں میں حالت بالکل برعکس ہے تاریخیں کہیں بھی نہیں دیں گئیں صرف مختلف راجاؤں کے عہد حکومت کی میعاد درج کی گئی ہے اور بدقسمتی سے یہ میعادی اعداد بھی ابتدائی فہرست میں جس میں ۲۵ عدم پتہ راجے شامل ہیں درج نہیں راج ترنگنی کے اس ابتدائی حصہ کی تاریخیں قائم کرنے کے لئے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے مختلف کوششیں کی گئیں ہیں لیکن ابھی تک اس کی عقدہ کشائی نہیں ہو سکی۔ چونکہ اس اہم سوال کو حل کرنے کا کام کوئی معمولی کام نہیں اور جیسا کہ پروفیسر بوہلر صاحب فرماتے ہیں کسی قیاسی بنا پر ان تاریخوں کی درستی کی کوشش کرنا محض بیہودہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے جن گمشدہ راجاؤں کے حالات منشی محمد الدین صاحب فوق کی تاریخ کشمیر سے اخذ کر کے درج کتاب ہذا کئے ہیں ان کے سنین چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ جب تک تاریخ کشمیر کے متعلق قدیم حالات سے پورے طور پر واقفیت حاصل نہ ہو تاریخی غلطیوں کی تشریح ناممکن ہے۔ دوسری طرف یہ بھی مشکل ہے کہ جن واقعات کے لئے بیرونی شہادت موجود نہیں ان کی تاریخوں کو کیونکر درست

تسلیم کر لیا جائے۔ البتہ ہم اس بات کی توقع کر سکتے ہیں کہ آئندہ کسی زمانہ میں اس قسم کے کتبے سکے یا معاصرانہ غیر ملکی تاریخیں مل جائیں جن سے تاریخ کشمیر کے اس تاریک حصہ پر روشنی پڑ سکے اور پہلی تین ترنگوں میں جو واقعات اور راجاؤں کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں ان کی تاریخوں کی کسی حد تک درستی ہو سکے۔

صرف ایک ہی مثال سے جو بطور نمونہ سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہے ناظرین پر واضح ہو جائے گا کہ راج ترنگنی کے ابتدائی حصہ کے سنین کے متعلق کہاں تک اختلاف رائے پیدا ہو چکا ہے اور کسی محقق کے لئے باوجود کوشش بسیار کے بھی صحیح نتیجہ تک پہنچنا کس قدر دشوار ہے کلہن کا بیان ہے کہ

شاہ گونند اول اور اس کے جانشینوں نے عہد کلجگ میں ۲۲۶۸ سال تک کشمیر پر حکومت کی ۔ ان راجاؤں کے عہد حکومت کے اس حساب کو بعض مصنفوں نے غلط سمجھا ہے اس بنیاد پر کہ ان کے خیال میں مہابھارت کی لڑائی دواپر کے اخیر میں واقع ہوئی تھی "

"اگر ان راجاؤں کے سالہائے زمانہ حکومت کو جو معلوم ہیں جمع کیا جائے اور گونند اول اور اس کے جانشینوں کے زمانہ حکومت کے سال ان میں شامل نہ کئے جائیں تو کلجگ کے گذشتہ زمانہ کا کوئی سال باقی نہیں رہتا جیسا کہ ذیل کے حساب سے ظاہر ہے "

کلجگ کے ۶۵۳ سال گذرنے پر کورو اور پانڈو دنیا پر موجود تھے ۔ اس وقت تک (زمانہ کلہن تک) شاکا سمت کے ۱۰۷۰ سال اور لوگک سمت کے ۲۴ سال (۴۲۲۴) گذرے ہیں ۔ بہر حال گونند سوم کی تخت نشینی سے اس وقت تک ۲۳۳۰ سال گذرے ہیں اور گم شدہ باون راجوں کے عہد حکومت کا زمانہ ۱۲۶۶ سال مانا گیا ہے ۔ اس بارہ میں برہت سنگتا کے مصنف کا فیصلہ یہ ہے ۔ سپت رشی تاروں کو ایک نچھتر سے دوسرے نچھتر تک کا فاصلہ طے کرنے میں سو سال کا عرصہ لگتا ہے ۔ جب راجہ یدہشٹر حکمران تھا تو اس وقت سپت رشی تارے مگھا نچھتر میں تھے اس کے عہد حکومت کی تاریخ

شاکھا سمت سے ۲۵۲۶ سال پیشتر ہے "

کلہن کے حساب کے بموجب اگر ۲۲۶۸ سال کے اعداد میں ۶۵۳ سال طاد یئے جائیں جو کہ راجہ گونند اول کی تخت نشینی کے وقت کلجگی سمت کی ابتدا سے لیکر گذر چکے تھے اور اس کے علاوہ ۱۳۲۸ سال کی وہ میعاد بھی شامل کریں جو ترنگ ۲ تا ۸ کے راجاؤں کے عہد حکومت کا مجموعہ ہے تو کل میزان ۴۲۴۹ سال ہوتی ہے جو ٹھیک اس کلجگی سمت کے برابر ہے جبکہ کلہن نے اپنی کتاب کا دیباچہ لکھا ہے اور جو شاکا سمت ۱۰۷۰ کے مطابق تھا۔ چونکہ گونند اول کے خاندان سے اختتام سے لیکر کلہن کے زمانہ تک مجموعی طور پر ۲۳۲۸ سال کا عرصہ گذرا تھا پس اگر ترنگ اول کے مجموعی عہد حکومت یعنی ۲۲۶۸ سال کے عرصہ میں سے ۱۲۶۶ سال وہ نفی کردیئے جائیں جو ۵۲ گم شدہ راجاؤں کے عہد حکومت کا مجموعہ تسلیم کیا گیا ہے تو باقی ۱۰۰۲ سال ان راجاؤں کے عہد حکومت کا زمانہ رہ جاتا ہے جن کے عہد کی طوالت جا بجا ترنگ اول میں دی ہوئی ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ گونند ثالث کے عہد حکومت سے نرنید رادتیہ اور یدہشٹر تک جو اس ترنگ کا آخری راجہ ہے مگر اوس کے عہد حکومت کی میعاد کلہن نے درج نہیں کی۔

ترنگ اول کے شلوک ۵۳ میں کلہن نے لکھا ہے کہ راجہ گونند ثالث کے وقت سے اس کے اپنے زمانہ تک ۲۳۳۰ سال گذر چکے تھے۔ پس اس مجموعہ میں سے اگر ۱۰۰۲ سال کی میعاد کو نفی کردیا جاوے تو ترنگ ۲ سے ترنگ ۸ تک کے راجاؤں کے عہد حکومت کا مجموعہ ۱۳۲۸ سال رہ جاتا ہے۔

کلہن کے مذکورہ بالا حساب کی توضیح بطریق ذیل بھی کی جاسکتی ہے۔

زمانہ کلجگ گذشتہ قبل از گونند اول	=	۶۵۳ سال
زمانہ راجگان خاندان گونند یعنی ترنگ اول	=	۲۲۶۸ "
زمانہ راجگان ترنگ ۲ تا ترنگ ۸	=	۱۳۲۸ "

کلہن کے بعد کا زمانہ ۱۹۱۲ء تک = ۷۶۴ سال

میزان سمت کلجگی مطابق ۱۹۱۲ء = ۵۰۱۴

علاوہ ازیں کلہن نے اپنے بیان کی تصدیق میں جو بہرت سنگہتا کا حوالہ دیا ہے اس کی توضیح لاہور کے مشہور منجم وجغار پنڈت گردہاری لعل صاحب مالک کارخانہ مشہور عالم جنتری بہ تفصیل ذیل کرتے ہیں

جب راجہ یدہشٹر حکمران ہوئے اس وقت سپت رشی مگھا نچھتر میں تھے اس سوال کے حل کا قاعدہ یہ ہے کہ رائج الوقت شاکا سالباہن سمت میں ۲۶۲۵۱ اعداد جمع کر کے اس جمع کو ۱۰۰ پر تقسیم کریں۔ جو کچھ حاصل ہوگا وہ ان نچھتروں کی تعداد ہوگی جن میں سے مگھا نچھتر سے لیکر سپت رشی ستارے گذر چکے ہوں گے اور جو باقی رہے گا وہ ان سالوں کی تعداد ہوگی جب سے کہ سپت رشی اپنے آخری نچھتر میں اس وقت موجود ہونگے

کل نچھتر ۲۷ اور ان کے سلسلہ وار نام حسب ذیل ہیں۔

اشنی[1] - بھرنی[2] - کرتکا[3] - روہنی[4] - مرگشر[5] - آردرا[6] - پنربس[7] - پکھ[8] - اشلیکھا[9] - مگھا[10] - پوربا[11] پھالگنی - اترا پھالگنی[12] - ہست[13] - چترا[14] - سواتی[15] - بشاکھا[16] - انرادھا[17] - جیشٹا[18] - مولا[19] - پوربا[20] کھاڑ - اترا کھاڑ[21] - شرون[22] - دھنیشٹا[23] - ست بھکا[24] - پوربا بھادر پد[25] - اترا بھادر پد[26] - ریوتی[27] -

مذکورہ بالا نچھتروں کے علاوہ ابھی جیت نام اٹھائیسواں نچھتر بھی ہے مگر وہ سوائے خاص خاص موقعوں کے حساب جوتش میں نہیں آتا۔

موجودہ سنہ ۱۹۱۲ء میں بکرمی سمت ۱۹۶۹ اور شاکا سمت ۱۸۳۴ ہے پس اگر ہم معلوم کرنا چاہیں کہ اس وقت سپت رشی ستارے کس نچھتر میں اور کتنے سالوں سے ہیں اور کہ یدہشٹر کے وقت سے لے کر اس وقت تک کتنا عرصہ گذر چکا ہے تو مذکورہ بالا قاعدے کے مطابق

اس کا حل حسب ذیل ہوگا۔

۱۸۳۴+۲۵۲۶ = ۴۳۶۰ - اب اگر اس میزان کو ۱۰۰ پر تقسیم کیا جاسے تو ۴۳ حاصل ہوں گے اور ۶۰ باقی رہیں گے - اب یہ واضح ہوگیا کہ زمانہ ید ہشٹر کے وقت سے - اگر سپت رشی ستارے مگھا پچھتر سے چل کر تمام پچھتروں سے گذر کر اشلیکھا پچھتر تک ایک دفعہ ۲۷ پچھتروں کا دورہ پورا کر چکے ہیں اور دوسرے دورہ میں سولہ پچھتروں سے گذر کر اٹھارھویں پچھتر یعنی اترا بھادر پد میں ۶۰ سال سے مقیم ہیں اور ابھی ۴۰ سال تک اس میں اور رہینگے اس حساب سے موجودہ ید ہشٹری سمت کی تفصیل حسب ذیل ہوگی -

سپت رشی ستاروں کے ایک پورے چکر کا زمانہ یعنی مگھا پچھتر سے چل کر اشیلکھا تک	=	۲۷۰۰ سال
دوسرے چکر میں سولہ پچھتروں سے گذرنے کا زمانہ یعنی مگھا پچھتر سے لے کر پوربا بھادر پد تک	=	۱۶۰۰ "
تعداد ان سالوں کی جب سے سپت رشی اترابھادر پچھتر میں ہیں	=	۶۰ "
میزان	=	۴۳۶۰ "

مذکورہ بالا حساب کے رو سے جو ۴۳۶۰ کے اعداد حاصل ہوئے ہیں یہی ید ہشٹری سمت ہے اب اگر کلہن کے حساب کے مطابق ان میں ۶۵۳ سال کلجگ کے زمانہ کے جو ید ہشٹر سے پہلے گذر چکے تھے ملائے جائیں تو اس کی میزان موجودہ کلجگی سمت ۵۰۱۳ کے عین مطابق آتی ہے - اور ایک سال کا بھی فرق نہیں نکلتا ۔

کلہن کا مذکورہ بالا حساب اگرچہ بالکل صحیح ہے اور حساب علم جوتش سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے لیکن دیکھئے کہ اس بارہ میں بعد کے مورخوں کی آرا میں کس قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔

کلہن کے حساب کے مطابق مہابھارت کی لڑائی کا کلیگ عہد کے ۶۵۳ سال گذرنے پر یا ۲۴۴۸ سال قبل از مسیح واقع ہونا پایا جاتا ہے اور موجودہ سنہ ۱۹۱۲ء میں یدھشٹری سمت ۴۳۶۰ کا ہے۔ لیکن اس عظیم الشان تواریخی واقع کی نسبت جو رائیں مختلف محققوں نے مختلف وقتوں پر قائم کی ہیں اس میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔

(۱) مسٹر کول بروک صاحب دو مختلف طریقوں سے بحث کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مہابھارت کی لڑائی مسیح سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی تھی۔ ۱۴۰۰ + ۱۹۱۲ + ۴ = ۳۳۱۶ (سنہ عیسوی مسیح کی پیدائش سے چار سال بعد شروع ہوا تھا)

(۲) میجر ولفورڈ صاحب اس واقعہ کو ۱۳۷۰ سال قبل از مسیح بیان کرتے ہیں۔ ۱۳۷۰ + ۱۹۱۱ + ۴ = ۳۲۸۴

(۳) ڈاکٹر ہملٹن صاحب بارہ سو سال کا اندازہ لگاتے ہیں۔ ۱۲۰۰ + ۱۹۱۲ + ۴ = ۳۱۱۶

(۴) ایچ ڈیکن پریٹ صاحب کو بھی ڈاکٹر ہملٹن کی رائے سے اتفاق ہے۔

(۵) مسٹر ایچ۔ ایچ ولسن صاحب مسٹر کول بروک کے نتیجے کو قبول کرتے ہیں۔

(۶) انگلینڈ کے پورانے جوتشی بینٹلی صاحب نے حساب نجوم سے لکھا ہے کہ عیسیٰ مسیح کے جنم سے ۱۱۷۹ سال پہلے یدھشٹر کا سمت شروع ہوا تھا۔ ۱۱۷۹ + ۱۹۱۲ + ۴ = ۳۰۹۵

(۷) کرنیل ٹاڈ صاحب بھی بینٹلی صاحب سے متفق الرائے ہیں۔

(۸) آنریبل الفنسٹن صاحب تاریخ ہندوستان میں ایک ہزار چار سو پچاس سال سنہ عیسوی سے پہلے یدھشٹر کا ہونا بتلاتے ہیں۔ ۱۴۵۰ + ۱۹۱۲ = ۳۳۶۲

(۹) ڈاکٹر ہنٹر صاحب مہاراجہ یدہشٹر کا زمانہ مسیح سے ۱۲۰۰ سال پیشتر مانتے ہیں۔ ۱۲۰۰ + ۱۹۱۲ = ۳۱۱۲

(۱۰) ابو الفضل نے آئین اکبری میں یدہشٹر کی تخت نشینی کلجگ کے پہلے سال میں تسلیم کی ہے اور اس وقت کلجگی سمت ۵۰۱۳ ہے

(۱۱) ابو الفضل کی طرح مصنف غیاث اللغات نے مہابھارت کا زمانہ شروع کلجگ یعنی پہلے سال سے مانا ہے۔

(۱۲) مسٹر رومیش چندر دت کے حساب کیمطابق گو نند اول مسیح سے ۱۲۶۰ سال پیشتر گذرا ہے ۱۲۶۰ + ۱۹۱۲ + ۴ = ۳۱۷۶

(۱۳) پنڈت لیکھرام صاحب تاریخ دنیا حصّہ دوئم کے صفحہ ۲۲ پر لکھتے ہیں کہ مہاراجہ یدہشٹر بکرم سے ۲۳۹۰ سال پہلے ہوئے ہیں۔ ۲۳۹۰ + ۱۹۶۹ = ۴۳۵۹

(۱۴) ویدک دہرم والے سب کے سب اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ مہابھارت کی لڑائی کلجگ میں نہیں بلکہ دواپر کے اخیر میں ہوئی تھی۔

(۱۵) منشی محمد الدین صاحب ویدک دھرم اور پنڈت رتناگر کے حوالے سے اپنی تاریخ کشمیر میں لکھتے ہیں کہ کلجگ سے بنیں اور مسیح سے تین ہزار ایک سو سال پہلے راجہ اوکنند (یہ نام اصل میں آدگونند یعنی گونند اول ہے صرف سنسکرت لفظ آد کے معنے نہ سمجھنے کی وجہ سے منشی صاحب نے اسے اوکنند بنا دیا ہے) کشمیر کا راجہ تھا اور اس سے چار سال پہلے مہرکہ کورچھیتر فیصل ہو چکا تھا۔

(۱۶) سوامی شنکر آچاریہ کا زمانہ ان کے شاگرد رشید پدم پاد نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ سوامی جی موصوف سمت ۲۱۵۷ یدہشٹری میں پیدا ہوئے تھے چونکہ پنڈت لیکھرام اور سوامی دیانند کے حساب کے مطابق شنکر آچاریہ کو آج تک بائیس سو سال گذر چکے ہیں لہذا ۲۱۵۷ + ۲۲۰۰ = ۴۳۵۷ سال اب تک یدہشٹر کو

گذر چکے ہیں۔

مذکورہ بالا سطور کے مطالعہ سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ جنگ مہابھارت کا زمانہ قائم کرنے میں مختلف محققوں کی آرا میں کس قدر اختلاف پایا جاتا ہے اور اس اہم سوال کو حل کرنے کے لئے بہت کچھ دماغ سوزی اور جگر کاوی کی ضرورت ہے۔ لہذا اس کام کو آئندہ ایڈیشن کے لئے ملتوی کیا جاتا ہے۔ اگر زندگی رہی تو یہ کمی پوری کر دی جائے گی ورنہ کوئی اور صاحب اس کام کو سرانجام دے لیں گے۔

نوٹ نمبر ۴

جیشٹھ ودر واقع سری نگری

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۷۰ کتاب ہذا)

اس شلوک کا جو اہم اشارہ شوک کی سری نگری کے مسئلہ سے ہے اس کا ذکر قبل ازیں نوٹ نمبر ۲ کتاب میں کیا جا چکا ہے شلوک ۱۲۴ ترنگ مذکور کی نسبت جو کچھ تشریح کی گئی ہے و نیز اصلی چشمہ سودر کی مقامیت کے بارہ میں نوٹ نمبر ۶۵ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس شلوک کا تعلق شو جیشٹھیش یا جیشٹھ رور کے جدید مقام پرستش سے ہے جس کا اصلی مندر تندری کشتیر کے نیچے کی طرف بھوتیشور میں واقع تھا۔ نیا مندر جسے جلوک سے منسوب کیا جاتا ہے اس کی مقامیت معلوم کرنے کے لئے محفوظ ترین طریقہ یہ ہو گا کہ ہم ان معلومات سے شروع ہوں جو نواحات سری نگر میں شو کی اس صورت کی حقیقی پرستش کے بارہ میں حاصل ہو سکتی ہیں۔

بحالت موجودہ شو جیشٹھیش کا نام اس لنگ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو جیشٹھ ناگ کے پہلو میں پایا جاتا ہے۔ آخر الذکر اس پہاڑی ڈھلوان پر واقع ہے جو ڈل کے حصہ گگری بل

کے جنوب مغرب کی طرف اٹھتا ہے اور جس کا فاصلہ موضع جیتھیر سے تھوڑا سا ہے۔ یہ ناگ جداگانہ طور پر ایک یاترا کا مقام ہے اس جگہ سری نگر کے اکثر برہمن جاتے ہیں اور اس کے حالات جیشٹ مہاتم میں مذکور ہیں۔ اس مہاتم میں اس جگہ کی تقدیس کا قصہ بدیں مطلب درج ہے کہ اس جگہ شوجی نے جیشٹا یعنی پاربتی جی کو دیتوں سے چھڑایا تھا۔ جس کے بعد اس سے شادی کرکے خود جیشٹھیش کا نام اختیار کر لیا پاس ہی جیتھیر کا جو گاؤں واقع ہے اسے مہاتم میں جیشتھیرک کے نام سے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے اس نام کی ابتدائی صورت جیشٹھیشور ہوگی جو بعد میں جیٹھ ہیر رہ گئی ہوگی۔ چنانچہ امبروہیر۔ امیریشور کوٹھیر۔ کوٹھیشور بھی اس قسم کی مثالیں ہیں۔ اس جگہ جس جیشٹھیش کی پرستش ہوتی ہے۔ اس کا ذکر پنڈت صاحب رام نے اپنی تیرتھ سنگرہ میں جیشٹ رودر کے نام سے کیا ہے اور عام برہمنوں میں اس کا نام جیٹھ لدر مشہور ہے جو اس کی کشمیری صورت سمجھی جا سکتی ہے۔

اس امر کی تصدیق کہ زمانہ قدیم میں بھی اس مقام کا یہی نام تھا شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کا شلوک ۵۹۲ دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اس جگہ بیساکھ بدی ۵ کو جیشٹ رودرا کھیترو ت پر لوگوں کے جمع ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہی وہ تاریخ ہے جو مہاتم میں جیشٹھیش یاترا کے لئے مقرر ہے اور آج تک مروج چلی آتی ہے۔

شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۵۰۲ میں ڈل کا نام جیشٹ رودرسمی پشٹم آیا ہے اور شلوک ۸۰۶ میں جیشٹ رودرسمی پیٹ گری کا ذکر آیا ہے جہاں یعقوب خان کی فوجوں نے اکبراعظم کی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا۔ آخرالذکر کی مقامیت چونکہ سری نگر سے اوپر کی طرف سواحل وتسٹہ پر قائم کی گئی ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا منشا درا صل تخت سلیمان کی پہاڑی سے ہے جو مضافات دار السلطنت میں ایک نمایاں مقام ہے۔ چونکہ جیتھیر سے لے کر پہاڑی کے مشرقی دامن تک ایک میل سے زیادہ کا فاصلہ نہیں۔ اس لئے ہم سمجھ سکتے ہیں کس لئے جیشٹ رودر کا نام بعد کو اس پہاڑی کے لئے استعمال کیا جانے

لگا تھا۔ چنانچہ نیلمت پران کے دو شلوکوں میں اسی کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور اس جگہ ودھیا کے شلوک ۸ میں شوجی کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ شار کا پربت یا ہر پربت کی چوٹی پر سے گجو کا علاقہ دیکھ رہے ہیں۔ انہیں جھیل ڈل مشرق کی طرف اور جیشٹ رودر کی پہاڑی یا تخت سلیمان جنوب کی طرف نظر آتا ہے ایسے ہی ادھیائے ۳ کے شلوک ۸ میں پاربتی جی کی نسبت لکھا ہے کہ ساحل وتشٹا پر سے انہیں جیشٹ رودر کی بلند چوٹی نظر آئی۔

راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۳۴۱ کا مطالعہ کرنے سے بھی اسی مقام کی تصدیق ہوتی ہے جس کا پتہ سطور بالا میں ہم نے ڈل کے جنوبی کنارہ پر چلایا ہے۔ چنانچہ اس جگہ کلہن اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ راجہ گوپادیتہ نے جیشٹھیشور میں مندر تعمیر کرا کے آریہ ورت کے برہمنوں کو گوپادری میں اگر ہار عطا کئے۔ گوپادری کے لفظی معنی گوپ پہاڑی کے ہیں جس سے مراد بلاشبہ تخت سلیمان سے ہے جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۰۴ و ۱۱۰۷ میں کلہن کے بیان سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے اس صورت میں اس ٹیکاکار کا خیال درست ہے جو ان اگر ہاروں کا محل وقوع موجودہ موضع گپکار میں قرار دیتا ہے جو تخت پہاڑی کے مشرقی دامن میں ایک بڑا سا گاؤں ہے اور جیتھیر سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس بیان کے تاریخی پہلو پر بحث نہ کرتے ہوئے جس کی بنا ممکن ہے عوام الناس کے خیال پر ہو (جیسا کہ نوٹ نمبر ۱۱۴ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے) ہمارا یہ فرض کر لینا قرین قیاس ہے کہ جس جگہ گوپادیتہ کی نسبت خیال ہے کہ اس نے جیشٹھیشور کا مندر تعمیر یا مرمت کیا تھا وہ جیتھیر کے عین نواحات میں واقع تھی۔

جب ہم ان شہادتوں کو چھوڑ کر اپنے شلوک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جلوک نے سری نگری میں جس جیشٹ رودر کو تعمیر کرایا تھا اس کا محل وقوع جھیل ڈل کے جنوب کی طرف اس مقام پر سمجھنا چاہیئے۔ جہاں مشرق کی طرف جیتھیر اور مغرب کی طرف

تخت پہاڑی واقع ہے - ان حدود کے اندر اصلی مقام کی شناخت کی غرض سے ہمیں آثار قدیمہ کی مدد لینا پڑے گی - لیکن جیسا کہ نوٹ نمبر ۱۱۲ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے اس قسم کے آثار اب بالکل موجود نہیں -

جیسا کہ نوٹ نمبر ۴۸ کتاب ہذا میں بیان کیا جا چکا ہے جرنیل کنگھم صاحب کے نزدیک جلوک کا جیشٹ رودر مندر ہے جو اب تخت سلیمان کی چوٹی پر واقع ہے دیکھو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۴۷ و جغرافیہ قدیم صفحہ ۹۵ - لیکن جن دلایل پر اس شناخت کو مبنی کہا گیا تھا وہ اب درست ثابت نہیں ہوئیں - پروفیسر بوہلر رپورٹ کے صفحہ ۱۷ پر ظاہر کر چکے ہیں کہ کشمیری برہمنوں میں اس روایت کے موجود ہونے کا جو خیال پھیلا ہوا ہے - کہ یہی مندر جلوک کا جیشٹ رودر ہے وہ غلط ہے ایسے ہی مسٹر فرگوسن نے ہسٹری آف انڈین آرکیٹیکچر کے صفحہ ۲۸۲ پر اسی کی زبردست دلایل پیش کی ہیں جو فن صناعی کے شاہدات پر مبنی ہیں اور جن سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ یہ کشمیر کا قدیم ترین مندر ہے - گول حجرہ جس میں ایک جدید وضع کا لنگ موجود ہے بلاشبہ اسلامی عہد میں بنایا گیا ہے - ہاں اس میں شک نہیں کہ وہ شاندار کئی پہلوؤں والا چبوترہ جو بغیر گچ کے بڑی بڑی سلوں کا بنا ہوا ہے - اس سے پہلے کے زمانہ کا ہے - لیکن اس بات کا پھر بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس میں جلوک کا لنگ موجود ہوا کرتا تھا یا یہ اس کی جگہ پر قایم ہے

گپکار کے قریب اکثر مقامات پر قدیم مندروں کے کھنڈر پائے جاتے ہیں چنانچہ بہت سی بڑی بڑی کندہ کی ہوئی سلیں زیارت سید نجم الدین صاحب میں لگی ہوئی ہیں - جو گگر ڈل کے بائیں کنارہ پر واقع ہے اور ایسے ہی گاؤں کے اندر دوسری اسلامی عمارات کے چبوتروں میں لگی ہوئی ہیں - زیارت کے قریب سڑک پر ایک عظیم الشان لنگ کا ٹکڑا موجود ہے - جس کا قطر دس فٹ سے کم نہیں - ایک اور بڑا لنگ جو ایسی ہی خراب حالت میں ہے جیشٹ ناگ کے نیچے پہاڑی پر پایا گیا تھا - خاص جیٹھیر میں سطح زمین پر بہت کم

آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں اس کی وجہ بڑی آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسرے ان تیرتھوں کی مانند جہاں یاتری لوگ بکثرت جاتے ہیں اس جگہ بھی عمارات میں اکثر مرمت ہوتی رہا کرتی ہو گی اور اس سلئے وہ بتدریج خراب ہو گئی ہوں گی۔

غرض تخت پہاڑی کے مندر کی تاریخ اور ابتدا خواہ کچھ بھی ہو یہ امر اغلب ہے کہ اس کا تعلق جیشٹ ردر کی پوجا سے رہا ہے اب اس کے نواحات میں واحد مقدس مقام ب ہتھیر کا ہے۔ مارتنڈ میں للتادتیہ کے مشہور مندر کی طرح مقدس چشمہ سے اس مندر کے بعد پر واقع ہونے کی توضیح یہی ہو سکتی ہے کہ اس سے مندر کو ایک نمایاں محل وقوع حاصل ہو گیا تھا۔

آخیر میں اس قدر اور جتلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جرنیل کننگھم نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۴ پر جو بعض پنڈتوں کی رائے کا حوالہ اس بارہ میں دیا ہے کہ اس پہاڑی اور اس کی عمارت کا تعلق سندیمت کے اس قصہ سے ہے جو راج ترنگنی کی ترنگ ۲ شلوک ۶۵ میں مذکور ہے اس کے متعلق کوئی شہادت موجود نہیں۔ غالباً اس کے اندراج سے مطلب اسلامی نام تخت سلیمان کی توضیح کرنا ہوگا۔

نوٹ نمبر ۵

کرم ورت کی چوکی

(دیکھو جلد اول صفحہ ۲۲۸)

اس شلوک سے جو دلچسپ جغرافیائی واقفیت حاصل ہوتی ہے اس پر سٹائن صاحب نے اپنے مضمون بعنوان نوٹس آن دی اینشنٹ ٹوپوگرافی آف دی پیرپنچال روٹ" مندرجہ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت ۱۸۹۵ء صفحہ ۳۸۱ میں بحث کی ہے

اس جگہ جن مقامات کا ذکر کیا گیا ہے ان کی حرمت دوبارہ کلہن ترنگ ۵ کے شلوک ۲۹ میں اشارہ کرتا ہے اس شلوک میں مذکور ہے کہ اونتی ورمن کے وزیر شور نے اس ڈبک (چوکی) کو جو پہلے کرم ورت میں تھی اس خوش نما شہر میں منتقل کر دیا جس کا نام شور پور تھا اور جسے اس نے خود بنوایا تھا۔ اس موقع پر ایک ٹیکہ کار نے جو تشریح کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرم ورت سے مراد کامیلن کوٹ اور ڈبک سے مراد درنگ سے ہے ۔

جیسا کہ ایک ٹیکہ کار نے ترنگ ۷ کے شلوک ۵۰۵ کی تشریح کرتے ہوئے جتلایا ہے اس میں کچھ کلام نہیں کہ شور پور وہی مقام تھا جس کا نام آج کل سور پور ہے ۔ چنانچہ اس تاعدے کی رو سے جس کا حوالہ نوٹ نمبر ۲ کتاب ہذا میں دیا جا چکا ہے اس کے مطابق سنسکرت زبان کا حرف "ش" کشمیری میں "ہ" سے مبدل ہو جاتا ہے ۔ ہور پور کا نام پنجابیوں میں ہیر پور مشہور ہے اور یہ سڑک پر جو درہ پیر پنچال اور رتن ۔ دہ ہری کی طرف جاتی ہے ریمبیار ندی کی وادی میں ایک خاصہ آباد مقام ہے ۔ مفصل کیفیت کے لئے دیکھو انس صاحب کی کتاب ہینڈ بک صفحہ ۱۵۶ ۔ وگنی صاحب کی کتاب ٹریولز جلد ۱ صفحہ ۲۶۷ جہاں ہری پور اور ہیر پور کے ناموں کی توضیح کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ ان کے معانی "شوکا شہر" اور "شہر الماس" ہیں ۔

چونکہ ہور پور اول مستقل طور پر آباد مقام ہے جو پیالی شاہی سڑک پر مسافر کو پہاڑوں کے عبور کرنے کے بعد نظر آتا ہے اور یہ مقام وادی کشمیر کے کھلے میدان سے صرف ایک چھوٹے سے درہ کے ذریعہ جدا ہے اس لئے آج تک مقام تجارت و چوکی چونگی کی حیثیت سے اسے ایک خاص اہمیت حاصل ہے ۔ کلہن اور اس کے بعد کے مورخوں نے اپنی تصنیف میں جا بجا اس جگہ کا ذکر کیا ہے لیکن ذیل کے شلوک اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے اب کی طرح پہلے بھی شاہراہ آمد و رفت جنوب کی طرف اس مقام میں سے ہو کر گذرتی تھی راج ترنگنی ترنگ ۷ شلوک ۱۵۴۰ ۔ ترنگ ۸

شلوک ۴۳۴-ترنگ ۴-شلوک ۵۲۱-۵۸۹-۶۱۱

راج ترنگنی میں جابجا جو لفظ درنگ یا درنگا استعمال ہوا ہے اور بعد کی تاریخوں میں بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے اس کا مطلب ہر جگہ اس قسم کی چوکی سے ہے جو کوہی دروں سے قریب اس غرض سے بنی ہوئی ہوتی تھی کہ ان راستوں کی نگرانی اور محافظت کی جاسکے جو باہر کی طرف سے وادی میں آتے ہیں اور محصول چونگی وصول کیا جائے - چنانچہ اس قسم کے جتنے شلوک آتے ہیں ان سب میں یہی بات وضاحت سے پائی جاتی ہے -

کلہن کی راج ترنگنی کی ترنگ ۶ شلوک ۱۳۵۲ اور سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۸۲۵ کے علاوہ شور پور کی درنگ کا ذکر ترنگ ۸ شلوک ۱۵۷۷ تا ۱۵۸۰ میں بھی پایا جاتا ہے اس آخری شلوک میں مذکور ہے کہ راجہ سسل کا قاتل اپتل پشیان نادی کی طرف سے جس کا موجودہ نام پشیان ہے اور درہ پیر پنچال کے جنوبی دامن میں ایک گاؤں ہے۔ کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش میں تھا تو اس چوکی کے کمانڈنٹ (درنگ ادھی پتی- درنگیش) نے گرفتار کرلیا-

شور پور کی اس درنگ کی نسبت ہمارا یہ خیال کرنا چنداں بے جا نہ ہوگا کہ یہی اس مقام (شلکستھان) کی چوکی چونگی تھی جہاں سریور کی راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۴۰۸ کے بموجب سلطان زین العابدین نے اجنبیار سے حاملوں کی بستی بسائی تھی -

ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵۹۰ و ۱۹۹۷ میں کارکوٹ درنگ کا نام ناستہ توش میدان کی اس چوکی کے لئے آیا ہے جہاں اب تک بیرو پرگنہ میں درنگ کے جدید گاؤں کے اوپر کی طرف پرانی چوکی کے برج موجود ہیں - دیکھو نوٹ نمبر ۸۹ ۴ کتاب ہذا - ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ باغی کو سیٹھشور نے لوہر (لوہرین) کے قریب درنگ کی تمام آمدنی محصولات پر قبضہ کرلیا تھا-

ایک اور درنگ جس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۰۰ و ۲۷۰۲ میں آتا ہے مسعودی

کشن گنگا کے راستہ پر واقع تھی۔ سٹاین صاحب نے معلوم کیا ہے کہ موضع درنگ اسکی جدید صورت ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ گاؤں ہائے ہوم کے قریب واقع ہے۔ دیکھو نوٹ نمبر ۱۵۹ کتاب ہذا

ہر چند کہ درنگ کا لفظ اس کتاب میں بارہ مولہ کے مشہور دوار مذکورہ نوٹ ۵۵ کے لئے کہیں استعمال نہیں ہوا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام اس جگہ بھی استعمال ہوتا ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تباہ شدہ دروازہ جو اس شہر کے نیچے کی طرف دریا کے دائیں کنارہ کی تنگ سڑک کو روکتا ہے۔ اب تک درنگ کھلاتا ہے

نزنگ ۸ کے شلوک ۱۹۹۱ میں لوہر کے باغیوں کے ہاتھوں سڑکوں کی درنگوں کی تباہی کا ذکر آتا ہے اور شک ۔ پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۲۵۸ میں اس آمدنی کا ذکر ہے جو درنگوں کے جمع شدہ محصولات سے حاصل ہوتی ہے۔

منکہ کوش کے شارح نے لفظ درنگ کا مترادف لفظ رکشاستھان یعنی حفاظت کی چوکی دیا ہے ۔چنانچہ خاندان ولبھی کی عطا کردہ تانبہ کی پٹیوں پر اہلکاروں کے لئے جو لفظ درنگک ۔ درانگک ورہنگن وغیرہ پائے جاتے ہیں وہ بظاہر اسی لفظ درنگ سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔

کلہن سے بعد کی تاریخوں میں درنگپیتوں کے لئے لفظ مارگیش استعمال ہوا ہے جس کے معنی "دّرہ کے مالک" کے ہیں۔ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں ان عہدوں کے فرائض موروثی ملکوں کے سپرد ہوتے تھے۔ جب سکھوں نے کشمیر فتح کی تو ان لوگوں کے اختیارات اور جاگیریں چھین لیں۔ چنانچہ ان کے جانشین اب تک ہوزپور کے نیچے شوپئین ۔ شاہ آباد اور دوسرے اس قسم کے مقامات میں پائے جاتے ہیں۔ جو پہاڑوں پر سے گذرنے والی بڑی بڑی سڑکوں پر واقع ہیں۔ دیکھو وگنی صاحب کی کتاب ٹریولز جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ و جلد ا صفحہ ۲۴۷۔

سطور بالا میں جو شہادت پیش گئی ہے اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ لفظ ڈہک اور ورنگ ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ لیکن اول الذکر کا استعمال کتاب میں صرف ایک جگہ پایا جاتا ہے اور وہ بھی سری ڈہک کے مشتبہ مقامی نام میں دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۲۰۶۔

نوٹ نمبر ۲۹۴ کتاب ہذا میں اس بات پر بحث کی جا چکی ہے کہ اس چوکی کے شورپور میں منتقل ہونے کے بعد اس کی مقامیت کس جگہ تھی۔ اس سے پہلے کرم ورت میں اس کی مقامیت کا اس وجہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ٹیکہ کارسنے کا میلن کوٹ کے نام سے اس کی تشریح کی ہے۔ جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔ سٹاین صاحب لکھتے ہیں کہ جب ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں ہورپور سے درہ پیر پنچال کی سڑک کا معاینہ کرنے جا رہا تھا تو میں نے معلوم کیا کہ کامیلن کوٹھہ کا نام جو ٹیکہ کار کے نام سے بہت بڑی حد تک ملتا ہے۔ آجکل ایک چھوٹے سے جداگانہ طور پر واقعہ ٹیلے کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ہورپور سے اوپر کی طرف قریباً ۵½ میل کے فاصلہ پر اس جگہ واقع ہے جہاں درہ پیر پنچال اور رد پہ ی سے آنے والی ندیاں ملتی ہیں۔ یہ اس سلسلہ کوہ کی آخری شاخ ہے جو دونوں ندیاں کو جدا کرتا ہے۔ اور وادی کی تہ سے قریباً ۲۰۰ فٹ کی بلندی تک اٹھتا ہے اس کی ڈھلوانیں نہایت عمودی اور صنوبر کے درختوں سے ڈھپی ہوئی ہیں۔

اس ٹیلہ کی چوٹی ایک چھوٹی سی سطح مرتفع کی صورت میں ہے جس کی لمبائی ۲۰۰ فٹ اور چوڑائی ۵۰ فٹ ہے اس کے اوپر دو ہشت پہلو برج ہیں جن کے کنگورے اب شکست ہو چکے ہیں۔ یہ چیزیں اور نیز وہ برج جو وادی کے مقابل والے پہلو میں واقع ہیں۔ غالباً موجودہ صورت میں ان پٹھانوں کے تعمیر کردہ ہیں۔ جنہیں ۱۸۱۲ء دسنین مابعد میں راستہ پیر پنچال و درہال کو سکھوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا پڑتا تھا دیکھو مورکرافٹ صاحب کی کتاب ٹریولز جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ لیکن بایں ہمہ اس میں شک نہیں کہ اس مقام کو اس سے

بہت مدت پہلے سے فوجی اہمیت حاصل ہے۔

کامیلن کوٹھ کی پہاڑی ان راستوں کے اوپر کی طرف اٹھتی ہے جو اس کے دامن سے پاس سے ہوکر پیر پنچال اور روپڑی کی ندیوں کی وادیوں کی طرف جاتے ہیں۔ موجودہ راستہ اول الذکر وادی کے مقابل والے یا شمالی پہلو سے اوپر کی طرف جاتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ سڑک جو براستہ ہستی ونج ہوکر گذرتی ہے اور پرانی ہے (دیکھو نوٹ نمبر ۹۷ کتاب ہذا) وہ جنوب کی طرف سے ہوکر جاتی ہے اور اس لئے اس چوٹی کے نیچے سے ہوکر گذرتی ہے جو کامیلن کوٹھ میں واقع تھی۔

جدید نام جس کے آخیر میں سنسکرت کے لفظ "آنام" کا ہم معنی کشمیری لفظ موجود ہے سنسکرت کے نام کرم ورت آنام کوٹ یعنی قلعہ کرم ورت سے اخذ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے اس بارہ میں مفصل کیفیت کے لئے دیکھو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۶ء صفحہ ۲۸۵ اس مضمون میں ان پولیس چوکیوں کی (جنھیں راہداری کہتے تھے) مفصل کیفیت پائی جائیگی ۱۸۷۹ء تک یہ چوکیاں انگاری کے برجوں کے قریب کامیلن کوٹھ کے مقابل راستہ پیر پنچال کی حجی تر متصل علی آباد سرائے ہم اور خاص ہورپور کی حفاظت کیا کرتی تھی۔ ان کے فرائض زیادہ تر اسی قسم کے ہوتے تھے۔ جیسے پرانی چوکیوں یا درنگوں کے

سٹاین صاحب کا بیان ہے کہ کلہن نے کرم ورت کا جو نام کا مبو لکھا ہے اس کا میں کوئی کھوج نہیں لگا سکا۔ جب چوکی شورپور میں منتقل ہوگئی تو تھوڑا عرصہ بعد ہی پرانا نام دور ہوکر شورپور درنگ مشہور ہوگیا ہوگا۔

نوٹ نمبر ۶

قلعہ لوہر

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۲۵ کتاب ہذا)

لوہرا یا لوہر کوٹ (قلعہ لوہر) نے تاریخ کشمیر میں ایک بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ کیونکہ یہ اس خاندان کا آبائی وطن اور مقام رہائش تھا جس کی تاریخ سے کلہن کی تصنیف کا آخری حصہ بھرا ہوا ہے چونکہ کلہن نے اس مقام کا بار بار حوالہ دیا ہے۔ اس لیئے تاریخ کشمیر کے اس حصہ کے واقعات کو سمجھنے کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مقام کی پوری تحقیق ہو جاسئے۔

اس سے پہلے ولسن صاحب نے اپنی کتاب "ایسے آف دی ہندو ہسٹری آف کشمیر" کے صفحہ ۷۸ پر لکھا تھا کہ لوہر سے مراد غالباً موجودہ لاہور سے ہے۔ لیکن اس مضمون کو لکھتے وقت اگر ان کے پاس ترنگ ۷، ۸ کا اصل موجود ہوتا تو وہ کبھی اس قسم کا خیال ظاہر کرنے کی جرات نہ کرتے۔ کلہن نے اپنی تصنیف میں جابجا مثلاً ترنگ ۷ کے شلوک ۱۴۱-۷۰۳-۸۸۷-۹۹۶۹ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۴-۳۷۹-۵۹۷-۶۹۹-۸۳۱-۱۲۲۶-۱۳۳۰-۱۶۹۴-۱۸۷۵-۱۹۹۷ وغیرہ میں لوہر کو کشمیر کے قرب میں ظاہر کیا اور اسے ایک پہاڑی قلعہ جتلایا ہے۔ اور اس لحاظ سے گو واقعات کے ساتھ ولسن صاحب کا خیال بالکل مطابقت نہیں کھاتا۔ تاہم بعد کے مترجموں نے اس خیال کو بالکل صحیح اور پتھر کی لکیر، تسلیم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خیال کا اندراج بیشمار اس قسم کی کتابوں میں بھی ہو گیا ہے جن کا براہ راست کشمیر سے کچھ تعلق نہیں۔ دیکھو شایر صاحب کا نوٹ متعلقہ ترنگ ۴ شلوک ۱۷۷ اور جلد ۳ صفحہ ۵۷۰۔ لیسن صاحب کی کتاب انڈش آلٹرتھمسکنڈ جلد ۳۔ صفحات ۱۰۴۲-۱۰۵۷-۱۰۶۷-۱۱۱۹۔ نیز ڈاکٹر ٹی۔ ایچ تھارنٹن کا نفیس مونوگراف متعلقہ لاہور (۱۸۷۶ء) صفحہ ۱۰۷۔ اس قسم کی کچھ اور جغرافیائی

غلط فہمیاں پیدا ہو جانے کے باعث اس آخری زمانہ میں سلطنت کشمیر کی سیاسی طاقت اور اس کی وسعت کے متعلق بہت کچھ مبالغہ آمیز خیالات جمع گئے ہیں۔

شائن صاحب لکھتے ہیں کہ ذیل میں جن شلوکوں پر بحث کی گئی ہے ان کی مقامی علامات سے کچھ مدت سے مجھے اس بات کا خیال پیدا ہو رہا تھا کہ لوہر کو ان پہاڑی اضلاع میں تلاش کرنا چاہیئے جو سلسلہ پیر پنچال کے عین جنوب میں کشمیر سے ملحق ہیں۔ لیکن میں اس کی شناخت اس وادی میں جسے اب لوہرین کہتے ہیں اور جو علاقہ پرنتس (پرونتس) سے تعلق رکھتی ہے قائم کرنے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوا تھا حتیٰ کہ اگست ۱۸۹۲ء میں میں خاص اسی تلاش میں وہاں پہنچا۔ اس شناخت کا کسی قدر مجمل حال میں نے اس تقریر میں بیان کیا تھا جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے اجلاس میں پڑھی گئی تھی (ریسالہ اکیڈمی بابت ۱۸۹۳ء پرچہ ۲۶ نومبر) اور کچھ کیفیت اس نوٹ میں بھی دی تھی جو امپیریل اکیڈمی آف وائینا کے پاس بھیجا گیا تھا۔ دیکھو کارروائی جماعت فلسفہ و تاریخ ۱۸۹۲ء نمبر ۲۷

مزید جغرافیائی و فصلی بیانات تو آگے چل کر دیئے جائیں گے البتہ اس جگہ صرف اتنا بیان کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ لوہرین جس کا نام نقشوں پر لورن لکھا ہوا ہے ایک آباد اور زرخیز پہاڑی علاقہ کا نام ہے جو ان ندیوں کی وادیوں سے بنا ہے جو قلہ تت کٹی اور درہ تشمید ان کے درمیانی سلسلہ کوہ پیر پنچال کے جنوبی ڈھلوانوں کو سیراب کرتی ہیں۔ دریائے لوہرین جو ان ندیوں کے اجتماع سے بنتا ہے اس میں منڈی کے قریب وادی گاگری کی ندی آملتی ہے جو لوہرین کے شمال مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس سے آگے کوئی آٹھ میل کے فاصلہ پر یہ دریائے سورن میں جا ملتا ہے اور ان سب کا مجموعہ علاقہ پرنتس کا دریا ہے تو ہی (توشی) بنتا ہے۔

وادی لوہرین کا فراخ ترین اور وہ علاقہ جہاں بہترین کاشت ہوتی ہے منڈی سے کوئی آٹھ میل کے اوپر کی طرف واقع ہے۔ اس جگہ جو بڑے بڑے گاؤں کا مجموعہ واقع ہے

جن کے نام باشندوں کے نسلی نام پر تانترِی وند گیگیو نداور ڈوڈی وند ہیں اس کا نام لوہرین ہے
اور اسے ہی اس ضلع کا مرکز سمجھا جاسکتا ہے درہ توش میدان کا وہ راستہ جو زمانہ قدیم سے اب
تک مغربی پنجاب سے کشمیر جانے کی شاہراہ اور بہترین سڑک کا کام دیتا ہے لوہرین خاص اور
اس کی بغلی وادی میں سے ہو کر گذرتا ہے جو شمالی پہاڑوں کی طرف سے نیچے کو آتی ہے
چونکہ یہ راستہ بہت اہم ہے اور اس پر سے آمد و رفت باسانی ہو سکتی ہے اس لئے کشمیر
اور لوہر کے قریبی تعلقات چنداں باعث استعجاب نہیں رہتے اور نہ یہ بات زیادہ حیرت خیز
معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ لوہرین میں کشمیری آبادی ہی کا عنصر غالب ہے - لوہر کے متعلق
راج ترنگنی کے جن جن شلوکوں میں ذکر آیا ہے ان میں سے خاص خاص پر اس غرض سے نگاہ
ڈالتے رہتے ہیں کہ ثابت کیا جائے لوہرا اور جدید لوہرین حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں یہ بات زیادہ
سہل ہوگی کہ ہم کلہن کی تحریر کے سلسلہ کے مطابق ہی ابتدا کریں -

جن تاریخی واقعات کا ذکر ترنگ ۶ میں آتا ہے ان میں لوہر کا نام بار بار آنے کا باعث
زیادہ تر وہ قریبی رشتہ ... ہے جو راجہ کشیم گپت کے سنگ راج والئے لوہر کی دختر دِدا سے
شادی کر لینے پر کشمیر اور لوہر کے درمیان قائم ہو گیا تھا - اس رشتہ و نیز اس سے کہ خود سنگ راج
کی شادی اودبھانڈ (وہیند) اور کابل کے زبردست فرمانروا بھیم شاہی کی دختر سے ہو چکی تھی
اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اول الذکر کا علاقہ صرف وادی لوہرین تک ہی محدود نہ ہوگا - یہ امر
اغلب ہے کہ پیر پنچال کے جنوب والے نواحی وادیاں مثلاً منڈی سورن - سدرون اور شاید
پرمنتس بھی اس کے علاقہ میں شامل تھیں - آخر الذکر کا ثبوت ترنگ ۷ کے شلوک ۷۶ سے ملتا
ہے - جس میں سنگ راج کی نسبت ذیل کا سنسکرت جملہ استعمال ہوا ہے - "درنگانگ لوہر آدینانگ
شہستا" علاوہ ازیں ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۰۰ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۹۱۴ سے بھی اس خیال
کی تصدیق ہوتی ہے - کیونکہ ان میں پرنوتس (پرنتس) کا ذکر اس انداز سے آیا ہے گویا
وہ حدود مملکت لوہر میں واقع ہو - نیز دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۹۹۵ - ۲۲۷۷ - جب

کشیم گپت مرگیا تو ددا نے اپنے بیٹے اور پوتوں کو بھی ٹھکانے لگایا اور خود اپنے نام پر سنہ ۹۸۰ء سے سنہ ۱۰۰۳ء تک حکومت کرتی رہی۔ اس نے اپنا جانشین اپنے بھائی اددے راج کے بیٹے۔ سنگرام راج کو منتخب کیا (دیکھو ترنگ ۶ شلوک ۳۵۵ ترنگ ۷ شلوک ۱۲۰۴) اب لوہرین کے بھتیجے وگرہ راج کے قبضہ میں رہا۔ یہ بات معلوم نہیں آیا۔ وہ اددے راج کا بیٹا تھا یا سنگرام راج کے بے شمار بیٹوں میں سے کسی دوسرے کا

جیسا کہ ترنگ ۶ کے شلوک ۳۳۵ سے واضح ہوتا ہے وگرہ راج ددا کی حیات ہی میں سلطنت کا دعوے دار بن کر نمودار ہو چکا تھا۔ سنہ ۱۰۲۸ء میں سنگرام راج کی موت پر اس نے تخت کشمیر پر قابض ہونے کے لئے دوبارہ ناکام کوشش کی۔ اس نے لوہر سے سری نگر تک کوچ کیا۔ راستہ میں کشمیر کا سرحدی مقام (دوار) جلا ڈالا اور ۲½ دن کے سخت کوچ کے بعد دارالسلطنت میں جا پہنچا۔ اس جگہ وہ مغلوب ہو کر قتل ہوا۔ دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۴۰۔ اس شلوک میں جس دوار کی نسبت اشارہ ہے وہ حقیقت میں وہی درنگ یا سرحدی چوکی معلوم ہوتی ہے جو موجودہ موضع درنگ سے اوپر درہ توش میدان کے جانب کشمیر واقع تھی۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۹۷ و ۲۰۱۰ میں اس کا ذکر کارکوش درنگ کے نام سے آیا ہے۔ مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۵ ضمیمہ کتاب ہذا۔

سنگرام راج کا انتقال ماہ اساڑھ (جون جولائی) کی ابتدا میں واقع ہوا تھا اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد وگرہ راج نے مہم اختیار کی۔ اس موسم میں حملہ آور کے لئے نزدیک ترین راستہ وہ تھا جو درہ توش میدان کے اوپر سے گذرتا ہے ہر چند کہ یہ مقام سطح سمندر سے ۱۳۰۰۰ فٹ بلندی پر ہے۔ تاہم ماہ مئی سے لیکر نومبر تک اس پر سے ہر قسم کی آمد و رفت ہو سکتی ہے عرصہ مذکورہ بالا میں اس قدر فاصلہ کو طے کرنے کے امکان کی آزمائش شٹاین صاحب نے اپنے دورہ کے موقعہ پر سنہ ۱۸۹۲ء میں کی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۔ اگست کی صبح کو میں لدو جانوروں اور بوجھ اٹھانے والے قلیوں سمیت لوہرین

سے روانہ ہوا اور اگلے روز شام کے وقت بلا وقت موضع درنگ کے اوپر کی طرف توش میدان کی سطح مرتفع کے کنارہ پر پہنچ گیا۔ اس جگہ سے ہموار وادی پر سے کوچ کر کے آدمی نصف یوم کے عرصہ میں مرسی نگر پہنچ سکتا ہے

وگرہ راج کے بیٹے اور جانشین کشتی راج نے بھی جس کا ذکر واسطے لوہر کے طور پر بلہن کے وکرانک دیوچرت ادھیائے ۱۸ شلوک ۴۸ و ۶۷ میں آتا ہے اتکرش کی خاطر تخت سے دستبرداری اختیار کی تھی۔ مخفی نہ رہے کہ اتکرش راجہ اننت کا پوتا اور راجہ ہرش کا چھوٹا بھائی تھا (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۲۵۱) جب ۱۰۸۹ء میں کلش کی موت پر اتکرش کو حکمرانی کشمیر کے لئے مدعو کیا گیا تو جیسا ترنگ ۷ کے شلوک ۷۰۳ سے واضح ہوتا ہے اس نے اپنی نئی سلطنت کے ساتھ مملکت لوہر کو بھی ملا لیا اس وقت سے یہ بعد کے راجگان کشمیر کے لئے ایک اس قسم کا محفوظ مقام بن گیا جہاں وہ ایام بدامنی میں پناہ حاصل کر سکتے تھے۔

ترنگ ۷ کے شلوک ۹۷۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرش کے زمانہ میں ایک مہم راجپوری کی طرف جس کا موجودہ نام راجوری ہے درہ توش میدان کے اوپر سے براستہ لوہر بھیجی گئی تھی۔ اس کے بعد جب دعوے دار سلطنت اوچل نے جو خاندان لوہر کی ایک شاخ سے تھا راجوری کی طرف سے اول مرتبہ کشمیر میں سر اٹھایا تو اس نے اپنے ہمراہیوں کے مختصر سے جتھے کو گورنر لوہر کے علاقہ میں سے گذارا تھا۔ آخر الذکر کی افواج کو اس نے بمقام پر نوتس شکست دی۔ دوار کے کمانڈنٹ پر چھاپا مارا۔ اور کرم راجیہ میں جو وادی کا مغربی حصہ ہے بحفاظ دامن باغیوں کے کیمپ میں جا پہنچا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۹۸) اسی ترنگ کے شلوک ۳۰۰ میں کلہن نے اس کے یکایک نمودار ہو جانے پر جس اضطراب کا حوالہ دیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کا تعلق بدیہی طور پر اس امر سے ہے کہ اوچل نے اوبیاکھ کے ابتدا اپریل کے مہینہ میں حملہ کیا تھا۔ سٹائن صاحب

سے نے لوہرین میں جو واقفیت حاصل کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں درہ توشمیدان صرف پیدل عبور ہوسکتا ہے اور وہ بھی کسی قدر مشکل سے ساتھ

ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۸۶ - ۱۵۶۸ - ۱۵۹۸ سے واضح ہوتا ہے کہ ہرش کے ایام مصیبت میں اس کے وزرا اسے نصیحت کرتے رہے۔ تھے کہ وقت پر لوہر کے پہاڑوں میں پناہ گزین ہو جانا موزوں ہوگا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور اپنے ہاتھوں نقصان اٹھایا۔ آخر کار جب وہ افسوس ناک حالت میں مارا گیا تو کشمیرا ور لوہر کی حکومت پھر جدا جدا ہوگئی۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوہرا واس کے نواحی علاقے سسل کے قبضے میں آئے تھے۔ اس کے بڑے بھائی اوچل نے کشمیر پر قبضہ کرلیا تھا۔ لوہر سے سسل نے اپنے بھائی کو ملک سے نیبے دخل کرنا چاہا۔ لیکن جب وہ سری نگر کی طرف کوچ کر رہا تھا تو سیلیہ پور کے قریب مغلوب ہوا اور اسے دردوں کے ملک میں بھاگ جانا پڑا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۹۲ تا ۲۰۱) مخفی نہ رہے کہ سیلیہ پور غالباً موجودہ موضع سلی پور کا پرانا نام تھا جو دنتس پرگنہ میں اس سیدھی سڑک پر واقع تھا جو درنگ سے سری نگر کو جاتی ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۷ کے بموجب آخر مغلوب ہونے کے بعد وہ دشوار گذار پہاڑی راستوں سے دوبارہ لوہر پہنچا

جب اوچل سازش کا شکار ہوا تو ترنگ ۸ کے شلوک ۳۷۹ کے بموجب اس کے بھائی کو اس واقع کی خبر ۲½ دن کے عرصہ میں مل گئی اور وہ تخت پر قابض ہونے کے لئے فوراً کشمیر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اوچل ۶۔ شدی پوہ لوکک سمت ۱۸۷ کو قتل ہوا تھا۔ انگریزی حساب سے یہ تاریخ ۸۔ دسمبر ۱۱۱۱ء بنتی ہے۔ ان دنوں توش میدان والی سڑک برف سے ڈھکی ہوئی ہوگی۔ اس لئے اغلب ہے کہ سسل نے ان زیادہ مغربی اور نچلے دروں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہوگا جو وادی سدروں سے بارہ مولا کے نیچے وادی وتشٹہ کی طرف آتے ہیں۔ سٹاین صاحب کا بیان ہے کہ آج تک بھی لوہرین کے

لوگ جب انہیں سرمائی مہینوں میں کشمیر کی طرف جانا پڑے تو وہ انہی راستوں کو اختیار کرتے
ہیں ۔ جو سدروں سے پہاڑوں کے اوپر ہو کر گذرتے ہیں ان میں سے ایک جس کا نام
درہ حاجی پیر ہے وہ تو کبھی بند ہی نہیں ہوتا ۔ درہ بج ہر چند کہ کسی قدر زیادہ بلند ہے
لیکن باوجود اس کے دسمبر میں بھی کھلا رہتا ہے ۔ آخرالذکر سے ایک سڑک جو نشیبی ٹیلوں
کے ساتھ ساتھ اشکر تک جاتی ہے ۔ پیمائشی نقشوں پر نمایاں کی ہوئی ہے ۔ سسل کے
لئے اسی راستے سے بھم اختیار کرنا زیادہ سہل ثابت ہوگا ۔ غرض یہ سب باتیں اس خیال
سے پورے طور پر مطابقت کھاتی ہیں کہ بعد میں ہمیں سسل ہشک پور (اشکر) سے اوپر
کی طرف بارہ مولا کے مقابل میں ڈیرہ ڈالے نظر آتا ہے ۔ کیونکہ مذکورہ بالا سڑکوں
میں سے کوئی ایک اختیار کرنے والے حملہ آور کے لئے یہی ایک قدرتی منزل ہو سکتی
ہے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۳۹۰) اس موقعہ پر ناکام رہ کر سسل بمشکل ان راستوں پر سے
ہو کر لوہر پہنچا جن پر برف شدت سے پڑی ہوئی تھی ۔ اور راستہ میں غارت گر کھشوں
سے اس کا جنگ وجدل برابر ہوتا چلا گیا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۴۱۱

اس کے چند ماہ بعد سسل اپنے سوتیلے بھائی سلہن سے کشمیر حاصل کرنے میں کامیاب
ہو گیا ۔ اس کے عہد میں قلعہ لوہر اس کام آتا تھا کہ اس میں خطرناک رشتہ دار نظر بند کئے جاتے
تھے ۔ نیز جابرانہ طریق حکومت سے کمایا ہوا روپیہ جمع رکھا جاتا تھا (مقابلہ کے لئے دیکھو ترنگ
۸ شلوک ۵۱۹ - ۵۶۷ - ۳۹) جب بھکشاچر کی باغی فوج کی چڑھائی سے سسل کو ملک معرض خطرہ
میں نظر آرہا تھا تو اس نے ۱۱۲۰ء کے موسم گرما میں اپنے بیٹے اور کنبہ کو بغرض تحفظ لوہر بھیج دیا
اور خود بھی اسی سال کے ماہ مگھر میں براستہ ہشک پور وہیں جا پہنچا (دیکھو ترنگ ۸ ۔ شلوک
۷۱۷ - ۹۱۸) اس کے بعد موسم بہار میں بھکشاچر نے ایک جمعیت براستہ راجپوری اس
غرض سے بھیجی کہ سسل پر اس پہاڑی قلعہ میں ہی حملہ کیا جائے ۔ جب یہ فوجیں جنوب کی
طرف سے کوچ کر رہی تھیں تو پرنوتس میں سسل نے ان کا مقابلہ کر کے عہد حکومت

میں لوہر کا ذکر صرف ایک مرتبہ اور اس وقت آتا ہے۔ جب جے سنگھ کو تین سال لوہر میں رہنے کے بعد کشمیر میں لایا جاتا ہے۔ اور بارہ مولا میں اس کی باپ سے ملاقات ہوتی ہے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۲۲۷،

لیکن لوہر کے متعلق پورے پورے جغرافیائی حالات ان واقعات کے تذکرہ میں ملتے ہیں جو جے سنگھ کے عہد میں یا یوں کہنا چاہیئے کہ کلہن کے زمانہ میں ہوئے۔

تخت کشمیر پر جلوہ افروز ہونے کے وقت سسل نے جن شہزادوں کو لوہر میں قید کر دیا تھا۔ ان میں سے لوتھن معہ اپنے پانچ رشتہ داروں کے ۱۱۳۰ء میں وہیں زیر حراست تھا۔ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۷۹۴ تا ۱۸۳۱ سے معلوم ہوتا ہے۔ جس موقع پر قلعہ کا کمانڈنٹ پریمن نواحی موضع اتالکا میں کسی کام پر گیا ہوا تھا۔ لوہر کی قلعہ دار فوج (کوٹ بھرتیہ) نے اس موقع سے فایدہ حاصل کر کے ایک سازش کی اور اسی سال کی جیٹھ بدی ۱۰ کی رات کو قیدیوں کو رہا کر دیا۔ لوتھن کے راجہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور دن نکلنے سے پہلے قلعہ اور وہ تمام خزانہ جو سسل نے اس جگہ دبا یا ہوا تھا اس کے قبضہ میں آگیا۔ جونہی اس واقعہ کی خبر پریمن کو ملی وہ اگلی صبح کو اتالکا سے بھاگا آیا۔ لیکن قلعہ کے نزدیک سازشیوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور اسے جان بچا کر بھاگتے ہی بنی۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۳۱ - ۱۸۱۹ اور ۱۹۹۴ میں کلہن کی تحریر اس امر کو واضح کرتی ہے کہ اتالکا کسی ایسی جگہ کا نام ہوگا جو لوہر کے نیچے واقع ہو۔ اور نسبتاً قلعہ کے قریب ہو۔ اس کتاب میں اتالکا کا نام کہیں کہیں اتلکا اور آتلکا بھی آیا ہے۔ لیکن ان میں بقول شائن صاحب آتالکا ہی زیادہ درست ہے۔ مسٹر موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس شہادت کو مدنظر رکھتے ہوئے دیز ان امور کے لحاظ سے جن کا ذکر ذیل میں اس فوج کی مقامیت کے بارہ میں درج کیا جائے گا جو دوبارہ لوہر پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی مجھے یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں کہ اتالکا نام موجودہ موضع اتولی ہی کا تھا جو اس مقام کے قریب واقع ہے جہاں وادی لوہرین وادی گاگری سے لوہرین

خاص سے نیچے کی طرف ۸ میل کے فاصلہ پر ملتی ہے۔

ان دونوں وادیوں کے حقیقی مقام انفصال پر منڈی واقع ہے۔ اس جگہ بالکل دوکانیں ہی دوکانیں ہیں جن کی تعداد قریب ۸۰ کے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جگہ کا نام منڈی پڑ گیا ہے بحالت موجودہ منڈی سارے ضلع کا تجارتی مرکز ہے اور یہ امر اغلب ہے کہ زمانہ قدیم میں بھی اسے یہی درجہ حاصل تھا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۹۱ میں جہاں کلہن نے "اُتلکاپن یعنی اِتلکا(اتالکا) کی منڈی" لٹنے کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اشارہ اسی کی طرف معلوم ہوتا ہے

القصہ اس بغاوت کی خبر ایک قاصد کے ذریعہ راجہ جے سنگھ کو بھیجی گئی اور دوسرے روز جبکہ وہ وجیشور (وجبرور) میں تھا اسے ملی (مقابلہ کے لئے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۷۷۹-۱۷۹۳ تا ۹۶) اس نے اسی وقت لوہر کی بازیابی کے لئے فوج روانہ کی۔ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۳۶ تا ۱۸۴۲ سے معلوم ہوتا ہے کشمیری لہیر نے اتالکا میں قیام کیا اور وہاں سے اس نے لوہر میں داخل ہونے کے تمام راستے بند کرنے کی کوشش کی۔ ایام محاصرہ میں فوج محاصرین کو موسم گرما کی شدت اور بخار کے زور سے سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۸۶۵-۱۸۷۳-۱۸۲۹) اور سوبپال راجہ راجپوری نے جے سنگھ کے ناراض وزیر سبھی کے ایما پر جنوب کی طرف سے اس فوج پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔

منڈی کی آب و ہوا کے متعلق سٹائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ یہ جگہ ...۴ فٹ سے زیادہ کی بلندی پر واقع نہیں ہے اور ماہ اگست ۱۸۹۲ء میں موسم برسات میں خود مجھے اس جگہ گرمی محسوس ہوتی تھی۔ یہاں کے باشندے بہت بڑی حد تک اس خطرناک بخار میں مبتلا رہتے ہیں جو پیر پنچال کے جنوب والی تمام نشیب وادیوں میں پھیلتا ہے دیکھو نوٹ نمبر ۸۲ و ۸۴ کتاب ہذا۔ منڈی کے گرد چاولوں کی کاشت بکثرت ہوتی ہے لوہرین جو ۶۰۰۰ - ۷۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس لئے وادی کشمیر کی

نسبت زیادہ سرد آب وہوا رکھتا ہے۔ چاول نہیں اگتے اور یہاں کی خاص پیداوار مکی ہے۔

خیر یہ توجملہ معترضہ تھا۔ کشمیریوں نے یہ حالت دیکھ کر اب واپس لوٹنا چاہا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سارمبر کا راستہ دشمن نے روکا ہوا ہے تو انہیں مجبوراً وہی مشکل پہاڑی راستہ اختیار کرنا پڑا جسے ر۔ ملاینک کہتے ہیں۔ وہ اتالکا سے اس راستہ پر چلے جو ایک سرنگ کے عمودی پہلو کے ساتھ ساتھ ہوکر جاتا تھا۔ اور دشمن انکے مقابل میں ہوکر چلا۔ غرض کشمیری فوج اور اس کے ہمراہی اس روز بلامزاحمت وان کاداس نامی پہاڑی گاؤں میں پہنچے اور اس جگہ اور پاس کے گاؤں میں خیمے لگادیئے۔ لیکن بوقت نصف شب سجی کی فوج نے ان پر چھاپا مار کر انہیں حالت اضطراب میں ڈال دیا۔ اس کے بعد جو گھبراہٹ اور ہڑبونگ مچی اس پر کشمیری فوج تباہ ہو گئی اور اس کے سرپر کٹ سے گئے جیسا کہ ترنگ ۸ شلوک ۱۸۷۳ تا ۱۹۰۶ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان تمام خرابیوں پر طرہ یہ ہوا کہ مضرورین کو کھشوں نے پہاڑوں میں پکڑ کر لوٹا

جب ہم نقشہ کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں تو اتالکا میں کشمیری فوج کی حالت اور اس تباہی بخش واپسی کے موقع پر اس کا اختیار کردہ راستہ صاف طور سے دکھائی دے جاتا ہے۔ سجی پر نوتس کی طرف سے بڑھا آرہا تھا۔ جب اس کی طرف سے انہیں جنوب سے خوف پیدا ہوا تو کشمیریوں نے اپنے علاقہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش کی۔ لیکن وہ درہ توش میدان کے اوپر والے سیدھے راستہ کو استعمال نہ کرسکتے تھے۔ کیونکہ قلعہ لوہر پر باغیوں نے اسے روکا ہوا تھا۔ دوسری بڑی سڑک جو وادی گاگری کی طرف سے ہوکر گذرتی تھی اور جس کے ذریعہ وہ درہ فیروزپور یا دوسرے دروں میں سے کسی ایک تک جو توش میدان کے شمال مغرب کی طرف جاتے تھے پہنچ سکتے تھے اس وجہ سے رکی ہوئی تھی کہ دشمن سارمبر میں مقیم تھا۔ سٹائن صاحب بیان کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے سارمبر موجودہ موضع چاہیرکا پورانا نام تھا جو وادی گاگری میں منڈی سے ۵ میل اوپر کی طرف واقع ہے ان ناموں کی آوازی مشابہت کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۱۴۱ ۸ و ۷ ۳ کتاب ہٰذا

اس طرح پر ان کے بچاؤ کے لئے صرف وہی سڑک باقی رہ گئی جو اس تنگ وادی میں سے ہو کر گذرتی تھی جو موضع بلیرہ کے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ مخفی نہ رہے کہ یہ گاؤں لوہر کے راستہ میں منڈی سے اوپر کوئی تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے پیمائش کے بڑے نقشہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشکل راستہ وادی میں سے ہو کر موضع ون کے پاس سے گذر کر کلین نامی چوٹی تک جاتا ہے۔ جہاں سے آگے ایک وادی سورن کی طرف جاتی ہے۔ آخرالذکر مقام سے کشمیری فوج کے لئے درہ پیر پنچال کے اوپر سے ہو کر بحفاظت گذر جانا ممکن تھا

ون سے مراد وہ مقام معلوم ہوتا ہے جس کا نام کلہن نے وانکاداس لکھا ہے اور کلین سے کالینک وانکاداس در اصل وانکا اور آواس دو لفظوں سے مرکب ہے جن میں سے آخرالذکر حصہ کے معنی آبادی کے ہیں۔ دیکھو نوٹ نمبر ۱۴۱ ۸ کتاب ہذا۔ ون اس نام کا کشمیری تلفظ ہے جیسے پہاڑی تلفظ کے بموجب نقشہ پر بن کی صورت میں لکھا ہوا ہے جس خطرناک سرنگ میں جے سنگھ کی فوجوں کو وانکاداس کی طرف ہٹنا پڑا تھا۔ اس سے بظاہر دریائے لوہرین کی اس تنگ کھڈ سے ہے جسے بلیر پہنچنے سے پہلے عبور کرنا پڑتا ہے۔ دو میل کے فاصلہ تک سڑک دریا کے اوپر اور عمودی ٹیلوں کے ساتھ ساتھ ہو کر گذرتی ہے اور اکثر مقامات پر اسے مصنوعی طور پر ان ٹیلوں کو کاٹ کر بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

سطور بالا میں لوہر کی مقامیت کے متعلق جو فیصلہ کن شہادت پیش کی گئی ہے اس کے باعث اب راج ترنگنی کے ان باقی ماندہ حوالوں کی نسبت جو اس کے بارہ میں آئے ہیں صرف سرسری نظر ڈالنا ہی کافی معلوم ہوتا ہے۔ وتھن کے لوہر سے عارضی طور پر باہر چلے جانے پر ایک اور دعوے دار ملارجن کو قلعہ اور اس کے متعلقہ مملکت پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ دیکھو ترنگ ۸۔ شلوک ۱۹۴۱۔ مخفی نہ رہے کہ اس شلوک و نیز ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۳۱ - ۱۹۶۶ - ۱۹۶۷ - ۱۹۷۱ - ۱۹۹۴ - ۲۰۰۸ - ۲۰۲۲ و ۲۰۲۹ میں لوہر کے

لئے صرف لفظ کوٹ آیا ہے ۔ جو لفظ لوہرکوٹ کا مخفف ہے ۔ جب لوتھن کو کوشندر اچیسے
بدر کردیا گیا تو اس نے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۸۹ کے بموجب اتالکا و دیگر مقامات سے اپنے
دشمن کو تنگ کرنا شروع کیا ۔ لیکن بعد میں دونوں کی صلح ہو گئی اور وہ باغی ڈامروں میں سے زبردست
دبا اثر لوگوں کو اپنا طرفدار بنا کر کشمیر پر حملہ کرنے چلا ۔ اس نے پہاڑوں کو عبور کرکے کارکوٹ
درنگ میں جھنڈے گاڑ دیئے جس کا جدید نام درنگ ہے اور جو توش میدان کی سطح مرتفع کے نیچے
کی طرف واقع ہے ۔ مقابلہ کے لئے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۹۹۶ و ۲۰۱۰ لیکن آگے چل کر معاملات
نے یہ صورت اختیار کی کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۰۴ کے مطابق لوہر پر جے سنگھ کی فوجوں نے
قبضہ کرلیا اور ملارجن کو بھاگتے ہی بن پڑی ۔ لوہر سے جو خزانہ وہ اپنے ہمراہ لے گیا تھا وہ
راستہ میں لٹ گیا اور آخرکار خود موضع ساورنک میں پکڑا گیا ۔ اور آخر الذکر کی نسبت صاف طور پر
بیان کیا گیا ہے کہ وہ مملکت لوہر سے متعلق تھا اور اس صورت میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ موضع
سورن واقع وادی توہی کا ہی دوسرا نام ہوگا جس کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے ۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک
۲۷۵۲ و نوٹ نمبر ۷۰ ۸ کتاب ہذا ۔ آخرکار ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲۰۱ و ۳۲۷۲ میں کلہن اس
بات کا ذکر کرتا ہے کہ جے سنگھ کے سب سے بڑے بیٹے گلہن کو اس کے باپ کے جیتے
جی ہی فرمانروائے لوہر بنا دیا گیا ۔

راج ترنگنی سے بعد کی تاریخوں میں لوہر کے بہت ہی کم حوالے دیئے گئے ہیں مثلاً
جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۴۶۴ سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۲ شلوک ۴۸۲ و ترنگ ۴ شلوک
۳۲۷ شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۱۳۱ ۔ ۲۹۴ اور ان سے اس بارہ میں کوئی خاص
واقفیت حاصل بھی نہیں ہوتی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلعہ کی حیثیت میں کشمیر کے لئے اسکی
اہمیت صرف اسی وقت تک برقرار رہی تھی جب تک کہ اس جگہ کا متوطن خاندان کشمیر پر حکمران رہا
لیکن شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۲۹۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت بعد
میں بھی لوہر ہی کی راہ ہوتی رہی جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس شلوک میں اس محصول چونگی کا

حوالہ دیا گیا ہے جو ۱۳۳۰ء کے قریب محمد شاہ کے عہد میں وصول کیا جاتا تھا۔

اس سے زیادہ دلچسپ اور اہم وہ حوالے ہیں جو قلعہ لوہر کے متعلق ہیں البیرونی کی کتاب "انڈیا" میں ملتے ہیں۔ بالواسطہ طور پر ان کی موجودگی کا باعث وہ ناکام حملہ ہے۔جو سلطان محمود غزنوی نے کشمیر پر کیا تھا۔ البیرونی اپنی کتاب انڈیا کی جلد ا کے صفحہ ۲۰۸ پر جغرافیہ کشمیر کا ذکر ختم کرتے وقت دارالسلطنت کے جنوب کی طرف کلارجک کی بلند چوٹی کا ذکر کرتا ہے جو اپنی صورت کے لحاظ سے کوہ دنباوند (دماوند) سے مشابہ ہے "اس جگہ برف کبھی نہیں پگھلتی"۔ علاقہ تاکیشر و لوہاور (لاہور) سے ہمیشہ نظر آتی رہتی ہے اس چوٹی اور کشمیر کی سطح مرتفع کے درمیان کوئی دو فرسخ کا فاصلہ ہے۔ قلعہ راجگری اس کے جنوب میں واقع ہے اور لاہور کا قلعہ مغرب میں اور یہ دونوں مضبوط ترین مقام ہیں جو میرے دیکھنے میں آئے ہیں۔ قصبہ راجاوری (راج پوری) کا فاصلہ اس چوٹی سے تین فرسخ ہے"۔

اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ البیرونی کا اشارہ اس جگہ کوہ تت کوٹی کی طرف ہے جو سلسلہ کوہ پیر پنچال میں ۱۵۵۲۴ فٹ بلند ہے اور ان تمام کوہستانی سلسلوں میں جو کشمیر کے جنوب کی طرف واقع ہیں بلند ترین چوٹی ہے۔کوہ تت کوٹی چونکہ علیحدہ اور نمایاں ہے۔ اس لئے وہ خوب اچھی طرح دکھائی دیتا ہے۔ بالخصوص اس شخص کو جو اسے جنوب کی طرف سے دیکھے اس کے گرد وسیع برفانی قطعات ہیں جو سال بھر موجود رہتے ہیں اور اس کے جنوبی پہلو میں ایک برفانی پہاڑی بچا ہے۔ برفانی قطعات کے بارہ میں دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحہ ۱۲۰ اس کے علاوہ ڈاکٹر نیو نے بھی اپنی کتاب گائیڈ ٹو کشمیر میں سلسلہ کوہ پیر پنچال کے دلفریب نظاروں کا ذکر کیا ہے۔ شاین صاحب نے بھی تت کوٹی پہاڑ پر چڑھنے کا ذکر ۱۸۸۹ء میں جرمن زبان کے ایک رسالہ میں چھپوایا تھا۔کوہ تت کوٹی کی شکل ویسی ہی ہے جیسی البیرونی نے بیان کی ہے اور سال کے اکثر حصوں میں وہ اضلاع

سیالکوٹ گوجرانوالہ میں سے جو تاکیشر (چناب) کے مشرق میں واقع ہیں صاف دکھائی دے جاتا ہے ۔ شائین صاحب بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات نہایت صاف موسم میں اس کا برفانی گنبد مجھے لاہور سے بھی دکھائی دیگیا ہے ۔

اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ البیرونی کا تاکیشر وہی ہے ۔ جس کا نام کلہن نے تک دیش اور ہیون سانگ نے تستد کیا (تک) لکھا ہے دیکھو نوٹ نمبر ۱۸۱ ۲ کتاب ہذا جرنیل کنگھم نے اپنے جغرافیہ قدیم میں جہاں صفحہ ۱۵۱ پر البیرونی کی مذکورہ بالا چوٹی سے مراد ننگ پربت سے لی ہے جو سطح سمندر سے ۲۶۶۲۹ فٹ بلند ہے اور کشمیر کے شمال کی طرف استور میں واقع ہے اس میں یقیناً غلطی کھائی ہے ۔ ہمالیائی کوہی سلسلوں کے باعث یہ امر بے حد مشتبہ ہے آیا ننگ پربت پنجاب کے میدانوں کے کسی حصہ سے نظر آتا ہے یا نہیں ۔ اس بات کی کچھ توضیح نہیں ہوسکتی کہ البیرونی نے چوٹی کا نام کلارجک کس بنا پر رکھا تھا ۔

قلعہ راج گری جس کا حوالہ دیتے ہوئے کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۷۰ میں بیان کیا ہے کہ وہ راجہ راجپوری کے قبضہ میں تھا ۔ اسے بالائی وادی سورن میں کہیں پر تلاش کرنا چاہیئے جس سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوہ تٹ کوٹی کے جنوب کی طرف واقع ہونا اغلب ہے ۔ دیکھو نوٹ ۶۰۰ کتاب ہذا ۔ آخیر میں یہ بیان کرنا غیر ضروری ہے کہ قلعہ لاہور جسے البیرونی نے کوہ کلارجک کے مغرب میں واقع بتایا ہے اس سے مراد لوہر ہی سے ہوسکتی ہے ۔ وادی لوہرین میں داخل ہونے کا راستہ تٹ کوٹی کے عین مغرب میں ۱۰ میل کے سیدھے فاصلہ پر واقع ہے

البیرونی کے دوسرے قلعہ کی نسبت اس خیال کی تصدیق کہ اس سے مراد لوہرکوٹ ہی سے ہے زیادہ وضاحت کے ساتھ اس کی کتاب کی جلد اول صفحہ ۳۱۷ اور پروفیسر سچاؤ کے نوٹ متعلقہ مندرجہ جلد ۲ ۔ صفحہ ۳۴۱ سے ہوتی ہے جہاں پر اس کا نام لوہور دیا

ہوا ہے اور اس کا نام دارالسلطنت کشمیر سے ۵۶ عربی میل کے قریب قرار دیا گیا ہے نیز لکھا ہے کہ "نصف راستہ کھر درہ اور ناہموار علاقہ ہے اور باقی نصف میدانی"۔ البیرونی نے جو فاصلہ ظاہر کیا ہے اس کی تصدیق کسی دوسری جگہ کی جائے گی۔ اس جگہ صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ لوہرین سے سری نگر تک براستہ توش میدان حقیقی فاصلہ کم و بیش ۶۰ میل انگریزی ہے۔ اس فاصلہ میں سے ۲۰ میل کا بُعد وادی کشمیر کے میدان میں واقع ہے اگر اس فاصلہ میں اس حصہ سڑک کو بھی شامل کر لیا جاوے جو درہ کے پہلو سے کشمیر کی طرف توش میدان کی سطح مرتفع کی گھاس دار چپٹی ڈھلوانوں پر سے ہو کر گذرتا ہے اور جو قریب قریب ویسا ہی آسان گذار ہے تو ہم تقریباً اسی اندازہ تک پہنچ جاتے ہیں جو البیرونی نے ظاہر کیا ہے۔

لیکن البیرونی نے ہمارے لئے ایک اور ذریعہ بھی اس قسم کا چھوڑا ہے کہ اس کی بدولت ہم اپنی شناخت کی تصدیق کر سکتے ہیں اس کی تصنیف کا جو آخری حوالہ دیا گیا ہے اس میں وہ بتاتا ہے کہ اس نے خود قلعہ لوہور کے عرض بلد کا مشاہدہ کیا تھا اور اس موقعہ پر معلوم ہوا تھا کہ یہ ۳۴ درجہ ۱۰ دقیقہ ہے۔ لیکن جیسا کہ پروفیسر سچاؤ کینن میسوڈیکس کے نوٹ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ میں لکھتے ہیں۔ لوہور کا عرض بلد ۳۴ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے پس دونوں میں سے جو اعداد بھی ہم صحیح تصور کریں بہر نوع البیرونی کا مشاہدہ لوہرین کے حقیقی عرض سے مطابقت کھاتا ہے۔ کیونکہ پیمائشی نقشوں کے بموجب وہ ۳۳ درجہ ۴۸ دقیقہ ہے۔

پروفیسر سچاؤ نے ایک مقابلہ کا جدول بنا کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ البیرونی نے جو باقی سندی عرض بلد لکھے ہیں وہ بھی خلاصے درست ہیں یہ جدول بھی جلد ۲ کے صفحہ ۳۴۱ پر موجود ہے۔

چونکہ کینن میسوڈیکس مصنف کی کتاب انڈسے کا کے بعد لکھی گئی تھی اور ایک

زیادہ صحیح صورت میں موجود ہے۔ اس لئے اس کے اعداد زیادہ غور طلب ہیں۔ اس جگہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ البیرونی انڈیا کے اسی فقرہ میں کشمیر کا عرض بلد ایک ہندو کی سند پر ۳۴ درجہ ۹ دقیقہ لکھتا ہے چونکہ اسے دونوں مقامات کی متناسب جغرافیائی مقامیت کا علم تھا اس لئے لازم تھا کہ اس نے اس مشاہدہ کو غلط تصور کیا ہو۔ بشرطیکہ لوہور کا عرض بلد اس نے حقیقت میں ۳۴ درجہ ۱۰ دقیقہ ہی معلوم کیا تھا۔ لیکن باوجود اس کے وہ اس اختلاف پر کسی قسم کی رائے زنی نہیں کرتا۔

ظاہر ہے کہ قلعہ "لوہور" کے متعلق البیرونی کو ذاتی طور پر واقفیت صرف اسی وقت سے ہوئی ہوگی جب سلطان محمود غزنوی نے کشمیر پر ناکام حملہ کیا تھا۔ ایلیٹ صاحب نے مختلف مسلمان مورخوں کے بیانات کا خلاصہ لے کر ظاہر کیا ہے کہ اس مہم کے بارہ میں ان کی مختلف رائیں ہیں لیکن اس معاملہ پر سب کو اتفاق ہے کہ قلعہ لوہ کوٹ کے محاصرہ پر محمود کے حملہ کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ واضح رہے کہ مشہور اسلامی مؤرخ فرشتہ اس قلعہ کے متعلق بیان کرتا ہے کہ "وہ اپنی بلندی اور مضبوطی کے لحاظ سے قابل ذکر تھا"۔

ایلیٹ صاحب اپنی کتاب ہسٹری آف انڈیا جلد ۲ صفحہ ۴۵۵ و ۴۶۶ میں بیان کرتے ہیں کہ "تھوڑا عرصہ بعد جب برف باری شروع ہوئی اور موسم میں بے حد سردی آگئی اور دشمن (کشمیریوں) کو کشمیر سے کمک حاصل ہوگئی تو سلطان کو مجبور ہو کر اپنے منصوبہ سے دست بردار ہونا پڑا اور وہ واپس غزنی کو لوٹ گیا"۔ فرشتہ اس مہم کی تاریخ سنہ ۴۰۶ھ مطابق سنہ ۱۰۱۵ء بتاتا ہے۔ لیکن تاریخ اکبری کے مطابق اس کی تاریخ ۴۱۲ ہجری یا سنہ ۱۰۲۱ عیسوی ہے۔ چونکہ محمود کے درباری کی حیثیت میں البیرونی کے ہندوستان میں رہائش اختیار کرنے کی تاریخ سنہ ۱۰۱۷ء میں خوارزم کے سر ہونے کے بعد تھی۔ اس لئے ہر دونوں میں سے آخری سن ہی قابل ترجیح نظر آتا ہے۔

سطور بالا میں ایلیٹ صاحب نے جو کیفیت قلمبند کی ہے وہ اس تحریر سے جو

البیرونی نے لوہور (لوہر) اور سرحد کشمیر پر اس کی مقامیت کے بارہ میں لکھی ہے اس قدر مطابق ہے کہ ہمیں اس بات کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کا عذر نہیں ہو سکتا کہ لوہ کوٹ حقیقت میں وہی مقام تھا جس کا نام راج ترنگنی میں لوہر کوٹ آیا ہے۔ جب ہم اس بات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ ہندوستان کے اسمائے معرفہ کو مسلمان مورخوں نے جابجا بری طرح توڑا مروڑا ہے تو ہمیں ایک کم معروف مقام کے اسی قسم کے نام پر اکتفا کرنا پڑتا ہے جو تاریخوں میں ہمارے لئے رہ گیا ہے۔

لوہرین زمانہ حال میں بھی ایک حملہ آور کی ناکامی دیکھ چکا ہے۔ ۱۸۱۴ء کے موسم گرما میں مہاراجہ رنجیت سنگھ والئے پنجاب سکھ فوج کا ایک دستہ لے کر خود اس وادی میں اس غرض سے پہنچا تھا کہ درہ توش میدان کے راستہ کشمیر میں داخل ہو لیکن اس جگہ پہنچ کر کچھ تو پٹھانوں نے مقابلہ کیا اور کچھ پہاڑی علاقہ کی قدرتی تکالیف اس کے عزم میں سدراہ ثابت ہوئیں۔ اس لحاظ سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ قدیم لوہر کوٹ کی مضبوطی کا مدار بہت بڑی حد تک اس بات پر تھا کہ وہ ایک نہایت عمدہ اور محفوظ مقام پر واقع تھا۔ لیکن محمود غزنوی اور رنجیت سنگھ کی مثالوں میں اس قدر اختلاف ضرور مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔ کہ اول الذکر خود ایک دشوار گذار پہاڑی علاقہ کا باشندہ تھا۔ اور اس لحاظ سے اسے کشمیر کے پہاڑوں میں کسی قسم کی مشکلات بہت بڑی حد تک پیش نہ آئی ہوں گی۔ بلکہ اس کے زک اٹھانے کا باعث اس کی فوجی کمزوری ہی ہو گی۔ بخلاف اس کے رنجیت سنگھ چونکہ ایک میدانی سپاہ ہمراہ رکھتا تھا۔ اس لئے محمود کے مقابلہ میں اس کی دقتیں لوہر کوٹ کی مقامیت کے بارہ میں بہت کچھ بڑھی ہوئی ہوں گی۔

اس جگہ یہ جتلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لوہرین کے باشندوں میں ایک روایت مشہور ہے جس میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی شکست کو سید حسین نامی ایک ولی کی معجزانہ مداخلت سے منسوب کیا جاتا ہے جو لوہرین خاص میں موضع تنز یوند کے قریب دفن ہے۔ مشہور ہے

کہ اس زیارت میں سے پُر اسرار آوازیں آنے لگی تھیں۔ جس سے سکھ فوج اضطراب میں پڑ کر پچھلے پاؤں بھاگ نکلی تھی۔

لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو رنجیت سنگھ کی واپسی زیادہ قدرتی بواعث کی وجہ سے عمل میں آئی تھی۔ توش میدان کی سطح مرتفع کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی فوجیں کچھ تو بیماری اور کچھ سپاہیوں کی فراری سے بہت گھٹ چکی تھیں۔ آخر کار جب اس کی فوج ہراول توش میدان میں پہنچی تو سکھوں کے پاس سامان رسد بالکل ختم تھا اور مقابلہ میں عظیم خان کشمیر کا افغان گورنر ایک مضبوط سپاہ لئے ڈٹا کھڑا تھا۔ چند روز تو فوجیں چپ چاپ ڈیرہ ڈالے رہیں لیکن اس عرصہ کے بعد رنجیت سنگھ کو اس بات کی خبر ملی کہ جرنیل رام دیال جو تھوڑی سی فوج لے کر درہ پیر پنچال کی طرف بڑھتا تھا شوپیاں کے قریب مغلوب ہو گیا ہے یہ سن کر رنجیت سنگھ کو واپس لوٹتے ہی بنی۔ اس کے بعد جب راجہ پونچھ (پرنتس) کے پہاڑی آدمیوں نے لوہرین کے قریب پہاڑوں پر سے پلٹتی ہوئی فوج پر حملہ کیا تو اس کے رہے سہے دھوئیں بکھر گئے۔ آخر کار ۱۰ جولائی ۱۸۱۴ء کو رنجیت سنگھ تمام مال و اسباب اور اپنی فوج کا بہت بڑا حصہ ضائع کر کے خود منڈی کی طرف بھاگ گیا۔

اس مہم کی بہترین کیفیت وہ ہے جو بیرن ہیوگل نے اپنی کتاب کشمیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ پر دی ہے

پیر اکی سرنگ سے آگے وادی لوہرین میں مقامات محافظت کا ایک نہایت عمدہ سلسلہ چلا جاتا ہے۔ جن میں ذرا سی بھی تیاری سے کام لیا جائے تو وہ اس قابل بن جاتے ہیں کہ کوئی دشمن جس کے پاس توپیں نہ ہوں ان کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ متعدد مقامات پر آڑی چٹانیں اور عمودی سیٹلے وادی کی طرف چلے گئے ہیں جن کے باعث وہ ایک کھنڈ کی صورت میں رہ گئی ہے اس طرح پر اس قسم کی مدکاریں بن گئی ہیں جن پر سے دریا کے دونوں طرف کی سڑک بخوبی طور سے دیکھی جا سکتی ہے۔

وہرین نامی میں قدیم قلعہ کے متعلق جو روایات مشہور ہیں انہیں اس اکیلی پہاڑی سے منسوب کیا جاتا ہے جو دریائے لوہرین کے کنارہ پر شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف موضع گیگو ندی کے اوپر کی جانب جسے نقشہ پیمایش میں گجبین کے نام سے دکھایا ہوا ہے بڑھتی ہوئی ہے۔ اس کا جنوب مشرقی انتہائی حصہ ایک عمودی چٹان کی صورت میں ہے۔ شمال مشرق اور جنوب مغرب کی طرف بھی اس کے پہلو ویسے ہی عمودی ہیں اور ان ندیوں کے پاس تک پہنچتے ہیں جو موضع تنتزیوند اور گیگو ندی میں سے ہو کر گذرتے ہیں۔ اس پہاڑی کی چوٹی وادی کی سطح سے قریب ..ہم فٹ بلند ہے اور اس کے اوپر ایک تنگ سطح مرتفع بن گئی ہے۔ اس سطح مرتفع کے جنوب مشرقی سرے پر ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ شاین صاحب کا بیان ہے کہ اہل دیہ نے مجھے بتایا کہ اس جگہ ایک قلعہ بنا ہوا تھا جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ پرنتس کے مسلمان راجاؤں کے زمانہ سے پہلے اس جگہ واقع تھا۔

اس جگہ اب سطح زمین کے اوپر کسی قسم کے آثار نظر نہیں آتے۔ البتہ کہیں کہیں پتھروں کے ڈھیر دکھائی دیتے ہیں یا ٹیلہ کے پہلوؤں میں ناہموار دیواروں کے آثار دیکھنے میں آتے ہیں۔ چونکہ ایک مدت سے اس ساری پہاڑی سے قبرستان کا کام لیا جاتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ بہت سے بڑے بڑے پتھر جو اب قبروں کے اوپر لگائے ہوئے ہیں قلعہ ہی کی جگہ سے حاصل کئے گئے ہوں خیال ہے کہ جہاں قلعہ بنا ہوا تھا اس جگہ بہت بڑا خاندان دفن ہے اس پہاڑی تک پہنچنے کا ذریعہ ایک تنگ گلی سی ہے جو اسے شمال کی طرف سے پچھلی پہاڑیوں سے ملاتی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ اس جگہ تک جانے کے لئے جو راستہ تھا اس پر دو اور چھوٹے چھوٹے قلعے ہوا کرتے تھے۔ جن کی نسبت اہل لوہرین میں روایت ہے کہ وہ پہاڑ کے کراروں پر واقع ہوا کرتے تھے۔ جن میں سے ایک تو مغرب کی طرف اور دوسرا اس پہاڑی

کے ابتدائی حصہ میں جانب شمال ہوتا تھا۔ آخر الذکر مقام کے قریب ایک خوش نما چشمہ بھی ہے

سطور بالا میں جو روایات قلمبند کی گئی ہیں اور جن مختصر آثار کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر چند کہ وہ مجموعی طور پر اس قابل نہیں کہ ان کی بنا پر ہم کسی نتیجہ تک پہنچ سکیں تاہم اتنا کہہ دینے میں کلام نہیں کہ جس پہاڑی کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ واقعی ایک ایسی جگہ ہے جہاں ایک نہایت عمدہ پہاڑی قلعہ بنایا جا سکتا تھا۔ جس سے وادی کی سڑک رکی رہے۔ اصلی سڑک جو درہ تو ش میدان کی طرف جاتی ہے وہ اس پہاڑی کے دامن میں جنوب اور مشرق کی طرف ہو کر جاتی ہے

چونکہ دریا کا گہراتاس قریب ہی واقع ہے اس لئے سڑک کسی صورت میں بھی کسی دوسری سمت سے ہو کر نہ گذر سکتی تھی۔ پہاڑی کے مقابل میں وادی کے بائیں طرف ایک پہاڑی کرارہ تاس دریا تک بڑھا ہوا ہے۔ اس ساحل کے ساتھ ساتھ ہو کر جو شکل راستہ درہ نور پور کی طرف جاتا ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس پر لدو جانور چل سکیں اور اسے بوقت ضرورت بآسانی محفوظ کیا جا سکتا تھا۔

ان جغرافیائی امور کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہاڑی جو وہرین کے مرکز میں ہے وہیں اغلباً لوہر کوٹ بنا ہوا تھا۔ اگر سطح زمین پر نمایاں آثار موجود نہیں تو اسے اس قیاس کے خلاف نہیں گنا جا سکتا۔ کیونکہ کشمیر کے اندر اور اس کے قریبی علاقوں میں جو قلعے بنائے جایا کرتے تھے ان میں دیواریں بغیر تراشے ہوئے پتھر کی ہوتی تھیں اور چوبی شہتیروں میں جڑا ہوا ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے اگر کسی قلعہ کی طرف سے ذرا بھی غفلت کا برتاؤ کیا جاتا تو وہ بہت جلد خراب ہو جاتا تھا۔ اس کی تصدیق پورے طور سے اسی طرح ہوتی ہے کہ سکھوں نے گذشتہ صدی کے ابتدائی حصہ میں کشمیر کے راستوں پر جو بہت سے قلعے بنائے تھے ان کی حالت اسی طرح افسوسناک شکستگی کی ہو رہی ہے

جب ہم اس بارہ میں اس بات کو بھی مدِ نظر رکھتے ہیں کہ اِس حصّہ ملک میں بے وقت موسمی بارشیں ہوتی ہیں اور پیر پنچال کی جنوبی ڈھلوانوں کی غیر معمولی برف باری بھی مشہور ہے تو ہمیں اس بات کا چنداں تعجب باقی نہیں رہتا کہ وہ قلعہ جو کسی زمانہ میں اس قدر مشہور ہوا کرتا تھا اب سات صدی کے عرصہ کے بعد اس کے پتھروں کے ناہموار ڈھیر اور ایک چھوٹی سی قدیمی روایت باقی رہ گئی ہے۔

نوٹ نمبر ۷

پریہاس پور

(سلسلہ کیلئے دیکھو نوٹ نمبر ۱۲۶ کتاب ہذا)

پریہاس پور کا نام اب پرگنہ پرس پور کی صورت میں باقی ہے جس میں جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ چھوٹا سا علاقہ شامل ہے جو وتستا کے بائیں کنارہ پر شادی پور کے عین جنوب مغرب میں دلدلوں کے مابین واقع ہے پریہاس پور اور پرس پور کے نام آوازی اصول کے لحاظ سے ملتے جلتے ہیں اور بعض فارسی مؤرخ مثلاً حیدر ملک۔ محمد عظیم۔ بیربل قاصر اس بات سے واقف تھے۔ علاوہ بریں شلوک مذکورۃ الصدر کی شرح کرتے ہوئے ایک ٹیکا کار نے بھی یہی لکھا ہے۔ ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ جنرل کننگھم نے جو غالباً وگنی صاحب کی کتاب شرپورہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ کی عبارت سے متاثر ہو کر اپنے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۱۰۱ پر پریہاسپور کو دریا کے دائیں کنارہ پر موضع سنبل کے قریب بتایا ہے اور جس کی کسی شہادت کی رو سے تصدیق نہیں ہوتی کسی طرح صحیح نہیں ہے لیکن نہ تو وسائل مذکورہ بالا اور نہ مروجہ روایات ہی سے للتادتیہ کے شہر کی مقامیت کا کوئی پتہ

چل سکا۔

شاین صاحب لکھتے ہیں کہ اس معاملہ کی نسبت مقامی حالات خاص طور پر معلوم کرنے کی غرض سے میں خود ماہ ستمبر ۱۸۹۲ء میں پرس پور پہنچا اور اس مرتبہ میں نے ان عمارات کے حقیقی کھنڈرات کا پتہ چلایا جن کا ذکر کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۴ تا ۲۰۴ میں کیا ہے اور اس لحاظ سے میں پرہاس پور کی مقامیت کو تیقن کے ساتھ قائم کر سکا۔ جو صاحب میرے اس دورہ کی مختصر رپورٹ دیکھنا چاہیں وہ امپیریل اکیڈمی وانیا کی جماعت فلسفہ و تاریخ نمبر ۲۷ ۱۸۹۲ء کی کیفیت ورسالہ اکیڈمی بابت ۴ نومبر ۱۸۹۲ء ملاحظہ کریں۔ جن مقامات کا ذکر سطور ذیل میں کیا گیا ہے ان کے سمجھنے کے لئے اس نقشہ کو دیکھنا چاہیئے جو نوٹ نمبر ۱ ضمیمہ کتاب ہذا کے ساتھ منسلک ہے۔

جن آثار کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ایک چھوٹے سے اوریا پہاڑی سطح مرتفع پر واقع ہیں جو مشرق کی طرف بانسر نیور اور مغرب کی طرف ہار ترتھ (جسے نقشہ میں ہر پرت دکھایا ہوا ہے) کی دلدلوں کے مابین ہے سطح وادی سے اس کی اوسط بلندی قریباً ۱۰۰ فٹ ہے سطح مرتفع شمالاً جنوباً کوئی دو میل ہے اور اس کا فراخ ترین مقام ایک میل سے تھوڑا زیادہ ہے ایک فراخ کھڈ میں جو جنوب کی طرف سے اس میں داخل ہوتی ہے موضع دور واقع ہے

آگے چل کر شاین صاحب بیان کرتے ہیں کہ گاؤں سے مغرب کی طرف مجھے دو بڑے بڑے مندر ایک دوسرے کے قریب نظر آئے جنہیں نقشہ پر مقامات "د" و "ز" میں دکھایا گیا ہے کسی زمانہ میں دونوں مندروں میں سے ایک ایک مرکزی عمارت ہوگا اور اس کے گرد ایک احاطہ بنا ہوا ہوگا۔ اول الذکر مندر تو اب بڑے بڑے کھنڈرات کے ایک ڈھیر کی صورت میں باقی ہے۔ احاطہ بھی بالکل ضایع ہو چکا ہے اور اس کی شناخت محض اس وجہ سے ہو سکتی ہے کہ دیواروں کی بنیادیں ٹوٹے ہوئے مینار اور شکستہ محرابیں باقی ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ یہ مندر بہت بڑے بڑے ہو کر تے تھے اس طرح پہلا

ہے کہ ان میں سے وہ جو زیادہ مغرب کی طرف واقع ہے اس کے گرد کے کھمبے ۷۵ فٹ کے قریب کے ایک مربع کی صورت میں تھے اور دوسرے کے ۲۲۰ × ۱۷۰ فٹ کے قریب ایک بیضوی صورت میں - لیکن یہ ناپ غلط دیتے کے اس مندر کے ناپ سے بہت بڑھا ہوا ہے جو متن (مارتنڈ) میں درج تھا - اور جرنیل کننگھم کے مضمون مندرجہ جرنل آف ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۷۹ کے مطابق بلحاظ پیمائش صرف ۲۲۰ × ۱۴۲ فٹ تھا

ان مندروں کے شمال مغرب کی طرف قریباً ایک میل کے فاصلہ پر اور سطح مرتفع کے شمالی سرے کے قریب سٹائن صاحب کو تین اور تباہ شدہ عمارات نظر آئیں جنہیں نقشہ پر ا ، ب اور ج کی صورت میں دکھایا گیا ہے جن میں سے ایک بلحاظ وسعت بہت ہی شاندار تھا یہ سب کی سب یکساں تباہ شدہ تھیں - اور کے کنارہ پر وہ شمالاً جنوباً ایک لائن میں واقع ہیں - سب سے بڑے کھنڈرات ا کے ہیں جو سب سے زیادہ جانب شمال واقع ہے بحالتِ موجودہ اس کی صورت ایک بہت بڑے گول ٹیلہ کی سی ہے - جس میں پتھر کی بڑی بڑی سلیں نہایت بے ترتیبی کی حالت میں زمین سے ۳۰ فٹ کی بلندی تک چنی ہوئی ہیں - اس ٹیلہ کا قطر ۱۰۰ فٹ کے قریب ہوگا - اس کے گرد ایک چوکور احاطہ کی بنیادی دیواروں کے آثار ہیں جس کی بیرونی پیمائش ۴۰۰ فٹ کے قریب ہو گی - اس ٹیلہ کی چوٹی پر ایک بہت بڑا ٹکڑا ۸½ فٹ مربع اور ۴½ فٹ اونچا پڑا ہوا ہے جس کے مرکز میں بڑا سا گول سوراخ دیکھنے سے گمان غالب ہوتا ہے کہ یہ کسی بلند ستون یا بہت بڑی مورتی کا نچلا حصہ ہوگا -

اِس کھنڈر کے جنوب کی طرف ایک چوکور عمارت ب کے آثار موجود ہیں جو بیرونی طور پر ۱۵۲ × ۱۴۰ فٹ ہے اور جس کے اندر بظاہر ایک کھلا صحن ہوا کرتا تھا مرکزی مندر وغیرہ کچھ نہ تھا - اس مجموعہ کا جنوب ترین کھنڈر ج ہے جس کے مرکز میں پتھروں کا ایک

سبلے ڈول ساڈھیر نظر آتا ہے جس کے باعث ایک ۲۰ فٹ کے قریب اونچا ٹیلہ بنا ہوا ہے اور اس میں ۴۰۰ فٹ مربع کا احاطہ محصور ہے ۔

آخیر میں ہمیں جداگانہ کھنڈر "س" کا ذکر کرنا ہے جو سطح مرتفع کے جنوب مشرقی انتہائی حصّہ پر واقع ہے اور نقشہ پیمائش پر جو جگہ دیوا سٹیشن کے نام سے دکھائی گئی ہے اس کے قریب ہے سطح مرتفع کے اِس حصّہ کا نام جو باقی حصہ سے ایک کھڈ کے ذریعہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے جدا ہے اور جس کے پاس سے ایک چھوٹی کھڈ شمر دائی سے موضع دیدر کی طرف جاتی ہے گوردن اُودر ہے ۔ "س" نمبر کے کھنڈر میں بھی مرکز میں بڑی بڑی سلوں کا ایک بے ترتیب ساڈھیر ہے جس سے اس مقام کا پتہ چلتا ہے جہاں مندر کا حجرہ واقع ہوا کرتا تھا - اور اس کے گرد احاطہ کے مختصر سے آثار باقی ہیں - آخرالذکر کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم وبیش ۱۵۰ فٹ مربع تھا - اس احاطہ کے جنوب کی طرف ایک ۱۵ فٹ اونچی ٹیکری سی ہے جو غالباً کسی ستوپ کا بچا ہوا حصہ ہے - اس ٹیکری سی کے کسی قدر مغرب کی طرف زمین میں اس قسم کا گڑھا ہے جیسے کسی تالاب کا ہوتا ہے - ممکن ہے یہاں کسی زمانہ میں چھوٹا سا کنواں یا حوض ہو ۔

سطور بالا میں پر یہپور کے کھنڈرات کا جو مختصر لفظوں میں ذکر کیا گیا ہے وہ ان نوٹوں کی بنا پر لکھا گیا ہے جو سٹائین صاحب نے ستمبر ۱۸۹۲ء میں اس جگہ مختصر دورہ کرتے ہوئے لکھے تھے ۔

لیکن صاحب موصوف کا بیان ہے کہ جب میں مئی ۱۸۹۶ء میں اس جگہ پہنچا تو مجھے یہ معلوم کرکے افسوس ہوا کہ عرصہ دو سال میں ٹھیکہ داروں نے بہت سے پتھروں کو اس جگہ سے اٹھوا کر تانگوں کی اس نئی سڑک کے لئے کنکر کٹوا دیا ہے جو پرس پور اور کے جنوب کی طرف ہو کر سری نگر کو جاتی ہے - اس پر میں نے اعتراض کیا اور کرنیل سر ایڈالبرٹ ٹیلبٹ نے جو ان دنوں ریاست کشمیر کے رزیڈنٹ تھے میرے

خیال کی تائید کی تو دربار کی طرف سے اس مطلب کے احکام جاری ہوئے کہ آئندہ اس قسم کی کارروائی نہ ہونے پائے امید ہے کہ ان ٹھیکیداروں کو جو ارزاں سنگریزوں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں پرس پور کے کھنڈرات کو کام میں لانے کے لئے جو نئی ترغیب پیدا ہوتی ہے اس کارروائی سے رک جائے گی۔

غرض اس میں کلام نہیں کہ ان کھنڈرات ہی میں ہمیں ان پانچ عظیم عمارات کو تلاش کرنا ہے جو للتادیتہ نے پریہاس پور میں بنوائی تھیں شک اور پرجابھٹ کی راج ترنگنی میں شلوک ۱۹۵ تا ۲۰۰ کے اندر ان کے نام پریہاس کیشو ۔ مکتا کیشو مہاوراہ ۔ گوردھن اور راج وہار آئے ہیں ان میں سے ۴ اول الذکر وشنو کے مندر تھے اور پانچواں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے بدھوں کا معبد تھا۔

کلہن نے اپنے بیان میں ان مندروں کا جو ذکر لکھا ہے وہ ان کھنڈرات سے جو دور میں پائے جاتے ہیں بالکل مطابق ہے ۔ چنانچہ ہر ایک مندر کے کھنڈرات کے گرد جو چوکور صحن (چتوشالہ) پایا جاتا ہے اس کا ذکر کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۲۰۴ میں للتادیتہ کی بنوائی ہوئی ہر ایک عمارت کے متعلق کیا ہے ۔ پرس پور میں سٹائن صاحب نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ اس علاقہ میں صرف یہی قدیم کھنڈرات کسی قدر اہمیت رکھنے والے اس قسم کے ہیں کہ جن کی ابھی تک شناخت نہیں ہوئی۔

اس بارہ میں مزید شہادت اس طرح پر ملتی ہے کہ وینیہ سوامن کا مندر جو ترنگ ۵ کے شلوک ۹۷ کے بموجب پریہاس پور میں واقع ہے (دیکھو نوٹ نمبر ۲۴۴ کتاب نمبر ۱) اس کی نسبت یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ ٹلک پور والے مندر کے کھنڈرات ہیں جو کھنڈرات دِور کے شمالی مجموعہ سے ایک میل کے قریب فاصلہ پر واقع ہیں۔ دیکھو نوٹ نمبر ۱۰ ضمیمہ کتاب ہذا۔

للتادیتہ کے زمانہ کے بعد پریہاس پور جن انقلابات میں سے گذرتا رہا ہے اس سے

اس افسوس ناک تباہی کی حالت کی پورے طور پر توضیح ہوتی ہے جس میں کھنڈرات دو ر پائے جاتے ہیں۔ ترنگ ۴ کے شلوک ۲۴۲ و ۲۱۰ کے بموجب للتادیتہ نے شاہی محل پرہاس پور میں رکھا تھا۔ لیکن اسی ترنگ کے شلوک ۵۹۵ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بیٹے وجرادیتہ نے اس جگہ سے اپنی سکونت منتقل کر لی۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۹۷ تا ۹۹ سے واضح ہوتا ہے کہ اونتی وامن نے دریائے وتستہ میں اس قسم کی عظیم تبدیلی کردی تھی۔ جس سے سندھو کے ساتھ اس دریا کا مقام اتصال بجائے پرہاس پور کے وہاں سے قریباً ۲ میل پرے موجودہ موضع شادی پور میں ہوگیا۔ اس سے پرہاس پور کی اہمیت کو بہت صدمہ پہنچا ہوگا۔ للتادیتہ کے انتقال کے کوئی ڈیڑھ صدی بعد راجہ شنکر ورمن نے جو ۸۸۳ء سے ۹۰۱ء تک حکمران رہا پرہاس پور سے مصالحہ اٹھوا کر پٹن میں اپنے نئے شہر اور مندروں کی تعمیر میں صرف کیا۔ دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۶۱۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعض مندر اس کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہے ہوں گے۔ کیونکہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳ دیز نوٹ نمبر ۸ ن ۵ کتاب ہذا میں سنگرام راج کے عہد میں جس نے ۱۰۰۳ء سے ۱۰۲۸ء تک حکومت کی تھی پرہاس پور کے پریشدیوں یا پروہتوں کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے گویا وہ کوئی بڑی با اثر جماعت ہو۔ راجہ ہرش کے زمانہ میں پرہاس پور میں بدھ کی بہت بڑی مورتی کا ذکر ان چند مقدس مورتیوں کے دوران میں آتا ہے جسے اس راجہ نے چھوڑ دیا اور پگھلایا نہ تھا دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۰۹۷۔ لہٰذا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مورتی تھی جس کا ذکر ترنگ ۴ کے شلوک ۲ میں راج وہار کے ضمن میں آتا ہے۔

اس کے بعد راجہ ہرش اور دعویدار سلطنت اوچل میں جو جنگ چھڑا اس کے دوران میں آخرالذکر کے متعلق ہم پڑھتے ہیں کہ وہ پرہاس پور میں ٹھیر گیا۔ جس کی نسبت صحیح لفظوں میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ سطح مرتفع کی عمودی ڈھلوانوں اور گرداگرد پانی ہونے

کے باعث وہاں تک رسائی مشکل تھی (دیکھو نوٹ نمبر ۱۰ کتاب ہٰذا)۔ رات کے وقت اوچل نے ان احاطوں میں سے ایک (چتہ شالا) میں آرام کیا جب شاہی فوجیں پریہاس پور کو سر کر چکیں تو راج وہار کو جلا دیا گیا کیونکہ غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اوچل اس میں پناہ گزین ہے جیسا کہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۳۲۶ سے واضح ہوتا ہے بعد ازاں راجہ ہرش وشنو پریہاس کیشو کی چاندی کی بنی ہوئی مورتی وہاں سے اٹھوا لے گیا اور اسے تڑوا ڈالا نوٹ نمبر ۱۱۲ کتاب ہٰذا میں اس عجیب واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے جسے توہم پرست لوگ اس مورتی کے توڑے جانے سے منسوب کرتے ہیں۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۷۹ کے بموجب اس دیوتا کی نئی مورتی راجہ اوچل نے تخت پر قبضہ پانے کے بعد استھاپن کر دی تھی۔

دیگر مسلمان مؤرخ عموماً اور ابوالفضل خصوصاً پریہاس پور کے مندروں کی آخری تباہی کو سکندر بت شکن سے منسوب کرتا ہے جو ۱۳۸۹ء سے ۱۴۱۳ء تک حکمران رہا دیکھو آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ و کننگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۰۲۔ ابوالفضل ایک سنسکرت کتبہ کے متعلق جو اس موقع پر ملا تھا ایک عجیب قصہ درج کرتا ہے۔ بعد کی سنسکرت تاریخوں مثلاً سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۵۲۳ و شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۵۵۴ میں جہاں پریہاس پور کا نام آیا ہے اس جگہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ سارے علاقہ کے لئے جس کا جدید نام پرس پورہ ہے استعمال ہوا ہے۔

بحالت موجودہ بہت کم شہادت اس قسم کی موجود ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ پرس پور اُدر کے کھنڈرات کے جداگانہ حصص کی شناخت صحیح طور پر کیا ہے محفوظ ترین شناخت شاید گُردن کے نام سے ہوتی ہے جو بموجب تذکرہ بالا اس سطح مرتفع کے جنوب مشرقی حصہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ گُردن دراصل گوردھن کے نام کی جدید کشمیری صورت ہے اور آخر الذکر کی طرح گوردھن دہر کے لئے جو وشنو کا ایک نام ہے بطور اختصار استعمال ہوتی ہے۔ ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ للتادتیہ کے پایۂ

مندروں میں سے ایک وشنو گوردھن دھر کا مندر تھا - اس صورت میں یہ امر افلاطف معلوم ہوتا ہے کہ گوزدن کا مقامی نام جس کی اہل دور کے پاس کوئی توضیح موجود نہیں - بالواسطہ طور پر مندر ہی کے نام سے اخذ کیا گیا ہے - ان حالات میں آخر الذکر کی نسبت سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ جداگانہ کھنڈر "س" میں موجود ہے جو گرُدن اُدر کی چوٹی پر واقع ہے -

چونکہ پرس پور کے تمام کھنڈرات بے حد تباہی کی صورت میں پائے جاتے ہیں اس لئے جب تک بہت بڑی حد تک کھدائی وغیرہ کا کام نہ کیا جائے مختلف تعمیرات کی ابتدائی صورت سے متعلق آثار قدیم کی شہادت جمع کرنے کی توقع نہیں ہو سکتی - البتہ کھنڈر نمبر ب کے موجودہ آثار کی خاص صورت کی طرف توجہ دلائی جا سکتی ہے - اس جگہ ایک چوکور عمارت ایک کھلے صحن کے گرد موجود ہے اور دوسرے کھنڈرات کے خلاف اس میں کوئی مرکزی حجرہ موجود نہیں - اس کی یہ حالت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ یہاں کوئی وہار واقعہ ہوا کرتا ہوگا - اس سے یہ امر حد امکان میں ثابت ہوتا ہے کہ یہ آثار اس راج وہار کے ہیں جس کا ذکر مع اس کے صحن کے کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۲۰۰ میں کیا ہے -

نارائن کول اور محمد عظیم کی فارسی تاریخوں سے یہ دیکھنا واقعی عجیب ہے کہ پرس پور میں للتادیتہ کے مندروں کی عمارات کے متعلق ایک مقبول عام روایات ۱۸ ویں صدی کے ابتدائی حصہ تک لوگوں میں چلی آتی ہیں - للتادیتہ کے عہد حکومت کے حالات لکھتے ہوئے یہ مصنف آخر الذکر کے ان مندروں کا ذکر کرتے ہیں جو پرس پور میں واقع تھے اور جن کے کھنڈرات اس وقت باقی تھے - چنانچہ وہ خصوصیت سے ایک ۴۵ فٹ اونچے مینار کے ٹکڑوں کا ذکر کرتے ہیں - جو ان کے زمانہ تک بدستور نظر آتے تھے مقابلہ کے لئے دیکھو مرس صاحب کا اُنیسہ صفحہ ۲۴۹ - وگنی صاحب اپنی کتاب ٹریولز کے صفحہ ۲۷ پر ایک عجیب و غریب خیالی حساب کی بنا پر لکھتے ہیں کہ یہ گرڈ کا مینار رہے اور پانڈریٹھن (ایران اوہِشٹان) کے قریب ایک تراشا ہوا ٹکڑہ جو موجود ہے وہ اسی کا بڑا جزو ہے - جرنیل کننگھم

جنرل آف ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال ۱۸۴۷ء کے صفحہ ۲۲۴ پر درست طور سے وگنی جسٹس کے خیال پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے خود جو خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ اور وہ ٹکڑے جو چند سو گز کے فاصلہ تک پھیلے ہوئے ہیں ایک لنگ کے جو حقیقت میں بہت بڑا تھا شکستہ اجزا ہیں چنداں قابل صاد نہیں۔ اس سے پہلے ہم اس سنگین ستون کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جو بہت بلند ہے اور جس پر گرڑ کی نشانی درج ہے جس کا ذکر کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۹ میں گوردہن دہر وشنو کے مندر کے سلسلہ میں کیا ہے۔

یہ بات اب یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتی کہ فارسی تاریخوں میں کن آثار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ بالکل ممکن ہے کہ ۱۷۲۷ء میں محمد عظیم کی تحریر کے وقت تک کریوہ کی سطح مرتفع پر بڑی بڑی جسامت کے عمارتی آثار موجود تھے جنہیں اب عمارتی مصالحہ میں استعمال کر لیا گیا ہے یا ممکن ہے اس نے یا اسے اطلاع دینے والوں نے پتھر کے اس بڑے سے ٹکڑے کو جو اب تک بڑے سے کھنڈرات کے ٹیلہ الف کی چوٹی پر پڑا ہے کلہن کے تذکرہ گرڑ مینار سے منسوب کر لیا ہو۔

خواہ کچھ بھی ہو یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی ہے کہ پرس پور کے کھنڈرات جن کے متعلق اب کسی قسم کی روایت کا پتہ نہیں چلتا۔ انہیں نسبتاً زمانہ حال تک للتادیتہ کی عمارات سے منسوب کیا جاتا تھا۔

نوسٹ نمبر ۸

ڈامر

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۴۰ کتاب ۱)

اس کتاب میں ڈامر کا لفظ بہت جگہ آیا ہے اور جن لوگوں کی نسبت آیا ہے وہ اس کے

آخری حصہ میں ایک بہت بڑا حصہ لیتے ہیں ۔ اس صورت میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارہ میں اس قدر پورے طور سے تحقیق کی جائے جتنا اس مصالحہ کی مدد سے جو ہمیں حاصل ہے ممکن ہو سکتا ہے ۔ لفظ ڈامر جن معنوں میں راج ترنگنی اور بعد کی تاریخوں میں استعمال ہوا ہے ان میں اس کا استعمال اب تک حدود کشمیر کے باہر کہیں معلوم نہیں ہو سکا نہ تو کلہن نے اور نہ اس کے بعد کے مورخوں نے اس لفظ کی تشریح ضروری خیال کی ہے اس حالت میں یہ امر چنداں باعث استعجاب نہیں کہ اب تک مترجموں نے اس لفظ کی پوری اہمیت کو نہ سمجھا تھا۔

ولسن صاحب نے اس پہلے شلوک کے سمجھنے میں کسی قدر غلطی نکال کر جس میں یہ لفظ آیا ہے یہ رائے قایم کر لی تھی کہ ڈامر ایک تند ناقابل مطیع قبیلہ تھا جو کشمیر کے شمال کی طرف کے پہاڑوں میں آباد تھا ۔ یہی باعث تھا کہ انہوں نے اپنے "ایسے" کے صفحہ ۷۰ و ۱ پر ان کا ذکر کرتے ہوئے ان حملوں اور دخل کا ذکر کیا تھا جو اس قبیلہ نے کشمیر میں حاصل کیا ۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ اگر اس فاضل شخص کی رسائی آخری دو ترنگوں تک ہوتی تو پھر بھی وہ یہی رائے قایم کرتا یا یہ کہ پچھلی چھ ترنگوں کا اس کا لکھا ہوا مضمون کم نقائص رکھتا ۔ لیکن بدقسمتی سے اس کے بعد جن لوگوں نے راج ترنگنی کا ترجمہ کیا ان سب نے اسی کے خیال کو درست سمجھا ۔ دیکھو ٹرایر صاحب کا نوٹ جلد ۲ صفحہ ۴۲۹ ۔ لیسن صاحب کی کتاب انڈش آلٹرٹمسکنڈ جلد ۳ ۔ صفحہ ۱۰۲۰ ۔ ۱۰۵۵ ۔ ۱۰۶۵ اخود سٹاین صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں اصل سنسکرت کتاب کو تالیف کر رہا تھا تو مجھ پر بھی اسی خیال کا اثر پڑا تھا ۔ لیکن بعد میں جو تحقیقات کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ اس جگہ ڈامر کا لفظ اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوا ہے ۔

اس لفظ کے سمجھنے میں جو دقتیں پیش آئیں وہ سینٹ پیٹرسبرگ ڈکشنری کے مصنفوں کی نظر سے بھی بچی تھیں ۔ کیونکہ انہوں نے اس لفظ کا ذکر کرتے ہوئے

لکھا تھا کہ ابتدا میں اس لفظ کے معنی زیادہ عام طور پر باغی - فسادی وغیرہ کے ہونگے لیکن اس لفظ کا صحیح مطلب اس مختصر ختم کردہ نوٹ میں ظاہر کر دیا گیا تھا جس میں پروفیسر ایچ - کرن - کے اس خیال کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے معنی بوجر یعنی مال گذار اراضی دار یا بیرن کے ہیں -

کلہن نے جا بجا جن بے شمار شلوکوں میں ڈامر کا لفظ استعمال کیا ہے - انہیں نگاہ غور سے دیکھا جائے تو یہ امر بدیہی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ اصل مطلب اس لفظ سے یہی ہے - لیکن ان سب میں سے اس جگہ صرف انہی پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جن سے مخصوص شہادت حاصل ہو سکے - اس لحاظ سے یہ بات ایک خاص دلچسپی رکھتی ہے کہ اول مرتبہ اسے ترنگ ۴ کے شلوک ۳۴۸ میں استعمال کیا گیا ہے -

کلہن نے للتادتیہ کی زبانی جن انتظامی مقولوں کا عجیب وغریب اظہار کروایا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ راجہ اپنے جانشینوں کو اس بات سے متنبہ کرتا ہے کہ وہ کاشتکاروں کے پاس اس سے زیادہ زمین نہ رہنے دیں جتنا ان کے خالص گذارہ کے لئے کافی ہو - اس سخت حکم کے لئے وجہ یہ دی گئی ہے کہ "اگر ان کے پاس دولت زیادہ رہے گی تو وہ ایک ہی سال میں بڑے خوفناک ڈامر بن جائیں گے اور اس قدر طاقت حاصل کر لیں گے کہ راجہ کا فرمان تک نہ مانیں گے" اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ نے جس خطرہ سے متنبہ کیا ہے وہ اس مطلب کا نہ تھا کہ کشمیری مزارعین دفعتاً تند پہاڑی لوگ بن سکتے تھے - منشا در اصل صرف اتنا جتلانے سے ہے کہ اس سے ان میں ایک با اثر خوشحال اراضی دار جماعت نمودار ہونے کا اندیشہ ہے جو ممکن ہے طاقتور دیہاتی امرا بن جائیں - جن سے وہ اپنے جانشینوں کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے -

ترنگ ۵ کے شلوک ۰۴۴ میں راجہ اونتی ورمن کے بھوتیشور کے مندر کی طرف جانے کا جو قصہ مذکور ہے اس میں بھی بلاشبہ اسی وقت جماعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جب وہ مندر کے پجاریوں سے مندر کی بظاہر محتاجی کی حالت کا باعث دریافت کرتا ہے تو وہ اسے دھنو نامی علاقہ لہر کے ایک زبردست ڈامر سے منسوب کرتے ہیں جس نے ان گاؤں پر قبضہ کر لیا ہے۔ مندر کے اوقاف میں داخل تھے دھنو کو غیر محدود مقامی اہمیت راجہ کے باا ثر وزیر شور کی وجہ سے حاصل تھی اس لئے اسے گھڑی گھڑی طلب کیا جاتا ہے تو وہ پھر بھی حاضر نہیں ہوتا۔ آخر کار جب وہ مناسب سزا پانے کے لئے پیش ہوتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ہمراہی بہت سے مسلح آدمی ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ کلہن ہمارے روبرو کسی لوٹ مار کرنے والے پہاڑی فرمانروا کا ذکر نہیں کرتا بلکہ زمین پر قبضہ کرنے والی اس زبردست جماعت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اسکے عہد حکومت میں رہی سہی شاہی طاقت کو زائل کرتی نظر آتی تھی۔

ترنگ ۵ کے شلوک ۲۰۷ اور اس کے بعد کے شلوکوں میں ڈامر سنگرام راج کا جو قصہ مذکور ہے اس سے اس عمل کی پورے طور پر توضیح ہوتی ہے۔ جس سے ڈامر کمزور راجاؤں کے طویل عہد حکومت اور اندرونی فسادات کے زمانہ میں سلطنت کے اندر ایک نہایت طاقت ور عنصر بن گئے۔ جب باغی تنتریوں کے ہاتھوں راجہ چکر ورمن کو سنہ ۹۳۵ء میں دوبارہ دارالسلطنت سے فرار ہونا پڑا تو اس نے سنگرام نامی ایک باا ثر ڈامر کے ہاں جو مدور اجیہ کا رہنے والا تھا پناہ لی تھی۔ ایک پختہ معاہدہ کے بعد ڈامر معزول راجہ کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔ اور اپنی جماعت کے بعض دیگر لوگوں کی مدد سے اسے دوبارہ تخت نشین کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس وقت تنتریوں کی بیخ کنی کی گئی اور ڈامر جنہیں ترنگ ۵ کے شلوک ۲۹۵ میں سامنت

(باجگذار) لکھا گیا ہے باثر بن گئے۔ لیکن ترنگ ۵ کے شلوک ۴۰۵ کے بموجب تھوڑی مدت بعد چکر ورمن نے جب کچھ ناشکرا پن ظاہر کیا تو ڈامروں نے سازش کر کے اسے قتل کر ڈالا۔

اس کے بعد ترنگ ۵ کے باقی حصہ اور ترنگ ۶ میں ڈامروں کا بہت ہی کم ذکر آتا ہے۔ لیکن راجہ یشسکر کی تخت نشینی اور رانی دِدا کے عہد حکومت میں بھی جب کہ ملک میں شاہی اثر بظاہر پختہ معلوم ہوتا تھا۔ بعض واقعات اس قسم کے نظر آجاتے ہیں جن سے ان کے بڑھتے ہوئے اثر کا پتہ چلتا ہے۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۴۸۷ اور ترنگ ۶ کے شلوک ۳۵۴ میں انمتاونتی اور دِدا کے زمانہ میں اس کامیابی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے جو شاہی کمانیروں کو ڈامروں پر تشدد کرنے میں حاصل ہوئی تھی۔

لیکن ڈامروں کے پورے طور سے با اختیار ہونے کا ذکر وضاحت کے ساتھ اسی وقت آتا ہے جب سنہ ۱۰۰۳ء میں خاندان لوہر کے راجہ تخت نشین ہوئے سنہ ۱۱۰۲ء سے سنہ ۱۱۸۹ء تک یا یوں کہو کہ سنگرام راج سے لیکر آنکرش کے زمانہ تک کمزور راجاؤں کے طویل عہد حکومت میں بظاہر ڈامر ایک نیم آزاد باجگذار اراضی داروں کی حیثیت میں اپنا اقتدار کامل طور سے حاصل کر چکے تھے۔ جیسا کہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۴۔ ۱۶۷۔ ۲۵۷۔ ۷۶۵ و ۹۱۴ سے معلوم ہوتا ہے۔ ڈامروں نے کئی موقعوں پر دعویداران سلطنت کھڑے کر دیئے اور کبھی باپ اور کبھی بیٹے کی طرف داری کر کے اننت دیو اور کلش میں خوب ہی لڑائیاں جھگڑے پیدا کرا دئیے۔ اسی ترنگ کے شلوک ۲۲۳ ۲۲۴ - ۵۷۶ - ۵۷۹ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہی فوجوں کے کمانیر ایک سے زیادہ مرتبہ باقاعدہ مہم لے کر ان مختلف اضلاع کے سرداروں پر چڑھائی کر گئے ان فسادات کے دوران میں اتفاق سے کلہن نے ایک ڈامر کا قصہ بیان کیا ہے

جس سے اس جماعت کی ابتدا اور ترقی کے بارہ میں دلچسپ روشنی پڑتی ہے دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۹۴۸ موضع بیلیہ پد میں جسکا نام سلی پور ہے اور جو دہنتس میں واقع ہے - ایک اراضی دار کے ہوشیار بیٹے جیک نے اپنے آپ کو ایک ڈامر کے درجہ تک پہنچا دیا تھا - اپنی زمینوں کی مال گذاری اور ممالک بعید میں اجناس خوردنی کی برآمد کے ذریعہ اس نے غیر معمولی دولت جمع کر لی اور اسے اس نے اس طرح محفوظ رکھا کہ سکوں کو زمین کے اندر دبا دیا - آخر کار جب کہ وہ مسلح فوج کی مدد سے بھانگل کے نواحی علاقہ میں کچھ ملک اپنے قبضہ میں لانا چاہتا تھا مارا گیا - راجہ کلش نے اس دفینہ پر قبضہ کر لیا اور یہ اتنا زیادہ ثابت ہوا کہ کلش کی مالی مشکلات دور ہو گئیں - اس قصہ سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ ڈامر کا درجہ حاصل کرنا کسی فرقہ یا قبیلہ تک محدود نہ تھا اور اس سے ان وسایل کا بھی اظہار ہوتا ہے جکی بدولت براہ راست موروثیت کے علاوہ اس درجہ کو حاصل کیا جا سکتا تھا -

کلش کے زمانہ کے ایک اور واقعہ سے اس بارہ میں واقفیت حاصل ہوتی ہے کہ بعض اوقات ڈامروں کے قبضہ میں اس قسم کے مضبوط قلعے ہوتے تھے جن میں ہمارے علاقہ کے لوگ محفوظ ہو سکتے تھے -

لکن چندر نامی ایک ڈامر کے قبضہ میں وگدہ گھاٹ کا قلعہ تھا - جس کے ذریعہ علاقہ دردو کے اس پرانے راستہ کی محافظت کی جاتی تھی جس کی موجودہ صورت درہ دوکھٹ ہے (دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۷۱) اسے راجہ اننت کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ نے پہاڑی قلعہ راجہ کلش کو دینا چاہا - جس کی وجہ بعد کے قصہ کے مطابق یہ تھی کہ وہ نواحی علاقہ کو دردوں کے حملے سے زیادہ محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن راجہ کلش نے اس قلعہ کو لینے سے انکار کر دیا -

اس پر وہ قلعہ دردو راجہ کے ہاتھ آ گیا اور اس سے راجہ ہرش نے اسے دہبانہ نواحی ڈامروں کی مدد سے حاصل کرنے کی بے سود کوشش کی - اس جگہ جو حالات

مذکور ہیں۔ ان سے اس نتیجہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ عملی طور پر ان صورتوں میں جب کہ مرکزی حکمران دوبارہ قبضہ کرنے کے سلسلہ میں اپنے استحقاق کو جتلانے کے ناقابل ہو یا ایسا کرنا نہ چاہتا ہو قلعے اور زمینیں ان اراضی داروں کے خاندانوں میں موروثی مقبوضات بن جاتے تھے۔

ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۲۷ یا راجہ ہرش کے عہد میں ڈامروں پر جبر و تشدد کا جو ذکر پڑھنے میں آتا ہے اس کا موجب شاید یہی ہو کہ وہ ڈامروں کی ملکیت پر دوبارہ اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہو۔ اس جنگ استیصال کا ذکر کرتے ہوئے جس کے ذریعہ ہرش نے وادی کے مشرقی حصہ کو طاقت ور ڈامروں سے خالی کرنے کی کوشش کی تھی کلہن نے بلا امتیاز لفظ لونیہ بھی انہی کے لئے استعمال کیا ہے جب ہم ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۲۸ کا مقابلہ ۱۲۲۹ - ۱۲۳۶ کا ۱۲۳۷ و نیز ۱۲۵۴ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۲۷ کا ۱۰۹۱ و ۱۱۲۷ اور ۲۰۰۹ کا ۲۰۱۲ سے کرتے ہیں تو یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے۔

اس مشترکہ استعمال کا باعث معلوم کرنا چنداں مشکل نہیں۔ جیسا کہ نوٹ نمبر ۵۹۸ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے۔ لونیہ ایک قبیلہ کا نام ہے اور اب تک لونی نامی گراں میں کشمیر کے کثیر التعداد مزارعین کے لئے استعمال ہوتا ہے جن شلوکوں کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ان میں کلہن نے جس ڈھنگ پر اس لفظ کو استعمال کیا ہے و نیز مختلف دیگر شلوکوں سے واضح ہوتا ہے کہ ڈامروں کی بہت بڑی تعداد اسی قبیلہ سے تعلق رکھا کرتی تھی۔ اگر ایسا ہو تو ان دونوں لفظوں کا ملا جلا استعمال ایک معمولی بات رہ جاتا ہے اس کی نظیر اس طرح پر ملتی ہے کہ مغربی پنجاب میں تمام دوکان دار کھتری اور تمام انگریزی دان محرر بابو کہلاتے ہیں۔ مسٹر جے۔ ایم۔ ڈوی اپنے ضلع کرنال کے گزیٹر میں صفحہ ۲ پر اس قسم کی ایک عجیب مثال درج کرتے ہیں جو یہ ہے کہ دہلی کے گرد اضلاع پنجاب میں اب تک دیہاتی لوگ دیسی اہل کاروں کو ترک کہا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رواج

عہد مغلیہ سے شروع ہوا ہوگا - غرض اسی قسم کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں -
ہرش نے ڈامروں کو دبانے کے لئے جو کوشش کی ان کا نتیجہ الٹ پیدا ہوا
ڈامروں نے تنگ آکر پناہ گزین راج کماروں اچل اور سسل سے سازش کی اور
ترنگ ۸ کے شلوک ۴۷۳ کے بموجب کامیاب بغاوت کر کے ہرش کی حکومت اور
زندگی کا خاتمہ کر دیا - اس انقلاب کے بعد جن راجاؤں نے حکومت کی ان میں زیادہ تر
ڈامروں کے آپس کے اور راجہ کے ساتھ لڑائی جھگڑوں ہی کا ذکر پایا جاتا ہے
اس جگہ آکر کلہن ان مقامی سرداروں کو دسیو یعنی لیٹرے کے مخصوص لیکن چنداں
ناقابل فخر لفظ سے مخاطب کرتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے مضافات دار السلطنت
اور ان مقامات کے علاوہ جہاں فوجیں تھیں - ملک کے تمام حصوں کو غصب کر لیا تھا - اس
صورت میں راجہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ ان کے ایک فریق کو دوسرے سے
بھڑوا دیں یا کسی ایک یا دوسرے ڈامر خاندان کی مدد سے اپنی پوزیشن کو مستحکم بنائیں
دیکھو ترنگ ۸ - شلوک ۱۵ - ۵۸۸ - ۷۵۱ - ۸۰۱ وغیرہ -
اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ڈامروں کے لئے دسیو یا لیٹرے کا
لفظ اس لئے بھی واجب الاستعمال معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تشدد سے واقع میں تجارت
اور کاشتکاری کو سخت نقصان پہنچا تھا - بوقت ضرورت وہ لوٹ مار میں خوب ہوشیاری
سے کام لیتے تھے اس کی تصدیق ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۷۲ - ترنگ ۸ کے شلوک ۴۷۵
۸۱۶ - ۱۱۵۷ اور ۱۲۱۵ وغیرہ کو دیکھنے سے ہوتی ہے - آگے چل کر یہ لوگ یہاں
تک اقتدار حاصل کر لیتے ہیں کہ لہر (لار) کا خاص مالک گرگ چندر حقیقت میں بادشاہ
گر بن جاتا ہے - آخر کار جب سسل کا اس سے بگاڑ ہو گیا تو وہ اس ڈامر کو صرف
اسی طریقہ پر مطیع کر سکا کہ اس کے قلعوں کے محاصرے کرتا رہا - اور اس کے خلاف
ترنگ ۸ کے شلوک ۵۱۴ و ۸۸۸ کے بموجب ایک زبردست غنیم کھڑا کر دیا - بعد میں

پرتھوی ہر اور اس کے بیٹوں - شمالا (اہمل) کے ڈامروں - دیوسرس (دوسرا کے
تک - لہر کے مل کوشٹھک - کھوئی آشرم (کھوئی ہوم) کے ناگ اور دوسروں نے بھی ویسا
ہی اقتدار حاصل کیا -

ان تمام فسادات کے دوران میں کلہن کی تحریر ڈامروں کے اقتدار کی مقامی رنگت
کو نمایاں کرتی ہے جن اضلاع سے وہ تعلق رکھتے تھے ان کا ذکر باقاعدہ طور پر کیا گیا
ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر صورت میں وہ وادی کے زرخیز زیرکاشت علاقوں ہی کے
رہنے والے تھے - چنانچہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۳۱ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۴۲۴ و
۳۱۱۵ میں بیلاشو ترنگ ۸ کے شلوک ۷۳۳ - ۱۴۳۰ - ۳۱۱۵ میں ہولدا - ترنگ ۷ کے
۱۰۲۲ میں سمالا اور ایسے ہی ترنگ ۸ کے شلوک ۵۹۱ - ۱۵۱۷ - ۲۷۴۹ وغیرہ میں دیگر مقامات
کے ڈامروں کا ذکر پاتے ہیں - فی الحقیقت یہی مقامات اس قسم کے تھے جن میں اس وضع
کے ملکیت دار سرداروں کی بہت بڑی جماعت کا گذارہ ہو سکتا تھا - ترنگ ۷ کے
شلوک ۴۵۴ - اور نوٹ نمبر ۵۲، کتاب ہذا میں ان کے مقامات لولُبش (لاپولیش) کا ذکر
کیا گیا ہے جو بظاہر مضبوط قابل محافظت مقام تھے -

معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اہلکاروں اور برہمنوں کی طرح کلہن بھی اس چھوٹے درجہ کے
امرا کی جماعت سے سخت متنفر ہوگا اور وہ اس بارہ میں اپنے خیالات کو چھپانا ضروری
نہیں سمجھتا - ترنگ ۸ کے شلوک ۷۵۶ - ۱۵۳۵ اور ۱۵۴۵ میں وہ ان کی گنوارانہ عادات
اور بحالت اقتدار ان کی نمائشی فضول خرچی کا ذکر کرتا ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۷۰۹ میں
اس نے شہری زندگی کا جو مزیدار خاکہ کھینچا ہے - اس نے اس جماعت کے چھوٹے درجہ کے
لوگ بھی دکھلائے ہیں یعنی وہ ڈامر جو مضافات شہر سے تعلق رکھتے ہیں اور گو ان کے
پاس ہتھیار ہوتے ہیں تاہم وہ زیادہ تر کاشتکاروں سے مشابہ ہوتے ہیں -

ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲۴ میں جہاں وہ ڈامر کوشٹھک کی بیوی کی تعریف کرتا ہے

جو اپنے شوہر کے مہلک زخمی ہونے پر ستی ہو گئی تھی وہ اس کا مقابلہ ایک معمولی ڈامر عورت سے بھی گذرتا ہے جو بیوگی میں اپنے چال چلن کی چنداں احتیاط نہیں کرتی ۔ کلہن صاف طور پر کو تشھک کی بیوی کے غیر معمولی چال چلن کو اس بات سے منسوب کرتا ہے کہ وہ راجپوت خاندان سے تھی اس شادی کا ذکر بہت کچھ معنی خیز ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ابتدا میں لوینوں کی ذات چنداں گھٹیا نہ ہوگی یا ان کے دولت اور عروج حاصل کرتے وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تمدنی اہمیت بھی تدریجاً بڑھتی گئی ہوگی جو اکثر ہندوستانی ذاتوں کی موجودہ تاریخ کی ایک خصوصیت ہے ۔ اس بارہ میں پنجاب کے میدانوں کے جاٹوں کی حالت ایک دلچسپ نظیر ہے ابتدا میں یہ لوگ ادنے درجہ کے کاشت کار ہوا کرتے تھے ۔ لیکن سکھوں کے عروج کے زمانہ میں ان میں سے ایک با اقتدار امیروں کا فرقہ پیدا ہو گیا جس کے اکثر رکن آج کل بعض ریاست ہائے پنجاب کے حکمران ہیں ۔

سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ ان جاٹ راجاؤں میں سے ایک کسی شریف لیکن غریب گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا گو اس میں شک نہیں کہ کوہستان پنجاب کے اکثر مغرور راجپوت اس جوڑ کو پسند نہ کرتے تھے جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۴۵۶ و ۲۹۵۳ سے واضح ہوتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ڈامروں کی لڑکیوں کی شادیاں شاہی خاندان میں ہونے لگی تھیں ۔

سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کی تاریخ میں اس قسم کا مصالحہ کافی مل سکتا ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ اس کے زمانہ میں ڈامروں کی سیاسی طاقت اور تمدنی اہمیت کیا کچھ تھی ۔ لیکن یہ کہیں واضح نہیں کیا گیا کہ وہ جائیداد غیر منقولہ جو ان کی اہمیت کی بنا تھی کن حالات میں حاصل کرتے

اور اپنے قبضہ میں رکھتے تھے اگرہم ان کی حالتوں کا مقابلہ ان حالت سے کریں جا جکل ہندوستان کے دیگر اضلاع میں پائے جاتے ہیں جہاں اسامی دار امرا کی ایک ویسی ہی جماعت موجود ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس سسٹم کی ابتدا فوجی یا دیگر خدمات کے معاوضہ میں زمین ملنے سے ہوگئی ہوگی۔ لیکن اس بارہ میں چونکہ اور کچھ بھی مذکور نہیں اس لیئے ہمارا خیال محض قیاس کے درجہ تک ہی محدود رہتا ہے ۔ تاہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ماگنڈلادی ۔ افسران وغیرہ کے متعلق ڈامروں کے اپنے راجہ یا کرزارئین کے ساتھ کس قسم کے تعلقات ہوا کرتے تھے ۔

بعد کی تاریخوں میں ڈامروں کے حوالے نسبتاً کم آتے ہیں اور ان سے چنداں مزید واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی ۔

اکثر حالتوں مثلاً جو نراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۹۶ - ۴۶۶ سرپور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۲۹۷ - ۴۱۴ - ۵۹۵ - ۶۰۶ وغیرہ اور شک اور پرجابھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۳۹ - ۴۴ - ۵۳ - اور بعد میں یہ لفظ بطور ایک خطاب کے استعمال ہوا ہے جو مقامی ہندو یا مسلمان امرا کے لیئے برتا جاتا رہا ہے لیکن اس کے استعمال سے اس معاملہ پر کچھ روشنی نہیں پڑتی کہ ان کی پوزیشن یا ان کا درجہ کیا ہوتا تھا ۔ چونکہ عہد مغلیہ سے پہلے ملک کی سیاسی حالت میں کسی خاص تبدیلی کا واقع ہونا نظر نہیں آتا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان سلاطین کے عہد میں بھی ڈامروں کا فرقہ پورے طور پر باثر رہا ۔ لیکن یہ بیان کرنا مشکل ہے کہ اس زمانہ میں لفظ ڈامر کا استعمال ایک متروک لفظ کے دہرانے سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا ۔ بہر نوع یہ امر یقینی ہے کہ سولھویں صدی کے پنڈت بھی اس کے حقیقی معنی کو بخوبی سمجھتے ہوں گے ۔

تواریخ کشمیر کے علاوہ صرف کشمیندر کی سمے ماترکا اور لوک پرکاش ہے دو

ایسی کتابیں ہیں جن میں ڈامر کا لفظ مذکورہ بالا معنوں میں استعمال ہوا ہے کشمیندر اپنی سمے ماتریکا کے کانڈ ۲ شلوک ۱۲ میں کنکالی نامی فاحشہ عورت کے واقعات زندگی کا ذکر کرتا ہوا جسے اس کی اس عجیب نظم کی ایک ہیروئن سمجھنا چاہیئے۔ اس کا تھوڑی مدت تک ڈامر سمر سنگہ کے گھر میں رہنا بیان کرتا ہے جو پرتاپ پور (موجودہ تاپر) میں رہتا تھا۔ ہرچند کہ یہ بیان بالکل مختصر ہے تاہم اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کشمیندر اس ڈامر کے گھر کو آرام و افراط کی جگہ ظاہر کرنا چاہتا ہے اور بتیم سین کی طرح وہ ڈامر خود بھی جوشیلا جھگڑالو اور اچھی باتوں کا خواہش مند ہے۔ کشمیندر چونکہ راجہ اننت اور کلش کے زمانہ میں ہو گذرا ہے اس لئے یقیناً اسے اس کیرکٹر کی تیاری کے لئے بہت سے زندہ نمونے مل گئے ہوں گے۔ اس نے اس ڈامر کا جو نام رکھا ہے وہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ کیونکہ سمر سنگہ کے معنی "شیر میدان جنگ" کے ہوتے ہیں۔ لوک پرکاش میں یہ لفظ محض ایک فہرست میں آیا ہے جس میں مختلف سرکاری عہدے درج ہیں اور اس پر کسی قسم کی رائے زنی نہیں کیگئی۔ دیکھو ویبر صاحب کی کتاب انڈش سٹوڈین جلد ۱۸ صفحہ ۳۰۷

نوٹ نمبر ۹

لفظ دینار کے معنی اور کشمیری سکوں کے بیان میں

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۳۰۶ کتاب نمبر ۱)

راج ترنگنی کے بے شمار شلوکوں میں جہاں صحیح اعداد میں اجناس کی قیمتیں اور تنخواہوں وغیرہ کی رقوم کا ذکر آیا ہے یا کسی اور طریقہ پر اُن کی نقدی کے طریق اور چلن پر بحث کی گئی ہے اس قسم کا مصالح بافراط موجود ہے جس سے ہم کشمیر

کی مالی اور سکوں کی تاریخ سے واقف ہوسکیں - لیکن ان شلوکوں کی شہادت اس وقت تک چنداں مفید ثابت نہیں ہوسکتی جب تک اس طریق نقدی اور سکوں کے حساب کی نوعیت کو قایم نہ کر دیا جائے جس سے ان کا تعلق ہے

سب سے پہلے اس بارہ میں جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ لفظ دینار کے متعلق ہے جس کا ذکر جابجا آتا ہے یا کلہن کے مالی بیانات میں مخفی ہے یہ لفظ بلا شبہ مغرب کے لفظ ڈینیریئس سے لیا گیا ہے اور سنسکرت کی لغاتوں میں اس کے معنی طلائی سکہ کے آئے ہیں - لیکن راج ترنگنی میں جا بجا دیناروں کی جو رقوم بیان کی گئی ہیں - ان کے لئے اس لفظ کو انہی معنوں میں لینا قبل ازیں ڈاکٹر ولسن کو ناممکن معلوم ہو چکا تھا اور وہ اس کا ذکر اپنے ایسے " صفحہ ۵۸ و ۶۲ پر کر چکے ہیں - چونکہ دو شلوکوں میں اتنی بڑی بڑی رقوم درج ہیں کہ اگر سمجھ لیا جائے دینار سونے کا ہوتا تھا تو وہ ناقابل اعتبار معلوم ہونے لگتی ہیں اس لئے ڈاکٹر صاحب موصوف نے خیال ظاہر کیا تھا کہ دینار شاید تانبہ کا ہوا کرتا ہوگا - لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعد کے مترجموں میں سے کسی نے بھی ولسن صاحب کے اس اشارہ کی طرف توجہ نہیں دی اور نہ اس مضمون پر غور کیا ہے صرف اتنا دیکھنے میں آتا ہے کہ ٹرائیر صاحب نے جلد ا کے صفحہ ۵۲۸ پر چاولوں کی اس قیمت کے بارہ میں جو ترنگ ۵ کے شلوک ۱۷ میں مذکور ہے - ولسن صاحب کی رائے کا اظہار کیا ہے - لیسن صاحب اپنی تصنیف کی جلد ۳ صفحہ ۱۰۰۹ نیز ایک درباری شاعر کو ایک لاکھ طلائی سکے روزانہ دیئے جانے کو " ایک بے جا مبالغہ " لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں - بابو جوگیش چندر دت نے بھی اپنے ترجمہ میں اس معاملہ پر بالکل توجہ نہیں دی -

کلہن نے جن جن شلوکوں میں دیناروں کا ذکر کیا ہے - ان پر نگاہ غایر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان شلوکوں کو دو عنوانوں پر منقسم کیا جا سکتا ہے یعنی ایک تو وہ جن میں دیناروں کا ذکر معمولی طریق پر آیا ہے اور کوئی خاص رقم یا مقدار نہیں جتلائی گئی مثلاً

ترنگ ۳ شلوک ۱۰۳ ۔ ترنگ ۵ شلوک ۴۴ ۔ ۸۷ ۔ ۸۹ ۔ ۱۰۸ ترنگ ۷ شلوک ۴۰۷ ۔ ۵۰۰ ۔ ۹۵۰ ۔ ترنگ ۸ شلوک ۱۵۱ ۔ ۸۸۳ ۔ ۳۵ ۳۲۳ اور دوسرے وہ جن میں لفظ دینار کے ساتھ رقوم بھی مندرج ہیں اور ویسی صورتوں میں سوائے نادر مستثنیات کے رقوم سینکڑوں ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں کے اعداد میں دی گئی ہیں ۔ دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۴۹۵ ۔ ۶۱۷ ۔ ۶۹۸ ۔ ترنگ ۵ ۔ شلوک ۷۱ ۔ ۱۱۶ ۔ ۲۰۵ ۔ ترنگ ۶ شلوک ۳۸ ۔ ترنگ ۷ شلوک ۱۶۳ ۱۱۱۸ ۔ ۱۲۲۰ ترنگ ۸ شلوک ۱۲۴ ۔ ۱۹۱۸ ۔ اس بات کی توضیح کہ اول الذکر صورت میں لفظ دینار عام معنوں میں "سکہ" یا "نقدی" کے لئے استعمال ہوا ہے ۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۹۵۰ سے ہوجاتی ہے ۔ جہاں راجہ ہرش کے زمانہ میں سونے چاندی اور تانبہ کے دیناروں کا ذکر آتا ہے ۔ اس جگہ صاف طور پر دینار کا لفظ مدرا یا سکے کے معنوں میں آیا ہے جیسا کہ ونادی کوش میں مذکور ہے ۔

قسم ثانی کے شلوکوں کے بارہ میں یہ کہ ان کی نسبت ہمارے پاس ایک مشہور اور واقف کار ٹیکاکار کی شہادت موجود ہے ۔ ترنگ ۶ کے شلوک ۳۸ میں جہاں وہ لفظ ایک سو دینار کی توضیح کرتا ہے اس نے صاف طور پر لکھ دیا ہے ۔ کہ کشمیری زبان میں دینار کا لفظ دیار کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ آخرالذکر لفظ آج تک نقدی بالخصوص مسکوک زرنقد کے لئے استعمال ہوتا ہے پس اگر ہم ٹیکاکار کے بیان کو درست تسلیم کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ دینار کسی خاص سکہ کا نام نہیں ۔ بلکہ وہ ایک ایسا ہی عام لفظ ہے جیسے اردو میں نقدی یا انگریزی میں "کیش" "کرنسی" وغیرہ

اس تشریح کی تصدیق اس طرح پر ہوتی ہے کہ کثیر التعداد شلوکوں میں محض اعداد ہی بغیر لفظ دینار کے استعمال کے ویسے ہی آئے ہیں اور ان سے رقوم نقدی کے معنے لئے گئے ہیں ۔ اگر ہم ترنگ ۴ کے شلوک ۴۹۵ کا مقابلہ (جس میں سبھا پتی اور بھٹ کی روزانہ تنخواہ ایک لاکھ دینار مذکور ہے) ترنگ ۷ کے شلوک ۱۴۵ سے کریں

جہاں سہرپال شاہی کی تنخواہ محض "ڈیڑھ لاکھ" یومیہ درج ہے تو ہمیں بلا شبہ اسی نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ دونوں صورتوں میں مراد سکہ رائج الوقت سے ہے۔

راجہ اوچل کے عہد میں جمع کرانے والے تاجر کا جو قصہ مذکور ہے۔ اس سے بھی ویسی ہی اہم شہادت حاصل ہو سکتی ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۴ میں جمع کرائی ہوئی رقم ایک لاکھ دینار آتی ہے لیکن بعد میں جب وہ دغاباز ساہوکار ۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۹ میں ان رقوم کی تفصیل بیان کرنے لگتا ہے جن کے باعث وہ اصل رقم ختم ہو چکی تھی تو وہ محض اعداد کو سینکڑوں میں بیان کرتا جاتا ہے ان کے ساتھ دینار یا اسی قسم کا کوئی اور لفظ استعمال نہیں کرتا جس سے سکہ کی مالیت کا اندازہ ہو سکے۔

اس موقع پر ساہوکار نے حساب کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ ایک اور لحاظ سے بھی بہت کچھ نتیجہ خیز ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ جوتے اور چابک کی مرمت ۔ بیمار بچہ کے لئے شہد اور ادرک کی خرید ۔ شکستہ ہانڈیوں کے ایک بار اور ایسی ہی اور ادنےٰ چیزوں پر ایک دو یا تین سو کی رقوم حساب میں لگائی گئی ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ سکہ رائج الوقت جس کی طرف اشارہ ہے بہت ہی کم قیمت کا ہوا کرتا ہوگا ۔ یہی نتیجہ ان شلوکوں سے نکلتا ہے جن میں کلہن کے زمانہ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور جن میں اگر رقم کی بنا سکہ رائج الوقت کی قیمت بہت کم ہونا تسلیم نہ کی جائے تو بے حد بڑی بڑی اور ناممکن رقمیں بن جاتی ہیں ۔ چنانچہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۴۵ میں جو ایک لاکھ ۵۰ ہزار اور ۸۰ ہزار دینار کے روزانہ وظیفہ کا ذکر آتا ہے اس کے علاوہ اسی ترنگ کے شلوک نمبر ۳ ۱۱ سے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دنادار ایکانگوں کو ۹۶ کروڑ کی رقم دی گئی ۔ اسی ترنگ کے شلوک ۱۸۸ میں ایک جواہر کی قیمت ۷ لاکھ دینار آتی ہے ۔ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ مالی تنگی تھی ایک منہ لگے درباری کا زر فدیہ ۹۶ لاکھ دینار ادا کیا گیا ۔

راج ترنگنی سے اس طرح پر جن شہادتوں کا پتہ چلتا ہے وہ بجائے خود اس قدر کافی نہیں ہیں کہ ان سے کشمیر کے قدیم طریق نقدی کا کوئی خاص مطلب سمجھ میں آسکے لیکن خوش قسمتی سے اس بارہ میں ہماری واقفیت کی تشریح اور اس میں اضافہ سکوں کی شہادت سے ہوتا ہے اور اس مختصر لیکن قابل قدر بیان سے بھی بہت کچھ مدد ملتی ہے جو ابو الفضل نے اکبر کے زمانہ میں کشمیر کی کرنسی کے بارہ میں چھوڑا ہے۔ اس نے اس زمانہ کی کرنسی کی کیفیت بدیں الفاظ لکھی ہے۔ "سب سا سنو ۹ ماشہ کا ایک چاندی کا سکہ ہوتا ہے۔ پنچو ہوتا ہے تکا اور ¼ دام کے برابر ہوتا ہے اور اسے کیرو کہتے ہیں۔ اس کا ¼ حصہ بارکانی اور اس کا بھی ¼ حصہ شکری کہلاتا ہے۔

۴ کسیرہ = ا ہت

۴۰ کسیرہ = ا سا سنو

۱½ سا سنو = ا سک

۱۰۰ سا سنو = { الکہ جو شاہی انداز کے بموجب ایک ہزار دام کے برابر ہوتا ہے۔

سطور بالا میں آئین اکبری کا جو خلاصہ دیا گیا ہے وہ پروفیسر بلوک مین کے اڈیشن جلد ثانی صفحہ ۵۶۴ سے لیا گیا ہے۔ کرنیل جیرٹ نے جو ترجمہ کیا ہے اس کی جلد ۲ کے صفحہ ۳۵۴ کی عبارت میں مذکورہ بالا اقتباس سے صرف اسی قدر فرق ہے کہ کشمیری سکہ کے ناموں میں کسی قدر اختلاف سے کام لیا گیا ہے اور ۱۰۰ سک کو الکہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ جس سے سارا حساب درہم برہم ہو جاتا ہے۔ کرنیل موصوف نے اپنے ترجمہ میں ایک جگہ "ہت" کے بجائے "آہت" لکھا ہے جس کا باعث یہ ہے کہ اصل کتاب میں جو فقرہ "کسیرہ را ہت گویند" موجود ہے اس میں "را" اور "ہت" کو ملا کر "راہت" سمجھ لیا ہے۔

اس جگہ یہ بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے عہد میں ۴۰ دام ایک روپے کے برابر ہوا کرتے تھے دیکھو پرنسپ صاحب کی کتاب یوزفل ٹیبلز مولفہ تامس صاحب صفحہ ۲۱ - نیز طامس صاحب کی کتاب پیٹھان کنگس آف دہلی صفحات ۴۰۷ و ۴۲۱ -

کیسرہ کا لفظ سکہ کی اصطلاح کی حیثیت میں اب کشمیر میں متروک ہے - پروفیسر بلوک مین کے ایڈیشن کے ایک شارح نے اسے ۱/۴ فلوس کے برابر قرار دیا ہے شاین صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا ہے مغربی پنجاب میں اب تک کیسرہ کا لفظ ۱/۴ پیسہ کے لئے استعمال ہوتا ہے - اس کے علاوہ معتبر طور پر معلوم ہوا ہے کہ ملتان اور اس کے نواحات میں بھی کیسرہ کا لفظ اب تک برتا جاتا ہے گو یہ معلوم نہیں کہ اس سے معنی کیا لئے جاتے ہیں -

کرنیل جیرٹ بارکانی کے بجائے لفظ باگنی لکھتے ہیں اس بات کا سہرا جرنیل کننگھم صاحب کے سر ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی اس حساب کو سمجھ کر کشمیری سکوں کے بارہ میں اس کے اثر پر اپنی کتاب کائینز آف مڈیول انڈیا میں پورے طور سے بحث کی - ہر چند کہ بعض سکوں کے نام ناقص طور پر لکھے ہوئے تھے تاہم انہوں نے ابوالفضل کے منشا کے مطابق انہیں سمجھ لیا - انہوں نے ہی ان سلسلوں کو تحقیق کیا جو اس سسٹم کو قدیم ہندو راجگان کشمیر کے مروجہ حساب سکہ جات سے جوڑتے ہیں -

بدقسمتی سے یہ کتاب ۱۸۹۴ء میں اس مشہور و معروف اور فاضل مصنف کے انتقال کے بعد شائع ہوئی تھی اور ظاہرا طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنی طویل زندگی کے سنین اواخر میں اسے لکھا تھا - اس بات کو جس کا ذکر کتاب کے نوٹ میں موجود ہے مد نظر رکھا جائے اور اس بات کو بھی سوچ لیا جائے کہ تاریخ کشمیر کے قدیم ماخذوں کے بارہ میں ان کی واقفیت بہت محدود تھی تو جرنیل کننگھم کا وہ

بیان جو انہوں نے کشمیر کے سکوں کی سسٹم کے بارہ میں صفحہ ۳۰ پہ درج کیا ہے ہر طرح قابل تعریف معلوم ہوتا ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن صورتوں میں جرنیل کننگھم کے پاس ناکافی شہادت اور کمزور دلائل موجود ہوا کرتے تھے ان میں بھی وہ اپنے قدرتی ذہن رسا اور وسیع تجربہ آثار العتادیہ کی مدد سے کسی مشکل مسئلہ کو صحیح طور پر حل کر دیا کرتے تھے

اس جگہ ان چند حوالوں پہ نظر ثانی کرنا بے سُود ثابت ہوگا جو جرنیل موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۳ پہ سکوں اور نقدی کے بارہ میں کلہن کی کیفیت کے متعلق دیئے ہیں ظاہر ہے کہ ان کے پاس جو اصل کتاب یا ترجمہ موجود تھا اس میں بعض نقائص موجود ہونے کے باعث وہ ان کی پوری اہمیت کی تہ کو نہیں پہنچ سکے ۔

غرض ان اور اسی قسم کے دیگر وجوہ سے جرنیل موصوف نے اس مضمون کی تشریح ایسے تسلی بخش طریق پہ نہیں کی جیسی کہ ان سے توقع ہو سکتی تھی ان کے نتائج کا جہاں تک ہماری تحقیقات سے تعلق ہے خلاصہ بیان کرتے ہوئے ہم صرف انہی امور کا ذکر کرنے پہ اکتفا کریں گے جو یقینی معلوم ہوتے ہیں ۔ البتہ اس قسم کی مزید شہادت پیش کیجائیگی جس سے ان کی نتائج کی تائید ہوتی ہے ۔

ابوالفضل نے پنچوہی ۔ ہت اور ساسنو یعنی ۱ : ۴ : ۴۰ میں جو عددی تناسب قائم کیا ہے اس سے یہ امر پایہ یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ جرنیل کننگھم صاحب ان اصطلاحات کو ۲۵ ۔ ۱۰۰ ۔ اور ۱۰۰۰ کے لئے جدید کشمیری الفاظ کے ساتھ منسوب کرنے میں حق بجانب تھے ۔ اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفضل کے ساسنو کو کشمیری لفظ ساس یعنی ہزار اور ہت کو کشمیری لفظ ہتہ یعنی ایک سو سے جو تعلق ہے اس کا اشارہ اس مختصر نوٹ میں دے دیا گیا ہے جو پنڈت رادھا کشن صاحب سابق گورنر جموں کی مہیا کردہ واقفیت کی بنا پہ لکھا گیا ہے ۔ لیکن شاین صاحب اس

بارہ میں اپنے یقین کا اظہار کرتے ہیں کہ جرنیل کننگھم نے عرصہ نصف صدی سے زاید تک کشمیری سکوں کا مطالعہ کیا تھا اور چونکہ وہ کشمیری زبان بھی جانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے نوٹ کی اشاعت سے بہت عرصہ پہلے ان الفاظ کے صحیح معنی معلوم کر لئے ہوں گے۔

ابو الفضل کی مراد دراصل کشمیری الفاظ پونتیشو ہتھہ۔ اور ساسُن سے ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہوگا یہ سب الفاظ اب تک سکوں کے ناموں کے طور پر عروج چلے آتے ہیں۔ پونتشو صاف طور پر پونتو سے اخذ کیا ہوا ہے جس کے معنی ۲۵ گنے ہیں اور جس کے لئے سنسکرت میں پنچ دنستی کا لفظ موجود ہے۔

ہتھ جس کے لئے سنسکرت میں لفظ ستت موجود ہے کشمیری زبان کے "سو" کے لئے معمولی لفظ سے مطابقت کہاتا ہے اور ساسُن صاف طور پر ساس یعنی ہزار سے نکلا ہوا ہے جس کے لئے سنسکرت میں لفظ سسہر آتا ہے۔ جرنیل کننگھم صاحب نے ابو الفضل کے لفظ پنچو ہو کے لئے پنچی لکھا ہے لیکن کشمیری زبان میں یہ صورت مروج نہیں۔ ابو الفضل کے مسودہ نمبر ش میں پونسو اور ساسن تلفظ کہا گیا ہے۔ چونکہ ایک پونتشو ½ دام کے برابر ہوتا ہے اس لئے ہت کا سکہ یا اس کی قیمت عہد اکبری کے ایک دام یا ½ روپیہ کے برابر معلوم ہوتی ہے۔ پونتشو تانبہ کا ایک سکہ ہوا کرتا تھا اور عہد اکبری کے دام کی قیمت کے لحاظ سے (جس کا وزن جیسا کہ آگے چل کر ثابت کیا جائے گا۔ ۳۲۳ء۵ گرین ہوتا تھا) اس کا وزن کم و بیش ۱۸ گرین ہوتا ہوگا۔

پونتشو یا ۲۵ کے سکہ سے نیچے اتر کر ہم ایڈیشن کے مطابق ابو الفضل کے جدول میں بارکانی کا ذکر پاتے ہیں۔ اصل کتاب میں اسے ½ پونتشو لکھا گیا ہے۔ لیکن یہ امر بآسانی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جرنیل کننگھم صاحب نے اس سکہ یا اس کی قیمت کو جو ½ پونتشو لکھا ہے وہ درست ہے۔ مخفی نہ رہے کہ جرنیل موصوف نے جابجا لفظ بارہ کانی لکھا ہے

جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ بارہ کا لفظ اردو میں دس اور دو کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ بارہ کا لفظ کشمیری زبان میں استعمال نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے تالیف شدہ کتاب کا لفظ بارکانی حقیقت میں کشمیری لفظ باہ گنی سے بگڑا کر بنا ہوا ہے جو جناب صاحب کہ آگے چل کر تشریح کی جائیگی) ۱/۲ پونتشو کے برابر ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھائی میں بارہ کانی اور باہ گنی یہ دونوں لفظ کچھ مل جل گئے ہیں اور اسی وجہ سے یہ مغالطہ پیدا ہوا ہے۔

باہ گنی کے لفظ کی ساخت کو دیکھا جائے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ابتدائی حصہ میں کشمیری عدد باہ یعنی بارہ (سنسکرت دوادش) موجود ہے اور اس لحاظ سے جرنیل کننگھم کی رائے کے مطابق اسے بارہ کا سکہ کہا جا سکتا ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ باہ گنی کی یہ عددی قیمت سترھویں صدی میں یا اس سے پہلے سمجھی جاتی تھی راج ترنگنی کی ترنگ ۵ شلوک ۱۱۷ پر ایک ٹیکاکار کی شرح سے ملتا ہے جہاں بارہ دینار کے لئے کشمیری لفظ باہ گنہ لکھا گیا ہے اور اسی حساب سے ۳۶ دینار کے لئے تین باہ گنیہ آیا ہے یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ابو الفضل کہیں اس بات کا ذکر نہیں کرتا کہ باہ گنی کا سکہ کہیں حقیقت میں استعمال ہوتا تھا اس سے آگے چل کر جو شکری کا چھوٹا سکہ دیا گیا ہے اور جس کی نسبت مذکور ہے کہ وہ باہ گنی کا ۱/۲ ہوتا تھا۔ اس کا رواج اور بھی مشتبہ ہے۔ شاہن صاحب لکھتے ہیں کہ عہد جدید طریق حساب میں مجھے اس کے مطابق کا کوئی لفظ نہیں مل سکتا۔ البتہ آگے چل کر اسی نوٹ کے دوران میں دکھایا جائے گا کہ لوک پرکاش کی مالی اصطلاحات میں اس کے لئے سنسکرت کا کون سا لفظ مستعمل ہوا ہے

اس کے بعد جب ہم زیادہ قیمت کے سکوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ہتھ یا سو کا سکہ عہد اکبری کے تانبہ کے دام کے برابر ہوا کرتا تھا۔ ساسُن یا ہزار کا سکہ ۱۰ ہتھ کے برابر ہوا کرتا تھا اور اسے دس دام یا عہد اکبری کے ۱/۴ روپیہ کے برابر سمجھنا چاہیئے۔

نکہ جیسے کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ۱۰۰ ساشن کے برابر ہوا کرتا تھا اور اس لحاظ سے
س کی قیمت ۱۰۰۰ دام ہوا کرتی تھی جو ابوالفضل کے آخری بیان کے عین مطابق ہے
سک جس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ ۱½ ساسن کے برابر ہوا کرتا تھا۔ سکوں کے
اس ذکروں کے حساب سے بالکل جدا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس اصطلاح کا
اشارہ اگر کسی خاص سکہ کی طرف ہے تو وہ کون سا سکہ ہے سک کے معنی محض سکہ کے ہیں۔
اور یہ اصطلاح شاہانِ دہلی کے چاندی کے سکوں میں سے ایک کے لئے استعمال ہونے لگی تھی
جس کا پیمانہ بقدر ۱۷۰ گرین ٹماشے کے ہوا کرتا تھا اور جسے بعد میں اکبر نے روپیہ کا سٹینڈرڈ قائم
کیا تھا۔ دیکھو پرنسپ صاحب کی یوزفل ٹیبلز صفحہ ۱۹ ییول صاحب کی کتاب کیتھے جلد ۱
تمہیدی صفحہ ۲۴۷۔ جہاں لفظ سک (یا یورپ کے زکینو) پر بڑی قابلیت سے بحث
کی گئی ہے۔

چونکہ ۱½ ساسن صرف ۱۵ دام کے برابر ہوا کرتا تھا اس لئے یہ امر بدیہی ہے کہ ابوالفضل کا
منشا ۴۰ دام کے اکبری روپیہ سے نہیں ہے پروفیسر بلوک مین کے مسودوں میں سے ایک میں اس
لفظ (سک) کو تنک کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اس سے بھی اس معاملہ پر کوئی خاص
روشنی نہیں پڑتی۔ کیونکہ اس کا استعمال بھی ویسا ہی عام ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے ابوالفضل
کے "سک" سے مراد جس خاص سکہ یا مالی قیمت سے ہے اس کا اثر حساب کی عام بنا پر نہیں
پڑتا۔ اس لئے اس جگہ اگر اس پر مزید غور کیا جائے تو چنداں مضائقہ نہیں اس ضمن میں
اتنا اور بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جرنیل کننگھم نے یہ فرض کر لیا ہے کہ
۱½ ساسنو کا ایک روپ ساسنو ہوا کرتا تھا جسے سک بھی کہا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی اصول
پر اس نے ہندو راجاؤں کے قدیم چاندی کے سکوں کی بنا قائم کرنے کی کوشش
کی ہے۔

سک کے بارہ میں اس مشتبہ حوالہ اور بظاہر غیر متعلق شکری کو اگر نظر انداز کر دیا جا

تو عہد اکبری میں کشمیری سکوں کا طریق ابو الفضل کے بیان کے بموجب حسب ذیل معلوم ہوتا ہے۔

۲ باہ گنی = ۱ پونتشو یا ۲۵ کا سکہ

۴ پونتشو = ۱ ہتھ یا ۱۰۰ کا سکہ

۱۰ ہتھ = ۱ ساسن یا ۱۰۰۰ کا سکہ

۱۰۰ ساسن = ۱ لکہ

کشمیر میں قدیم رواجات وروایات کے پورے طور پر قائم رہنے کی یہ ایک نہایت عجیب مثال ہے کہ ان تمام اصطلاحات کا رواج صرف ایک کے استثنا کے سابقہ مروجہ حساب وکتاب کے طریقوں میں اب تک باقی رہا ہے گو اکبر کے زمانہ سے ان میں وقتاً فوقتاً بے شمار تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ سٹاین صاحب لکھتے ہیں کہ حساب کے مروجہ طریقوں میں جن سے میں نے شہر کے صرافوں اور دیہاتیوں سے مل جل کر بہت کچھ واقفیت حاصل کرلی ہے ہتھ کی اصطلاح کا ایک تانبہ کے سکہ کے لئے استعمال ہونا معلوم ہوا ہے جو قیمت میں ایک پیسہ کے برابر جو انگریزی عملداری میں مروج ہے ہوتا ہے۔ دس پیسوں کو ساسن کہتے ہیں۔ پونتشو کا لفظ ¼ اور باہ گنی کا ⅛ ہتھ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

جب تک اس ملک میں کوڑیوں کا چلن رہا۔ اس وقت تک دستور تھا کہ ۸ کوڑیوں کی ایک باہ گنی اور ۱۶ کا ایک پونتشو گنا جاتا تھا۔ چنانچہ پنڈت ایشور کول نے درست طور پر اپنی کتاب کشمیر لیشور کوشیں باہ گنی کے لئے اشٹن ورانکا (۸ کوڑیاں) اور پونتشو کے لئے سودشں کپردیکاہ (۱۶ کوڑیاں) لکھا ہے لیکن اب چونکہ دیگر صوبہ جات کی طرح کشمیر کے بازاروں میں بھی مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد سے کوڑیوں کا چلن عملی طور پر دور ہوچکا ہے۔ اس لئے اس حساب کو صرف اوسط عمر سے زیادہ کے لوگوں کی زبانی ہی سنا جاتا ہے۔ اُمید بندھتی ہے کہ ہتھ اور ساسن وغیرہ الفاظ کا رواج بھی اب عنقریب دور ہونے والا ہے

کیونکہ ۱۸۹۸ء سے چونکہ انگریزی سکہ ملک میں رائج ہو گیا ہے اس لئے اب پرانے اور متبدل طریق کرنسی مثلاً خام یا ہر سنگھی چلکی اور انگریزی یا ڈبل روپیہ وغیرہ کا سلسلہ مسدود ہو گیا ہے۔

لیکن ایک طرف جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اکبر کے زمانہ کی مالی اصطلاحات کا سراغ موجودہ رواج میں بھی ملتا ہے وہیں دوسری طرف یہ بھی نظر آتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی قیمت میں بہت کچھ حقیقی یا مفروضہ تخفیف واقع ہو گئی ہے۔ چنانچہ ابوالفضل کے زمانہ میں ہتھ کا لفظ دام یا $\frac{1}{40}$ روپیہ کے لئے استعمال ہوتا تھا مگر اب وہی تانبہ کے ایک پیسہ یا $\frac{1}{64}$ روپیہ کے لئے برتا جاتا ہے۔ اس نسبت سے ساسن کی مالیت اب $\frac{1}{24}$ روپیہ یا ۴ آنہ سے صرف $\frac{1}{96}$ روپیہ یا $\frac{1}{6}$ آنہ رہ گئی ہے اس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ ہندوستان کے دیگر مقامات کی طرح کشمیر میں بھی قدیم مالی اصطلاحات کی برقراری کی حالت میں کرنسی کی قیمت اور علامات میں بہت کچھ تبدیلی واقع ہو گئی ہے

ان امور کی طرف خاص طور پر توجہ دلانے کی ضرورت اس وجہ سے پڑتی ہے کہ راج ترنگنی اور بعد کی تواریخ کشمیر کے شلوکوں کی شہادت سے جس کی طرف ہم عنقریب رجوع کریں گے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ وہ مالی اصطلاحات اور حساب کے طریقے جن کا سراغ عہد اکبری سے لے کر آج کل کے زمانہ تک ہم نے لگایا ہے۔ کلہن کے زمانہ میں اور شاید اس سے بھی صدیاں پہلے مروج تھے۔ چنانچہ ان موقعوں پر لفظ دینار کے ساتھ یا بغیر جوالفاظ پنچ ونشتی۔ شت۔ سہسر اور لکش وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ ان کی تہ میں صاف طور پر ابوالفضل اور زمانہ حال کے صرافوں کے الفاظ پونتشو۔ ہتھ ساسن اور لکہ پنہاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ سریور کی راج ترنگنی کی ترنگ ۳ شلوک ۲۱۴ میں پنچ ونشتکا یا ۲۵ کے سکہ کا ذکر صریح الفاظ میں ان معنوں میں آیا ہے کہ وہ ایک تانبہ کا سکہ تھا جسے حسن شاہ نے جو ۱۴۷۲ء سے ۱۴۸۴ء تک حکمران رہا مالی مشکلات

کے باعث کموٹ بلاکر رائج کیا تھا۔ نیز دیکھو راج ترنگنی مذکورہ بالا ترنگ ۴ شلوک ۴۹۵
کلہن کی راج ترنگنی کی ترنگ ۵ شلوک ۷۱ و ترنگ ۸ شلوک ۱۳۷ میں بظاہر ۵۰ دیناروں کو
۲ پونتشو کے مساوی ظاہر کیا گیا ہے۔

شت یعنی سو یا ستھ کے سکہ کا ذکر ترنگ ۵ شلوک ۱۱۶ ترنگ ۷ شلوک ۱۲۲۰ ترنگ ۸ شلوک
۱۴۲۶ تا ۱۴۳۱ (یعنی ان رقوم میں جو تاجر نے حساب سمجھاتے وقت بیان کی تھیں) نیز سریور
کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۲۰۲ میں آیا ہے۔

سہسر یا ساسن کے سکہ کے متعلق دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۴۹۸ ترنگ ۵ شلوک ۷۱
(دششتی) ۲۰۵ و ترنگ ۶ شلوک ۳۸ ترنگ ۷ شلوک ۱۴۲۶ سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک
۲۰۲ شک اور پرجابھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۲۴۷ میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔

لکش یا لکھ کی رقوم کے متعلق دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۴۹۵ (ایک لکھ روزانہ تنخواہ) ترنگ
۷ شلوک ۱۴۷۵ - ۱۴۱۴ (سات لکھ ایک جواہر کی قیمت کے طور پر ادائیگی) ۱۱۱۸ (ایک لکھ کے
طلائی سکہ) ترنگ ۸ شلوک ۱۲۴ - ۱۹۱۸ - کشمیندر نے بھی اپنی مخصوص منظومیں اس لفظ کو سمے
ماترکا نامی کتاب کے ادھیائے ۸ شلوک ۸۸ میں استعمال کیا ہے۔

ترنگ ۴ کے شلوک ۴۹۵ - ۶۱۷ میں جہاں ایک کوٹی تانبہ کے سکہ کا ذکر آیا ہے
ہمیں کوٹی کا لفظ ۱۰۰ سکہ یا ۱۰۰۰۰۰۰ دیناروں کے لئے استعمال شدہ نظر آتا ہے
نیز دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۱۲ - ۱۱۵ - ۴۳ (جہاں ۹۶ کوٹی کے وقت کا ذکر ہے) جونراج
کی راج ترنگنی شلوک ۵۸۸ - ۹۷۷ - شک اور پرجابھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۲۷۱ -
(نشک کوٹی) ترنگ ۵ کے شلوک ۱۷ میں ایک ٹیکا کار کی شرح کے بموجب ۳۶ دیناروں کے ذکر سے
مراد ۳ پاہ گنی یا ۳ دوادش سے ہے۔

ترنگ ۴ کے شلوک ۴۹۵ سے ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے اول مرتبہ جہاں کلہن نے ان
اصطلاحات کے ذریعہ جن کا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے کسی رقم کا ذکر کیا ہے۔ وہ راجہ

جیا پید کا زمانہ ہے جو ۸ ویں صدی کے آخری نصف حصہ میں حکمران تھا۔
کشمیندر کے اس عجیب و غریب کوش سے بھی جس کا نام لوک پرکاش ہے روپیہ کا حساب لگانے کے اسی طریق کی تشریح ہوتی ہے جس کا سراغ ہم نے راج ترنگنی اور بعد کی تاریخوں میں لگایا ہے۔ کشمیندر کی تصنیف میں جس کا زمانہ ۱۱ویں صدی کا وسطی حصہ ہے۔ اس کی خالص تحریر بہت تھوڑے حصہ میں ہے بعض میں از منہ مابعد میں شاہجہاں کے زمانہ تک اضافے ہوتے رہے ہیں۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس نے سرکاری اصطلاحات قواعد وغیرہ کی صورت میں ہمارے لئے کشمیر کی اصلی قدیم روایات کو بہت بڑی حد تک برقرار رکھا ہے۔
اسی ضمن میں یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ پروفیسر اے۔ ویبر نے حال میں اپنی کتاب انڈش سٹوڈن کی جلد ۱۸ کے صفحات ۲۸۹ تا ۴۱۲ میں اس کتاب کے بہت سے تعیینی خلاصے شائع کئے ہیں۔ اگر کوئی صاحب مزید تحقیقات کا شوق رکھتے ہوں وہ ان خلاصوں سے مدد لے سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت تک کسی شخص نے نوٹ اور حواشی دیکر اصل کتاب کو تالیف نہیں کیا۔
اس کتاب کے دوسرے پرکاش میں تجارتی ٹھیکوں۔ دستاویزوں سرکاری احکام وغیرہ کے متعدد فارم اس عجیب انداز کی سنسکرت میں لکھ کر واضح کئے ہوئے ہیں جو ہندوں کے عہد حکومت کے ایام اواخر اور اس کے بعد کے زمانہ میں اہلکاروں کی خط و کتابت میں استعمال ہوا کرتی تھی۔ ان فارموں میں دینار کا لفظ نقدی یا کیش کے معنوں میں اکثر ان پر استعمال ہوا ہے۔ جہاں کہیں روپے کی رقم کا ذکر آیا ہے۔ اس کے ساتھ لفظ دینار کہ دیا گیا ہے۔ ایسے موقعوں پر اسے یا تو اس کی مکمل صورت میں لکھا گیا ہے یا ان رقوم کے ساتھ جنہیں سینکڑوں۔ ہزاروں۔ لاکھوں کی رقم میں لکھا گیا ہے۔ محض لفظ "دی" بڑھا دیا گیا ہے۔
لفظ دینار کے حقیقی معنی نمایاں طور پر ان شلوکوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ جہاں وہ

دانیہ کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے۔ جیساکہ نوٹ کے آخری حصہ سے معلوم ہوگا اناج بالخصوص چاول عملی طور پر آجتک کشمیر میں کرنسی کا ایک ذریعہ بنے رہے ہیں۔ اس صورت میں دینار و جام چیکا کو دانیو جام چیرکا کے پہلو بہ پہلو دیکھنا دلچسپی سے خالی نہیں۔ جن میں سے اول الذکر کے معنی نقد قرضہ کے کفالت نامہ اور آخر الذکر کے اناج کے قرضہ کے کفالت نامہ کے ہیں۔ دیکھو لوک پرکاش پرکاش ۲۔ انڈش سٹوڈین جلد ۱۸ صفحہ ۳۲۹ و ترنگ ۸ شلوک ۱۴۷۔ ایسے ہی ہنڈیکا (ہنڈیوں کی فہرست کے ابتدا میں دینار ہنڈیکا اور دانیہ ہنڈیکا کا ذکر آتا ہے۔ اسی طرح لوک پرکاش کے پرکاش ۳۔ انڈش۔ سٹوڈین جلد ۱۸ صفحہ ۳۷۸ پر ۱۰۰۰ کھاری چاول کے پہلو بہ پہلو ۹۵ ہزار دینار کی ادائیگی کی بہم رسانی کا معاہدہ دیکھتے ہیں۔ ایک اور موقعہ پر جو لفظ دینار کھاری آیا ہے وہ بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ یہ اصطلاح پرزرخدار (نوٹ ۵۸۲ کتاب ہذا) کے مطابق ہے۔ جس کے لحاظ سے ابوالفضل نے کشمیر کی مال گذاری کے ایک حصہ کا اندازہ کیا ہے۔

اس جگہ لوک پرکاش کے ان تمام شلوکوں کا دوہرانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے جن میں طریق مذکورہ بالا پر رقوم زر یا سود واجب الادا کو دکھایا گیا ہے۔ اس جگہ صرف ان حوالوں کی طرف اشارہ کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے جو پروفیسر ویبر نے دیئے ہیں۔ اس جگہ بھی راج ترنگنی کی طرح چھوٹی سے لے کر بڑی تک بہت سی رقمیں مذکور ہیں۔ مثلاً ایک جگہ دینار نشک (نصف یا گنی) کا ذکر آتا ہے اور دوسری جگہ لاکھوں کا اشیا کی قیمتوں اور ان باتوں کے بتناسب کے بارہ میں اعداد لوک پرکاش سے جو واقفیت کرنا ممکن ہے اس پر ذیل میں بحث کی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ لوک پرکاش میں بعد میں جو اضافے کئے گئے ہیں۔ ان کے باعث یہ معلوم کرنا نا ممکن ہوگیا ہے کہ اس کے خاص خاص حصوں کو کن کن زمانوں سے منسوب کیا جائے۔ لیکن یہی ایک اس قسم کی خوبی ہے جو ہماری تحقیقات کے بارہ میں

وک پرکاش کی شہادت کہ اس قدر مفید بناتی ہے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک عملی رسالہ کی صورت
میں یہ کتاب بلا توقف صدیوں استعمال ہوتی رہی تھی - چونکہ حساب کے کسی اور طریقہ کی طرف اس میں
کہیں اشارہ نہیں پایا جاتا - اس لئے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے زمانہ سے ۱۷
ویں صدی تک وہی طریق حساب مروج رہا - اس شہادت سے اس مطابقت کی پورے
طور پر تشریح اور تصدیق ہوتی ہے جو راج ترنگنی سے حاصل شدہ اور ابوالفضل کے تذکرہ
میں پائی جاتی ہے -

لیکن اس تطبیق ہی سے اس زمانہ کی مالی سسٹم کا جو کلہن کی تاریخ کے وقت میں کشمیر میں
رائج تھی کچھ صحیح پتہ نہیں چلتا - قبل ازیں ہم اس بارہ میں اشارۃً ذکر کر چکے ہیں کہ گو کونسی
کی وہ اصطلاحات جن کا ذکر ابوالفضل نے کیا ہے زمانہ حال تک جاری رہی ہیں - تاہم ان کی
جداگانہ مالی قیمتوں میں ان صدیوں کے عرصہ میں جو اس وقت سے اس وقت تک کے
درمیان حائل ہیں بہت کچھ تبدیلی واقع ہو گئی ہے اس بات سے و نیز اسی قسم کی دیگر تبدیلیوں
سے جن کا پتہ ہندوستان اور یورپ کی کرنسیوں کی تاریخ سے چلتا ہے - ہمیں اس مطلب کا
خیال پیدا ہوتا ہے کہ سہسر ست اور لکش کی جو قیمت علی الترتیب عہد اکبری میں کشمیر کے اندر
تھی وہی کلہن کے زمانہ یا اس سے پہلے سے چلی آتی تھی - اس طرح پر جو سوال پیدا ہوتا
ہے وہ بجائے خود بہت دلچسپ ہے اور قدیم کشمیر کی مالی حالتوں کی تاریخ پر اس کا بہت
کچھ اثر پڑتا ہے - اس بارہ میں مزید روشنی حاصل کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہم سکوں
ہی کی طرف متوجہ ہوں - کیونکہ اس معاملہ میں ہمیں اور کسی ذریعہ سے واقفیت حاصل ہوتی
نظر نہیں آتی -

جنرل کننگھم کی جس تصنیف کا قبل ازیں حوالہ دیا جا چکا ہے اور جو اس کی مرگ کے بعد شائع
ہوئی تھی - اس میں کشمیر کے ہندو راجاؤں کے سکوں پر پورے طور سے بحث کی گئی ہے
یہ ایک عجیب بات ہے کہ کشمیر کی تمام تاریخ میں صرف ایک ہی وضع کے سکے جاری رہے

ہیں الاداس بدریج سے قیام کا سراغ کم از کم ۸ صدیوں تک ملتا ہے ۔ اگر ہم ان دستیمین قبل از اطل
کے سکوں کی طرف توجہ دیں جن کے نمونہ پر کشمیر میں کثرت سے ماجہ اور بھی ہوئی دیوی کے سکے تیار کئے
گئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ صدی سے زیادہ عرصہ تک کشمیر میں سکوں کا نمونہ وہی قائم رہا ہے ۔ دیکھو
کننگھم صاحب کی کتاب کا ئینز آف میڈیول انڈیا صفحہ ۴۰ ۔ شکل وصورت کی اس ہم آہنگی کے
ساتھ ہی ساتھ ہمیں دھات اور وزن کے معاملہ میں بھی بہت کچھ یکسانیت نظر آتی ہے
راجہ شنکر ورمن نے ۸۸۳ء سے ۱۹۰۲ء تک حکومت کی تھی اس کے عہد سے لے کر
ایک عرصہ دراز تک سکوں کا ایک طویل اور یکساں نمونہ پیش نظر ہوتا ہے جو ۱۲ ویں صدی کے
اخیر تک تمام راجاؤں کے عہد میں برقرار نظر آتا ہے یہ عرصہ قطعی طور پر اس عرصہ سے مطابق
ہے جس میں تاریخ کے مالی حوالوں کا ذکر آتا ہے اس لحاظ سے آخرالذکر کا مقابلہ مروجہ سکوں کے
ساتھ کرنے کے معاملہ میں ہمارے پاس کافی مسالہ موجود ہے ۔

جن سکوں سے ہمیں سردست سروکار ہے وہ قریب قریب سارے ہی صرف تانبہ کے بنے
ہوئے ہیں ۔ کثیر التعداد سکے ۲۵ سے ۹۵ گرین تک وزن کے ہیں ۔ کننگھم صاحب نے اپنی
کتاب کائینز آف میڈیول انڈیا کے صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے کہ میں نے ۲۰ مختلف حکمرانوں کے ۴۰
صحیح حالت کے سکوں کا اوسط وزن نکالا تو ۹۱ گرین نکلا ۔ لیکن اس جگہ جرنیل موصوف کی ایک غلطی
کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے ۔ کننگھم صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۵ پر شنکر ورمن سے
لے کر بعد کے راجاؤں کی جو فہرست دی ہے ۔ اس میں راجاؤں کے ۴۰ نام آئے
ہیں اس غلطی کا باعث یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فہرست میں جے سنگھ دیمنی اول اور ثانی مذکور
ہیں ۔ بحالیکہ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ۲۱ نام کا صرف ایک ہی راجہ گذرا ہے ۔ پس
اس غلطی کی اصلاح کی جائے تو راجاؤں کی تعداد صرف ۱۹ ہی رہ جاتی ہے اس جگہ یہ بیان
کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پلیٹ ۴ نمبر ۱ کی فہرست کے ... پر جو سکہ دکھایا گیا ہے اسے
آدیتہ ورمن سے منسوب کیا گیا ہے (جس سے مراد غالباً اونتی ورمن ہے) لیکن حقیقت

ہیں وہ زجت ورمن کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔

غرض اس وضع کے تانبہ کے سکے اکثر راجاؤں کے عہد کے بہت بڑی مقدار میں ملتے ہیں۔ بالخصوص شنکرورمن۔ کشیم گپت۔ ددا اور اس کے جانشینوں کے سکے عام طور پر رائج ہیں۔ اس لئے سطور بالا میں ان کے اوسط وزن کا جو اندازہ دیا گیا ہے اسے درست تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ جرنیل کننگھم کا یہ خیال کہ یہ سکے وہی ہیں۔ جن کا نام ابو الفضل نے پنتشو یا کسیرہ کہا ہے درست ہے۔ چونکہ ابو الفضل کے بیان کے بموجب پنتشو کی حالت پہلے معلوم ہوا کرتی تھی اور مولف طاس صاحب کے نوٹ مذکورہ پرنسپ صاحب کی کتاب یوزفل ٹیبلز صفحہ ۱۲ و نیز کتاب پٹھان کنگس آف دہلی صفحہ ۷/۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے دام کا معینہ وزن ۳۲۳٫۵ گرین تانبہ ہوا کرتا تھا۔ اس لئے اس سکہ کا وزن کم و بیش ۸۱ گرین ہونا چاہیئے۔ جرنیل کننگھم کی کتاب کائنز آف میڈیول انڈیا کے صفحہ ۳۱ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کشمیر کے مسلمان فرمانرواؤں کے تانبہ کے سکوں کا اوسط وزن ۸۳ گرین ہوا کرتا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سکے وہی ہوں گے جن کا نام کسیرہ یا پونتشو مشہور ہے ساتھ ہی اس امر کی بھی توضیح ہوتی ہے کہ ہندوؤں میں ۹۱ گرین کے تانبہ کے سکوں کے رائج ہونے کے بعد مسلمانوں میں وزن کی تخفیف کا باعث سکوں کا ہلکا پن تھا جس کا ثبوت ہندوستان کے سکوں کی تاریخ میں بارہا ملتا ہے اس کی توضیح کافی طور پر ملک کی اس مضطرب سیاسی حالت سے ہوتی ہے جو مغلوں کے فتح یاب ہونے سے پہلے ملک میں پائی جاتی تھی

حقیقت یہ ہے کہ ملک میں تانبہ کے سکوں کے بتدریج ہلکا ہوتے جانے کے اس عمل کا ذکر سریور کی راج ترنگنی کی ترنگ ۳ شلوک ۲۱۴ میں پایا جاتا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حسن شاہ کے عہد حکومت ۱۴۷۲ء تا ۱۴۸۴ء میں چونکہ ملک کی مالی حالت خراب تھی۔ اس لئے پنچ وِنشک کے قدیم تانبہ کے سکہ کا وزن کسی قدر کم کر دیا گیا۔ یہ خیال چنداں بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کہ اس سے پہلے بھی بعض راجاؤں نے جن کی خراب مالی حالت کا ذکر کلہن کی راج ترنگنی

اور بعد کی تاریخوں میں پایا جاتا ہے اس قسم کے طریقے اختیار کرلئے ہوں گے۔ چنانچہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۹۱ - اور ۱۳۴۴ سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ ہرش نے بحالت مجبوری دیوتاؤں کی مورتیوں کو تڑوا کر گلا ڈالا تھا۔ جونراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۴۴۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہاب الدین کو جو ۱۳۵۵ء سے ۱۳۷۳ء تک حکمران رہا - اس بات کا مشورہ دیا گیا تھا کہ شو وجیشور اور برہدبدہ کی تانبہ کی مورتیوں سے سکے تیار کرائے۔

بہر نوع اگرچہ ۹۱ گرین اوسط وزن کے ہندوؤں کے زمانہ کے تانبہ کے سکے قدیم پونتشو یا ۲۵ کے سکے ہوا کرتے تھے جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے تو بھی جرنیل کننگھم کی اس رائے سے متفق ہونا پڑتا ہے کہ باہ گنی ست مراد ان نیم سکوں سے ہے جن کا ذکر کشیم گپت کے وقت میں آتا ہے اور جن کا اوسط وزن ۴۵ گرین ہوا کرتا تھا۔

رانی دِدا اور راجہ سنگرام دیو - اننت اور ہرش کے زمانہ کے تانبہ کے سکے جن میں سے آخرالذکر زیادہ تر بیتل کے سکوں سے مشابہ ہیں اب تک کشمیر کے بازاروں میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ گویا معلوم ہوتا ہے ان کا چلن کبھی بند ہی نہیں ہوا - لیکن ان کے پہلو بہ پہلو یہ امر واقع میں حیرت خیز معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ کے چاندی کے سکے نہایت کم یاب ہیں - جرنیل کننگھم کے پاس صرف ایک چاندی کا سکہ راجہ ہرش کے زمانہ کا تھا - جس کا نشان کتاب کائینز آف میڈیول انڈیا کی پلیٹ ۵ نمبر ۲۳ میں دیا گیا ہے جس کی وضع کی نسبت راج ترنگنی کی ترنگ ۷ شلوک ۹۲۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کرناٹ کے سکوں سے نقل کیا گیا تھا لیکن شٹاین صاحب کا بیان ہے کہ خود مجھے باوجود تلاش بسیار کے بعد کے زمانہ کے ہندو فرمانرواؤں کا کوئی چاندی کا سکہ نہیں مل سکا - ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ میری دانست میں جرنیل کننگھم کا یہ عجیب چاندی کا سکہ جس کا وزن ۲۰۶ء۵ گرین ہے دراصل ۵ ہتھ یا پانچ شتو کے سکوں "یا نیم ساسن کا ہوگا۔

ایک سکو دینار یعنی ایک ہتھ چار پنچ وتشک یا ۴ × ۹۱ = ۳۶۴ گرین تانبہ کے

برابر معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر طامس کے نوٹ مندرجہ کتاب یوزفل ٹیبلز کے صفحہ ۱۲ کے حساب کے بموجب اگر ہم تانبہ اور چاندی کی متناسب قیمت ۲۱۷،۱:۱ خیال کریں اور اس لحاظ سے ۲۶۴ کو ۲۱۷،۱ سے تقسیم کر دیں تو ایک ہتھ کی چاندی درست طور پر ۵ گرین نکلتی ہے۔ گھسا، اور اور اسی قسم کے باعث کو مدِنظر رکھ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہتھ کے لئے جو ۲۰۵ گرین چاندی کا اندازہ کیا گیا ہے اس کی تصدیق راجہ ہرش کے زمانہ کے سکہ سے ہوتی ہے۔

راجگان کشمیر میں سے صرف ہرش ہی ایک ایسا ہو گذرا ہے جس کے عہد کے طلائی سکے دیکھنے میں آئے ہیں۔ ابتدائی کارکوٹ خاندان کے سکے جو کننگھم صاحب کی کتاب میں N کے نشان کے نیچے دکھلائے گئے ہیں وہ حقیقت میں آمیزش والی دہات کے ہیں۔ شاین صاحب کا بیان ہے کہ خود میرے پاس ایک طلائی سکہ موجود ہے جس پر رانی دِدا کا نام درج ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کسی شخص نے جعلسازی کر کے اسے دِدا کے معمولی تانبہ کے سکوں سے ڈھالا ہے۔

راجہ ہرش کے جن دو طلائی سکوں کا ذکر جرنیل کننگھم نے کیا ہے ان کا وزن ۲،۷۲ اور ۷۳ گرین ہے۔ چونکہ راجہ ہرش کے زمانہ میں کشمیر کے اندر سونے اور چاندی کی متناسب صحیح قیمتیں معلوم نہیں اس لئے پورے تیقن کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا کہ ملک کی کرنسی میں اس سکہ کی مالیت کس قدر گنی جاتی تھی۔ اسی ضمن میں یہ بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ سر ایچ ییول نے اپنی کتاب کیتھے کے صفحہ ۴۴۲ و تمہیدی صفحہ ۲۵۰ میں جو تصریحات کی ہیں ان سے ان مشکلات کا اندازہ ہو سکتا ہے جو قرون وسطیٰ میں ہندوستان کے اندر تبادلہ کے ان نرخوں کا صحیح اندازہ قائم کرنے میں حائل تھے۔ ان دونوں دہاتوں کی متناسب قیمتوں میں بہت کچھ کمی بیشی ہوتی رہا کرتی تھی اور ممکن ہے کشمیر جیسے علیحدہ مقامات میں ان کے اندر مقامی کمی بیشی بھی

واقع ہوتی رہی ہو۔ بہر نوع جرنیل کننگھم نے سونے اور چاندی کی قیمتوں میں ۸ : ۱ تناسب قایم کر کے اندازہ کیا ہے کہ ہرش کا طلائی سکہ ۲۵ ساسن کے نصف طلائی سکہ کا کام دیتا ہوگا۔

جرنیل موصوف نے ساسن کی چاندی کی قیمت کے بارہ میں جس خیال کو مدِّ نظر رکھ کر حساب کیا ہے اس کی بِنا چنداں درست معلوم نہیں ہوتی۔ ممدوح نے اپنی کتاب کائینز آف میڈیول انڈیا کے صفحہ ۴۳ پر کشمیر کے چاندی کے سکوں کی بنا از سرِنو اس خیال پر قایم کی ہے کہ ابوالفضل نے ایک رُپ ساسنو کا ذکر کیا ہے جو ۱½ ساسن اور مالیت میں ۱۵ دام کے برابر ہوا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے وہ رُپ ساسنو کا وزن ۲۵ر۲۷ گرین چاندی گِنتے ہیں۔ لیکن اِس قسم کا کوئی سکہ اِس وقت کشمیر میں نہیں دیکھا گیا اور ہم قبل ازیں اِس بات کا ذکر بھی کر چکے ہیں کہ ابوالفضل نے مفروضہ مساوات کا ذکر نہیں کیا۔ رُپ (اصل کتاب میں رب) ساسنو کی نسبت ہمیں جو کچھ معلوم ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ ۹ ماشہ کا ایک چاندی کا سکہ ہوا کرتا تھا۔ اِس سے پہلے ابوالفضل نے کشمیری اوزان کا ذکر کیا ہے جن میں ایک تولہ ۱۶ ماشہ اور ایک ماشہ ۶ سُرخ یا رتیوں کے برابر ہوتا تھا۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ رُپ ساسنو کے ۹ ماشوں سے مُراد کشمیری وزن کے ۹ ماشوں سے ہے (کیونکہ اصل عبارت کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے) معمولی ہندوستانی ماشہ سے نہیں جن میں سے ہر ایک ۸ رتی کا اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ ہوتا ہے تو یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ رُپ ساسنو کے نمونے مسلمان بادشاہوں کے چاندی کے سکوں میں ملتے ہیں۔ جرنیل کننگھم اپنی کتاب کائینز آف میڈیول انڈیا کے صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں کہ یہ بالا وسط ۹۴ گرین کے ہوا کرتے تھے ہمیں کشمیری تولہ کا صحیح وزن معلوم نہیں۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ اِس میں زمانہ حال کی طرح ۱۸۰ گرین وزن ہوتا تھا تو رُپ ساسنو کے ۹ کشمیری ماشے ۱۰۱ گرین کے برابر نظر آئیں گے ... اس مفروضہ پیمانۂ وزن

کے مقابلہ میں مسلمانوں کے اصلی ۹۴ گرین کے سکوّں کی وزنی کمی اس سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ جتنی ۸ اویں صدی کے عرصہ میں بتدریج روپیہ سکّہ اندر واقع ہوئی (دیکھو یول ٹیبلز صفحہ ۲۰) علاوہ بریں کچھ حصّہ فی صدی گھساؤ کے لئے بھی چھوڑ لینا چاہیئے۔

اگر ڑپ ساسنو ابتداءً ۱۰۱ گرین چاندی کا سکّہ ہوا کرتا تھا تو یقیناً وہ ڈبل ساسن یا ۲۰۰۰ دینار کا کام دیتا ہوگا۔ کیونکہ سطور بالا میں ہم بماجبہ ہرش کے چاندی کے سکّہ کے بارہ میں بیان کر چکے ہیں کہ ستھ یا ۱۰۰ دینار کی مالیت ۵ گرین چاندی کے برابر خیال کرنی چاہیئے اور نیم ساسن یا ۱۰۰۰ دینار کی ۵۰ گرین۔ اس حساب سے ڈبل ساسن کی چاندی ۲۵×۴ = ۱۰۰ گرین نکلتی ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ اتنی ہی جتنی کا اندازہ رپ ساسنو کے لئے لگایا گیا ہے۔

حقیقی سکوں کے اوزان کی کمی کے بارہ میں جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس کے متعلق واقعی یہ ایک عجیب بات ہے کہ ڈبل ساسن کی ۹۴ گرین چاندی ہرش کے ۵×۲۵ گرین کے سکّہ سے ٹھیک جوتی ہے۔ اس عجیب مطابقت سے ان ہر دو نمونوں کے سکّوں کی بین الاقوامی قیمتوں کے بارہ میں ہمارے خیالات کی تصدیق ہوتی ہے۔ آخر میں اس قدر اور اضافہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گو جرنیل کننگھم کا حساب ڑپ ساسنو کے بارہ میں غلط ہے تاہم مسلمانوں کے چاندی کے سکوں میں ڈبل ساسنو کے موجود ہونے کے متعلق ان کا قیاس درست معلوم ہوتا ہے۔

سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے انہی نتائج پر ہم اس صورت میں بھی پہنچتے ہیں اگر ہم ستھ کے لئے ۵ گرین چاندی صحیح قرار دیں اور سونے چاندی کی متناسب قیمت ۱: ۸۱۵ سمجھیں۔ اس طرح پر گویا ۷۳ گرین سونا ۷۳ × ۸۱۵ = ۶۲۰۰۱۵ گرین چاندی کے برابر ہوگا اسے اگر ۵ پر تقسیم کیا جائے تو ۱۲۴ ستھ یا ۱۲۴۰۰ دینار بنتے ہیں جو جرنیل کننگھم کے اندازہ کے ۱۲ ½ ساسن کے قریب پہنچتے ہیں۔ لیکن اس جگہ پھر ہمیں یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس بارہ میں تمام باتیں اس وقت تک محض فرضی رہ سکتی ہیں۔ جب تک کہ اس زمانہ کے

مبادلہ کا صحیح تناسب جب کہ طلائی سکہ کا پیمانہ اختیار کیا گیا تھا۔ معلوم نہ ہو سکے اور زیادہ نمونوں کی مدد سے سکہ کا اصلی وزن نہ جانچا جائے۔

ہند کے راجگان ہنود کے عہد کے سونے اور چاندی کے سکوں کی کم یابی اس بات سے بالکل مطابق ہے کہ کلہن کی راج ترنگنی میں ان دھاتوں کے سکوں کا ذکر بھی بہت ہی کم دیکھا گیا ہے اس میں کلام نہیں کہ ترنگ ۶ کے شلوک ۴۵ میں یشسکر کے زمانہ کا جو قصہ مذکور ہے اس میں سورن ردیک نامی طلائی سکوں کا ذکر آتا ہے لیکن انہیں ایک کشمیری تارک الوطن باہر سے بچا کر لاتا ہے اور اس لحاظ سے ملک کے سکوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی راجہ جب کہ اپنی مہلک بیماری کی حالت میں ایک تیرتھ کی طرف جاتا ہے تو (ترنگ ۶ کے شلوک ۱۰۲ کے بموجب) اس کی پوشاک کے سرے میں ۲½ ہزار طلائی سکے بندھے ہوتے ہیں لیکن یہ شلوک اس قدر عام لہجہ میں لکھا ہوا ہے کہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا اس نے انہیں کہاں سے حاصل کیا تھا۔

کشمیر میں طلائی اور چاندی کے سکوں کے وجود کی طرف اگر کوئی اشارہ موجود ہے تو وہ راجہ ہرش کے زمانہ میں ہے جو ۱۰۸۹ء سے ۱۱۰۱ء تک حکمران رہا۔ کلہن ترنگ ۷ کے شلوک ۹۵۰ میں لکھتا ہے کہ اس کے عہد میں ملک کے اندر سونے اور چاندی کے سکوں (دیناروں) کا چلن بافراط تھا۔ لیکن تانبے کے سکے شاذ و نادر دیکھنے میں آتے تھے اس بیان کے مقابلہ میں یہ دیکھ کر واقعی حیرت ہوتی ہے کہ آج کل ہرش کے زمانہ کے تانبہ اور پیتل کے سکے عام ہیں۔ کشمیر کے کسی اور راجہ کے عہد کے سکوں کی نسبت وہ آج تک کشمیر کے بازاروں میں اور وادی سے باہر بھی بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں۔ بخلاف اس کے یہ امر مسلمہ ہے کہ اس راجہ کے سونے اور چاندی کے سکے اب صرف چند ایک نمونوں ہی کی صورت میں باقی ہیں جس شلوک کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اس سے پہلے ہرش کے دربار کی شان و شوکت کا کسی قدر مبالغہ آمیز ذکر ہے۔ اس صورت میں اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ مصنف

کا حقیقی منشا یہ جتلانے کا تھا کہ اس راجہ کے زمانہ میں معمولی تانبہ کے سکوں کے علاوہ سونے اور چاندی کے سکے بھی مروّج تھے تو اس میں مصنف سے کسی قسم کی ناانصافی کا برتاؤ نہ ہوگا۔

ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۰۸ میں جہاں کلہن نے ہرش کے متعلق یہ قصہ بیان کیا ہے کہ اس فضول خرچ راجہ نے ایک لاکھ طلائی سکے (کنچن دینار لکش) چپنک کے بھائی کنک کو اس کی ان محنتوں کے معاوضہ میں دیئے تھے جو اسے راجہ سے گانا سیکھنے میں اٹھانی پڑی تھی اس جگہ اس کی مراد اسی قسم کے سونے کے سکوں سے ہے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ اس قسم کی حقیقی قیمت کیا ہو سکتی تھی۔ اگر کلہن کی مراد ایک لاکھ اس قسم کے طلائی سکوں سے ہے جن کی مالیت کا اندازہ ہم سطور بالا میں ۱۲۵۰۰ دینار فی سکہ کر چکے ہیں تو معمولی کرنسی میں اس کی مقدار ۱۲۵۰۰۰۰۰۰۰ یعنی ایک ارب ۲۵ کروڑ بنتی ہے جو ایک حیرت آمیز بڑی رقم ہے۔ بخلاف اس کے اگر ہم کلہن کی تحریر کا مطلب یہ سمجھیں کہ اسے ایک لاکھ دینار (معمولی کرنسی کے) طلائی صورت میں ادا کئے گئے تو یہ رقم اتنی چھوٹی سی رہ جاتی ہے کہ کشمیر کی ادنےٰ مالی حالتوں میں بھی اس پر چنداں استعجاب نہیں کیا جا سکتا اور ہم اسے فضول خرچی میں کسی طرح داخل ہی نہیں کر سکتے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۲ میں ایک خاص منہ لگے شخص کا ذکر آتا ہے جس نے ایک کوڑی سے ابتدا کر کے کروڑوں جمع کر لئے تھے۔ اسی ترنگ کے شلوک ۱۶۳ میں ذکر آتا ہے کہ ۹۶۰۰۰۰۰ دینار شاہی باڈی گارڈ کے جوانوں کو دیئے گئے تھے جو سناج کی تاریخ کشمیر میں مذکور ہے کہ سلطان زین العابدین نے صرف ایک روز کے اندر دس کروڑ دینار برہمنوں میں تقسیم کئے تھے۔ ایسے ہی شک اور پرجا بھٹ کی تاریخ کشمیر میں کروڑوں کی خیرات کا ذکر آتا ہے پس ان صورتوں میں جب ہم کروڑوں دینار کی رقم پرائیویٹ لوگوں کے قبضہ میں موجود پاتے ہیں تو اغلب یہی نظر آتا ہے کہ

کلہن کے بیان کردہ قیمت کا مطلب خواہ کچھ بھی ہو بہر نوع اس جگہ مراد اول الذکر رقم یا کسی انتہی ہی بڑی اور رقم سے ہے۔

اِن تمام باتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں کشمیر کے اندر سونے اور چاندی کے سِکوں کا زیادہ چلن نہ تھا یا کم از کم بحالات موجودہ اِس چلن کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن ہاں ہمہ جا ایسا اس قسم کی علامات موجود پائی جاتی ہیں۔ جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قدرتی وسایل کے دائرہ کے اندر اس قدیم زمانہ میں بھی ملک میں قیمتی دہاتوں کا اجتماع ویسے ہی ہوتا رہا تھا جیسے از منہ مابعد میں ہندوستان کی مالی تاریخ میں خصوصیت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۲۱۱ میں جہاں راجہ اننت کے زمانہ میں لوگوں کی بچت معلوم کرنے کے معاملہ میں سونے کی مقدار معلوم کرنے کی سسٹم کا ذکر آیا ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے باقی علاقوں کی طرح اُس وقت کشمیر میں بھی لوگ اپنی بچت کا روپیہ سونے اور چاندی کے زیورات میں لگا رکھتے ہوں گے۔ کلہن کی راج ترنگنی کے زمانہ کے بعد سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۰۰ اسے ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس پہلے ایک کوڑی نہ ہوتی تھی۔ ان کے پاس سونے کے کڑوں کا موجود ہوتا مذکور ہے۔

ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۰۷-۱۱۲۱ سے جہاں راجہ ہرش کی فراری کا ذکر کیا ہے پایا جاتا ہے کہ مشکلات پیش آنے پر اِن طلائی زیورات کو روپیہ کے طور پر چلایا جا سکتا تھا۔

اس ضمن میں معاہدہ شادی کی اس عجیب عبارت کا حوالہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو لوک پر کاش کے تیسرے پرکاش میں پائی جاتی ہے اور جہاں اس سونے کی مقدار درج ہے جو دولہن کو زیورات کی صورت میں دینا چاہیئے۔ اِس عبارت کی سنسکرت کچھ عجیب ڈھنگ کی ہے اور گو اس کا صحیح ترجمہ کرنا سٹاین صاحب جیسے فاضل شخص کو بھی مشکل نظر آیا ہے

تاہم اس کے عام معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ ۵ تولہ سونا لڑکے والے اور ایک تولہ لڑکی کا باپ دے - اِن سے اول الذکر مقدار کو . . . . ۴ دینار اور آخرالذکر کو . . . ۸ دینار کے مساوی قرار دیا گیا ہے -

یہ بات نہایت دشوار نظر آتی ہے کہ سونے کی جس متناسب قیمت کا ذکر اس جگہ آیا ہے اسے کیونکر سونے کے مذکورہ بالا نرخ تبادلہ اور کشمیر کی کرنسی کی معلومہ مالیت سے مطابق کیا جا سکتا ہے - اگر ایک ہزار دینار کو ۱/۴ روپیہ چاندی یا ۱/۴ تولہ کے مساوی قرار دیا جائے تو ایشیا کا کوئی جاہل سے جاہل حصہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جہاں کا نرخ تبادلہ ۸ x ۱/۴ یا ۲ تولہ چاندی کو مالیت میں ایک تولہ سونے کی قیمت کے برابر بنا دیتا ہو - اس کی تشریح صرف یہی ہو سکتی ہے کہ سونا جو فریقین منظور کیا کرتے تھے نہایت ہلکی قسم کا ہوتا تھا یا یوں کہنا چاہیئے کہ وہ ایک قسم کی چاندی ہی ہوتی تھی جس میں سونے کی آمیزش ہوا کرتی تھی - شاین صاحب کو بعض برہمنوں سے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ اس قسم کا سونا شادی کے موقعوں پر دینے کا رواج موجود ہوا کرتا تھا - چنانچہ اسی ضمن میں ناظرین کا یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اب تک بھی خراب سونے کو "کوری سُن" یعنی لڑکی کا سونا کہہ دیا جاتا ہے -

ترنگ ۸ کے شلوک ۱۲۳۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ سسل نے قلعہ لوہر میں اپنے خزانہ میں جمع کرنے کے لئے سونے کی سلاخیں بھیجی تھیں - کیونکہ اس نے جبر و تشدّد کی پالیسی سے جو روپیہ حاصل کیا تھا اسے وہ وہیں دفن کروایا کرتا تھا -

جونراج کی راج ترنگنی کے بمبئی ایڈیشن کے شلوک ۱۰۷۷ سے جہاں اس جزیہ کا ذکر آتا ہے جو مسلمان بادشاہ ان برہمنوں سے وصول کیا کرتے تھے جو تبدیل مذہب پر رضامند نہ ہوں اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعض صورتوں میں مسکوک سونے اور چاندی کے بجائے یہ معادِن بجنسہٖ تبادلہ کا ذریعہ بن سکتی تھیں - مذکور ہے کہ ابتدائی سلاطین کے زمانہ میں یہ ٹیکس ۲ پل چاندی فی کس سالانہ تھا - چونکہ یہ وزن ۸ تولہ کے مساوی بنتا ہے اس لئے

یہ امر چنداں تعجب خیز نہیں کہ لوگ بجا طور پر اس کی سختی کو محسوس کیا کرتے تھے۔ زین العابدین کی تعریف کی گئی ہے کہ اس نے اسے گھٹا کر ایک ماشہ سالانہ کر دیا تھا (پل کے بارہ میں دیکھو نوٹ نمبر ۴ ۲۶ کتاب ہذا) ۱۶ ویں صدی کے چک فرمانرواؤں نے تمام برہمنوں پر جو گیو پویت رکھتے ہوں ۴۰ پن جزیہ فی مرد سالانہ لگا دیا تھا۔ لیکن جب اکبر نے اس وادی کو فتح کیا تو اس نے اس موقوف کر دیا جس کے لئے شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۸۸۵ میں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ لفظ پن کے معنی لغت کی کتابوں میں ۴ کاکنی کے برابر کے کسی سکہ کے دیئے ہیں۔ ممکن ہے اس جگہ یہ لفظ پونتشو یا کسیرہ کے لئے استعمال ہوا ہو۔ اس صورت میں ۴۰ پن ایک ساسن کے برابر ہوں گے۔

اس کے مقابلہ میں جیسا کہ شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۵۵۹-۹۰۱-۹۰۹ سے واضح ہوتا ہے بعد کے فرمانرواؤں کے عہد میں سونے اور چاندی کے سکوں کا نسبتاً زیادہ ذکر پایا جاتا ہے۔ اس کا باعث ہم اس اہم تبدیلی کو قرار دے سکتے ہیں جو اکبر کی تاریخ کشمیر سے ظہور میں آئی۔ جس کے علاوہ وہ سابقہ تعلقات بھی جو سلطنت مغلیہ کے ساتھ اس ملک کے رہ چکے تھے اس وادی کی مالی و اقتصادی حالتوں پر اثر انداز ہوئے ہوں گے۔

ہمیں بعد کے ہندو راجاؤں کے زمانہ کے سکوں پر اس قدر طوالت سے بحث کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی ہے کہ اس کا تعلق اس مالی طریق سے ہے جس کی ہمیں تصریح کرنا ہے۔ لیکن سطور بالا میں ہم نے جس قدر شہادت یکجا کر کے اس پر نکتہ چینی کی ہے وہ اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کسی قدر پہلے زمانہ کے سکوں کا ذکر نہ کر دیا جائے۔ ان سکوں میں سے گو ہر ایک میں وہ عام نمونہ دیکھنے میں آتا ہے جو ہمیشہ کشمیر کے سکوں سے مخصوص رہا ہے۔ تاہم شنکرورمن اور اس کے جانشینوں کے سکوں میں بعض جداگانہ خصوصیتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور ان سکوں کے مفصل حالات تو کننگھم صاحب کی

کتاب کوائنز آف میڈیول انڈیا صفحہ ۴۲ و پلیٹ نمبر ۴ پر پائے جاتے ہیں تاہم سردست
ذیل کے امور ہماری فوری ضروریات کے لئے مکتفی ثابت ہوں گے۔

جن سکوں کا اوپر ذکر آچکا ہے زمانہ کے لحاظ سے جو سکے اِن کے قریب ترین ہیں
وہ کارکوٹ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ذکر کلہن نے ترنگ ۴ میں کیا ہے۔ اِس
قسم میں سات مختلف راجاؤں کے سکے شامل ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر کسی تاریخ
میں نہیں پایا جاتا۔ اِن سکوں پر نمایاں لیکن بھدی سی قسم کی کاریگری دیکھنے میں آتی ہے
اور اُن کے متعلق ایک یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اکثر سکے ملی ہوئی دھات کے بنے
ہوئے ہیں جن میں سونے کی صرف کسی قدر آمیزش ہے۔ اِس ملی ہوئی دھات کے بعض
نمونوں کے سکے تو بکثرت دیکھے جاتے ہیں لیکن تانبے کے سکوں کی تعداد بہت کم ہے مثلاً
درلبھ (درلبھ وردھن) کے سکے جو پلیٹ ۲ نمبر ۷ پر دکھائے گئے ہیں۔ پرتاپ یا پرتاپ
آدیتہ ثانی (درلبھک) کے سکے جو پلیٹ ۲ نمبر ۱۰ پر دکھائے گئے ہیں۔ ونیہ دیتہ یا جیاپید
کے سکے جو پلیٹ ۲ نمبر ۱۴ پر (نیز دیکھو ترنگ ۴ شلوک ۵۱۷) ملی ہوئی دھات کے زیادہ عام سکے
ایک راجہ کے ہیں۔ جس کا نام کننگھم صاحب نے وگرہ لکھا ہے لیکن جس کا نام سکوں پر سے
وشد نشدیو معلوم ہوتا ہے دیکھو پلیٹ ۲ نمبر ۸۔ کننگھم صاحب نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۴۹
پر تانبے کے سکوں کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ جعل سازی کے طور پر بنے ہوئے ہیں"۔ ملی ہوئی
دھات کے عمدہ نمونہ کے سکوں کا اوسط وزن ۱۲۰ گرین کے قریب ہے تانبے کے بنے ہوئے
نمونے کسی قدر ہلکے ہیں۔ چنانچہ جن چار کا ذکر جنرل کننگھم نے کیا ہے ان کے اوزان علی الترتیب
۱۰۱۔ ۹۳۔ ۱۱۰۔ اور ۱۱۸ گرین ہیں۔

دھات اور وزن میں جو باہمی اختلاف پایا جاتا ہے اس کے باعث یہ امر قرین قیاس نظر
نہیں آتا کہ اس قسم کے سکوں اور بعد کے سکوں میں کوئی باہمی تعلق ہو۔ یہی نتیجہ سکوں کی سیدھی
الٹی صورت دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ کرکوٹہ راجاؤں اور بیٹھی دیویوں کی جو تصاویر موجود

ہیں ان کی انسانی شکلیں بے حد بھدی ساخت کی وجہ سے نمایاں نہیں ہیں۔ یہ امر بے حد غیر اغلب نظر آتا ہے کہ ٹنکہ ورمن اور اس کے فوری جانشینوں کے سکوں کے زیادہ واضح نمونے خاندان کارکوٹ کی بھدی تصاویر والے سکوں سے لیے گئے ہوں۔ ان اختلافات کی صورت میں بالخصوص اس وجہ سے کہ اس بارہ میں کوئی براہِ راست شہادت موجود نہیں بحالت موجودہ یہ معلوم کرنا غیر اغلب ہے کہ مالی قیمت کے اعتبار سے کارکوٹ سکوں میں کیا نسبت موجود ہے

جرنیل کننگھم نے راجگانِ کارکوٹ سے پہلے کے جن سکوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے دو قابلِ ذکر سکے وہ ہیں جن پر نریندر اور گوکرن (ترنگ اشلوک ۳۴۶ - ۳۴۷) کے نام مذکور ہیں۔ جو وضع قطع۔ دھات اور طرزِ ساخت کے اعتبار سے بہت بڑی حد تک آخر الذکر قسم سے ملتے جلتے ہیں۔ باقی ماندہ سکوں میں سے دو پر پر دوسین کا نام موجود ہے۔ یہ وہی راجہ معلوم ہوتا ہے جس کا نام کلہن نے پرورسین ثانی لکھا ہے جو کشمیر میں ایک مشہور و معروف فاتح ہو گذرا ہے اور جس نے ترنگ ۳ شلوک ۳۴۸ کے مطابق سری نگر کی بنا ڈالی تھی۔ اس راجہ کے سکے جو اعلیٰ ساخت کے ہیں اور انڈو سیتھین سکوں کی طرز سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ صرف سونے اور چاندی ہی کے معلوم ہو سکے ہیں۔

انگلستان کے عجائب خانہ میں اس راجہ کا جو بظاہر عجیب سکہ موجود ہے اس کا وزن ۲۰۰ گرین ہے اس لحاظ سے کننگھم صاحب کی تحریر مندرجہ کتاب کائینز آف میڈیول انڈیا صفحہ ۴۴ و پلیٹ ۳ نمبر ۴ کے مطابق حقیقت میں وہ ۲۵ تھے یا بعد کی کرنسی کے ۲۰۰۰ دینار کے برابر کا ہوگا۔ لیکن جب ہم اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہیں کہ بعد کے زمانہ ہندو کے چاندی کے سکوں میں سے صرف ایک ہرش ہی کا سکہ موجود ہے اور پرورسین اور ہرش کے عہدِ حکومت کے درمیانی پانچ صدی کے عرصہ کو بھی زیر نظر رکھا جاتا ہے تو مجوزہ مالیت کو درست تسلیم کرنا ظاہرا طور پر غیر محفوظ نظر آتا ہے۔ یہی خیال پرورسین کے طلائی سکہ (مندرجہ پلیٹ ہو نمبر ۳) پر عاید ہوتا ہے۔ جس کے وزن کا بھی جرنیل کننگھم کی فہرست میں کہیں ذکر نہیں آتا۔

ابتدائی سکوں میں سے جنہیں محفوظ طور پر کشمیر سے منسوب کیا جا سکتا ہے ایک قسم خاص ایسی ہے جو اس تحقیقات کے سلسلہ میں ہماری توجہ کی بہت زیادہ مستحق ہے - ہمارا اشارہ تورمان نامی تانبہ کے سکوں کی طرف ہے جن کا ذکر ترنگ ۳ کے شلوک نمبر ۱۰۳ میں آچکا ہے اور جو اب تک کشمیر اور نواحی علاقوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں - ہمارے لئے یہ سکے دو خاص وجوہ سے دلچسپی رکھتے ہیں - ایک تو یہ راج ترنگنی میں ایک شلوک اس قسم کا آتا ہے جس میں وہ مذکور ہیں اور جو انہیں ایک عجیب تاریخی روایت سے منسوب کرتا ہے - دوسرے یہ کہ دونوں کے نمونوں کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تورمان نام کے سکے ہی براہ راست اس قسم کے نمونے ثابت ہوئے ہیں جن پر سے کشمیر کے بعد کے تانبہ کے سکوں کو ڈھالا گیا ہے - اس لئے مالی قیمت کے اعتبار سے آخرالذکر سے ایک خاص نسبت ان کی صورت میں کشمیر کے دیگر ابتدائی سکوں سے زیادہ اغلب نظر آتی ہے -

تورمان نام کے تانبہ کے سکوں کی مختلف قسمیں دیکھی جاتی ہیں جن میں ساخت اور روائتی حروف کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے - گو ان کی عام طرز ہر حالت میں یکساں ہی پائی جاتی ہے - جب ہم اس امر کے ساتھ ہی اس بات پر بھی غور کرتے ہیں کہ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار اس وقت تک موجود پائی جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک طویل مدت تک مسکوک ہوتے رہے ہوں گے - کننگھم صاحب نے پلیٹ ۲ - نمبر ۱ میں جو سکہ دکھایا ہے وہ بہترین ساخت اور غالباً زیادہ ابتدائی قسم کا ہے اور اسے اصلی قسم کا ایک عمدہ نمونہ سمجھا جا سکتا ہے -

سکوں کے سیدھی طرف کھڑے ہوئے راجہ کی تصویر ہے جس نے چھوٹا پاجامہ پہنا ہوا ہے اور یہ تدریج بالو آمیز حجم کے دگلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے - جو بعد کے سکوں میں دیکھا جاتا ہے اس طرح بیٹھی ہوئی دیوی کی صورت ہے - ان تصاویر کے علاوہ راجہ کی تصویر کے دائیں کنارہ میں پانچویں یا چھٹی صدی کے قریب کی براہمی زبان

میں سری تورمان کی سوابت ہے۔ اور دیوی کی تصویر کے بائیں طرف عمودی طور پر حروف گے۔ د۔ ر لکھے ہوئے ہیں۔ پیدر مہین کے سکوں اور تمام کارکوٹ کے سکوں پر یہ حروف اسی ترتیب سے پائے جاتے ہیں۔ بلاشبہ انہیں گندہار کے زمانہ کے بعد کے کشن فرمانرواؤں کے سکوں سے نقل کیا ہوا معلوم ہوتا ہے اور ان کی نسبت عام طور پر ظن غالب ہے کہ ان میں یوسے۔ چی خورد" کی سلطنت کے بانی کا نام محفوظ ہے۔ جس کا نام چینی تاریخوں میں کی سڈو۔ لو آیا ہے۔ دیکھو کننگھم صاحب کی کتاب کائینز آف میڈیول انڈیا۔ صفحہ ۲۷ و لیٹر انڈو سیتھینز صفحہ ۶۱ جہاں تورمان کے سکوں پر بھی بحث ہے۔ کی ڈو۔ لو کے متعلق دیکھو سینٹ صاحب کی کتاب ای۔ ڈو ڈینز سر لیشی سنٹرل صفحات ۱۲ و ۱۴۰ ہم نوع سردست ہمیں اس بات سے کچھ تعلق نہیں کہ کشن کی اس علامات کے کشمیری سکوں پر موجود ہونے کی تاریخی دلایل کیا ہیں۔

بعض دیگر اور غالباً بعد کے سکوں میں سیدھی طرف والی روایت زیادہ نمایاں لیکن کم محتاط حروف میں کندہ دیکھی جاتی ہے اور مختلف موقعوں پر اس کی مخفف صورتیں شرتیور۔ شرتیو تورو غیرہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان کے سکوں میں الٹی طرف والی کشن روایت بالکل ہی موجود نہیں ہے اور دیوی کی صورت بھی تبدریج بگڑتی ہوئی اس قدر بھدی ہو جاتی ہے جیسا کہ بعد کے سکوں میں دیکھی جاتی ہے۔ ان تمام نمونوں کا وزن ۱۰۰ سے لے کر ۱۲۰ گرین تک معلوم ہوتا ہے۔

جن سکوں کا اوپر ذکر آچکا ہے چونکہ وہی واحد کشمیری سکے ہیں جن پر تورمان کا نام آیا ہے اس لئے اس بارہ میں بہت کم شبہ ہو سکتا ہے کہ کلہن نے ترنگ ۳ کے شلوک ۱۰۳ میں جو اس مطلب کی روایت درج کی ہے کہ انہیں راجہ ہرنیہ کے بجائے تورمان نے مسکوک کیا تھا وہ انہی کے متعلق ہے۔ لیکن بدقسمتی سے شلوک بہت مختصر ہے اور اس کا ایک لفظ غالباً غلط بھی ہے شلوک کا مطلب یہ ہے کہ "تورمان نے . . . . کے مسکوک کردہ سکوں کی ناواجب کثرت کو روک کر اس قسم کے سکے (دینار) چلائے جو اس کے اپنے نام پر مسکوک تھے"۔ کننگھم صاحب نے اس شلوک کے لفظوں کو توڑ مروڑ کر اپنی کتاب لیٹر انڈو سیتھینز" کے صفحات ۶۲-۶۳ پر کچھ

اور معنی نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے کچھ خاص مدد نہیں مل سکتی - اس شلوک میں ایک لفظ بلا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کوئی خاص معنی سمجھ میں نہیں آتے معلوم ہوتا ہے وہ لفظ اس فرمانروا کا لقب ہے جس کے سکوں کو روک کر تورمان اپنے سکے چلانا چاہتا تھا - بہر نوع نہ تو اصل کتاب اور نہ کسی اور حاصل کردہ واقفیت سے اس معاملہ پر چنداں روشنی پڑتی ہے -

راج ترنگنی میں تورمان کو ہرنیہ کا چھوٹا بھائی اور یوراج ظاہر کیا ہے اور مذکور ہے کہ آخر الذکر گیا ہے۔ اور رمان نام پر سکہ مسکوک کرنے کا شاہی اختیار حاصل کرتے دیکھ کر اسے قید کر دیا - آخر کار تورمان کا بیٹا پرورسین ثانی تخت پر بیٹھا - یہ بات اس نوٹ کے دائرہ میں غیر ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تورمان کی شخصیت کے بارہ میں تاریخی صداقت معلوم کی جائے - نہ یہاں مردست اس معاملہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ تورمان کو جو ابیض ہنز قوم کا بادشاہ اور مہرکل کا باپ بتایا گیا ہے وہ کہاں تک رو بصحت ہے - ان سوالات پر کسی دوسری جگہ بحث کی گئی ہے البتہ اس جگہ یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ہماری موجودہ معلومات کام دیتی ہیں تورمان ہی کے سکے سب سے اول کشمیر ہی ٹکسال سے مسکوک ہو کر نکلے تھے (چنانچہ اس معاملہ پر جرنیل کننگھم نے اپنی کتاب لیٹر انڈو سیتھینز کے صفحہ ۶۳ پر بحث کی ہے) اور روایتی حالات سے بھی اس قریبی تعلق کا پتہ چلتا ہے جو تورمان اور پرورسین ثانی کے درمیان تھا اور جس کی تصدیق سکوں سے ہوتی ہے -

اگرچہ جرنیل کننگھم کے خیال کے بموجب تورمان کے تانبہ کے سکے ہی کشمیر کے پہلے آزادانہ طور پر مسکوک کئے ہوئے سکے تھے یا سکوں کے کسی نئے طریق کی بنا تھے تو اس صورت میں یہ سمجھ لینا زیادہ مشکل نہیں رہتا کہ انہیں کیوں اس قدر زیادہ تعداد میں جاری کیا گیا تھا اور کس لئے ایک مدت تک ان کا چلن جاری رہا - چنانچہ سلطان حسن شاہ کی نسبت جو ۱۴۷۲ء سے ۱۴۸۴ء تک حکمران رہا - ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے جب معلوم کیا کہ "مشہور تورمان کے

سکوں کا چلن اب دور ہوگیا ہے تو خود دوی دیناروں کی تام کا ایک نیا سکہ سیفیہ کا بنا ہوا کا رائج کیا۔"
اس کے آگے وہ شلوک آتا ہے جس کا حوالہ قبل ازیں دیا جاچکا ہے اور جس میں مذکور ہے کہ اسی فرمانروا نے خزانہ کی خراب حالت پر نظر کرتے ہوئے قدیم تانبہ کے پنچ ونشتک یا پونتشو سکہ کا وزن کسی قدر کم کر دیا تھا۔

سرپور کے الفاظ سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ ۱۵ویں صدی میں بھی تورمان نام کے سکوں کا چلن جاری ہوگا۔ چونکہ "قدیم تانبہ کے پنچ ونشتک" یعنی زمانہ مابعد کے چند مسلمان فرمانرواؤں کے معمولی تانبہ کے سکوں کا ذکر جداگانہ طور پر دیا گیا ہے۔ اس لئے نتیجہ نکلتا ہے کہ سرپور کی مراد صرف تورمان کے نام والے تانبہ کے ان سکوں ہی سے ہوگی جن کی ہمیں خبر ہے ان کا وزن چونکہ معمولی تانبہ کے سکوں سے مختلف ہوتا تھا۔ اس لئے ان کے لئے کوئی جداگانہ نام مقرر کرنا ضروری تھا اور اس مطلب کے لئے وہ نام جو روایت میں واضح طور پر دکھایا گیا ہے نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے اس نتیجہ کی تصدیق اس طرح پر ہوتی ہے کہ لوک پرکاش میں جو مختلف الفاظ کی فہرست ہے تورمانہ کا لفظ ٹنکہ اور دینارہ کے ساتھ ہی پہلے آیا ہے۔ دیکھو پروفیسر ویبر کا خلاصہ انڈش سٹوڈین جلد ۱۸ صفحہ ۳۵۸۔ شاین صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کا جو پرانا بھوج پتر پر لکھا ہوا مسودہ مائیا کی امپیریل لائبریری میں داخل کیا تھا اس پر صاف اور صحیح طور پر تورمانہ لکھا ہوا ہے بحالیکہ پونا اور برلن والے مسودوں پر صرف تورما پڑھا جاتا ہے۔

غرض اس سکہ کا چلن ۸ صدیوں کے طویل عرصہ تک قائم رہنے سکوں کی نمایاں افراط اور استعمال شدہ ٹھپہ کی گوناگونی ان سب باتوں سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تورمانوں کو نہ صرف اس نام ہی کے راجہ نے مسکوک کرایا تھا۔ بلکہ وہ اس کے بعد متعدد راجاؤں کے عہد میں برابر مسکوک ہوتے چلے گئے ہیں یہ بات واقعی عجیب اور اہم ہے کہ کارکوٹ نسل کے بعض راجاؤں کے مثلاً وینہ دیتہ جیاپیڈ درلبھ وغیرہ کے زمانہ کے ملی جلی دھاتوں کے سکے تو

اس کثرت سے موجود ہیں لیکن ان کے پہلو بہ پہلو اصلی تانبہ کے سکے کمیاب ہیں۔

اگر ہم اس امر عجیب کی تشریح اس طرح پر کریں کہ اس خاندان کے زمانہ میں تانبہ کے سکے تو رماں ہی ہوا کرتے تھے اور خود ان کے عہد میں بھی کم و بیش کامیابی کے ساتھ اصلی سکوں کے نمونہ اور نام پر نئے سکے تیار ہو کر چلتے رہے تو چنداں ضمیر واجب نہ ہوگا۔ بہر نوع اس وقت ہم وہ دلیل پیش نہیں کر سکتے جس کی بنا پر قدیم تانبہ کے سکوں کا چلن قائم رکھا گیا۔ لیکن ایسی ہی مثالیں یورپ اور ہندوستان میں بھی نسبتاً قریبی زمانہ تک ملتی ہیں چنانچہ وائینا کی ٹکسال میں اب سے تھوڑی سی مدت پہلے تک میریا تھریسا کے ڈالروں کے سرخ مہر کے لوٹال والے سکے مسکوک ہوا کرتے تھے۔

اسی کی ایک اور عجیب مثال یہ بھی ہے کہ ۱۹ ویں صدی کے ابتدائی ½ حصہ میں جس قدر چاندی کے سکے چلتے تھے ان کا نام شاہ عالم ہی ہوتا تھا۔ دیکھو پرنسپ صاحب کی کتاب یوزفل ٹیبلز صفحہ ۴۷ دوسری یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تانبہ کے سکوں کو ڈھال کر دوبارہ مسکوک کرنے میں چونکہ نفع بہت ہی کم حاصل ہو سکتا ہے اس لئے اکثر صورتوں میں قدیم سکے بھی ایک مدت دراز تک چلتے ہوئے پائے جاتے ہیں (مقابلہ کے لئے دیکھو پرنسپ صاحب کی کتاب یوزفل ٹیبلز صفحہ ۴۸)

اس جگہ جو خیال ظاہر کیا گیا ہے اس سے اس حوالہ کی بھی تشریح ہوتی ہے جو ترنگ ۴ کے شلوک ۶۱۷ میں کلہن نے راجہ جیاپیڈ کے بہت بڑی مقدار میں تانبہ کے سکے جاری کرنے کے بارہ میں دیا ہے اس جگہ یہ قصہ مذکور ہے کہ جیل ہاپدم کے ناگ کی ہدایت پر راجہ کو تانبہ کی ایک کان مل گئی تھی۔ اس پہاڑ سے جو کرم راجیہ میں واقع تھا اس نے اس قدر تانبہ حاصل کیا جو اس کے نام کے ایک کم ۱۰۰ کروڑ دینار مسکوک کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس کے بعد ذکر آیا ہے کہ جیاپیڈ نے دوسرے راجاؤں سے اس بات کی شرط بدی تھی کہ وہ کامل ۱۰۰ کروڑ سکے تیار کر کے دکھائیں۔ معلوم نہیں یہ قصہ لفظ بلفظ درست ہے یا نہیں بہر نوع

اس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ جیا پیڈ نے تانبہ کے سکے بہت بڑی تعداد میں ضرور مسکوک کرائے تھے۔ جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۸۸۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ کرم راجیہ کی تانبہ کی کان اس وقت تک بدستور موجود تھی اور عام لوگ اسے جیا پیڈ کی سکہ زنی سے منسوب کیا کرتے تھے۔ قبل ازیں اہل کتاب کے نوٹوں میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ جیا پیڈ کے نام والے اصلی تانبہ کے سکے اب کہیں دیکھنے میں نہیں آتے۔ اس روایت کی توضیح اس صورت میں زیادہ اچھی طرح ہو سکتی ہے اگر تورمان سکوں کی کثیر التعداد میں تیاری کا کچھ حصہ اس سے منسوب کیا جائے۔

جیسا کہ قبل ازیں لکھا جاچکا ہے۔ تورمان سکہ کا اوسط وزن بعد کے ہندو راجاؤں کے تانبہ کے سکوں سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اول الذکر ۱۱۰ اور آخر الذکر صرف ۹۱ گرین کا ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب وہ ہلکے سکوں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں تو ان کی قدر نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ ان کی قیمتوں کے تناسب کا اندازہ اس بات سے زیادہ ہو سکیگا کہ ۸ تورمان کا تبادلہ ۱۰ ایونتشو سے ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ بات کسی موجودہ شہادت سے ثابت نہیں ہوتی۔ آیا واقعی میں ایسا ہوتا تھا یا نہیں۔

جرنیل کننگھم تورمانوں کو بعد کے راجگان کشن کے بدنما سکوں سے منسوب کرنے پر مایل نظر آتے ہیں۔ جن کی نسبت ان کا خیال ہے کہ تورمان نے انہیں جمع کر کے اپنے نام سے دوبارہ مسکوک کرایا تھا۔ ان کی کتاب لیٹر انڈو سیتھنیز کے صفحہ ۶۳ سے دیکھنے میں آتا ہے کہ ان کی تہائی کا وزن بھی ۱۰۰ سے ۱۲۵ گرین تک کم و بیش ہوا کرتا تھا۔ تاریخی بنا پر یہ تعلق کافی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ان کشن سکوں کے اوزان کے مصداق صحیح بیانات نہیں مل سکے

اس سے زیادہ اہم بات ہمارے لئے اس لئے اس باعث کو معلوم کرنا ہوگا جو اونتی ورمن کے زمانہ کے بعد سے کشمیری تانبہ کے سکوں میں وزنی تبدیلی کا موجب ہوا! اس بارہ میں جو کچھ معلومات ہمیں حاصل ہیں ان کی بنا پر ہم اس معاملہ کی نسبت کوئی کلی

رناسے قایم نہیں کرسکتے۔ لیکن جس قدر مصالح موجود ہے اس کو زیر نظر رکھتے ہوئے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ وزنی کمی گویا سکوں کی خرابی کا پہلا قدم تھی۔ جس کا ذکر سطور بالا میں کرتے ہوئے ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ اکبر کے وقت تک جاری رہی۔

اگر یہ تشریح صحیح ہو تو ہمیں آلائے مان سے مراد اس زمانہ کے ترجیح و بنشک کے سکے سے جبنی چاہیئے جو اونتی ورمن کے تخت نشین ہونے سے پہلے مروج تھا۔ اس صورت میں ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بعد کے ہندو ازمنہ کے مالی طریق خاندان کارکوٹ میں اور اس سے پہلے بھی موجود تھے۔ البتہ ان میں قیمت کی بیشی ضرور پائی جاتی تھی۔ اس خیال کی تائید میں ہم کلہن کی راج ترنگنی کے دو حوالے ترنگ ۴ سے دیتے ہیں۔ جہاں رقوم زر ٹھیک انہی الفاظ میں بیان کی گئی ہیں جو تاریخ کے بعد کے زمانوں میں استعمال ہوئے ہیں چنانچہ ترنگ ۴ کے شلوک ۴۹۵ میں مذکور ہے کہ جیا پیڈ کے خاص پنڈت کی روزانہ تنخواہ ایک لاکھ دینار تھی۔ پھر ترنگ ۴ کے شلوک ۶۹۸ میں آتا ہے کہ مم نامی ایک شخص نے جو جیا پیڈ کے زمانہ میں سلطنت کا ایک ایجنٹ تھا۔ ایک مندر استھاپن کرانے کے موقع پر برہمنوں کو ۸۵ ہزار گائیں (یا شاید ان کا نقد معاوضہ) دیں اور ہر ایک گائے کے ساتھ ۵۰۰۰ ہزار دینار دیئے۔

ظاہر ہے کہ اتنی بڑی بڑی رقوم کی صحت کو صرف اسی صورت میں تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اگر ہم سمجھ لیں ایک ہزار کے سکہ کی مالیت ابوالفضل کے ساسن (یا ¼ روپیہ) سے چند اں زیادہ نہ ہوتی تھی۔

کرنسی کے ان نقائص کا باعث جن کا وجود اس طرح پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ کسی حد تک ملک کی وہ بدامنی بھی معلوم ہوتی ہے جو کارکوٹ فرمانرواؤں کے برائے نام عہد حکومت میں ملک کے اندر پھیلی ہوئی تھی۔ کلہن کی تاریخ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ کے لئے صرف اسی قسم کے راجہ تخت پر بیٹھتے رہے جو

محض کٹھ پتلی کا درجہ رکھتے ہوئے اور جن کے شاہی اختیارات مختلف اہلکاروں میں منقسم ہوتے تھے۔ اس لئے اس بات کو محض اتفاق پر محمول نہیں کیا جا سکتا کہ اونتی ورمن کے خاندان کے ۸۵۵ء میں تخت نشین ہوتے ہی جب اندرونی فسادات کا خاتمہ ہوا تو ساتھ ہی سکوں کی مالیت میں ترمیم کر دی گئی

یہاں تک ہم کشمیر کے سکوں کے بارہ میں اس قدر تحقیقات کر چکے ہیں جو ملک کے قدیم مالی سسٹم پر روشنی ڈال سکتی ہے۔ اس لئے اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تحقیقات سے ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کا ذکر خلاصتہً کر دیا جائے۔ ابو الفضل نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقابلہ جب موجودہ روایات راج ترنگنی اور بعد کی تاریخ ہائے کشمیر سے کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کی کرنسی کی بنا کم از کم نویں صدی کے بعد کے زمانہ میں ایک نہایت چھوٹی اکائی سے شروع ہو کر اس ڈھنگ کی تھی کہ اس میں بتدریج۔ اگنا کا اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ ذیل میں وہ قیمتیں بیان کی گئی ہیں جو حساب میں لی جاتی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کے سنسکرت اور جدید نام بھی دیئے گئے ہیں۔

۱۲ دینار = ادوادش (بارہ کا سکّہ) باہ گنی۔

۲ دوادش = ۲۵ دینار یا اپنچ ونشتک (۲۵ کا سکّہ) پونتسو۔

۴ پنچ ونشتک = ۱۰۰ دینار یا است (۱۰۰ کا سکہ) ہتھ

۱۰ ست = ۱۰۰۰ دینار یا اسہسر (۱۰۰۰ کا سکہ) ساہس

۱۰۰ اسہسر = ۱۰۰۰۰۰ دینار یا الکش (لکھ)

۱۰۰ الکش = ۱۰۰۰۰۰۰۰ دینار یا اکوٹی (کرور)

ان اصطلاحات کو استعمال کرنے میں اس بات کا عام رواج تھا (گو یہ ضروری نہ تھا) کہ لفظ دینار بمعنی زر (جس کا موجودہ نام دیار ہے) اس غرض سے بڑھا دیا

جاتا تھا کہ معلوم ہو سکے ان اعداد سے مراد مالی رقم سے ہے۔

ذیل میں جو جدول درج کیا جاتا ہے اس میں وہ سکے نمایاں کئے گئے ہیں جن کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ مختلف زمانوں میں مذکورہ بالا مالی رقوم کے قائم مقام رہے ہیں اور ساتھ ہی ان کے اوزان درج کئے گئے ہیں۔ ابوالفضل کے اندازہ کے بموجب اکبر کے عہد میں ان کی جو قیمیں ہوا کرتی تھیں انہیں جداگانہ طور پر آخیر کے کالم میں دکھایا گیا ہے۔

جدول

[illegible]	نام سکہ	ابتدائی ہندو دول کے سکے نہایت ۸۵۵ء	بعد کے زمانے کے ہندو سکے ۸۵۵ء سے لیکر آخر تک	اسلامی سکے	ابوالفضل کے تخمینہ کے بموجب مالی قیمت
۱۲	دوناروش (باهگنی)	—	۴۵ گرین	—	۱/۸ دام یا ۱/۳۲۰ روپیہ
۲۵	پنج ونشک (پونتشو)	۱۱۰ گرین (؟)	۹۱ گرین	۴۳ گرین	۱/۴ دام یا ۱/۱۶۰ روپیہ
۱۰۰	شت (ہتھ)	۱۱ گرین (؟)	—	—	۱ دام یا ۱/۴۰ روپیہ
۵۰۰	—	—	۲۳۱۵ گرین	—	۵ دام یا ۱/۸ روپیہ
۱۰۰۰	سہسر (ساسن)	—	—	—	۱۰ دام یا ۱/۴ روپیہ
۲۰۰۰	—	—	—	۹۴ گرین	۲۰ دام یا ۱/۲ روپیہ
۲۵۰۰	—	۱۲۰ گرین (؟)	—	—	۲۵ دام یا ۲۵/۴۰ روپیہ
۱۲۵۰۰	—	—	۷۳ گرین (؟)	—	۱۲۵ دام یا ۳ ۱/۸ روپیہ
۱۰۰۰۰۰	لکش (لکھ)	—	—	—	۲۵ روپیہ
۱۰۰۰۰۰۰۰	کوٹی (کروڑ)	—	—	—	۲۵۰۰ روپیہ

اس جدول کو دیکھنے سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ صرف ۲۵ دینار کا تانبہ کا سکہ ہی ایسا ہے جس کا پتہ اول سے آخر تک چلتا ہے جب ہم اس بات کو بھی مدِ نظر رکھتے ہیں کہ اس قسم کے سکوں کی تعداد بہت بڑی چلی آئی ہے تو ہمیں ناچار اسی نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ قدیم سکے کشمیر میں تانبہ ہی کے ہوں گے ۔

ابوالفضل نے چونکہ ۷ پونتشو یا ۱۰۰ دینار کی قیمت ۱/۴ روپیہ لگائی ہے اس لئے ہم ان رقوم کا بھی صحیح مالی اندازہ لگا سکتے ہیں جو کشمیری کرنسی کی اصطلاحات میں درج کی گئی ہیں ۔ لیکن ساتھ ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ابوالفضل نے پونتشو کی مالیت کا اندازہ ایک ایسے وقت میں لگایا گیا تھا جبکہ ۹۱ گرین کے بجائے سکہ صرف ۸۱ گرین ہی کا رہ گیا تھا اس لئے ۵۵۵ء سے لیکر آخر ہندو زمانہ تک کی کرنسی کی صحیح دیہاتی قیمت لگانے کے لئے ۱۲ فی صدی کا اضافہ ضروری معلوم ہوتا ہے ۱۸ء۳۰ فی صدی کا اضافہ اس صورت میں ابتدائی زمانہ ہند و راجگان کے سکوں میں کرنا پڑے گا ۔ اگر یہ رائے درست تسلیم کی جائے تو ۱۱۰ گرین کے تورمان سکے دراصل عہد ماسبق کے پونتشو ہی ہیں ۔

اِس جگہ پر پہنچ کر قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مالی نظام میں جس کی کیفیت بیان کی گئی ہے اکائی کا درجہ کون سا ہے ۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۲۰ میں جہاں کلہن نے اس قحط کا ذکر کیا ہے جو راجہ ہرش کے زمانہ میں کشمیر پر نازل ہوا تھا اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ چاولوں کی ایک کھاری ۵۰۰ دینار کو اور ۲ پل انگور ایک دینار کو فروخت ہوتے تھے ۔ نوٹ نمبر ۳۵۹ کتاب ہذا میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ کھاری میں ۱۹۲۰ پل ہوتے ہیں ۔ اور اس جگہ کلہن کی حقیقی منشا یہی بیان کرنے سے ہے کہ انگوروں کی ایک کھاری کی قیمت ۹۶۰ دینار ہوا کرتی تھی ۔ اگر دینار واقع میں اکائی کی حیثیت میں کوئی سکہ ہوا کرتا تھا تو وہ سکہ سوائے کوڑی کے اور کچھ نہ ہو سکتا تھا ۔ کیونکہ پنچ ونشتک کا ۲۵ واں حصہ یعنی ۹۱/۲۵ یا ۳۶۴ء۳ گرین تانبہ اتنا تھوڑا ہوتا ہے کہ اس سے کوئی سکہ

تیار ہی نہیں ہو سکتا - فی الحقیقت اس قدر چھوٹی جسامت کے کوئی سکے اس وقت تک کشمیر میں کبھی دستیاب نہیں ہوئے کننگھم صاحب کے بیان مندرجہ کائینز آف اینشنٹ انڈیا صفحہ ۴۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے چھوٹا تانبہ کا سکہ ۹ گرین وزن تک دیکھا گیا ہے -

یہ بات اکثر مقامات سے واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح کشمیر میں بھی کوڑیوں کا چلن سکوں کے طور پر چلا آیا ہے ترنگ ۷ کے شلوک ۱۱۲ میں کلہن ایک قابل ذکر طریقہ پر سب سے کم اور سب سے زیادہ مالیت کے سکوں کا ذکر کرتا ہے جہاں پر وہ لکھتا ہے کہ راجہ سنگرام دیو کے ایک منظور نظر نے ایک کوڑی (ورانک) سے ابتدا کر کے کروڑوں جمع کئے تھے - کشیمندر جو اپنے ملک کی معمولی معمولی باتوں کو بھی نگاہ غور و تعمق سے دیکھا کرتا تھا - اپنی کتاب کلا ولاس کے ادھیائے ۲ شلوک ۵۰۷ میں میں ایک بخیل تاجر کا مذاقیہ لہجہ میں ذکر کرتا ہے جس نے شام کے وقت اپنے گاہکوں کو لوٹا تھا - لیکن اس کے بعد وہ اپنے گھر والوں کو بمشکل تین کوڑیاں دینے پر رضامند ہوتا ہے ایک اور موقع پر وہ پھر ایسے ہی بخیل کا ذکر کرتا ہے جس نے ایک دعوت کی مجلس میں اپنے چندہ کے طور پر ایک تولہ تیل - ۲ تولہ نمک اور ۲ کوڑیاں سبزی کے لئے بھیجی تھیں (دیکھو کتاب سمے ماترکا ادھیائے ۸ شلوک ۸۰ - اس جگہ کوڑی کیلئے لفظ شوتیکا آیا ہے) کوڑی اور کرور کا مقابلہ اسی طرح جونراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۵۸۸ میں کیا ہے اور سریور بھی اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۲۰۰ میں اس قسم کے مالدار سپاہیوں کا ذکر کرتا ہے - جن کے پاس پہلے ایک کوڑی نہ تھی - لیکن جواب سونے کے کنگنوں سے کھیلتے ہیں -

سطور بالا میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ عام لوگ حساب کرتے وقت آج کل بھی ۸ کوڑی کی باہ گنی اور ۱۰ کوڑی کا پونتسو گنتے ہیں - چونکہ ۴ پونتسو کا ایک ہتھ بنتا ہے جس کا

موجودہ سکہ ایک پیسہ یا $\frac{1}{64}$ روپیہ ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۶ × ۴ × ۶۴ = ۴۰۹۶
کوڑیاں ایک روپے کے برابر ہوتی ہیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ اب سے تھوڑی مدت پہلے ہوا کرتی تھیں۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں اکبر کے زمانہ میں ہتھ کا لفظ نسبتاً زیادہ قیمت کے سکہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ یعنی اس کی قیمت $\frac{1}{40}$ روپیہ کے برابر ہوتی تھی۔ اکبر کے روپیہ اور موجودہ سرکاری روپیہ میں خالص چاندی کے وزن کا جو تھوڑا سا اختلاف ہے اسے اس جگہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

کوڑیوں کی قیمت میں کمی بیشی صرف ان کی درآمد کرایہ سے متعلق حالتوں پر انحصار رکھتی ہے اس لحاظ سے کشمیر کے بارہ میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ عہد مغلیہ اور گذشتہ صدی کے ابتدائی حصہ میں ان حالتوں میں کوئی مادی تبدیلی وقوع نہ ہوئی ہوگی۔ اس صورت میں یہ فرض کر لینا بعید از قیاس نہ ہوگا کہ کشمیر کے اندر اس زمانہ میں چاندی اور کوڑیوں کی مالیت کا تناسب قریب قریب وہی ہوگا جو زمانہ حال میں پایا جاتا ہے۔

پس ۴۰۹۶ کو ۴۰ پر تقسیم کرنے سے ہمیں ابو الفضل کے سکہ ہتھ یا ایک سو والے سکہ کی ۱۰۲.۴ کوڑیاں ہونی ثابت ہوتی ہیں۔ یہ نتیجہ اس قیاس کے قریب معلوم ہوتا ہے جو کشمیر کے اندر کرنسی کی اکائی کوڑی کو سمجھنے کی صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ اس سے مندرجہ بالا تصریح کی بہت کچھ تائید ہوتی ہے۔

اس جگہ یہ اعتراض وارد کیا جا سکتا ہے کہ بعد کے ہندو راجاؤں کے تانبہ کے سکے چونکہ ابو الفضل کے تخمینہ سے بقدر ۱۲ فی صدی وزنی ہیں۔ اس لئے ان کی نسبت فرض کیا جا سکتا ہے کہ ان کی قیمت نسبتاً کوڑیوں کی زیادہ تعداد ہوا کرتی تھی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ہم اس مسلمہ تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو اسلامی فتوحات کے باعث ہندوستان اور کشمیر کی تجارتی اور درآمد و برآمد کی حالتوں میں واقع ہوئی تھی البیرونی اپنی کتاب انڈیا کی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ پر لکھتا ہے کہ ہندوؤں کے وقت میں

کشمیر کے اندر غیر ملکی لوگوں کے داخلہ کے بارہ میں بڑی احتیاط عمل میں لائی جاتی تھی۔ بالخصوص ان لوگوں کے بارہ میں جو جنوب کے رہنے والے ہوں۔ اس صورت میں ہندوستان کے ساتھ جہاں سے کوڑیاں آسکتی ہیں تجارت کرنے کی سہولتیں بہت محدود ہوں گی۔ اس لئے ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ گو ابتدائی زمانہ میں ۹۱ یا زیادہ گرین کا سکہ ۱۰۰ کوڑیوں کے برابر ہوتا تھا تاہم بعد میں اتنی ہی کوڑیاں ۸۳ یا ۸۱ گرین کے سکوں کے لئے بھی حاصل ہو سکتی تھی۔

اس جگہ فی الحقیقت ہمیں خیال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کشمیر کے اندر تانبہ کے سکہ کے اوزان میں کمی ہونے کا باعث کوڑیوں کی قیمت میں تدریج کمی واقع ہو جانا ہی تو نہ تھا۔

طامس صاحب نے پرنسپ صاحب کی کتاب یوزفل ٹیبلز کے صفحہ ۹۳ پر سرایچ ایم ایلیٹ کی کتاب "گلاسری آف ٹرمز یوزڈ ان دی نارتھ ویسٹرن پراونسز آف انڈیا" سے اس قسم کی عجیب شہادت پیش کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال میں تجارتی سہولتوں نے ہندوستان کے ان حصوں میں کوڑی کی قیمت کس قدر کم کر دی ہے۔ جہاں کوڑیاں بآسانی مل سکتی ہیں۔

سطور بالا میں جو حوالے اور شہادتیں پیش کی گئی ہیں۔ ان سے ظن غالب ہوتا ہے کہ کشمیر میں مالی سسٹم کی ابتداء کوڑی ہی سے ہوا کرتی تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جو باتیں سردست مرتب ہو سکتی ہیں ان سے یہ معاملہ تیقن کے ساتھ فیصل نہیں ہوتا۔

اس معاملہ کی نسبت آخر میں ہم خواہ کچھ بھی خیالات اخذ کریں تاہم یہ بات ضرور یقینی ہے کہ کشمیر میں اکائی کا سکہ بلاشبہ بہت ہی کم مالیت کا ہوا کرتا تھا۔ یہ امر بجائے خود ملک کی قدیم مالی حالتوں کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اس بارہ میں ہماری واقفیت اس لحاظ سے اور بھی اہم ہے کہ اس کے ذریعہ ہم ان قیمتوں۔ تنخواہوں وغیرہ کو قریب

قریب صحت کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں جن کا ذکر کلہن کی راج ترنگنی و نیز بعد کی تاریخوں میں آتا ہے چونکہ جن سکوں پر ہم بحث کر چکے ہیں ان کی ملی قیمتوں کا اندازہ کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہم ان شلوکوں کا مقابلہ کریں۔ اس لئے ذیل میں ان کی اجمالی کیفیت قلمبند کی جاتی ہے

چونکہ ہم جانتے ہیں کہ چاول اس وادی کی خاص پیداوار ہیں اور ان کی گرانی و ارزانی کا اثر ہمیشہ باشندگان کی مالی حالت پر پڑتا رہا ہے اس لئے یہ ایک قدرتی امر ہے کہ اکثر حوالے جن کا ہم نے ذکر کرنا ہے وہ چاولوں ہی کے متعلق ہیں۔ سب سے اول چاولوں کی قیمت کا ذکر راجہ اونتی ورمن کے عہد میں آتا ہے۔ اس راجہ نے آبپاشی کے طریقوں میں جو وسیع اصلاح کی تھی اس کے باعث چاولوں کے نرخ میں بہت کچھ کمی واقع ہو گئی۔ اس سے پہلے جیسا کہ ترنگ ۵ کے شلوک ۱۱۶ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اچھے سالوں میں بالاوسطاً ایک کھاری چاولوں کی قیمت ۲۰۰ دینار ہوا کرتی تھی۔ اور اسی ترنگ کے شلوک ۱۷ کے بموجب ایام قحط میں ۱۰۵۰ دینار تک بڑھ جاتی تھی۔ سویہ نے اراضی کی کاشت کو جو وسعت دی اور ناقابل زراعت زمینوں پر کاشت شروع کرا دی۔ اس سے یہ نرخ ۳۶ دینار تک گھٹ گیا یا ترنگ ۵ کے شلوک ۱۱۷ کے بموجب، جیسا کہ ایک تیکا دکار صاف طور پر بیان کرتا ہے صرف ۳ باہ گنی رہ گیا۔ اگر ہم فرض کریں کہ کھاری جواب بھی کشمیر میں پیمانہ وزن ہے ۱۷۷ پونڈ (نصف سیر = ایک پونڈ) ہوا کرتی تھی (دیکھو نوٹ ۳۵۹ کتاب ہذا) تو آخر الذکر قیمت کشمیر کے لئے بھی بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ بعد ازاں ہرش کے زمانہ میں جب قحط پڑا تو کھاری کی قیمت ۵۰۰ دینار دی گئی ہے۔ سری ور کی راج ترنگنی ترنگ ا شلوک ۲۰۲ سے واضح ہوتا ہے کہ سلطان زین العابدین کے عہد میں جس نے ۱۴۲۰ء سے ۱۴۷۰ء تک حکومت کی معمولی فصلوں میں ۳۰۰ اور ایام قحط میں ۱۵۰۰ دینار قیمت ہوا کرتی تھی۔

شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۲۴۷ میں جہاں ہم سولھویں صدی میں سلطان محمد شاہ کے عہد میں ایام قحط کی قیمت ۱۰۰۰ دینار مذکور پاتے ہیں تو یہ رقم

بہت ہی زیادہ نظر آتی ہے۔ اس گرانی کے موجب بعض اس قسم کے مستقل بواعث ہونگے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ ابو الفضل آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ پر لکھتا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں جب قاضی علی نے شرح مالگذاری قایم کی تو کئی سال کی قیمت کی اوسط لے کر معلوم ہوا تھا کہ خردار (یا کھاری) کی جنسی قیمت ۲۹ دام (۲۹۰۰ دینار) اور خروار مالی کی حسب شرح سابق ۱۳ دام (۱۳۳۲) دینار ہے۔ اس جگہ خروار مالی کی قیمت درج کی گئی ہے اس سے مراد اناج کا وہ نرخ ہے جس پر وہ اس طریق کے مطابق جو آج تک باقی چلا آتا ہے باشندگان شہر کو شاہی ذخیرہ سے فروخت ہوا کرتا تھا۔ مقابلہ کے لئے دیکھو خروار کا لفظ جو لوک پرکاش میں دینار کھاری کی صورت میں آیا ہے نوٹ نمبر ۳۵۹ کتاب ہذا۔ اس طریق کے بارہ میں جس کی رو سے غلہ کی تجارت بہت بڑی حد تک سرکار ہی کے ہاتھوں میں رہتی تھی دیکھو لارنس صاحب کی کتاب صفحہ ۳۹۰۔ یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد کے آخر میں چاولوں کی شرح قیمت جس پر وہ سرکاری ذخیرہ سے فروخت ہوتے تھے ۱۰ ار سکہ انگریزی تھی اور سنہ ۱۸۹۸ء میں فی کھاری آخر الذکر نرخ عہد اکبری کے ۵۰ داموں کے برابر کہا جا سکتا ہے۔

باقی اجناس وغیرہ کی جو شرح قیمت مقرر تھی اس کا ذکر بدقسمتی سے بہت کم سننے میں آتا ہے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۲۱ میں جہاں کلہن نے راجہ ہرش کے زمانہ میں قحط کا ذکر کیا ہے ایک پل اون کی قیمت ۶ دینار دی ہے چونکہ کھاری کے ۱۹۲۰ پل ہوتے ہیں اس لئے گویا ایک کھاری کی قیمت ۱۵۲۰ دینار ہوا کرتی تھی۔ مقابلہ کے طور پر یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جدید مالی تبدیلیوں کے زمانہ تک اون کی قیمت ۱۲ روپیہ فی خروار ہوا کرتی تھی۔ اس رقم کو ابو الفضل کی شرح کے مطابق (۴۰ دام یا ۴۰۰۰ دینار = عہ) دیناروں میں تبدیل کیا جائے تو مجموعی تعداد ۷۶۰۰۰ دینار بنتی ہے۔ اسی قحط کے

زمانہ میں چاول ۵۰۰ دینار فی کھاری کے حساب سے بکا کرتے تھے اگر ہم ۵۰۰ فی کھار ہی حال میں چاولوں کا اوسط بازاری نرخ سمجھ لیں اور ساتھ ہی فرض کریں کہ ہرش کے زمانہ سے اون کی قیمت بھی اسی شرح سے بڑھی ہے۔ جس سے چاول کی ذیل کی مساوات حاصل ہوتی ہے۔

۱۷۶۰۰ : X = ۸۰۰۰ : ۵۰۰

اس مساوات کو حل کیا جائے تو اس زمانہ میں فی کھاری اون کی قیمت ۱۱۰۰۰ دینار نکلتی ہے۔ اس حساب سے ۶ دینار فی پل یا ۲۰ ۱۱۵ دینار فی کھاری کا نرخ برآمد ہوتا ہے جو اس سے ملتا جلتا ہے جو اصل کتاب میں پایا جاتا ہے۔

بسی قحط کے زمانہ میں ایک دینار ۲ پل انگوروں کی قیمت بیان کیا گیا ہے جس حساب سے کھاری کی قیمت ۹۶۰ دینار بنتی ہے۔ اس نرخ کا مقابلہ انگوروں کی موجودہ شرح سے کرنا اس لئے ناممکن ہے کہ وادی میں انگوروں کی تھوک پیداوار عملی طور پر ان سرکاری تاکستانوں تک محدود ہے جو جھیل ڈل پر واقع ہیں اور وہیں سے سرکاری آبکاری میں انگور جاتے ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے آئین اکبری کی جلد ا صفحہ ۶۵ میں ایک فقرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں ۸ سیر انگور ایک دام کے بکا کرتے تھے اسی جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ انگوروں کا کرایہ فی من ۳ روپیہ تھا۔ لکھا ہے کہ کشمیری انہیں لمبوترے ٹوکروں میں بھر کر پیٹھ پر اٹھا کر لاتے ہیں۔" اس جگہ دہلی تک کا (؟) جو کرایہ درج ہے اس سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کشمیر اور ہندوستان کے درمیان تجارت کی راہ میں کیا کیا مشکلات حائل تھیں۔ اکبر کا من موجودہ سرکاری من سے نصف وزن کا سمجھنا چاہیئے۔ دیکھو پرنسپ صاحب کی یوزفل ٹیبلز صفحہ ۱۱۱-۱ اس جگہ انگوروں کو ایک جگہ سے دوسری تک لے جانے کا جو طریق مذکور ہے وہ آج تک مروج ہے۔

بہر نوع سطور بالا میں جو نرخ دیا گیا ہے اس کے حساب سے ۸ سیر کے چونکہ ۴۰

ہوتے ہیں اس لئے اپل کی قیمت ۲ یا ۲ دینار ہوئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۱ویں صدی میں جو نرخ ایام قحط میں تھا ۵ صدی بعد وہی معمولی نرخ بن گیا۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۶ تا ۱۴۳ میں کلہن نے جس مقدمہ کا ذکر کیا ہے جس کو راجہ اوچل نے دانایانہ طریق پر فیصل کیا تھا اس میں کلہن نے بنیئے کے حساب کا ایک عجیب نمونہ پیش کیا ہے اس جگہ جو رقوم دی گئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۶۰۰ دینار پل کی میز بجری۔ ۱۰۰ دینار چوبی اور چابک کی مرمت۔ ۵۰ دینار گھی برائے مرہم۔ ۳۰۰ دینار معاوضہ جو شکستہ ہانڈیوں کے لئے دیا گیا۔ ۱۰۰ دینار چوہیوں اور مچھلیوں کے چھچھڑوں کی قیمت جو بازار میں سے بلی کے بچوں کے لئے خریدے گئے ۷۰۰ دینار ایک مرکب کے لئے اور تھوڑی مقدار چاول۔ گھی۔ شہد کی جو سرا دہ میں درکار ہوتی ہے۔ ۱۰۰ دینار کا شہد اور ادرک ایک بیمار بچہ کے لئے۔ ۳۰۰ دینار ایک بدبخت فقیر کو سے وہ شاید ۳ ماہ کے لئے کافی چاول حاصل کر سکے گا) ۱۰۰ - ۲۰۰ دینار خوشبو اور تنترک گوروں کے متفرق چڑھاوے کے لئے ہم دینار کی جو نسبت معلوم کر چکے ہیں۔ اس حساب سے ان رقوم کی مالیت ہر چند کہ حقیر معلوم ہوتی ہے تاہم ان کو صحیح قیمتیں نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ قصہ کے طرز بیان سے جتلایا گیا ہے کہ یہ قیمتیں ایک دغاباز ادنے درجہ کے دوکاندار نے بہت بڑھا کر لگائی ہوئی ہیں۔ لیکن اپنی موجودہ صورت میں بھی وہ اس امر کی بین دلیل ہیں کہ کشمیر میں بے حد ارزانی ہوا کرتی ہوگی۔

نمک کی قیمت ہمیشہ کشمیر میں نسبتاً زیادہ چلی آئی ہے۔ کیونکہ اس کی درآمد لداخ اور پنجاب سے کرنا پڑتی ہے۔ سریور اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۵۸۴ میں لکھتا ہے کہ ایک موقعہ پر جب کہ سیاسی فسادات کے باعث جنوبی درے بند تھے دار السلطنت میں ۱/۲ اپل نمک کی قیمت ۲۵ دینار یا ایک پونتشو ہوگئی تھی۔ اب بھی شہر میں روپے کا ۸ سیر نمک سستا گنا جاتا ہے۔ اس حساب سے ایک سیر کی قیمت ۱/۸ روپیہ یا ابو الفضل

کے اندازہ کے بموجب ۵ ہتھ (۵۰۰ دینار) بنتی ہے۔ کیونکہ ابو الفضل نے اپل یا ۱/۲۰ سیر کی قیمت ۱/۲۰ یا ۲۵ دینار دی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۵ ویں صدی میں جو نرخ تنگی کے دنوں میں تھا وہ موجودہ معمولی نرخ سے بھی ارزاں تھا۔

غرض سطور بالا میں جو حوالے دیئے گئے ہیں ان سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ تمام اس قسم کی چیزیں جو ملک کے اندر پیدا ہونے والی ہیں وہ نہ صرف ہندوؤں کے زمانہ میں بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک بے حد ارزاں رہیں۔ فی الحقیقت اگر ہمارے پاس ابو الفضل کی تصدیق موجود نہ ہوتی تو ہمیں اس بات ہی کا شبہ پڑ جاتا کہ ہم نے اشیا کی جو قیمتیں لگائی ہیں وہ درست ہیں یا نہیں۔ لیکن کشمیر ہی ہندوستان کا ایک ایسا حصہ نہیں ہے جہاں کی ارزانی حیرت میں ڈالنے والی ہے۔ کیونکہ ۱۴ ویں صدی کے مشہور سیاح ابن بطوطہ افریقی نے اپنے زمانہ میں بنگال کے نرخوں کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی قریب قریب کشمیر کی مالی حالتوں کے برابر ہی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ ابن بطوطہ کے سفرنامے کا دلچسپ خلاصہ سر ہنری ییول نے اپنی کتاب "کیتھے اینڈ دی وے دِدر" میں دیا ہے اور اس پر جا بجا فاضلانہ حاشی بھی چڑھائے ہیں۔ بنگال کے نرخوں کے متعلق دیکھو کتاب مذکورۃ الصدر صفحہ ۴۵۸۔

ابن بطوطہ بیان کرتا ہے کہ میرا ایک واقف کار چاندی کے ایک دینار میں جو مالیت میں ایک روپیہ کے برابر ہوتا ہے اپنے گھر کے لئے جس میں وہ تین شخص کھانے والے تھے۔ سال بھر کا سامان خرید کیا کرتا تھا اس طرح پر ۸۰ دہلی کے رطل یا ۲۳۰۰ پونڈ اور ڈوپودان خرید لئے جایا کرتے تھے۔ ایک اور حساب سے رطل (یا من) کو اگر ۲۸۱۷ پونڈ وزنی لگایا جائے تو چاولوں کی مقدار ۱۹۷۶ پونڈ بن جاتی ہے جو پھر بھی بجائے خود کچھ کم نہیں۔ ایک موقعہ پر ابن بطوطہ نے بنگال میں ایک دودھ دینے والی گائے ۳ دینار (۳؍) میں اور ۸ فربہ مرغ ایک ایک درم (۱/۸ روپیہ) میں فروخت ہوتے دیکھے تھے۔

سر ہنری ییول نے اپنی کتاب کیتھے کے ایک ضمیمہ کے نوٹ میں جو کتاب مذکور کے

صفحہ جات زاید میں ۱۵۱ صفحہ پر ہملٹن صاحب کی کتاب نیو ایکاؤنٹ آف دی ایسٹ انڈیز ایڈیشن ۱۷۴۴ء جلد ۲ صفحہ ۲۳ سے لیا ہے ۔ بیان کیا ہے کہ ۱۷ ویں صدی کے آخر میں بھی چاٹ گام میں ایک روپیہ کے ۵۸۰ پونڈ چاول خرید ے گئے تھے ۔ اور اتنی ہی رقم میں ۶۰ عمدہ پلی ہوئی مرغیاں آتی تھیں ۔ یہ حالت ارزانی کی اس بڑے صوبہ میں تھی جہاں بری وبحری ذرائع آمد ورفت کافی تھے اور جو ایک عظیم سلطنت کا حصہ تھا ۔ اس صورت میں ہم اس ارزانی پر چنداں حیراں نہیں ہو سکتے جو ہندو راجاؤں کے وقت میں کشمیر میں موجود تھی اور یہ ارزانی بھی اس حالت میں تھی جب کہ سیاسی طور پر بالکل الگ رہنے اور دوادی کی قدرتی مقامیت کے باعث تجارت میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں ۔

ظاہر ہے کہ اجناس خوردنی بالخصوص چاولوں کی اس شرح سے جو کلہن نے درج کی ہے ان نقد رقوم کی متناسب قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو تنخواہوں وغیرہ کے طور پر کشمیر کے اندر ہندوؤں کے وقت میں دی جاتی تھیں ۔ اس تخمینہ کی غرض سے اگر ہم ایک کھاری چاول کی قیمت ۲۰۰ دینار رکھیں تو شاید زیادہ غلطی پر نہ ہوں گے ۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۱۱۷ سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ اونتی ورمن کے رقبہ زیر کاشت کو وسعت دینے سے پہلے معمولی نرخ ۲۰۰ دینار ہی تھا سر یور کی راج ترنگنی ترنگ ا شلوک ۲۰۱ سے واضح ہوتا ہے کہ پندرھویں صدی میں معمولی نرخ ۳۰۰ دینار تھا ۔ اس لحاظ سے ہم نے جو ۲۰۰ دینار کا اندازہ قائم کیا ہے وہ چنداں کم نہیں ہے ۔

جب ہم اس پیمانہ کو مدنظر رکھتے ہیں تو ترنگ ۸ کے شلوک ۹۵ میں جیا پیڈ کے خاص پنڈت اوبھٹ کی روزانہ تنخواہ ۱۰۰۰۰۰ واقعی معقول رقم ہوتی ہے ۔ کیونکہ یہ رقم ۵۰۰ کھاری غلہ کی قیمت کے برابر ہے ۔ اگر اس شرح سے تخمینہ کیا جائے جو ابو الفضل نے قائم کی ہے اور پہلے کے تانبے کے سکہ ہونے کا ؟ ۱۲ فیصدی قیمت کا اضافہ کیا جائے تو اوبھٹ کی الکھ روزانہ تنخواہ ۲۸½ روپیہ کے برابر بنتی ہے ۔ اس رقم کو منظور کرنے

یں ہر چند کہ آج کل بھی کسی پنڈت کو عار نہ ہوگی۔ تاہم یہ اتنی بڑی نہیں قرار دی جاسکتی کہ کوئی جدید مورخ اس پر توجہ دے لیکن اگر ہم اس رقم کو جو کلہن نے بیان کی ہے اناج کی صورت میں تبدیل کریں اور آخر الذکر کی موجودہ قیمت کا تخمینہ حساب مذکورۃ الصدر کے مطابق ۱۲ روپیہ فی کھاری کے نرخ سے کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال میں ۹۲۵ روپیہ میں قریب قریب اتنی چیز خریدی جاسکتی ہے جتنی اوبھٹ کے زمانہ میں ۱۰۰۰۰ دینار میں خریدی جاسکتی تھی۔

جب ہم ترنگ ۵ کے شلوک ۲۰۵ کو دیکھتے ہیں تو اس حساب پر اندازہ لگاتے ہوئے شنکر ورمن کے منظور نظر لوت کا روزانہ ۲۰۰۰ دینار کا وظیفہ بھی واقعی بیش قرار معلوم ہوتا ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ وہ شخص پیشہ کی رو سے حمال تھا۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۴۴ وغیرہ میں جو ذکر آتا ہے کہ راجہ اننت نے پناہ گزین شاہی شاہزادوں میں سے ۱۵۰۰۰ دینار یومیہ رُدرپال اور ۸۰۰۰ دینار یومیہ دِدّاپال کو دینے شروع کئے تھے ان سے خزانہ بہت کچھ ہلکا ہوگیا تھا۔ ۱۱ ویں صدی میں ان رقوں سے اناج کی جو مقدار خریدی جاسکتی تھی وہ اب علی الترتیب لمابحہ ۹۳۷ اور ضمانہ میں خریدی جاسکتی ہے جب ہم معاملہ کو اس پہلو سے دیکھتے ہیں تو وہ حیرانگی واقعی بجا معلوم ہوتی ہے جو کلہن نے اس بات پر ظاہر کی ہے کہ اتنی بڑی بڑی رقمیں لینے پر بھی وہ عالی نسب شاہزادے مقروض ہی رہا کرتے تھے۔

اناج کی قیمتوں کو ایک اس قسم کا پیمانہ قرار دینے میں جس کی مدد سے ہم راج ترنگنی میں درج کی ہوئی رقوم کی متناسب قیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں ہم اس لئے بھی حق بجانب ہیں کہ یہ بات کسی قدر تحقیق کی جاچکی ہے کہ کشمیر کی کرنسی کے نظام میں ابتدائی زمانہ میں چاولوں کو بھی دخل رہ چکا ہے۔

اس یقین کی ابتدا اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ طریقہ اب تک بھی کشمیر میں موجود

پایا جاتا ہے جیسا کہ نوٹ نمبر ۹۲ کتاب ہذا میں بیان کیا جا چکا ہے۔ چونکہ اب سے تھوڑی مدت پہلے تک مالگذاری جنس میں وصول کی جاتی تھی۔ اس لئے سرکاری طور پر باقاعدہ طریقہ تھا کہ ملازموں کو تنخواہیں وظائف وغیرہ غلّہ ہی کی صورت میں شاہی ذخائر سے ادا کئے جاتے تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانہ سے سرکاری ملازموں کی تنخواہیں برائے نام روپوں میں مقرر کی گئی تھیں ادائیگی کا طریقہ یہ تھا کہ ان رقموں کو اس شرح مبادلہ کے مطابق جس کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے شالی (چاول) یا مکئی اور پیداوار کی صورت میں جو شاہی ذخائر میں موجود ہو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ لیکن اس سے پہلے سرکاری طور پر نقدی کی برائے نام رقوم بھی گنتی میں نہ لی جاتی تھیں اور تنخواہ معین کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ چاولوں کی کھاریوں ہی کی تعداد معین کر دی جاتی تھی یہ رواج بخ کے ہر قسم کے ملازموں پر بھی عاید ہوتا تھا اور اس طبقہ میں آج تک قایم چلا آیا ہے۔

لارنس صاحب نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۲۴۲ پر جو ذیل کی عبارت لکھی ہے اس سے معاملات کی صورت واضح ہوتی ہے جو جدید انتظامی اصلاحات کو وضع سے پہلے موجود تھی۔ "۱۸۸۹ء میں جب میں نے کام شروع کیا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ نقد قیمتیں موجود ہی نہیں۔ تنخواہیں بصورت غلہ ادا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ۱۸۸۹ء میں مجھ سے درخواست کی گئی تھی کہ میں اپنے اور اپنے صیغہ کی تنخواہ کے بدلے تلہن منظور کر لوں۔ ان دنوں تلہن کو کرنسی کا ایک قابل قدر ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ نہ صرف سرکار کی طرف سے کارکنوں کو تنخواہیں بصورت غلہ ادا ہوا کرتی تھیں۔ بلکہ پرائیویٹ لوگ بھی اپنے ملازموں کو اسی طرح تنخواہیں ادا کرتے تھے اور ایک اوسط درجہ کے خانگی نوکر کی تنخواہ ۱ء سے ۲ء کھروار شلی ہوا کرتی تھی۔ اس زمانہ میں کرنسی کا کام زیادہ تر شلی ہی سے لیا جاتا تھا۔ اور چاندی محض ایک امدادی حصہ لیتی تھی۔"

اس جگہ جس طریق کا ذکر کیا گیا ہے اس کے زمانہ قدیم سے چلے آنے کی کامل

تصدیق آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ سے ہوتی ہے جہاں ابوالفضل کی تحریر ثابت کرتی ہے کہ کشمیر کا مالی انتظام بہت کچھ سولھویں صدی میں بھی ویسا ہی ہوا کرتا تھا جیسا زمانہ جدید میں دیکھا گیا ہے یہی نتیجہ ہندوؤں کے زمانہ کے بارہ میں ان اشارات سے نکلتا ہے جو کلہن نے جا بجا کئے ہیں (دیکھو نوٹ ۲۹۲ کتاب نمبر ۱) چونکہ مال گذاری زیادہ تر غلہ کی کھاریوں کے حساب سے چارج اور وصول کی جاتی تھی - اس لئے نتیجہ نکلتا ہے کہ کرنسی پر اس کا اثر وہی پڑا کرتا ہوگا جو نسبتاً زمانہ حال میں دیکھا گیا ہے - اس نتیجہ کی پورے طور پر تائید لوک پرکاش سے ہوتی ہے - جیسا کہ مثلاً انڈش سٹوڈین جلد ۱۸ صفحہ ۳۴۶ - ۳۷۸ سے واضح ہوتا ہے - کرایہ جرمانہ - سود وغیرہ کی ادائیگی کے طور پر چاولوں کی کھاریوں کی مقررہ مقدار درج ہے - گو بعض جگہ مقابلہ کے طور پر ان کی قیمتیں بھی درج کی گئی ہیں - چنانچہ جلد ۲ میں ایک جگہ ایک نوکر کی سالانہ تنخواہ ۱۵ کھاری چاول درج ہے جس کی قیمت مع کسی قدر دیگر سامان کے ۵۰۰ دینار بنتی ہے - مال گذاری کا حساب جنس میں کرنے کا طریق ایشیا میں عام طور پر مروج ہے اور سچ پوچھو تو یہ ایک زراعتی ملک کی مالی حالتوں کے حسب حال بھی ہے - فرانز اوڈرک نے چین کے صوبہ منزی کا ذکر کرتے ہوئے ایک دولتمند شخص کا حال لکھا ہے جس کی مالگذاری چاولوں کے تگر کے ۳۰ تومن درج ہے تخمینہ ہے کہ ہر ایک تومن دس ہزار اور ہر ایک تگر ایک گدھے کے بوجھ کے برابر ہوتا ہے - دیکھو کتاب کیتھے صفحہ ۱۵۲ - سر اے بیول اپنے نوٹ کے دوران میں لکھتے ہیں - گو معلوم نہیں چین میں اب تک یہ طریقہ مروج ہے یا نہیں - لیکن بہرنوع اب سے کچھ مدت اس طرف مال گذاری کا تخمینہ یقیناً چاولوں کی بوریوں کے حساب سے کیا جاتا تھا برہما میں بھی ہمیشہ چاول کی ٹوکریوں کا حساب کیا جاتا رہا ہے - جب دوسرے ملکوں میں یہ حال تھا تو کشمیر ایسے ملک میں جو پہاڑوں کی وجہ سے دوسرے علاقوں سے جدا اور اس لئے تجارت برآمد کے اثرات سے عاری تھا اس قسم کا طریق جو ملک کی خاص پیداوار اور اہل ملک کی عام خوراک پر مبنی تھا یقیناً زیادہ حسب حال معلوم ہوا ہوگا -

سطور بالا میں جس قدر شہادت ہم نے پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ قدیم کشمیر میں موجود تھا اور اس واقفیت سے ان امور کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد ملتی ہے جو ہم نے اس ملک کی نقد کرنسی کے بارہ میں معلوم کئے ہیں اس حالت میں ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ گو سکوں کے اس طریق کی بنا ایک کوڑی پر تھی اور اس کا بڑے سے بڑا سکہ تانبہ کا ہوا کرتا تھا تاہم ساتھ ہی کاروبار کے اہم معاملات میں چاولوں کی کھاری کے طریق تبادلہ سے اس سسٹم کو بہت کچھ مدد ملا کرتی تھی۔

نوٹ نمبر ۱۰

وتستہ اور سندھو کا مقام اتصال

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۴ ۶ ۳ کتاب ہذا)

اس شلوک کی دلچسپی اور اس کی مشکلات کا موجب وہ جغرافیائی علامات ہیں جو اس کی رو سے دریائے وتستہ اور سندھو کے قدیم مقام اتصال کے بارہ میں مہیا ہوتی ہیں ان علامات کو اگر اس نوٹ میں اچھی طرح سمجھ لیا گیا تو وتستہ کی باقاعدگی کے متعلق سویہ کے ایک اہم نتیجہ کا پتہ چل سکیگا۔

دریائے وتستہ اور اس کا سب سے بڑا معاون سندھو (مذکورہ نوٹ ۲۰ کتاب ہذا) آج کل شادی پور کے بڑے موضع کے مقابل میں سری نگر کے شمال مغرب کی طرف سیدھے تقریباً ۹ میل کے فاصلہ پر ملتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت کم از کم چودھویں صدی سے یہی مقام اتصال چلا آتا ہے۔ اس مقام کے نام ہی سے ملتا ہے جیسا کہ ابو الفضل کی آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۴۴۶-۲ سے معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ نام شادی پور دراصل اصلی نام شہاب الدین پور بہت ندی کے کنارہ پر واقع ہے اور اس کے اردگرد سال کے درخت بکثرت ہیں۔ یہ ایک نہایت

پسندیدہ مقام ہے اور یہیں پر دریائے سندھ بہت سے ملتا ہے۔ جونراج کی راج ترنگنی شلوک
۴۰۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین پور کا نام سلطان شہاب الدین کے نام پر مشہور
ہوا تھا جو سنہ ۱۳۵۴ء سے سنہ ۱۳۷۳ء تک حکمران رہا تھا اور اس نے دریائے وتستا اور سندھ
کے مقام اتصال پر ایک شہر بسا کر اسے اپنے نام سے مشہور کیا تھا۔

جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ کلہن کے زمانہ اور شہاب الدین کے وقت کا درمیانی
عرصہ صرف ۲ صدی کا ہے اور جونراج کی تاریخ میں درمیانی عرصہ میں دریا کے بہاؤ میں کسی قسم
کی تبدیلی کا واقع ہونا مذکور نہیں اس لئے ہم محفوظ طریقہ پر نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کلہن کے
زمانہ میں بھی دونوں دریاؤں کا مقام اتصال وہی تھا جہاں آج کل ہے۔ شلوک مذکورۃ الصدر
میں کلہن صاف طور پر دونو دریاؤں کے اس مقام اتصال کو جو اس کے وقت میں ہوا کرتا
تھا۔ سویہ کی کارروائی سے منسوب کرتا ہے۔ پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مقام اتصال آجتک
نہیں بدلا تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کلہن نے ترنگ ۵ کے شلوک ۸ میں سویہ کی کارروائی کی جس
دیرپائی کا اندازہ کیا تھا وہ عملی طور پر درست ثابت ہوئی ہے۔

اس بات کو معلوم کرنے کے لئے کہ سویہ کی کارروائی سے پہلے یہ دریا کہاں ملا کرتے تھے
ہمیں زیادہ تر انہیں معلومات پر اعتبار کرنا پڑتا ہے جو کلہن ترگرامی اور وشنو ویبنیہ سوامن
کے مندر کی مقامیت کے متعلق پیش کرتا ہے ان معلومات کو بہترین طریق پر سمجھنے میں اس
مفصل نقشہ سے سہولیت حاصل ہوگی جو شٹاین صاحب نے پریہاس پور اور وتستا اور سندھ
کے مقام اتصال کا تیار کیا ہے۔

جیسا کہ نوٹ نمبر ۱۸۱ کتاب ہذا میں بیان کیا جا چکا ہے دوسرے شاہکوں کی شہادت
سے یہ معلوم کرنا سہل ہو چکا ہے کہ ترگرامی سے مراد موجودہ موضع ترگام سے ہے جو وتستا
کے بائیں کنارہ پر شادی پور کے جنوب مغرب میں کوئی ۱½ میل کے فاصلہ پر واقع ہے
لیکن یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وینیہ سوامن کا مندر کون سا ہے ہم ان معلومات کو جو علاقہ

جائے اتصال کے بارہ میں اس شلوک میں موجود ہیں پورے طور پر سمجھنے کے لئے جغرافیائی حالات کا علم اور نواحی آثار قدیمہ کا معائنہ ضروری تھا۔ اس کام کو سٹاین صاحب نے اس دورہ کے موقعہ پر سرانجام دیا جو انہوں نے اکتوبر ۱۸۹۲ء میں اس طرف کیا تھا۔ اس موقع پر انہوں نے جو جو باتیں معلوم کیں مئی ۱۸۹۶ء میں دوسرے دورہ کے موقع پر انہوں نے ان کو دوہرایا اور ان میں اضافہ کر دیا۔

ترگام حقیقت میں چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں کے اس مجموعہ کا نام ہے جو ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اس سطح مرتفع پر واقع ہیں جو دریائے وتستا کے بائیں کنارہ سے پرس پور کی سمت میں جس کا ذکر نوٹ نمبر ضمیمہ کتاب ۱۰ میں آچکا ہے پھیلی ہوئی ہے۔ مواضع کے اس مجموعہ میں پرے پور مشرق۔ گنڈ خلیل وسط۔ کرال پور مغرب اور زیرپورا جنوب کی طرف واقع ہے گنڈ خلیل کے قریب جس کی علامت قریب قریب اس مثلث مقام سے واضح ہوتی ہے جو بڑے نقشہ پیمائش میں ترگام کے شمال میں دکھایا گیا ہے۔ جنوب مغرب کی طرف سے ایک دلدلی نشیب مقام کوئی پاؤ میل چوڑا واقع ہے۔ جہاں سال بھر سڑا ہوا پانی جمع رہتا ہے۔ اس دلدل کی گہرائی جوں جوں آگے بڑھتی جائیں زیادہ ہوتی جاتی ہے اور یہ جنوب مغربی سمت میں ایک میل کے فاصلہ تک زیرپور سے گذر کر ملک پور کے چھوٹے سے گاؤں کی طرف جاتی ہے آخر اس کے قریب یہ اس گہرے دلدلی نشیب سے جا ملتی ہے جس کا نام بدرحی سیل نالی ہے اور جو پرس پور کی سطح مرتفع کو ترگام کی زمینوں سے الگ کرتا ہے

جنوب مشرق کی طرف، ترگام کی دلدل کے کنارہ گھوم کر زیرپور کا مقام آتا ہے اور اس کے بعد موضع ملپور جو دلدل کے اندر خشکی کی ایک شاخ پر (جو شمال مغرب کی طرف ہے) واقع ہے۔ اس شاخ کے جنوبی کنارہ پر ملپور کی حدود کے قریب موضع ملک پور شاندار سال کے درختوں کے سایہ میں واقع ہے۔ ملک پور کے کھیت بلند زمین کے اس تنگ قطعہ پر واقع ہیں جو ترگام کی دلدل کے جنوبی سرے کو بدرحی سیل نال سے جدا کرتا ہے۔

ملک پور کے مکانات کے عین پس پشت اور ان کے جنوب کی طرف ایک قدیم مندر کی بنیادی دیواریں نظر آتی ہیں جو اب کسی قدر زیارت سید احمد کرمانی کی چار دیواری کا کام دیتی ہیں۔ یہ دیواریں جو بڑی بڑی اچھی طرح تراشی ہوئی سلوں کی بنی ہوئی ہیں بعض جگہ سطح زمین سے کئی فٹ کی بلندی تک دیکھی جاتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مربع حجرہ کے متعلق ہوں گی۔ ان کا وہ پہلو جو مشرق سے مغرب کی طرف جاتا ہے زیادہ اچھی حالت میں ہے اور اس کی پیمائش کوئی ۶۸ فٹ ہے۔ بنیادی دیواروں کے قریب اور ان کے ذریعہ بنے ہوئے احاطہ کے اندر بیشمار لنگوں کے تراشے ہوئے حصے اور اصل عمارت کے متعلق اور بہت سے آثار صنادید دیکھنے میں آتے ہیں۔ سٹاین صاحب بیان کرتے ہیں کہ اگر پنڈت مکند رام ساکن ترگام اور اور لوگوں کے بیانات جو مجھے ان کی زبانی معلوم ہوئے درست ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مقامی برہمن اسی شکستہ حال مندر کو وینیہ سوامن کہتے ہیں۔

اگر ہم اس مقامیت کو درست تسلیم کرلیں تو کلہن کے بیان مذکورہ ترنگ ۵ شلوک ۹۷ کو بخوبی طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ اور معلوم کرسکتے ہیں کہ پہلے اتصال کی صورت میں دریاؤں کا رخ کدھر کو تھا۔ اگر ہم اس ٹیکری پر جہاں مندر واقع ہے۔ آخرالذکر سے کوئی ۴۰۰ گز کے فاصلہ پر جنوب مغربی سرے کے قریب کھڑے ہوکر شادی پور کی طرف رخ کریں تو وہ دلدل جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اور جو شمالاً شرقاً واقع ہے ترگام کی جانب ہمارے بائیں طرف رہ جاتی ہے اور بدری ہیل نال جو ترگام اور پرس پور کی سطح مرتفع کو تقسیم کرتی ہے دائیں طرف رہ جاتی ہے۔ اب بائیں طرف جو دلدل ہے اس کی نسبت ظن غالب ہوتا ہے کہ یہاں پر سے پہلے سندھو بہا کرتا تھا۔ اور بدری ہیل نال پر سے وتسٹیہ۔ متناسب مقامیت کلہن کے اس بیان سے بالکل مطابق ٹھیرتی ہے جس میں وہ بیان کرتا ہے کہ "دو نو عظیم دریا سندھو اور وتسٹہ پہلے وشنو (وینیہ سوامن) کے مندر کے قریب ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے اور علی الترتیب ترگامی کے بائیں اور دائیں طرف بہتے تھے۔"

اول الذکر شناخت کی نسبت یہ امر قابل ذکر ہے کہ جو دلدل اب زیر پور سے پرے ختم ہو جاتی ہے اس کی نسبت دیہاتیوں کا بیان ہے کہ اب سے چند نسلوں کا عرصہ پیشتر وہ شمال کی طرف زیادہ بڑھی ہوا کرتی تھی اور گند خلیل سے پرے تک پہنچتی تھی۔ اس کی توسیع کی موجود علامت سر لینی جھیل نامی ایک پایاب خشک نالہ ہے جو گند خلیل کے مکانات کے مغرب کی طرف پاس سے ہو کر گذرتا ہے اور جس کا سراغ کچھ فاصلہ پرے تک لگایا جا سکتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شادی پور کی طرف شمال مشرقی سمت میں بہا کرتا تھا نقشہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکے گا کہ یہ نالہ اور دلدل اس براہ راست سلسلہ میں واقع ہیں۔ جو شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف جاتا ہے اور جس کے راستہ کو دریائے سندھ کو گند (کو گوڈ) سے نیچے کی طرف وتشٹہ کے ساتھ اپنے موجودہ مقام اتصال تک اختیار کئے رکھتا ہے۔

نہر نور (جو نقشہ میں نورو کے نام سے دکھائی گئی ہے) جو جنوب مغربی سمت اس جگہ سے اختیار کرتی ہے۔ جہاں وہ شادی پور کے قریب وتشٹہ سے الگ ہوتی ہے اس کا رخ بھی اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔ یہ نہر کشمیر کی دریائی آبپاشی میں بہت کچھ حصہ لیتی ہے کیونکہ اس سے سری نگر اور سوپور کے درمیان ایک سیدھا راستہ بن گیا ہے۔ جہاں سے کشتیاں سال کا بہت بڑا حصہ جھیل ولر کا خوفناک راستہ چھوڑ کر گذرتی ہیں۔

بڑے نقشہ پر سے یہ بات دیکھی جا سکتی ہے کہ نہر نور وتشٹہ سے اس جگہ الگ ہوتی ہے جہاں وہ آج کل دریائے سندھ سے ملتا ہے اور قریباً نصف میل کے فاصلہ تک جنوب مغرب کی طرف آخر الذکر کے مطابق رخ اختیار کئے رہتی ہے اس طرح پر گند خلیل سے کوئی ۱½ میل فاصلہ کے قریب نسبتاً چوڑی جگہ میں پہنچ کر یہ نہر یکایک جنوب مغرب کی طرف مڑ جاتی ہے اور اس کے بعد آخر الذکر سمت کو ایک تنگ [illegible] مصنوعی راستہ میں سے اختیار کئے رہتی ہے۔

مشاہدہ مقامی کی ہمارے بنیاد بر غالب ہے کہ نور کا ابتدائی حصہ دراصل دریائے سندھ کا پرانا راستہ ہے جو کسی زمانہ میں اس جگہ تک پہنچ کر ختم ہوتا تھا۔ جہاں آج کل گند خلیل کا خشک سر واقع ہے اور

اس جگہ ختم ہو جایا کرتا تھا۔ جہاں اب ترگام کی دلدل ہے۔

اس کے بعد جب ہم بدری ہیل نال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس کے کناروں کی ساخت سے صاف طور پر معلوم کرتے ہیں کہ یہ کسی دریا کا پرانا ناس ہے۔ فی الحقیقت اس کے بارہ میں یہ بات اہل دیہہ کو بھی معلوم ہے۔ بدری ہیل نال جو اپنے تنگ ترین مقام پر ۳۲۰ فٹ چوڑا ہے۔ اس عظیم دلدل کو جو پنیز نور نمبل کے نام سے مشہور ہے اور اس کے مشرق کی طرف واقع ہے مغرب میں ہار تیرتھ اور اندر کوتھ کی چھوٹی دلدلوں سے ملاتا ہے۔ ہر چند کہ سال کا بہت بڑا حصہ یہ نال خشک رہتا ہے تاہم جب کبھی دریا ے وتستہ میں طغیانی آنے سے پانی پنیز نور نمبل کی طرف بڑھ نکلتا ہے تو وہ باقاعدہ اسی راستہ سے خارج ہوتا ہے۔

بدری ہیل نال میں ایک بہت بڑا بند اس مقام پر واقع ہے جہاں ترگام کی مرتفع زمین کا جنوب مغربی سرا پرس پور کی سطح مرتفع کے قریب تر پہنچتا ہے۔ اس کا نام کینہ ستھ مشہور ہے اور یہ سر بسر بڑی بڑی ترشی سلوں اور دوسرے عمارتی آثار کا بنا ہوا ہے جنہیں غالباً اس جگہ سے لیا ہوگا جہاں قریب ہی پرانا مندر واقع ہوا کرتا تھا اور جس کا ذکر آگے چل کر پورے طور پر کیا جائے گا دیہاتیوں کی زبانی اس بارہ میں جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے کہ کینہ ستھ جس کے معنی کشمیری زبان میں پتھر کے بند کے ہیں۔ عہد افاغنہ میں اس غرض سے بنا تھا کہ بدری ہیل نال کے اوپر سے جو ان دنوں ایک دلدل کی صورت ہوا کرتا تھا آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہ سکے و نیز پنیز نور نمبل کی طرف سے پانی کا جو بہاؤ آئے وہ رک سکے یہ کینہ ستھ اب بیچ میں سے ٹوٹا ہوا ہے اور پانی کے بہاؤ کو مغربی دلدلوں کی طرف جانے سے نہیں روک سکتا۔ سٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بات کہ اس بند کے ذریعہ پانی کا گذر رکتا ہے۔ مجھے ان چھوٹے چھوٹے آبی جوہڑوں کے ذریعہ دکھائی گئی۔ جو ۱۸۹۶ء میں ماہ مئی تک اس کے قریب نظر آتے تھے۔

بعدی بیل نال کے سارے حصہ کی سطح نشیب ہونیکا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس کے اس حصہ میں جو کینہ سحتہ کے عین شمال مغرب کی طرف واقع ہے اب بھی ایک خاص گہری چھوٹی سی جھیل ہے جس کا نام نقشہ پر ادن سر دیا ہوا ہے۔ بوڑھے دیہاتیوں کو یہ بات یاد ہے کہ پہلے جھیل بڑی وسیع ہوا کرتی تھی اور اس کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ جھیل کے گرد دور دور تک زمین دلدلی ہے۔

سطور بالا میں جو جغرافیائی حالات یکجا کئے گئے ہیں ان سے صاف طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بدری بیل نال دریائے وتشٹا کا وہ پرانا تاس ہے جو کلہن کے ذہن تا میں اس وقت تھا جب اس نے دونوں دریاؤں کے سابقہ مقام اتصال کا ذکر کیا۔ اس نتیجہ کی مزید تائید اس علاقہ کی نوعیت سے ہوتی ہے جو ہنر نور نمبل کے گرد ترگام اور پرس پور کے عین مشرق میں واقع ہے۔ اس جگہ زمین "نشیب اور گھاس سے ڈھپی ہوئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مختلف موقوں پر اسے دلدل میں سے حاصل کیا گیا ہے۔" "مزروعہ اراضی دریائے جہلم کے تاس کی سطح سے نیچے واقع ہے۔" اور اس کی محافظت ہمیشہ بندوں وغیرہ کے ذریعہ کرنی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "وہ لوگ جو نیچی نز (ہنز نور) کے قریب رہتے ہیں انہیں ہر وقت طوفان کا خدشہ لگا رہتا ہے۔" یہ سب باتیں لارنس صاحب کی کتاب ویلی کے صفحہ ۱۱ سے اخذ کی گئی ہیں۔ جہاں انہوں نے اس حصۂ ملک کے حالات قلمبند کئے ہیں اور جب ہم معلوم کر لیتے ہیں کہ سویہ کی باقاعدگی کے عمل سے پیشتر دریائے وتشٹا کا پرانا گذر ہنز نور نمبل میں سے ہوا کرتا تھا تو ان جملہ امور کی توضیح ہو جاتی ہے۔

جب دریا کو ترگام کے جنوب کے بجائے اس کے شمال کی طرف سے گذارا گیا تو یہ بات ممکن ہو گئی کہ جنوب کی طرف زمین کا وہ بہت بڑا قطعہ جو دریائے وتشٹا و شکہ ناگ کے مابین ہوا کرتا تھا پھر خشکی میں ملا لیا جائے۔ لیکن واضح رہے کہ اس تبدیلی کا اثر نسبتاً زیادہ بڑے رقبہ پر محسوس ہوا ہوگا۔ وہ وسیع نشیب علاقے جو جھیل ولر کے جنوب کی طرف

واقع میں ان کی اب تک یہ حالت ہے کہ کاشت کار ہر وقت انہیں جھیلوں اور دریاؤں کی طغیانی سے محفوظ رکھنے ہی کی فکر میں لگے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ ان علاقوں کو محفوظ رکھنے اور خشکی میں لانے کا کام اسوقت بہت کچھ سہل ہو گیا ہوگا جب پرس پور کی طرف سے دریائے وتستا کے اس مرکز میں داخل ہونے کے عمل کو روکا گیا۔

وتستا کے خاص رود بار کو شمال ہی کی طرف رکھکر دریا کو سیدھا ولر کے اس حصہ میں سے گذارا گیا جو باعث اپنی وسیع قدرتی حدود کے خوفناک طوفانوں کے زاید پانی کیلئے عارضی ذخیرہ کا کام دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی طغیانیوں کا پانی اگر سیدھا جنوب کی طرف سے مختصر ترین راستے سے ہو کر ولر میں پہنچایا جاتا تو اس جانب کے نشیب قطعات پانی سے ڈھک جانے بجائیکہ اب عام طور پر یہی پانی وسیع جھیل پر دور تک پھیل جانے کے بعد ایک عرصہ میں اسکی سطح کو اس قدر بلند کر سکتا ہے کہ وہ خطرناک صورت اختیار کرے۔

غرض ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سویہ نے وتستا اور سندھو کے اتصال میں جو تبدیلی کی اسکا گہرا تعلق اِس تجویز سے تھا جو بالے ہوئے دریاؤں کے راستہ کو انکے مقام اتصال سے ولر تک باقاعدہ بنانے میں مدنظر تھی۔ یہ بات اس قیاس سے بالکل مطابق ہے کہ کلہن اس تبدیلی کا ذکر کرنیکے بعد فوراً ہی ترنگ ۵ کے شلوک ۱۰۳ میں ان پتھر کے بندوں کا ذکر کرتا ہے جو سویہ نے وتستا کے کنارہ بنوائے تھے۔ ونیز ولر کی باقاعدگی کا حوالہ دیتا ہے اسکے بعد جو شلوک آتے ہیں انمیں نئے گاؤں کیلئے زمین کے نکل آنیکو براہ راست ان کارروائیوں کے نتیجے سے منسوب کیا گیا ہے۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۱۰۶ میں کلہن خاص طور پر ان مقامات کا نام کنڈل لکھتا ہے جیسا کہ نوٹ نمبر ۱۲۳ کتاب سے واضح ہوتا ہے مرکنڈل یا اسکنڈ نامہ کے یہ گاؤں حقیقت میں اسی راستہ پر واقع ہیں جسے دریائے وتستا شادی پور سے ولر تک اختیار کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کلہن حتی الوسع پوری وضاحت کیساتھ اس تبدیلی کو ظاہر کرنا چاہتا تھا جو دریا کے مقام اتصال میں واقع ہوئی تھی اسنے احتیاطاً بالتفصیل وہ تمام مقدس عمارات بیان کردی ہیں جو

سویہ کی باقاعدگی سے پہلے اور بعد مقام اتصال پر واقع تھیں ترنگ ۵ کے شلوک ۹۹-۱۰۰ میں آیا ہے
اصلی (۹) مقام اتصال کے دونو کنارہ ونیر (وشلو) وشنوسوامن اور وینیہ سوامن کے مندر علی الترتیب
پھلپور اور پریہاسپور میں واقع ہوا کرتے تھے۔ بجالیکہ موجودہ مقام اتصال کے کنارہ پر جو سندری بھون کے
قرب میں واقع ہے وشنو یوگشائیں کا مندر واقعہ ہے جہاں سویہ پرستش کیا کرتا تھا۔"

جن مندروں کا ذکر اس جگہ آیا ہے انکا حال اور کہیں مذکور نہیں اور انکی شناخت کیلئے ہمیں
اسی شلوک سے مدد لینا پڑتی ہے لیکن بدقسمتی سے اس شلوک کو سمجھنا ایک پیچیدہ عمل ہے کیونکہ دو
مسودے نہیں جن کی بنا پر یہ ترجمہ کیا گیا ہے ابتدائی الفاظ میں یقیناً کچھ غلطی ہے بہر نوع مختلف مسودوں
اور ایڈیشنوں کے مقابلہ اور سوقعہ کے لحاظ سے جو مطلب سمجھ میں آسکتا ہے وہ اوپر درج کیا گیا ہے
سطور بالا میں ہم یہ بات ظاہر کر چکے ہیں کہ وینیہ سوامن کا مندر وہی ہو سکتا ہے جہاں اب ملک پور
میں ایک مندر کے کھنڈرات پڑے ہیں۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۹۷ میں سابقہ مقام اتصال کا ذکر کرتے ہوئے
وینیہ سوامن کے مندر کا جو مقام ظاہر کیا گیا ہے وہی معلوم ہوتا ہے جہاں اب ملک پور کا خستہ حال مندر ہے
ترنگ ۵ کے شلوک ۹۹ میں کلہن اسی مندر کے بارہ میں ذکر کرتا ہے کہ وہ پریہاسپور میں واقعہ ہے اور اس
کیفیت کو سمجھنے کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم پھر ایکبار اس علاقے کے جغرافیائی حالات کو بیان کریں
جیسا کہ تفصیل ذیل میں لکھا جا چکا ہے ملک پور والے کھنڈر ابھری ہوئی زمین کے اس تنگ قطعہ پر واقع ہیں
جنکا ذکر نوٹ نمبر ۔ ضمیمہ کتاب ہٰذا میں کیا جا چکا ہے ان مندروں کا شمالی مجموعہ جو نقشہ پر مقامات ا۔ ب
ج میں دکھایا گیا ہے ملک پور کے جنوب کیطرف ایک میل سے بھی کم فاصلہ پر واقع ہے چونکہ انکے کھنڈرات
ملک پور کے دیگر آثار سے زیادہ نمایاں ہیں اسلئے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے آیا ہمیں وینیہ
سوامن کے مندر کا سراغ انہی میں لگانے کی کوشش کرنا چاہیئے یا نہیں؟ شاین صاحب ذیل کی
وجوہ کی بنا پر وینیہ سوامن کے مندر کو ان مندروں میں واقع ہونا تسلیم نہیں کرتے۔
اولاً کوئی وجہ مجھے اس اطلاع کی صحت کے بارہ میں شبہ کرنیکی نظر نہیں آتی جو ملک پور کے کھنڈر کے
موجودہ نام کے بارہ میں حاصل ہوئی ہے اور جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

ثانیاً یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسا نوٹ نمبر ۶ ضمیمہ کتاب ہذا میں دکھایا جا چکا ہے پرس پور کی سطح مرتفع کے تمام کھنڈرات اِن عظیم مقدس عمارات ہی سے متعلق ہیں جو للتادیتہ نے وہاں بنوائی تھیں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کھنڈرات کا ٹیلہ نمبر ۱ جو قدیم مقام اتصال سے قریب ترین ہے اور جسپر اس صورتمیں سب سے پہلے ظن غالب ہوتا ہے وہ پریہاسپور کے تمام کھنڈرات میں وسیع ترین ہے۔ اگر وینیہ سوامن کا مندر یہی ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس مندر کا ذکر اس طویل کیفیت کے دوران میں نہ آتا جو کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۴ تا ۲۱۴ میں ان عظیم عمارات کی دی ہے جو للتادتیہ اور اس کے درباریوں نے پریہاس پور میں بنوائی تھیں۔

ثالثاً یہ امر قابل توجہ ہے کہ قدیم مقام اتصال کی نسبت سے پریہاسپور کے کھنڈرات جسجگہ واقع ہیں وہ ایسی نہیں کہ اسکی نسبت خیال ہو سکے کہ کسی مقدس سنگم کے اعزاز میں ایسی جگہ مندر بنوایا جا سکتا ہے ترنگ ۵ کے شلوک ۹۷ و ۹۹ میں کلہن نے جن الفاظ میں اس مندر کا ذکر کیا ہے ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مندر سنگم ہی کے اعزاز میں بنا ہوا تھا جو مقام دو ندیوں کے اتصال کی وجہ سے خاص طور پر مقدس ہو جاتا ہے اور جو اس لحاظ سے خاص تیرتھ کہلاتا ہے وہ ہر حالتمیں اس زاویہ کے اندر واقع ہوتا ہے جو ندیوں کے ملنے سے بنا ہو اسکی قابل ذکر مثالیں جیہر موچن کا تیرتھ (ترنگ ۱ شلوک ۱۴۹) شادا تیرتھ جو مدھومتی اور کشن گنگا کے اتصال پر واقع ہے (ترنگ ۱ شلوک ۳۷) و ادی ہنگم (نوٹ نمبر ۷۱ کتاب ہذا) وغیرہ ہیں اس طرح پرسندھ اور وتستا کے موجودہ مقام اتصال میں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ یاتری لوگ دو ندیوں کے زاویہ ہی میں اشنان یگیہ وغیرہ کرتے ہیں یعنی شادی پور کی طرف نہیں بلکہ وتستا کے دائیں کنارہ پر جیسا کہ کانسٹیبل کمپنی کی چھاپی ہوئی ہندستان کی دستی اٹلس کی پلیٹ ۴۸ سے دیکھا جا سکتا ہے سنگم تیرتھوں میں سب سے زیادہ قابل ذکر تیرتھ پریاگ (الہ آباد) کا مقام بھی یہی ہے

اس جملہ معترضہ کے بعد اب ہم پھر اصلی مطلب کی طرف رجوع ہوتے ہیں راجہ للتادتیہ نے اسجگہ جس بڑے سے شہر کی بنیاد ڈالی تھی اسکے نام پر قدیم زمانہ ہی سے فتحی علاقہ کا نام مشہور ہو گیا ہوگا چنانچہ سری ور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۲۰۲ پشکر اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۴۰۰ میں

پر پہاس پور کا لفظ انہی وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اسکے بعد آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۷۰
پر جہاں ابوالفضل نے کشمیر کی قسمتوں کا ذکر کیا ہے وہاں پرگنہ پرسپور انہی مطالب میں استعمال ہوا ہے
فی الحقیقت اب سے کوئی ۷۰ سال اسطرف پرسپور اور اسکے گرد والے گاؤں کا ایک جدا گانہ پرگنہ ہوا کرتا تھا
جسکا نام سرکاری طور پر پرسپور مشہور تھا اور جو اسی صورت میں نقشہ پیمائش پر دکھایا گیا ہے۔

اسجگہ یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دیہاتیوں اور چھوٹے درجہ کے مقامی اہلکاروں سے جہاں
تک معلوم ہو سکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملک پور پرسپور کے پرگنہ میں داخل تھا بجالیکہ ترگام مع شادی پور
و دیگر نواحی گاؤں کے اس پرگنہ میں داخل ہوا کرتا تھا جسکا نام سائر المواضع پائیں مشہور تھا جب ہم اس معاملہ پر
غور کرتے ہیں کہ کشمیر میں جدید انتظامی تبدیلیوں سے پہلے قدیم علاقوں کی حدود ایک مدت تک اپنی اصلی
حالت میں قایم تھیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملک پور قدیم ہی سے پرسپور میں واقع چلا آتا ہے پس اگر
وینیہ سوامن کا مندر ان کھنڈرات کے مقام پر ہوا کرتا تھا جو ملک پور میں واقع ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ
کلہن کا یہ کہنا کچھ بے جا نہ تھا کہ وہ پریہاس پور میں واقع ہے۔

اس دوسرے مندر کی اغلب مقامیت معلوم کرنے کیلئے جسے کلہن وشنو سوامن کے نام سے بیان
کرتا ہوا لکھتا ہے کہ وہ بھی سابقہ مقام اتصال کے قریب واقع ہوا کرتا تھا ہمیں پھر علاقہ ترگام کیطرف رجوع
کرنا پڑتا ہے چونکہ وشنو سوامن مندر کی نسبت صاف طور پر مذکور ہے کہ وہ پھلپور میں واقع تھا اور وینیہ
سوامن کا مندر اسکے مقابل میں پریہاسپور میں واقع تھا اسلئے یہ امر یقینی ہے کہ اول الذکر کو پرسپور کی
سطح مرتفع میں کہیں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم وینیہ سوامن کے مندر کا محل وقوع ملک پور تسلیم کریں
تو مذکورہ بالا اشارہ کے مطابق ہمیں وشنو سوامن کا مندر اس بلند قطع زمین پر تلاش کرنا چاہیے جو
ترگام کے جنوب مغرب میں ترگام کی دلدل کے مغربی کنارہ پر واقع ہے۔

جب ہم گند خلیل سے جو ترگام کا مرکزی گاؤں ہے سمت مذکورہ بالا میں اس راستہ پر سے ہو کر جاتے
ہیں جو دور کیطرف جاتا ہے تو ہم تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر دو قدیم مقامات کے پاس سے گذرتے ہیں
جنکے نام کنت ستھ مسجد اور رانز کھادیں اسجگہ چھوٹے چھوٹے مندروں کی بنیادوں کا ابتک سراغ لگایا جا سکتا ہے

اسی سمت میں اور آگے بڑھکر ہم ابھری ہوئی زمین کے ایک تنگ قطعہ پر پہنچتے ہیں جو زنگام کے دلدل اور ادن سر کی غیر معروف جھیل کے مابین واقع ہے اسکے نیچے عین جنوب کی طرف کینہ ستھ کا پشتہ ہے جو کیفیت مذکورۃ الصدر کے مطابق بدری ہیل تال کے آرپار بنا ہوا ہے۔

شاین صاحب کا بیان ہے کہ اس بڑھے ہوئے سرے پر مجھے بڑی بڑی تراشی ہوئی سلیں اور آثار قدیم عمارت سے متعلق ہونگے۔ یہ زیادہ تر ایک ایسے مقام کے قریب پائے جاتے ہیں جہاں ایک چوکور احاطہ یا عمارت یا خاکہ اب بھی بنیادی دیواروں کیصورت میں دیکھا جاسکتا ہے یہ مقام جو کسی زمانہ میں زیارت یا قبرستان رہ چکا ہے اہل دیہ میں تمبر شاہن مرگزار (قبرستان تیمور شاہ) کے نام سے مشہور ہے۔

شاین صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ وشنو سوامن کا مندر کسی زمانہ میں اس مقام پر یا اس کے قریب واقع ہوا کرتا تھا۔ یہ مقامیت ان علامات سے بالکل ملتی جلتی ہے جو کلہن کے الفاظ سے پائی جاتی ہیں۔ زنگام کے دلدل کے مقابل میں یا مشرق کیطرف جو ثبوت مندرجہ بالا کے مطابق سندھو کا پہلا نام ہے ملک پور اور وینیہ سوامن مندر کے آثار واقع ہیں اور دونوں مقامات میں براہ راست فاصلہ نصف میل سے زیادہ نہیں۔ تمبر شاہن مرگزار کے آثار کا منتشر حالت میں ہونا اور نسبتاً ان کی عدم اہمیت ایک ایسی وجہ سے ہے جسکا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کینہ ستھ جس کی نسبت قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ بالکل ہی پرانے پتھر کا بنا ہوا ہے اس مقام کے عین نیچے کی طرف واقع ہے اس صورتمیں صاف ظاہر ہے کہ مرگزار ہی چونکہ تمام خستہ حال مقامات میں سے کینہ ستھ کے قریب واقع ہے اس لئے اس پشتہ میں جو تراشی ہوئی سلیں لگی ہوئی ہیں وہ اگر سب نہیں تو انکا غالب حصہ یہیں سے لیا گیا ہے

کلہن کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ وشنو سوامن کا مندر پھل پور میں واقع تھا اس سے پہلے وینیہ سوامن کے مندر کے پریہاس پور میں واقع ہونیکے متعلق جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسجگہ پھل پور کا لفظ بھی ایک چھوٹے سے علاقہ کے نام کے طور پر استعمال ہوا ہے جیسا کہ قبل ازیں تصریح کی جا چکی ہے زنگام بحیثیہ سائر المواضع پائین کے (جو نقشہ پر سلیم ازپائیں کے نام سے درج ہے) پرگنہ میں شمار کیا جاتا رہا ہے اس لئے پھل پور کی نسبت ظن غالب ہے کہ وہ یہی علاقہ یا اس کا کوئی حصہ ہوگا۔

ترنگ م کے شلوک ۱۸۴-۲۳-۷۸۴ میں پھل پور کا ذکر ایک ایسے شہر یا قصبہ کے طور پر آیا ہے جس کی بنا للتادیتہ نے ڈالی تھی اور آخر الذکر شلوک پر شرح لکھتے ہوئے ایک ٹیکا کار نے اسے نواحات پرییا سپلوم میں تبلایا ہے معلوم ہوتا ہے جس طرح شہر پریہاس پور کے نام سے پرسپور کا پرگنہ مشہور ہوا ایسے ہی پھل پور کا نام ایک چھوٹے ضلع کے نام کے طور پر استعمال ہونے لگ گیا ہوگا۔ بعد ازاں جب اس کیلئے فارسی کا نام سائرالمواضع پسند کیا گیا جس کی ابتدا اور ماہیت کے بارہ میں آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۷ پر بحث کی گئی ہے تو پھل پور کا نام دور ہوگیا۔ ٹرائر اور لیسن صاحب نے بظاہر ولسن صاحب کی ہسٹری کے صفحہ ۶۳ والے نوٹ کو درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی کتاب کی جلد ۳ صفحہ ۱۰۰۲ پر پھل پور کو شہاب الدین یا شادی پور ہی کا نام بتایا ہے لیکن انہوں نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ کا جو حوالہ دیا ہے اس میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ شہاب الدین پور بہت (وتسٹہ) اور سندھ دریاؤں کے اتصال پر واقع ہے۔

آج کل جو گاؤں پاپور کے نام کا سری نگر سے کوئی ۳ میل نیچے کیطرف وتسٹہ کے دائیں کنارہ پر واقع ہے اور جسے ولسن صاحب نے مورکرافٹ صاحب کے "ٹریولز" کی جلد ۲ صفحہ ۲۱۹ پر نوٹ دیتے ہوئے پھل پور ظاہر کیا ہے اسکا واقع میں اس سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہ دریا کے اوپر کیطرف فاصلہ پر واقع ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام پال ایک کرام کے نام سے لیا گیا ہے جو کشمیری مسلمانوں میں مشہور ہے دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۳۰۷

اب ہمیں صرف اس حوالہ کو دیکھنا ہے جو کلہن نے ترنگ ۵ کے شلوک ۱۰۰ میں دونوں دریاؤں کے اس اتصال کے بارہ میں دیا ہے جو اس کے وقت میں موجود تھا ہم قبل ازیں اس نوٹ کی تمہیدی سطور میں وہ شہادت پیش کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کلہن کے زمانہ میں جو مقام اتصال موجود تھا وہی آج تک بلا تبدیلی چلا آیا ہے اس لئے یہ بات نسبتاً کم اہمیت رکھتی ہے کہ سندری بھون نامی مقام کی جو کلہن کے بیان کیمطابق جدید مقام اتصال کے قریب میں واقع تھا۔ اب شناخت نہیں ہوسکتی اس مقام کا اور کہیں ذکر نہیں آیا اور نہ ان نواحات میں کوئی مقامی نام اس قسم کا ملتا ہے جو اس سے اخذ کیا جا سکے۔
وشنو یوگ سائین کے جس مندر کا ذکر شلوک محولہ صدر میں ان معنوں میں آیا ہے کہ وہ نئے مقام اتصال

کے پہلو میں واقع تھا اور بظاہر اس کی بنیاد سویہ نے ڈالی تھی اسکا بیان بھی اور کہیں نہیں آیا لیکن اسکی مقامیت کا پتہ غالباً کسی قدیم مندر کے ان آثار سے چلتا ہے جو اس کے حقیقی اتصال سے تھوڑا نیچے اور نارانباغ کے قریب واقع ہیں سُرگباشی مہاراجہ کے عہد میں ان آثار کا ایک چبوترہ اس غرض کیلئے بنادیا گیا تھا کہ وہ اس مندر کی بنیاد بن سکے جو سری اُند کا پنڈت راجکاک در اس جگہ بنوانا چاہتا تھا۔ انہیں سے اکثر سلونپر جس قسم کے نقش و نگار کئے ہوئے ہیں انپر غور کیا جائے تو یہ اندازہ چنداں غلط نہیں ہو سکتا کہ یہ مصالح اونتی ورمن کے زمانہ ہی کا ہوگا۔

پاس والے گیا تیرتھ کے پروہتوں کو اس مندر کی اصل یا اسکے نام کے بارہ میں کچھ واقفیت نہیں البتہ انہوں نے روایتی طور پر یہ سُن رکھا ہے کہ یہ مندر وشنو کا ہوا کرتا تھا۔

جس مقام کو حقیقت میں تیرتھ گنتے ہیں اور جہاں اسلئے اشنان یگیہ وغیرہ ہوتا ہے وہ ان آثار سے کوئی ۲۰۰ گز کے فاصلہ پر اس زاویہ میں واقع ہے جو دونوں دریاؤں کے ملنے سے بنا ہے اسجگہ کے مقابل میں وتستا کے ناس میں ٹھوس مصالح کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے اسپر ایک پرانا چنار کا درخت اگا ہوا ہے اور اس کی شاخوں کے نیچے ایک بڑا سا لنگ اور چند متفرق پرانی مورتیاں پڑی ہیں (شادی پور کے جزیرہ پریاگ کی کیفیت کے متعلق دیکھو ہیوگل صاحب کی کتاب کشمیر جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ وگنی صاحب کی کتاب ٹریولز جلد ۲ صفحات ۹۶ و ۱۲۶۔ لنس صاحب کی ہینڈ بک صفحہ ۲۰۔ اسجگہ کے درخت چنار کے متعلق ایک روایت ہے کہ وہ نہ بڑھتا اور نہ مرجھاتا ہے دیکھو کتاب تیرتھ سنگرہ نیز پادری ہنٹن نولز صاحب کی کتاب ڈکشنری آف کشمیری پراوربس صفحہ ۱۷۳) غرض جس تیرتھ سے متعلق یہ چھوٹا سا جزیرہ ہے اسمیں سال بھر مختلف پربوں کے موقعہ پر یاتری لگ جاتے ہیں اور اب اسکا نام کشمیر بھر میں پریاگ ہی مشہور ہے۔ یہ بیان کرنا سہل ہے کہ یہ نام کیونکر خاص اس تیرتھ کے لئے استعمال ہونے لگ گیا ہے۔

دریائے وتستا اور سندھ کا مقام اتصال چونکہ کشمیر کے دو بڑے دریاؤں کا سنگم ہے اسلئے زمانہ قدیم ہی سے اسکی تقدیس قایم چلی آتی ہے نیل مت پران کے شلوک ۷۲۹ اور ۱۰۷۶ میں اسکا ذکر ایک خاص اہمیت رکھنے والے تیرتھ کے طور پر آیا ہے جیسا کہ نوٹ نمبر ۲ کتاب ہذا میں واضح کیا گیا ہے اول الذکر شلوک میں دریائے

سندھو اور گنگا کو ایک قرار دیا گیا ہے اور وتستا اور جمنا کو ایک۔ یہی باعث ہے کہ پریاگ کا لفظ جو دریائے گنگا اور جمنا کے الہ آباد میں ایک دوسرے سے اتصال کے مقام کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اس صورتمیں شادیپور کیلئے استعمال ہوتا رہا ہے حقیقی پریاگ میں جو درخت اگا ہوا ہے اسکا قائمقام اس پرانے چنار کے درخت کو جو چھوٹے سے جزیرہ میں ہے سمجھا جاتا رہا ہے۔

پریاگ کا نام جہاں حقیقت میں شادی پور کے مقام اتصال کیلئے استعمال ہوا ہے وہ صرف وتستا مہاتم کے ادھیائے ۱۱ کا نوٹ نمبر ۴۰ ہے۔ لیکن یہ کتاب زمانہ حال میں لکھی گئی معلوم ہوتی ہے یا کم از کم حال میں اس کے اندر ترمیم کی گئی ہے جسکا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ کئی مقامی ناموں کو ان کی جدید صورت میں لکھا گیا ہے جیسا کہ شادی پور کے لئے ہی شاردا پور (!) آیا ہے۔

ترنگ ۶ کے شلوک ۳۰۵ اور ترنگ ۷ کے شلوک ۱۴۲ میں جہاں کلہن نے ان مٹھوں اور مقدس عمارات کا ذکر کیا ہے جو وتستا اور سندھو کے مقام اتصال پر رانی دِدّا اور راجہ اننت نے بنوائی تھیں انمیں بلاشبہ اس جدید مقام اتصال کیطرف اشارہ ہے جو سویہ نے تیار کیا تھا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۱۴۹ میں آنگہ کی یاترا کا ذکر آتا ہے ایسے ہی منکھ جہاں شری کنٹھ چرت کے ادھیائے ۳ شلوک ۲۰ میں اس سنگم کا ذکر کرتا ہے اسکے شوجی کا دلبند مقام ظاہر کرتا ہے کلہن کی راج ترنگنی کی ترنگ ۷ شلوک ۹۰۹ - ۱۵۹۵ ترنگ ۸ کے شلوک ۵۰۶ میں اور سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ کے شلوک ۴۴۱ میں بھی اس مقام کی نسبت عام لفظوں میں ذکر آیا ہے۔ آخیر میں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ الہ آباد کے حقیقی پریاگ کو بھی حالمیں ایک مصنوعی تبدیلی کے ذریعہ جو گنگا اور جمنا کے مقام اتصال میں کیگئی ہے دوسری جگہ سرکا لیا گیا ہے چنانچہ ذیل کی عبارت اخبار پایونیر مورخہ ۲۷ جنوری ۱۸۹۸ء سے لی جاتی ہے۔

"گورنمنٹ کے زیر احکام گنگا اور جمنا کا مصنوعی اتصال جو حالمیں عمل میں لایا گیا ہے اسکے ماگھ میلا کے یاتریوں کی نظر میں قابل پذیرائی ہونیکے بارہ میں اس سے پہلے جسقدر شکوک و شبہات تھے وہ اس واقعہ سے دور ہو گئے ہیں ناظرین کو یاد ہوگا کہ گنگا سے جمنا تک ایک نہر کاٹنے کا مدعا جسمیں حقیقی مقام اتصال سے ورے الہ آباد کی طرف ایک مصنوعی اور عارضی اتصال بنانا پڑتا تھا۔ حقیقت میں صرف اسقدر تھا کہ دونوں دریاؤں

کے درمیانی جزیرہ پر ہر سال جو بھیڑ جمع ہوتا ہے اس کیلئے میونسپل تالابوں سے مقطر پانی مہیا کرنیکے ناقابل عمل کام میں سہولیت پیدا کیجائے۔ اس مصنوعی اتصال کو ناپسند کرنا تو کیا یاتریوں نے اصلی اتصال کو چھوڑ کر صرف اسکو استعمال کیا ہے اور ہرچند کہ سورج گرہن کے بڑے کنبھ پر اشنان کرنیوالوں کا ہجوم اسقدر رہتا کہ سب لوگ اس محدود مقام کے اندر نہا نہ سکتے تھے تاہم ہزاروں لوگوں نے جہلم کے شمالی کنارہ پر نہر کے مشرق اور مغرب میں نہانے پر اکتفا کیا اور انہوں نے اسکو کافی سمجھا کہ دونوں ندیوں کے ملے ہوئے پانی کو سامنے رکھتے ہوئے ہی نہا لینا چاہیئے۔ غرض اسطرح پر ایک مشکل کام کامیابی کیساتھ پورا ہو گیا ہے اور گورنمنٹ کی کارروائی جسے ممکن ہے بعض جاہل یا شورہ پشت لوگ کسی اور معنوں میں لیتے عنایت سمجھی گئی ہے۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جو یاتری کشمیر کے پریاگ میں اشنان کرنے جایا کرتے تھے۔ انہوں نے بھی تبدیلی کو جو سوّیہ نے کر دی تھی معمولی ہی سمجھا ہوگا۔

نوٹ نمبر ۱۱

اود بھانڈ کا شاہی

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۸۲ ۲ کتاب نمبر ۱)

شلوک مذکورۃ الصدر سے جو تاریخی معلومات حاصل ہوتی ہیں اپنیز وہ نیز اس واقفیت پر جو دیگر ذرائع سے خاندان شاہی کے متعلق حاصل ہوسکی شٹاین صاحب نے ایک مضمون کے دوران میں بحث کی ہے جو انہوں نے جرمنی زبان میں جرمنی ہی کے رسالہ میں چھپوایا تھا اس مضمون میں شٹاین صاحب نے یہ بات ثابت کی ہے کہ اود بھانڈپور کے شاہی اس ہندو شاہیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کے متعلق البیرونی کی کتاب انڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمود غزنوی کی فتوحات سے قبل اوبکابل و قندہار پر حکمران تھے۔ البیرونیکا بیان یہ ہے کہ یہ خاندان ان ترک شاہیہ راجاؤں کی نسل سے تھا جنکی نسبت روایت ہے کہ اس نے ۶۰ پشتوں تک کابل کی ہندو سلطنت پر حکومت کی تھی۔ اس نسل کے آخری بادشاہ لگتورمان کو اس کے برہمن وزیر نے سازش و اقتدار حاصل کرکے معزول کر دیا تھا اور تخت پر قبضہ کرکے ہندو شاہیہ خاندان کا بانی بنا تھا اس غاصب کا نام البیرونیکی مروجہ کتب میں کلر آیا ہے لیکن یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی شخص تھا جسکا نام راج ترنگنی

میں للیا شاہی آیا ہے آگے چلکر ترنگ ۵ کے شلوک ۲۳۳ میں کلہن نے للیہ کو کملک کا باپ لکھا ہے آخر الذکر بلا شبہ وہی کملو ہے جو البیرونی کے ہندو شاہیہ راجاؤں کے نسب نامہ میں کلر کے بعد دوسرا فرمانروا دکھایا گیا ہے جس شاہی کا ذکر کلہن نے آخر الذکر شلوک میں بغیر کوئی نام ظاہر کئے کیا ہے اس سے مراد غالباً سامند (سامنت) سے ہے جسکا نام البیرونی کی فہرست میں کلر کے بعد آیا ہے راج ترنگنی میں للیا شاہی کی عظیم طاقت اور شہرت کا جو ذکر آیا ہے وہ عجیب طور پر اس کیفیت کے مطابق ہے جو البیرونی نے ہندو شاہی خاندان کے بانی کے متعلق دی ہے کلر اور للیا کے ایک ہی ہونے کی تصویر کی تائید مزید اس قیاس کی بدولت ہو جاتی ہے جسکی رو سے پروفیسر چارلس سیبولڈ نے کتاب ذوہیرو لنیز انڈیکا۔ ژیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی جز و ۴۸ صفحہ ۷۰۰ پر ان ناموں کے ظاہری اختلاف کی تصریح کی ہے پروفیسر سیبولڈ نے لکھا ہے کہ اصل مسودہ پر جو لفظ کلر لکھا ہوا تھا اسے پڑھنے والے نے للی یا للیہ پڑھا ہے اور عربی کے رسم الخط میں اس قسم کی غلطی کا عمل میں آجانا چنداں عجیب نہیں۔

بعد میں یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ جرنیل کننگھم نے بھی آرکیالوجیکل سروے رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۸۳ پر کلر اور للیہ کے ایک نام ہونے پر خامہ فرسائی کی ہے۔

کملوک اور اس بے نام شاہی کے علاوہ راج ترنگنی میں للیہ کے جانشینوں اود بھانڈپور کے بھیم شاہی کا ذکر جو رانی دِدا کا دادا تھا ترنگ ۶ کے شلوک ۱۷۸ اور ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۸۱ میں آیا ہے اور ترلوچن پال شاہی کا نام ترنگ ۷ کے شلوک ۴۷ تا ۶۹ میں مذکور ہے خاندان شاہی صدیوں تک ترشکوں یعنی مسلمانوں کے ان حملوں کو جو وہ ہندوستان پر کرتے تھے روکتا رہا لیکن آخرکار آخر الذکر راجہ کے عہد میں جو بقول البیرونی ۱۰۲۱ء میں حکمران ہو گزرا ہے شاہی سلطنت مسلمانوں سے مغلوب ہو گئی جیسا کہ نوٹ نمبر ۹، ۷ کتاب ہذا میں لکھا جا چکا ہے اس قابل یادگار واقعہ کا جو معاصرانہ اثر پڑا اسے البیرونی نے بیان کیا اور اس کے بعد کلہن نے بھی قابل ذکر الفاظ میں درج کیا ہے۔

شاہی خاندان کی تباہی راجہ سنگرامدیو والئے کشمیر کے وقت میں عمل میں آئی تھی لیکن یہ خاندان اور اسکی شہرت ایک مدت بعد تک قائم رہی جیسا کہ ترنگ ۷ کے شلوک ۱۴۴-۱۷۸ و ۲۷۴ سے واضح ہوتا ہے سنگرامدیو کے بعد راجہ اننت کے زمانہ میں اس خاندان کے بہت سے افراد شاہی پتر یا شاہی دنشجا راج پترہ کے نام سے دربار کشمیر میں اچھے عہدوں اور اقتدار کی حالت میں تھے۔ ترنگ ۷ کے شلوک ۹۵۶ و ۱۴۷۰ سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ ہرش کی رانیوں میں سے وسنت لیکھا اور بعض اور شاہی راجکماریاں تھیں

جب سنہ ۱۱۰۱ء میں راجہ ہرش کا خاتمہ باغیوں کے ہاتھوں ہو گیا تو ان رانیوں نے بہادری اور دلیری میں اپنی نسل کی شہرت کو خوب ہی نبھایا دیکھو ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۰۰ تا ۱۵۱۱ اسے ہم معلوم کرتے ہیں کہ انہوں نے قصر مسعور کو آگ لگادی اور اسکے شعلوں میں بہادری کیساتھ جل بھن کر رہ گئیں ترنگ ۸ کے شلوک ۲۲۴۰ میں کلہن نے اس عظیم شہرت کا بھی ذکر کیا ہے جسکا دعوے اس کیوقت میں ان بیشمار کشتری قبیلوں کو تھا جو شاہی نسل سے ہونے کے مدعی تھے۔

سطور بالا میں سٹاین صاحب کے جس جرمن مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے اسمیں شاہی راجاؤں کے مقام رہائش اودبھانڈ پور کو گندھار کے قدیم دار السلطنت سے تعبیر کیا گیا ہے جسکا ذکر البیرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی جلد ۱ صفحات ۲۰۶-۲۵۹ و ۳۱۷ میں ویہند کے نام سے کیا ہے۔ یہ مقام اس جگہ واقع ہوا کرتا تھا جہاں آج کل موضع اند دریائے سندھ کے دائیں کنارہ پر اٹک سے اوپر کوئی ۱۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اودبھانڈ پور کا ذکر کلہن نے مذکورۃ الصدر دو شلوکوں کے علاوہ ترنگ ۵ کے شلوک ۲۳۲ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۱۰۸۱ میں کیا ہے ان دونوں میں یہ نام اس وجہ سے پڑھا نہ جاتا تھا کہ مسودہ میں غلط درج تھا چنانچہ کلکتہ ایڈیشن میں یہی نام اُدا بھانڈاپور اور اُدبھنڈ پور کے طور پر درج ہے اور ترنگ ۵ کا شلوک ۱۵۳ ان مسودوں سے بالکل ہی غائب تھا۔ اودبھانڈ پور کا ذکر جیہ راج کی راج ترنگنی شلوک ۳۷۲ میں بھی آیا ہے جہاں مذکور ہے کہ سلطان شہاب الدین نے جو سنہ ۱۳۵۴ء سے ۱۳۷۳ء تک حکمران تھا اس کا محاصرہ کیا تھا۔ اسی شلوک و نیز ۳۷۴ میں گوند خاں والئے اودبھانڈ پور کو واضح طور پر علاقہ سندھ (سندھ صوبہ) اور گندھار کا فرماں روا ظاہر کیا گیا ہے۔

البیرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی جلد ۱ صفحات ۲۰۶ و ۲۵۹ میں صحیح طور پر ویہند کی نسبت لکھا ہے کہ وہ قندھار کا دار السلطنت ہے اور دریائے سندھ کے مغرب میں اس جگہ سے اوپر جہاں اٹک پر اسکا دریائے کابل سے اتصال ہوتا ہے واقع ہے سندھ کے پار یہ آخری مقام تھا جو شاہیوں کے قبضہ میں رہا وہ معرکہ کی آرائی جس کی بدولت محمود کیلئے پنجاب کا راستہ کھل گیا ویہند ہی کے سامنے غالباً سنہ ۱۰۰۹ء میں ہوئی تھی مقابلہ کیلئے دیکھو الیٹ صاحب کی کتاب ہسٹری آف انڈیا جلد ۲ صفحات ۳۳ و ۴۴۸ سب سے اول شاید وی ڈی سینٹ مارٹن نے اپنی کتاب میمائر اینالٹک (ایڈیشن سنہ ۱۸۵۸ء) کے صفحہ ۱۱ پر ویہند کا مقام وہ ظاہر کیا تھا جہاں آجکل موضع اند جسکا نام ہنڈ۔ اوہنڈ۔ اہنڈ بھی آتا ہے واقع ہے انہی صاحب نے سب سے پہلے بات معلوم کی تھی کہ قریباً ۱۲۰۰ سال قبل ہیون سانگ نے اُدکھنڈ میں جو عظیم اور دولتمند شہر اوہ تو کیا ہنڈ جو دیکھا

تھا۔ حقیقت میں وہی تھا جسکا نام البیرونی نے ویہند لکھا ہے اس مشہور چینی سیاح نے صحیح طور پر اس کی نسبت لکھا ہے کہ دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے (دیکھو کتاب سی۔یو۔کی جلد ا صفحہ ۱۱۴) اور اسکی سوانحمری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگے کپش (کابل) پہلے ہو تو کیا ہے جہ میں رہا کرتا تھا (دیکھو سالکفا صفحہ ۱۹۲) معلوم ہوتا ہے کہ جرنیل کننگھم قبل ازیں خود بخود اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۵۲ پر اند کے جغرافیائی حالات اور آثار الصنادید کا بہت کچھ ذکر کیا ہے۔

شٹائن صاحب لکھتے ہیں کہ انہوں نے جو آثار قدیمہ کے بارہ میں لکھا ہے کہ انہیں تباہ شدہ مکانات میں استعمال کر لیا گیا ہے اس کی تصدیق مینے ذاتی طور پر اس وقت کی تھی جب دسمبر ۱۸۹۱ء میں مجھے اس جگہ جانے کا اتفاق ہوا تھا اس جگہ یہ جتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اند کے آثار قدیمہ کو قبل ازیں جرنیل کورٹ نے بھی نوٹس کیا تھا جو رنجیت سنگھ کے فرانسیسی افسروں میں سے ایک تھا۔ دیکھو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال صفحہ ۳۹۹

سر الگزینڈر برنز اپنی کتاب کابل کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں کہ شاردا حروف میں کندہ کئے ہوئے سنسکرت کتبوں والی سنگ مرمر کی سلوں کو میں وہاں سے لے آیا تھا چنانچہ اب وہ کلکتہ کے امپریل میوزیم میں ہیں۔

شٹائن صاحب کا بیان ہے کہ خود مجھے ایک ٹکڑا نہایت خراب حالت میں جس پر انہی حروف میں قریب قریب نا قابل مطالعہ سطور لکھی تھیں ایک خستہ حال مسجد کی دیوار سے ملا تھا جسے مینے لاہور کے عجائب خانہ میں رکھوا دیا تھا۔

جرنیل کننگھم نے اند نام کی مختلف صورتوں مثلاً اوند۔ ہند۔ ہوند۔ اوہند۔ ہیند وغیرہ کا بالتفصیل ذکر کیا ہے

شٹائن صاحب کا بیان ہے کہ مغربی پنجابی میں اس لفظ کا تلفظ اند اور پٹھانوں کی پشتو میں ہند ہے اول الذکر صورت میں اند میں ہم اس نام کا آوازی ماخذ تلاش کر سکتے ہیں جو ہیون سانگ نے لکھا ہے۔

او۔ تو۔ کیا۔ ہن ہے کا تلفظ شانلے جولین صاحب نے ات کھانڈ اور اسکے بعد ایک موقعہ پر اوکھانڈ دیا ہے لیکن مزید حوالوں سے اس بات کی تائید و تصدیق ہوتی ہے کہ اصلی صورت میں یہ نام ادک ہانڈ تھا۔

یہ معلوم کرنا سہل ہے کہ ادک ہانڈ اس نام کی نیم سنسکرت اور نیم اپ بھرنش صورت ہے جسے کلہن نے احد بھانڈ پور کے طور پر لکھا ہے سنسکرت میں ادبھانڈ کے معنی پانی کی ٹھلیا کی ہیں

ویہند کا لفظ بلا شبہ ادک ہانڈ ہی سے نکلا ہے اور ان تدریجی تبدیلیوں کی صورتیں جو اصل نام میں واقع ہوئیں حسب ذیل معلوم ہوتی ہیں ادک ہاند = اوے ہاند = اوئی ہند جسے البیرونی نے ویہند لکھ دیا ہے اس کے بعد اس نام کی اہندیا ہند

صورت بگڑتے بگڑتے صرف اندرہ گئی ہے جو اس کا موجودہ نام ہے۔ کلہن نے ترنگ ۵ کے شلوک ۱۵۲ میں للیہ شاہی کی سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ لکھا ہے کہ دردوں کی سلطنت اسکے شمال میں اور ترشکوں کی جنوب میں تھی وہ بہت بڑی حد تک درست ہے چینی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸ویں صدی کے وسط میں اُدیان یا موجودہ سوات معہ نواحی پہاڑی علاقوں کے گندھار کیساتھ ملا ہوا تھا اور یہ تمام علاقہ شاہ کپن کے زیر حکومت تھا جو غالباً کابل کے ترشک شاہیہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا اگر للیہ شاہی کی حکومت شمال کیطرف بھی اسیقدر وسیع تھی تو یقیناً وہ ان علاقوں تک پھیلی ہوئی ہو گی جن پر آج تک ان درد قوموں کا قبضہ ہے جو کوہستان واقع بالائی ہربلے سندھ چلاس اور چترال میں آباد ہیں۔

جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۷ سے واضح ہوتا ہے ترشکوں سے مراد بلاشبہ مسلمانوں سے ہے رینالڈ صاحب کے میمار ۃ صفحہ ۲۰۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے سفرید یعقوب بن اللیث کے ماتحت سنہ ۲۵۶ھ میں کابل پر قبضہ کر لیا تھا اور غالباً اس زمانہ میں جنوب کی طرف باقیماندہ وادی کابل میں شاہی سلطنت کو انکی طرف سے اندیشہ لگا ہوا ہوگا لیکن ایلیٹ صاحب کی ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ اور رینالڈ صاحب کا میمار صفحہ ۲۱۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قریباً دو صدی سے بھی زیادہ عرصہ پہلے عربوں نے للیہ شاہی کے ترشک پیشروں پر سیستان اور رکھاج (ارکوسیا قندھار) سے آکر چڑھائی کی تھی اور انہیں مغلوب کر لیا تھا۔ اسلئے کلہن نے جنوب میں ترشکوں کے موجود ہونیکا جو ذکر کیا ہے وہ چنداں بیماز صداقت نہیں ہو سکتا۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵۰ میں کلہن نے شنکر ورمن اور للیہ کے تعلقات کا جو ذکر کیا ہے اسے عہد تاریکی میں رکھا گیا معلوم ہوتا ہے ان تمام حالات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ فرمانروائے کشمیر نے سوات جو چڑھائی کی تھی اسمیں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔

نوٹ نمبر ۱۲
سکندبھون وہار

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۴۴۳ کتاب ہذا)

سکندبھون وہار کا نام کھندبون کیصورت میں باقی رہگیا ہے جو سرینگر کا وہ حصہ ہے جو دریا کے دائیں کنارہ پر نوکدل یا چھٹے پل اور عیدگاہ کے درمیان شہر کے مغربی پہلو میں واقع ہے سنسکرت لفظ سکندبھون کی صحیح کشمیری صورت کھندبون ہی ہے اور یہ ایک اس قسم کا نام ہے جو اپنی ترکیب کے لحاظ سے ٹھیک طور پر دیگر وہاروں کے ناموں سے مطابق ہے مثلاً امرت بھون۔ اندریدیوی بھون

انگ بھون۔ سوراک بھون (دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۱۰۵-۱۰۹۔ ترنگ ۴ شلوک ۳۔ ترنگ ۴ شلوک ۵۰ نیز شٹاین صاحب کا نوٹ متعلق اوکونگ صفحات ۹۴ و ۹۵) اس نام کا ابتدائی حصہ یعنی سکندر اصل سکند گپت کا مخفف ہے جنہے ترنگ ۲ کے شلوک ۲۸۰ کے مطابق اس ولہر کی بنا ڈالی تھی اور بھیم ورت کی مخفف صورت اکثر مقدس عمارات کے لئے استعمال ہوتی ہے (دیکھو شٹاین صاحب کے نوٹ متعلق اوکانگ صفحہ ۵) ایک خاص معبد کے نام پر شہر کے ایک خاص حصہ کا نام پڑ جانے کی مثال کچھ نئی نہیں ہے کیونکہ سری نگر میں اور بھی بہت سے محلوں کے اسی رسم کے نام موجود ہیں مثلاً دومر (بجائے دوا مٹھ) بردومر (بجائے بٹھارک مٹھ) سدمر (بجائے سمدرا مٹھ) وغیرہ مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۵۷، ۴۲، ۶۴ کتاب ہذا۔ اور سمدر مٹھ یا سودمر کے متعلق دیکھو جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۱۱۱ و سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۱۲۱-۱۶۹-۲۹۰۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۰ میں مذکور ہے کہ سکندر بھون وہ مقام ہے جہاں راجہ سل کی رانیاں اسوقت جل مری تھیں جب باغیوں نے شہر پر منڈلاتے ہوئے ناکشکا-حامن (مالیسیم) کے نشان کو غیر محفوظ بنا دیا تھا۔ شٹاین صاحب اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں بھی سکندر بھون کے قریب بہت سا کھلا میدان ہوگا جیسے کہ نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے آجکل کھندبون کے مشرق اور شمال مشرق کی طرف بیکار زمین کا ایک بہت بڑا قطعہ موجود ہے اس جگہ زیادہ تر مسلمان لوگ مردوں کو دفن کرتے ہیں یہ نتیجہ سریور کی تاریخ کی ترنگ ۴ شلوک ۱۲۳-۲۲۸ سے نکالا جا سکتا ہے جہاں سکندر بھون کی نسبت لکھا ہے کہ محمد شاہ کے پہلے عہد حکومت ۱۴۸۴ء تا ۱۴۸۶ء میں ایام فساد میں آجگہ مسلح فوجیں کیمپ کیا کرتی تھیں۔

سکندر بھون وہار کی مقامیت اغلباً وہ ہے جو محلہ کھندبون کے جنوبی سرے کے قریب واقع ہے جہاں کی نسبت نواحی علاقوں کے ہندوؤں میں آج تک روایت چلی آتی ہے کہ یہ ایک مقدس مقام ہے اور جسکا نام سکندر بھون ہے نقشہ پر یہ جگہ سکندر بھون کے نام سے دکھائی گئی ہے اور سب سے اول مرتبہ یہاں پر شٹاین صاحب اگست ۱۸۹۱ء میں پہنچے تھے اس جگہ تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ نوکدل کے شمال میں کوئی ڈھائی سو گز کے فاصلہ تک بازار رطے کرکے وہاں تک جاتے ہیں یہاں پر سڑک کی بائیں جانب ملا محمد باصر کی زیارت ہے اس کے گرد احاطہ کے طور پر ایک دیوار کھچی ہوئی ہے جو کسیقدر پرانے کندہ کئے ہوئے پتھروں سے بنائی ہوئی ہے اس دیوار کے اندر متعدد مقبرے واقع ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ساخت میں بھی ہندوانی تعمیرات ہی کا مصالحہ برتا گیا ہے۔

اس احاطہ کے نیز ہی مغرب کی طرف زمین کا ایک بے آباد قطعہ ہے جس کے گرد کیچڑ کی دیوار کھچی ہوئی ہے ہرگز

میں کوئی ۱۲ فٹ اونچا ٹیلا ہے جس کے نچلے حصہ کے گرد ایک چوکور پتھر کی دیوار کے آثار پائے جاتے ہیں جہاں تک سطحی معاینہ سے معلوم ہوسکا ہے یہ ٹیلہ مٹی ہی کا بنا ہوا ہے اور اس میں اینٹوں کے ٹکڑے ملے ہوئے ہیں اس کے نچلے حصہ میں جو دیوار ہے اسکا پتہ زیادہ سے زیادہ شمال اور مشرق کے پہلوؤں میں لگایا جاسکتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ کوئی ۸۰ فٹ کے قریب مربع بنا ہوا ہے ۔ اس مربع کے جنوب مشرقی کونہ کے قریب زمین میں کوئی دس فٹ مربع گڑھا ہے جس سے صاف طور پر کسی پرانے کنوئیں یا تالاب کا پتہ چلتا ہے آخرالذکر سے کوئی تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گول کنواں ہے جسے سٹاین صاحب کے جانے سے دس ایک سال پیشتر زیارت کے ملّا نے کھدوایا تھا ۔

اس مقام کے قرب و جوار میں جو بڈھے برہمن دوکاندار رہتے ہیں ان سے گفتگو کرنے پر سٹاین صاحب کو اس مقام کے بارہ میں بہت سی دلچسپ واقفیت حاصل ہوئی عام طور پر لوگوں میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ یہ سکندر بون (سکندبھون) کا مقام ہے جو کمار یا سکند کا مندر ہے اور جس کے پاس ایک چشمہ یا ناگ ہوا کرتا تھا ۔ زمانہ قدیم میں اس ناگ کا پانی اُبل کر اُس گڑھے میں جایا کرتا تھا جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے خیال کیا جاتا ہے کہ اسکا پانی مار نہر میں تاریل نامی ایک مقام پر اسجگہ سے کسیقدر مغرب کیطرف داخل ہوا کرتا تھا لیکن کسی زندہ شخص کو یاد نہیں کہ اس نے یہاں پر کوئی ناگ دیکھا ہو ۔

رام چند شتی ولد صاحبرام جو ایک فربہ ۶۰ سالہ بڈھا برہمن تھا اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب میں بچہ ہوا کرتا تھا تو میرا ایک بیچ عمر رسیدہ رشتہ دار گوردھن داس بیزیدا اسجگہ ہر ہفتہ پوجا کرنے آیا کرتا تھا ہر سنیچر کے روز خصوصیت سے وہ ایک بڑے سے شہتوت کے درخت کے نیچے کمار کو چھوٹے درجہ کے چڑھاوے چڑھایا کرتا تھا اس درخت کو گورنر شیخ غلام محی الدین کے زمانہ میں جس نے ۱۸۴۲ء سے ۱۸۴۶ء تک گورنری کی زیارت کے ملّا نے کاٹ ڈالا تھا اور روایت ہے کہ اس وقت اس کے تنے سے خون بہ نکلا تھا جس طرح مندروں میں اور مورتیوں کے سامنے دستور ہے اس زمانہ میں پورینہ کو گوردھن داس اور اور لوگ اس ٹیلہ کے نیچے چراغ جلایا کرتے تھے ۔

ان بیانات سے جو اوپر قلمبند کئے گئے ہیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اب سے تھوڑی مدت پہلے سکندبھون کے مقام کو ایک مقدس اور قابل پرستش جگہ سمجھا جاتا تھا جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اسجگہ سکند کو کمار کا نام سمجھ کر غلط فہمی سے ایک ایسے دیوتا کی پرستش کیجاتی رہی ہے جس سے اصلی معبد کا کچھ تعلق نہ تھا تو اس بات کی ایک نظیر ملتی ہے کہ مقبول مقامی پرستش کا طریقہ باوجود متعدد تبدیلیوں کے برقرار رہ جاتا ہے پاس ہی جو اسلامی معبد ہے اس کے

وجود سے بھی ایک طرح ہمارے ہی خیال کی تائید ہوتی ہے کیونکہ یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اسکے قیام کا باعث محض یہ تھا کہ مقامی پرستار جب مذہب بدل کر مسلمان ہو گئے اس وقت بھی اس مقام کی پرستش کا شوق ان کے دل میں باقی رہا۔ مسلمان اولیا کی پرستش اکثر کشمیری تیرتھوں کے قریب ہونیکے بارہ میں دیکھو نوٹ نمبر ۱۴۷ متعلقہ بھیم کیشو ۱۹۲ رنسوامن ۱۷۱۔ متعلقہ پرویشور و ۱۷۲ متعلقہ بھیم سوامی گنیش وغیرہ

نوٹ نمبر ۱۳

قلعہ سرّہ سلا

(سلسلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۹۱۲ کتاب ہذا)

سرہ شلا کے پہاڑی قلعہ کو جہاں وہ قابل یادگارہ محاصرہ و دیگر نو اعات مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۲۴۹۲ تا ۹۰۷ عمل میں آئے تھے شاین صاحب نے ستمبر ۱۸۹۲ء میں شاردا تیرتھ کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہوئے دریافت کیا تھا اس دریافت کا ذکر مجمل طور پر اس مضمون میں کیا گیا تھا جو انہوں نے رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے روبرو پڑھا تھا و نیز اس نوٹ میں ہوا تھا جو امپیریل اکیڈمی آف وائنا کے نام بھیجا گیا تھا دیکھو رسالہ اکیڈمی بابت ۲۴ نومبر ۱۸۹۳ء

شاین صاحب کا بیان ہے کہ کلہن نے مذکورہ بالا محاصرہ کی جو کیفیت قلمبند کی ہے اس سے مجھے واضح طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ ڈامر النکار چکر کا قلعہ جس میں لوتھن اور ساور باغی راج کمار پناہ گزین ہوئے تھے شاردا مندر کے قریب اور آخر الذکر کیطرح دریائے کشن گنگا کے کناروں پر ہی کہیں ہوگا (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۵۵۶-۲۷۰۶) پس جس وقت مجھے شاردا کا مندر شردی میں مل گیا جیسا کہ نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں لکھا جا چکا ہے تو میں نے اس قسم کی تحقیقات شروع کر دی جس سے اس قلعہ کی مقامیت معلوم ہو سکے چونکہ کلہن نے اسکا کہیں ذکر نہیں کیا کہ تیرتھ یا قلعہ تک پہنچنے کیلئے دریا کو عبور کرنا پڑتا ہے اسلئے پہلے ہی سے میرا اندازہ تھا کہ آخر الذکر اسی یعنی بائیں کنارہ پر واقع ہوگا علاوہ بریں یہ امر بھی واضح تھا کہ سرہ شیل کوٹ دریا سے کہیں زیادہ فاصلہ پا اوپر کیطرف نہ ہوگا۔ کیونکہ جیسا نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں لکھا جا چکا ہے وادی شردی سا اوپر کی طرف تنگ ہو کر محض ایک تنگ کھڈ کی صورت میں رہجاتی ہے جہاں محاصرہ کی اس کار روائی کا عمل میں آنا نا ممکنات سے ہے جس کا ذکر کیا جا چکا ہے اس لئے گویا قابل تلاش حصہ کشن گنگا کا بایاں

کنارہ اور اس میں سے بھی وہ جو شردی سے نیچے کی طرف ہے۔ باقی رہ گیا۔

کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۶۴ ۲۵۲۸ بالخصوص شلوک ۲۷۸۲ میں بھوج کی فراری کی کوشش کا ذکر کرتے ہوئے دریا کے قریب جن چٹانی ٹیلوں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے شردی کے لوگوں کو صرف ایک کی بابت کچھ معلوم ہے اس کا نام گنیش گھاٹی یا گنیش پہاڑی ہے جہاں شاندا جانیوالے یاتری جایا کرتے ہیں سٹائین صاحب بیان کرتے ہیں کہ اسے میں مقابل والے کنارہ سے پہلے روز ہی دیکھ چکا تھا۔ دیہاتیوں میں سے ایک نے بیان کیا کہ مجھے یاد ہے اس ٹیلہ کی چوٹی پر میں نے ایک پرانی دیوار کے آثار دیکھے تھے پس شردی بنکر میں علی الصبح دریا کے بائیں کنارہ پر ہو کر چلا۔ ایک زیر کاشت سطح مرتفع پر سے گذرنے کے بعد جہاں شردی کا جدید قلعہ اور چند چوبی بارکیں واقع ہیں میں دو میل تک پہاڑی کیساتھ ساتھ ایک آسان گذار سڑک پر سے چلتا گیا جہاں پر پہاڑی اور دریا کے درمیان کوئی پاؤ میل چوڑی کھلی زمین ہے اس جگہ چند کھیت واقع ہیں جو مغرب کی طرف ایک ندی تک پھیلے ہوئے ہیں جو سلسلہ کوہ سے اتر کر جنوب کی طرف بہتی ہے اور جو نقشہ پر اس جگہ دیکھی جا سکتی ہے جہاں سرہ شلا کا لفظ درج ہے۔

اس ندی کے اوپر مغرب کی طرف گنیش گھاٹی کے ٹیلے ہیں جو بعض مقامات پر بالکل عمودی ہو کر قریباً ۲۰۰ فٹ کی بلندی تک اٹھتے ہیں یہاں پر ایک راستہ پہلے تو تھوڑی دور ندی کی سرد کھڈ کے اوپر سے ہو گزرتا ہے اور اس کے بعد ٹیلوں کے قابل گذر حصوں پر سے ہو کر گنیش گھاٹی کے سرے تک ایک خاکی رنگ کی چونے کی چٹان پر کوئی ۲۰ فٹ کی اونچائی میں قدرتی ایک لمبی سی آگے کو جھکی ہوئی ناک بنا رکھی ہے جو ہاتھی کے سر سے مشابہ ہے جس کی سونڈ نیچے کیطرف لٹکتی ہی ہوا سے اس چٹان پر راسخ الاعتقاد لوگوں نے سرخی کا ایک نشان سا بنا رکھا ہے اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ پرستار چٹان کے کس حصہ کو گنیش کا سر قرار دیتے ہیں جسکے نام پر چٹان کا نام پڑ گیا ہے اسکے بعد وہ راستہ بالکل عمودی طور پر ٹیلے کے اوپر دریا کی طرف میں جاتا ہے اور زور سے بہنے والی ندیکے اوپر ٹیلہ کے چوٹی پر اس کے شمالی انتہائی حصہ تک پہنچتا ہے ٹیلہ کا یہ شمالی حصہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں پر جیسا کہ نقشہ سے دیکھا جا سکتا ہے کشن گنگا یکایک شرقاً غرباً بہتے بہتے شمالاً جنوباً بہنے لگتی ہے۔ فی الحقیقت دریا کی سمت میں فرق آنے کا باعث یہی ہے۔

اس ٹیلہ کا پہلو بجانب شمال دریا کی طرف تنگ اور عمودیغ اور ناقابل گذر چٹانوں سے بنا ہوا ہے جس پر صرف چند ایک صنوبر کے درخت ہی بمشکل تمام اگ سکے ہیں سٹائین صاحب تحریر کرتے ہیں کہ اگلے روز جب میں

دریا کے کنار مقابل سے اس پہلو کو بغور دیکھ رہا تھا تو مجھے وہ چٹانیں اس گہرے تاس میں سے سیدھی اوپر کی طرف اٹھتی ہوئی نظر آئیں جسے پانی کے تیز بہاؤ نے ٹیلہ کے نچلے حصّہ میں کاٹ کر بنا لیا ہے ان چٹانوں میں سے بعض دریا کے اوپر کی طرف جھکی ہوئی ہیں اور ٹیلہ کے اس پہلو پر جا بجا اس قسم کے مقامات ہیں جن پر سے کوئی ماہر پہاڑوں پر چڑھنے اترنے والا شخص بھی اترنے کی کوشش کرے تو وہ بھی معرضِ خطر میں پڑ جائے ٹیلہ دریا سے کوئی ۴۰۰ فٹ اونچا ہے اور اس کا وہ نچلا حصّہ جس کے ساتھ پانی رگڑ کر چلتا ہے کوئی ۲۵۰ گز چوڑا ہے

اس ٹیلہ کی تنگ صنوبر سے ڈھپی ہوئی چوٹی پہلے شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف اٹھتی ہے اور اس کی چڑھائی تدریجی ہے۔ اس راستہ پر سے ہو کر جو ایک ہی سمت میں جاتا ہے میں شمالی سرے سے کوئی ۴۰۰ گز کے فاصلہ پر ایسے مقام پر پہنچا۔ جہاں ایک کہنہ دیوار کے آثار نظر آتے تھے جو ٹیلہ کی پشت پر آرپار پھیلے ہوئے تھے۔ راستہ کے مشرق کی طرف کوئی ۶۰ فٹ کے فاصلہ تک اب بھی گھنی جنگلی نباتات ہیں جو ٹیلہ کے ان حصّوں پر اگی ہوئی ہے جو برہنہ نہیں ہیں صاف طور پر دیوار کا سراغ چلایا جا سکتا ہے۔ یہ دیوار بعض بعض حصوں میں تین چار فٹ سطح زمین سے بلند ہے اس کی چوڑائی ۶ فٹ ہے اور اس میں بابی خوب اچھی طرح جمائے ہوئے پتھروں کی تہیں نظر آتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کثیر التعداد پتھر تاس دریا سے حاصل کئے گئے تھے لیکن بنیادیں بھدے طور پر کٹی ہوئی بڑی بڑی سلیں لگائی گئی معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں سے ٹیلہ کی چوٹی بتدریج اسی سمت میں کوئی ۲۰۰ گز کے فاصلہ تک اٹھتی ہے جہاں پہنچ کر یہی کی ایک چھوٹی سی ہموار سطح مرتفع بن گئی ہے جو ۶۰ فٹ آرپار ہے اس سطح مرتفع پر بعض پرانی سنگین عمارتوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ جو غالباً وسطی مقام کا درجہ رکھتی ہوں گی۔

اس کے بعد ٹیلہ کی چوٹی قریب قریب ہموار رہتی ہے البتہ جنوب مغرب کی طرف کوئی ۵۰۰ گز کے فاصلہ تک اس کی چوڑائی کم ہوتی جاتی ہے اس جگہ پہنچ کر ایک گڑھا سا نظر آتا ہے جو اس کو اس تدریجی چوٹی ہونیوالے کرارہ سے الگ کرتا ہے جو جنوب کی طرف سلسلہ کوہ کی جانب بڑھتا ہے اس گڑھے کے پاس سے ہو کر وہ سڑک گذرتی ہے جو تھجن (ٹیچ ون) کو شردی سے ملاتی ہے۔ یہیں ۶۰۰ گز کے فاصلہ تک اس کرارہ کی

پشت کی طرف لگا ہو۔ اگر شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف ہو کر پھر شمال سے جنوب کی سمت میں جاتا ہے۔ یہ اس وقت تک بتدریج چوڑا ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ وادی کے جنوب میں ان درختوں سے ڈھکی ہوئی ڈھلوانوں سے جا ملتا ہے جو وادی کے جنوب کی طرف ہیں۔ ٹیلہ کے مشرق کی طرف اس کے سارے حصہ میں وہ ندی بہتی ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ نقشہ پر جو دندانہ دار لکیر دکھائی گئی ہے وہ صحیح طور پر قلعہ کی مقامیت کو ظاہر نہیں کرتی۔ حقیقت میں اسے بجائے افقی ہونے کے عمودی ہونا چاہیئے تھا۔

دریا کے رخ اور مذکورہ بالا گڑھے کے درمیان ٹیلہ کا بغور معائنہ کرنے کے بعد سٹاین صاحب اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ ایک ایسے چھوٹے پہاڑی قلعہ کے لئے بہت موزون مقام ہے جیسا کہ کلہن کی تحریر سے سر کاشیل معلوم ہوتا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۰۸ سے جہاں مذکور ہے کہ "قلعہ کی پہاڑی اس مقام سے نیچے کی طرف تنگ ہے جہاں وہ ندی کی طرف بڑھی ہوئی ہے اور لمبے پھیلے ہوئے ٹیلہ والی" اندازہ ہوتا ہے کہ ٹھیک گنیش گھاٹی ہی کی طرف اشارہ ہے بلکہ یہاں تک خیال گذرتا ہے کہ مصنف نے خود اس مقام کو دیکھا ہوگا جو اس لحاظ سے بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ گنیش گھاٹی جاتریوں کی اس سڑک پر واقع ہے جو شاردا کو جاتی ہے جو کشمیر کے نہایت مشہور تیرتھوں میں سے ایک ہے اور بالکل ممکن ہے کہ کلہن نے ایک دو مرتبہ یہاں سے گذرتے ہوئے اس مقام کو دیکھا ہو۔

دریا کی نسبت قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ وہ ٹیلہ کے گرد مڑ کر زاویہ قائمہ بناتا ہے اور شمال اور مغرب کی طرف اس کے عمودی نچلے حصہ کو چھوتا ہوا گذرتا ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۵۲ میں جو ذکر آیا ہے کہ دھنیہ اور اس کی فوجوں نے شروع ہی سے قریب دریائے مدھومتی پر سے اپنا ڈیرا اٹھا کر اور نیچے کی طرف سے اپنے دشمنوں کو ہٹا کر قلعہ کے خاص راستہ (کوٹ پر توبی) پر قبضہ کر لیا تھا وہ بلاشبہ یہی فراخ گذارہ ہے جو جنوب کی طرف اوپر کو اٹھتا ہے اسی ترنگ کے شلوک ۱۵۴۱ کے بموجب دھنیہ نے اس آسان گذار مقام پر اپنے آپ کو مستحکم کر کے اور جنوب کی طرف قلعہ کے ٹیلہ کے گرد رکاوٹ

کے لئے مکانات بناکر باقاعدہ طریقہ پر محصورین کا وہ سلسلہ حصول اشیاء منقطع کر دیا تھا جس کی رو سے وہ آس پاس کے گاؤں سے سودا سلف منگوا لیا کرتے تھے۔ شلوک ۲۰۵۶ کے بموجب اگلے روز سست چندراس سے آملا جو پہلے شاردا تیرتھ سے ہو آیا تھا۔

دھنیہ کی فوجیں چونکہ ایک با اثر مقام پر تھیں اس لئے وہ ان تمام راستوں کی نگرانی کر سکتی تھیں جو قلعہ میں جانے آنے کے لئے بنے ہوئے تھے اور رات کے وقت اس قدر روشنی گرد اگرد کر دیا کرتی تھیں کہ شلوک ۲۰۸۰ ترنگ مذکور کے مطابق "شاہ راہ پر ایک چیونٹی کا بھی اس طرح گذرنا ناممکن تھا کہ وہ نظر نہ آسکے"۔ قلعہ کا حصر بہر سانی آب کے متعلق مشرقی ندی یا دریا پر تھا اول الذکر سے محصورین کا تعلق اسی وقت قطع ہو گیا جب دھنیہ نے جنوب کی طرف کے بلند ٹیلہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے ساتھ ہی قدرتی طور پر وہ ندی کے مشرقی کنارے سے پانی لینے سے بھی رُک گئے۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۶۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ محصورین کو دریا تک پہنچنے سے روکنے کے لئے محاصرین نے کشتیاں یا اس قسم کے بانسوں کے بیڑے رکھے ہوئے تھے جو پہاڑی کے نچلے حصہ کے قریب ہر وقت تیرتے رہا کرتے تھے۔ محاصرہ موسم سرما میں ہوا تھا۔ جب کہ دریا کا پانی اترا ہوا ہوگا۔ لیکن اس حالت میں بھی یہ ترکیب اس لحاظ سے قابلِ عمل نہ تھی کہ بیڑوں کی رسیاں قلعہ کے شمال میں دریا کے مقابل والے کنارہ سے باندھی رہیں۔ چونکہ دریا اس جگہ مڑتا تھا اس لئے بیڑوں کو اس طرح کس کر رکھنے سے باوجود تیز بہاؤ کے ایک کنارہ سے دوسرے تک تیرتے رکھا جا سکتا تھا۔ کیونکہ شاین صاحب جب سندری میں گئے ہیں تو اس وقت بھی عارضی طور پر گذرنے کے لئے اسی قسم کا بیڑا بنا لیا گیا تھا۔ اس طرح پر ہر چند کہ قلعہ میں پانی کی قلت تھی تاہم محصورین نے جو اتنی مدت مقابلہ کیا اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اس سے بالکل ہی معدوم نہ ہوں گے۔ فی الحقیقت ٹیلہ کے شمالی اور مغربی پہلو کو مدِ نظر رکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ طریق مذکورہ بالا سے پانی حاصل کرنے کی تمام راہوں کو مسدود کر دینا ناممکن تھا۔

جب راج کمار بھوج نے یہ بات محسوس کی کہ دشمن کی نگرانی پر نظر رکھتے ہوئے شاہراہ پر تولی

کے ذریعہ فرار ہی کی کوشش ناممکن ہے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۵۰۸) تو اب اسے بچنے کا صرف ایک ہی پرخطر ذریعہ نظر آتا تھا اور وہ یہ کہ دریا کی طرف اتر جائے۔ پس اسے رسیوں کے ذریعہ ٹیلہ پر لٹکایا گیا لیکن وہ مضبوط حصہ زمین تک نہ پہنچ سکا اور اسے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۸۲ کے بموجب مع اپنے ساتھی کے درمیان ہی میں ایک آگے بڑھی ہوئی چٹان پر جہاں وہ بمشکل پاؤں ٹکا سکتا تھا۔ قیام کرنا پڑا۔ اس جگہ اس نے ۵ دن اور ۵ راتیں بسر کیں۔ ہر وقت اسے اس بات کا کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں دشمن کی مجھ پر نظر نہ پڑ جائے۔ لیکن بایں ہمہ وہ اس سے محفوظ رہا۔ بالآخر بھوک اور سردی سے تنگ آکر اسے النکار چکر ہی کی پناہ میں آنا پڑا جس نے شلوک ۲۵۹۳ کے بموجب اسے پھر رسوں کے ذریعہ اوپر کھچوا لیا

کلہن نے جو یہ واقعات قلم بند کئے ہیں یہ اس صورت میں بآسانی سمجھے جا سکتے ہیں جب ہم ٹیلہ کے شمالی حصہّ کی نوعیت کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ اس طرف قلعہ کا محاصرہ نہ ہو سکتا تھا اور دشمن دریا کے دوسرے کنارے سے کھڑا ہو کر کسی شخص کو اس جگہ اترنے سے روک نہ سکتا تھا۔ لیکن چٹانیں اس قدر بلند اور عمودی ہیں کہ اُتار بڑا خطرناک ہے اور یہ امر مشکوک ہے آیا کہ ایک ماہر پہاڑی آدمی بھی رسیوں وغیرہ کی مدد کے بغیر محفوظ طور پر اتر سکتا ہے۔

محاصرہ اٹھ جانے کے بعد راج کمار بھوج نے النکار چکر کے ہاتھ سے بچ نکلنے کے لئے جو راستہ اختیار کیا اس کو دیکھتے ہوئے ا[illegible]ت کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے کہ سرہ شیلہ قلعہ کا مقام یہی ہوگا جب راجہ کا نمائندہ درنگ حال سن درنگ میں (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۷۰۲ نوٹ نمبر ۱۵ کتاب ہذا و نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا) اس غرض سے پہنچا کہ بھوج کی اطاعت کے متعلق معاملہ طے کرے تو شلوک ۲۷۰۳ کے بموجب النکار چکر اس سے ملنے بظاہر مختصر ترین راستہ پر سے پاستہ تھجن (یتیج دن) دریا کے ساتھ ساتھ ہو گیا جب اس طرح پر بھوج کا محافظ ڈامر موجود نہ تھا تو اس نے اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر شارد ا مندر والا راستہ اختیار کیا جو گنیش گھاٹی سے بالکل سمت مخالف میں واقع ہے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۲۷۰۶) جب اس نے معلوم کیا کہ وہ راستہ درانہ (علاقہ موجودہ ضلع دراو) میں سے

ہو کر جاتا ہے بند ہے اور واپسی پر الکار چکر سے دوچار ہونے کا احتمال ہے تو شلوک ۷۰۹ ۲ کے بموجب اس نے ناچار دردوں سے پناہ حاصل کی۔ وہ جنوب مشرق کی طرف وادی مدھومتی پر اس راستہ سے جو نقشہ پر دکھایا ہوا ہے چڑھنے کے بعد گہری برف میں سے ہوتا ہوا اس سلسلہ کوہ کو بمشکل عبور کرکے جو بجانب کشمیر فاصل آب کا کام دیتا ہے گریز واقع بالا کشن گنگا کے قریب دردوں کے علاقہ میں پہنچ گیا۔

یہ بات چنداں حیرت خیز نہیں کہ اس قلعہ کے جو اس قدر سرد و گرم روزگار چشیدہ تھا اب کچھ بھی آثار باقی نہیں رہے۔ قبل ازیں نوٹ نمبر ۱ ضمیمہ کتاب ہذا میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ زمانہ قدیم سے کشمیر کی نواحی پہاڑیوں میں اسی قسم کے قلعے کس طرز کے بنتے چلے آئے ہیں۔ کلہن نے محاصرہ کا جو حال لکھا ہے اس سے اور نیز محل وقوع کو دیکھتے ہوئے اندازہ کرنا پڑتا ہے کہ سرہ شلا کوٹ بجائے خود کوئی بڑا مقام نہ ہوگا اس کی ہلکی سی دیواروں سے جب ایک بار غفلت برتی گئی تو وہ شدت کی برف باری اور اس بکثرت روئیدگی کے اثرات کا مقابلہ نہ کرسکی ہونگی جو ان پر اگ آئی ہوگی۔ شردی کا موجودہ قلعہ بھی بالکل اسی ڈھنگ پر بنا ہوا ہے اور اگر آئندہ چند صدی کے عرصہ میں اس کی مرمت وغیرہ نہ کروائی گئی تو یقیناً اس کی بھی یہی حالت ہو جائے گی۔

مقامی طور پر اب کوئی روایت اس قسم کی موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ یہاں جو قلعہ کسی زمانہ میں ہوا کرتا تھا۔ وہ کسی کو یاد ہے اس کی ممکن وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا کے مطابق ایام فساد میں جبکہ کرناد کے بومب سردار کشن گنگا پر خود مختار حکومت رکھتے تھے شردی کے پاس کی وادی پر بالکل کاشت وغیرہ کا سلسلہ منقطع کیا گیا تھا۔

لیکن ایک اور بارہ میں روایت زیادہ دیرپا ثابت ہوئی ہے کیونکہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہی عجیب وضع کی چٹانی ساخت جسے اب گنیش کے سر کی سویمبھو (خود بخود بنی ہوئی) مورتی کے طور پر پوجتے ہیں۔ اس مقام کے پرانے نام یعنی سرہ شلا کا موجب ہے جس کے معنی سر والی چٹان کے ہیں۔

ترنگ ۸ کے درست کردہ شلوک ۲۴۹۲ کے بموجب قلعہ سرہ شلا "دریائے سندھو اور مدھومتی اور ککا شری ندیوں کے درمیان" واقع ہے نوٹ نمبر ۱۹ کتاب ہذا کے بموجب سندھو سے مراد کشن گنگا سے ہے نوٹ

نمبر ۱ ضمیمہ کتاب ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدھومتی وہ نام ہے جس سے شاردا (شردی) کی مقدس ندی آج تک مشہور ہے۔

مکتا شری کے نام کا اب تک کھوج نہیں لگایا جا سکا۔ البتہ یہ قیاس ممکنات سے نظر آتا ہے کہ یہ ان ندیوں میں سے ایک کا پرانا نام تھا جو سرہ شلا (گنیش گھاٹی) کے نیچے کی طرف جنوب سے کشن گنگا میں آملتی ہیں وہ ندی جو تجن (تیج ون) کے قریب کشن گنگا میں داخل ہوتی ہے اسے وہ جاتری جو شاردا مندر کی طرف جاتے ہیں اب تک مقدس تسلیم کرتے ہیں اور شاردا مہاتم کے شلوک ۵۲-۱۲۹ میں اسکے سنگم پر اشنان وغیرہ کرنے کی ہدایت درج ہے مکتا شری کا مبارک نام جس کے معنی "موتیوں کی دولت لیجانے والی" کے ہیں اسکے لئے غیر موزون نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن مہاتم میں چونکہ اس کا نام درج نہیں اس لئے اس معاملہ کو طے نہیں کیا جا سکتا۔

تلگرام ایک مقامی نام ہے جو سرہ شلا کوٹ کے محاصرہ کے دوران میں استعمال ہوا ہے لیکن جواب کہیں سننے میں نہیں آتا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۰۷ میں تلگرام کی نسبت مذکور ہے کہ وہ قلعہ کے دریا سے "سندھو" یعنی کشن گنگا پر واقع ہے دھنیہ اور اس کی فوجوں نے سرہ شلا کوٹ میں باغیوں کے خلاف مناسب کارروائی شروع کرنے سے پہلے یہیں قدم جمائے تھے اس کے بعد شلوک ۲۵۰۹ میں کلہن ان انتظامات کا ذکر کرتا ہے جو دھنیہ نے مدھومتی کے کنارہ جھونپڑیاں بنوا کر اپنی فوجوں کی پناہ کے لئے کئے تھے اس سے ۳۲ شلوک بعد پھر تلگرام کا ذکر ان معنوں میں آتا ہے کہ دھنیہ کی فوجوں نے یہیں سے پورے جوش کے ساتھ باغیوں پر حملہ کیا تھا۔

ان حوالوں سے یہ نتیجہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ تلگرام کسی ایسے گاؤں کا نام تھا جو شاردا مندر کے عین قریب ایسی جگہ واقع تھا جہاں اب شردی واقع ہے۔ چونکہ وادی کشن گنگا اس مقام پر کھلی اور زرخیز ہے اور کشمیر سے براستہ کروس گریز اور چلاس تک جانے والی سڑکیں یہیں آکر ملتی ہیں اس لئے یہ امر یقینی ہے کہ اس جگہ زمانہ گذشتہ میں کوئی خاص اہمیت رکھنے والا گاؤں آباد ہوگا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۵۰۶ سے جب ہم دیکھتے ہیں کہ سست چندر جو سرہ شلا کوٹ کے

سامنے شاہی فوجوں سے آکر ملتا ہے شاردا سندر سے آتا تھا تو ہمارے پاس نتیجہ کی اور بھی تائید ہوتی ہے ۔

القصہ شردی چونکہ شاہراہوں پہ واقع ہے اور سرہ شلا کوٹ کے بالکل قریب ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ جو دشمن آخر الذکر مقام پر خیمہ زن ہو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے وہی بہترین مقام ہو سکتا ہے ۔ یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ کیونکر وادی کی آبادی میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان میں صرف تیرتھ کا نام شاردا یا شردی بچا رہا ۔ اور گاؤں کے نام پہ غالب آگیا ۔ چنانچہ نوٹ نمبر ۱۳۴ و ۲۴۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح پہ الیشبر (الیشیشور) کا نام سریشوری کے ابتدائی نام پر غالب آگیا ہے ۔

پہلا باب

تمہید

کشمیر کے جغرافیہ قدیم کی اہمیت

تواریخ کشمیر کو صحیح طور پر سمجھنا یا اس کے تاریخی مصالحہ کو پورے طور پر کام میں لانا اس صورت میں ناممکن ہے کہ ہم ملک کے قدیم جغرافیہ کی طرف پوری توجہ نہ دیں۔ کلہن کی راج ترنگنی کو سمجھنے کے لئے تو آخر الذکر کا مفصل مطالعہ واقعہ میں لابدی ہے لیکن قطع نظر اس کے اگر ہم تاریخ کشمیر کا اول سے آخر تک مطالعہ کرنا اور جداگانہ واقعات کی پوری اہمیت معلوم کرنا چاہیں تو بھی اسکی ضرورت کچھ کم نہیں۔ اس کتاب میں اصل کا ترجمہ کرتے ہوئے جو نوٹ جابجا نیز ضمیمہ کے طور پر دیے گئے ہیں ان میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ناظرین کے روبرو اس قسم کی جغرافیائی واقفیت پیش کیجائے جو کلہن کی تصنیف کے خاص خاص واقعات سے تعلق رکھتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ جو واقفیت ان تمام نوٹوں میں

جا بجا منتشر ہے۔ وہ قدیم جغرافیہ کشمیر کی مسلسل صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ چونکہ قدیم تاریخ کشمیر کے تنقیدی مطالعہ کے لئے اس قسم کی کیفیت کا یکجا ہونا لابدی تھا اس لئے ضروری معلوم ہوا ہے کہ اسے کتاب کے تتمہ کے طور پر مجمل الفاظ میں ختم کر دیا جائے۔

یہ بات مشکل ہوگی کہ ہم اپنی تحریر کو جسمیں کشمیر کی قدیم جغرافیائی حالت بیان کرنا ہے صرف انہی زمانوں تک یاد رکھیں۔ جنکا تعلق کلہن کی راج ترنگنی سے ہے۔ قدیم ہندو زمانوں کے متعلق کشمیر کے بارے میں بہت سی قیمتی واقفیت بعد کی سنسکرت تاریخوں۔ غیر معین زمانہ کی مذہبی کتابوں مثلاً نیل مت پران وغیرہ۔ لاتعداد مہاتموں اور جدید مقامی روایات سے بھی حاصل ہو سکتی ہے اگر ہم اس قسم کے مصالحہ کو محض اس بناء پر اپنی تحقیقات کے دائرہ سے باہر قرار دیں۔ کہ اس کا تعلق کلہن سے بعد کے زمانہ سے ہے تو ہم گویا عمداً ایک ایسی چیز سے دست بردار ہونگے جس سے ملک کے قدیم جغرافیہ کی ترتیب میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ اس صورت میں یہ بات زیادہ محفوظ اور سہل ہوگی کہ ہم اپنی تحقیقات کی سالی حد ہندو زمانہ کے اختتام کو قرار دیں۔

قدیم کشمیر اور سرینگر کے نقشے

نقشے جو سٹائن صاحب نے اپنی کتاب کے ہمراہ دیئے ہیں ان میں بھی درحقیقت یہی بات مدِ نظر رکھی گئی ہے کہ اسی دائرہ کے اندر کشمیر کے جغرافیہ قدیم کی توضیح و تشریح کی جائے۔ سٹائن صاحب کا بیان ہے کہ یہ نقشے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی مدد سے سروے آف انڈیا کے دفاتر میں کرنیل جے۔ دائرہ من سابق نائب سرویئر جنرل کے زیر اہتمام تیار کئے گئے تھے۔

تتمہ ہذا کے مطالب

مضمون ہذا کو حیطہ تحریر میں لاتے ہوئے یہ

بات سہولیت میں داخل ہو گی کہ پہلے ان ماخذوں کا ذکر کر دیا جائے۔ جنسے ہمیں کشمیر کے جغرافیہ قدیم کے متعلق واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہم اس معاملہ پہ بحث کرینگے کہ ملک کے عام طبعی حالات نے اس کی ابتدائی اقتصادی اور سیاسی تاریخ میں کہاں تک حصّہ لیا ہے۔ آخیر میں ہم ان معاملات کا ذکر کریں گے۔ جن کا تعلق کشمیر کے سیاسی جغرافیہ سے ہے یعنی اس وادی کی قدیم انتظامی قسمتیں۔ مذہبی اور تاریخی اہمیت رکھنے والے مقامات وغیرہ وغیرہ ان معاملات کے متعلق بہت کچھ مفصل واقفیت ان نوٹوں میں درج کی جاچکی ہے جو جا بجا اصل کے ترجمے کے ساتھ ساتھ دے گئے ہیں پس جہاں کہیں ضرورت ہوگی ہم صرف ان نوٹوں کا حوالہ دیکر مجمل کیفیت لکھنے پر اکتفا کرینگے مضمون کا غیر ضروری اعادہ فضول اور تضیع اوقات میں داخل ہو گا۔

جغرافیہ کشمیر کے متعلق پرانی کتابیں

ان افتتاحی سطور کو ختم کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان چند ایک کتابوں کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ جنکا کشمیر کے جغرافیہ قدیم سے تعلق ہے قدرتی طور پر سب سے پہلے ہماری توجہ ان کتب کی طرف رجوع ہوتی ہے۔ جنمیں راج ترنگنی کا ترجمہ یا مطالب درج کیا گیاہے۔ ڈاکٹر ولسن پہلے یورپین تھے جنہوں نے راج ترنگنی کے سنسکرت مسودہ کا مطالعہ کیا اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصل کتاب کے جغرافیائی معاملات سے متعلق سوالات کو صحیح اور سنجیدہ طور پر مطالعہ کرنے کی اہمیت کے معترف تھے لیکن انہیں جو مسودہ ملا اسمیں بہت سے نقائص موجود تھے اور اس زمانہ میں یورپینوں کو کشمیر سے متعلق جس قدر واقفیت تھی وہ صرف برنیر اور فورسٹر کے بیانات تک محدود تھی اس لئے انہوں نے جا بجا اصلی ناموں کی بجائے وہی بگڑے تگڑے نام درج کرنے پر اکتفا کیا جو

فارسی تاریخوں میں کلھن کی تاریخ سے لے کر درج کئے گئے ہیں. لیکن ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سنسکرت کا وہ نامی گرامی فاضل صرف اس لئے اپنی کتاب کو پورے طور پر نہ نباہ سکا کہ اسے جو واقفیت حاصل تھی وہ بے حد پر نقص تھی.

اس کے بعد مسٹر ٹرائر نے راج ترنگنی کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے اس پر بڑی مبسوط شرح لکھی لیکن نگاہ غور بین دیکھ سکتی ہے کہ اس کے مطالب میں ڈاکٹر ولسن کے مضمون سے زیادہ کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی. بایں ہمہ مسٹر ٹرائر کو جو ایک خاص فائدہ حاصل تھا وہ یہ تھا کہ اس کے سامنے حوالہ کے لئے مکمل کتاب موجود تھی اور کشمیر کے بارہ میں بہت سی معلومات اسے مورکرافٹ جیک مونٹ وغیرہ سیاحوں کی بدولت حاصل ہو چکی تھیں اور دگنی وان ہیوگل وغیرہ بھی اس بارہ میں واقفیت کا ایک انبار جمع کر چکے تھے. مسٹر ٹرائر نے ہر چند کہ اپنا کام پوری محنت سے کیا ہے تاہم اسمیں جو خامیاں رہ گئی ہیں ان کا ذکر پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۵۵ پر کر دیا ہے اس کے جغرافیائی نوٹوں کا تو اس جگہ ذکر کرنا ہی فضول ہے کیونکہ وہ اسکی کتاب کا کمزور ترین حصہ ہیں

بابو جوگیش چندر دت نے ۱۸۷۹ء میں اس کتاب کا جو انگریزی ترجمہ کیا وہ ہر چند کہ اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ ایک ہندوستانی نے بے مدادِ زبان سے بجد تیقّن یافتہ غیر ملکی زبان میں کیا ہے تاہم یہ ضرور ہے کہ اس مختلف جغرافیائی امور پر کسی قسم کی روشنی ڈالنے کی بالکل ہی کوشش نہیں کی گئی مسٹر ٹرائر کے ترجمہ کی طرح اسمیں بھی مترجم نے جا بجا مقامی ناموں کو بامعنی الفاظ اور بامعنی الفاظ کو اسمائے معرفہ سمجھا ہے جس سے اس بات کی ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ جغرافیائی تحقیقات پورے طور پر ہونی چاہئے چنانچہ ان تراجم میں جن بعض فرضی علاقوں اور مقامات کا نام پایا جاتا ہے ان کے متعلق دیکھو داتیا اورنٹیل جرنل بابت ۱۸۹۸ء صفحہ ۶۷

جرنیل (ان دنوں کپتان) کننگھم جب ماہ نومبر ۱۸۴۷ء میں وادی کشمیر میں گئے اور انہوں نے اس بارہ میں چند ایک قابل قدر مضامین لکھے تو اس وقت ان فوائد کا پتہ چلا جو ملک کے ساتھ براہ راست واقفیت رکھنے سے تحقیقات میں حاصل ہوتے ہیں ہر چند کہ جرنیل موصوف کا قیام مختصر تھا اور ان کا منشائے اولین اس جگہ جا بجا میں مندروں کے کھنڈروں کے بارہ میں تحقیقات کرنا تھا تاہم جیسا کہ ان کے مضمون بعنوان "آریوں کا طرز تعمیر جو کشمیر کے مندروں سے واضح ہوتا ہے"۔ مندرجہ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت ۱۸۴۸ء صفحات ۲۴۲ تا ۳۲۷ سے پتہ چلتا ہے انہوں نے بہت سے قدیم مقامات کا صحیح کھوج لگا لیا تھا جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔ پرانادھشٹان (پایا صدر مقام) بلیتھشتور۔ مارتنڈ۔ پدم پور۔ ٹپن۔ کھون موش وغیرہ۔

کچھ عرصہ بعد جرنیل موصوف نے ان مقامات پر اپنی کتاب "اینشنٹ جیاگرفی آف انڈیا" میں وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے ہمیں کلام نہیں کہ اس کتاب میں تفصیل کی قلت پائی جاتی ہے۔ تاہم اس کے پڑھنے سے اس بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ آثار الصنادید کے متعلق مصنف کا تجربہ نہایت وسیع اور ذہانت بہت تیز تھی۔ کتاب مذکور کے صفحات ۸۹ تا ۱۰۳ و ۱۲۸ تا ۱۴۱ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جس فصل میں سلطنت کشمیر کا ذکر کیا گیا ہے اس میں ان شہادتوں کو بھی کام میں لایا گیا ہے جو چینی وسائل اور البیرونی کی کتاب سے حاصل ہوتی ہیں اور راجپوری۔ دلاپور۔ چمپہ۔ کاشٹھ وات وغیرہ ان چھوٹے درجہ کی پہاڑی ریاستوں کے قدیم نام جو کشمیر کے جنوب اور جنوب مشرق میں واقع ہیں۔ صحیح طور پر درج کئے گئے ہیں۔

پروفیسر لسین نے اپنی کتاب انڈش آلٹرتھمس کنڈ میں کلہن کی تصنیف کے تاریخی واقعات کو بڑی شرح و بسط سے لکھا ہے لیکن قدیم مقامات کے متعلق ان کی تصریحات صرف اسی جگہ صحیح ہیں جہاں انکی بناء جرنیل کننگھم کی تحقیقات پر مبنی کی گئی ہے مثال کے طور پر

دیکھو کتاب مذکور جلد ۲ صفحات ۵۰۸ تا ۹۱۵ وجلد ۳ صفحات ۴۰۹ تا ۱۱۲۸۔ قدیم علاقوں اور مقامات کے نام اکثر جدید مقامات کے ساتھ محض ذرا سی ہمالسنّی مشابہت کی بنا پر منسوب کر دیئے گئے ہیں اور اندرونی شہادت حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کی گئی۔ اس رجحان کی وجہ سے اس مشہور و معروف فاضل نے اکثر ان تنگ قسمی حدود کو نظرانداز کر دیا ہے۔ جیکے اندر اکثر ان مقامی اور نسلی ناموں کو تلاش کرنا ضروری ہے جو کلہن کی تصنیف کے بعد والے حصہ میں آتے ہیں یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ان حقیقی یا فرضی مقامات کی شناخت کے باعث جنکی بدولت معاصرانہ واقعات کا سین لاہور مشرقی افغانستان یا اجمیر ایسے بعید مقامات میں منتقل ہو گیا ہے ان ازمنہ مابعد میں سلطنت کشمیر کی سیاسی طاقت اور وسعت کے متعلق ایک غلط تصویر ذہن نشین ہوتی رہی ہے مثال کے طور پر صرف اتنا بیان کرنا کافی ہوگا۔ کہ لوہر (لوہرین) کو لاہور سمجھ لیا گیا ہے۔ کمپنا کا فرضی صوبہ مشرقی افغانستان میں تسلیم کیا گیا ہے۔ لونیہ قوم کو جھیل سانبھر کے قریب رہنے والی بتایا ہے اور باجگذار والئے ریاست کو سٹھیشور کو کوٹ گڈھ قلعہ واقع دریائے ستلج کا رہنے والا ظاہر کیا گیا ہے دیکھو کتاب انڈش الرتھمسکنڈ جلد ۳ صفحات ۱۰۵۷-۱۰۸۱-۱۰۶۹-۱۱۰۵ اور کشمیر کی مفروضہ ملکی وسعت کے بارہ میں جلد ۳ صفحہ ۱۱۱۹

اس بات کا سہرا حقیقت میں پروفیسر بوہلر کے سر ہے کہ انہوں نے کشمیر کا جغرافیہ قدیم مرتب کرنے کا صحیح راستہ اور ذریعہ دکھایا۔ اپنے دورہ کشمیر کے متعلق انہوں نے جو بہر زور رپورٹ لکھی ہے اس کے ۵۰ صفحہ پر یہ بات وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔ کہ کلہن کی تاریخ کو پورے طور سے سمجھنے کے لئے کشمیر کے جغرافیہ قدیم کا گہرا مطالعہ لابدی ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ اس قسم کے مطالعہ میں بعد کی سنسکرت تواریخ نیل مت پران و دیگر کشمیری کتب سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ یہ امر اغلب ہے کہ بعض جغرافیائی مسائل

پر دوبارہ غور کرنا ضروری ہوگا"۔

پروفیسر بوہلر آنجہانی اپنی دیگر مصروفیتوں کے باعث خود اس کام کو درجۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے لیکن رپورٹ کے صفحات ۴ تا ۱۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ وادی کے جن مقامات کا انہوں نے صحیح اور بالتشریح حال لکھا ہے وہ اس امر کو پایۂ ثبوت تک پہنچاتا ہے کہ ملک کی قدیم جغرافیائی حالت کے بارہ میں کوئی ضروری معاملہ ان سے نظر انداز نہیں ہوا جن مقامات کو انہوں نے سب سے اول شناخت کیا تھا ان کا ذکر آگے چل کر ان کے مناسب مقامات پر کر دیا جائیگا۔

دوسرا باب

کشمیر قدیم کے حالات

(۱) کلاسیکل کتابوں میں اس کا ذکر

کشمیر کے جغرافیہ قدیم کے ماخذ آسانی کی غرض سے دو قسموں پر منقسم کئے جا سکتے ہیں یعنی (۱) غیر ملکی لوگوں کے تذکرات اور (۲) ملکی تحریرات۔ ان میں سے وہ واقفیت جو اول الذکر سے حاصل ہوتی ہے وہ چونکہ نسبتاً پہلے زمانہ سے تعلق رکھتی ہے گو یقیناً زیادہ صحیح یا اہم نہیں اسلئے ہم اپنے ریویو کی ابتدا ان غیر ملکی تذکرات ہی سے کرینگے اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جب ہم اس تھوڑی سی معلومات کو حاصل کر چکیں گے جو اس جدا گانہ پہاڑی علاقہ کی نسبت بیرونی دنیا کو حاصل تھیں یا جنہیں اس نے قلمبند کیا پھر ہم ان کشمیری مستند حوالوں کے شاندار سلسلہ کی اور بھی بہ نسبت قدر کر سکینگے جو اس وادی کے متعلق

ہماری رہبری کرتے ہیں۔

سکندر کا حملہ

سب سے پہلے یہ بات قابل ذکر ہے کہ کشمیر چونکہ اپنی کوہی دیوارو کے اندر محفوظ رہا ہے اسلئے اس ملک کا ذکر ان بیانات میں کہیں نہیں پایا جاتا ہے جنکے اندر ہم شمال مغربی ہندوستان کے ابتدائی حقیقی تذکرات ڈھونڈنے کے عادی ہیں۔ ہماری مراد سکندر کے حملہ کی تواریخ سے ہے جب مقدونیہ کی فوجوں نے تاشلا سے ہیڈیسپس (جہلم) تک کوچ کیا تو انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا تھا جو نسبتاً حدود کشمیر کے قریب واقع تھا لیکن جن کاغذات میں سکندر کے حملہ کے حالات پائے جاتے ہیں۔ انمیں کشمیر کا اتنا بھی تو ذکر وجود نہیں جس سے یہی اندازہ ہو سکے کہ ان لوگوں کو اس کے متعلق کم از کم سنی سنائی باتوں کا علم تھا بخلاف اس کے ارسک اور ابیسر وں کا جو ذکر موجود ہے اس کے متعلق ایک مدت سے یہ بات تحقیق ہو چکی ہے کہ ان سے مراد علی الترتیب ارشا اور ابھی سار کے رہنے والوں سے ہے جو کشمیر کے مغرب اور جنوب میں دو علاقوں کا نام تھا دیکھو نوٹ نمبر ۲-۴ و ۷۷ کتاب ہذا۔

بطلیموس کا کسپیریا

فی الحقیقت کلاسیکل لٹریچر میں کشمیر کے متعلق آج کل اگر کہیں کوئی حوالہ پایا جاتا ہے تو وہ صرف بطلیموس کے جغرافیہ ہی میں دیکھا جا سکتا ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ ٹرائل صاحب کا یہ خیال بالکل درست تھا کہ کسپیریا جسے بڈسپس (وتستہ) سندل (چندر بھاگا) اور ادریس (ایراوتی) کے دریاؤں کے منبع کے نیچے واقع بتایا گیا ہے اس سے مراد کشمیر ہی ہے دیکھو بطلیموس کا بیان جلد ۷ فصل ا صفحہ ۴۲-۴۱-۲۱ مندرجہ کتاب انٹیکویٹی جیوگرافک ڈی لا انڈ پارایم۔ ڈ منویل مؤیبر جیوگراف ڈ ورائے وغیرہ مطبوعہ پیرس ۱۸۷۵ء جسکی بابت یہ بیان کرنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ اس زمانہ کے ہندوستانی جغرافیہ کی حالت کے بموجب جب یہ کتاب لکھی گئی تھی اسمیں قابل ذکر صحت اور قوت فیصلہ سے کام لیا گیا ہے

بطلیموس کا یہ بیان بھی درست ہے کہ یہ ملک دردرائے یا علاقہ درد واقعہ دریائے سندھ اور کلینڈرین یا علاقہ قوم کلند کے درمیان جو ہفیسس (ابیاس) پر و نیز مشرق کی طرف ہے واقعہ ہے لیکن جلد ۷ کی فصل ۱ صفحہ ۴۷ پر وہ جہاں ہندوستان کے علاقوں کا حال مفصل طور پر لکھتا ہے اس جگہ اس نے بیان کیا ہے کہ کیسپیریوں کا علاقہ مشرق کی طرف قوم پندولی کے ملک واقعہ ہڈیسپس سے کوہ اوندیئین یا بندھیاچل تک پھیلا ہوا ہے

ظاہر ہے کہ جو حدود اس بیان میں ظاہر کی گئی ہیں اور جن میں موجودہ پنجاب کا بہت بڑا حصہ و نیز ممالک مغربی و شمالی و وسط ہند کا بہت سا علاقہ آجاتا ہے انکا حقیقت میں کشمیر سے کچھ بھی واسطہ نہیں لیسن صاحب نے انڈش آلٹر عظمسکنڈ جلد ۲ صفحہ ۸۹۰ اور وی ڈی سینٹ مارٹن صاحب نے اپنے میمارز کے سلسلاوں کی جلد ۵ صفحہ ۳۸ پر گمان ظاہر کیا ہے کہ بطلیموس کا بیان اس زمانہ کے متعلق ہے جبکہ فرمانروایان کشمیر کی حکومت واقعی میں اس قدر وسیع علاقہ پر تھی لیکن جو بات از روئے تاریخ اغلب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کشمیر ایک عظیم غیر ملکی سلطنت کے ماتحت تھا جس کے فرمانرواؤں کی نامزدگی بطلیموس کی تحریر کے بموجب کسی نہ کسی وجہ سے ان کی سلطنت کے اس علاقہ سے ہوا کرتی تھی۔ بہر نوع معاملات کی صورت خواہ کچھ بھی ہو یہ بات واقعی عجیب ہے کہ کیسپیرا کا نام ہمیں ان شہروں کی طویل فہرست میں بھی ملتا ہے جو کیسپیریوں کے علاقہ میں واقع تھے بطلیموس کے اس اندراج نقشہ کو دیکھا جائے۔ جو ڈاکٹر مکرنڈل صاحب نے اپنی کتاب بطلیموس کے بیان کے بموجب ہندوستان قدیم مطبوعہ بمبئی ۱۸۸۵ء میں دیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کیسپیرا کا محل وقوع دریائے ہڈیسپس و زردرس (ستلج) کے مقام اتصال کے قریب یا یوں کہنا چاہیئے کہ ملتان کے نواح میں تھا۔ اس کے ساتھ ہی یہ یقین کرنا بھی مشکل ہے کہ اس اندراج کے متعلق حقیقت میں جو واقفیت حاصل کی گئی تھی وہ کشمیر کے علاوہ کسی اور علاقہ کے متعلق تھی۔ چنانچہ ڈینزل صاحب نے اسکی کیا طور پر تصریح کی ہے۔

وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں کہ بطلیموس نے کسپیرا (اگر حقیقت میں اس سے مراد سرینگر سے ہے) کے محل وقوع کے عرض بلد میں جو غلطی کھائی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں جو بربرے کے اندراج کے متعلق ثابت کیجا سکتی ہے جو دریائے سندھ کے دہانہ پر ایک بندر تھا اس غلط مقامیت کی وجہ اس وقت تلاش کرنا فضول ہوگا۔ بڑے بڑے لائق اور قابل فضلا کی تحقیقات سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ بطلیموس کی کتاب کے ایشیائی حصہ میں جو طول بلد اور عرض بلد درج ہیں۔ انکی صحت پر کس قدر کم اعتبار کیا جا سکتا ہے اس بارہ میں مفصل طور پر یول صاحب نے اپنی کتاب کیتھے کے تمہیدی صفحہ ۱۵۱ پر لکھا ہے اس فہرست میں باقی جن شہروں کے نام ہیں ان میں سے کسی کو کشمیر سے منسوب نہیں کیا جا سکتا بطلیموس نے کسپیریا کا جو ذکر کیا ہے۔ اس میں قابل قدر بات صرف اس قدر ہے کہ اسکی رو سے ہمیں ملک کے نام کو اس صورت کا بہت کچھ صحیح تلفظ حاصل ہوتا ہے۔ جو سنسکرت لفظ کشمیرا اور جدید کشمیری نام کشیر کا درمیانی درجہ قرار دینا چاہیئے آگے چلکر ایک مسلمہ آوازی قاعدہ کا ذکر کیا جائیگا۔ جس سے ابتدائی پراکرت نام کشویر بھی ظاہر ہوتا ہے اس لفظ کو یونانی زبان میں جہاں تک اس کی اصلی صورت میں ادا کرنے کی کوشش ہو سکتی تھی وہ یہی تھی کہ اسے کسپیر کی صورت میں لکھا جائے ہم جہاں تک قدیم تحریروں کا مطالعہ کر سکتے ہیں ان میں سرکاری طور پر کشمیر کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔ اسی نام سے یہ ملک اب تک مشہور ہے اور اس وقت بھی اس کا یہی نام ہے اس لحاظ سے یہ امر واقعی قابل توجہ ہے کہ بطلیموس نے اس لفظ کی پراکرت صورت کشویر اپنے بیان میں درج کی ہے

کسپیرائے۔ یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ بزنطیم کے سٹیفانوس نے ڈایونیسیس ساکن ساموس کی بسارِیکا نامی گم شدہ نظم سے جو دلچسپ حوالہ استنباط کیا ہے اسے بھی کشمیر ہی سے منسوب کیا جا سکتا ہے اس خاص حصہ نظم کو سب سے اول ڈینول صاحب

نے نوٹس کیا تھا اور اس میں کیسپر ائے نامی ایک قوم کا ذکر آیا ہے جس کی نسبت لکھا ہے کہ تمام ہندوستانیوں میں وہ سریع رفتار ہونے کی خاص شہرت رکھتی ہے اس حصہ کو ٹرائر صاحب نے اپنی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ پر بجنسہٖ درج کیا ہے ہم کو معلوم نہیں ڈائونیس کس زمانہ میں ہو گذرا ہے۔ نہ ہمیں یہ خبر ہے کہ اس نے اپنی واقفیت کس درجہ سے حاصل کی البتہ البیرونی کی کتاب انڈیا کے اس ترجمہ کی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶ سے جو سچاؤ صاحب نے کیا ہے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ممالک غیر میں کشمیری تیز رو ہونے کی خاص شہرت رکھتے تھے ظاہر ہے کہ ایسی پہاڑی وادی کے قدرتی حالات جس کے چاروں طرف دشوار گذار پہاڑ ہوں باشندوں کی کوچ کی طاقت کو اچھی ترقی دے سکتے ہیں۔ خود کلہن ہی کی راج ترنگنی کی ترنگ ۷ شلوک ۱۳۰۱/۱۱/۴ - ترنگ ۸ شلوک ۱۹۲-۹-۷۹-۳ ۱۹۸۸-۱۷۹۶-۱۸۸۷ و ۲۶۷۳ سے متعدد مثالیں اس قسم کی ملتی ہیں جن سے تیز کوچوں کا پتہ چلتا ہے ساتھ ہی اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ سواری کے جانوروں سے بہت کم کام لیا کرتے تھے اسلئے ڈائونیسیس ساکن ساموس نے جو حوالہ دیا ہے اسمیں صرف نام ہی نہیں بلکہ اور وجوہ بھی اس قسم کی موجود ہیں جن سے اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ اس کا اشارہ کشمیری کی طرف ہے

کیسپر ائے کا نام نونس کی تصنیف ڈائونیسیا کا میں بھی ملتا ہے جس کے حصہ ۲۶ شعر ۱۶۵ میں انہیں ان ہندی اقوام میں گنا گیا ہے جو بیکچس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی تھیں مخفی نہ رہے کہ یہ حوالہ ٹرائر صاحب کی کتاب جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ سے لیا گیا ہے اور نونس نے اسی شعر میں ایری نوسے کا بھی ذکر کیا ہے اور یہی نام بسار یکا میں کیسپر ائے کے ساتھ استعمال ہوا ہے اس صورت میں یہ امر اغلب ہے کہ نونس نے اپنا حوالہ بسار یکا سے یا اس کتاب یا تحریر سے لیا ہے جس سے بسار یکا میں لیا گیا تھا۔

ہیروڈوٹس کا کسپاٹائرس۔ کلاسیکل لٹریچر میں کشمیر کا ذکر اس حالت میں

نہایت قدیم زمانہ میں دنیز ایک! ایسے شخص کے ہاتھوں جسے "ابو تاریخ" کہا جاتا ہے ملسکتا ہے۔
کہ ہیروڈوٹس کے مذکورہ نام کسپاٹرس میں ہم وادی کشمیر کا نام مخفی تسلیم کرلیں مجمل طور پر
واقعات حسب ذیل ہیں۔

ہیروڈوٹس نے کسپاٹرس کو وہ مقام ظاہر کیا ہے جہاں وہ فوج جسے دارا نے سکائی لیکس
ساکن کورئینڈا کے ماتحت دریائے سندھ کا منبع دریافت کرنے روانہ کیا تھا جہازوں پر
سوار ہوئی تھی۔ دیکھو جلد ۴ نمبر ۴۴ و نیز جلد ۳ نمبر ۱۰۲ اس بارہ میں سرای۔ بنبری نے
اپنی کتاب ہسٹری آف اینشنٹ جیاگرفی جلد ا صفحات ۲۲۸-۲۵۶ پر پورے طور سے بحث
کی ہے اس نے صاف طور پر اس شہر کو علاقہ پکتین میں واقع بتایا ہے جو شمال کیطرف
غالباً علاقہ باختر کے قریب تھا۔ ہیروڈوٹس کا منشاء دراصل اسی مقام سے معلوم ہوتا
ہے جو اس سے پہلے ہیکاطائیس کو کیسپیرس کے نام سے معلوم ہوتا ہے ہیکاطائیس نے
جو ۵۴۹ تا ۴۸۶ ق م میں ہوگذرا ہے جس طرح پر ذکر کیا ہے اس سے صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ کسپتریس یا کسپیرس (معلوم نہیں دونوں میں کونسی صورت صحیح ہے) اس علاقہ
میں واقع ہوگا۔ جہاں دریائے سندھ سب سے پہلے جہاز رانی کے قابل بنتا ہے یعنی
قدیم قندہار یا جدید علاقہ پشاور میں یہ بات بھی ویسی ہی یقینی ہے کہ ہیروڈوٹس نے جو نام
پکتیکی استعمال کیا ہے اس کا اشارہ بھی اسی علاقہ کیطرف ہے اور اسی سے سب سے اول
پختون یا جدید پٹھان کا نسلی نام برآمد ہوتا ہے یہ بات معلوم نہیں ہوسکی کہ کسپتیرس کس
جگہ واقع تھا چونکہ علاقہ قندہار کے ناموں میں بے حد تبدیلی عمل میں آچکی ہے اس
سے یہ بات شاید کبھی بھی معلوم نہ ہوسکے گی۔

ڈاکٹر ولسن کے قیاس ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اول اسی نے کسپتیرس کا نام
کشمیر سے ملانے کی کوشش کی تھی لیکن یہ خیال شاید ایک مدت سے لوگوں کے دلوں
میں چلا آتا تھا۔ کیونکہ ڈینول نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے ڈاکٹر ولسن نے سوچا۔ کہ

سکائی لیکس کا شہر یقیناً دریائے سندھ کے قریب اور اس لحاظ سے کشمیر سے دور واقع ہوگا باوجود اس بات کے اس نے اسکا نام کشمیر اس بنا پر سمجھنے کی تجویز کی کہ آخرالذکر سلطنت کی حدود دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں۔

کشمیر کا ماخذ۔ اس غلطی کا باعث کشمیر کے نام کی ایک عجیب وغریب ترکیب تھی ولسن صاحب نے خیال کیا کہ کشمیر کا نام کشیپ پور سے اخذ کیا گیا ہوگا اور کشیپ پور اسکا نام اس وجہ سے پڑا ہوگا کہ اس ملک کو رشی کشیپ نے آباد کیا ہے گا۔ چنانچہ اپنے "لیسے" کے صفحہ ۱۱۷ پر لکھا ہے "مشرقی مصنف اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ کشمیر کا نام اسطرح پر پڑا ہے کہ ملک کو کشیپ نے آباد کیا تھا جس کے نام پر اس جگہ کا نام کشیپ پور پڑگیا اور رفتہ رفتہ ہوتے ہوتے کشپ پور یا کسپ پور رہ گیا۔ یونانی کتابوں میں اس نام کی جو صورت پائی جاتی ہے وہ اسی آخرالذکر صورت ہی سے مطابق ہے" معلوم نہیں ولسن صاحب کا اشارہ کس مشرقی مصنفوں کی طرف ہے البتہ ظن غالب ہے کہ اس نے اس بات کو سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی فارسی تاریخہائے کشمیر سے لیا ہے جنسے انہوں نے لیسے لکھنے وقت مدد لی تھی ان کتابوں میں کشمیر کی واقعی عجیب وغریب ترکیب درج ہے مثلاً ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ دو اجزاء سے مرکب ہے۔ کشپ (کشیپ) مر (مٹھ) وغیرہ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو یہ ترکیبیں اور نہ کشیپ پور کا نام ہی درست ہے

یہ امر مشتبہ ہے کہ اگر ولسن صاحب کو مکمل راج ترنگنی یا بعد کی تاریخہائے کشمیر دیکھنے کا موقعہ ملتا تو وہ اس قسم کا ماخذ پیش کرنے کی جرات کر سکتے ہر چند کہ یہ لٹریچر بیحد وسیع ہے تاہم اس میں کہیں بھی اس قسم کی شہادت نہیں ملتی جس سے معلوم ہو سکے کہ ملک کے لئے کبھی کشیپ پور کا یا اسی طرح کا کوئی اور نام بھی استعمال ہوا کرتا تھا۔ بلکہ یہ بیان کرنا واقعی عجیب معلوم ہوگا کہ ایک ہندوستانی سنت ربان کی روسے جسکا ذکر البیرونی نے اپنی کتاب انڈیا کی جلد اصفحہ ۲۹۸ پر کیا ہے پتہ چلتا

ہے کہ کشپ پور۔ ملتان کے قدیم ناموں میں سے ایک تھا یہ بات اس لحاظ سے اور بھی اہم ہے
کہ ملک کی ابتداء کے متعلق دیگر روایات جابجا بکثرت درج ہیں ان سب باتوں کے علاوہ
یہ جتلانا بھی غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کشپ پور سے کشمیر کا نام اخذ کرنا قواعد کی رو سے
بھی ناممکن ہے اس تھیوری کا ذکر اسلئے صرف اسلئے ضروری معلوم ہوا کہ یہ ونزڑ لیسن اور
ہمبولٹ جیسے مستند مورخوں کی کتابوں میں داخل ہو چکی ہے اور اس وجہ سے جدید
مصنفوں کی تالیفات میں بھی جگہ پا گئی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھو وٹیر صاحب کی کتاب
ایشیئن جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۲ لیسن صاحب کی کتاب انڈش آلٹرتھمسکنڈ جلد صفحہ ۶۳۵
ہمبولٹ صاحب کی کتاب ایشی سنٹرل جلد ا صفحہ ۱۰۲ جدید کتب میں دیکھو مکرنڈل صاحب
کا "ہندوستان قدیم بموجب بیانات بطلیموس" صفحہ ۱۰۸۔ بیل صاحب کی کتاب سی ریکارڈ
کی جلد ا صفحہ ۱۴۸۔

(۲) چینی تحریرات

لیکن گو اس طرح پر یورپ کے کلاسیکل لٹریچر میں سوائے کشمیر کے نام سے اور کچھ
ذکر نہیں پایا جاتا تاہم چینی تحریروں اور تاریخوں کا یہ حال نہیں۔ چین سے بدھ مذہب
کے جاتری جب ہندوستان کے مقدس مقامات کی یاترا کو آتے تھے تو وہ میدانوں
میں داخل ہونے سے پہلے کشمیر میں ضرور جاتے تھے اور اکثر وہیں آرام کرتے تھے انہوں
نے جو یادداشتیں لکھی ہیں ان سے و نیز ان سیاسی تعلقات کے تذکرات سے جو سلطنت
چین کے مغرب کی طرف وسعت حاصل کرنے کے زمانہ میں اس کے اور کشمیر کے مابین
موجود تھے کشمیر کے جغرافیہ قدیم کے متعلق بہت سی مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں
قدیم ترین چینی تذکرات۔ یورپین فضلا نے آجکل چینی تذکرات کے جو تراجم
کئے یا جوالے دئے ہوئے ہیں، ان سے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ چینی زبان میں
سب سے اول حوالہ کشمیر کے بارہ میں کونسا ہے اس مشکل کا تعلق جغرافیائی اصطلاح

کی۔پن کے استعمال سے ہے ابتدا میں یہ اصطلاح مناسب طور پر وادی کابل کے بالائی حصہ کے لیئے استعمال ہوتی تھی جس زمانہ میں ہندوستان کی نسبت چینیوں کی واقفیت بہت محدود تھی اس میں یہ اصطلاح ان مختلف علاقوں کے لیئے استعمال ہوتی نظر آتی ہے جو ہندوستان کے شمال میں واقع ہے اور جنمیں کشمیر بھی داخل تھا اس صورت میں اس کا استعمال بلاامتیاز اور عام ہوا کرتا تھا لیکن بایں ہمہ اس سے ہمیں کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا۔ کیونکہ چینی مورخوں کے ابتدائی تذکرات میں کوئی خاص مقامی تفصیلات موجود نہیں پائی جاتیں جسکی تصدیق میسرز لیوی اور کیونس کی اس تحریر سے ہوسکتی ہے جس میں انہوں نے جرنل ایشیاٹک بابت ۱۸۹۵ء جلد ۶ صفحہ ۳۷۰ میں ان حوالوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے

کشمیر کے متعلق صاف لفظوں میں دئے ہوئے جس پہلے حوالے کا پتہ ملتا ہے اسکی تاریخ ۵۴۱ء ہے اس حوالے کی بنا اس تذکرہ پر ہے جو اس ہندی سفیر نے لکھا تھا جو خاندان تنگ کے عہد میں چین میں پہنچا تھا ہر چند کہ اس نے کشمیر کا نام نہیں لیا تاہم ظاہر ہے کہ ایم پوتھیر کا جس نے اس خلاصہ کو شائع کیا تھا یہ خیال درست تھا کہ شمالی ہند کے متعلق جس ملک کا ذکر بدیں الفاظ آیا ہے کہ وہ ایک قیمتی جواہر کی مانند تمام اطراف میں برفانی پہاڑوں سے محصور ہے اس کے جنوب میں ایک وادی ہے جو اس تک پہنچتی ہے اور سلطنت کے دروازہ کا کام دیتی ہے"۔ وہ حقیقت میں کشمیر ہی ہے اس جگہ جو امور بیان کیئے گئے ہیں یہی ان تمام چینی حالات میں نظر آتے ہیں جو کشمیر کے متعلق قلم بند کیئے گئے ہیں۔

ہیون سانگ۔ مذکورہ بالا حوالہ کی تاریخ سے ۹۰ سال بعد ہیون سانگ کشمیر پہنچا وہ اس وادی میں ارشاورا واقع مغرب کی طرف سے داخل ہوا اور کامل دو سال تک ایک معزز مہمان کی حیثیت میں رہا۔ اس عظیم چینی سیاح کی تحریرات میں کشمیر کے وہ کامل ترین اور بالکل صحیح بیانات درج ہیں جو ہمیں اس زمانہ کے ایک غیر

ملکی شخص سے حاصل ہو سکے ہیں دیکھو سی۔یو کی ترجمہ بیل صاحب جلد اصفحہ ۱۴۸ اوائی
ڈی ہیون سانگ مترجمہ زلین صاحب صفحہ ۱۹۰ اس سیاح کو جن خاص خاص مقامات
پہ جانیکا اتفاق ہوا انکا ذکر ان کے مناسب مقامات پر کیا جائیگا اس جگہ صرف اسی قدر کافی
معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی وہ تمام کیفیت جو اس نے بیان کی ہے درج کیجائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہیون سانگ وادی وتستہ کے راستہ کشمیر میں داخل ہوا ہوگا کیونکہ وہ
اس راستہ کی نسبت جو اس نے اختیار کیا بیان کرتا ہے کہ وہ ارشا کے جہاں آجکل ضلع
ہزارہ واقع ہے جنوب مشرق میں ہو کر گذرتا ہے پہاڑوں کو عبور کر کے اور ٹیلوں کے اوپر
سے گذر کر وہ اس سنگین دروازہ پر پہنچا جو سلطنت کا مغربی پھاٹک ہے۔آگے چلکر ہم
اسبات کا ذکر کرینگے کہ یہ پھاٹک یا دروازہ جسکی اوکونگ اور البیرونی کو بھی خبر تھی وہ سرحدی
چوکی یا دروازہ تھا جو بارہ مولا کی کھڈ میں واقع تھا۔سرزمین کشمیر پر اس کی پہلی رات
ہشک پور میں بسر ہوئی جہاں آجکل بارہ مولا کے مقابل میں اشکر واقع ہے اور اس کے
بعد دارالسلطنت کیطرف روانہ ہوا جسکی نسبت وہ بیان کرتا ہے کہ وہ اسی جگہ واقع تھا
جہاں آجکل سرینگر ہے اس جگہ اسے جے اندر دہار میں اتارا گیا جسکا ذکر نوٹ نمبر ۱۷۵
کتاب ہذا میں بھی آیا ہے۔

ہیون سانگ نے کشمیر میں جو دو سال کا عرصہ بسر کیا ہر چند کہ اس میں اس نے اپنا
وقت زیادہ تر سوتروں اور شاستروں کے مطالعہ ہی میں گذارا تاہم اس اثنا میں اسے
اس قدر کافی وقت مل گیا ہوگا۔کہ وہ وادی کے متعلق اچھی طرح واقفیت حاصل کر لے
اس نے سلطنت کیا بشی-می-لو-کی جو کیفیت بیان کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے۔
کہ جغرافیائی طور پر کشمیر کا لفظ اس زمانہ میں بھی دریائے وتستہ کے عظیم طاس اور ان بغلی
وادیوں کے لئے محدود ہوگا جو درہ بارہ مولا سے اوپر دریائے مذکور کے معاونوں سے
سیراب ہوتی ہیں۔سیاح موصوف لکھتا ہے کہ اس ملک کے چاروں طرف بہت بلند

پہاڑ ہیں ہر چند کہ پہاڑوں میں سے ہو کر درے گذرتے ہیں تاہم وہ بہت تنگ اور بلے ہوئے ہیں ان قدرتی فصیلوں نے ملک کو نواحی سلطنتوں سے محفوظ رکھا اور وہ کبھی اسے مطیع کرنے میں کامیاب نہ ہوئیں ہر چند کہ آب و ہوا سرد اور برف بکثرت ہوتی ہے تاہم لکھا ہے کہ سرزمین زرخیز ہے اور اس میں پھل پھول بکثرت پیدا ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ باشندوں میں ہیون سانگ کے زمانہ سے اب تک بہت کم تبدیلی واقع ہوئی ہے اس نے وہاں کے لوگوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ہلکے اور چھچھورے اور کھیل کود کے شائق ہوتے ہیں اور انکی فطرت میں کمزوری اور بزدلی پائی جاتی ہے پھر لکھا ہے کہ اس جگہ کے لوگ دیکھنے میں خوبصورت لیکن عادتاً شریر و چالاک ہوتے ہیں وہ علم کے شائق ہوتے ہیں اور ہر معاملہ میں اچھی واقفیت رکھتے ہیں صدیوں سے کشمیر میں علم کا رتبہ بلند چلا آتا ہے جس کے بعد ہیون سانگ نے بظاہر خوشی کے ساتھ ان فاضلانہ مجالس کا ذکر کیا ہے جو قانون مقدس کے ماہر کشمیریوں کے ہاں منعقد ہوا کرتی تھیں۔

زمانہ قدیم میں کشمیر نے بدھوں کی مذہبی روایات میں بہت کچھ حصہ لیا ہے ہیون سانگ نے اس بات کا بالتفصیل ذکر کیا ہے کہ ارہت مدھیانتکا نے پہلے بدھ مذہب کی ملک میں اشاعت کی تھی پھر اشوک کے وقت میں ۵۰۰ مہاتماؤں نے بھی اپنا مسکن اسی مقام کو بنایا تھا اور پھر کنشک راجہ گندہار کے زمانہ میں کشمیر ہی میں بدھوں کی کونسلیں منعقد ہوئی تھیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ سی۔ یو۔ کی جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ پر بیان کرتا ہے کہ خود میرے وقت میں ملک کے اندر بدھ مت کا زیادہ چرچا نہ تھا اور لوگوں کو زیادہ خیال ملحدوں کے مندروں ہی کا تھا۔

شاید ملک میں بدھ مت کی اشاعت زوال پذیر ہونے ہی کے باعث ہیون سانگ نے اس وادی کے صرف چند ایک وہاروں اور ستوپہ کا ذکر کیا ہے ستوپہ میں سے ۴ کو تو راجہ اشوک سے منسوب کیا جاتا تھا اور ایک کی بابت لوگوں کا اعتقاد تھا کہ کنشک

نے اسکی بنیاد میں وہ قواعد تانبہ کے پتھروں پہ کندہ کر کے دفن کئے ہیں جو کونسل کیطرف سے مقرر کئے ہوئے ہیں اسوقت تک تیقن کے ساتھ اس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ یہ چاروں ستوپہ کون کونسے ہیں۔ البتہ انکی کیفیت بیان کرتے ہوئے اس مشہور یاتری نے بہت سی قابل قدر جغرافیائی باتیں درج کی ہیں۔

اس معبد کا ذکر کرتے ہوئے جسکو اس بات کا فخر تھا کہ اسمیں بدھ کا ایک معجز نما دانت دفن ہے وہ اسکی مقامیت کی نسبت بیان کرتا ہے کہ یہ جدید شہر سے ۱۰ یا ۲ میل جنوب مشرق یا قدیم شہر کے شمال میں واقعہ ہے (دیکھو سی۔ یو۔ کی جلد ا صفحہ ۱۵۸) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہیون سانگ نے جس دار السلطنت کا ذکر کیا ہے اس سے مراد حقیقت میں جدید کشمیر سے ہے اور جیسا کہ راج ترنگنی میں مذکور ہے یہ جگہ اس زمانہ میں نسبتاً نئی بسائی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے قدیم شہر کا حوالہ دیا ہے اسکی بدولت ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ اشوک کے مقام سرنگیری کا جسکا موجودہ نام پانڈریٹھن اور کلہن کے بیان کے بموجب پرانا دہشتان ہے ٹھیک طور پر کہاں واقعہ تھا۔

ہیون سانگ کا قیام کشمیر۔ وائی ڈی ہیون سانگ کے صفحہ ۹۶ پر ہیون سانگ کے اپنے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیر میں عرصہ دو سال تک رہا اور جب ہم اس عرصہ کا مقابلہ اسکی سیاحت ہند و وسط ایشیا کے دیگر قیاموں سے کرتے ہیں۔ تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس سے زائد عرصہ کہیں بھی نہیں ٹھہرا ہم نے مانا کہ اس کے اندر ایک قسم کا مذہبی ذوق اور کشمیری فضلا کی عالمانہ بحث میں شریک ہونے کا شوق پایا جاتا تھا۔ تاہم اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ اس کے اس طویل قیام کا موجب کسی حد تک کشمیر کی مادی دلچسپیاں اور تفریحات بھی تھیں۔ کشمیر کی سرد ہوا اس مناظر کی شمالی رنگینی اور پیداوار کا ان لوگوں پر ہمیشہ بہت بڑا اثر پڑتا رہا ہے جو خود سرد ملکوں میں پیدا ہو کر ہندوستانی میدانوں کی گرمی اور گرد و غبار میں رہتے ہوئے

اس جگہ آئے ہیں جسطرح ہر سال ہندوستان خاص سے بہت سے یورپین کشمیر میں جاکر رہتے ہیں۔ ایسے ہی کاشغر، یارقند اور وسط ایشیا کے حجاج خواہ وہ مکہ معظمہ کیطرف جا رہے یا وہاں سے واپس آ رہے ہوں۔ اس جگہ یقیناً ایک طویل قیام اختیار کرتے ہیں۔ زمانہ حال کے حاجیوں کی مثالوں کی تقلید ہمیں ان بدھ مذہب کے یاتریوں میں بھی نظر آجائے اگر وہ آجکل شمالی علاقوں سے براستہ کشمیر ہندوستان کے مقدس مقامات میں جایا کرتے ہوں۔ یہ معلوم کرنا واقعی بے حد دلچسپی کا موجب ہوگا کہ کشمیر کو "جنت نظیر" بنانیوالے لوگ کس حد تک صرف شمالی ملکوں کے رہنے والے باشندگان ایشیا و یورپ ہیں۔ لیکن یہاں اس قدر تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرنا پڑتا ہے کہ کشمیر پہنچنے سے پہلے ہیون سانگ کو یقیناً پنجاب کی شدت کی گرمی اور اور تکالیف پیش آچکی ہونگی جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔ کہ دوسرے چینی سیاحوں کے تذکرات سے بھی کم و بیش یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

سی۔ یو۔ کی جلد اصفحہ ۱۶۲ اور روائی ڈی ہیون سانگ کے صفحہ ۹۶ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ وادی سے روانہ ہوکر جنوب مغربی سمت میں روانہ ہوا تھا وہ مقام پن نو۔ تسو میں جسکا نام راج ترنگنی میں پرنوتس آیا ہے۔ اور موجودہ نام پرنتس ہے مختلف پہاڑوں اور ٹیلوں پر سے گذر کر پہنچا چونکہ توش میدان والی سڑک اس علاقہ میں سیدھی جاتی ہے اور اسی پر آمد و رفت بکثرت ہوتی ہے اسلئے اغلب ہے کہ ہیون سانگ نے اسے ہی اختیار کیا ہوگا۔ پرنوتس اور راجپوری (ہو۔ لو۔ شی۔ پو۔ لو) جہاں وہ بعد میں آگیا۔ اس زمانہ میں کشمیر کے ماتحت تھے اور ان کا کوئی مطلق العنان فرمانروا نہ تھا۔

کشمیر کا ذکر خاندان تنگ کی روایات میں۔ ہیون سانگ کے بعد کشمیر کا ذکر چینی زبان میں خاندان تنگ کی روایات میں پایا جاتا ہے جو خاص ذکر

کے قابل ہے۔ان میں مذکور ہے کہ دربار شاہی میں کشمیر کا پہلا سفیر راجہ۔شن۔تو۔لو پی۔لی کیطرف سے ۱۳ء میں یا اس کے قریب کسی سال میں پہنچا اور اس کے بعد دوسرا سفیر اس جگہ اس کے بھائی اور جانشین مو۔تو۔پی کے زمانہ میں گیا اس سے پہلے نوٹ ۲۱۳ و ۲۲۹ کتاب ہذا میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان دونوں راجاؤں سے مراد ان شخصوں سے ہے جنکے نام راج ترنگنی میں چندراپید اور مکتاپید (للتادتیہ) آئے ہیں خاندان تنگ کی ان روایات میں کشمیر کا جو بیان درج ہے اسکی نسبت ظن غالب ہے کہ اسے ہیون سانگ کی کتاب سی۔یو۔کی سے نقل کیا گیا ہے لیکن اس کے علاوہ وہاں مو۔ہو۔تو۔مو۔لونگ یا جھیل مہا پدم (ولر) کا ذکر اور اس زمانہ میں دار السلطنت کشمیر کا بیان بھی دیا ہوا ہے۔ سٹائین صاحب نے اوکونگ کے حالات کشمیر کے جو نوٹ لکھے ہیں ان میں واضح کیا ہے کہ ان روایات میں جو نام پو۔لو۔لو او۔لو۔لو کا آیا ہے وہ اصل میں پر ور پور ہی کی بجائے لکھا گیا ہے جو سرینگر کا پرانا اور سرکاری نام تھا۔ ایسے ہی اس عظیم دریا کا جو صدر مقام کے مغرب میں ہو کر بہتا ہے جو نام می۔نا۔سی۔تو دیا گیا ہے اس سے صاف طور پر مراد وتستہ پائی جاتی ہے۔ دونوں نام اس صورت میں درج کئے گئے ہیں۔جو سنسکرت میں انہیں حاصل تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں سفرائے کشمیر سے اطلاع حاصل کی گئی تھی۔

اوکونگ۔ مکتاپید کے سفیر کے تھوڑے ہی عرصہ بعد کشمیر میں ایک اور چینی سیاح اوکونگ کو وارد ہونے کا اتفاق ہوا یہ شخص ہر چند کہ علم اور قوت مشاہدہ میں ہیون سانگ سے بہت کمتر درجہ پر تھا تاہم اس نے بھی اس ملک کے متعلق جسقدر حالات چھوڑے ہیں وہ بجائے خود بہت دلچسپ اور قابل قدر ہیں اوکونگ کے سفرنامہ کو حال میں میسرز لیوی اور کیونس نے کہیں سے دریافت کر کے شائع کیا ہے اور

اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاح مذکور نے ختم سال مختلف مقامات میں پھرنے کے بعد واپس چین پہونچکر قابل افسوس اختصار کے ساتھ حالات کو قلم بند کیا ہے۔ معلوم نہیں اوکونگ کو کشمیر میں زیادہ دیر تک رہنے کا اتفاق ہوا یا اس کے کوئی اور بواعث تھے۔ بہر نوع اس نے جسقدر حالات کشمیر کے لکھے ہیں وہ کسی اور علاقہ کے حالات سے جہاں اسے جانے کا اتفاق ہوا ہے بہت کم ہیں اس نے نندادی کی جو کیفیت بیان کی ہے اور دوسرے مقامات کا جو حال لکھا ہے اس پر سٹائین صاحب نے مضمون مذکورہ بالا میں کافی طور پر بحث کی ہے اسلئے اس جگہ صرف اس کے متعلق خاص خاص امور کا تذکرہ ہی کافی ہوگا۔

اوکونگ ۷۵۹ء میں گندھار سے شاید اسی راستہ ہوکر جس پر سے ہیون سانگ گیا تھا کشمیر پہنچا۔ اس جگہ پہنچ کر اس نے ایک بدھ بھت کی حیثیت میں آخری پرتگیا کی اور جیسا کہ اس کے سفرنامہ کے فرانسیسی ایڈیشن کے صفحہ ۳۵۶ سے معلوم ہوتا ہے وہاں پورے چار سال تک مقدس مقامات کی یاترا اور سنسکرت کا مطالعہ کرتا رہا ہرچند کہ اسکی نسبت مذکور ہے کہ وہ دن نکلنے کے وقت سے رات پڑنے تک پڑھنے میں مصروف رہتا تھا۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر محنت کے باوجود اسے کوئی خاص علمی استعداد حاصل نہیں ہوئی اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اس نے جن معابد کا ذکر کیا ہے ان کے نام معمولی اپ بھرنش صورت میں درج کئے ہیں کیا نوٹ نمبر ۶۰-۱۴۳-۲۵۵ و ۲۶۸ کتاب ہذا میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ ان میں سے چار معابد تو وہ ہیں۔ جنکا ذکر راج ترنگنی میں وہاروں کی صورت میں آیا ہے اور دو اپنے نام ان گاؤں کے لئے چھوڑ گئے ہیں جو اسوقت تک موجود ہیں۔

ہرچند کہ ہیون سانگ نے ملک کے صرف ۱۰۰ کے قریب معابد کا ذکر کیا ہے تاہم اوکونگ نے ۳۰۰ کا وجود بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ ستوپہ اور مقدس

مورتیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ بتائی ہے اس سے ہمیں اسبات کا پتہ چلتا ہے
کہ ان دونوں یاتریوں کے درمیانی عرصہ میں بدھ مت پھر ایک بار زور حاصل کر چکا تھا
کشمیر کے راستے۔ اوکونگ نے کافی صحت کے ساتھ سلطنت کشمیر کی نسبت
بیان کیا ہے کہ اس کے تمام اطراف میں پہاڑ ہیں جو بطور قدرتی فصیلوں کے
اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہو کر صرف تین سڑکیں جاتی ہیں اور یہ تین
بھی دروازوں کے ذریعہ محفوظ ہیں۔ مشرق میں ایک سڑک توفن یا تبت کیطرف
جاتی ہے۔ شمال میں پولیو یا بالٹستان کیطرف اور وہ سڑک جو مغربی دوار سے ہو کر
گذرتی ہے۔ کین۔ تو۔ لو یا۔ گندھار کو جاتی ہے دیکھو سفرنامہ اوکونگ صفحہ ۳۵۶۔
سطور بالا میں ان سڑکوں کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے جو پہاڑوں میں سے ہو کر
گذرتی ہیں اور جنکے ذریعہ زمانہ قدیم سے لیکر وادی کشمیر اور باقی حصص عالم کی
آمد و رفت چلی آئی ہے توفن والی سڑک سے مراد بلاشبہ اس موجودہ سڑک سے ہے
جو زوجی لا سے لداخ اور وہاں سے تبت کو جاتی ہے۔ پولیو والی سڑک کی موجودہ
صورت یہ ہے کہ وہ گلگت والی سڑک کے طور پر وادی بالائی کشن گنگا اور وہاں
سے سکردو یا استور واقعہ دریائے سندھ کیطرف جاتی ہے تیسری سڑک بلاشبہ وہی
ہوگی جو بارہ مولا کی کھڈ کے قریب وادی سے الگ ہو کر مغرب کی جانب وتستا کے
ساتھ ساتھ چلی جاتی ہے۔ قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہیون سانگ جب
کشمیر میں سنگین دروازہ سے جو سلطنت کا مغربی پھاٹک ہے" داخل ہوا تھا۔
تو وہ اسی راستہ سے آیا تھا۔ اسمیں کچھ بھی شبہ نہیں کہ دروازوں سے مراد اس
جگہان سرحدی چوکیوں یا دواروں سے ہے جنکا بہت سا ذکر قبل ازیں آ چکا ہے
اور کسی قدر آگے چلکر آئے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان سڑکوں کے علاوہ اوکونگ کو کوئی چوتھی سڑک بھی معلوم تھی

جسکی نسبت وہ لکھتا ہے کہ وہ ہمیشہ بند رہتی ہے اور صرف اس وقت کھلتی ہے جب کوئی شاہی فوج اسے اپنے قدوم سے مفتخر کرتی ہے اغلب ہے کہ اس سڑک سے مراد ان راستوں میں سے ایک ہے جو درہ پیر پنجال کے اوپر سے ہو کر جنوب کو جاتے ہیں۔ ممکن ہے اوکونگ کے زمانہ میں ان آخر الذکر راستوں کو عام آمدورفت کے لئے بعض سیاسی وجوہ سے بند کر رکھا ہو دیکھو نوٹ متعلقہ سفرنامہ اوکونگ صفحہ ۲۴ معلوم ہوتا ہے کہ اوکونگ کے زمانہ کے بعد جلد ہی وہ سیاسی تعلقات جو چین اور ہندوستان کی شمالی سلطنتوں میں قائم تھے منقطع ہو گئے۔ اس کا باعث غالباً یہ تھا۔ کہ خاندان تنگ کے آخری بادشاہوں کے عہد میں وسط ایشیا میں چینیوں کی طاقت زائل ہو کر ادئی گور اور تبتی لوگوں کے ہاتھ میں جا چکی تھی باوجود اس کے آئندہ دو صدی کے عرصہ میں چینی سیاح اور یاتری بدستور ہندوستان میں آتے رہے بیول صاحب کی کتاب دیکھئے تمہیدی صفحہ ۱۷ اور جولین صاحب کے مضمون مندرجہ جرنل ایشیاٹک ۱۸۴۷ء صفحہ ۴۳ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یاتریوں کی ان پارٹیوں میں سے کم از کم ایک کشمیر میں سے ہو کر گذری تھی لیکن ان یاتریوں کی بیان کی ہوئی کشمیر کی کوئی مفصل کیفیت اب تک دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی

---

(۳) اسلامی تذکرات

کشمیر اور اہل عرب۔ یونانیوں اور چینیوں کے بعد دوسرے درجہ پر ہمیں ہندوستان کے تاریخی جغرافیہ کے متعلق ابتدائی مسلمان مورخوں کی تحریروں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے لیکن ان میں سے باستثنائے ایک شخص کے اور کوئی کشمیر کے جغرافیہ کے متعلق بالتفصیل حالات نہیں بیان کرتا جسکی وجہ خاص ہے بدمنال صاحب کی کتاب میمائر سرلنڈ صفحہ ۱۱۹۵ و رالبیرونی کی کتاب انڈیا جلد ا صفحہ ۲۱

سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸ویں صدی میں جب عربوں نے وادی سندھ پر پہلی مرتبہ حملہ کیا۔ اس کے بعد بعض اوقات مسلمان حملہ آور حدود کشمیر کے قریب تک پہنچتے رہے تھے لیکن باوجود متعدد حملوں کے انہوں نے شمالی پنجاب کے میدانوں میں بھی کوئی خاص فتح حاصل نہ کی تھی۔ کشمیر کے شمال میں چونکہ کابل کا خاندان شاہی بڑی دلیری سے مقابلہ پڑا تا ہوا تھا اور جنوب میں مختلف جنگ جو ہندو ریاستوں کی ایک پیٹی سی بندھی ہوئی تھی اس لئے کشمیر کو کبھی مسلمانوں سے کسی قسم کے خطرہ کا اندیشہ ہی نہ ہوا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار جب ایک طویل جدوجہد کے بعد اسلام سارے شمالی ہند پر غالب آگیا۔ اس کے بعد بھی صدیوں تک اسے اسکی کوہی فصیلوں نے محفوظ رکھا۔

زمانہ قدیم میں دوسری قوموں کو مسلمان سیاحوں اور جغرافیہ دانوں سے ملنے کے زیادہ تر دو باعث ہوا کرتے تھے۔ یعنی یا تو فتح اور یا تجارت لیکن کشمیر کی صورت میں ان دونوں باتوں نے فائدہ نہ دیا۔ کشمیر جیسے قدرتی طور پر محفوظ ملک میں الگ تھلگ رہنے کی عادت اختیار کر لینا ایک بالکل آسان امر تھا اور جب کبھی کسی قسم کا خطرہ پیش آتا۔ تو اس عادت کو اور بھی تقویت حاصل ہو جاتی تھی کہ کسی غیر ملکی شخص کو کشمیر میں داخل ہی نہ ہونا ملتا تھا۔

اس صورت میں یہ بات کچھ بھی تعجب خیز نہیں ہے کہ المسعودی جیسا باخبر سیاح جو وادی سندھ میں خود ہو آیا تھا کشمیر کے متعلق اس سے زیادہ بیان کرنے سے قاصر ہے کہ یہ ایک سلطنت ہے جسمیں بہت سے گاؤں اور شہر واقع ہیں جو بلند اور دشوار گذار پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے جنمیں سے ہو کر صرف ایک ہی راستہ جاتا ہے اور وہ بھی ایک دروازہ کے ذریعہ بند کیا جا سکتا ہے (دیکھو المسعودی کی کتاب "طلائی مرغزار" مترجمہ سپرنگر صاحب جلد ا صفحہ ۳۸۲-۔ اس

مورخ نے گاؤں اور قصبات کی تعداد ۶۰ سے ۷۰ ہزار بیان کی ہے القزوینی اور الادریسی نے بھی اس سے بڑھ کر کوئی خاص بات نہیں لکھی۔ باقیماندہ عرب جغرافیہ دانوں نے اسکی نسبت جو حوالے دئے ہیں وہ اور بھی مختصر اور بے معنی ہیں۔ کشمیر کے متعلق قدیم مسلمان جغرافیہ دانوں کی خاموشی کا ذکر رٹر صاحب نے اپنی کتاب ایشین جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ پر بھی کیا ہے۔ القزوینی کے حوالوں کے متعلق دیکھو گلڈ میسٹر صاحب کی کتاب ڈعیر بیس انڈیسی سس صفحہ ۲۱۰ اور الادریسی کے حوالوں کے بارہ میں الیٹ صاحب کی تاریخ ہند جلد ۱ صفحہ ۹۰۔

باقی عرب جغرافیہ دانوں کے حوالوں کے بارہ میں دیکھو ببلیو تھکا جیوگرافورم اریبکورم مولفہ ڈی گوج صاحب جلد ۱ صفحہ ۴ جلد ۲ صفحات ۹ و ۴۵ جلد ۵ صفحہ ۳۶۴ جلد ۶ صفحات ۵-۱۸-۶۸ جلد ۷ صفحات ۸۹-۶۸۷ نیز ابو الفدا کی کتاب مولفہ رینا ڈ صاحب صفحات ۳۶۱ و ۵۰۶

البیرونی اور کشمیر۔ باوجود ان باتوں کے جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ عربی لٹریچر میں قدیم کشمیر کے متعلق ہمیں بہت سی صحیح اور قابل قدر باتیں ملتی ہیں یہ سب باتیں مشہور و معروف مورخ و سیاح البیرونی کی تحقیق اور تنقیدی تجسس کا نتیجہ ہیں جسکی نسبت افغانستان کی تحقیقات کرنے والے انگریز سیاح مونٹ سٹوارٹ الفنسٹن نے لکھا ہے کہ وہ پہاڑوں کے بیچ سے نگاہ گذار کر دیکھ سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نامی گرامی فاضل شخص نے اس زمانہ طویل میں جب کہ وہ ۱۰۱۷ء سے ۱۰۳۰ء تک غزنی اور پنجاب میں رہا کشمیر کی نسبت معلومات حاصل کرتے رہنے کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ اس بعید کوہی وادی سے اس شخص کو جو دلچسپی تھی اسے سمجھ لینا کچھ دشوار نہیں ہندوستان کی نسبت اس نے جو عظیم الشان کتاب لکھی ہے اس کے پہلے باب میں وہ خود بیان کرتا ہے کہ جب محمود نے اپنی فتوحات کی بدولت ہندوؤں کو ذرات گرد کی طرح تمام

اطراف میں منتشر کر دیا تھا اسوقت ہندوؤں کے سارے علوم ملک کے مفتوحہ حصص سے مفقود ہو گئے تھے اسکی کتاب انڈیا مترجمہ سچاؤ صاحب کی جلد ا صفحہ ۲۲ پر مذکور ہے کہ یہ علوم ان مقامات میں جا چھپے تھے جہاں تک ہمارا ہاتھ پہنچ نہیں سکتا مثلاً کشمیر، بنارس وغیرہ مقامات میں" پھر کتاب انڈیا جلد ا صفحہ ۱۷۳ پر مذکور ہے کہ بنارس اور کشمیر ہندوؤں کے علوم کے اعلےٰ درجہ کے مکاتب ہیں۔ اس نے کئی جگہ کشمیری مصنفوں کا حوالہ دیا ہے اور اسکی تحریر کے بعض حصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کے حقیقی استاد نہیں تو کم از کم حقیقی اطلاع دہندگان میں سے بعض کشمیری فاضل بھی تھے چنانچہ البیرونی کی کتاب جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ میں خاص طور پر ان کشمیری اطلاع دہندگان کا ذکر آیا ہے جنسے اس نے کوسے شہر یعنی کپٹیشور تیرتھ مذکورہ نوٹ نمبر ا کتاب ہذا کے معجزہ کے بارہ میں بحث کی تھی۔ البیرونی نے اوبر واس جگہ کے تیرتھ کے حالات جس پیرایہ میں بیان کئے گئے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسے اطلاع دینے والے ذاتی طور پر اس تیرتھ کو جانتے تھے۔ یہی بات اس کے اس حاشیہ کے متعلق کہی جا سکتی ہے جو اس نے شارداسندر کی یاترا کے بارہ میں لکھا ہے اور جس کا ذکر نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں آچکا ہے اسکی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ پر ایک مقامی کشمیری تہوار اور جلد ا صفحہ ۱۳۵ پر ششیہتا درتی کے بارہ میں جو کیفیت بالتفصیل درج ہے اس کے بارہ میں البیرونی کو سوائے زبانی بتانے کے اور کسی طریق پر واقفیت نہ پہنچ سکتی تھی۔

۱۰۳۱ء میں اپنی تحریر کے دوران میں البیرونی شک سمت ۹۵۱ (۳۰-۱۰۲۹ء) کے ایک پترہ کے کسی خاص بیان کا حوالہ دیتا ہے جو اسے کشمیر سے حاصل ہوا تھا (دیکھو جلد ا صفحہ ۳۹۱) اس قسم کا پترہ اسے کشمیری پنڈتوں کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے نہ حاصل ہو سکتا تھا کیونکہ یہ لوگ آجتک بھی جہاں کہیں ہوں اپنے وطن سے مقامی جنتر پتر منگا کر استعمال کیا کرتے ہیں۔

کشمیری مصنفوں یا کشمیری تصانیف کے حوالوں کے متعلق دیکھو البیرونی کی کتاب انڈیا جلد ۱ صفحات ۱۲۶-۱۵۷-۱۵۸-۲۹۸-۳۳۴-۳۹۵ وغیرہ اسی کتاب کی جلد ۲ کے صفحہ ۸ پر کشمیر اور اس کے نواحی علاقوں میں تاریخوں کا حساب کرنے کے طریق پر مفصل بحث کی گئی ہے

جب ہم اسبات کو مدِ نظر رکھتے ہیں کہ البیرونی نے خود سنسکرت زبان میں بعض رسایل تالیف کر کے اہل کشمیر میں انکی اشاعت کی تو یہ بات پورے طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ اس بلند پایہ مسلمان سیاح اور کشمیر کے پنڈتوں میں بعض خاص تعلقات موجود تھے یہ تعلقات اس صورت میں نہایت عجیب معلوم ہوتے ہیں جب ہم اسبات پر غور کرتے ہیں کہ البیرونی نے خود کشمیریوں کے سختی سے ایک تھلگ رہنے کا ذکر کیا ہے اسکی تشریح صرف اسی طرح پر ہو سکتی ہے کہ البیرونی اور کشمیری پنڈتوں میں شخصی اختلاط اور میل جول ضرور تھا۔

اس بارہ میں مزید حالات کتاب انڈیا کے تمہید ی صفحہ ۲۴ اور پروفیسر سچاؤ کی اس تمہید سے معلوم ہو سکتے ہیں جو اس نے اپنے ترجمہ کے شروع میں دی ہے دیکھو صفحہ ۲۰ (تمہید ی)

بعض مورخوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ البیرونی نے چند پنڈتوں کو اپنے ہاں ملازم رکھا ہوا تھا بہر نوع اسمیں شک نہیں کہ اس نے جو پر مغز اور ضخیم کتاب لکھی ہے اسکی تیاری میں اسے مقامی فضلا کی مدد کی بہت کچھ ضرورت پڑی ہو گی مفتوحہ ممالک میں خود اس نے ہندوؤں کے علوم کی جو حالت بیان کی ہے اس پر دنیز اس مخاصمت پر نظر رکھتے ہوئے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں پائی جاتی تھی یہ امر مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس قدر مدد اور کیونکر حاصل ہو سکتی تھی۔

خود البیرونی اپنی تصنیف کی جلد ا صفحہ ۲۴ پر ہندوستانی مطالبات کی مشکلات کا موثر پیرایہ میں ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے سنسکرت کتابوں کو ان مقامات سے جمع کرنے میں جہاں سے مجھے امید تھی کہ وہ مل سکیں گی اور انہیں سمجھنے والے ہندو فاضلوں کو دور دراز مقامات سے بلانے میں تاکہ وہ ان کا مطلب مجھے سمجھا سکیں میں نے نہ تو مشکلات اور نہ زر کی پرواہ کی ہے"

کشمیر میں ہمیشہ سے بڑے بڑے ذہین فاضل پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ بلہن کی مثال و نیز دیگر شہادتوں سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ کشمیری فاضل آجکل کی طرح زمانہ قدیم میں بھی ان بعید مقامات پر جانے کے لئے تیار رہے ہیں جہاں انہیں اس بات کی توقع ہوتی تھی۔ کہ ان کا علم انہیں روزی دلا سکیگا۔ مقابلہ کے لئے دیکھو بوہلر صاحب کی تمہید کتاب وکرمانک، دیوچرت تمہیدی صفحہ ۱۰ نیز کتاب انڈش پلیوگرافی صفحہ ۵۶۔

ان باتوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ خیال کرنا کچھ غیر موزون نہ ہوگا کہ البیرونی کی تحریر سے جغرافیہ کشمیر کے متعلق جس مفصل واقفیت کا اظہار ہوتا ہے اسکا تعلق بہت بڑی حد تک اسکے فاضل اطلاع دہندگان سے ہے لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ جنگ کا اندیشہ ہونے کے باعث اسے شخصی مشاہدہ سے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کا موقعہ بھی ملگیا ہوگا جیسا کہ نوٹ نمبر ۶ ضمیمہ کتاب ہذا میں واضح کیا جاتا ہے البیرونی نے دو جگہ حدود کشمیر پر قلعہ لوہور یا لہور سے شخصی طور پر واقف ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ہم اس سے پہلے دکھلا چکے ہیں کہ البیرونی کی مراد لوہور سے دراصل راج ترنگنی کے قلعہ لوہر سے ہے جسکا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔ وجس کے محل وقوع پر اب سلسلہ کوہ پیرپنچال کی جنوبی ڈھلوان پر لوہرین واقع ہے لوہرکوٹ بلا شبہ وہی قلعہ لوہ کوٹ ہے جس کے متعلق مسلمان مورخوں نے یک زبان ہو کر لکھا ہے کہ جب محمود نے کشمیر پر حملہ کیا تو وہاں آکر رک گیا تھا یہ مہم ۱۰۲۱ء کے قریب اختیار کی گئی تھی اور البیرونی غالباً اس کے ہمراہ تھا۔ ہر چند کہ مہم کشمیر تک نہ پہنچ سکی تاہم معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی کو اس قدر وقت ملگیا تھا جسمیں اس نے ان پہاڑی علاقوں کے جغرافیائی حالات کے متعلق جو جنوب کیطرف کشمیر کی نہایت مضبوط فصیل تھے بہت سی مقامی واقفیت حاصل کر لی۔

البیرونی کا بیان کشمیر۔ البیرونی نے کشمیر کے متعلق جسقدر حالات لکھے ہیں وہ زیادہ تر جلد ا باب ۱۸ صفحہ ۲۰۶ پر مذکور ہیں جہاں اس نے ہندوؤں کے ملکی یادداشت

اور ان کے سمندر کے متعلق حواشی لکھے ہیں۔ ہندوستان کے باقی حصوں کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے اس کے مقابلہ میں کشمیر کے حالات غیر متناسب ہیں۔

ابتداء میں بیرونی نے اس پہاڑی علاقہ کے بڑے بڑے سیاسی حصوں کا ذکر کیا ہے، جو عظیم وسط ایشیائی فاصل آب اور پنجاب کے میدان کے درمیان واقع ہے اس کے بعد وہ کشمیریوں کی پیادہ روی کی عادات کا اشارہ کرکے لکھتا ہے کہ امرا پالکیوں میں سوار ہوتے ہیں جنہیں لوگ کندھے پر اٹھاتے ہیں۔ اور جب ہم راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۷۰۹ ترنگ ۵ شلوک ۳۳۲۔۲۱۹ ترنگ ۷ شلوک ۴ ترنگ ۸ شلوک ۲۲۹۔ ۲۶۳۶ ۴۲۶۷۔ ۳۱۶۵ وغیرہ سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں تو اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے، علاوہ بریں ظاہر ہے کہ پہاڑی علاقہ ہونے کے باعث اسمیں آمد و رفت کا اور ذریعہ ہو ہی کیا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ یہاں اسکا اعادہ کیا جائے۔ لکھا ہے "انہیں خاص فکر اپنے ملک کی قدرتی مضبوطی کے بارہ میں رہتی ہے اور اسلئے ان راستوں اور دروازوں کیطرف سے بہت محتاط رہتے ہیں جو اس ملک میں داخل ہونے کے لئے بنے ہوئے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ ان سے تجارت کرنا بہت مشکل ہے اگلے وقتوں میں وہ اِکے دُکے غیر ملکی لوگوں بالخصوص یہودیوں کو ملک میں داخل ہو جانے دیتے تھے لیکن اب غیر ملکی لوگ تو کجا وہ کسی ایسے ہندو کو بھی ملک میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ جسے وہ ذاتی طور پر نہ جانتے ہوں"

چینی تحریرات میں سرحدی دروں کی حفاظت کرنے کے جس طریق کا ذکر آیا ہے اس بیان سے اس کی صاف اور واضح لفظوں میں تصدیق ہوتی ہے تواریخ کشمیر میں جابجا دوار، درنگ وغیرہ سرحدی چوکیوں کا جو ذکر آتا ہے اسکی اس سے تشریح ہوتی ہے اور یہ تحریر اس لحاظ سے اور بھی موجب دلچسپی ہے کہ راہداری کیصورت میں اس کی آخری علامات کشمیر سے نسبتاً زمانہ حال ہی میں دور ہوئی ہیں۔ مقابلہ کے لئے دیکھو

سٹائین صاحب کے نوٹ متعلقہ قدیم جغرافیہ راستہ پر پنجال مندرجہ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۵ء صفحہ ۳۸۲

کشمیر کا راستہ۔ اس قدر لکھ چکنے کے بعد البیرونی مشہور ترین راستہ کشمیر کا ذکر کرتا ہے ہر چند کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتی کہ اس کے سفرنامہ کی ابتدا کس مقام سے ہوتی ہے تاہم یہ امر بدیہی ہے کہ اس کا اشارہ اس راستہ کیطرف ہے جو وادی جہلم کی طرف سے جاتا ہے موضع بیرہان سے جو دریائے سندھ اور جہلم کے مابین وسط میں واقع ہے ۸ فرسخ کے فاصلہ پر اس دریا کا پل ہے جہاں دریائے "کشناری کے پانی میں جہوی کا پانی آملتا ہے اور یہ دونوں دریا کوہستان شمیلان سے آکر جہلم میں گرتے ہیں ہر چند کہ اسمیں کسی قدر گڑبڑ نظر آتی ہے تاہم اسمیں کچھ شبہ نہیں کہ دریا کے پل سے مراد موجودہ قصبہ مظفر آباد سے ہے جو جہلم اور کشن گنگا کے مقام اتصال پر واقع ہے۔

مغرب کیطرف سے کشمیر جانے کا سہل ترین راستہ ہزارہ (ارشا) سے مانہرہ تک کے ایک ٹیلے وسطی حصہ میں سے ہوکر گذرتا ہے اسلئے وہ کنہار اور کشن گنگا ندیوں سے پار ہوتا ہؤا مظفر آباد تک اور وہاں سے وادی جہلم کے دائیں طرف ہوکر بارہ مولا پہنچتا ہے ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں کے صفحہ ۵۲۸ پر پنجاب سے کشمیر تک جانے کا اسے سہل ترین راستہ قرار دیا ہے جیسا کہ پروفیسر سچاؤ نے بیان کیا ہے یہ معلوم کرنا سہل ہے۔ کہ کشناری دراصل دریائے کنہار ہی کا نام ہے جو مظفر آباد کے قریب عظیم موڑ سے چند میل نیچے کیطرف جہلم میں آگرتا ہے۔ اس کی تصدیق اسطرح پر ہوتی ہے کہ کشمیری وغیرہ زبانوں میں ایک مقررہ آوازی قاعدہ کی رو سے درمیانی "ش" ہمیشہ "ہ" میں بدل جاتا ہے جہوی سے مراد بظاہر کشن گنگا سے ہے ممکن ہے یہ لفظ مدھومتی کی کسی اپبھرنش صورت سے بگڑ کر بن گیا ہو کیونکہ مدھومتی کشن گنگا ہی کا ایک معاون ہے اور جہاتم میں اسکا نام خاص کشن گنگا کے لئے بھی استعمال ہؤا ہے (دیکھو نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب)

لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ البیرونی کے بیان میں غلطی صرف اس قدر ہے کہ اسکی رو سے
کنہار کشن گنگا میں ملتی ہے۔ بحالیکہ حقیقت میں وہ اس دریا میں ملتی ہے جو دریائے جہلم
اور کشن گنگا کے ملاپ سے بنتا ہے۔

نوٹ نمبر ۴ کتاب ہذا میں یہ بات دکھلائی جا چکی ہے کہ اس راستہ کا ذکر جو اب سے
چند سال پہلے وادی جہلم کی تانگا روڈ کی تیاری کے وقت تک مقبول عام تھا کلہن
نے شنکر ورمن کے ارشا تک کوچ کرنے اور واپس آنے کے تذکرہ میں کیا ہے البیرونی
نے جو ۴ فرسخ کا فاصلہ بیان کیا ہے وہ کم و بیش ۳۹ میل انگریزی کے برابر بنتا ہے
دیکھو پروفیسر سچاؤ کا نوٹ کتاب انڈیا جلد ۲ صفحہ ۳۱۶ البیرونی نے فرسخ کا فاصلہ
۴ میل عربی یا قریب قریب ۴ × ۲۱۸۶ گز لکھا ہے۔ اس لحاظ سے ایک فرسخ ۸۷۴۴/۱۷۶۰ ۴ میل
انگریزی کے برابر ہے

جب ہم نقشہ اور جدید سڑک کی پیمائش پر غور کرتے ہیں تو اس فاصلہ کی رو سے مانہو
اور ایبٹ آباد کے درمیان کسی مقام پر پہنچ جاتے ہیں پس نوٹ مذکورہ بالا کی رو سے ارشا
کا قدیم دارالسلطنت یہیں کسی جگہ واقع ہونا چاہئے یہ ہاں اب ایبٹ آباد ضلع ہزارہ کے
جنوب مغرب میں ایک چھوٹے سے پہاڑی علاقے کا نام ہے مظفر آباد سے آگے جہاں اب
کچ نسا ہی ایک پل موجود ہے جیسے ۱۷۸۳ء میں اسوقت تک تھا جب فارسٹر صاحب نے کشمیر
سے اٹک جاتے ہوئے اسے عبور کیا (دیکھو فارسٹر صاحب کی کتاب سفرنامہ بنگال تا انگلستان
۱۸۰۸ء جلد ۲ صفحہ ۴۶) اس سڑک کا صاف طور پر پتہ چلایا جا سکتا ہے

البیرونی کے حساب سے اس کھاٹ کے ابتدائی حصہ تک جہاں سے دریائے جہلم آتا ہے یا یوں
کہنا چاہیے کہ اس گھاٹ کے دہانہ تک جس میں سے دریا عین بارہ مولا کے نیچے نکلتا ہے ۵ دن کا
کوچ ہے مسٹر ڈریو نے مظفر آباد اور بارہ مولا کے درمیان جو صحیح فاصلہ ۸۴ میل بیان کیا
ہے وہ اس کے عین مطابق ہے ڈریو صاحب نے چھ کوچ کئے ہیں۔ لیکن انمیں سے

ایک بہت چھوٹا ہے. جدید سڑک پر جو دریا کے مقابل والے پہلو پر سے ہو کر گذرتی ہے۔ دو میل سے جو مظفر آباد کے مقابل میں ہے. بارہ مولا تک ۵ کوچ شمار کیے جاتے ہیں کھڈ کے دوسرے یا کشمیر والے سرے پر البیرونی نے صحیح طور پر اس دوار کا محل وقوع قرار دیا ہے. جس پر آجتک اس پرانے دروازہ کا مقام شمار کیا جاتا ہے. جو درنگ کے نام سے مشہور ہے

وادی کشمیر۔ وہاں سے کھڈ کو چھوڑ کر تم میدان میں داخل ہوتے ہو۔ اور دو دن کے عرصہ سے ادھشٹان دارالسلطنت کشمیر میں جا داخل ہوتے ہو اور راستہ میں موضع اشکارا کے پاس سے گذرتے ہو. البیرونی کا یہ بیان بھی بالکل درست ہے اوشٹان سے مراد یلا شبہ (بمعنی دارالسلطنت) سرینگر سے ہے یہی نام آگے جلد ۲ کے صفحہ ۱۸۱ پر آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ البیرونی کو خبر دینے والا یقیناً سنسکرت بولنے والا شخص تھا۔ در نہ دارالسلطنت کا عام نام سرینگر یا محض نگر تھا۔ اشکارا سے مراد اشکر سے ہے جو بارہ مولا کے مقابل میں واقع ہے اور جسکا قدیم نام ہشک پور ہیون سانگ نے استعمال کیا ہے اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پروفیسر سچاؤ نے اس فقرہ کا جو ترجمہ کیا ہے. اس کا مطلب بدیں الفاظ ہے. "اشکارا جو وادی کے دونو پہلوؤں پر بارہ مولا کی طرح واقع ہے" اسمیں یا تو اصل مسودہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے یا یہ کہ البیرونی کو اطلاع دینے والے نے اپنا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھایا۔ درنہ اس کا حقیقی منشا یہی ہو سکتا تھا. کہ اشکارا دریا کے مقابل دوم کنارہ پر ویسے ہی واقع ہے جیسے بارہ مولا یعنی کھڈ کے دہانہ پر۔ اس جگہ براہولا کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کشمیری ورہ مل یا سنسکرت درہ مول سے نکلا ہوا ہے اشکر کا نام جو دریا کے بائیں کنارہ پر واقع ہے البیرونی کی تحریر میں آنا یہ واضح کرتا ہے کہ آج کل کی طرح اس وقت بھی بارہ مولا سے سرینگر جانے والی معمولی سڑک وادی کے بائیں یا جنوبی پہلو سے ہو کر گذرا کرتی تھی. اس حصہ سفر کے اب بھی دو ہی کوچ شمار کیے جاتے ہیں۔

دارالسلطنت کی کیفیت صحیح طور پر ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے کہ وہ دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر بنا ہوا ہے جنہیں پلوں اور کرایہ کی کشتیوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے ملایا ہوا ہے پھر اسکی نسبت لکھا ہے کہ یہ ۴ فرسخ قطعہ زمین پر پھیلا ہوا ہے اگر اس سے مراد ۴ فرسخ کی گولائی لی جائے تو یہ حساب اس صورت میں صداقت سے چنداں بعید نظر نہیں آتا کہ مضافات شہر کو بھی اس میں شریک کر لیا جائے جہاں تک وادی کا تعلق ہے. دارالسلطنت سے اوپر اور نیچے کی طرف دریا کے بہاؤ کو صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے. چنانچہ لکھا ہے کہ جب جہلم پہاڑوں سے نکلکر دو دن کا فاصلہ طے کر چکتا ہے تو ادھشٹان میں سے ہو کر گذرتا ہے یہاں سے ۴ فرسخ آگے چلکر یہ ایک مربع جھیل میں داخل ہوتا ہے" بلاشبہ اس جگہ مراد جھیل ولر (اُلر) سے ہے. لوگ اس جھیل کے کناروں اور ان حصوں پر جنہیں وہ پانی سے بچا سکیں کاشت کرتے ہیں. اس جھیل کو چھوڑ کر جہلم موضع اُشکارا کے پاس ہو کر گذرتا ہے اور اس کے بعد مذکورہ بالا کھڈ میں داخل ہو جاتا ہے۔

البیرونی کے بیان میں صرف ایک غلطی دریا کے ابتدا کے بارہ میں ہوئی ہے اور اس کی تشریح بآسانی ہو سکتی ہے اسکی نسبت لکھا گیا ہے کہ "کوہستان ہرمکوٹ سے اس مقام پر نکلتا ہے جہاں سے گنگا نکلتی ہے. یہ علاقے سرد اور ناقابل گذر ہیں اور انمیں برف نہ تو پگھلتی اور نہ غائب ہوتی ہے"۔ ظاہر ہے کہ البیرونی کی مراد کوہ ہرمکٹ سے ہے اور اس مقدس جھیل گنگا کی طرف بھی اشارہ ہے جو اس برفانی پہاڑ کے دامن میں واقعہ ہے اور دریائے سندھو کشمیری روائت کے مطابق یہیں سے نکلتا ہے دیکھو نوٹ نمبر ۲ کتاب ہذا آخر الذکر دریائے وِتستہ کا سب سے بڑا معاون ہے جو کشمیر کی حدود کے اندر اس سے ملتا ہے اور جیساکہ قبل ازیں ظاہر کیا گیا ہے. لوگ اس دریا کو گنگا اور جہلم یا وتستہ کو جمنا کہتے ہیں۔ چونکہ سندھو (از گنگا) کو ایک خاص تقدس حاصل ہے اور اس کے مفروضہ منبع کو لوگ تیرتھ قرار دیتے ہیں اسلئے البیرونی کی غلطی چنداں غیر معمولی نظر نہیں آتی۔ علاوہ

برین ہرچرت چنتامنی کے ادھیائے ۴ شلوک ۴۵ میں وتستہ ہی کو اترگنگا یا شمال کی گنگا لکھا
گیا ہے جس سے ازروئے روایت اس کا منبع جھیل ہرمکٹ میں ہونا سمجھ میں آسکتا ہے
بارہ مولا کی کھڈ سے وادی کشمیر میں داخل ہوکر جو کھلا میدان آتا ہے اسمیں دو دن کے کوچ
کے اندر بائیں طرف کوہستان بولور اور شمیلان آتے ہیں جہاں بھٹ دربان نامی ترکی قبائل
آباد ہیں۔ ان کے فرمانروا کا لقب بھٹ شاہ ہے" ظاہر ہے کہ جس شخص نے البیرونی کو اطلاع
دی ہے اس کا اشارہ اس سلسلہ کوہ کیطرف ہے جو وادی کے شمال اور شمال مغرب میں واقع
ہے اور جو علاقہ دردادر بلتستان کی طرف سے اسکی حدود کا کام دیتا ہے جیسا کہ یول صاحب
کی کتاب مارکو پولو جلد ۱ صفحہ ۱۸۷ اور کننگھم صاحب کے جغرافیہ قدیم صفحہ ۸۳ سے واضح ہوتا ہے
آخرالذکر کا نام صدیوں تک بولور رہا ہے شمیلان اور بھٹ کے نام کشمیری یا کسی اور زبان
میں نہیں ملتے۔ البتہ ممکن ہے البیرونی کی مراد بھوٹوں سے ہو جنہیں کشمیری بوٹ کہتے ہیں۔
سنسکرت تاریخوں میں یہ لفظ لداخ اور بلتستان کے تبتی نسل کے لوگوں کے لیے استعمال
ہوا ہے۔ البیرونی نے ان لوگوں کی زبان ترکی ظاہر کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر
بھی قابل غور ہے کہ جلد ۱ کے صفحہ ۲۰۷ پر وہ بیان کرتا ہے کہ کشمیر کا مشرقی علاقہ تبتی ترکوں
کے ہاتھ میں ہے جس سے مراد صاف طور پر لداخ اور نواحی علاقوں کے تبتیوں سے ہے لیکن
آگے چلکر جہاں اس نے گلگت۔ اسورا اور شلتاس کا ذکر کیا ہے جنکے موجودہ نام گلگت
ہسورا (استور) اور چلاس ہیں اور لکھا ہے کہ یہ ان علاقوں کے خاص شہر ہیں تو اس سے
اس بارہ میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ کشمیر کے شمال مغربی علاقہ کے باشندگان علاقہ
دردادر بلتستان کے رہنے والوں سے مراد لی گئی ہے۔

کوہ کلارچک۔ دریا کے دائیں طرف کوچ کرتے ہوئے تم دارالسلطنت کے جنوب میں
ان گاؤں میں سے ہوکر گزرتے ہو جو ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں اور وہاں سے
کوہ کلارچک میں پہنچ جاتے ہو جو کوہ دنباوند (دماوند) کی طرح گنبد کی مانند ہے اجگہ

برف کبھی نہیں پگھلتی۔ تاکیشر اور لوہارو (لاہور) سے ہمیشہ نظر آتی رہتی ہے۔ نوٹ نمبر ضمیمہ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی جا چکی ہے کہ اس جگہ جس پہاڑ کا ذکر کیا گیا ہے وہ تت کوٹی کی چوٹی ہے جو سلسلہ کوہ پیر پنچال کے وسطی حصہ میں واقع ہے البیرونی کے بیان کے مطابق اس چوٹی اور کشمیری میدان کے درمیان ۲ فرسخ کا فاصلہ ہے لیکن یہ اندازہ کسی قدر کم معلوم ہوتا ہے کیونکہ نقشہ کی رو سے اس چوٹی اور وادی کی ہموار سطح نے قریب ترین مقام میں تقریباً ۱۵ میل کا فاصلہ ہے۔

قلعہ لوہور۔ البتہ اسکا یہ خیال درست ہے کہ قلعہ لوہور جسکا موجودہ نام لوہرین ہے، اس کے مغرب کیطرف واقع ہے وادی لوہرین میں داخل ہونے کا راستہ تت کوٹی کے قریباً بالکل مغرب میں ہے اس چوٹی کے جنوب میں قلعہ راجگری واقع ہوا کرتا تھا جسکا ذکر کلہن نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ، شلوک ۱۲۷۰ میں بھی کیا ہے یہ امر اغلب ہے۔ کہ یہ قلعہ بالائی وادی سورن میں کسی مقام پر واقع ہوا کرتا تھا۔ ان دو پہاڑی قلعوں کی نسبت البیرونی لکھتا ہے کہ یہ مضبوط ترین مقامات ہیں جو میرے دیکھنے میں آئے ہیں ان قلعوں کی مضبوطی کی ذاتی آزمائش کا موقعہ اسے اسوقت ملگیا تھا جبکہ وہ محمود کے ہمراہ اسکی اس مہم میں تھا جو اس نے کشمیر پر اختیار کی۔ اسموقعہ پر اس نے لوہور (لوہر) کے طول البلد کا مشاہدہ کیا تھا جسکا ذکر اس نے اپنی کتاب انڈیا جلد ا صفحہ ۳۱۷ پر کیا ہے۔ نیز دیکھو پروفیسر سچاؤ کا نوٹ متعلقہ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ دنوٹ نمبر ضمیمہ کتاب ہذا اس مشاہدے کے موقعہ پر اس نے طول البلد ۳۳ درجہ ۴۰ دقیقہ معلوم کیا تھا اور نقشہ پیمائش میں وہ ۳۳ درجہ ۴۰ دقیقہ ہے

اغلب ہے کہ اسی موقعہ پر اسے لوہور سے دارالسلطنت کشمیر تک کے صحیح فاصلہ کی نسبت واقفیت حاصل ہوئی تھی اس نے اس فاصلہ کو ۵۶ میل لکھا ہے جسکا نصف حصہ ناہموار ہے اور نصف میدانی“۔

اس سے پہلے جو حساب درج کیا جا چکا ہے اسکے بموجب یہ فاصلہ ۱۶۹ انگریزی میل کے برابر بنتا ہے سٹائین صاحب نے جب اس حصہ میں دورہ کیا۔ تو انہوں نے اندازہ کیا تھا کہ درہ توش میدان کے راستہ سڑک کا جسقدر فاصلہ حقیقت میں بنتا ہے یہ اس سے صرف تھوڑا سا زاید ہے البیرونی نے سڑک کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ بھی اس حالت سے بہت کچھ مطابق ہے جو واقع میں دیکھی گئی۔

البیرونی نے جغرافیہ کشمیر کی کیفیت قلم بند کرتے ہوئے آخیر میں قصبہ راجاوری کا ذکر کیا ہے جس سے مراد نوٹ نمبر ۱۲۶ کتاب ہذا کے بموجب موجودہ رجوری سے ہے ہندوؤں کے زمانہ میں یہ مقام ایک چھوٹی سی پہاڑی ریاست کا دارالسلطنت ہوا کرتا تھا جو درہ پیرپنچال کے عین جنوب میں واقع تھی اور اکثر کشمیر کی باجگذار رہا کرتی تھی البیرونی نے صاف طور پر لکھا ہے کہ یہ بعید ترین مقام ہے جہاں میرے وقت میں مسلمان تاجر بھی بار کیا کرتے تھے اور جس سے پرے جانے کا انہیں کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ قبل ازیں ہم اس تعلق کا اشارۃً ذکر کر چکے ہیں جسکی بدولت اس نے اس حد سے پرے کی مفصل اور قابلِ اعتبار واقفیت حاصل کی اس طرح پر حاصل کی ہوئی صحیح واقفیت کا اگر کوئی مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اسکی کتاب انڈیا جلد اصفحہ ۲۱۱ میں آب وہوا کشمیر کے بیان اور اسکی تشریح سے حاصل ہوتی ہے جو گذشتہ صدی کے دوسرے نصف حصے سے پہلے کے کسی بیان کی نسبت زیادہ معتبر تھی۔

---

(۴) ہندوستانی تذکرات

غیر کشمیری تذکرات کی کمی۔ عام سنسکرت لٹریچر میں جغرافیائی معلومات کی جو قلت پائی جاتی ہے اس کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ جب ہم چینی سیاحوں اور البیرونی کے تذکرات کو چھوڑ کر اس بات کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ کشمیریوں کے علاوہ باقی ہندوستان کے مصنفین نے اس وادی کی نسبت کیا کچھ لکھا ہے تو ہمیں بہت

ہی کم صحیح واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم کی کتابوں سے جو قلیل معلومات حاصل ہوتی ہیں اگر ہم انہیں ہی مد نظر رکھ کر اندازہ قائم کریں تو خیال گذرتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے کشمیر ایک بالکل غیر ملک تھا اور ہر طرح پر انکے تعلقات اس سے منقطع تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان علاقوں کے متعلق بھی جو علوم کے قدیم مراکز کے بالکل قریب واقع ہوا کرتے تھے ویسے ہی ناکافی اور بے سرو پا حوالے دئے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں یہ سمجھ لینا زیادہ قرین قیاس نظر آتا ہے کہ اسمیں قصور زیادہ تر لٹریچر ہی کا ہے

کشمیر کا لفظ ملک اور کاشمیر کا اس کے باشندوں کے لئے پانی کی عظیم الشان ویاکرن کی کتاب کے گننوں اور پاتنجلی کی لکھی ہوئی اس کے متعلق شرح میں پایا جاتا ہے مہابھارت کے بعض شلوکوں میں بھی کاشمیروں کا ذکر آیا ہے اور ان کے فرمانرداؤں کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن ایسے موقعوں پر جو لہجہ اور طرز اختیار کی گئی ہے وہ ایسی عام اور مہمل ہے کہ سوائے اس کے اور کچھ پتہ نہیں چل سکتا کہ ملک شمال کی طرف پہاڑی علاقہ میں واقع ہے بمقابلہ کے لئے دیکھو خصوصیت کے ساتھ مہابھارت پرب ۲ سرگ ۲۷ کا شلوک نمبر ۱۷ پورانوں میں شمالی قوموں کی جو فہرست آئی ہے اسمیں کاشمیروں کا بھی ذکر آیا ہے لیکن قبایل کے نام جو نیم روائتی ہیں کہیں بھی وضاحت کے ساتھ یہ نہیں ظاہر کرتے کہ ملک کس طرف واقعہ ہے مقابلہ کے لئے دیکھو وایو پران ادھیائے ۴۵ شلوک ۱۲۰ ادھیائے ۴۷ شلوک ۵۸ پدم پران حصہ ۱۱ ادھیائے ۶ شلوک ۴۸-۶۲ بھاگوت پران حصہ ۱۲ ادھیائے ۱ شلوک ۳۹ وشنو پران حصہ ۴ ادھیائے ۲۴ شلوک ۱۸

وراہ مہر۔ وراہ مہر جو سنہ ۵۰۰ء کے قریب ہو گذرا ہے۔ کاشمیروں کو شمال مشرقی حصہ میں بیان کرتا ہے ایک ہی عنوان کے ذیل میں اس نے بعض ایسے ملکوں اور قوموں کا بھی ذکر کیا ہے جو یا تو حقیقت میں فرضی اور روائتی ہیں یا اب ایسا معلوم ہوتا ہے مثلاً نششٹ راجیہ (مردوں کا ملک) علاقہ طلائی ایک پاؤں والے لوگوں کا ملک وغیرہ

لیکن ان اور اور اسی قسم کے ناموں کے علاوہ جنکی نسبت اب معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کن کے لئے استعمال کئے گئے ہیں بعض ایسی قوموں کا بھی ذکر آیا ہے جو کشمیر کے عین قریب واقع ہیں. مثلاً اس نے اپنی کتاب برہت سنگھتا کے ادھیائے ۱۴ اشلوک ۲۹ میں ابھیسار سورو دار و یکھش۔ کیر۔ کلوت (اہل کلو) گوسندا در کوسندر وغیرہ اقوام کا ذکر کیا ہے. نیز دیکھو کتاب انڈین اینٹکوئیٹیز (۱۸۹۳ء) صفحات ۱۷۲-۱۸۱ اور البیرونی کی کتاب انڈیا جلد ا صفحہ ۳۰۳ وادی کشمیر سے باہر سنسکرت لٹریچر میں کشمیر کے متعلق جو خاص واقفیت حاصل ہو سکتی ہے. وہ لفظ کاشمیر یا کاشمیرج کی بدولت حاصل ہوتی ہے جس سے مراد زعفران سے ہے اور جس کے معنی مصنفان لغات نے کشٹھ کے بھی دیئے ہیں چونکہ زعفران اور کشٹھ کی پیداوار زمانہ قدیم ہی سے کشمیر میں مشہور چلی آرہی ہے اسلئے اس لفظ کی اشتقاق صحیح طور پر معلوم ہو سکتی ہے کشمیر میں کاشت زعفران کے متعلق دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۳۴۲

کشوٹھ کا نام اب کشمیر میں کٹھ مشہور ہے یہ دراصل ایک پودے کی خوشبودار جڑ ہوتی ہے جو کوہستان کشمیر پر بکثرت اگتا ہے. دیکھو لارنس صاحب کی کتاب وادی صفحہ ۷۷. اسکی برآمد اس وقت تک چین کو بکثرت ہوتی ہے. ہیون سانگ نے اپنی کتاب سی یو کی جلد ا صفحہ ۱۴۸ پر جن کشمیری پیداوار کی بوٹیوں کا ذکر کیا ہے. یہ شاید ان میں سے ایک تھی۔

۵۔ تواریخ کشمیر

کشمیری ماخذوں کی کثرت۔ ایک طرف اگر ہندوستان کے قدیم لٹریچر میں کشمیر کے متعلق مفصل اور صحیح جغرافیائی کیفیت کی اسقدر قلت پائی جاتی ہے۔ تو اس کے مقابلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قدیم کشمیر میں اس کے بہت سے ماخذ ملتے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہی نہیں کہ قدرتی طور پر کشمیری مصنف ان باہر والوں کی

نسبت جنکے لئے یہ پہاڑی علاقہ بعید اور دشوار گذار تھا اپنے ملک کے بارہ میں زیادہ واقفیت رکھتے تھے کیونکہ اگر معاملات کی صورت یہ ہوتی تو ہمارا اسبات کی توقع کرنا کچھ بے جا نہ ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کے جن دوسرے حصوں میں نامی گرامی سنسکرت زبان کے مصنف ہو گذرے ہیں وہاں کے متعلق انہوں نے بھی ایسی ہی مسلسل کیفیت بہم پہنچائی ہوتی۔ لیکن بد قسمتی سے یہ بات نہیں ہے۔

کشمیر میں یہ بات خصوصیت سے واقع ہونے کی بعض خاص وجوہ ہیں جنمیں سے چند ایک کا اس جگہ ذکر کر دینا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ نہایت قدیم زمانہ سے اس جگہ کی تاریخی تحریرات مسلسل طور پر قائم چلی آرہی ہیں۔ جنکی بدولت ہم بہت سے خاص خاص مقامات سے واقف ہو سکتے ہیں اور ملک کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ان کا بھی سراغ چلا سکتے ہیں۔

دوسرا قابل ذکر فائدہ اس صورت میں یہ ہے کہ کشمیر اپنی جغرافیائی حالت اور اس کی بدولت اپنی علیحدگی کی وجہ سے ان عظیم نسلی اور سیاسی انقلابات سے محفوظ رہا ہے جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے بہت بڑے حصہ پر آتے رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مقامی روایات بدستور قائم رہی ہیں اور خاص خاص مقامات سے ابتک اسی طرح منسوب چلی آرہی ہیں - جیسے دنیا کے تمام حصص میں پہاڑی انقطاع کیصورت میں دیکھا جاتا ہے اکثر حالتوں میں یہ روایات تحریر پر ایک بہت مناسب اضافہ اور شرح ثابت ہوتی رہی ہیں۔

آخیر میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کشمیر جیسے چھوٹے پہاڑی ملک میں جہاں قدرتی جغرافیائی علامات ایسی نمایاں اور مستقل ہوتی ہیں تاریخی ایام میں اس قسم کی تبدیلیاں مثلاً ذرائع آمدورفت خاص خاص بستیوں کے مقامات رقبہ مزروعہ وغیرہ کے متعلق بہت ہی محدود ہوا کرتی ہیں۔ اس صورت میں وہ واضح اور مفصل شہادت جو لکھا

کی حقیقی جغرافیائی حالت مہیا کرتی ہے ہمیں اس قابل بناتی ہے کہ ان قدیم معلومات کو بھی اس سے زیادہ تیقن اور صحت کے ساتھ واضح کر سکیں اور کام میں لا سکیں جبکا کسی اور ملک میں امکان ہو سکتا ہے۔

کلہن کا جغرافیائی مصالحہ - سچھ اور تانبہ کے کتبے جیسے کہ ہندوستان کے اکثر حصص میں پائے جاتے ہیں۔ اور مقام جغرافیائی معلومات کا محفوظ ذریعہ بنتے ہیں کشمیر میں ابھی تک کہیں دیکھنے میں نہیں آئے کہیں کہیں چند کتبے اگر دیکھنے میں آئے ہیں تو وہ سب کے سب زمانہ مابعد کے ہیں اور ان سے کسی قسم کی جغرافیائی معلومات حاصل نہیں ہوتیں ان کی عدم موجودگی میں کلہن کی راج ترنگنی نہ صرف جغرافیہ کشمیر کے متعلق ہمیں سب سے زیادہ بلکہ سب سے زیادہ صحیح واقفیت بہم پہنچاتی ہے اس کتاب کی تاریخی اہمیت اس کے درجہ اور ماخذوں پر کتاب کے شروع میں بحث کی گئی ہے اسجگہ ہمیں صرف اسبات پر غور کرنا ہے کہ کشمیر کے جغرافیہ قدیم کے متعلق ہمیں اس سے کہاں تک واقفیت حاصل ہو سکتی ہے یہ امر مشتبہ ہے کہ کلہن اپنی کتاب کو اپنے ملک اور زمانہ کے ناظرین کو لکھتے وقت ملک کا مفصل اور صحیح حال درج کرتے جانا اس صورت میں ضروری سمجھتا کہ اس لٹریچر میں سے جس سے وہ واقف تھا اور جس سے اس نے رہبری حاصل کی اسے ایسے بیان کے لئے کوئی نظیر یا مصالحہ مل سکتا۔ اس بارہ میں قریب ترین کوشش اسکی ترنگ ا کے شلوک ۲۵ تا ۳۸ کی تمہید میں پائی جاتی ہے اسمیں نظم کی صورت میں کشمیر اور اس کے مقدس دریا وتشٹہ کی پیدائش کا حال مذکور ہے اور ان کثیر التعداد تیرتھوں میں سے بعض جو نہایت مشہور ہیں۔ ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ کیونکہ تیرتھوں کی کثرت پر تو کشمیر کو ہمیشہ ہی فخر رہا ہے اسی ترنگ کے شلوک ۳۹ تا ۴۲ میں اس نے ملک کی روحانی اور مادی آسائشوں کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے اس سے مصنف کی حب وطن کا پتہ چلتا ہے لیکن ان کو بھی ملک کی کیفیت کے زمرہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

باوجود اس قسم کی کمیوں کے کشمیر کے تاریخی جغرافیہ کے بارے میں بہت سی معلومات کلہن کی راج ترنگنی سے حاصل ہوتی ہیں اس کا باعث یہ ہے کہ جغرافیائی دلچسپی کی بہت سی باتیں اسکی کتاب کے اندر جابجا پائی جاتی ہیں ہم ان کے تین جداگانہ عنوان قائم کرسکتے ہیں۔

مقدس مقامات کا جغرافیہ ۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کشمیر میں مقدس مقامات کی پرستش پر ہمیشہ بہت بڑی توجہ دیجاتی رہی ہے یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان تذکرات کا حوالہ دیا جائے جو اس وادی کے مقدس مقامات کے متعلق ہیں۔ زمانہ قدیم سے لے کر آجتک کشمیر مقدس مقامات اور جاترا کے تیرتھوں کی کثرت کے لئے مشہور چلا آیا ہے۔ چنانچہ کلہن جہاں اپنی کتاب کی ترنگ اشلوک ۳۸ کے تمہیدی بیان میں کشمیر کی نسبت بیان کرتا ہے کہ یہ ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں تل کے برابر بھی کوئی جگہ تیرتھ سے خالی نہیں تو وہ گویا اسی بات پر زور دیتا ہے ہرچند کہ ان باتوں کو اب ایک زمانہ گذر چکا ہے اور ملک کی آبادی کا بہت بڑا حصہ مذہب کی رو سے دایرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے تاہم باوصف ان باتوں کے اس بارہ میں چنداں قابل ذکر تبدیلی عمل میں نہیں آئی۔

کیونکہ ان عظیم تیرتھوں کے علاوہ جنکی سابقہ شہرت اور ہردلعزیزی اب بھی بہت کچھ برقرار ہے۔ شاید ہی کوئی گاؤں نظر آسکتا ہے جہاں ہندوؤں کا کوئی خاص مقدس باغیچہ یا مسلمانوں کی زیارت موجود نہ ہو۔ ہرچند کہ آخرالذکر معابد اکثر حالتوں میں ہندوں کے مقام پرستش کے قریب واقع ہیں اور ان میں بہت کرکے جو پتھر لگائے گئے ہیں وہ بھی انہی سے حاصل کئے گئے ہیں۔ تاہم ان سے صاف طور پر اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ کشمیر کی مقامی پرستش کا خیال وہاں کی آبادی کے دلوں میں گہرے طور پر جاگزین ہو چکا ہے۔

ہمارے پاس اس جگہ اس قدر گنجائش نہیں کہ ان تیرتھوں کی ابتدا۔ نوعیت اور ملک کی مذہبی تاریخ بیان کی اہمیت کے بارہ میں ذکر کریں۔ اس موقعہ پر صرف اتنا بتا۔

کو دینا کافی ہوگا۔ کہ اس قسم کی مقامی پرستش زیادہ تر چشموں یا ناگوں۔ مقدس ندیوں اور دریاؤں اور سویمبھو یا دیوتاؤں کی خود ساختہ مورتیوں کے مقام پر ہوتی ہے مختلف قدرتی ساخت کی چیزوں کو اس ملک کے لوگ دیوتاؤں کی سویمبھو یا خود ساختہ مورتیاں قرار دیتے ہیں۔ تیرتھوں کی یہ مختلف قسمیں ہندوستان بھر میں ہر جگہ جہاں ہندوؤں کے عقائد کا غلبہ ہے بالخصوص انقطاع متعلقہ کوہستان ہمالیہ (نیپال۔ کماؤں۔ کانگڑہ۔ ادیان یا سوات) میں دیکھی جاتی ہیں لیکن بایں ہمہ اسمیں کلام نہیں کہ اس بارہ میں کشمیر کو ایک غیر معمولی اہمیت حاصل ہے

فی الحقیقت قدرت نے اس وادی اور نواحی پہاڑوں میں خوشنما چشمے بکثرت پیدا کئے ہیں چونکہ اسمیں سے ہر ایک کا ایک مخصوص دیوتا یہ اور ت ناگ موجود ہے اسلئے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کس لئے روائتی طور پر کشمیر کو ان دیوتاؤں کا خاص مسکن تصور کیا جاتا ہے ناگوں اور انکی پرستش کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۹ کتاب ہذا نیل مت پران کے شلوک ۹۰۰ تا ۹۴۲ میں کشمیر کے ناگوں کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے اور ان کی تعداد کئی ہزار نہیں بلکہ کئی ارب رکھی گئی ہے۔ ہیون سانگ نے اپنی کتاب سی۔ یو۔ کی جلد ۱ صفحہ ۱۴۸ پر کشمیر کے دوسرے ممالک پر فضیلت رکھنے کو اس بات سے منسوب کیا ہے کہ اس نے ایک ناگ سے محافظت پائی تھی اسجگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ دیگر چینی سیاحوں کی طرح ہیون سانگ نے بھی ناگون کی بجائے۔ سانپوں ہی کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ عام خیال انکی نسبت یہی ہے کہ وہ سانپوں کی صورت میں ان چشموں یا جھیلوں میں رہتے ہیں جنکی وہ حفاظت کرتے ہیں۔ خود کلہن نے ترنگ اکے تمہیدی شلوک ۲۸ تا ۳۱ میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اس ملک میں چونکہ ناگوں کا راجہ نیل اور اسکی نسل کے بہت سے اور ناگ رہتے ہیں اسلئے اسے دوسرے ملکوں میں فوقیت حاصل ہے ناگوں کی نسبت عام روایت یہ ہے۔ کہ وہ اس وقت کشمیر میں آئے تھے جب انکے باپ کشیپ نے ستی سر کو خالی کر دیا اور وہ اسجگہ رہ

سے پناہ گزین ہونے کو آئے تھے۔ دیکھو نیل مت پران شلوک ۵۹

کلہن نے مقدس چشموں اور تیرتھوں کی نسبت جو حوالے دیئے ہیں وہ اس لحاظ سے جغرافیائی دلچسپی رکھتے ہیں کہ انکی بدولت ہمیں تیقن کے ساتھ انہیں سے اکثر مقبول عام مقامات یاترا کا پتہ چلتا ہے جہاں لوگ آجتک جایا کرتے تھے راج ترنگنی کی تمہید میں خاص طور پر مندرجہ ذیل کا ذکر آتا ہے۔ پاپ سودن اور ترسندھیا کے معجزاتی چشمے۔ سرسوتی کی جھیل واقع بھیدا پہاڑی سویمبھو اگنی (خودبخود پیدا شدہ آگ) اور نندی کشیتر۔ شاردا۔ چکردھر اور وجیش کے مقدس مقامات اس سے صاف اندازہ ہوسکتا ہے کہ کلہن کے زمانہ میں زیادہ مشہور تیرتھ کون کون سے تھے؟ پہلی تین ترنگوں میں کلہن نے انہیں سے خاص خاص مقدس مقامات کا اکثر ذکر کیا ہے ان ترنگوں میں جابجا جو قصے مذکور ہیں انہیں پڑھکر ہم ان مقامات کے محل وقوع کی نسبت بہت کچھ پتہ چلا سکتے ہیں۔ مثلاً سودر چشمہ کا ذکر ترنگ ۱ شلوک ۱۲۳ میں آیا ہے کرتیہ آشرم وہار کا ترنگ ۱ شلوک ۱۳۱ میں جیشٹ اور واقعہ نندی کشیتر و سری نگری کا ترنگ ۱ کے شلوک ۱۱۳ و ۱۲۴ میں۔ مشہور شش ناگ کا قصہ ترنگ ۱ کے شلوک ۲۰۳ میں تکشک ناگ کی یاترا کی کیفیت ترنگ ۱ کے شلوک ۲۲۰ میں اٹیشور مندر کا قصہ ترنگ ۲ کے شلوک ۱۲۴ میں لال سوامن کا ترنگ ۳ کے شلوک ۴۳۹ میں وغیرہ وغیرہ لیکن ان ترنگوں کے علاوہ راج ترنگنی کے دیگر حصص میں بھی اس قسم کے مقدس مقامات کی یاترا اور ان سے متعلقہ واقعات کا ذکر آتا ہے

ایک سے زیادہ موقعوں پر کلہن نے بعض بعض تیرتھوں کے ایسے صحیح جغرافیائی حالات لکھے ہیں کہ گمان پیدا ہوتا ہے اسے خود انہیں جانے کا موقعہ ملا ہوگا۔ یہ خیال نندی کشیتر اور قریب کے بھوتیشور کے مندر کے بارہ میں اور بھی زیادہ قوی ہے (دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۹۵۴ ترنگ ۸ شلوک ۲۳۶۵-۲۔ نوٹ نمبر ۵۶ ۳ کتاب ہذا) اول الذکر کی نسبت ذکر آیا ہے کہ کلہن کا والا چنپک اکثر وہاں یاترا کرنے کے لئے گیا تھا اور اس نے اس کے اچھے

اوقاف مقرر کر رکھے تھے۔ شاردا کا تیرتھ جو وادی کشن گنگا میں فاصلہ پر واقع ہے اس کی نسبت بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلہن کو ذاتی طور پر واقفیت حاصل تھی دیکھو نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا۔ کشمیریوں میں ہمیشہ اسیاٹ کا شوق پایا جاتا رہا ہے کہ مقدس مقامات کی یاترا کیلئے خواہ ان مقدس مقامات تک پہنچنے میں راستہ کی کتنی بھی صعوبتیں حائل ہوں۔ کلہن کی صورت میں بھی یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اسے ملک کی نسبت جو جغرافیائی معلومات حاصل تھیں وہ بہت بڑی حد تک اس وجہ سے تھیں کہ وہ خود ایک جاتری کے طور پر وہاں آجا چکا تہا۔

شہروں کی بنیاد کے تذکرات۔ جغرافیائی نکتہ خیال سے خاص طور پر مفید وہ بیشمار حوالے ہیں۔ جو کلہن نے جابجا شہروں۔ گاؤں۔ مندروں۔ معبدوں وغیرہ کی بنیاد کسی خاص راجہ کے ہاتھوں رکھے جانے کے متعلق دیئے ہیں ترنگ ا کے شلوک ۸۶ تا ۱۰۰ میں جو وہ فہرست دی ہوئی ہے جسے کلہن نے پدم مہر سے حاصل کیا تہا اور جسمیں بعض مقامی نام عدم پتہ راجاؤں میں سے سات کے ساتھ منسوب کئے گئے ہیں اس سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تذکرات کی بنا تاریخی واقعات یا کم از کم صحیح مقامی روایات پر قائم ہے۔

کلہن نے ترنگ ا کے شلوک ۱۵ میں ہمیں خاص طور پر اس امر کی اطلاع دی ہے کہ اس نے اپنی کتاب تالیف کرتے وقت جن دستاویزات سے کام لیا تھا انمیں وہ کتبے بھی شامل تھے جنمیں اگلے راجاؤں کے مندروں کے قیام اور جاگیروں کے عطیہ وغیرہ کا تذکرہ تھا۔ بلاشبہ کلہن نے جو حوالے اکثر جگہ دیئے ہیں وہ انہی کتبوں وغیرہ سے حاصل کئے گئے ہونگے لیکن جہاں کہیں ایسے حوالے کسی کم معتبر ماخذ سے بھی لئے گئے ہیں۔ انمیں کم از کم یہ وصف ضرور موجود ہے کہ انکی بدولت ہمیں خاص خاص مقامات اور عمارات کے وہ نام معلوم ہو سکتے ہیں جو کلہن کے زمانہ میں سرکاری طور پر استعمال ہوا کرتے تھے دنیز ان روایات کا پتہ ملی

سکتا ہے جو اس وقت انکی ابتدا اور تاریخ کے متعلق مشہور تھیں۔
کسی نئی بنیاد کا نام رکھنے میں کشمیر میں جس طریق پر عمل کیا جاتا تھا اسکی بدولت روایا میں بانیوں کے صحیح نام ضرور قائم رہ سکتے ہونگے ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر صورتوں میں نئے شہروں اور گاؤں کے نام صرف اس قسم کے ہیں کہ بانی کے پورے یا مختصر نام کے ساتھ لفظ "پور" لگا دیا گیا ہے چنانچہ اسکی قابل ذکر مثالیں حسب ذیل ہیں۔ ہشک پور۔ کنشک پور جشک پور (جنکی بدولت ان کے انڈوستھین بانیوں کی یادگار قائم ہے) پروَر پور بجائے پرورسین پور جو موجودہ دارالسلطنت کا پرانا سرکاری نام تہا۔ پدم پور۔ اونتی پور۔ جے پور (بجائے جیا پید پور) وغیرہ نئی بستیوں کے نام اس طرح قائم کرنے اور پرانے مقامات کے نام جدید فرمانرواؤں کے اعزاز میں نئے رکھنے کا بھی طریق مسلمان اور سکھ فرمانرواؤں کے عہد میں بھی قائم چلا آیا ہے مثال کے لئے دیکھو زین پور (جو زین العابدین کے نام پہ رکھا گیا تھا) شہاب الدین پور (موجودہ نام شادی پور) محمد پور۔ رنبیر سنگھ پور (بجائے شاہ آباد) وغیرہ۔ اسیطرح پر مندروں۔ معبدوں مٹھوں اور اور مذہبی عمارتوں کے ناموں سے ان کے بنانے والوں کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ جنکے آخر میں اس دیوتا یا مذہبی شے کا نام آتا ہے جنکے نام پر وہ معنون کئے جاتے تھے۔ شوجی کے مندروں (شوالوں) کی صورت میں الیش یا الیشور کا لفظ ہر صورت میں بڑھایا جاتا تہا جیسے پرورشیور ایسے ہی وشنو کے مندروں میں سوامن (کیشو) کا لفظ آخر میں بڑھا دیا کرتے تھے۔ جیسے مکت سوامن (مکت پید کا بنایا ہؤا) اونتی۔ سوامن بھیم کیشو (بھیم پال شاہی کا بنوایا ہؤا) وغیرہ بدھمت کے معبدوں کی تعمیر میں بانی کے نام کے بعد وہار یا بھون کا لفظ آیا کرتا تھا جیسے جے اپیند وہار۔ چنکن وہار۔ امرت بھون (جسے رانی امرت پربھا نے بنوایا تھا اور جسکا موجودہ نام انت بون ہے) سکندبون (بجائے سکند گپت بھون) وغیرہ مٹھوں کے متعلق دیکھو دو امٹھ (دودم) سھیتا مٹھ۔ نندا مٹھ۔ لوتھکا مٹھ۔ چکر مٹھ وغیرہ

کشمیر کی مقدس عمارات کے متعلق تفصیلی حالات سٹائین صاحب نے نوٹ متعلقہ اوکونگ کے صفحہ ۴ پر دیئے ہیں، جیسا کہ اس فہرست سے واضح ہو گیا ہوگا۔ انمیں سے اکثر مذہبی عمارات کا نام اب ان مقامات کے لیئے استعمال ہوتا ہے جہاں وہ بنی ہوا کرتی تھیں اس لیئے آجتک ان کا پتہ گاؤں یا شہر کے حصوں کے ناموں میں چلایا جا سکتا ہے مقابلہ کے لیئے دیکھو نوٹ نمبر ۳ ۱۴۳ ۔ ۱ ۔ ۲۵۹ ۔ ۳۴۳ ۔ ۶۲۲ ۴۲۲ ۴

کلہن نے شہروں کی بنیاد کے متعلق جو حالات لکھے ہیں انکی جغرافیائی دلچسپی اس لحاظ سے بہت کچھ بڑھ گئی ہے کہ ایک سے زیادہ حالتوں میں ان کے ساتھ مقامات منتخبہ کی صحیح کیفیت اور عمارات متعلقہ کے درست حالات بھی مذکور ہیں چنانچہ کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۳۳۶ تا ۳۶۲ میں پرورپور کی بنیاد کے متعلق جو مفصل حال لکھا ہے اس کے روائتی پہلو بھی بہت کچھ سبق آموز ہیں۔ اور اسکی بدولت ہم اس شہر کی اصلی حالات اور حدود کے بارہ میں بہت کچھ صحیح واقفیت حاصل کر سکتے ہیں جس نے آگے چلکر ملک کا دارالسلطنت بنا تھا دیکھو نوٹ نمبر ۷ اکتاب ہذا۔ اسطرح پر پھیاسپور اور اس کے عظیم معابد کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اسکی بدولت صحیح طور پر اس شہر کی مقامیت معلوم ہو سکی ہے جسے للتادتیہ نے شوق میں آکر کچھ مدت کے لیئے دارالسلطنت کا درجہ دیدیا اور اس کے علاوہ اسی وجہ سے ان عمارات کا بھی پتہ چل سکا ہے جو کسی وقت میں اسے زینت دیا کرتی تھیں۔ مقابلہ کے لیئے دیکھو نوٹ نمبر ۶ ضمیمہ کتاب ہذا تحقیق آثار قدیمہ کے نقطۂ خیال سے وہ حال بھی کچھ کم دلچسپ نہیں جو جے پور اور دوارودتی کی نسبت مذکور ہے جنکی بنیاد راجہ جیاپید نے اندر کوٹ کی دلدلوں کے قریب اپنے شاہی محل کے طور پر ڈالی تھی۔ دیکھو نوٹ نمبر ۱ ۱۳ کتاب ہذا۔

کلہن کے مختلف حوالے۔ ان دو نو ذرائعیہ سے جنکا سطور بالا میں ذکر آچکا ہے۔ ہمیں جسقدر معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ ہر چند کہ بجائے خود بہت قابل قدر

ہیں تاہم با وشتبہ ہے آیا دیگر واقفیت کی مدد کے بغیر صرف انکے ذریعہ ہی کشمیر کے جغرافیہ قدیم پر اسقدر روشنی پڑ سکتی ہے جتنی ان تذکرات کی بدولت جنکا ہم ابھی ذکر کرنے والے ہیں ہمارا اشارہ ان مختلف حوالوں سے ہے جو راج ترنگنی کے تاریخی واقعات میں الجھے ہوئے جا بجا پائے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ جن صورتوں میں مقامات کا ذکر واقعات کے سلسلہ میں آیا ہے انمیں اگر حقیقی جغرافیائی حالتوں کو مدنظر رکھا جائے تو مقامات مقصود کی شناخت میں بہت کچھ مدد ملسکتی ہے سالانہ تذکرات کیصورت میں مورخ کو بہت کم موقعہ ان مقامات اور مندروں کی مقامیت بیان ہونے کا ملا ہے جنکا اس نے ذکر کیا ہے اس آخرالذکر کی شناخت کی کوشش میں ہمیں زیادہ تر اسی بات کا سہارا حاصل کرنا پڑتا ہے کہ دوسری کتب میں ضروری شہادت موجود ہو یا یہ کرنا ہوتا ہے کہ قدیم یا جدید ناموں کا مقابلہ کیا جائے ہر ایک تنقیدی نگاہ رکھنے والا شخص اسبات کو اچھیطرح سمجھ سکتا ہے کہ آخرالذکر طریق عمل پر اگر نہایت احتیاط اور باخبری سے کام نہ لیا جائے تو بہت سی غلطیاں واقعہ ہونیکا احتمال ہوتا ہے لیکن جن تذکرات کا ذکر ہمیں اب کرنا ہے انکی صورتمیں معاملہ دگرگوں ہے انمیں اکثر حالتوں میں خود قصہ کا تسلسل ہماری رہبری کرتا ہے۔ اسمیں یا تو مقام مقصود کیطرف براہ راست اشارہ پایا جاتا ہے یا کم از کم اسکی بدولت وہ مقام رقبہ کی اسقدر تنگ حدود میں محدود ہوجاتا ہے کہ ہم باسانی اسے اسکے اندر سے تلاش کرسکتے ہیں آخر میں بوقت شناخت مقامی روایات کی مدد حاصل کیجا سکتی ہے یا یہ ہوسکتا ہے کہ قدیم اور جدید ناموں کا تطابق معلوم کیا جائے یا یہ کہ اسی قسم کی دیگر شہادتوں سے مدد حاصل کیجائے بلاشبہ اس قسم کی باقاعدہ تلاش کی صورت میں قصہ کا مسلسل اور مفصل ہونا بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے کلہن نے ترنگ ۷ و ۸ میں جدید واقعات کو جس تفصیل و طوالت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ ہمارے لئے بہت مفید ہے۔ جو اصحاب اس کتاب کو نگاہ غور سے مطالعہ کرینگے ان پر روشن ہوجائے گا کہ پہلی ۶ ترنگوں میں جن اکثر مقامات کا ذکر کہیں

لکھیں کیا گیا ہے انکی شناخت اسی زیادہ مفصل بیان سے عمل میں آئی ہے جو آخری دو ترنگوں میں موجود ہے۔

اس اعتبار سے ان بیشمار بناوٹوں اور اندرونی فسادات کے تذکرات بہت فائدہ مند ثابت ہوئے ہیں۔ جنسے خاندان لوہر کے عہد حکومت کا بہت بڑا حصہ بھرا ہوا ہے اکثر مضمون سرحدی حملوں ان بناوٹوں کے متعلق محاصروں وغیرہ کی مدد سے ہمیں اس قسم کی جغرافیائی تفصیلات حاصل ہوئیں ہیں جو باہم ایکدوسرے کی تشریح کرتی ہیں ان سب کو نقشہ پر جیسا کہ خود سٹائن صاحب نے کیا انکے اصلی محل وقوع پر دیکھنے سے بہت سے پرانے مقامات کی صحیح مقامیت معلوم ہو سکتی ہے جو کسی اور صورت میں شبہ اور قیاس کی دھند سے باہر نکل ہی نہ سکتے تھے۔ ان توڑوں کو جنمیں مشہور مقامات اور مقامی ناموں مثلاً لوہر۔ گو پادری۔ جہاسرت۔ کشتیکا۔ ہولدا وغیرہ کو شناخت کیا گیا ہے دیکھنے سے ان الفاظ کی تصدیق ہو سکتی ہے مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۶ ضمیمہ کتاب ۷ و نوٹ نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳۔۷۸۰ ۹ کتاب ہذا

کلہن کی جغرافیائی صحت۔ جب ہم کلہن کی تصنیف کو یا بالخصوص اس کے ان حصوں کو جنمیں مقامات پر پورے طور سے بحث کی گئی ہے پڑھتے ہیں۔ تو آخرالذکر کی صحت کی نسبت فوراً ایک خیال ہمارے ذہن نشین ہو جاتا ہے اور ہم جان جاتے ہیں کہ جغرافیائی معاملات پر اسکی ہمیشہ آنکھ لگی رہتی تھی

جب ہم کلہن کے مقامی حوالوں کا مقابلہ ان سرسری اور بے مطلب حوالوں کے ساتھ کرتے ہیں جو سنسکرت مصنفوں کی کتب میں عام طور پر پائے جاتے ہیں تو ہمارے ذہن پر اسکی خوبیاں دوبالا ہو جاتی ہیں

اس جگہ اس مشکل کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے جو کلہن کو اپنی کتاب نظم کی صورت میں لکھتے وقت پیش آئی ہو گی۔ ہندوؤں میں سائنٹیفک کتابیں لکھنے والوں کے

متعلق البیرونی نے لکھا ہے "نظم کی تمام تصانیف میں بہت سے الفاظ و فقرات مجبوراً داخل کرنا پڑتے ہیں۔ جنکے مطلب صرف شعر کا وزن پورا کرنے سے ہوتا ہے وہ گویا اس خاص شعر کی مرمت کا کام دیتے ہیں۔ لیکن اس طرح پر تصنیف میں غیر ضروری لفاظی بڑھتی ہے یہی باعث ہے کہ کبھی تو ایک لفظ کے ایک معنی ہوتے ہیں اور کبھی کچھ دوسرے ہی نکلتے ہیں (دیکھو کتاب انڈیا جلد ا صفحہ ۱۹)"

خوش قسمتی سے کلہن ان باتوں سے کم از کم اس حد تک بچا رہا ہے جہاں تک اسکی جغرافیائی تفصیلات کو دخل ہے۔ البیرونی نے جن نقائص کی شکایت کی ہے وہ اس کے جغرافیائی معلومات رکھنے والے شلوکوں میں نہیں پائے جاتے۔

غرض راج ترنگنی میں جن بہت سے مقامی ناموں کا ذکر آیا ہے ان کا سراغ چلانے میں ہمیں محض اسی وجہ سے کامیابی ہوئی ہے کہ کلہن نے ایسے شلوکوں میں صرف مطلب کی باتیں لی ہیں۔ اسکی تحریر سے صاف عیاں ہے کہ اس نے ان مقامات سے واقفیت حاصل کر لی ہوگی جو واقعات مذکورہ کا منظر بن چکے تھے۔

اسکا بیّن ثبوت ترنگ ۵ کا شلوک ۸۴ تا ۱۰۰ پڑھنے سے ملتا ہے جہاں ان کارروائیوں کی کیفیت مذکور ہے جو وتستا کے بہاؤ کو درست کرنے اور وادی کا پانی نکالنے کے متعلق اونتی ورمن کے زمانہ میں ہوئی تھیں۔ کلہن نے وتستا اور سندھ کے قدیم و جدید مقامات انفصال کا ذکر جس صحت و درستی سے کیا ہے اس سے ہم صدیوں بعد بھی اس قابل ہوئے ہیں کہ وادی کے اندر اس عظیم تبدیلی کے مقاصد اور نتائج سے واقف ہو سکیں (مقابلہ کے لیئے دیکھو نوٹ نمبر ا ضمیمہ کتاب ہذا)

جن فوجی کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے انمیں بھی جغرافیائی تفصیلات پر اسی قدر توجہ دی ہوئی معلوم ہوتی ہے اس بارہ میں اس جگہ صرف ان مختلف محاصروں کا ذکر کرنا ہی کافی ہوگا جو سلسل کے زمانہ میں سری نگر کے کیئے گئے (دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۰۶ و ۲۰)

۱۰۶۰) یا ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۴۲ تا ۱۸۰۰ کے بموجب لوہر کے آگے جو ناکہ بندی کی گئی تھی۔ اس سے اس بارہ میں کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جس موقعہ پر پہاڑوں میں سے واپسی کے وقت سخت تباہی کا سامنا ہوا تھا۔ قلعہ سرو شلا کا محاصرہ بھی اسی قسم کی واقفیت بہم پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ نوٹ نمبر ۱۲ میں ثابت کیا گیا ہے۔ آخر الذکر بیان کی جغرافیائی صحت اسقدر بڑھی ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے مصنف نے اس جگہ کا خود معائنہ کیا تھا اور یہ امر اس لحاظ سے اور بھی قابل ذکر ہے کہ جس مقام پر یہ واقعات ظہور میں آئے وہ کشمیر خاص کی حدود سے باہر تھا اور علاوہ ایک بعید مقام ہونے کے وہاں تک پہنچنا ہی مشکل تھا۔

ان کے علاوہ بعض اور بھی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جنکی بدولت ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ جغرافیائی معاملات میں کلہن کا بیان بہت کچھ معتبر ہے اسکی ایک معمولی مثال یہ ہے کہ جسقدر فاصلے سڑک یا پیمایش وقت کے اعتبار سے دئے گئے ہیں۔ وہ عام طور پر درست ہیں کلہن نے کوچوں کی جو تعداد جابجا دی ہے اسکی تصدیق اسطرح پر ہو جاتی ہے کہ انکی بجائے آجکل جو سڑکیں ہیں ان پر منازل کی تعداد کتنی ہے مقابلہ کے لئے مندرجہ ذیل نوٹوں کے اندر درج کئے ہوئے فاصلوں کو دیکھو نمبر ۸۸-۶۶-۱۳-۵۲۶ وادی وتنگ کے راستہ کی منازل کے بارہ میں نوٹ نمبر ۴۰۔ دگرہ راج کے کوچ براستہ درہ توش میدان کے بارہ میں نوٹ نمبر ۹۴ راستہ درہ پیر پنچال کے بارہ میں نوٹ نمبر ۵۲۶ راستہ مارتنڈ کے بارہ میں نوٹ نمبر ۵۵ دوسری بات جسے دیکھ کر ہمیں گونہ اطمینان ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ایک ہی نام کے مقامات میں بہت اچھی طرح امتیاز کیا ہے۔ مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۵-۵۸-۵-۲ کتاب ہذا جنمیں مختلف خنیٹ رودوں کا جداگانہ طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

ان سب باتوں کے علاوہ مصنف کتاب ہذا نے جابجا آب وہوا اور کشمیر کی ملکی اور مالی حالتوں کے بارہ میں جو ذکر کیا ہے اور کہیں کہیں نواحی علاقوں کے متعلق بھی جو حالات

دیاہے۔ وہ بہت کچھ قابل قدر ہے اس طرح پر ہمیں جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان پر اگر اچھی
طرح غور کیا جائے تو ہمارے لئے یہ امر موجب ابتہاج و مسرت ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر کے قدیم
ترین اور کامل ترین حالات جو ہمارے ہاتھوں تک پہنچے ہیں۔ وہ کلہن جیسے ایک فاضل
کے لکھے ہوئے تھے ایک تنقیدی نگاہ رکھنے والے مورخ کے نقطہ خیال سے اسکی تصنیف میں
گو بعض نقائص موجود ہوں۔ تاہم اس بات کو تسلیم کرنے میں ہمیں کسی طرح پر عذر نہیں ہو سکتا
کہ انکی بدولت ہمیں کشمیر کے تاریخی جغرافیہ کے مطالعہ میں بہت کچھ محفوظ امداد مل سکتی ہے

راج ترنگنی میں سنسکرت کے مقامی نام۔ کلہن کی تاریخ کے بارہ میں ابھی ہمیں
ایک اور بات کی طرف توجہ دینا ہے جو یہ ہے کہ اسکی کتاب میں مختلف ناموں کی جو سنسکرت
صورتیں دی ہوئی ہیں۔ آیا وہی اس زمانہ میں صحیح مقامی نام تھے؟ یہ سوال قدرتی طور پر اس
وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ کشمیر میں کلہن کے زمانہ میں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس سے بھی چند
صدیاں پیشتر جو زبان بولی جاتی تھی وہ سنسکرت نہیں بلکہ اس سے حاصل کی ہوئی
ایک اپبھرنش بولی تھی جس نے بتدریج موجودہ کشمیری زبان کی صورت اختیار کر لی ہے
باوجود اس کے خیال کیا جاتا ہے کہ بحیثیت مجموعی کلہن کے دیئے ہوئے مقامی نام
اس زمانہ کے مقامات کے صحیح نام ہیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ اس وقت تک ان کے وہی
نام چلے آتے تھے۔ جو ابتدا میں انہیں دیئے گئے تھے اس اعتقاد کی بنا سٹائین صاحب
نے حسب ذیل قرار دی ہے ہمیں جابجا اس قسم کی شہادتیں حاصل ہوتی ہیں جنسے
ہم معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ اس زمانہ میں ملک کی سرکاری اور واحد علمی زبان سنسکرت ہی تھی
اور یہ حالت نہ صرف کلہن کے زمانہ میں تھی۔ بلکہ اس زمانہ میں بھی جبکہ وہ تحریریں جن
سے اس نے مدد لی لکھی گئی ہونگی۔ ہمیں معلوم ہے کہ سرکاری طور پر سنسکرت کا استعمال
اسلامی بادشاہوں کے زمانہ میں بھی جاری رہا تھا اس سے ہمیں نوراً اطمینان ہو جاتا
ہے کہ اکثر قصبات و دیہات کے نام ابتدا میں سنسکرت زبان ہی میں ہونگے۔ مگر ان ہم

اچھی طرح غور کریں تو نہ صرف یہ معلوم ہو سکے گا کہ وہ خالص سنسکرت ساخت کے نام ہیں
بلکہ یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ انکی بجائے آجکل جو کشمیری نام استعمال ہوتے ہیں وہ انہی
میں بتدریج تبدیلیاں عمل میں آتے جانے سے بنے ہیں اس قسم کے پرانے ناموں
میں ہیں کوئی غیر ملکی نام ایسے نظر نہیں آتے جنکا ماخذ آریاؤں کی زبان نہ ہو اور جنکی
بنسبت گمان غالب ہو سکے کہ انہیں بعد میں سنسکرت کا لباس پہنا دیا گیا ہے

مقامات کے سرکاری نام۔ یہ بات کہ کلہن کے زمانہ سے صدیوں پہلے تمام غیر سرکاری
دستاویزات میں سنسکرت زبان ہی استعمال ہوتی تھی اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہے
کہ اکثر آباد مقامات کے سنسکرت ناموں کا سرکاری دستاویزات میں موجود رہنا کسی
طرح پر خلاف قاعدہ یا مشکل نہ ہو سکتا تھا۔ اور ظاہر ہے کلہن نے جسقدر معلومات
حاصل کی ہیں وہ زیادہ تر اسی قسم کے دستاویزات سے براہِ راست یا بالواسطہ ہیں
صرف شاذ و نادر حالتوں میں اسبات کی توقع ہو سکتی ہے کہ اس قسم کے کسی مقامی
نام کی اصلی صورت فراموش ہو چکی ہو اور اس وقت مصنف نے اپ بھرنش یا کشمیری
صورت کو استعمال کرنے کی بجائے اسے سنسکرت صورت دینے کی کوشش کی ہو۔
بایں ہمہ اسمیں بھی شک نہیں کہ کہیں کہیں ایسا ہوا ضرور ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ راج
ترنگنی میں ایک ہی مقام کا نام بھلیرک یا بالیرک آیا ہے یا جس مقام کا نام کلہن نے
گھور ملک لکھا ہے اس کا ابھی نند نے جو کادمبری کتھا سار کا مصنف ۹ویں صدی
کے وسطی حصہ میں ہو گذرا ہے گور ملک لکھا ہے تو ہمیں اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے۔
کہ اصلی اپ بھرنش ناموں کو سنسکرت میں لانے کی مختلف کوششیں کی گئی ہیں (مثال
کے لیے دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۲۳۹ و نوٹ نمبر ۳۶ ۸ و ۹۱) لیکن ایسی مثالیں
شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آئی ہیں۔ اور انکی صورت میں بھی ممکن ہے کہ مختلف ہجوں
کے بواعث کچھ اور ہی ہوں۔

یہی خیالات ان مقامی ناموں پر صادق آتے ہیں جو راج ترنگنی میں پہاڑوں۔ ندیوں۔ دروں وغیرہ کے متعلق دیئے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے ان ناموں میں سے اکثر نہایت قدیم زمانہ میں سرکاری دستاویزات میں درج ہو چکے ہونگے یا سنسکرت روایات یا مختلف تیرتھوں کے مہاتموں میں ان کا ذکر آ چکا ہوگا۔ اگر انمیں سے بعض کو پراکرت یا اپبھرنش صورتوں سے لیا گیا ہے تو بھی اغلب ہے کہ ان کا نیم سرکاری استعمال کلہن کے زمانہ سے مدت پہلے شروع ہو گیا ہوگا۔ کشمیر کے اکثر ناموں میں آجتک خواہ وہ وادی سے متعلق ہوں یا پہاڑوں سے صاف سنسکرت کی جھلک موجود پائی جاتی ہے

کشمیر کے مقامی نام۔ اسکی تصدیق صاف طور پر اس بات سے ہوتی ہے کہ اکثر ناموں کے بہ نتہا اس قسم کے جزو آتے ہیں جو سنسکرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً پور مر (سٹھ) ہوم (آشرم) اہل (شالا) کوٹھ (کوٹ) گام یا گوم (گرام) کندل۔ وور (واٹ) گاؤں کے ناموں میں سر (سرس) ہبل (ندولا) ناگ جھیلوں کے ناموں میں۔ ون نار (ناد) مرگ (متھکا) گل (گانکا) برار (ھیکارکا) وتھ (تیچھ) پہاڑی مقامات چوٹیوں۔ دروں وغیرہ کے نام ہیں۔ کل (کلیہ) کھن (کغی) ندیوں اور نہروں کے ناموں میں۔ بحالت موجودہ اکثر نام اپنی سنسکرت صورتوں سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ اپبھرنش صورت میں وہ اور بھی زیادہ مشابہ ہونگے اسلئے اس زمانہ میں کسی نام کو اسکی سنسکرت صورت میں لکھنا زیادہ مشتبہ یا مشکل نہ ہوا کرتا ہوگا اسلئے ہمیں خیال کرنا پڑتا ہے کہ کلہن نے مختلف ناموں کی جو سنسکرت صورتیں دی ہیں۔ وہ اکثر حالتوں میں تو اصلی مقامی نام ہیں یا وہ ان سے زیادہ اختلاف نہیں رکھتے ہیں۔

بعد کی تواریخ کشمیر۔ بعد کی سنسکرت تاریخوں کے مطالعہ سے جو کلہن کے تاریخی سلسلہ کو قائم رکھنے کی غرض سے لکھی گئی تھیں آخر الذکر کی جغرافیائی معلومات

میں بہت کچھ اضافہ ہوتا ہے یہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) جونراج کی راج ترنگنی جس نے سلطان زین العابدین کے وقت تک کے حالات لکھے اور جیسا کہ سریور کی راج ترنگنی کی ترنگ اشلوک ۶ سے واضح ہوتا ہے اسی تصنیف کے دوران میں ۱۴۵۹ء میں انتقال کر گیا (۲) جونراج کے شاگرد سریور کی جین راج ترنگنی جس میں ۱۴۵۹ء سے ۱۴۸۶ء تک کے واقعات ۴ ترنگوں میں دیئے گئے ہیں۔ (دیکھو شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۶-۷) (۳) شک اور پرجا بھٹ کی کتاب راجاولی پتاکا جسے پرجا بھٹ نے لکھنا شروع کیا تھا اور جسکو اس کے شاگرد شک نے اس وقت بدرجہ تکمیل پہنچایا جب ۱۵۸۶ء میں اکبر کو کشمیر کا الحاق کئے چند سال ہو چکے تھے (دیکھو کتاب مذکور شلوک ۸)

مخفی نہ رہے کہ پرجا بھٹ کی تصنیف شلوک ۱۴ سے ۴۶ تک فتح شاہ کے عہد حکومت (۱۵۱۳ء) تک ہی ہے۔

مذکورہ بالا تاریخوں سے معلوم کر لیا ہوگا کہ آخر الذکر دو کتابوں کا دائرہ ہندؤں کے عہد حکومت سے بالکل پرے ہے اور ہماری تحقیقات صرف ہندؤں کے عہد حکومت تک محدود ہے جسکا خاتمہ ۱۳۳۹ء میں اسوقت ہو گیا تھا جب شاہ میر نے تخت غصب کر لیا۔ یہی بات جونراج کی راج ترنگنی کے بہت بڑے حصہ پر صادق آتی ہے جسمیں راجہ جے سنگھ سے لے کر رانی کوٹا تک بعد کے ہندو فرمانرواؤں کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ درج ہیں جسکا باعث انکی ذاتی اہمیت کا کم ہونا ہے یہ نہیں کہ اس زمانہ میں تاریخی دلچسپی کے واقعات ظہور میں نہیں آئے تھے چنانچہ ۱۱۴۹ء سے ۱۳۳۹ء تک کے فرمانرواؤں کے حالات جونراج نے صرف ۴۰۵ شلوکوں میں دیئے ہیں۔ گو بمبئی ایڈیشن میں ان شلوکوں کی تعداد ۳۴۷ ہے باوجود ان باتوں کے اکثر حالتوں میں زمانہ مابعد کی تاریخوں میں اس قسم کا بہت سا مواد مل گیا ہے جس سے کشمیر

کے قدیم جغرافیائی معاملات کو حل کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ ان میں اکثر جن مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ ہندوؤں کے عہد ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ علاوہ بریں ان کا ذکر جن ناموں سے کیا گیا ہے وہ بھی زیادہ تر پرانے ہی نام ہیں۔

باوصف ان تمام باتوں کے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ بعد کی تاریخ ہائے کشمیر کلہن کی تصنیف سے جغرافیائی معاملات میں بھی ویسی ہی مدد دینے والی اور کمتر درجہ کی ہیں جیسے دیگر معاملات میں۔ سب سے پہلے تو یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ تینوں تصانیف مجموعی طور پر کلہن کی تصنیف سے نصف بھی نہیں ہیں۔ چونکہ مسلمان بادشاہوں کے حالات بکثرت ہیں اسلئے قدرتی طور پر مقدس مقامات۔ عمارات اور مذہبی دلچسپی کی جگہوں کا ذکر بہت ہی کم آتا ہے اسی نسبت سے دیگر مقامات کے حوالے بھی بہت کم اور کمتر واقفیت دینے والے ہیں۔ اسکا باعث یہ ہے کہ ان بعد کے مورخوں نے زیادہ زور واقعات کو بیان کرنے پر دیا ہے جغرافیائی بیانات کی صحت پر اس قدر کوشش نہیں کی جتنی کہ کلہن کی کتاب میں دیکھی جاتی ہے۔

جونراج۔ اکبر کی فتح سے پہلے عرصہ ۲۵۰ سال تک کشمیر میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے فسادات ہوتے اور جبروتشدد عمل میں آتے رہے انکے باعث ہندوؤں کے علوم کو بہت ہی سخت نقصان پہنچا۔ اسکا ثبوت ان بعد کی تصانیف کے علمی درجہ کے بتدریج زوال پذیر ہوتے جانے میں بھی ملتا ہے جونراج بجائے خود بڑا فاضل تھا البتہ اسمیں آرجینلیٹی کا مادہ نہ پایا جاتا تھا۔ تاہم وہ اپنے آپ کو وادی کے قدیم ناموں سے بخوبی واقف ثابت کرتا ہے۔ لیکن کشمیر کے دائرہ سے باہر دہ پرسپور (موجودہ شاہ ور) کے لئے بھی پرش ویرا کہا گیا ہے۔

سرلوبر۔ سرلوبر کلہن کی غلامانہ تقلید کرتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسی کے شلوکوں کو اول بدل کر رکھتا گیا ہے۔ اسکی کتاب کا بہت بڑا حصہ آرجینل تصنیف نہیں

بلکہ راج ترنگنی کا اخذ معلوم ہوتی ہے ان حالات میں ہر چند کہ یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے
کہ اس نے کلہن کی تصنیف کا غور سے مطالعہ کیا تھا تاہم دیکھا جاتا ہے کہ وہ اکثر مشہور کشمیری
مقامات کے ناموں سے بھی بے خبر ہے چنانچہ اس نے مہاسرت ندی کا نام ماری لکھا ہے
جو زمانہ حال کے لفظ مار کا اخذ معلوم ہوتا ہے (دیکھو سریور کی راج ترنگنی ترنگ ا شلوک
۴۰۴ ترنگ ۲ شلوک ۲۰۸ دلوٹ نمبر ۷ کتاب ہذا) پھر سدرھ بچھ کا نام جو آجکل سید اور
کہلاتا ہے اپنی کتاب کی ترنگ ۳ شلوک ۳۵۴ و ترنگ ۴ شلوک ۲۰۲ و ۶۶۱ میں سدہار
دشیں اور مارتنڈ تیرتھ کا نام ترنگ ا کے شلوک ۲۷۶ و ترنگ ۳ کے شلوک ۲۷۲ میں
اسکی جدید صورت بھون (بون) میں لکھا ہے۔

شک اور پر جابھٹ کی تصنیف۔ پر جابھٹ اور شک کی تصنیف سریور کی تاریخ
سے بھی کمتر درجہ کی ہے اور چونکہ اسمیں مقامی ناموں کی صورتیں زیادہ تر جدید ہیں
اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف کشمیر کے جغرافیہ قدیم سے بہت ہی کم واقفیت رکھتے
تھے چنانچہ قدیم نام کوٹیاشرم جہاں کلہن نے اپنی بدھ مت کی روایت کا سین قائم
کیا ہے۔ اس کا نام انکی کتاب میں جابجا کچاشرم کے طور پر آیا ہے جسکا جدید نام کنس
ہوم ہے (دیکھو شک اور پر جابھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۲۳۴۔۴۰۲ ۴۳۸۔ نیز
کلہن کی راج ترنگنی کے متعلق نوٹ نمبر ۶ کتاب ہذا۔ انہی مصنفوں کی تاریخ میں
شلوک نمبر ۲۴۱ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راجپوری کا نام راجو پر آیا ہے جو جدید
نام راجوری کی واقعی ایک عجیب صورت ہے۔ لوہر کے پرانے قلعہ کا نام لوہر آیا ہے
جو موجودہ صورت لوہرین سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے (دیکھو شلوک نمبر ۱۳۴۔۱۴۳)
اور شلوک نمبر ۲۳ میں چکردہر کا نام چکرا دھار دیا گیا ہے۔

ان سب باتوں سے ظاہر ہے کہ جب زبان سنسکرت سرکاری طور پر استعمال ہونا
بند ہوگئی تو مختلف مقامات کے قدیم ناموں اور ان کے متعلقہ روایات کے بارہ میں

لوگوں کی واقفیت بتدریج محدود ہوتی گئی ہوگی۔ اس روائتی واقفیت کی کمی کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس وقت کسی قدر احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے جب بعد کی تاریخی کتب کے مطالعہ سے کام لینے لگتے ہیں ساتھ ہی ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انکی مدد ان صورتوں میں بہت مفید ثابت ہوتی ہے جب قدیم مصالحہ اور موجودہ جغرافیہ کے واقعات کی درمیانی زنجیروں کو تلاش کرنا پڑتا ہے

کشمیر کی فارسی تاریخیں۔ اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کی ان فارسی تاریخوں کا بھی بالاختصار ذکر کر دیا جائے جو فارسی زبان میں لکھی ہوئی ہیں اور جنکی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ انکے ذریعہ کلہن اور اس کے بعد کے مصنفوں کی تحریر کے سلسلہ کو قائم رکھا گیا ہے۔

بدقسمتی سے ملک کے جغرافیہ قدیم کے مطالعہ میں ان سے کوئی خاص مدد نہیں ملتی ان تمام کتب کے ابتدائی حصہ میں ہندو خاندانوں کا جو حال درج ہے اسکی نسبت ظاہر کیا جاتا ہے کہ اسے راج ترنگنی سے لیا گیا ہے لیکن ان میں جابجا جو خلاصے دئے ہوئے ہیں وہ نہایت مختصر ہیں اور انمیں کلہن کی تحریر کے صرف روائتی اور قصص کے متعلق حصے لئے گئے ہیں اسلئے جن مقامی ناموں کی شناخت مشکل ہے انکی مابعد صورتوں کا ان کتابوں میں تلاش کرنا بے سود ثابت ہوتا ہے۔

اسکی ایک مثال یہ ہے کہ حیدر ملک شادر کی تاریخ میں بھی جو اس قسم کی قدیم ترین تاریخ ہے اور جسمیں ہندوؤں کے زمانہ کے مفصل ترین حالات دیکھے گئے ہیں راجہ جے سنگھ کے عہد حکومت کا حال جو راج ترنگنی کے قریباً ۲۰۰ شلوکوں میں سمایا ہے صرف ۲ بڑے صفحوں میں دیا گیا ہے واضح رہے کہ یہ کتاب سنہ ۱۰۲۷ھ مطابق سنہ ۱۶۱۷ء میں جہانگیر کی حکومت کے بارھویں سال لکھی گئی تھی حیدر ملک کے نام کے ساتھ شادر کا لفظ اسی نام کے اس کشمیری موضع کیوجہ سے آتا ہے جو سرینگر سے اسیل جنوب کی طرف موضع دستور کے قریب ناگام پرگنہ میں واقع ہے اس نقص کے علاوہ جو اوپر بیان کیا گیا ہے دوسرا یہ ہے کہ اصل کتاب میں جن جن

مقامات کا ذکر آیا ہے انمیں سے ایک بھی اس میں نہیں آتا۔ بعد کی کتب جو ۱۸ ویں یا ۱۹ ویں صدی کی لکھی ہوئی ہیں ہندوؤں کے زمانہ کے متعلق اور بھی کم معلومات پیش کرتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں زیادہ تر حیدر ملک ہی کے خلاصہ کو نقل کیا گیا ہے پھر جب ہم اسباب کو مد نظر رکھتے ہیں کہ فارسی صورت میں آکر مقامی ناموں نے عجیب و غریب اغلاط اور تبدیل اختیار کر لی ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ جغرافیائی امور کے متعلق ان کتابوں سے صرف شاذ و نادر حالت میں ہی کوئی خاص فائدہ حاصل ہو سکتا ہے

شعرائے کشمیر۔ یہ امر خوش قسمتی میں داخل ہے کہ کشمیر کے پرانے شعراء میں سے بعض جنکی تصانیف اسوقت تک باقی رہ گئی ہیں۔ اپنی شخصیت اور وطن کے بارہ میں کچھ نہ کچھ بیان کرتے ہیں۔ ان مصنفوں کی تحریروں سے جس قسم کی جغرافیائی معلومات حاصل ہوتی ہیں اسمیں شک نہیں کہ بہت کم ہیں تاہم وہ بجائے خود ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ انکی بدولت ہم آزادانہ طور پر کلہن کے استعمال کردہ مقامی ناموں کی پڑتال کر سکتے ہیں اور بعض صورتوں میں انکی بدولت ہمیں ان مقامات کی واقفیت حاصل ہوتی ہے جنکا تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں آیا۔

کشیمندر۔ ان کشمیری مصنفوں میں سب سے اول درجہ پر مدد دینے والا مشہور و معروف **کشیمندر ہے اس نے اسکو** صدی کی دوسری اور تیسری چوتھائی میں تصانیف کی ہیں اور انکی تصانیف اس زمانہ ہندوستان کے لٹریچر میں ایک نہایت اہم اور نمایاں درجہ رکھتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ کشیمندر کو اپنے عام ہم جلیسوں کے برخلاف اپنے ملک کی حقیقی چیزوں اور اردگرد کی زندگی سے ایک خاص دلچسپی تھی۔ وہ ہمیں صرف اپنے کنبہ اپنی تصانیف کی تاریخ اور ان مقامات کے نام بتانے پر ہی اکتفا نہیں کرتا جہاں اس نے انہیں لکھا تھا مقابلہ

کے اور سکیچ بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۴۵ جہاں ان زائد عبارتوں کا ذکر کیا گیا ہے انکی اکثر اس زمانہ کے آخر میں پائی جاتی ہیں۔

سمے ماترکا میں جو اس کی نہایت اریجنل نظموں میں سے ایک ہے اور جسمیں وہ فاحشہ عورتوں
کے دام تزویر کا ذکر کرتا ہے اس نے اپنی خاص ہیروئن کنکالی کے کشمیر میں طولاً عرضاً سیر وسیاحت
کرنے کے دلچسپ حالات لکھے ہیں۔ یہ حالات اس نظم کے حصہ نمبر ۲ میں پائے جاتے ہیں یہ نظم
ہر چند کہ مختصر ہے لیکن اسمیں چونکہ عجیب وغریب مقامی تفصیلات بکثرت پائی جاتی ہیں اس
لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحب اس کا تنقیدی ترجمہ شائع کریں لیکن اس غرض
کے لئے کشمیر کے مختلف حصوں سے ذاتی طور پر واقف ہونا ضروری ہے غرض اس عورت
کے جن جن مقامات میں جانے کا ذکر آیا ہے ان سب کا پتہ نقشہ پر چلایا جا سکتا ہے۔
ایک سے زیادہ موقعہ پر چونکہ حقیقی مقامی رنگ کی جھلک پائی جاتی ہے اسلئے یہ بیان از
بس دلچسپ معلوم ہوتا ہے کشیمیندر کی نظم میں ہی سب سے اول درہ پیر پنچال (پنچال
دھارا) اور اس پر کے مٹھ کا ذکر آتا ہے (دیکھو سمے ماترکا سمے ۲ شلوک ۹۰) یہ مٹھ وہی ہے
جو اب علی آباد سرائے کی صورت میں جانب کشمیر درہ کی چوٹی سے نیچے تھوڑے فاصلہ پر
واقعہ ہے اسی نظم میں اس قدیم تجارت نمک کا ذکر آتا ہے جو اس راستہ سے بالترجیح ہوتی
ہے سمے ماترکا سمے نمبر ۲ شلوک ۱۰۶ میں ہمیں بدھوں کے ایک قدیم معبد میں پہنچایا جاتا
ہے جسکا نام کرتیاشرم وہار ہے (مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ نمبر ۶۰ کتاب ہذا) اور جہاں کنکالی
ایک زاہدہ عورت کی حیثیت میں ایسے ایسے فعل کرتی ہے جن پر بہت کچھ حیرت ہوتی ہے
بلہن۔ شاعر بلہن نے جغرافیائی دلچسپی کے امور کو ایک اور ہی پیرایہ میں بیان کیا
ہے وہ راجہ کلش کے عہد حکومت (۱۰۶۳ء تا ۱۰۸۹ء) کے ابتدائی حصہ میں اپنے وطن
سے روانہ ہوا اور بہت پھرنے گھرنے کے بعد آخر کار دکن میں جا پہنچا وہ چالوکیہ راجہ تربھون مل پرماڑی
کے درباری شاعر کی حیثیت میں مشہور ہوا اپنی تاریخی نظم وکرمانک دیو چرت کے آخری
کانڈ میں بلہن نے وادی کشمیر کی خوشنمائیوں کا عجیب وغریب سماں باندھا
ہے ہر چند کہ اس جگہ اس کا طرز بیان زیادہ تر مدحیہ ہے تاہم مقامی تفاصیل قابل

تعریف طریقہ پر درست ہیں۔ کانڈ ۱۰ کے شلوک ۷۰ میں اس نے اپنے دیہاتی وطن کھون موش جو سرینگر کے جنوب مشرق میں واقعہ ہے اور اس کے نواحات کی کیفیت بیان کی ہے اس موقعہ پر اس نے جو پر درد اشعار لکھے ہیں ان سے دونوں باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی ایک تو یہ کہ اسے اپنے دور افتادہ وطن کا بہت شوق ہے اور دوسرے یہ کہ اسے تمام مقامی باتیں خوب اچھی طرح یاد ہیں۔ جیساکہ بوہلر صاحب کی رپورٹ کے صفحہ ۴ سے واضح ہوتا ہے۔ ۱۸۷۵ء میں دورہ کشمیر کرتے ہوئے وہ خود اس شاعر کا وطن جسکا موجودہ نام کھون موہ ہے دیکھنے گئے تھے۔

منکہ۔ کلہن کے ہمعصر منکہ نے اپنی نظم سری کنٹھ چرت کے کانڈ ۳ شلوک ۱۰ تا ۲۴ و ۶۸ میں کشمیر اور اس کے دار السلطنت پرورپور کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ بھی اس بیان سے ملتی جلتی ہی ہے گر اس قدر مفصل نہیں ہے اسکی صورت میں البتہ ایک فائدہ یہ ہے کہ اس پر جونراج مورخ نے ایک شرح لکھی ہے جسمیں مقامی دلچسپی کے امور کو اچھی طرح سمجھایا اور واضح کیا گیا ہے

لوک پرکاش۔ جغرافیائی دلچسپی کی ان کشمیری کتب پر جو زیادہ تر بنیادی ہیں اپنے ریویو کو مکمل کرنے کے لئے ہمیں اس عجیب لغات اور رسالہ کا حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے جسکا نام کشیمیندر کا لوک پرکاش ہے پروفیسر اے ویبر نے حال میں اپنی کتاب انڈش سٹوڈئین کے حصہ ذو کشمیندر ز لوک پرکاش جلد ۱۸ صفحہ ۲۸۹ تا ۴۱۲ میں اسمیں سے بعض قابل ذکر اقتباسات درج کئے ہیں۔ خود ہم نے نوٹ نمبر ۹ ضمیمہ کتاب ہذا میں کشمیر کے سکوں کا ذکر کرتے ہوئے اسکا ایک سے زیادہ موقعوں پر حوالہ دیا ہے یہ کتاب اس اعتبار سے ایک عجیب مرکب ہے کہ اس میں معمولی کوش کے علاوہ کشمیر کے انتظامی امور اور پرائیویٹ معاشرت کی بہت سی باتیں دی گئی ہیں اسمیں جسقدر دستاویزات دی گئی ہے۔ ہر چند کہ وہ زیادہ تر پرانی ہے اور کشیمیندر ہی کے ہاتھ سے نکلی ہوئی ہے

تاہم جا بجا اس قسم کے ثبوت بھی پائے جاتے ہیں جنسے ہم معلوم کرتے ہیں کہ ۱۰ ویں صدی کے آخیر تک اسمیں بہت سی ترمیم و تبدیلی ہوتی رہی ہے اسبات کی توقع ایک ایسی کتاب میں یقینی بھی نظر آتی ہے جو سنسکرت کے ملک کی سرکاری زبان ہو چکنے کے ایک مدت بعد تک کشمیری کارکنوں کے زیر استعمال رہ چکی تھی۔

لوک پرکاش میں کشمیر کے پرگنہ جات کی قدیم ترین فہرست درج ہے علاوہ بریں اس کتاب کے پرکاش ۲ و ۴ میں تمسک۔ ہنڈی۔ ٹھیکہ۔ سرکاری رپورٹوں وغیرہ کے جو نام دیئے گئے ہیں ان میں بھی بہت سے مقامی نام استعمال ہوئے ہیں فہرست پرگنہ جات اور ان ناموں میں بلاشبہ زمانہ قدیم کے مقامی نام نسبتاً جدید ناموں کے پہلو بہ پہلو درج ہیں فی الحقیقت آخر الذکر میں سے بعض کا تعلق ان مقامات سے ہے جنکی بنا عہد اسلامی میں ڈالی گئی تھی مقابلہ کے لئے دیکھو پرکاش ۲ میں مقام جین نگر جسکی بنا جونراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۱۱۵۳ کے بموجب زین العابدین نے ڈالی تھی الہ بھیدن پور جسکا ذکر سریور نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۲۱۸ میں کیا ہے وغیرہ وغیرہ

۶۔ نیل مت پران اور مہاتم

نیل مت پران۔ سطور بالا میں ہم اس بات کا ذکر کر آئے ہیں کہ زمانہ قدیم سے کشمیر میں مقدس مقامات اور جاترا کے تیرتھ بکثرت موجود چلے آئے ہیں ان قدیم مقامی پرستش گاہوں نے ہمیشہ اس وادی اور نواحی پہاڑی علاقوں کے تاریخی جغرافیہ میں اہم حصہ لیا ہے اسلئے یہ امر کچھ کم طمانیت کا باعث نہیں ہے کہ کشمیر کے مقدس مقامات کے بارہ میں خاص طور پر مطالعہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی مصالحہ موجود ہے

قدیم ترین موجودہ کتاب جسمیں کشمیر کے تیرتھوں کا ذکر آتا ہے نیل مت پران ہے۔ جیسا کہ راج ترنگنی کی ترنگ ا شلوک ۱۴ سے ظاہر ہوتا ہے کلہن نے اس کتاب سے

بھی معلومات حاصل کی تھیں۔ فی الحقیقت اس کتاب میں ملک کی ابتدا اور ان خاص قواعد کا ذکر آتا ہے جو کشمیر کے ناگوں کے راجہ نیل نے پرستش اور ادائیگی رسوم کے بارہ میں اسمیں منضبط کئے تھے (دیکھو راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۱۷۸ تا ۱۸۴) اس جگہ ان روایات کا ذکر کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے جو کتاب کے ابتدا میں درج کی گئی ہیں اور نہ نیل کے اعلان کردہ مراسم بیان کرنے کی ضرورت ہے جنکا آگے ذکر آتا ہے اور جنکے مشترکہ حالات میں کتاب کا ¾ حصہ کا ہوا ہے چنانچہ نیل مت پران کے شلوک ۱ تا ۳۶۶ میں روایات اور ۳۶۷ تا ۹۹۰ میں مراسم مذکور ہیں جیساکہ بوہلر صاحب کی رپورٹ کے صفحہ ۳۸ سے واضح ہوتا ہے ان پر صاحب موصوف نے نیل مت پران کی تفصیل بیان کرتے ہوئے خوب رائے زنی کی ہے

سب سے اول شلوک ۹۰۰ تا ۹۷۵ میں کشمیر کے خاص خاص ناگوں یا مقدس چشموں کی فہرست دی ہوئی ہے اسکے بعد جھیل مہاپدم کی نسبت جسکا موجودہ نام ولر ہے وہ دلچسپ روائت مذکور ہے جسمیں شلوک ۹۷۶ سے ۱۰۰۸ تک بیان کیا گیا ہے کہ اس جھیل کی تہ میں چندر پور کا شہر غرق ہے (دیکھو رپورٹ صفحہ ۱۰) پھر شلوک ۱۰۰۹ سے ۱۰۴۸ میں ان مختلف تیرتھوں کی گنتی ہے جنکا خاص تعلق شوجی کی پرستش سے ہے بعد ازاں وہ مفصل کیفیت آتی ہے جسکا نام بھوتیشور مہاتم ہے اور جسمیں کوہ ہر مکٹ کی ان بیشمار جھیلوں اور مقامات کا ذکر آتا ہے جو شوجی اور پاربتی سے تعلق رکھنے کے باعث مشہور ہیں دیکھو شلوک ۱۰۴۹ تا ۱۱۴۸ اور نیز نوٹ نمبر ۲۸۱ و ۵۰ کتاب ہذا کپٹیشور تیرتھ جس کا موجودہ نام کوٹھیر ہے ایک اور مہاتم کا صرف مختصر سا حصہ شلوک ۱۱۴۹ تا ۱۱۶۸ میں پایا جاتا ہے اس کے بعد شلوک ۱۱۶۹ تا ۱۲۴۸ میں وشنو تیرتھوں کی جو فہرست آتی ہے وہ نسبتاً مختصر ہے کیونکہ یوں بھی اس دیوتا کی اہمیت پرستش کے اعتبار سے کشمیر میں دوسرے درجہ پر ہے۔

شلوک ۹۴ ۱۲ تا ۱۲۷۰ میں مختلف مقدس سنگموں۔ ناگوں اور جھیلوں کی فہرست کے بعد شلوک ۱۲۷۱ تا ۱۳۷۰ میں کشمیر کے خاص تیرتھوں کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یہ بیان ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ ان تیرتھوں کے بیان میں جغرافیائی ترتیب کو مدِ نظر رکھا گیا ہے اور ان کے ساتھ ہی ان مقامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو انکی جاترا کے وقت راہ میں پڑتے ہیں اسلئے دوسرے تیرتھوں کی فہرستوں کی نسبت اس صورت میں زیادہ تیقن کے ساتھ یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ مصنف کا اشارہ کن مقدس مقامات کیطرف ہے اس بیان کی ابتدا مشرق کیطرف چشمہ نیل ناگ (ویر ناگ) سے کی گئی ہے اور اس کے بعد کم و بیش صحت کے ساتھ وتسشٹا اور اس کے معاونوں کے بارہ مولا کی گھاٹی تک پہنچنے کے راستہ کے حالات قلم بند ہیں شلوک ۱۳۷۱ تا ۱۴۰۴ میں مختصر سا وتسشٹا ماتم آیا ہے جسمیں کشمیر کے اس مقدس ترین دریا کے معجزانہ اور اصلی اثرات کی کیفیت درج کی گئی ہے اور اس کے بعد نیل مت پران کا مسودہ ختم ہو جاتا ہے

نیل مت پران کی کتاب۔ بدقسمتی سے نیل مت پران کا مسودہ بہت خراب حالت میں ہے کیونکہ اس میں بہت سے الفاظ و فقرات چھپے ہوئے اور بعض بعض جگہ بگڑے ہوئے ہیں۔ پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے کہ نیل مت پران کی موجودہ صورت چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی سے پہلے کی لکھی ہوئی نہیں ہو سکتی سٹائین صاحب کو اس کتاب کا جو بہترین مسودہ مل سکا وہ لوکک سمٹ کا لکھا ہوا تھا۔ جو مسودہ کی ظاہری صورت دیکھنے سے ۱۶۰۵ء کے مطابق معلوم ہوتا ہے بہرحال یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانوں میں اس کے اندر تبدیلی اور ترمیم ہوتی رہی ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی اسمیں جو مقامی نام پائے جاتے ہیں وہ پرانی وضع کے ہیں اور کلہن نے جو صورتیں استعمال کی ہیں ان سے ملتے جلتے ہیں۔

جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس کتاب کے آجکل جسقدر مسودے دیکھنے میں

آتے ہیں ان سب کا مضمون ویسا ہی غلط ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترمیم اور اضافہ جسکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے جدید نہیں ہو سکتا اگر ہمارے قدیم ترین مسودہ کی تاریخ سے نسبتاً قریبی زمانہ میں اس قسم کی ترمیم کی گئی ہوتی تو دوسرے مسودوں کی طرح اسکی صورت میں بھی کم از کم ظاہری بندش درست ہوتی اس جگہ جس عمل کا حوالہ دیا گیا ہے ویسی ہی کارروائی اب سے کوئی ۳۰ سال اس طرف پنڈت صاحب رام مرگباشی نے کی تھی جب اسے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے نیل مت پران تالیف کرنے کو کہا تو اس نے اس کتاب کو ترمیم کرتے وقت اسکی تقدیس کا ذرا بھی خیال نہ رکھا اسمیں عبارت کی جو کمی تھی اسے خود پورا کر دیا مہمل فقرات کی تشریح کر دی اور ویاکرن کی غلطیوں کی اصلاح کر دی (دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحات ۳۳-۳۸) خوش قسمتی سے پروفیسر بوہلر وقت پر کشمیر جا پہنچے انہیں اصل عبارت معلوم ہو گئی اور انہوں نے مولف کو مناسب تنبیہ کر دی۔

ہرچرت چنتامنی۔ جن کتابوں میں کشمیر کے مقدس مقامات کا خاص طور پر ذکر آتا ہے انمیں تاریخی اعتبار سے ہرچرت چنتامنی نیل مت پران سے قریب تر ہے اس پران یا مہاتموں کی طرح یہ کوئی اس قسم کی کتاب نہیں کہ جسکے مصنف کا کچھ پتہ نہ ہو۔ اور اسکی اہمیت محض اس کے پورانک لٹریچر سے تعلق رکھنے پر مبنی ہو۔ اس کا مصنف مشہور شاعر جیدرتھ ہو گذرا ہے جو راجانک نامی کشمیری خاندان سے تھا اور جیرتھ کا بھائی تھا جیرتھ نے اپنی کتاب تنتر اوک ودیک میں جو شیومت کے متعلق ہے اپنے خاندان کے متعلق جو نسب نامہ درج کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جیدرتھ ۱۲ ویں صدی کے آخیر یا ۱۳ ویں کے ابتدائی حصہ میں ہو گذرا ہو گا۔ مقابلہ کے لئے دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحات ۶۱-۸۱ و تمہیدی صفحہ ۱۵۳۔

اسکی تصنیف جو سادہ طرز کی کاویہ ہے ۳۲ کانڈوں پر مشتمل ہے اور اسمیں اسیقدر روایات شو جی اور اس کے مختلف اوتاروں کے بارہ میں ہیں ان روایات میں ۸ کے

مقامات مشہور و معروف کشمیری تیرتھ ہیں اور انکی بدولت مصنف کو کشمیر کے ان مقدس مقامات کے تذکرہ کا موقعہ ملجاتا ہے جنکا ان سے بالواسطہ تعلق ہے واضح رہے کہ یہ روایات کانڈ نمبر ۱-۴-۷ اور ۱۰ تا ۱۴ میں ہیں۔

جیدرتھ نے جو مفصل تشریح لکھی ہے اسکی بدولت ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ کشمیر کے اکثر مشہور تیرتھوں کے متعلق ان روایات نے کلہن کے بعد کے زمانہ میں کیا صورت اختیار کرلی تھی جیدرتھ نے جو مقامی نام لکھے ہیں وہ راج ترنگنی کے ناموں سے بہت کم ملتے جلتے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کلہن نے انہیں جس صورت میں لکھا ہے وہ سنسکرت کے ایام استعمال میں عام طور پر مروج ہوگی نیل مت پران میں جن واقعات کا ذکر اجمال کے ساتھ کیا گیا ہے ان کے سمجھنے میں ہرچرت چنتامنی سے بہت مدد ملتی ہے اسمیں مختلف مقامی روایات کو جس سادہ اور صحیح طریق پر بیان کیا گیا ہے اس سے اکثر ہم ان ترمیمات کا پتہ چلا سکتے ہیں جو مروجہ مہاتموں کے اندر ان روایات اور مقامی ناموں میں ہو چکی ہیں۔ جیدرتھ کی قدر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی تھی کہ اسکی کتاب کے ۱۴ ویں کانڈ کو جو کپٹیشور کے متعلق ہے آجتک اس تیرتھ کا مستند مہاتم سمجھا جاتا ہے

مہاتم۔ قبل ازیں اسبات کا ذکر کیا جاچکا ہے کہ کشمیر کے تمام بڑے بڑے تیرتھوں کے مہاتم موجود ہیں سوائے بعض مستثنیات کے انکی نسبت دعوے کیا جاتا ہے کہ انہیں پرانوں یا پرانک سنگہتاؤں سے اخذ کیا گیا ہے کشمیر کے اکثر مہاتموں کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ بھرنگیش سنگہتا کے جزو ہیں بعض کو اس لحاظ سے خاص طور پر مستند مانا جاتا ہے کہ وہ آد برہم، برہم ویوات وراہ اور بھوشیت پران کے اجزا ہیں عام طور پر ان میں مقام یاترا کے متعلق روایات مذکور ہیں اور لکھا ہے کہ اس خاص تیرتھ کی یاترا سے کیا کیا رسائی اور اور فوائد حاصل ہوسکتے ہیں اور یاتریوں کو کیا کیا مراسم ادا کرنے چاہئیں نوٹ نمبر ۱ ضمیمہ کتاب۔ ہذا میں شاردا مہاتم کا جو خلاصہ دیا گیا ہے اس سے کسی حد تک اسبات کا اندازہ ہوسکتا ہے

کہ اوسط درجہ کے مہاتموں میں طرز بیان کیسا ہوتا ہے

سب سے پہلے پروفیسر بوہلر کو اسبات کا خیال پیدا ہوا تھا کہ کشمیر کے جغرافیہ قدیم کے باقاعدہ مطالعہ میں مہاتموں سے کہاں تک مدد ملسکتی ہے کشمیر میں دورہ کرتے ہوئے انہوں نے جو سنسکرت مسودے جمع کئے امنیں ۱۷ کتابیں اس قسم کی تھیں دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ تمہیدی صفحہ ہم اسمیں نمبر ۴۹-۵۱-۵۲-۵۵-۶۲-۷۵-۸۲-۸۴-۹۹-۱۰۰ کو جداگانہ کتب دکھایا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ سب امرناتھ مہاتم کے ابواب ہیں خود سٹائین صاحب نے اس بارہ میں جو تلاش شروع کی تھی اس سے اور کچھ مختلف ترقیوں پر جانے سے انہیں کل ۵۱ مختلف مہاتم حاصل ہو گئے تھے انکی فہرست کسی دوسری جگہ دیگئی ہے مختلف مہاتموں کی ضخامت مختلف ہے ان میں سے بعض مثلاً وتستہ مہاتم پندرہ پندرہ سو شلوک کے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں بعض کے صرف چند درجن شلوک ہی ہیں زیادہ غائر نظر ڈالی جائے تو قدامت کے بارہ میں بھی اس قسم کا اختلاف واضح ہو جاتا ہے

مہاتموں کی تاریخ - بعض خاص خاص علامات سے اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ اکثر مہاتم جو آجکل زیر استعمال ہیں بعد کے لکھے ہوئے ہیں یا بعد میں ان کے اندر ترمیم کیگئی ہے امنیں زیادہ تر قابل ذکر مہاتم تھیل ہرمکٹ امرناتھ کی گپھا اور الیشور (ایشر) کے ہیں ان علامات کا پتہ ان مقامی ناموں سے چلتا ہے جو ان میں پائے جاتے ہیں اور جنکی صورت ہی کہے دیتی ہے کہ وہ جدید ہیں انکی تشریح کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وتستہ مہاتم میں سے اسی قسم کے بعض نام پیش کرکے دکھلائے جائیں۔

اس مہاتم کی نسبت اس امر کا دعوےٰ کیا جاتا ہے کہ اس مقدس دریا کے لب ساحل جسقدر تیرتھ آتے ہیں ان سب کا حال اسمیں قلم بند کیا گیا ہے اور کہ یہ بھرنگیش سنگھتا کا ایک حصہ ہے لیکن باوجود قدامت کے ان دعاوی کے ہم دیکھتے ہیں کہ ادھیائے ۱ شلوک ۵۸ اور ادھیائے ۲ شلوک ۳۳ میں مشہور و معروف نیل ناگ کا نام ویر ناگ لکھا گیا ہے

لیکن اس مقام کا نام اس صورت میں نہ تو نیل مت پران نہ راج ترنگنی اور نہ کسی اور کتاب میں آیا ہے حقیقت میں یہ موجودہ نام ویرناگ ہی کی دوسری صورت ہے جسکے قریب یہ خوشنما چشمہ واقعہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ ویرناگ کا نام پرگنہ ویہ سے لیا گیا ہے جسکا ذکر ابوالفضل نے اپنی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۳۷۰ پر کیا ہے بلہن اور کلہن نے جیین کے قدیم نام کا کہیں کہیں ذکر کیا ہے اسکا موجودہ نام زیون ہے لیکن اس مہاتم کے ادہیائے ۶ شلوک ۴۰ میں یہی نام یو لی آیا ہے موضع پاندری ٹھن جسکا نام پانادھشٹان (قدیم دار السلطنت) کے لفظ سے اخذ کیا ہوا ہے اور جسکا آخر الذکر نام سرپور کی راج ترنگنی میں بھی آیا ہے اس کتاب کے ادہیائے ۱۲ اشلوک ۲۴۰ میں پادر شتاک کے نام سے دکھایا ہوا ہے اس قسم کی اہمی تبدیلیوں کے بعد ہمیں یہ دیکھ کر چنداں حیرت نہیں ہوتی کہ ماکشکا سوامن (ماسیم) اور بھاسرت (مار) کے نام علی الترتیب مایاسیما اور ماری دئے گئے ہیں

قدرتی طور پر ہمیں اسبات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جس کتاب کی اشاعت کو شو جی سے منسوب کیا جاتا ہے اسمیں وتستہ اور سندھ کے مقام اتصال پر واقع جدید موضع شادی پور کا نام شاردا پور آیا ہے جیساکہ جونراج کی راج ترنگنی کے ۹۰۴ شلوک سے واضح ہوتا ہے شادی پور جو شہاب الدین پور کا مخفف ہے۔ ۱۴ ویں صدی میں سلطان شہاب الدین کے زمانہ میں بسایا گیا تہا۔ اسی قسم کی اور جغرافیائی غلطیوں کی مثالیں بھی جابجا نظر آتی ہیں مثلاً ادہیائے ۲۱ شلوک ۳۹ میں مغلوں کے بنوائے ہوئے جدید شالیمار باغ کا نام شالمار آیا ہے ادہیائے ۲۹ کے شلوک ۱۰۳ میں اشکر کے بجائے قدیم ہشک پور کا نام اشاہ کرل لکہا گیا ہے وغیرہ وغیرہ

اسی قسم کی مثالیں ناموں کے انکی جدید صورت سے لے کر بیان کئے جانے کی اکثر اور مہاتموں میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن انکی اس قدر کثرت نہیں مثلاً ہر مکٹ گنگا مہاتم ہی میں اس مقدس پہاڑ کا نام ہرمکٹ کی بجائے ہرمکھ دیا گیا ہے اور مخفی نہ

ہے کہ یہی اسکا جدید نام ہے) اور بھوتیشور (بوتھیشیرا) کے قدیم مقام کا نام جو راج ترنگنی
اور دوسری پرانی کتابوں میں اپنی اصلی صورت میں آیا ہے بود ہیشور لکھ دیا گیا ہے۔

امرناتھ مہاتم میں جسکا نسبتاً ایک قدیم مسودہ پونہ کے مجموعہ مسودات میں موجود ہے پانڈریٹھن کے قدیم نام کی بجائے پدرشٹی آیا ہے اور سسرم ناگ اس جھیل کا نام دکھایا گیا ہے جہاں قدیم روایت کے بموجب سشرواس ناگ پناہ گزین ہوا تھا دیکھو نوٹ عنہ۹ کتاب ہذا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اس قسم کی کتابیں بھی ہیں جو بہ ہیئت مجموعی روایات اور مقامی ناموں کے اعتبار سے ہمارے قدیم ماخذوں سے بہت کچھ ہم آہنگی ظاہر کرتی ہیں چنانچہ اس ضمن میں سرو اوتار مہاتم وتستا مہاتم اور وجئیشور مہاتم خاص طور پر قابل ذکر ہیں لیکن ان کے قدیم مسودے اب مقامی پروہتوں کے پاس دیکھنے میں نہیں آتے انکی بجائے جدید اور ترمیم شدہ کتابیں مروج ہو گئی ہیں علاوہ بریں جن مہاتموں کی موجودہ صورت کی نسبت ہر طرح پر اس بات کا یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ زمانہ حال کی بنی ہوئی ہے ان میں بھی کئی موقعوں پر قدیم مصالحہ اور روایات کا بکثرت استعمال دیکھا جاتا ہے بہر نوع ان کتابوں میں جو عجیب و غریب کہانیاں انکی قدر و اہمیت کے بارہ میں پائی جاتی ہیں ان کو سمجھنا اس صورت میں زیادہ سہل ہوگا کہ ہم معلوم کریں انکی ابتدا کیونکر ہوئی؟

مہاتموں کی ابتداء۔ مہاتم ایک طرح پر خاص خاص تیرتھوں کے ان پرہتوں کی دستی کتابیں ہیں جنہیں یاتریوں کا چارج اپنے ذمہ لینے کا حق حاصل ہے کسی تیرتھ کے تقدس کے بارہ میں جو دعاوی پیش کئے جاتے ہیں۔ دراصل انکی انہیں تائید کی گئی ہے اور اس یاترا سے جو روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں انہیں یاتری کے روبرو پیش کیا گیا ہے پھر ان مہاتموں میں ان مراسم کا ذکر ہے جو یاتری کو ادا کرنا چاہئیں وہ نیز وہ راستہ بتایا گیا ہے جو اسے اختیار کرنا لازم ہے عام طور پر بہت

یاتریوں کو ایام یاترا میں اس خاص تیرتھ کا جہاں کی یا تر اوہ اس دقت کر رہے ہوں مہاتم سنایا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اسکی تشریح پو ستطور پر کشمیری زبان میں کرتے جاتے ہیں چونکہ بہت کم پجاریوں یا پنڈتوں کو آجکل سنسکرت زبان میں اس قدر علمیت حاصل ہے کہ وہ مہاتم کے شادکوں کا خود ترجمہ کر سکیں اسلئے عام طور پر وہ ان کے معانی کو از بر یاد کر رکھتے ہیں بعض جگہ مسودوں کی سطور کے درمیان دیا بجا تشریحی الفاظ وفقرات درج ہوتے ہیں جنسے انہیں عمل تفہیم میں بہت کچھ مدد ملجاتی ہے

مقامی پروہت - کشمیر میں مقامی پروہت جنہیں اب تھان پتی (سنسکرت تھان پتی) کہتے ہیں عام طور پر ویسے ہی جاہل اور حریص ہوتے ہیں جیسے ہندوستان میں ان کے برابر کا درجہ رکھنے والے پجاری - بھوجکی وغیرہ برہمن جماعت کے دوسرے لوگ بجا طور پر انہیں حقیر تصور کرتے ہیں - کلہن نے جا بجا اپنی تصنیف میں مثلاً ترنگ ۲ کے شلوک ۱۳۲ - ۵ کے شلوک ۶۵ لغایت ۷ - کے شلوک ۱۳ - ۸۲ - ۸ کے شلوک ۷۰۹ - ۹۰۰ - ۹۳۹ میں ان کے متعلق جو طنز یہ اشارے کئے ہیں ان سے صاف طور پر نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ زمانہ قدیم میں بھی انکی حالت کم وبیش آجکل ہی کی طرح تھی - گو اسمیں شک نہیں کہ انکی تعداد اور اقتدار اب کی نسبت بہت بڑھا ہوا تھا - یہ لوگ ہیں جنکے پاس جہاتم کے مسودے اب تک پشت بعد پشت چلے آتے ہیں پس ان میں جو بہت سی ترمیم و تبدیلی کر دی گئی ہے وہ ہمارے خیال میں محض انکی حالت اور ان کے پیشہ سے تعلق رکھتی ہے -

تیرتھوں کی تبدیلی - ہر چند کہ مقامی پرستش کا سلسلہ مضبوط اور مستقل رہا ہے تاہم اس قسم کی خاص خاص مثالیں موجود ہیں جنسے واضح ہوتا ہے کہ نسبتاً زمانہ حال میں نہ صرف کسی یاترا کا راستہ بلکہ کسی تیرتھ کا مقام بھی بدلا دیا جا رہا ہے چنانچہ نوٹ نمبر ۱ اور ۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں بھیدا اور شاردا تیرتھوں کی تبدیلی کے متعلق جو

مفصل کیفیت درج کی گئی ہے اس سے اس خیال کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے
تھوڑے درجہ کی تبدیلیاں اس سے بھی زیادہ ہوتی رہی ہونگی جب یاتری کسی خاص
تیرتھ پر جاتے ہیں تو وہ نہاتے۔ شرادھ اور ہون وغیرہ کرنے کے کام بعض دیگر مقدس مقامات
پر بھی جو اس تیرتھ سے متعلق ہوں کیا کرتے ہیں ان معاون مقامات پرستش کے
انتخاب کا دارومدار ابتدا سے مقامی رعایت پر رہا ہوگا جوں جوں زمانہ گذرتے جانے
پر ان میں تبدیلی ہوتی گئی توں توں اس تیرتھ تک پہنچنے کا راستہ بھی تبدیل ہوتا گیا۔
ان تدریجی تبدیلیوں سے مہاتم کی عبارت میں جو فرق پڑا اور اسے درست کرکے اسکو
ان کے حسب حال بنانے کا کام ان پروہتوں کے ذمہ پڑا۔ اور ہم نے جن بعض مہاتموں
کا ذکر اوپر کیا ہے ان کے دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں سنے ان میں
جابجا تبدیلیاں کی ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کے لوگ سنسکرت زبان
کے کامل علم اور علمی مذاق سے ہمیشہ اسی طرح بے بہرہ چلے آئے ہیں جیسے کہ وہ آجکل ہیں
جب انہیں مہاتموں کی عبارت میں نئے مقامات کے نام داخل کرنے کی ضرورت پڑی
تو اسبات کا اندیشہ تھا کہ وہ جدید نام اپنے اصلی قدیم سنسکرت ناموں کی بجائے جدید
کشمیری صورتوں میں درج ہوجائینگے یہ اندیشہ قدرتی طور پر اس وقت بڑھتا گیا جب
سنسکرت زبان کشمیر کی سرکاری زبان نہ رہی تھی اکہ وہ لوگ جو ملک میں فاضل سمجھے
جاتے تھے انہیں بھی قدیم مقامی ناموں کی سنسکرت صورتیں یاد نہ رہیں۔

مہاتموں کے مقامی نام اور عام علم زبان۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مہاتموں
کے مقامی ناموں میں تبدیلی پیدا ہونے کا ایک اور باعث بھی ہوا ہے ہماری مراد
عام علم زبان سے ہے قبل ازیں ہم اسبات کا ذکر کرچکے ہیں کہ کشمیر میں جابجا اس
امر کا رحجان پایا جاتا ہے کہ لوگ خاص خاص مقامات دریاؤں چشموں وغیرہ
کے ناموں کی بنا پر روایتی قصے تیار کرلیتے ہیں۔ بھاشا بیتی لوگ چونکہ سنسکرت زبان

کا اکثر بہت کم علم رکھتے ہیں اسلئے ان کے واسطے اس قسم کی علم زبان کے متعلق روایات کی تشریح آسان ہوتی تھی جنکی بنا جدید مقامی ناموں پر قائم ہو

بلاشبہ یہی وجہ تھی کہ موجودہ ہر مکٹ گنگا مہاتم کے مصنف نے قدیم نام کنک واہنی کی بجائے کرنک ندی درج کر دیا جیساکہ نوٹ نمبر ۲ کتاب ہذا میں واضح کیا گیا ہے ہر مکٹ جھیلوں سے آنے والی ندی کا نام کنک واہنی ہی تمام پرانی کتابوں میں آیا ہے لیکن مہاتم کو ترتیب دینے والے نے اس قدیم نام کی موجودہ صورت کانک ندی کی بجائے کرنک ندی کو اس جگہ درج کر دیا جس کے معنی پنجر والی ندی" کے ہیں اور اس طرح پڑھنے ناظرین کے روبرو ایک دلچسپ روایت پیش کرنے کا موقعہ مل گیا چنانچہ اب اس دریا کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا یہ نام اسلئے پڑ گیا کہ گرڑ نے اس مقام پر جہاں اس کا دریائے سندھ سے اتصال ہوتا ہے رشی ودہی چی کا پنجر جسے اندر نے قبل ازیں بطور ہتھیار استعمال کیا تھا گرا دیا تھا۔ چنانچہ یہ قصہ ہر مکٹ گنگا مہاتم کے پٹل ۳ میں بالتفصیل درج ہے۔

یہ قصہ اگر صحیح بھی ہو سکتا ہے تو یہ بات واقعی عجیب ہے کہ اس کا نیل مت پران یا کسی اور کتاب میں ذکر نہیں آتا لیکن دوسری طرف اسمیں یہ خوبی موجود ہے کہ اسے کشمیری یاتری کے روبرو اچھی طرح واضح اور ثابت کیا جا سکتا ہے آخر الذکر کو فوراً وہ تعلق معلوم ہو جاتا ہے جو کرنک اور کرنز بمعنی پنجر کے درمیان پایا جاتا ہے قبل ازیں نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں اسی قسم کی ایک اور مثال دی گئی ہے جو سودنا رہانگک نام کے بارہ میں ہے اور جسے شاردا مہاتم میں سن دزنگ کی صورت دے لی گئی ہے۔

اس قسم کی مثالیں لاتعداد دی جا سکتی ہیں جنسے معلوم ہو سکتا ہے کہ پروہتوں نے مقامی ناموں کو توڑ موڑ کر کیا کا کیا بنا دیا۔ لیکن سطور بالا میں جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس سے کم از کم ہم اس نتیجہ پر ضرور پہنچتے ہیں کہ مہاتم کی کتابوں میں

جو جغرافیائی معلومات پائی جاتی ہیں انہیں صرف اسی صورت میں استعمال کرنا محفوظ ہو سکتا ہے کہ جب انہیں تنقیدی طور سے جھانا اور انکی معتبر تائید حاصل کیجائے۔

لیکن اس مصالحہ کے تنقیدی امتحان میں یہ مشکل حایل ہے کہ معلوم نہیں خاص خاص مہاتم اور ان کے اجزا رکن کن زمانوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ مشکل اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ کشمیر میں مہاتموں کے قدیم مسودے کہیں بھی محفوظ نظر نہیں آتے بھوج پتر پر لکھے ہوئے یا یوں کہنا چاہیے کہ سترہویں صدی سے پہلے کے مسودے اب بالکل عنقا ہیں کاغذ کے مسودوں کی جہانتک سٹائین صاحب نے پڑتال کی ہے ان میں کوئی بھی دو صدی سے زیادہ عرصہ پہلے کا معلوم نہیں ہوتا۔ یہ امر اغلب ہے کہ قدیم مسودوں کی عدم موجودگی کا باعث یہ ہے کہ سفر میں مہاتموں کو اپنے پاس رکھنے سے انکے ورق پھٹ اور خراب ہو جاتے ہونگے ان کے علاوہ جو مسودے بظاہر پرانے نظر آتے ہیں ان میں بھی تبدیلیوں اور ترمیم کا شبہ ہے گو دوسر طرف یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ بالکل زمانہ حال میں لکھی ہوئی کتابوں میں بھی کہیں کہیں اصلیت موجود ہو ان باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سٹائین صاحب نے اپنے نقشوں میں چھوٹے چھوٹے تیرتھوں کے وہ سینکڑوں نام درج کرنے مناسب نہیں سمجھتے جو مہاتموں میں پائے جاتے ہیں بلکہ اس بارہ میں انہوں نے اپنے اندراجات کو صرف انہی قدیم نام کے تیرتھوں تک محدود رکھا ہے جن کے بارہ میں ان کی معلومات یقینی تھیں

ایک موقعہ پر سٹائین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ میں خوش ہوں مجھے اس بارہ میں ذاتی واقفیت حاصل کرنے کا موقعہ حاصل ہو چکا ہے کہ بعض مہاتم کیونکر تیار کر لئے جاتے ہیں عرصہ دس ایک سال کا گذرتا ہے کہ سرینگر کے حصہ گنپت یار کے پروہتوں یا باچ بٹوں کو ایک قدیم مسجد میں سے لنگ ملگیا اور انہوں نے دریا کے ملیار گھاٹ کے قریب اس کے لئے ایک شوالہ بنانا شروع کیا۔ مقامی روائت کی بنا پر جو ممکن ہے

صحیح ہوا انہیں یقین ہو گیا کہ اس جگہ شودر دہمانیش کا مندر ہوا کرتا تھا جسکا ذکر نوٹ نمبر ۱۳۰ کتاب ہذا میں کیا جا چکا ہے پس انہوں نے اس لنگ کو اسی نام سے استھاپن کر دیا ۱۸۹۱ء میں جبکہ میں اس حصہ شہر کے قدیم مقامات کا معائنہ کر رہا تھا مجھے ورد ہمانیش کا مندر دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا جو ان دنوں زیر تعمیر تھا میں نے جب اس پرانے لنگ اور اس سے متعلق روایت سے دلچسپی ظاہر کی اور کچھ دکشنا بھی دی تو اس چھوٹے سے مندر کا ہیڈ پروہت مجھ سے پرائیوٹ طور پر باتیں کرنے لگ گیا اس شخص کا نام سدت ت رکھا اور وہ اپنی قسم کے لوگوں میں غیر معمولی طور پر ذہین نظر آتا تھا اس نے چند ہی منٹوں میں اس بات کو تسلیم کر لیا کہ اس تیرتھ کا مہاتم ابھی مرتب ہو رہا ہے اس کے چند ہفتہ بعد جب کہ میں سرینگر کے قریب اپنے کیمپ میں تھا ورد ہمانیش مندر کا پروہت مجھسے ملنے آیا۔ اس نے نئے مہاتم کا مسودہ میرے روبرو پیش کیا اور مجھ سے اسکی نظر ثانی میں مدد چاہی

میں نے جب اسے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسمیں زیادہ تر وتستہ مہاتم کے حصے انتخاب کئے ہوئے ہیں۔ ورد ہمانیش اور نواحی تیرتھوں کے متعلق جو شہر کے اندر موجود تھے اس قسم کے تعریفی شلوک دوسری کتب سے اخذ کر کے داخل کئے ہوئے تھے جیسے کہ اکثر مہاتموں میں پائے جاتے ہیں بعض دیگر مقامی مندروں کو بھی جنسے کسی فائدہ کی توقع ہو سکتی تھی ورد ہمانیش کی یاترا میں داخل کر دیا گیا تھا میں نے جہاں تک ممکن تھا انہیں مختلف مقامات کے قدیم نام بتانے میں مدد دی البتہ اس طریق عمل پر مجھے ضرور حیرت ہوئی۔

ابوالفضل۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کشمیر کے مقدس مقامات کی جغرافیائی معلومات کے بارہ میں ہمیں ایک مسلمان مورخ کا ذکر بھی لانا پڑا ہے ہماری مراد اکبر کے اہلکار ابوالفضل سے ہے جس نے آئین اکبری کی اس فصل میں جسمیں سرکار کشمیر کا ذکر کیا گیا ہے اس

وادی کے بہت سے مقدس مقامات کا ذکر کیا ہے دیکھو جلد ا صفحات ۵۶۴ تا ۵۷۰ پروفیسر بلاکمین کی تالیف کردہ آئین اکبری اور جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ تا ۳۶۶ کتاب الیہ مترجمہ کرنیل ایچ۔ ایس۔ جیرٹ۔ ابوالفضل نے کشمیر کے جو مفصل حالات قلم بند کئے ہیں وہ حقیقت میں کئی پہلوؤں سے تاریخی محققوں کے لئے فائدہ مند ہیں لیکن زیادہ قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ بقول ریل صاحب اس قابل مصنف نے اپنے عالیشان آقا کی طرح وادی کے متعلق کسی قدر دلچسپی رکھنے کے باعث" اس کے بارہ میں بہت سی جغرافیائی تحقیقات کی ہے

ابوالفضل لکھتا ہے کہ "ہندو رشی اس ساری سرزمین کو مقدس تصور کرتے ہیں" اس نے عام لفظوں میں مختلف دیوتاؤں کے معبدوں اور "ساپنوں" یعنی ناگوں کی پرستش گاہوں کا بھی ذکر کیا ہے جنکی نسبت بیان کیا ہے کہ عجیب عجیب کہانیاں بیان کیجاتی ہیں" اس کے بعد اس نے قابل ذکر مقامات کو بالتفصیل لکھا ہے اور مقدس مقامات کا بہت کچھ بیان دیا ہے

ابوالفضل کی تحریر کو پڑھکر ہمیں تحقیق معلوم ہو جاتا ہے کہ ۱۶ ویں صدی کے آخر میں کون کونسے تیرتھ مشہور اور مقبول تھے فی الحقیقت اسکی تحریر جدید روایت اور مقامات یاترا کے بارہ میں قدیم بیانات کے درمیان ایک کڑی کا درجہ رکھتی ہے اس سے پہلوں سے حاصل کردہ جغرافیائی معلومات کی بجا تصدیق ہو سکتی ہے کئی جگہ سٹائین صاحب نے ابوالفضل کے حواشی ہی کی مدد سے بعض ایسے قدیم مقامات کا پتہ چلایا ہے جو لوگوں کو فراموش ہو چکے تھے اسمیں شک نہیں سنسکرت تواریخ کے اس خلاصہ کے مانند جو اس نے دیا ہے مقدس مقامات کی فہرست بھی اسے کسی قابل برہمن سے حاصل ہوئی ہوگی

۷۔ مقامی روائت

علما کی۔ روایات۔ اب ہمیں صرف اس قدر دیکھنا باقی رہ گیا ہے کہ کشمیر کی قدیم

جغرافیائی معلومات میں ہمیں ان روایات سے جواب تک چلی آرہی ہیں کیا کچھ حاصل ہو سکتا ہے جس قسم کی روائت سے ہمیں اس وقت سروکار ہے وہ دو قسم کی ہے ایک تو علماً کی شہرت کے بارہ میں روائت جو کم و بیش تحریرات کے ساتھ ساتھ ملک کی قدیم تعلیم گاہوں کے متعلق چلی آتی ہے دوسری خالص مقامی روایت جو اپنی مقررہ حدود کے اندر محدود ہے لیکن جسکا پتہ خاص خاص مقامات کے جاہل اور پڑھے لکھے دونو طرح کے لوگوں میں چلایا جا سکتا ہے

ان لوگوں میں بھی جو مذکورہ بالا قسم کے علما سے تعلق رکھتے ہیں سرینگر کے چند پنڈت خاندانوں کو ہمیں خاص امتیاز دینا پڑتا ہے جنمیں سنسکرت شاستروں کے مطالعہ کا سلسلہ برقرار چلا آیا ہے ان کے علاوہ بارح بٹ بھی ان کتابوں کو اکثر پڑھتے ہیں لیکن سطور بالا میں ہم انکی اہمیت سے کسی قدر واقف ہو چکے ہیں اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسے دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کتابوں میں ملک کے جغرافیہ قدیم کے متعلق کچھ بھی خالص معلومات نہیں ہیں جو اس جماعت کے لوگوں نے نسبتاً زمانہ حال میں لکھی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پرد ہتوں کو سنسکرت کا بے حد مختصر علم ہوتا ہے ان کے مطالعہ میں اور مہاتم وغیرہ آتے ہیں یا اس کے علاوہ وہ بعض خاص خاص مذہبی کتابیں طوطے کیطرح رٹ لیتے ہیں اس صورت میں ہم ان سے اس بات کی توقع نہیں رکھ سکتے کہ ان کے اندر ان تاریخی طور پر دلچسپ مقامات کے بارہ میں جنکا ذکر صرف تواریخ کشمیر میں آیا ہے کوئی خاص معلومات قائم چلی آئی ہوں انکی شہادت اگر قابل غور ہو سکتی ہے تو صرف مقدس مقامات یاترا کے راستوں یا اور اسی قسم کی چیزوں کے بارہ میں ہو سکتی ہے جنکا تعلق ان کے پیشہ کے ساتھ ہے لیکن بدقسمتی سے جیسے کہ ہم قبل ازیں دیکھ چکے ہیں اس محدود دائرہ میں بھی پرد ہتوں کی روایات بعض صورتوں میں بالکل جدید ترا مانہ

کی ہیں اس صورت میں ان[۱] کے بیانات کو اگر تسلیم کیا جا سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ پہلے انہیں پورے طور پر تنقیدی احتیاط کے ساتھ جانچ لیا جائے۔

تیرتھ سنگرہ۔ زمانہ حال کے پنڈتان کشمیر میں جس قسم کی علمی روایات موجود پائی جاتی ہیں ان کا بہترین اندازہ ان معلومات کا امتحان کرنے سے ہو سکتا ہے جو پنڈت صاحب رام سرگیا شی نے قدیم مقامات کے بارہ میں ہم پہنچائی ہیں پنڈت صاحب رام کو جو گذشتہ چند نسلوں میں کشمیر کے علما نے زبان سنسکرت میں درجہ اول پر ہو گذرا ہے مہاراجہ رنبیر سنگھ مرحوم نے یہ کام سپرد کیا تھا کہ وہ کشمیر کے تمام قدیم تیرتھوں کے حالات قلم بند کرے اس مطلب کے لئے چند پنڈتوں کا عملہ اسکی مدد کیلئے تیار کیا گیا جسکا کام یہ تھا کہ ملک کے مختلف حصوں سے ضروری مصالحہ جمع کرے۔ اس مصالحہ عظیم کی بنا پر جو بڑی کتاب مرتب کی جانی تھی وہ تو مکمل ہی نہ ہوئی اور اس مصالحہ کے بھی شائع صاحب کو صرف چند ایک حصے دستیاب ہوئے۔ یہ حصے زیادہ تر شمال مشرقی پرگنوں کے متعلق تھے اور ان میں بزبان سنسکرت ناگوں لنگوں وغیرہ کی کیفیت ان کے متعلق معجزانہ قصے اور انکی پرستش کی دعائیں مذکور ہیں انکی عبارت میں جا بجا عجیب عجیب نقشہ و پیادر نقشے بھی دیے گئے ہیں بہر نوع پنڈت صاحب رام نے اپنے مرنے سے پیشتر اس واقفیت کا جو اس نے حاصل کی ایک خلاصہ تیار کر دیا تھا جسکا نام اس نے کشمیر تیرتھ سنگرہ رکھا جسکی بعض نقول سٹائین صاحب کو بھی دستیاب ہوئیں۔

اس مختصر کتاب میں بیشمار تیرتھوں کی فہرست دی گئی ہے اور انکی مقامیت اور خاص خاص پہلوؤں کے بارہ میں چند ایک سطور بطور کیفیت بھی درج کی گئی ہیں ان تیرتھوں کو پرگنوں کی جغرافیائی ترتیب کے مطابق لکھا گیا ہے۔ کتاب اس لحاظ سے مفید ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں مقامی طور پر کن کن تیرتھوں کی پرستش ہوا کرتی تھی لیکن ساتھ ہی اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وادی کشمیر کے قدیم جغرافیہ کا بغور مطالعہ کرنے میں اس قسم کی معلومات سے کہانتک کم مدد حاصل ہو سکتی ہے

پنڈت صاحب رام کے دیئے ہوئے مقامی نام۔ پنڈت صاحب رام نے ہر ایک تیرتھ کی مقامیت اس طرح پر ظاہر کی ہے کہ اس علاقہ کا جسمیں وہ واقع ہے نام لکھ کر اس کے قریب ترین گاؤں یا کسی اور مشہور مقام کا نام لکھ دیا ہے اسمیں شک نہیں کہ نا مثل مولف کا منشاء تمام ناموں کو انکی قدیم سنسکرت صورتوں میں درج کرنیکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے متعدد مقامات کے پرانے نام صحیح طور پر لکھے ہیں لیکن بدقسمتی سے اس قسم کے ناموں کی تعداد ان ناموں کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے جو صاف طور پر خود بنائے ہوئے نظر آتے ہیں اور جو اس لحاظ سے ویسے ہی فضول اور نکمے ہیں جیسے وہ جو مہاتموں میں پائے جاتے ہیں۔

اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحات ۴ و ۳۸ کے مطابق پنڈت صاحب رام اس قابل ہے کہ اسے جدید کشمیری فضلا میں سے بہترین سمجھا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۃ الصدر بیان کی تائید میں چند مثالیں پیش کیجائیں۔ یہ مثالیں ہم ان مقامی ناموں کی دیتے ہیں جنکی صحیح صورتوں کی تصدیق راج ترنگنی سے بآسانی ہو سکتی ہے ناگ سنتر وس کی جھیل کا نام جو آجکل ستشرم ناگ کہلاتی ہے ایک موقعہ پر ستشرم ناگ اور ایک اور جگہ سششن ناگ لکھا گیا ہے ہولدا۔ لولاہ اور کھوئی آشرم کے قدیم پرگنوں کے نام ان کے جدید نام ولر۔ لولاڑ اور کھوئی ہوم کی بنا پر ولہ للو اور کھوئی ہام راشٹرکیصورت میں دئے گئے ہیں بانہال جسکا قدیم نام بانشالا تھا اسے بھانو شالا کی صورت میں لکھا گیا ہے کھرو کا قدیم نام کھدووی لوک پرکاش میں بھی صحیح طور پر درج ہوا ہے لیکن اس کتاب میں کھراو آیا ہے قدیم موضع جیون کا نام مہاتموں میں تو غلط آیا ہی تھا اسمیں بھی جیون کی صورت میں لکھا گیا ہے رنیل کا قدیم نام ہرینہ پور ہوا کرتا تھا۔ لیکن تحجل کی تاریخی پرداز نے اسے اس کتاب میں راجہ رنادتیہ کے قائم کردہ مقام کیصورت دی ہے۔

اس قسم کی مثالوں کے بعد جب ہم مشک پور، راموش اور کرتیا شرم کے نام اشنکر ناگام اور کیچک آشرم دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں چنداں حیرت نہیں ہو سکتی۔ تیرتھوں کے علاوہ وہ پنڈت صاحب رام نے جن اضلاع۔ قصبات۔ دیہات۔ ندیوں۔ جھیلوں اور اور جغرافیائی مقامات کا ذکر کیا ہے ان سب کی تعداد کم و بیش پانسو ہے لیکن اس عظیم تعداد میں شاید دو درجن نام اس قسم کے ہونگے جو قدیم حوالہ کے مطابق درست ہوں۔

پنڈت صاحب رام ان محدودے چند جدید کشمیری علماء میں سے تھا جنہوں نے راج ترنگنی اور بعد کی تاریخوں پر اپنا زیادہ وقت صرف کیا ہے چنانچہ اس بات کی تصدیق ان تاریخی اقتباسات سے ہوتی ہے جو اس نے راج ترنگنی سنگرہ میں دیے ہیں جسے پروفیسر بوہلر نے حاصل کر لیا تھا اس کے متعلق یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اس نے جغرافیائی دلچسپی کے امور کی توضیح کے بارہ میں کچھ بھی کوشش نہیں کی اس صورت میں یہ بات واقعی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ تیرتھ سنگرہ میں اس نے جغرافیہ قدیم کے متعلق کیونکر اس قسم کی عدم واقفیت کا اظہار کیا لیکن غور کیا جائے تو اسکی ایک خاص وجہ نظر آجاتی ہے۔

کشمیر میں روایتی طور پر تیرتھوں وغیرہ کے علاوہ جن مقامات کی نسبت لوگوں میں واقفیت چلی آئی ہے وہ صرف اس قسم کی چند ایک جگہوں پر مشتمل ہیں جنسے پنڈتوں کو کچھ خاص دلچسپی تھی چنانچہ دارالسلطنت پرورپور سرینگر اور اس کے مختلف محلوں نیز قصبات وجیشور۔ سوپور۔ وراہ مولہ اور وادی کے بعض دیگر اہم مقامات کے نام اپنی قدیم سنسکرت صورتوں میں اس وقت تک چلے آئے ہیں یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت مسودوں کی آخری سطور ضمیمہ تیرتھوں وغیرہ میں ہمیشہ سے ان ناموں کی یہی صورتیں استعمال ہوتی چلی آئی ہیں۔ بعض دیگر مقامات مثلاً جیندر پور۔ دامودر اُدر چکر دھر وغیرہ کے متعلق اس قسم کی مقبول عام روایات چلی آتی ہیں جیسے صاف طور

پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مقامات ہیں جنکا ذکر راج ترنگنی میں آیا ہے لیکن عام قدیم ناموں کی اصلی صورت کی برقراری کسی صورت سے یقینی نہ ہو سکتی تھی اس لئے یہ امر قدرتی ہے کہ انکی شناخت اور ابتدائی تاریخ کے بارہ میں تمام صحیح واقفیت تاریخ پنڈتوں کی یاد سے محو ہو گئی ہے

اس طرح پر جو واقفیت زایل ہو چکی ہے اسے دوبارہ حاصل کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ جدید تاریخی تحقیقات کے طریقوں پر باقاعدہ تفتیش کا سلسلہ جاری کیا جائے

مقامی روایات ۔ لیکن علمار کی روایات کی نسبت مقبول عام مقامی روایات زیادہ مستعمل ثابت ہوئی ہے بعض خاص خاص مقامات کی مقامی تلاش میں اس سے بہت کچھ مدد ملتی رہی ہے سٹائین صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے آثار قدیمہ کی تحقیق میں جسقدر سیر و سیاحت کی ہے اس کے تجربہ نے مجھے اس بات کا یقین دلا دیا ہے کہ اس قسم کی مقامی روایات کو اگر احتیاط سے جمع کیا اور تنقیدی طور پر تحقیق کر لیا جائے تو تحریری جغرافیائی معلومات میں ان سے بہت کچھ صحیح مدد مل سکتی ہے چنانچہ اسی ضمن میں یہ بیان کرنا بے موقعہ نہ ہوگا کہ لوہر ہستی درنج ۔ کرم ورت رجے پور سکند بھون وغیرہ کے متعلق بہت سی واقفیت اسی ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے

ایک سے زیادہ صورتوں میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو مقامی روایات کلہن کے سننے میں آئی تھیں وہ اب تک ان خاص مقامات کی نسبت مشہور چلی آتی ہیں ۔ چنانچہ اس بارہ میں دامودر اور راجہ سز کے جلے ہوئے شہر اور پرورش کے مندر کی روایات مذکورہ

نوٹ نمبر ۶۳ ۔ ۸۲ ۔ و ۱۰۷ کتاب ہذا قابل ذکر ہیں۔

اسمیں کلام نہیں کہ کشمیر میں ان مقامی روایات کا سلسلہ اسطرح مدت تک قائم رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ملک بالکل الگ تھلگ واقعہ ہے کوہی روکاوٹیں پہاڑی ملکوں کو جو کہ

علیحدہ رکھتی ہیں اس لئے ان ممالک کے لوگوں میں عادات واطوار کا ایک ہی سلسلہ ازل سے
چلا جاتا ہے چنانچہ یہ عادات وادی کے باشندوں میں نمایاں طور پر دیکھی جاتی ہیں
اور اسی بات نے ان روایات کے استقلال میں بہت بڑی حد تک حصہ لیا ہے۔

تیسرا باب

عام جغرافیہ

۱۔ وادی کشمیر کا محل وقوع اور اس کی شکل صورت

معلوم ہوتا ہے کہ جب قدرت نے عظیم الشان وادی کشمیر کو پیدا کیا اور اس کے گرد "دیوار کوہ" کھینچی تو اس وقت نہ صرف اسے جغرافیائی طور پر علیحدہ کر دیا بلکہ اس کا تاریخی وجود بھی جداگانہ قائم کیا تھا چنانچہ ان دونوں باتوں کی تصدیق سب سے بڑھ کر اس بات سے ہوتی ہے کہ نہایت قدیم زمانہ سے اس ملک کا وہی نام ہمیشہ استعمال ہوتا چلا آیا ہے۔

کشمیر کا نام۔ کشمیر کا نام اصلی سنسکرت صورت میں اسکی اس قدر تاریخ میں جو معلوم ہے ہمیشہ استعمال ہوتا رہا ہے اس نام کا استعمال نہ صرف اہل ملک بلکہ غیر ملکی لوگوں کی طرف سے بھی ہوا کیا ہے بحالت موجودہ ہم اس نام کے استعمال کی تصدیق مسلسل طور پر ۲۳ صدی کے عرصہ کے لئے کر سکتے ہیں لیکن یہ نام بجائے خود اس سے بھی قدیم ہے باوجود اس طویل تاریخی عرصہ کے اس نام کی مروجہ صورت میں ملک کے اندر بہت ہی کم اور ملک کے باہر بالکل ہی صورت نہیں بدلی۔

سنسکرت زبان کا لفظ کشمیر اب تک ہندوستان کے ہر حصہ میں اور مغرب کے

بھی جہاں کہیں اس وادی کی شہرت پھیل چکی ہے مشہور ہے لیکن باشندگان وادی خود
اس لفظ کا تلفظ کشیر کرنے لگے ہیں یہ لفظ براہِ راست کشمیری سے نکلا ہوا ہے چونکہ انڈو
آرین ورنیکولر زبانوں میں سنسکرت الفاظ کا درمیانی "م" مبدل بہ "و" ہو جاتا ہے اس
لئے پراکرت میں یہ نام کشویر رہ چکا ہے۔

نام کی تشریح - علم زبان کی رو سے ہمیں اس نام کی ابتدا یا اسکی ترکیب کا کچھ پتہ
نہیں چلتا۔ لیکن باوجود اس کے مختلف لوگوں نے اس نام کی ترکیب کے بارہ میں
مختلف قیاس دوڑائے ہیں جنکا ذکر اس جگہ محض اس لحاظ سے کر دینا ضروری معلوم
ہوتا ہے کہ ناظرین کا استعجاب رفع ہو جائے۔ کشمیر کے سنسکرت مصنفوں کی نسبت
یہ بیان کر دینا ضروری نظر آتا ہے کہ ان کی تحریروں میں اس قسم کے قیاسات کہیں
نظر نہیں آتے۔

ہماری اس فہرست کا افتتاح شہنشاہ بابر سے ہوتا ہے اس نے یہ خیال ظاہر کیا
تھا کہ شاید یہ نام پہاڑی قوم کا "کش" سے لیا گیا ہو۔ جو لواحات کشمیر میں آباد ہے چنانچہ
اس کا ذکر اسکی تزک سترجمہ لیڈن دار سکین صاحب کے صفحہ ۳۱۲ پر پایا جاتا ہے
اسی کتاب کے ایک فارسی مسودہ میں مذکور ہے کہ لفظ میر سے مراد پہاڑ سے ہے اور
سکین صاحب نے اس کتاب کی تمہید صفحہ ۲۷ پر لکھا ہے کہ کاشغر (کاشغر) کا نام
بھی اسی طرح بنا ہے۔ بابر کے اسی قیاس کا ذکر سنجیدگی کے ساتھ آئین اکبری کے تازہ
ترین ترجمہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۱ پر آیا ہے اس جگہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کاش کے مراد
کھشوں سے ہے جو جنوبی پہاڑوں میں آباد ہوا کرتے تھے اور جن کے حالات دسکونت
پر نوٹ نمبر ۱۰۴ میں پورے طور پر بحث کی گئی ہے

اس نام کی ایک اور ترکیب جسکا ابتدائی مورخ حیدر ملک کی تاریخ میں آتا ہے
اور جسے بعد کے اکثر اسلامی مورخوں نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ اس نام کا ابتدائی -

کشپ یعنی کشیپ اور دوسرا کشمیری لفظ "مر" یعنی مٹھ بمعنی آبادی یا "میر" بمعنی (مفروضہ) پہاڑ سے لیا گیا ہے یورپین مورخوں میں سب سے اول اس کا ذکر بقین بقیلد صاحب نے حیدر ملک کی تاریخ کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کیا تھا اسی قسم کا ایک نوٹ محمد اعظم کی کتاب واقعات کشمیر سے ٹیکر و سن صاحب نے اپنے "ایسے" کے صفحہ ۴۹ پر دیا ہے گو اس جگہ تحریر کی غلطی سے کشف میر کی بجائے کشف سر لکھا گیا ہے کشمیری زبان کا لفظ "مر" بمعنی مٹھ ملک کے اندر عام طور پر سراؤں اور دردوں کی جائے پناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے اس فرضی ترکیب کے متعلق لوگوں میں یہ خیال جاگزین ہو چکا تھا کہ اس کی تہ میں کوئی مقامی روائت ہے کیونکہ اسی وجہ سے غالباً بر نوف جیسے تبحر فاضل نے یہ قیاس ظاہر کر دیا تھا کہ کشمیر شاید کشیپ میر سے نکلا ہے جس کے معنی بحر کشیپ کے ہیں ہمیں بھی اس جگہ اس کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت محسوس ہوتی لیکن مشکل یہ ہے کہ ایک نامی گرامی فاضل کے ساتھ منسوب ہو جانے کی وجہ سے یہ غلطی اور بھی بہت سی کتابوں تک پہنچ چکی ہے جنہیں سے قابل ذکر حسب ذیل ہیں

(۱) لیسن صاحب کی کتاب انڈش آلٹر تھم سکنڈ جلد ۱ صفحہ ۵۴ کا نوٹ۔ (۲) ہیکر نڈل صاحب کی کتاب "قدیم ہندوستان بیان کردہ بطلیموس" صفحہ ۱۰۸ (۳) دی رڈی سینٹ مارٹن صاحب کی کتاب میموایر ڈی لا اکیڈمی ڈیس انسکرپٹ سو ایزگ سلسلہ نمبر ۲ جلد ۵ صفحہ ۳۰۸ (۴) کیپرٹ صاحب کی کتاب آلٹی جیاگرمی ایڈیشن ۱۸۷۸ء صفحہ ۳۶

مولوی محمد الدین صاحب اپنی مختصر تاریخ کشمیر میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلیمان اپنے تخت پر سوار ہو کر سیر کرتے ہوئے ستی سر پر آ نکلا اور اس جگہ کو فرحت افزا اور دل کشا دیکھ کر حکم دیا کہ اس کا پانی نکالا جائے مگر تمام دیودل نے اس حکم کی تعمیل سے معذوری ظاہر کی مگر کشف نام ایک دیو نے جو کہ میر نام ایک پری پر عاشق تھا عرض کی کہ اگر میری معشوقہ میرے حوالے کرنے کا وعدہ کیا جاوے تو میں اس کام کو انجام دے سکتا ہوں سلیمان

نے اسکی درخواست منظور کرلی اور کشف دیو نے پہاڑ کو کاٹ کر دریائے جہلم کے راستے کل
پانی نکال دیا سلیمان نے خوش ہو کر اسکی معشوقہ (میر پری) اس کے حوالے کردی اور اس
ملک کا نام بھی اس کے اور اسکی معشوقہ کے نام پر کشف میر مشہور ہوگیا لیکن منشی محمد الدین
صاحب فوق اپنی تاریخ کشمیر میں لکھتے ہیں کہ جن مسلمان مورخوں نے ستی سر کے پانی
نکالنے کا آلہ حضرت سلیمان کو قرار دیا ہے انہوں نے صریح غلطی کھائی ہے بعض پہاڑوں
پر حضرت سلیمان کی نشستگاہوں کا پایا جانا اس امر کی کوئی شافی دلیل نہیں کہ اس
نے کشمیر کی بنیاد ڈالی تھی اگر بے تعصبی کی نگاہ سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ
اس زمین کو آباد ہوئے پانچہزار برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے لیکن حضرت سلیمان
کلجگ کے شروع ہونے سے بھی اٹھارہ سو برس بعد ہوئے ہیں پس یہ کس طرح ممکن
ہو سکتا ہے کہ اپنے زمانہ سے دو ہزار برس پہلے انہوں نے سرزمین کشمیر کو آباد کیا ہو۔ باغ
سلیمان کا نام بھی ایسے ہی مورخوں نے اس کو دے رکھا ہے ورنہ اسکا کوئی کافی ثبوت
نہیں کہ حضرت سلیمان نے ہی اسے آباد کیا تھا۔ اول تو یہ نام عام طور پر رائج ہی نہیں
صرف بعض بعض کتابوں ہی میں دکھلائی دیتا ہے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان
نے بھی اسکی دلفریبی کو پسند کیا ہو اور اسے باغ سلیمان کے نام سے پکار لیا ہو۔ اس
طرح عرفی نظامی وغیرہ شعرا کا جنت یا فردوس کا خطاب دینا کشمیر کو جنت بھی نہیں بنا
سکتا اس قسم کے اقوال محض غلط فہمی پر مبنی ہیں اصل کیفیت یوں ہے کہ حضرت مسیح سے
دو ہزار بیالیس سال پہلے راجہ سندرسین کے عہد میں شہر سلامت نگر قہر الٰہی سے غرق
آب ہوگیا تھا (شہر سلامت نگر اس مقام پر آباد تھا۔ جہاں اب جھیل ولر لہریں مار رہی
ہے) اس طغیانی سے کامراج کا ایک بڑا حصہ پانی میں آگیا اور سات سو ساٹھ سال تک
تقریباً کشمیر کی نصف وادی پانی کے نیچے دبی رہی حضرت مسیح سے بارہ سو بیاسی سال
پہلے راجہ نرندر کے عہد حکومت میں جب حضرت سلیمان وارد خطہ ہو کر یہاں قیام پذیر

ہوئے۔ تو انکی علو دشان کو دیکھ کر راجہ اور پرجا دونوں نے اس پانی کے تدارک کیلئے اس سے درخواست کی اور اس نے پانی نکلوا کر علاقہ کامراج میں دوبارہ آبادی کی بنیاد ڈالدی پنڈت رتناگر کی تاریخ نہ ملنے کے باعث اکثر مورخ اس واقعہ سے بالکل ناآشنا ہیں مگر سلیمان کے پانی نکلوانے کی آواز چونکہ ان کے کانوں میں پہونچی ہوئی ہے اسلئے انہوں نے ستی سر خشک کرنے کا ذریعہ بھی اس کو قرار دیا ہے جو بالکل خلاف واقعات ہے

کشمیر کی وسعت۔ جسطرح اتنی صدیاں گذرنے پر بھی کشمیر کے نام میں کوئی فرق واقعہ نہیں ہوا ایسے ہی اس ملک کی حدود میں کوئی اختلاف ظہور میں نہیں آیا۔ چنانچہ یہ نام ہمیشہ اس عظیم وادی کے لئے مخصوص رہا ہے جسے دریائے وتستہ سیراب کرتا ہے یا اس کے علاوہ یہ نام اس پہاڑی حلقہ کی اندرونی ڈھلوانوں کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے جو اس کے گرد واقعہ ہے اس علاقہ کی وہ قدرتی حدود جو اس جگہ نمایاں کی گئی ہیں اس قدر واضح ہیں کہ ان کا پتہ تمام ملکی و غیر معمولی تحریروں میں صاف طور پر چل جاتا ہے جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے ان کا پتہ صاف طور پر ہیون سانگ او کانگ اور البیرونی کے بیانات سے چل جاتا ہے کلہن اور اس کے جانشین مورخوں کی تحریروں سے یہ بات اور بھی مفصل طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ کشمیر جسکی اہل کشمیر میں روایت چلی آتی ہے کبھی ان عظیم کوہی سلسلوں سے آگے نہیں بڑھی جو اسے محصور و محفوظ کئے ہوئے ہیں۔

اس جگہ کشمیر کے جغرافیائی محل وقوع کی مفصل کیفیت دینے کی کوئی ضرورت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس قسم کا لٹریچر بکثرت موجود ہے جس سے اس ملک کے جغرافیہ کے مختلف پہلوؤں پر کافی روشنی پڑتی ہے چنانچہ جو صاحب اس قسم کی معلومات سے خاص دلچسپی رکھتے ہوں وہ مسٹر ڈریو کی کتاب "جموں" کی فصل ۸ تا ۱۰ اور لارنس صاحب کی کتاب "ویلی" صفحات ۱۲ تا ۳۹ کے مطالعہ سے کافی حظ حاصل کرسکتے

ہیں۔ اس جگہ صرف اس قسم کی خاص باتوں کے ذکر پر اکتفا کیا جائیگا جنکا تعلق ملک کے جغرافیہ قدیم سے ہے۔

کشمیر کا جغرافیائی محل وقوع۔ کشمیر کے تاریخی طور پر ایک اور باقی سب سے الگ تھلگ رہنے کا باعث بھی وہی امور ہیں جنہوں نے اس کے جغرافیائی محل وقوع کو ایک خاص اور بعض وجوہ سے ایک عجیب پہلو سے رکھا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک زرخیز میدان بلند کوہی سلسلوں میں محفوظ ہے یہ ایک اتنی بڑی وادی ہے جو بجائے خود ایک اعلےٰ درجہ کی تہذیب کی تمام ضروریات کو خود بخود پورا کر سکتی ہے سطح سمندر سے اسکی بلندی کسی مقام پر بھی ۵۰۰۰ فٹ سے کم نہیں اس وجہ سے و نیز اس کے خاص محل وقوع کے باعث اس جگہ کی آب و ہوا اس قسم کی ہے جسمیں نہ تو ہندوستان کے موسم گرما کی حرارت اور نہ شمال اور مشرق کے کوہی سلسلوں کی کڑکڑاتی سردی پڑتی ہے

ظاہری صورت کے اعتبار سے اس ملک کو بجا طور پر ایک اس قسم کی بے قاعدہ بیضوی شکل سے تشبیہ دیگئی ہے جس کے مرکز میں ایک اسی صورت کی لیول گھاٹی اور گرد پہاڑوں کا حلقہ ہے ملک کا نشیب یا کم و بیش چپٹا حصہ جنوب مشرق سے شمال مغرب تک کوئی ۸۴ میل لمبا ہے اور چوڑائی اسکی مختلف حصوں میں ۲۰ سے ۲۵ میل تک ناپی گئی ہے۔ جیسا کہ ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" کے صفحہ ۱۶۲ سے معلوم ہوتا ہے اس حصہ کا رقبہ ۱۸۰۰ سے ۱۹۰۰ مربع میل شمار کیا گیا ہے اس عظیم میدان کے گرد پہاڑوں کے سلسلے اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ قریباً ایک مسلسل حلقہ بن گیا ہے اس بیضوی صورت کے سنہلے جنوب کے تھوڑے حصہ کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو باقی ہر جگہ انکی چوٹیاں سطح بحر سے دس ہزار فٹ سے زیادہ اونچی ہیں ان کا بہت سا حصہ قریباً ۱۳۰۰۰ فٹ تک بلند ہے۔ اور انہیں سے دمنی تو ۱۸۰۰۰ فٹ کی بلندی کی خبر لاتی ہیں ان سلسلوں کی چوٹی کی سطور سے اندازہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے

اندر جو بے قاعدہ بیضوی شکل محصور ہے وہ ۱۱۶۵ میل کے قریب ہے اور اسکی چوڑائی مختلف جگہوں
میں ۴۰ سے ۷۵ میل تک مختلف ہے ان کوہی حدود کے اندر جسقدر رقبہ محصور ہے۔ اس سارے
کا اندازہ کم وبیش ۳۹۰۰ مربع میل کیا جا سکتا ہے۔ ان پہاڑوں کے وہ حصے جو مرکزی میدان
کیطرح ڈھالو ہیں بیشمار دریاؤں اور ندیوں سے سیراب ہوتے ہیں اور یہ سب کے سب میدان
کشمیر کے اندر دریائے وتستہ میں جا ملتے ہیں۔ یہ معادن چونکہ بغلی وادیوں میں ہوکر بہتے
ہیں اسلیئے ملک کا مزروعہ رقبہ بہت بڑھ گیا ہے چنانچہ ان میں سے بعض حصوں کی
لمبائی چوڑائی واقعی بہت زیادہ ہے لیکن پہاڑوں کی ڈھلوانوں کے بلند طبقات میں
جہاں زراعت نہیں ہو سکتی۔ ملک کی مالی دولت میں اضافہ کرنے والی اور چیزیں موجود
ہیں چنانچہ اس حصہ میں دور تک شاندار جنگل اگے ہوئے ہیں اور ان سے بھی اوپر
اس مقام تک جہاں دوامی برف جمی رہتی ہے نہایت زرخیز کوہی مرغزار واقعہ ہیں
اس عظیم کوہی زنجیر میں جو ملک کو چاروں طرف سے لپیٹے ہوئے ہے صرف ایک تنگ
راستہ وادی کے شمال مغربی سرے کے قریب رہ گیا ہے اس جگہ پر دریائے وتستہ
کشمیر کی تمام ندیوں اور دریاؤں سے ملکر بارہ مولا کی کھڈ سے نکلکر سمندر کا راستہ اختیار
کرتا ہے قریباً ۸۰ میل کے فاصلہ تک اس کا راستہ ایک نہایت تنگ وادی میں سے
ہوکر گذرتا ہے جس سے ایک طرح یہ وادی کشمیر کا قدرتی دروازہ بن گیا ہے معلوم ہوتا
ہے کشمیر کی یہی قدیم سیاسی حد ہوا کرتی تھی جسکی نسبت قبل ازیں بیان کیا جا چکا
ہے کہ وہ کوہی حدود سے آگے بڑھی ہوئی تھی۔ بارہ مولا کی کھڈ سے نیچے کیطرف کوئی
۵۰ میل کے فاصلہ تک دریائے وتستہ کی تنگ وادی ازمنہ ہنود میں کشمیر کے راجاؤں
کے قبضہ میں بطور ایک سرحدی علاقہ کے رہ چکی ہے۔

ستی سرس کی روایت۔ سطور بالا میں کشمیر کا جو خاکہ اسکی وسیع ترین حالت
کا دیا گیا ہے اسی کو اس قدیم روایت کا موجب خیال کرنا چاہیئے جسکی رو سے خیال

کیا جاتا ہے کہ ابتدا میں کشمیر ایک جھیل ہوا کرتی تھی اس روایت کا ذکر کلہن نے راج ترنگنی کے دیباچہ مندرجہ ترنگ اشلوک ۲۵ تا ۲۷ میں کیا ہے اور نیل مت پران کے شلوک ۲۶ تا ۲۲۷ میں بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے قدیم روایت یہ ہے کہ ستی سرس نامی جھیل جس کے معنی ستی (درگا) کی جھیل کے ہوتے ہیں آغاز کلپ سے اس جگہ واقع ہوا کرتی تھی۔ جہاں اب کشمیر آباد ہے ساتویں منو کے زمانہ میں دیت جلودبھو (پیدائش آپ) نے جو اس جھیل میں رہا کرتا تھا نواحی ملکوں میں اپنی تباہی اور غارت گری کے ذریعہ بے حد اودھم مچانا شروع کیا۔ ان دنوں تمام ناگوں کے پتا منی کشیپ شمالی ہند کے تیرتھوں کی یاترا کر رہے تھے انہوں نے اس مصیبت کا حال اپنے بیٹے نیل سے جو کشمیر کے ناگوں کا راجہ تھا سنا۔ اس پر انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم اسے اسکی شرارت کی سزا دینگے اور اس مطلب کے لیئے مدد کی التجا کرنے برہما کے پاس پہنچے اور ان سے دوسرے دیوتاؤں کو بھی امداد پر آمادہ کرنے کے لئے کہا انکی التجا منظور ہوئی۔ برہما کا حکم پا کر سبھی دیوتا ستی سرس کیطرف روانہ ہوئے اور جھیل کرم سرس (کونسر ناگ) کے اوپر کی طرف نوبند ہن تیرتھ کی بلند چوٹی پر قیام کیا۔ دیو کو پانی کے اندر اس قدر طاقت حاصل تھی کہ کوئی اس پر غالب نہ سکتا تھا اور پانی سے باہر وہ نکما نہ تھا اس پر وشنو نے اپنے بھائی بل بدر سے جھیل کا پانی خارج کرنے کے لئے کہا۔ اس نے ہل کے پھل سے پہاڑ میں سوراخ کر کے سارا پانی خارج کر دیا جبوقت جھیل خشک ہوگئی۔ تو وشنو نے جلودبھو پر حملہ کیا اور سخت لڑائی کے بعد آخر سے چکر کے ذریعہ مار گرایا۔

اس طرح پر جو سرزمین کشمیر نمودار ہوئی۔ کشیپ نے اسمیں رہائش اختیار کر لی۔ دیوتا اور ناگ اسمیں سکونت پذیر ہوگئے اور مختلف دیویوں نے ندیوں کیصورت میں ملک کو آراستہ کیا ابتدا میں یہ حالت تھی کہ اس ملک کے اندر آدمی سال میں صرف چھ ماہ سکونت پذیر رہتے تھے اس کا باعث یہ تھا کہ کشیپ نے ناگوں سے ناراض

انہیں شراپ دیا تھا کہ تم چھ ماہ کا عرصہ پشاچوں میں رہا کروگے۔ چنانچہ لوگ سردیوں کے چھ
مہینے کشمیر چھوڑ کر چلے جاتے تھے اور اس عرصہ میں وہاں پشاچوں کا دور دورہ رہتا تھا اس
کے بعد ماہ چیت میں پشاچ وہاں سے ہٹ جاتے اور لوگ پھر آباد ہو جایا کرتے تھے آخر
کار ہم یگ کا عرصہ گذرنے پر برہمن چندر دیو نے نیل ناگ کی مہربانی سے بعض اس قسم
کی رسوم ادا کیں جنسے ملک پشاچوں سے پاک و صاف ہو گیا اور پھر وہاں وہ شدت کی
سردی بھی پٹنی بند ہو گئی۔ پھر یہ حالت ہو گئی کہ لوگ برابر سال بھر اسمیں رہ سکتے تھے۔

یہ سچ ہے کہ کشمیر کا علاقہ پہلے ایک تالاب کی شکل میں تھا اور کشپ رشی نے دیوتاؤں کی
مدد سے پانی کو نکال کر ملک کو آباد کیا تھا مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کشمیر کا کل علاقہ
ہی زیر آب تھا اور وہاں آبادی نام کو بھی نہ تھی اسکی تصدیق اس طرح پر ہوتی ہے۔ کہ
شارک مہاتم میں ںکاسر دیو کا ذکر پایا جاتا ہے جو لوگوں کو سخت تکلیف دیتا تھا اور
بھگوتی شارکا نے لوگوں کو اس کے ظلم سے بچانے اور ںکاسر دیو کو قتل کرنے کے لئے
اوتار لیا تھا۔ چنانچہ کشپ رشی نے بھی جس دیو کو قتل کیا تھا اسکی بابت لکھا ہے کہ وہ
لوگوں کو ایذا دیا کرتا تھا۔ پس اگر کشمیر میں آبادی ہی نہ تھی تو یہ دیو تکلیف کن لوگوں
کو دیتے تھے؟ پس ماننا پڑتا ہے کہ جس وقت کشمیر کا بہت سا علاقہ زیر آب تھا اسوقت
بھی کشمیر میں آبادی ضرور تھی۔

جھیل کو خشک کرنے کی روائت کا حوالہ ہیون سانگ نے بھی دیا ہے لیکن جیسا کہ
اسکی کتاب سی۔ یو۔ کی ترجمہ بیل صاحب کی جلد ا صفحہ ۱۴۹ سے معلوم ہو سکتا ہے۔
اسے ایک اور بودہ صورت میں دیا گیا ہے جس صورت میں یہ روائت نیل مت پران
میں مذکور ہے اسکے خاص خاص حصے روایت کے طور پر آجتک لوگوں میں مشہور ہیں
ان کا ذکر ان تمام خلاصوں میں بھی موجود ہے جو مختلف اسلامی تاریخوں میں قدیم
تاریخ سے اخذ کرکے دیئے گئے ہیں مقابلہ کے لیے دیکھو آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۸۰۔

ولسن صاحب کا "لیبے" صفحہ ۹۳ ڈاکٹر برنیر کو بروایت حیدر ملک کی تاریخ سے معلوم ہوئی تھی جس لئے اس کا ذکر "ہندوستان کے فردوس بریں" کی کیفیت قلم بند کرتے ہوئے کیا ہے (دیکھو برنیر صاحب کی کتاب ٹریولز اڈیشن شائع کردہ کانسٹبل صفحہ ۲۹۳) اس جگہ سے اس کا ذکر ان تمام حالات کشمیر میں ہوتا گیا ہے جو اہل یورپ نے قلم بند کئے ہیں۔

وادی کشمیر کے بارہ میں ارضی معلومات۔ یہ امر اغلب ہے کہ اس روائت ہی کی وجہ سے بہت بڑی حد تک یورپین سیاحوں کی توجہ ان طبعی امور کی طرف مبذول ہوئی تھی۔ جنسے اس عقیدہ کی تائید ہوتی ہے کہ نسبتاً قدیم زمانہ میں کشمیر کا تمام یا کچھ حصہ ایک وسیع جھیل سے ڈھکا ہوا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیح تعلق کو جو اس روایت اور ان امور میں پایا جاتا ہے بہت کم لوگوں نے اس وضاحت سے سمجھا ہے جیسے ڈریو صاحب نے۔ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈریو صاحب کے وہ الفاظ جو انکی کتاب "جموں" کے صفحہ ۲۰۷ پر پائے جاتے ہیں انکی اصلی صورت میں پیش کر دیئے جائیں۔

"دیسیوں کی روایات جنکی نسبت تاریخی طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ صدیوں سے چلی آتی ہیں یہی ظاہر کرتی ہیں کہ اس وادی پر کبھی جھیل پھیلی ہوا کرتی تھی اور مشاہدہ سے جو باتیں معلوم ہوئی ہیں ان سے بھی اس روائت کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے نتیجہ کے ساتھ مطابقت کرتے ہوئے میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ روایات سے ان باتوں کو تقویت ہوتی ہے مجھے اسمیں ذرا شبہ نہیں کہ انکی ابتدا بھی اسی طبعی شہادت کی بنا پر ہوئی ہوگی جسکا معائنہ بعد کے سیاحوں نے کیا ہے"

مسٹر ڈریو اور کرنیل گاڈون آسٹن جیسے سائنٹیفک محققوں نے جن ارضی شہادات کی بنا پر اس بارہ میں یقین ظاہر کیا ہے کہ اس جگہ ایک عظیم جھیل واقعہ ہوا کرتی تھی ان کا تعلق زیادہ تر ان مادوں سے ہے جو اڈر یا کریو نامی سطوح مرتفع پر

پائے جاتے ہیں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قدیم باشندگان کشمیر علم الارض میں بے حد کمال
حاصل کر چکے تھے کہ انہوں نے ہر قسم کے مادوں کو دیکھ کر یہ روایت تیار کی۔ لیکن سٹائین صاحب
اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں کہ قدیم کشمیریوں کی معلومات یہاں تک وسیع تھیں ان کا
خیال یہ ہے کہ اس روایت کی ابتدا وادی کی عام صورت دیکھ کر ہوئی اور اس کے علاوہ ملک
کی آبی حالتوں میں جو تاریخی تبدیلیاں ہوئیں۔ ان سے یہ نتیجہ نکال لیا گیا۔

ہم نے آگے چلکر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ تاریخ کشمیر کے مختلف زمانوں میں پانی کے
نکاس کے متعلق اس قسم کی کارروائیاں ہوتی رہی ہیں جنکی بدولت وہ زمینیں جہاں کسی
زمانہ میں جھیلیں اور دلدلیں ہوا کرتی تھیں اب قابل زراعت بن گئی ہیں بقول سٹائین
صاحب ایک اوسط درجہ کے شخص کو جو علم الارض سے ناواقف ہو۔ البتہ آخر الذکر امور سے واقفیت
رکھتا ہو۔ خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں ساری وادی پر ایک ہی جھیل
پھیلی ہوا کرتی تھی۔ کسی ایسے شخص کے لئے کافی ہوگا کہ وہ ولر کے قریب کسی پہاڑ کے پہلو میں
کھڑا ہو کر اس عظیم جھیل اور قریب کے دلدلوں اور اس سے پرے بارہ مولا کی تنگ کھڈ
کیطرف دیکھے جہاں بادی النظر میں پہاڑوں کے اندر کوئی درز نظر ہی نہیں آتی اس جگہ
یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مہاتم کی کتابوں اور پورانوں وغیرہ کے مطالعہ سے
پایا جاتا ہے کہ ہندو مصنفوں کا تخیل بہت دور تک پہنچنے والا ہوتا ہے جو لوگ انکی زبردست
قوت متخیلہ سے واقف ہیں۔ وہ بقول سٹائین صاحب اس بات کو یقیناً تسلیم کر لیں گے
کہ پانی کے نکاس کا ایک ہی راستہ موجود ہونا بجائے خود اس روایت کی بناء کے لئے
کافی ہو سکتا تھا۔

مسٹر لارنس نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۵۰ پر مسٹر آر۔ ڈی۔ اولڈہم کے مینول آف
انڈین جیالوجی (ایڈیشن سنہ ۱۸۹۳ء) کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مادے جو پانی سے بنجاتے
ہیں اور جنکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے اس بات کو ثابت نہیں کرتے کہ کسی زمانہ میں ساری

کشمیر پر ایک جھیل محیط ہوا کرتی تھی آجکل اس قسم کے مادے چٹانوں کی گپھاؤں میں تیار ہوتے ہیں امر غالب یہ ہے کہ وادی کشمیر کی تمام ارضی تاریخ میں حالات یکساں رہتے چلے آئے ہیں۔ صرف اس قدر ہوا ہے کہ مختلف موقعوں پر چھوٹے چھوٹے مختلف حصوں پر جھیلیں رہی ہیں۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ماہران علم الارض اس بارہ میں کس تھیوری کو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن اتنا جتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ مادے جنکا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے گو ارضی اعتبار سے زیادہ قدیم نہیں ہیں تاہم انسان کی بنائی ہوئی ان تمام یادگاروں سے جو اس وقت تک مل سکی ہیں قدیم تر ہیں۔ دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحہ ۲۰۷

کشمیر کی کوہی فصیل۔ جغرافیہ کشمیر کے اور کسی قدرتی پہلو کا اس ملک کی تاریخ پر اسقدر اثر نہیں پڑا جتنا اس عظیم کوہی فصیلوں کا جو اس کے گرد موجود ہیں اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ان کا ذکر کیا جائے۔

پہاڑوں نے اس ملک کو محفوظ رکھنے میں ہمیشہ جو حصہ لیا ہے اسے اہل ملک و غیر ملکی لوگ شروع ہی سے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں زمانہ قدیم ہی سے کشمیریوں کو اس بات کا فخر رہا ہے کہ کوئی غیر ملکی حملہ آور ہمارے ملک پر چڑھائی نہیں کر سکتا۔ اور اس خیال کی تصدیق بجا طور پر ان قدرتی فصیلوں سے جو ملک کے گرد ہیں ہوتی ہے خود کلہن نے اپنی ترنگ ا کے شلوک ۳۱ و ۳۹ میں لکھا ہے کہ سپاہیوں کی فوج کشمیر پر غالب نہیں آ سکتی اور کہ پہاڑی دیواروں نے محفوظ کر دکھایا ہے یہی خیال ان تمام غیر ملکی تحریروں میں پایا جاتا ہے جو اس ملک کے متعلق لکھی گئی ہیں قبل ازیں ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ ہیون سانگ اور اوکانگ نے ان پہاڑوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو اس سلطنت کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان میں سے گذرنے والے دروں کی دشواری کا بھی حوالہ دیا ہے قدیم عرب جغرافیہ والوں نے بھی گو اس بارہ میں بہت اختصار سے کام لیا ہے تاہم پہاڑوں کے

دشوار گذار ہونے کا حوالہ بڑے زور سے دیا ہے یہی حال البیرونی کا ہے جس نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ دروں کی پورے طور پر نگرانی کر کے ملک کی قدرتی طاقت کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کیجا یا کرتی تھی۔

جس زمانہ میں کشمیر کا کسی قدر شمالی حصہ مفتوح ہو چکا تھا اور اس پر اسلامی اثرات غالب آچکے تھے اسکی فصیلوں کے ناقابل شکست ہونے کا اعتقاد بدستور قائم رہا تھا چنانچہ تیمور کے مورخ شرف الدین نے اس مصالحہ کی بناء پر لکھتے ہوئے جو اس عظیم فاتح نے کوہستان پنجاب میں سے گذرتے ہوئے جمع کیا تھا کشمیر کے متعلق لکھا ہے "ملک قدرتی طور پر ہر طرف سے پہاڑوں کے ذریعہ محفوظ ہے اسلئے باشندوں کو محفوظ رہنے کی تیاری کئے بغیر بچے رہنے کا موقعہ ملجاتا ہے" اس کے بعد کشمیر کے راستوں وغیرہ کا جو مفصل ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ظفر نامہ کے مصنف کو کشمیر کے متعلق صحیح صحیح واقفیت حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا تھا مقابلہ کے لئے دیکھو شرف الدین کے ظفر نامہ کا خلاصہ مندرجہ تاریخ رشیدی مترجمہ مسرز این الیاس اور ای ۔ڈی ۔اس صفحہ ۴۳۲ نیز رٹر صاحب کی کتاب ایشین جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۲۔

پہاڑی دروں کی چوکیاں۔ ان کوہی سلسلوں نے چونکہ ابتدا ہی سے ملک کو محفوظ رکھنے میں بہت مدد دی ہے اس لئے ان واقعات کے ذکر کے دوران میں یہاں کے جغرافیہ قدیم کا مفصل حال معلوم ہوتا ہے ہم قبل ازیں البیرونی اور چینی سیاحوں کے بیان میں یہ بات دیکھ چکے ہیں کہ کشمیر میں سرحدی چوکیاں قائم ہوا کرتی تھیں جن کے قیام سے کوہی دروں کی حفاظت مد نظر ہوتی تھی یہ چوکیاں اور درے جنکے ناکو(ل) پر وہ واقع ہوا کرتی تھیں کلہن اور اس کے بعد کے مورخوں کے بیان میں جا بجا مذکور ہیں چونکہ اکثر تاریخی حوالوں کا تعلق ان چوکیوں سے ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکی نوعیت اور مطالب کا بالاختصار ذکر کر دیا جائے مفصل حالات کے لئے دیکھو

سٹائین صاحب کے نوٹ مندرجہ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابت ۱۸۹۵ء صفحہ ۲۸۲ و راج ترنگنی ترنگ اشلوک ۲۲؛ ترنگ ۳ شلوک ۲۲۷ و نوٹ نمبر ۵ ضمیمہ کتاب ہذا۔

وادی کے اندر داخل ہونے والے جن دروں کو لوگ عام طور پر باقاعدہ استعمال کرتے تھے ان کے ناکوں پر زمانہ قدیم سے جو چھوٹے چھوٹے قلعے واقع ہیں ان کا نام تواریخ میں دوار یعنی دروازہ یا دارنگ یا ڈھک آیا ہے۔ بشمار شلوکوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ مختلف موقعوں پر ان قلعوں سے محافظت۔ وصولی چونگی و انتظام پولیس کی برقراری میں مدد لیجاتی تھی۔ انمیں جو قلعہ دار فوج ہؤا کرتی تھی اس پر خاص کمانڈر مقرر ہوتے تھے جنہیں درنگیش یا درنگادہیپ کہتے تھے ہندوؤں کے زمانہ میں ان تمام سرحدی مقامات کے اختیارات اور کوچ کی کمان عام طور پر ایک اعلےٰ سرکاری افسر کے سپرد ہؤا کرتی تھی جسے دوارپتی یا اسی قسم کے کسی اور خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔

دوار کی محافظت مسلمانوں کے زمانہ میں اس طریق کے انتظام میں کسی قدر تبدیلی واقع ہوگئی جبکہ پہاڑوں میں سے گذرنے والی مختلف سڑکوں کی محافظت کا کام ملکوں کے سپرد ہؤا کرتا تھا۔ انمیں سے مختلف اشخاص کو مختلف دروں کی حفاظت کا کام موروثی طور پر سپرد تھا اور اس فرض کی ادائیگی کے صلہ میں انہیں بعض خاص حقوق حاصل تھے اور پہلوؤں سے اس طریق میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی اس قسم کی چھوٹی مستحکم چوکیاں جنمیں قلعہ دار فوج ہوتی تھی۔ اب سے تھوڑی مدت پہلے تک راہ داری کے نام سے قائم تھیں یہ امر قابل ذکر ہے کہ غیر ملک کے حملہ آوروں سے ملک کو محفوظ رکھنے کے علاوہ ان درنگوں سے درحقیقت ملک کے اصلی دروازوں کا کام بھی لیا جاتا تھا وادی میں سے آنیوالے کسی شخص کو اس وقت تک ان میں سے گذرنے نہ دیا جاتا تھا۔ جب تک اس کے پاس کوئی خاص پرمٹ یا پروانہ نہ ہو۔ اس طرح پر گویا کوئی شخص بلا اجازت تارک الوطن نہ ہو سکتا تھا۔ اندراس طریق کو بالآخر ۱۸۶۸ء کے

قحط کے موقعہ پر موقوف کیا گیا تھا اس طریق کا حوالہ جو نراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۲۶۵ میں دیا ہے راہداری کے سلسلہ میں لوگوں سے جو رقمیں جبریہ وصول کیجاتی تھیں اور ان پر جو جبر و تشدد ہوا کرتا تھا۔ اس کے متعلق دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۲۱۵۔ سٹائین صاحب ایک موقعہ پر لکھتے ہیں کہ جب کبھی مجھے مختلف دروں کی ان چوکیوں کو دیکھنے کا موقعہ ہوتا ہے تو ان تکالیف اور مصائب کا ہیبت ناک منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے جو صدیوں تک اس جگہ ہوتی رہیں۔

ان سرحدی چوکیوں کی اہمیت کا زیادہ اچھی طرح پتہ اس صورت میں چلتا ہے جب ہم اس بات کو یاد کرتے ہیں کہ کشمیر کے باہر والے قریبی علاقے قریب قریب ہر طرف بدامنی پیدا کرنے والی پہاڑی قوموں کے قبضہ میں ہوا کرتے تھے۔ شمال میں جفاکش دردوں اور جنوب اور مغرب میں فسادی کھشوں کے لئے مالدار کشمیر اور اسکی کمزور آبادی ہمیشہ ایک طعمہ دلپذیر نظر آتا رہا ہے غارت گر کھشوں یا کھکھوں نے کشمیر پر آخری حملہ اب سے نصف صدی اسطرف کیا تھا اور ممکن نہیں اسے کوئی شخص جلد بھلا سکے۔ ساتھ ہی یہ امر بھی قابل تسلیم ہے کہ لواحات کشمیر میں ان جنگ جو بہادر پہاڑی قوموں کے وجود سے ہمیشہ کشمیر کی قدرتی طاقت میں مدد ملتی رہی ہے اگر یہ لوگ بطور ایک محافظ پیٹی کے موجود نہ ہوتے تو کشمیر اتنی مدت تک بیرونی حملوں سے مامون و مصئون نہ رہتا۔

۲۔ سلسلہ کوہ پیر پنجال

کشمیر کا کوہی جغرافیہ۔ کشمیر کے گرد والے پہاڑوں کے جغرافیہ قدیم کے متعلق ضروری امور سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انکی شکل و صورت و نوعیت کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ ذیل میں جو کچھ بیان کیا جائیگا۔

اسمیں کوہی نظام کے صرف ضروری پہلوؤں پر بحث کی جائیگی یا ان کے متعلق تاریخی معلومات کو زیر بحث لایا جائیگا جو صاحب اس بارہ میں مزید و مفصل کیفیت حاصل کرنا چاہیں انہیں مناسب ہوگا کہ ڈریو صاحب کی کتاب "جموں" کے صفحات ۱۹۳ تا ۲۰۶ کا مطالعہ کریں۔

کشمیر کے گرد جو کوہی حلقہ موجود ہے اسے تین مختلف سلسلوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ان میں سے ایک حصہ سلسلہ کوہ کو پیر پنچال کہتے ہیں جو جنوب اور جنوب مغرب کیطرف وادی کشمیر کی سرحد کا کام دیتا ہے اسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ وادی کے انتہائے جنوب کے اس حصہ سے شروع ہوتا ہے جہاں درہ بانہال سطح سمندر سے ۹۲۰۰ فٹ کی بلندی پر ان پہاڑوں کے نشیب ترین مقام کو نمایاں کرتا ہے یہ سلسلہ کوہ ۳۵ میل کے فاصلہ تک مشرق سے مغرب کیطرف جاتا ہے اور اس کے بعد شمال شمال مغرب کی سمت اختیار کر لیتا ہے اس سمت میں یہ کوئی ۵۰ میل کے فاصلہ تک جاتا ہے اور تٹہ کوٹی چوٹی کے مقام پر جو سطح بحر سے ۱۵۵۲۴ فٹ بلند ہے اپنے بلند ترین مقام پر پہنچنے کے بعد وادی وتستہ کی طرف کو بتدریج اترنے لگتا ہے جسقدر اہمیت رکھنے والی قدیم سڑکیں پنجاب کی طرف آنے والی ہیں وہ سب اس عظیم کوہی دیوار میں سے ہوکر گذرتی ہیں اور اسی وجہ سے ہمیں اس کے متعلق بہت کچھ دلچسپ جغرافیائی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

درہ بانشالا۔ درہ بانہال جو اس سلسلہ کوہ کے انتہائے مشرق میں واقع ہے چونکہ بہت کم بلندی پر سے ہوکر گذرتا ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ بالائی وادی چناب اور پنجاب کی پہاڑی ریاستوں کی طرف جانے کا یہی آسان راستہ ہوگا اس کا موجودہ نام ایک گاؤں کے نام پر ہے جو درہ کے جنوبی دامن میں واقع ہے اور جسکا نام کلہن نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۸ کے شلوک ۱۶۶۵ میں بانشالا دیا ہے بانشالا کے قلعہ کا خود کلہن کے زمانہ یعنی ۱۱۳۰ء میں ایک قابل یادگار محاصرہ ہوا تھا جسمیں بھکشاچر

گرفتار ہوا اور مارا گیا تھا۔ جیسا کہ نوٹ ۶۵۹ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے وادی چناب سے آتے ہوئے وہ دشلا تا نامی اس پہاڑی علاقہ میں جو درہ بانہال کے عین جنوب میں واقعہ ہے کشمیر پر حملہ کرنے کے ارادہ سے داخل ہوا تھا چونکہ اس نے یہ مہم موسم سرما کے ابتدا میں اختیار کی تھی اس لئے اسے اس سے زیادہ پر آسائش راستہ اور کوئی نہ مل سکتا تھا۔ سلسلہ پیر پنچال میں صرف بانہال کا درہ ہی اس قسم کا ہے جس پر سے آمد و رفت کا سلسلہ برفباری سے بھی کامل طور پر منقطع نہیں ہوتا۔ کلہن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی اور نسلی سرحد اس جگہ بھی ویسے قائم تھی جیسے سلسلہ کوہ کے فاصل آب کے دیگر حصوں پر کیونکہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۶۷۴ و ۱۶۸۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو قلعہ بانشالا اسقدر قریب واقعہ تھا کہ درہ کی چوٹی پر سے نظر آ سکتا تھا تاہم اس پار ایک کھش حاکم کی ملکیت تھی۔

نو بندھن تیرتھ۔ بانہال سے مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے ہم تین برفانی چوٹیوں کے ایک مجموعہ کے قریب پہنچتے ہیں جو ۱۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقعہ ہیں۔ وادی سے اس سلسلہ کا جو نظارہ نظر آتا ہے اسمیں انکی مینار کی شکل کی چوٹیاں خوب نمایاں ہیں۔ نقشہ پر ان کا نام برہم شکل آیا ہے جو غالباً برہم شکھر کا بگڑ کر بنا ہے جس کے معنی برہما کی چوٹی کے ہیں۔ جو روایت قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے اس کے سلسلہ میں اہل کشمیر میں مشہور ہے کہ وشنو۔ شوجی اور برہما انہی چوٹیوں پر جمع ہوئے تھے اور یہیں سے انہوں نے جلودبھو سے لڑائی کی اور ستی سر میں کو خشک کیا تھا۔ ان چوٹیوں میں وہ جو سب سے جنوب میں اور سب سے اونچی یعنی ۱۵۵۲۳ فٹ ہے مشہور و معروف نو بندھن تیرتھ کا مقام ہے نیل مت پران کے شلوک ۳۳۔ ہر چرت چنتامنی کے ادھیائے ۴ شلوک ۲۷ سرور کی مین۔ راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۲۵۴ میں وسروآوتار شلوک ۴ و ۱۱۲ ادھیائے ۳ و شلوک ۴۱ ادھیائے ۵ میں جو قصہ طوفان

کے بارہ میں مذکور ہے اس کے ضمن میں آتا ہے کہ وشنو نے مچھا وتار دھارن کر کے اس ناؤ
کو اس چوٹی سے باندھ دیا تھا جسکی صورت درگا نے تمام موجودات کے تخم کو بچانے
کے لئے اختیار کر لی تھی۔ اس چوٹی کے دامن میں اور اس کے شمال مغرب کی طرف
ایک دو میل لمبی پہاڑی جھیل واقع ہے جسکا نام کونسرناگ۔ کرم سرس یا کرم سار ہے اور
جسکا ذکر نیل مت پران اور مہاتموں میں پایا جاتا ہے دیکھو سریویہ کی راج ترنگنی ترنگ ۱
شلوک ۴۸۲ جہاں سلطان زین العابدین کے اس جھیل تک آنے کا قصہ طوالت کے
ساتھ بیان کیا گیا ہے نیل مت پران شلوک ۱۲۱ و ۱۲۷۲۔ نوبندہن مہاتم وسرواوتار
ادھیائے ۳ شلوک ۱۱۰ ادھیائے ۵ شلوک ۱۷۴ وغیرہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس جگہ وشنو
کے کرم (قدم) کا نشان ہے اور اس جگہ نوبندہن یاترا بکثرت ہوتی ہے

درہ سدھ نیتھ۔ اس جھیل کے عین مغرب کی طرف ۸ میل کے فاصلہ پر اس سلسلہ
کوہ کے اوپر سے ایک ۱۴۰۰۰ ہزار فٹ بلند درہ ہو کر گذرتا ہے جس کا نام سداؤ یا بودل
مشہور ہے یہ اس راستہ پر واقعہ ہے جو قریب قریب ایک سیدھی لکیر میں سرینگر کو اکھنور
وسیالکوٹ واقعہ پنجاب سے ملاتا ہے چونکہ یہ درہ کہیں سے اونچا اور کہیں سے نیچا
ہے اس لئے اس پر سے زیادہ تر پیادہ مسافر ہی گذر سکتے ہیں ڈریو صاحب نے اپنی
کتاب جموں کے صفحہ ۵۲۴ پر اندازہ کیا ہے کہ جموں سے سرینگر تک کا فاصلہ براستہ
سداؤ ۱۲۹ و براستہ درہ بانہال ۱۷۷ میل ہے یہی وجہ تھی کہ کشمیری لوگ اس راستہ کو
زیادہ پسند کیا کرتے تھے اس درہ کا نام بودل اس پہاڑی علاقہ کے نام پر ہے جو اس
کے جنوب کیطرف واقع ہے دیکھو نوٹ ۶۶ کتاب ہذا۔ اس درہ کا نام سداؤ اس
پہلے گاؤں کے نام پر ہے جو بجانب کشمیر اس پر واقعہ ہے کلہن کی راج ترنگنی میں اس
درہ کا نام سدہ نیتھ لکھا کر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۵۷ میں تحریر ہے کہ سلسل کے عہد میں
ایک مدعی سلطنت نے جب سر اٹھایا تو اسی راستہ کو اختیار کیا تھا۔ مخفی نہ رہے کہ سری

مد اور اس کے بعد کے مورخوں نے سلاؤ کے پاس والے علاقہ کا نام بارہا سدھ دیش لکھا ہے۔ جو بظاہر اصل نام کی کشمیری صورت معلوم ہوتی ہے

درہ سدھ چھ کے مغرب میں جو برفانی چوٹی واقع ہے اس مقام پر اصلی سلسلہ کوہ شمال مغرب کی طرف رخ اختیار کر لیتا ہے اس مقام سے مغربی سمت میں سلسلہ رتن پیر کا آغاز ہوتا ہے جسکا ذکر آگے چلکر کیا جائے گا۔ اس سے آگے درہ روپری و درہال واقع ہیں جنمیں سے دونوں ۱۳۰۰۰ ہزار فٹ کی بلندی پر ہیں ان کے نام واضح طور پر تواریخ میں موجود نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کے راستہ سیدھے رجوری میں جسکا قدیم نام راجپوری ہے داخل ہو سکتے ہیں اور موسم گرما میں انہیں بلا دقت عبور کیا جا سکتا ہے اس لئے اغلب ہے کہ ان کا **استعمال** زمانہ قدیم ہی سے چلا آتا ہوگا۔ درہ درہال کے قریب نندن سر واقع ہے جو ان بیشمار تالابوں میں سے ایک ہے جو کہ اس حصہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں غالباً نیل مت پران میں اسی کا نام نندن ناگ آیا ہے۔

راستہ پیر پنچال۔ نندن سر سے ۵ میل جانب شمال ہم اس سلسلہ کے وسطی حصہ کے نشیب ترین مقام پر پہنچ جاتے ہیں اس جگہ درہ پیر پنچال واقع ہے جو ۱۱۴۰۰ فٹ بلند ہے جس راستہ سے ہو کر گذرتا ہے وہ زمانہ قدیم سے آجتک کشمیر اور پنجاب کے وسطی حصہ میں آمد و رفت کا سب سے بڑا ذریعہ رہا ہے اس کا ذکر تواریخ میں بارہا آیا ہے جس کے باعث اس مقام سے جہاں یہ پہاڑوں میں داخل ہوتا ہے ہم اس کے متعلق کامل طور پر تحقیق کر سکتے ہیں پہاڑوں میں اس کے داخلہ کا مقام وادی دریائے رمبیارہ میں جسکا قدیم نام رمنیہ ٹوی ہے جو شہر ہورپور سے کسی قدر نیچے کی طرف ہے۔

شورپورہ۔ اس مقام کا قدیم نام شورپور ہے اور اس کا ذکر بارہا اس اعتبار سے آیا ہے کہ یہ پونچھ جیدری یا کوہاٹی مقامات سے کشمیر پہنچیں ان کے لئے یہ مقام اغلبا جو سمت مخالف میں سفر کر رہے ہوں انکے لئے مقام ہو گی ہے اس شہر کی بنیاد ۹ ویں صدی میں اونتی ورمن کے وزیر شور نے بظاہر اس غرض سے

ڈالی تھی کہ اس اہم تجارتی راستہ پر ایک قابل آسائش گودام بنجائے اس نے اس درہ کے دنگ کو بھی اسی مقام پر منتقل کر دیا تھا۔ چنانچہ گاؤں سے تھوڑے فاصلہ پر الٰہی دروازہ نامی جو مقام ہے یہیں اس کا محل وقوع ہوا کرتا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ اس سرحدی مقام کے کمانیروں نے ایک سے زیادہ موقعہ پران حملہ آوروں سے مقابلہ کیا تھا۔ جنہوں نے پہاڑوں کی دوسری طرف سے چڑھائی کی تھی۔

وادی ربیتیار یا رمنیہ توی کی چڑھائی ۶ میل کے قریب چڑھنے کے بعد ہم اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں درہ پیر پنچال و درہ مدوپری سے آنے والی ندیاں ایک دوسرے سے ملتی ہیں ان کے اتصال کے مقام پر جو زادیہ تیار ہوا ہے اس پر ایک چٹانی ٹیلہ واقعہ ہے جسکی چوٹی پر کامیلین کوٹ نامی ایک چھوٹا خستہ حال قلعہ واقع ہے یہ کھنڈرات غالبا کشمیر کے افغان گورنر عطا محمد خاں کے وقت کے ہیں جس نے ۱۸۱۲ء میں جب سکھ چڑھائی کرنے پر آمادہ تھے راستہ پیر پنچال کو مستحکم کیا تھا لیکن یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ کھنڈرات اسی مقام پر واقعہ ہیں۔ جہاں شورپور میں انتقال سے پیشتر اس راستہ کی قدیم چوکی واقعہ تھی کلہن نے ترنگ ۳ کے شلوک ۲۲۷ میں اس مقام کا نام کرم ورت لکھا ہے جسکی بجائے ۱۵ ویں صدی کے ایک شارح نے کامیلین کوٹ لکھا ہے اور یہی صورت اب تک موجود ہے

ہستی ونج۔ اس کے بعد وہ شاہراہ جو اکبر نے بنوائی تھی تنگ وادی کیطرف کو چڑھتی ہے اور پیر پنچال ندی سے اوپر کیطرف اس کی بائیں جانب ہو کر گذرتی ہے کامیلین کوٹ سے اوپر کیطرف کوئی ۲ میل کے فاصلہ پر علی آباد کی مغل سرائے کے قریب ہم اس مقام پر پہنچتے ہیں جہاں ایک بلند پہاڑی ٹیلہ جنوب کیطرف ڈھلوان ہوتا ہوا وادی کیجانب ٹیلوں کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے اس ٹیلہ کا نام ہستی ونج ہے۔ اس نام اور مقامی روایت کی بنا پر ہمیں یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی وہ مقام ہے

جسکی نسبت کلہن نے ایک عجیب روائت بیان کی ہے۔

ترنگ اکے شلوک ۳۰۲ میں مذکور ہے کہ راجہ مہر کل جسکی نسبت تحقیق ہے کہ وہ سفید ہن قوم کا فرمانروا تھا جب ہندوستان کے مختلف حصوں کو فتح کرتا ہوا درہ کشمیر پر پہنچا تو اسے ایک ہاتھی کی چیخیں سنائی دیں جو ٹیلے سے لڑھک کر نیچے گر پڑا تھا یہ بھیانک آواز اس ظالم راجہ کو اس قدر بھائی کہ اس نے ۱۰۰ سے زیادہ ہاتھی وہیں سے خود گروا کر مروا دے اس پر ایک شارح لکھتا ہے کہ جب سے یہ واقعہ ہوا ہے اس راستہ کو جس سے مہر کل واپس آیا تھا ہستی ونج کہنے لگ گئے ہیں فارسی مورخوں نے بھی اس قصہ کو دہراتے ہوئے اس مقام کا نام ہستی ونج لکھا ہے۔

اردگرد کے پہاڑی علاقوں میں اس مطلب کی روائت اب تک سننے میں آتی ہے کہ اس جگہ ایک راجہ کے ہاتھی کھڈ میں گر پڑے تھے یہ بات بھی عام طور پر مشہور ہے کہ درہ تک جانے کی پرانی سڑک شاہی سڑک کی تیاری سے پہلے ٹیلہ ہستی ونج پر سے ہو کر گذرتی تھی اور سارا راستہ پیر پنچال ندی کے دائیں کنارہ کے ساتھ ساتھ جاتی تھی ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۴۹ پر اسکی پورے طور پر تصدیق کی ہے گو اس نے ہستی ونج کی بجائے غلطی سے ہتی ونتر لکھ دیا ہے ممبر ہے کشمیر تک جانے کی جسقدر سڑکیں ہیں انمیں سے خاص امتیاز کے ساتھ راستہ ہستی ونج (ہستی ونتر) کا ذکر کیا اور لکھا ہے کہ راستہ پیر پنچال سے فوجیں گذارنے کی یہی سڑک تھی جسے اکبر کشمیر جانے کے وقت استعمال کیا کرتا تھا۔

ہستی ونج لفظ کے پہلے حصہ میں بلاشبہ ہستی کا وہ لفظ ہے جو کشمیری زبان میں سنسکرت لفظ ہستی یعنی ہاتھی سے نکلا ہے فارسی مورخوں نے آخری حصہ کی نسبت لکھا ہے کہ لفظ ونج وہی ہے جسے پنجابی میں بمعنی جانا استعمال کرتے ہیں۔ اس نام اور اس مقامی روایت میں جسکا ذکر کلہن نے بھی سنا تھا۔ صاف تعلق نظر آتا ہے البتہ یہ بات معلوم

نہیں ہو سکتی کہ مہرکل کا واقعہ حقیقت میں ظہور پذیر ہوا تھا یا لوگوں نے اسے لفظی ساخت کی بنا پر گھڑ لیا۔

بہر نوع اس کہانی سے یہ بات ضرور واضح ہو جاتی ہے کہ درہ پیر پنچال کی قدیم سڑک وادی کے دائیں یا جنوبی پہلو میں ہو کر گذرتی تھی سٹائین صاحب نے اس بارہ میں جو مقامی تحقیقات کی اس سے معلوم ہوا کہ گو اس سڑک کو اب کئی صدیوں سے برتا نہیں جاتا تاہم لدو جانور اس پر سے گذر سکتے ہیں اور محصول سے بچا کر مال لانیوالے اسے اکثر استعمال کرتے ہیں

ڈاکٹر برینیر جو ۱۶۶۵ء کے موسم گرما میں اورنگ زیب کے دربار کے ساتھ کشمیر گئے تھے موسیو ڈی مرویلز کے نام اپنی نویں چٹھی میں راستہ پیر پنچال کا بڑا دلچسپ اور پر لطف حال لکھتے ہیں پنجاب کیطرف سے اس درہ پر چڑھتے ہوئے وہ اس مقام پر سے گذرے جہاں دو روز قبل مہرکل کے واقعہ سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ہوا تھا ۱۵ ہاتھی جن پر حرم سرائے کی عورتیں سوار تھیں کسی وجہ سے ٹیلہ پر سے گر کر ضائع ہو گئے۔(دیکھو برنیر صاحب کے ٹریولز ایڈیشن) شائع کردہ کانسٹبل صاحب صفحہ ۴۰۷) ۱۶۷۲ء کے ایمسٹرڈم والے ایڈیشن میں کشمیر کا جو عجیب نقشہ دیا گیا ہے اسمیں کوہ "پاسر پنچیل" کے اوپر سے ہاتھی لڑھکتے ہوئے دکھائے گئے ہیں

پنچال دھار مٹھ۔ علی آباد سرائے ہستی ونج سے اوپر کیطرف کوئی نصف میل کے فاصلہ پر مغلوں کے زمانہ کی بنی ہوئی مسافروں کی سرائے ہے درہ پر چڑھتے ہوئے یہ بلند ترین مقام ہے جہاں اندیشہ آسانی حاصل ہو سکتا ہے اس لحاظ سے یا در اغلب معلوم ہوتا ہے کہ کشمیندر نے درہ پیر پنچال پر جس مٹھ یا سرائے کا ذکر کیا ہے وہ یہیں کہیں واقعہ ہو گی۔

کشمیندر نے یہ دلچسپ حوالہ اپنی کتاب سمے ماترکا کے ادھیائے ۲ شلوک ۹۰ میں اس مقام پر دیا ہے جسمیں کنکالی نامی ایک فاحشہ عورت کی سیاحت کا ذکر کیا گیا ہے اور

جس کا اشارۃً قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے اس کہانی کی ہیروان کشمیر میں بعض چھوٹی چھوٹی چوریاں کرنے کے بعد شور پور کیطرف جاتی ہے اسجگہ وہ اپنے آپ کو ایک حمال (بھارک) کی بیوی ظاہر کرتی ہے اور اپنے شوہر کی نسبت ظاہر کرتی ہے کہ وہ نمک کی سڑک پر کام کر رہا ہے اسجگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ آجتک ہر لپور، پشیان اور درہ پیر پنچال کے قریب دیگر مقامات میں پیشہ ور حمال یا قلی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ زین العابدین کی نسبت مذکور ہے کہ اس نے ھبینار یعنی بھمبر کے نواحی علاقہ کے حمالوں کی ایک بستی بسائی تھی دیکھو سر پور کی راج ترنگنی ترنگ اشلوک ۱۰۰ کہ مخفی نہ رہے کہ گہری برفباری کے ایام میں درہ پیر پنچال اور دیگر دروں پر مال کی آمد و رفت کا واحد ذریعہ یہی قلی ہوتے ہیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ راستہ پیر پنچال کا نام بجا طور پر نمک کی سڑک مشہور ہے آجتک پنجاب کا معدنی نمک جہلم اور بھمبر کیطرف سے آکر اسی راستہ سے کشمیر میں داخل ہوتا ہے وائنس صاحب کی کتاب دیلی کے صفحہ ۳۹۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ نمک کشمیر میں بالکل نہیں ہوتا اور وہاں اسکی درآمد بکثرت ہوتی ہے خود سٹائین صاحب نے لکھا ہے کہ جب میں راستہ پیر پنچال سے کشمیر کیطرف جا رہا تھا تو نمک سے لدے ہوئے چھکڑوں کی قطاریں مجھے جا بجا نظر آیا کرتی تھیں۔

غرض کنکالی نے جو بھیس اس غرض سے اختیار کیا تھا کہ سرحدی چوکیوں پر اہلکاروں کے پنجے میں پڑنے سے بچی رہے اسے نباہنے کے لئے اس نے اگلے روز صبح کے وقت یہ کیا کہ ایک خاصہ بوجھ اپنے سر کے اوپر اٹھایا اور درہ کیطرف روانہ ہوئی۔

راستہ میں وہ عمودی سڑکوں پر سے جن پر گہری برف پڑی ہوئی تھی بلند پہاڑوں پر سے گذرتی ہے راستہ میں وہ اپنے بوجھ کو کہیں ٹھکانے لگا کر اور ایک معزز گھرانے کی عورت کا بھیس اختیار کر کے رات کے وقت پنچال دہار اسٹھ میں جا پہنچتی ہے اس وقت موسم کے لحاظ سے سردی چونکہ شدت سے پڑنے لگی تھی اس لئے اونی کپڑوں

میں لپٹی ہوئی ہونے کے باوجود وہ رات اس جگہ ٹھٹھرتی ہوئی گذارتی ہے وہاں سے اس کے لیئے ہندوستان جانے کا راستہ کھلا ہوتا ہے جس جگہ جاکر وہ بڑی سرکہ کی باتیں کرتی ہے۔

پنچال کا نام۔ کشمیند رکا یہ تذکرہ اس اعتبار سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اسی میں اس درہ کا پرانا نام استعمال ہوتا ہے یہ امر یقینی ہے کہ اسکی مراد پنچال دہارا سے اس راستہ کے بلند ترین حصہ یعنی درہ پیر پنچال سے ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ پنچال اور موجودہ پیر پنچال ہی ایک ہی ہیں۔

پنچال کے ساتھ جو لفظ دہارا استعمال ہوا ہے اس سے مراد اغلباً درہ سے ہے کیونکہ سنسکرت میں دہارا کا لفظ کسی چیز کے تیز پہلو سے ہوتا ہے۔ برٹلنک راتھ صاحب نے ولسن صاحب کی ڈکشنری کا جو حوالہ دیا ہے اس کے مطابق اس لفظ کے مخصوص معنی پہاڑ کے کنارہ کے ہیں ظاہر ہے کہ ولسن کے پنڈتوں نے بھی یہ معنی کسی قدیم کوش سے حاصل کئے ہونگے بہرنوع یہ لفظ جدید لفظ دہار سے ملتا جلتا ہے جو پہاڑی زبان میں مرغزار والے حصوں سے اوپر کے کوہی علاقوں کے لیئے استعمال ہوتا ہے

ہمیں خیال پیدا ہوتا ہے کہ پنچال اس درہ یا سارے کوہی سلسلہ کا ایک مقامی نام ہوگا۔ لیکن بحالت موجودہ پنچال کا لفظ کشمیر میں اس عظیم سلسلہ کوہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جو جنوب کیطرف ملک کی حدبندی کا کام دیتا ہے یعنی اس سلسلہ کے لیئے جسے اب پیر پنچال کہا جاتا ہے لیکن بحالت موجودہ پنچال کے معنی بلند سلسلہ کوہ کے لیئے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ کا نام جو درہ پیر پنچال سے رجوری کیطرف جاتے ہوئے عبور کرنا پڑتا ہے رتن پنچال اور راوری اور پیر پنتس (پونچھ) کے درمیان والے کا نام حاجی پنچال مشہور ہے بعض اوقات خاص خاص حالتوں میں یہ لفظ ان پہاڑوں کے لیئے بھی استعمال ہوتا ہے جنکا تعلق سلسلہ پیر پنچال سے کچھ بھی نہیں۔ بہ ہیئت مجموعی

ظن غالب ہے۔ کہ پنجال ابتدا میں کوئی مقامی نام ہوگا ممکن ہے وہ سارے جنوبی سلسلہ کوہ یا درہ پیرپنجال کے قریب اس کے وسطی حصہ کے لیئے استعمال ہوتا ہو اور بعد میں باقی حصہ کے لیے بھی یہ نام ویسے ہی برتا جانے لگا ہو۔ جیسے یورپ میں ایلپس کا لفظ۔ لیکن ہمارے پاس جو مسالہ موجود ہے اسکی بنا پر ہم پورے تیقن کے ساتھ اس لفظ کی تاریخ پر بحث نہیں کر سکتے۔

پیر کا لفظ درہ کے لیئے۔ اسی سلسلہ میں یہ امر بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ لفظ پیر پر جو اس درہ کے موجودہ نام کا پہلا حصہ ہے مختصر طور سے بحث کیجائے۔ یہ لفظ اب عام طور پر کشمیر اور اس کے جنوبی پہاڑی علاقوں میں درہ کے لیئے استعمال ہوتا ہے ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں کے صفحہ ۱۵۷ کے نوٹ میں اس لفظ کے معنی بوڑھے کے نکال کر پھر اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ وہ فقیر یا ولی کے لیئے استعمال ہوتا ہے آگے چلکر انہوں نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ فقرا میں عام طور پر رواج ہوتا ہے کہ وہ مسافروں کے لیئے خوراک کا سامان مہیا کرنے یا ان سے خیرات لینے کے خیال سے دروں پر مقیم ہوتے ہیں۔ تو ممکن ہے کسی درہ پر کسی فقیر کے مرجانے کے بعد اس درہ کو اسی کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہو اور اس نیاوسر درہ کے نام کے ساتھ پیر کا لفظ بڑھا دیا گیا ہو۔ حتےٰ کہ بتدریج یہ حالت ہو گئی ہو کہ ہر ایک درہ کے نام کے ساتھ لفظ پیر بڑھا دیا جاوے اور اس طرح پر اس لفظ نے درہ ہی کے معنی اختیار کر لیے ہوں" مسٹر ڈریو اس امر کیطرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ جب ڈاکٹر برنیر کو اس درہ پر سے گذرنے کا اتفاق ہوا تو اس جگہ ایک بڈھا فقیر جہانگیر کے زمانہ کا رہتا تھا اسکی نسبت لوگوں میں اعتقاد پھیلا ہوا تھا۔ کہ وہ معجزانہ طاقتیں رکھتا ہے عجیب و غریب گرج کی آوازیں پیدا کر سکتا ہے اور آندھی۔ اولے۔ برف اور مینہ برسانا اس کے اختیار میں ہے مسٹر ڈریو کا خیال ہے کہ پیر کا لفظ اسی پیر کیوجہ سے استعمال ہونے لگا ہوگا۔

اس جگہ لفظ پیر کے جو معنی [illegible] گئے ہیں۔ ان کے تسلیم کرتے ہیں تو شاید کسی کو بھی عذر نہ ہوگا لیکن ہمارا خیال ہے کہ کوہی دروں کو مقدس لوگوں کے ساتھ منسوب کرنے کا طریق زیادہ قدیم ہے توہم اور باطل پرست لوگوں میں ہمیشہ ہی اس امر کا اعتقاد چلا آیا ہے کہ تنہا چوٹیوں اور بلند مقامات پر روحیں اور مافوق الفطرت وجود رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ آجتک کشمیریوں کو اس امر کا یقین ہے کہ بلند کوہی دروں پر دیوتا اور بھوت رہتے ہیں کوہ ہمالیہ کے ان حصوں میں جہاں ابھی تک ہندوؤں کا زور ہے یہ وہم اور بھی ترقی یافتہ صورتوں میں موجود پایا جاتا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو توہمات اہل کماؤں مندرجہ سر ولیم ہنٹر در کتاب سوانحعمری برائن ہوٹن ہوگسن صفحہ ۵۴

کشمیر کے تمام دروں پر خواہ ان پر سے بہت ہی کم لوگ کیوں نہ گذرتے ہوں۔ فرضی پیروں کی قبریں اب تک دیکھی جاتی ہیں۔ جو پتھروں کے ڈھیروں کی صورت میں وہاں موجود ہیں اور ہر ایک پابند مذہب مسلمان ان کے پاس سے گذرتا ہوا ایک روڑا اوپر پھینک جاتا ہے لیکن خیال گذرتا ہے کہ یہ سلسلہ ملک میں اشاعت اسلام سے ایک مدت پیشتر کا چلا آتا ہے چنانچہ امرناتھ مہاتم کے ادھیائے ۷ شلوک ۱ میں مذکور ہے کہ جو ہندو یاتری امرناتھ جاتے وقت جھیل شیشرناگ سے اوپر درہ داد جن کو عبور کرتے ہیں وہ دیوؤں کو خوش کرنے کے لئے اس قسم کی رسم ادا کرتے ہیں یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ کشمیر میں جسقدر مشہور زیارتیں فرضی یا حقیقی مسلمان اولیا کی ہیں وہ انہی مقامات پر واقع ہیں جو کبھی ہندوؤں کے نزدیک مقدس گنے جاتے تھے اس صورت میں ہمارا یہ خیال چنداں غلط نہیں ہوسکتا کہ مسلمانوں کے پیر حقیقت میں ہندو دیوؤں ہی کی جگہ پر قابض ہیں خیال ہے کہ دیوتا دروں پر چلنے والی بڑی ہواؤں سے ان ڈھیروں میں محفوظ ہو جاتے ہیں پنچال دیو ۔ اس خیال کی تصدیق سنسکرت تاریخوں کے اس واحد شلوک سے ہوتی ہے جسمیں دروہ پیر پنچال کا صحیح نام آیا ہے سر لوراپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۳ شلوک ۴۴

میں حسن شاہ (۱۴۷۲ء تا ۱۴۸۴ء) کے عہد میں کشمیر کے ایک پناہ گزین شخص کا شور پور کے راستے واپس آنا بیان کرتے ہوئے اس مہلک سردی کا ذکر کرتا ہے جو اسے پنچال دیو کی چوٹی پر لگی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ جو نام استعمال ہوا ہے اس سے مراد موجودہ پیر پنچال ہی سے ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اس نام میں لفظ پیر اور اسمیں دیو موجود ہے جو ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر برنیر کے بیان سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ لوگ "دیو" کی مافوق الفطرت طاقتوں کو اب پیر سے منسوب کرنے لگ گئے تھے جو اب اسکی بجائے درہ پر موجود خیال کیا جاتا تھا۔

درہ پیر پنچال۔ ہم نے پرانے راستہ کی کیفیت کو علی آباد سرائے کے قریب چھوڑا تھا۔ اب لازم ہے کہ ہم پھر اس طرف اپنی توجہ دیں اور اس درہ کے باقی حصہ کی کیفیت قلم بند کریں۔ مغل سرائے سے سڑک بتدریج ڈھلوان ہوتی ہوئی مغرب کیطرف چلی جاتی ہے حتیٰ کہ کوئی ۲½ میل کے فاصلہ پر درہ آجاتا ہے اس مقام کے قریب جہاں پنجاب کی طرف اترائی شروع ہوتی ہے ایک فقیر کی جھونپڑی واقعہ ہے برنیر نے جس پیر کا ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی جگہ اسے وراثۃ میں ملی ہے گو اسکی روحانی طاقتیں اور قوتیں اسے حاصل نہیں قریب ہی ایک ہشت پہلو برج ہے جہاں اب سے چند سال پہلے تک سپاہی رہا کرتے تھے اور جسکی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ قدیم میں وہاں کوئی سرحدی چوکی ہوا کرتی تھی۔

پشیان ناد۔ اس سلسلہ کے باقی تمام دروں کی طرح اس جگہ بھی کشمیر کی نسبت پنجاب کی طرف اترائی زیادہ عمودی ہے اس سے آگے راستہ آڑا ترچھا ہو کر پشیان تک پہنچتا ہے جو پہاڑ کے چٹانی ڈھلوان حصہ پر موجود ہے اور درہ سے ۳۰۰۰ فٹ نیچے کیطرف واقع ہے یہ چھوٹا سا گاؤں ایک قدیم مقام ہے بلاشبہ یہ وہی پشیان ناد ہے جسکا ذکر کلہن نے اپنے ملک کی خانہ جنگیوں کے دوران میں کیا ہے جن باغی سرغنوں کو کشمیر

ہیں رہنا دشوار ہو جاتا تھا۔ وہ اس جگہ بھیڑا کرتے تھے وہاں سے وہ بآسانی حملے وغیرہ کر سکتے تھے اس جگہ پھر ہمیں یہ صداقت نظر آتی ہے کہ سرحد کشمیر اس سلسلہ کے فاصل آب پر سے ہو کر گذرتی تھی۔ کیونکہ پشیان نا دکی نسبت بیامر صاف لفظوں میں مذکور ہے کہ وہ علاقہ راجپوری سے متعلق تھا۔

پشیان سے سڑک ایک مغربی سمت میں ایک ایسی ندی کے ساتھ لگی چلی جاتی ہے جس کا تعلق پرنتس کے دریائے توشی (توہی) سے ہے اگلی منزل پہاڑی موضع بہرام گلہ کی ہے جو ایک خاصہ آباد مقام ہے اور جسکا ذکر سر لوپ نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۸ شلوک ۵۲۹ ۵۸۹ میں بھیرو گلہ کے نام سے کیا ہے بہرام گلہ سے سڑک جنوب کیطرف ہو جاتی ہے اور رتن پیر نامی درہ کے ذریعہ جو سطح آب سے ۸۲۰۰ فٹ بلند ہے اس سلسلہ کو عبور کرتی ہے جسکی نسبت قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ سلسلہ پیر پنچال ہی کی ایک شاخ ہے یہاں پہنچکر راستہ وسطی پہاڑوں کے سلسلہ سے آملتا ہے اور ایک کھلی وادی کیطرف رتے میں رجوری تک جسکا قدیم نام راجپوری ہے پہنچتا ہے اور سر دست ہم اسے یہیں پر چھوڑتے ہیں

پیر پنچال کا مرکزی حصہ۔ درہ پیر پنچال سے پرے اس سلسلہ کوہ کی چوٹیاں پھر بلندی اختیار کر لیتی ہیں چنانچہ درہ تنگ تل جو درہ پیر پنچال سے ۵ میل شمال کی طرف ہے اور جسکا ذکر ابو الفضل نے آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۴۸ پر کیا ہے اس سے بہت اونچا ہے چنانچہ اس کا راستہ لدو جانوروں کے لئے بالکل ناقابل گذر ہے

سٹائین صاحب لکھتے ہیں کہ ذاتی تجربہ کی بنا پر معلوم ہوا ہے کہان دوسرے دو دروں کی بھی یہی حالت ہے جنکے پہاڑی نام چت پانی اور چوٹی گلی ہیں اور جنمیں سے ہر ایک کی بلندی ۱۴۰۰۰ فٹ سے کم نہیں معلوم ہوتا ہے اول الذکر سے اس حملہ کے موقعہ پر کام لیا گیا تھا۔ جو سر لوپ کی راج ترنگنی ترنگ ۸ شلوک ۵۸۹ میں مذکور ہے چنانچہ اسجگہ لکھا ہے کہ ایک باغی فوج رجوری سے آکر اور کارچ گلہ کے قریب پہاڑوں کو عبور کر کے

سلطان محمد شاہ کی افواج متعینہ شورپور پر حملہ آور ہوئی نقشہ پر دیکھا جائے تو وہ پیر پنچال کی شمالی ڈھلوان پر جو کاچ گل کا جو مرگ دکھایا گیا ہے اسی سے مراد اس کاچ گل سے معلوم ہوتی ہے

کوہ تت کوٹی۔ درہ چوٹی گلی کے شمال مغرب کیطرف تھوڑے فاصلہ پر اس سلسلہ کی بلندترین برفانی چوٹی کوہ تت کوٹی آتی ہے جسکی بلندی ۱۵۵۲۴ فٹ ہے اس چوٹی کی صورت چونکہ نہایت نمایاں اور وسطی ہے اس لئے یہ تمام سلسلہ کوہ کے منظر میں بڑی وضاحت کے ساتھ دکھائی دیتی ہے خواہ اسے وادی کشمیر کیطرف سے دیکھیے خواہ پنجاب کے میدانوں کی طرف سے۔ اس کا نظارہ یکساں ہے شمال کیطرف اس کا پہلو عمودی اور اس قسم کی چٹانوں کا بنا ہوا ہے جس پر چڑھا نہیں جا سکتا جنوب کیطرف اسمایں برف کے تودے بکثرت ہوتے ہیں اور گوسٹائین صاحب کا گذر اس طرف سے موسم سرما کے اختتام پر ہوا تھا۔ تاہم انکو انہیں بہت زیادہ برف پڑی ہوئی نظر آئی تھی۔ ہم قبل ازیں اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ البیرونی نے اسی چوٹی کا نام کلارجک لکھا ہے گجرات سے پنجاب کے کسی مقام سے اس چوٹی کے چمکتے ہوئے برفانی گنبد کو دیکھا جائے تو ہر چند کہ فاصلہ بہت زیادہ یعنی ۸۷ میل (بالکل سیدھ میں) ہے تاہم اسے دیکھا ضرور جا سکتا ہے سٹائین صاحب نے تو ایسے ایام میں جبکہ مطلع صاف ہوتا تھا لاہور کے میناروں سے بھی اس چوٹی کو دیکھا ہے

اتت کوٹی سے آگے یہ سلسلہ اسیطرح بہت بلندی کے ساتھ ایک فاصلہ تک چلا جاتا ہے اور اسکی اونچائی کہیں بھی چودہ یا پندرہ ہزار فٹ سے کم نظر نہیں آتی آگے چلکر اس حصہ میں سنگ سفید لونلور اور چور گلی کے درے آتے ہیں جو سب کے سب دشوار گذار ہیں اور وادی لوہر (لوہرین) کیطرف جاتے ہیں۔ الغرض اس سے بڑھ کر جب ہم درہ توش میدان پر پہنچتے ہیں تو وہ واقعی ایک قابل ذکر اور قدیم درہ معلوم ہوتا ہے۔

درہ توش میدان۔ یہ درہ چونکہ دارالسلطنت کشمیر و لوہر کے مابین ایک براہ راست

ذریعہ آمد و رفت تھا۔ اس لئے کشمیر کے آخری راجاؤں کے عہد میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ لوہری کے رہنے والے تھے اور وہیں ان کا قلعہ تھا یہی باعث ہے کہ آخری دو ترنگوں میں اس درہ کا ذکر اکثر مقامات پر آتا ہے لیکن اس تاریخی تعلق کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی فوائد کے باعث کشمیر کے قدیم دروں میں اس درہ کو ہمیشہ سے ایک خاص اہمیت حاصل چلی آئی ہے یہ وادی پونچھ (پرنوتس) میں داخل ہونے کا سب سے چھوٹا راستہ تھا اور اس اعتبار سے اس کے راستہ مغربی پنجاب کے اس حصہ میں لوگ آسانی پہنچ سکتے تھے جو دریائے جہلم و سندھ کے مابین واقعہ ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایام قدیم میں سڑکوں اور ذرائع سفر کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ ان اطراف میں محفوظ ترین راستہ تھا

کارکوٹ درنگ ۔ یہ قدیم راستہ موجودہ موضع درنگ سے شروع ہوا کرتا تھا جو بیرو پرگنہ میں دامن کوہ میں واقعہ ہے ظاہر ہے کہ اس جگہ درنگ سے مراد اس کے قدیم معنوں میں چوکی سے ہے جیسا کہ نوٹ ۴۸۹ و ۲۱۶ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے اس مقام کا قدیم نام کارکوٹ درنگ ہوا کرتا تھا۔ ممکن ہے اس نام کے ابتدائی حصہ کارکوٹ کا موجب وہ پہاڑی ٹیلہ ہو جسکا موجودہ نام کاکودر ہے اور جو اس سڑک پر آگے چلکر آتا ہے ظاہر ہے کہ کشمیری لفظ کاکودر سنسکرت لفظ کارکوٹ دہر سے حاصل کیا جا سکتا ہے تیرتھ سنگرہ میں انہی اطراف میں ایک مقام کارکوٹ ناگ کا بھی ذکر آتا ہے

درنگ سے جہاں آجتک چونگی کی چوکی موجود ہے سڑک توش میدان کے کنارہ کنارہ ایک جنگل سے ڈھکے ہوئے ڈھلوان پر سے ہو کر گذرتی ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ درحقیقت ایک نشیب و فراز مرغزاری زمین کی ایک مرتفع سطح ہے جو بتدریج دس ہزار فٹ کی لیول سے اونچی ہوتی جاتی ہے جس مقام پر سڑک سطح کے شمالی کنارہ سے آکر لگتی ہے وہاں چند خستہ حال برج واقعہ ہیں معلوم ہوتا ہے جب سکھوں نے ۱۸۱۴ء میں حملہ کیا تھا اسوقت آخری مرتبہ ان کی مرمت کی گئی تھی۔ لیکن اغلباً وہ اس سے زیادہ

پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ اس مقام کا نام آجتک بربل ہے جس کے معنی کشمیری زبان میں "دروازہ کا مقام" ہیں کیونکہ کشمیری میں بر کا لفظ سنسکرت لفظ دوار سے مترادف ہے اس نام ور اس مقام کے خاص محل وقوع کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہی اس راستہ کا دوار یا دروازہ تھا۔

توش میدان کی سطح مرتفع عبور کرنے کے بعد یہ راستہ کاکودر کے کرارہ کی طرف بتدریج ڈھلوان گھاس وار ٹیلوں کے اوپر سے ہوتا ہوا گذرتا ہے اور آخر الذکر کے جنوبی دامن کے پاس سے ہوتا ہوا درہ کے قریب پہنچ جاتا ہے یہ چڑھائی اسقدر بتدریج اور آسان ہے کہ گو آخر الذکر کی بلندی ۱۳ ہزار فٹ سے زیادہ ہے تاہم اگر چھکڑوں کے گذرنے کی سڑک بنائی جائے تو اسمیں چنداں دقت پیش نہ آئے درہ بجائے خود آسان گذار ہے اس کے مغرب کی طرف دو سڑکیں ملتی ہیں ایک تو وادی گاگری میں اتر کر موضع چامبر کے پاس سے گذرتی ہے جسکا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۱۸۷۵ تا ۱۸۷۷ میں سارمبر کے نام سے آیا ہے دوسری ایک اور کرارہ کے اوپر سے ہوکر جنوب مغربی سمت میں اس وادی کیطرف چلی جاتی ہے جسکا موجودہ نام لوہرین ہے۔

لوہر۔ قبل ازیں لوٹ ع ضمیمہ کتاب ہٰذا میں قدیم قلعہ لوہر کے اس مقام کے بارہ میں بحث کیجا چکی ہے جسکا سراغ اس عظیم اور زرخیز وادی میں سٹائین صاحب نے لگایا تھا وادی کے آگے کیطرف کوئی ۸ میل کے فاصلہ پر اس مقام پر جہاں اسکا پانی اس ندی سے آکر ملتا ہے جو گاگری سے آتی ہے منڈی کا بڑا گاؤں واقعہ ہے اس جگہ اتا لکا کی قدیم منڈی واقعہ ہوا کرتی تھی جسکا ذکر بار بار کلہن نے کیا ہے منڈی سے آگے کی طرف راستہ پرنتس توہی (توشی) کی کھلی وادی میں سے ہوکر گذرتا ہے جہاں سے میدانوں کے ساتھ بآسانی آمد و رفت کا سلسلہ قائم رکھا جاسکتا ہے

راستہ توش میدان کی اہمیت۔ راستہ توش میدان کی تاریخی اہمیت کا پتہ

اس بات سے چلتاہے کہ دو مختلف موقعوں پر اس طرف سے کشمیر پر چڑھائی کی گئی۔ قبل ازیں ہم محمود غزنوی کے اس حملہ کا ذکر کر چکے ہیں جو شاید اس نے ۱۰۲۱ء میں کیا تھا اور جس کے ہمراہ البیرونی بھی تھا جس کی بدولت ہمیں بہت سی قابل قدر واقفیت حاصل ہوئی ہے۔ ہندوؤں کے زمانہ میں یہ اپنی قسم کا سخت ترین حملہ تھا لیکن کچھ تو بے وقت برف باری اور کچھ قلعہ لوہر کا اچھی طرح بچاؤ کرنے سے اس وقت اسمیں ناکامی ہوئی اس کے بعد جب ۱۸۱۴ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اسی راستہ کشمیر پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو اسے بھی چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ سکھ فوج کے جس حصہ کا وہ خود سپہ سالار تھا وہ بحفاظت توش میدان کی سطح مرتفع پر پہنچ گئی۔ جہاں ان برجوں کے قریب جن کا حوالہ قبل ازیں دیا جا چکا ہے افغان محافظ متعین تھے لیکن کچھ تو اسجگہ فوج کو سامان رسد نہ ملنے اور کچھ اس حصہ فوج کو جو راستہ پیر پنچال سے کوچ کر رہا تھا شکست ملنے کی خبر آنے سے یہ فوج پسپا ہوئی اور بالآخر لوہرین کے تنگ کوہی دروں میں سے نادم ہو کر بھاگ نکلی۔

اس جگہ یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ راستہ توش میدان کو غالباً ہیون سانگ نے اس وقت استعمال کیا تھا جب وہ پرونتس یا پرنتس کیطرف روانہ ہوا جب تک وادی جہلم کی جھکڑوں کی سڑک تیار نہ ہوئی تھی اکثر تجارتی آمدورفت اسی راستہ پر سے ہوا کرتی تھی لیکن یہ درہ چونکہ زیادہ بلند ہے اسلئے پیر پنچال کے درہ سے زیادہ عرصہ تک بوجہ برف باری بند رہتا ہے اسی باعث موسم سرما میں لوہر سے کشمیر جانے کے لئے مغرب کیطرف کے وہ نچلے درے استعمال کیئے جاتے تھے جو بارہ مولا سے نیچے وادی وتسٹہ کی طرف جاتے ہیں۔

درہ توش میدان کے شمال کیطرف تھوڑے فاصلہ پر اس سلسلہ کوہ کی بلندی ۱۵۰۰۰ فٹ کے قریب ہو جاتی ہے اور اسکی نمایاں برفانی چوٹیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

یہاں سے بتدریج اسکی چوٹیاں نیچی ہونے لگتی ہیں اور نواحات گلمرگ سے چند نشیب درے اسمیں سے گذرتے ہیں۔ گلمرگ کے پیچھے کی طرف ایک چوٹی ہے جسکا نام نقشہ پر سلر دکھایا گیا ہے اور اسمیں سے چند ایک گرالے اوہر اودہر نکلتے ہیں۔ یہ گویا اس سلسلہ کا شمالی سرا ہے اور ان کے انتہائی مقامات نہایت عمودی طور پر کھردری چٹانیں لئے ہوئے وتشٹہ کی تنگ وادی کیطرف کو اترتے ہیں۔

۳۔ وادی وتشٹہ

وتشٹہ کی وادی ۔ قبل ازیں ہم اس بات کا ذکر کر آئے ہیں کہ کشمیر کے پانی کے نکاس کا واحد راستہ اور ملک کا عظیم دروازہ وادی وتشٹہ ہے اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس قدیم سڑک کو جو اسمیں سے ہو کر گذرتی ہے نیز قدرتی بچاؤ کی ان صورتوں کو جو اسے حاصل ہیں سرسری طور پر دیکھ لیا جائے۔

بارہ مولا سے نیچے وادی وتشٹہ دو کوہی سلسلوں میں محدود ہے اس کے جنوب کی طرف تو سلسلہ پیر پنچال کی ایک شاخ ہے جو گلمرگ کے پیچھے ایک مقام پر اصلی سلسلہ سے الگ ہوتی ہے شمالی سلسلہ اس کوہی نظام سے تعلق رکھتا ہے جسکی کارج ناگ چوٹی ۱۴۰۰۰ فٹ کی بلندی تک پہنچتی ہے اور جسکا عام طور پر یہی نام مشہور ہے یہ دونو سلسلے دریا کے ساتھ ساتھ چلے جاتے ہیں گو ۲۰ میل مغرب کیطرف مظفر آباد کے قریب ایک مقام تک انکی اونچائی بتدریج کم ہوتی جاتی ہے آخر اس مقام پر پہنچکر دریائے وتشٹہ یکا یک جنوب کی طرف کو مڑ جاتا ہے۔

اس وادی کے سارے طولانی حصہ میں دونوں طرف سے کم و بیش عمودی اور کھردرے ٹیلے آگے نکلکر تا اس دریا تک پہنچے ہیں بارہ مولا سے نیچے پانی نہایت تیزی سے بہتا ہے

کیونکہ اس قدر فاصلہ میں لیول بقدر ۳۰۰۰ فٹ کم ہو جاتی ہے شروع سے آخر تک یہ وادی تنگ اور ناہموار ہے لیکن قدیم کشمیری سرحد تک ۵۰ میل کا فاصلہ اسکی حالت ایک تنگ کھڈ سے مشابہ ہے جسمیں صرف کہیں کہیں دریا سے اونچی مرتفع سطح نظر آتی ہے جہاں لوگ آباد ہو اور کاشت کر سکتے ہیں۔

چونکہ یہ وادی نہایت تنگ ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس راستہ پر سے آمدو رفت تکلیف دہ اور خطرناک ثابت ہؤا کرتی ہوگی کچھ تو اس طویل تنگ درہ کی مشکلات قدرتی طور پر ہی زیادہ تھیں۔ کچھ وہ اس وجہ سے بڑھی ہوئی تھیں کہ اس جگہ زمانہ قدیم ہی سے کھشوں کی آبادی غالب رہی ہے۔ سب سے آخر سکھ ان دروں میں سے ادھر کو گذرے تھے اور انہوں نے پہاڑی قوموں کے ہاتھوں کچھ کم تکالیف نہ اٹھائی تھی اس وادی میں انہوں نے جو قلعے بنوائے تھے انہیں دیکھ کر اجتک خیال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس راستہ کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے کسقدر دقتیں پیش آئی ہونگی مورکرافٹ صاحب کی کتاب ٹریولز کی جلد ۲ صفحہ ۲۸۱ کو دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۲۳ء میں جب انہوں نے مظفرآباد کے راستہ گذرنے کی کوشش کی تو راستہ کی پہاڑی قوموں نے انہیں بہت سی تکالیف پہنچائی تھیں نیز دیکھو لارنس صاحب کی کتاب ویلی صفحہ ۲۰ زمانہ قدیم میں چونکہ باردت دار ہتھیاروں کا رواج نہ تھا اسلئے ان خطرناک تنگ دروں میں سے فوجوں کو گذارنے کی مشکلات اس زمانہ میں اور بھی زیادہ ہؤا کرتی ہونگی اس راستہ کو ایک اس قسم کے ہوشیار دشمن سے محفوظ کرنا واقعی ایک مشکل کام ہوتا ہوگا جو بآسانی تمام باا ثر مقامات پر قبضہ پاکر اپنا اقتدار جمائے

راستہ وادی وتشٹہ - یہی باعث ہے کہ تواریخ کشمیر میں وتشٹہ والے راستہ کا ذکر نسبتاً بہت کم آیا ہے چونکہ موجودہ ضلع ہزارہ دسارہ تک جانے کے لئے یہ مختصر ترین راستہ تھا اس لئے یقیناً زمانہ قدیم سے استعمال ہوتا چلا آیا ہے۔

قبل ازیں ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ ہیونگ سانگ اور او کانگ نے قدیم گندہار اور ارشا سے آتے ہوئے کشمیر میں داخل ہونے کے وقت اسے استعمال کیا تھا اور البیرونی کو بھی یہ راستہ معلوم تھا۔ لیکن یہ امر اغلب ہے کہ اس زمانہ میں اسکی فوجی اور تجارتی اہمیت درہ پیر پنچال اور توش میدان کے راستوں سے بہت کم ہوتی تھی اس اہمیت کی ابتدار شاید کشمیر کے عہد افاغنہ میں ہوئی تھی۔ جبکہ وہ راستہ جو وتسٹہ کے ساتھ ساتھ مظفر آباد تک اور ہزارہ میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ کشمیر اور پشاور کے درمیان سب سے چھوٹا اور زیادہ محفوظ ذریعہ آمدورفت تھا۔ چنانچہ بیرن ہوگل نے اپنی کتاب کشمیر کی جلد ۲ صفحہ ۴ پر ایک کشمیری روایت کا جو بدیں مطلب ہے ذکر کیا ہے کہ میرے وہاں جانے (سنہ ۱۸۳۵ء) سے کوئی ۸۰ سال پہلے پٹھانوں کے وقت میں یہ راستہ کھلا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب پنجاب کا الحاق عمل میں آچکا۔ تو قدرتی طور پر مسافر زیادہ تر کوہ مری کی طرف جانے لگے۔ بالآخر جب اب سے تھوڑی مدت پہلے مری سے بارہ مولا تک تانگہ کی سڑک بن گئی۔ تو اس راستہ کی اہمیت اور بھی دوبالا ہو گئی۔ بحالت موجودہ وادی کے دونوں پہلوؤں پر سے ایک ایک سڑک حافظ آباد کیطرف جاتی ہے لیکن ان میں اگر کسی سڑک کو قدیم کہا جا سکتا ہے تو وہی ہے جو دریا کے دائیں کنارہ کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔ مقابل والے کنارہ پر کا راستہ جہاں اب گاڑیوں کی سڑک بنگئی ہے اب سے صرف تھوڑے سال پیشتر اس وقت سے استعمال میں آنے لگا ہے جب سے کوہ مری اور راولپنڈی کو آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا ہے جس جگہ پرانی سڑک ہوا کرتی تھی اس کا پتہ جغرافیائی امور سے بآسانی لگ سکتا ہے۔

ارشا سے تعلق - قبل ازیں ہم اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ وادی وتسٹہ کا راستہ اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا تھا کہ وہ ہزارہ (ارشا) اور اسی کے سلسلہ میں قدیم گندہار کی طرف جاتا تھا اگر آپ نقشہ کو سرسری نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو سکتا ہے

کہنزارہ کے کھلے وسطی حصہ میں پہنچنے کے لئے صرف مظفرآباد کے اوپر کیطرف کشن گنگا کو عبور کرنے اور اس کے بعد اس نشیب ٹیلہ پر سے ہو کر گذرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو اس دریا اور کنہار ندی کے مابین حائل ہے اس جگہ جو راستہ نمایاں کیا گیا ہے اسکا سلسلہ قدرتی طور پر دتشہ کے دائیں کنارہ جانب کشمیر چلا گیا ہے اور دریا کو عبور کرنے کی کہیں بھی ضرورت نہیں پڑتی اس بات کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے کہ اس راستہ کا ذکر جس پر ایبٹ آباد گڑھی حبیب اللہ۔ مظفرآباد بارہ مولا کی منازل واقع ہیں۔ البیرونی کے سفرنامہ میں بھی آتا ہے۔

بارہ مولا کا دروازہ۔ اب ہم کشمیر کیطرف سے شروع ہو کر اس بات کو دیکھنے لگتے ہیں کہ اس راستہ کا پرانا ذکر کس کس جگہ آیا ہے یہ سڑک درحقیقت دراہ مولا ہنک پور سے چلا کرتی تھی۔ جہاں آجکل بارہ مولا اور اشکر واقعہ ہیں ہنک پور جو دریا کے بائیں کنارہ پر واقعہ ہے ان دونوں میں زمانہ قدیم میں زیادہ اہمیت رکھتا تھا لیکن اب وہ محض ایک گاؤں رہ گیا ہے لیکن بارہ مولا جو مقابل کے کنارہ پر واقعہ ہے اب ایک خوشحال مقام اور عمدہ تجارتی مرکز ہے یہ دریا اور ایک عمودی پہاڑی پہلو کے دامن میں ایک تنگ قطعہ زمین پر واقعہ ہے

بارہ مولا کی درنگ۔ شہر کے مغربی سرے کے قریب ایک عمودی طور پر ڈھلوان ٹیلہ دریا کے تاس تک پہنچتا ہے سڑک کے لئے صرف چند گز کا فاصلہ بچا ہوا ہے ۱۸۹۶ء تک اس مقام پر ایک پرانا خستہ حال پھاٹک ہوا کرتا تھا جو لوگوں میں درنگ یا چوکی کے نام سے مشہور تھا اس جگہ ملٹری پولیس کی چوکی ہوا کرتی تھی اور جب تکسطریق راہ داری میں آنے جانے والوں پر اسجگہ سے نگرانی کیجاتی تھی۔ سٹائین صاحب نے اس پھاٹک کو ۱۸۹۲ء میں دیکھا تھا لیکن جب وہ مئی ۱۸۹۸ء میں اس جگہ پہنچے تو اسکی بنیادیں تک نظر نہ آئیں کیونکہ اسکی خستہ حال دیواریں نیلام ہو کر بک چکی تھیں اور

اس کا موجد کوئی ٹھیکہ دار اٹھا کر لے گیا تھا۔

ہر چند کہ یہ پھاٹک اب سٹائین صاحب کے دیکھنے میں آچکا تھا سکھوں کے عہد حکومت سے پہلے کا نہ تھا تاہم اسمیں شک نہیں کہ وہ اسی مقام پر واقعہ تھا۔ جہاں درہ مولا کا قدیم پھاٹک یا دروازہ ہوتا تھا اسکی تصدیق اس طرح پر ہوتی ہے کہ اس سارے علاقہ میں یہی ایک مقام تھا جہاں نگرانی کی چوکی بسہولیت قائم کی جا سکتی تھی مور کرافٹ صاحب نے اسجگہ کی کیفیت تو صحیح طور پر بیان کردی ہے البتہ اس کے لیئے درنگ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

پس ہمیں خیال کرنا پڑتا ہے کہ وہ "سنگین دروازہ جو سلطنت کا مغربی دربہا" اور جس میں سے گذر کر کتاب وائی ڈی ہیون سانگ کے صفحہ ۹۰ کے بموجب وہ مشہور چینی سیاح شک پور (ہو سی۔کیا۔لو) میں پہنچا تھا۔ جہاں وہ شب اول کو اس وادی میں مقیم ہوا۔ اس جگہ واقعہ ہوا کرتا تھا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۳۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلہن نے اس کے لیئے دوار کا لفظ استعمال کیا ہے اور جیسا کہ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں اوکانگ۔ اور البیرونی یہ دونوں بھی اس چوکی سے بخوبی واقف تھے۔

جس مقام پر دریا سرعت کے ساتھ چٹانی کھڈمیں سے ہو کر گذرتا ہے یہ سڑک اس کے کنارہ کنارہ چلی جاتی ہے درنگ سے نیچے کوئی ½۲ میل کے فاصلہ پر چٹانوں کے پہلو کسیقدر پیچھے کو ہٹ جاتے ہیں اور اس جگہ تھوڑا سا کھلا حصہ نکل آیا ہے جہاں پر نارن تھل کا چھوٹا سا گاؤں واقعہ ہے اس کے پاس ایک چھوٹا سا مندر اور چشمہ ہے جہاں یاتری اکثر جاتے ہیں غالباً یہ وہی مقام ہے جسکا نام نیل مت پران کے شلوک ۱۱۷۹-۱۳۱۵-۱۳۴۹ میں نارائن استھان آیا ہے مخفی نہ رہے کہ یہی نام مختلف موقعوں پر در راہ کشیر تہاتموں میں بھی آیا ہے

یکشدرہ۔ اس مقام سے کوئی ایک میل نیچے کی طرف اور کھادنیار کے چھوٹے

گاؤں کے قریب جسکا نام ترنگ ۳ کے شلوک ۹۸ میں کھادنا ہار آیا ہے دریا ایک عمودی اور تنگ کوہی شاخ کی وجہ سے جو شمال مغرب کیطرف سے وادی کے آگے کی طرف بڑھی ہوئی ہے مڑ جاتا ہے تا س دریا کے نیچے چٹانوں کا سلسلہ اسطرح پر واقعہ ہے کہ اسجگہ پانی بہت تیزی کے ساتھ بہتا ہے اور کشتیاں بالکل گذر نہیں سکتیں اس شاخ کوہ میں ایک تنگ اور گہری کاٹ بنی ہوئی ہے جسکا نام دیار گل ہے اور جمیں سے سڑک ہو کر نکلتی ہے۔ کلہن نے اپنی راج ترنگنی میں بجا طور پر اسکا نام یکش در لکھا ہے ترنگ ۵ کے شلوک ۸۷ میں جس روایت کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بموجب اونتی ورمن کے انجنیر سوئیہ نے دریائے وتستہ کی لیول کرنشیب کرنیکا کام اس مقام تک کیا تھا۔

وادی وتستہ کی پرانی سرحد۔ دیار گل سے کوئی ۲ میل نیچے کیطرف موضع ذہن پور کے قریب ہم بعض قدیم مقامات کے پاس سے ہو کر گذرتے ہیں جنکی کیفیت ہم سی کیفیت دگنی اور دان ہوگل صاحب نے دی تھا اس سے بھی نیچے کیطرف موضع گنگل کے قریب نقشہ پر ایک قدیم مندر کے کھنڈرات دکہائے گئے ہیں جہاں تک جانے کا سٹائین صاحب کو موقعہ نہیں ملا لیکن اس حصہ راہ میں کوئی بھی مقام اس قسم کا نہیں جسکا کچھ پتہ قدیم ماخذوں سے چلتا ہو حتیٰ کہ ۳½ روزانہ کوچوں کے بعد ہم اس بغلی وادی میں پہنچتے ہیں۔ جسے نقشہ پر پلیس کے نام سے دکہایا گیا ہے اس وادی اور اس کے دہانہ والے بڑے سے موضع کا نام پہاڑی لوگوں میں پلیاس مشہور ہے لیکن وادی وتستہ میں جو مختلف مقامات پر کشمیری لوگ آباد ہیں وہ سے بلیاس کہتے ہیں یہ نام سٹائین صاحب نے مقامی تحقیقات کی بنا پر معلوم کیا تھا اور اسی کے سلسلہ میں انھوں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ وہی مقام ہے جسکا نام راج ترنگنی میں بولیا سک آیا ہے ترنگ ۵ کے شلوک ۲۲۵ میں جہاں کلہن نے سنہ ۹۰۲ء میں راجہ شنکر ورمن کی دریائے سندھ کیطرف افوسناک چڑہائی کرنے کی کیفیت قلمبند کی ہے اس جگہ بولیا سک کو وہ

مقام بتایا ہے جہاں کشمیری فوج ارشا سے واپس آتی ہوئی اپنے ملک کی حدود میں داخل ہوئی تھی۔ یہ حوالہ اس لحاظ سے زیادہ دلچسپ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے ہندوؤں کے عہد میں کشمیر کی حکومت وادی کے اس مقام تک پھیلی ہوئی تھی اس سے ہم بآسانی اس نتیجہ کی بھی تصدیق کر سکتے ہیں کہ بارہ مولا میں ایک دوار واقعہ ہوا کرتا تھا۔

آخر الذکر مقام پر کھڈ میں ایک قسم کی چوکی بآسانی قائم ہو سکتی تھی کہ جہاں آمدورفت پر نگرانی اور چونگی وصول کیجا سکے لیکن فوجی محافظت کے اعتبار سے وادی کشمیر کے عین قریب کسی سرحدی لائن کا موجود ہونا غیر محفوظ سمجھا جا سکتا ہے ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سٹائین صاحب خیال کرتے ہیں کہ بارہ مولا سے نیچے کیطرف وادی وتسٹہ موجودہ بولیاس تک سرحد سے پرے کے مقبوضہ علاقہ کی صورت میں کشمیر میں داخل تھی اسی مقام سے چند میل نیچے کی طرف وادی پر چڑھتے ہوئے سڑک پر پہلی مشکلات درپیش ہوتی ہیں ایک سرحدی چوکی کے لئے مشکل اس سے بہتر محل وقوع حاصل ہو سکتا تھا۔

دیرانک۔ اس جگہ ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اسکی کامل تائید کلہن کے اس بیان سے ہوتی ہے جو اس نے بولیاس کے عین مقابل والے ایک مقام کے بارے میں دیا ہے کلہن نے ترنگ ۵ کے شلوک ۲۱۴ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۴۰۹ میں دیرانک نامی مقام کا ذکر واقعات کے سلسلہ میں اس انداز سے کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے وہ وادی وتسٹہ میں اور علاقہ کشمیر کی سرحد پر واقعہ تھا ان میں سے پہلے شلوک میں اس حملہ کا ذکر ہے جو دوارپش نے دیرانک پر کیا تھا اور آخر الذکر میں اس کا ذکر کھشوں کی بستی کے طور پر آیا ہے جہاں سنہ ۱۱۱۱ع میں سلل اسوقت پناہ گزین ہوا تھا جب اسے بارہ مولا سے فرار ہونے پر مجبور کیا گیا۔ سٹائین صاحب کا خیال ہے کہ اس مقام کا موجودہ

نام ویرن ہے جو ونتشٹ کے بائیں کنارہ اور بولیاس سے تھوڑے فاصلہ پر واقعہ ہے
دوارونی کا سرحدی علاقہ۔ پرانی سرحد جو اس طرح پر قائم ہوتی ہے اس سے
نیچے والی وادی کا نام اب دوار بدی مشہور ہے اسکا قدیم نام ہمیں راج ترنگنی کے
ایک شارح سے معلوم ہوتا ہے جس نے بولیا سک کا دوارونی میں واقع ہونا لکھا ہے
مقامی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ لوگوں میں ایک روایت اس مطلب کی اب تک
مشہور ہے کہ بولیاس سے اوپر تھوڑے فاصلہ پر جو ٹیکری ہے وہ دوار بدی کی مشرقی
حد ہے شنکرورمن کی جس مہم کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اسمیں ارشا کے دارالسلطنت
سے بولیا، کستک ۶ کوچ گنے گئے ہیں یہ اندازہ موجودہ حساب کے عین مطابق ہے
جسمیں نواحات بولیاس سے ایبٹ آباد تک ۶ کوچ ہی شمار کئے جاتے ہیں مقابلہ
کے لئے دیکھو نوٹ ع۲۰۴ کتاب ہذا۔
کننگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۰۴ اور ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحہ ۵۲۸۔
معلوم ہوتا ہے کہ ایبٹ آباد کے قریب جو ضلع ہزارہ کا موجودہ ہیڈ کوارٹر ہے ارشا کا پرانا
دارالسلطنت واقعہ تھا۔

ونتشٹ کا بایاں کنارہ۔ اب ہمیں صرف یہ دیکھنا باقی ہے کہ ان قدیم مقامات کے
بارہ میں جو وادی کے بائیں طرف واقع ہیں ہمیں کیا معلومات حاصل ہیں جیسا کہ قبل
ازیں واضح کیا جا چکا ہے اس طرف آمدورفت کا کوئی اتنا بڑا راستہ جیسا کہ موجودہ بڑی
بارہ مولا سڑک ہے موجود نہ تھا۔ تاہم اندازہ ہوتا ہے کہ اوری تک وادی کا در کوچ کا
فاصلہ بائیں کنارہ پر اکثر استعمال میں آتا رہا ہوگا۔ اوری سے ایک آسان گذار راستہ
درہ حاجی پیر میں سے پرنتس یا پونتس کی طرف جاتا ہے یہ درہ چونکہ بہت کم یعنی
صرف ۸۵۰۰ فٹ بلند ہے اسلئے کسی موقعہ پر بھی ایسا نہیں ہوتا کہ برفباری کے باعث
بالکل رک جائے یہی باعث ہے کہ سردیوں میں جبکہ کشمیر کیطرف آنے والے عام پیادہ

راستے راستے مثلاً دہ جو بیر پنجال - توش میدان یا دیگر بلند دروں کیطرف سے ہو کر آتے ہیں ناقابل گذر ہوتے ہیں توان دنوں میں تمام اس قسم کی بلند وادیوں کے باشندے جو پرنتس توہی کے قریب واقع ہیں اسے ہی استعمال کرتے ہیں

اشکر یا ہشاک پور سے وادی کے نیچے کی طرف کوچ کرتے ہوئے ہم پہلے اس شاخ کوہ کو عبور کرتے ہیں جو جنوب کیطرف سے بارہ مولا کی کھڈ کی حد بندی کرتی ہے اس کے بعد ہم ایک زرخیز چھوٹے میدان میں پہنچتے ہیں جو قریباً ۲ میل چوڑا ہے اور بلند صنوبر سے ڈھپے ہوئے پہاڑوں کے درمیان دیا رگل کے ٹیکرے کیطرف کو بطور ایک خوشنما اسفی تفیبرٹے کے واقع ہے اس کا نام نارواد مشہور ہے اور یہاں مواضع سنز و فتح گڈھ میں قدیم مندروں کے بہت سے آثار واقع ہیں ایک چھوٹی سطح مرتفع پر جو اس میدان کی مغربی حد بندی کرتی ہے بر لب دریا موضع کنس ہوم واقعہ ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں بدہوں کا قدیم معبد کرینا شرم واقعہ ہوتا تھا جسکی بنیاد کو کلہن نے ترنگ اوشلوک ۱۷۴ میں ایک عجیب روائت کی رو سے راجہ اشوک کے بیٹے سے منسوب کیا ہے نیز دیکھو نوٹس آن او کانگ صفحہ ۱۳ و کشمیندر کی کتاب سمے ماترکا ادہیائے ۲ شلوک ۶۱

پہلے روز کے کوچ کے خاتمہ کے قریب بونیار کے مقام پر ایک قدیم مندر کے کھنڈرات دیکھنے میں آتے ہیں جو آثار صنادید کے اعتبار سے بہت کچھ دلچسپی رکھتے ہیں موجودہ کتب سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس مندر کا کیا نام تھا اور کب اس کا تسلیم ہوا اسی قسم کے کچھ اور کھنڈرات جو ان سے زیادہ خستہ حال ہیں - بونیار اور راوری کے مابین وسطی حصہ میں سڑک کے قریب واقعہ ہیں۔

آخر الذکر مقام کے آگے وادی وتستا کے بائیں کنارے پر زیادہ تر ٹھکمہ توہین آباد ہیں - اور دائیں پر بوب قوم کے لوگ جو اپنی سے متعلق ہیں ٹکھکھوں سے مراد بلا

کھش لوگوں سے ہے جنکی ان آبادیوں کا ذکر جو وادی کے نچلے حصہ میں ویرانگ کے قریب واقعہ تھیں کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۰۹ میں کیا ہے کھشوں کی بدامنی اور غارتگری کا ذکر راج ترنگنی میں اکثر موقعوں پر آیا ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس طرح کھکھا اور بومب قوموں کا قیام انہی حصوں میں رہا ہے جہاں وہ زمانہ قدیم سے آباد چلے آتے ہیں ایسے ہی گذشتہ صدی کے وسطی حصہ تک انہوں نے اپنی قدیم شہرت کو برقرار رکھنے میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

۴۔ شمالی اور مشرقی کوہی سلسلے

کشن گنگا کی جانب کا سلسلہ۔ وہ پہاڑ جو وادی کشمیر کو شمال اور شمال مغرب کیطرف گھیرے ہوئے ہیں انہیں درحقیقت ایک ہی سلسلہ خیال کرنا چاہئے ان کا سلسلہ کہیں بھی شکست نہیں ہوتا۔ گو اس سلسلہ کی سمت بہت سے مقامات پر بہت کچھ بدل جاتی ہے جو راستے ان پہاڑوں میں سے ہوکر گذرتے ہیں انہیں کسی زمانہ میں بھی تاریخ کشمیر میں اسقدر اہمیت حاصل نہیں رہی جسقدر ان راستوں کو جو ہندوستان اور مغرب کیطرف جاتے ہیں یہی باعث ہے کہ اس سلسلہ کوہ کے متعلق جغرافیہ قدیم کی جو واقفیت ہم بہم پہنچا سکتے ہیں وہ بہت کم تفصیلات پر مشتمل ہے

ہمیں اس سلسلہ کے اس حصہ کے متعلق بہت ہی کم واقفیت حاصل ہوتی ہے جو بارہ مولا کے شمال مغرب میں کاجناگ چوٹی سے ملکر جنوباً شمالاً بالائی کشن گنگا کیطرف جاتا ہے اس حصہ کا فاصل آب کرناد کی طرف جسکا قدیم نام اونٹ ۹۱۱ کتاب ہذا کے بموجب کرناہ تھا کشمیر کی مغربی حد کا کام دیتا ہے یہ علاقہ جسے موٹے نقشوں میں کشن گنگا اور سلسلہ کاجناگ کے مابین واقعہ سمجھا جا سکتا ہے کسی زمانہ میں کشمیر کے ماتحت رہ چکا

معلوم ہوتا ہے کلہن کی راج ترنگنی میں اس کا ذکر صرف آخری حصہ میں آتا ہے لیکن اس جگہ بھی اس قسم کی تفصیلات موجود نہیں جن سے معلوم ہو سکے کہ اس طرف کون کونسی سڑکیں جاتی ہیں جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے یہ سڑکیں قدیم اضلاع شمالاً (اہمل) اور اتر سے شروع ہوتی ہیں۔

جس مقام پر اس سلسلہ کی چوٹی کشن گنگا کے قریب تر واقعہ ہے۔ وہاں سے یہ مشرق کیطرف مڑ جاتا ہے اور ایک سو میل سے زیادہ فاصلہ تک اسی سمت میں چلا جاتا ہے اس موڑ کے بعد ایک فاصلہ دراز تک چوٹیوں کی اونچائی بالا وسط ۱۲۰۰۰ سے ۱۳۰۰۰ فٹ رہتی چلی جاتی ہے اتر اور لولاؤ پرگنہ کے شمالی حصوں سے متعدد سڑکیں کشن گنگا کی سمت میں اس سلسلہ کو عبور کرتی ہیں۔

شردی کا راستہ ان سڑکوں کا حوالہ کلہن نے اس موقعہ پر دیا ہے جہاں وہ قلعہ سرہ شلا کی اس چڑھائی کا ذکر کرتا ہے جو اس کے زمانہ میں کی گئی تھی یہ قلعہ دریائے کشن گنگا پر دیوی شاردا کے قدیم تیرتھ کے قریب واقع ہوا کرتا تھا جسکا موجودہ نام شردی ہے قلعہ شرہ سلا اور شاردا تیرتھ کے متعلق دیکھو نوٹ نمبر ۲ و ۱۳ ضمیمہ کتاب ہذا ان راستوں میں سے ایک جس پر سے اب تک اس مندر کے یاتری گذرتے ہیں موضع ددنگ کے قریب سے ہوکر گذرتا ہے یہ امر یقینی ہے کہ اس مقام کا نام اس قدیم چوکی پر پڑا تھا جو اس جگہ واقع ہوا کرتی تھی اور یہی وہ درنگ تھی جسکا ذکر نوٹ نمبر ۹۱۵ کتاب ہذا کے بموجب کلہن نے اس حملہ کی کیفیت کے دوران میں کیا ہے۔

اس راستہ کے علاوہ جہاں یہ قدیم سرحدی مقام واقعہ ہوا کرتا تھا بعض اور بھی ہیں جو اسی سمت میں جاتے ہیں ایک ان میں سے وہ ہے جو مغرب کیطرف درہ سنتیل ون کے اوپر سے ہوکر گذرتا ہے دوسرا مشرق کی طرف واقعہ ہے اور کروس کی وادی میں سے گذر کر دریائے مدھومتی کے کنارہ جہیں شردی کے قریب جا پہنچتا ہے وادی کشن گنگا کے

جس حصہ میں یہ سڑکیں پہنچاتی ہیں وہ بجائے خود امید نہیں کہ کبھی زیادہ اہمیت رکھتا ہو گو نوٹ نمبر ۲ ضمیمہ کتاب ہذا کے مطابق اس بات کا خیال گذرتا ہے کہ یہاں پر کبھی دریاؤں میں سے سونا نکالا جایا کرتا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ ورنگ کا نام سن ورنگ پڑ گیا تھا لیکن شردی سے ایک اور سڑک دریائے کنکتوری (سرستی) کے ساتھ ساتھ ایک بلند درہ پر سے گذر کر چلاس واقعہ دریائے سندھ تک پہنچتی ہے جسکا ذکر بڈیس صاحب نے اپنے گزیٹیر کے صفحہ ۹۰۴ پر کیا ہے ممکن ہے زمانہ قدیم میں اس راستہ شردی تک کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا کرتا ہو۔

چونکہ چلاسی اور وادی کشن گنگا کے بدامنی پسند سردار اکثر حملے کرتے رہا کرتے تھے اس لئے پٹھان گورنروں کو یہ بات ضروری معلوم ہوئی کہ ورنگ اور نواحی مواقع میں درہ کی حفاظت کے لئے آفریدیوں کو بسا دیا جائے ان پٹھانوں کی نو آبادیوں کی موجودگی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جن حالات کی بنا پر درنگ میں قدیم چوکی قائم کی گئی تھی انمیں صدیوں کا عرصہ گذر جانے پر بھی کچھ اصلاح عمل میں نہ آئی تھی۔

بالائی وادی کشن گنگا۔ شردی سے اوپر کی طرف ایک دراز فاصلہ تک دریائے کشن گنگا ایک ناقابل گذر اور ویران کھڈ میں سے ہو کر گذرتا ہے اس لئے مشرق کیطرف ۳۰ میل کے فاصلہ تک ہمیں اس سلسلہ کوہ کو عبور کرنے والی کوئی خاص سڑک نظر نہیں آتی ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۱۰ اور اس کے بعد کے شلوکوں میں جہاں کلہن نے مدعی سلطنت بھوج کے قلعہ سرہ شلا سے فرار ہو کر بالائی کشن گنگا پر اس کے دردوں کے پاس چلے جانے کا ذکر کیا ہے اسمیں اس نے ان مشکلات کا خوب ہی سماں باندھا ہے جو اس سلسلہ کوہ کو سردیوں میں عبور کرنے میں پیش آتی ہیں لیکن آگے چلکر جو پہلا راستہ ہمیں نظر آتا ہے وہ ایک خاص اہمیت رکھتا ہے یہ جھیل ولر کے شمالی ساحل سے وادی کشن گنگا کے اس حصہ کیطرف جاتا ہے۔

جسکا نام گریز مشہور ہے اور ان راستوں سے جا ملتا ہے جو استور و علاقہ بالٹی واقعہ دریائے سندھ کی طرف جاتے ہیں وہ سڑک جو سنین حال میں زیر استعمال تھی اور جسے اب انگریز انجینیروں نے گلگت ٹرانسپورٹ سڑک کی صورت دیدی ہے۔ درہ تراگ بل یا رازدین گن کے ذریعہ جسکی بلندی ۱۲۰۰۰ فٹ ہے اس سلسلہ کوہ کو عبور کرتی ہے لیکن جو سڑک زمانہ قدیم میں زیر استعمال تھی وہ ۸ میل اور بھی مشرق کی طرف کو واقع تھی۔

درہ دگدہ گھاٹ۔ کلہن نے اکثر شلوکوں میں دگدہ گھاٹ کے پہاڑی قلعہ کا ذکر کیا ہے جو کشمیر کی طرف آنیوالی پہاڑی سڑک کو دردوں کے حملوں سے محفوظ رکھتا تھا ان لوگوں کی نسبت یہ ثبوت بآسانی دیا جا سکتا ہے کہ وہ اس زمانہ میں بھی آج کل کی طرح گریز کے قریب وادی کشن گنگا اور شمال کیطرف کے نواحی علاقوں پر قابض ہوا کرتے تھے کلہن کے بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ سرحدی قلعہ جو پہلے کشمیر کے ایک امیر کے قبضہ میں ہوا کرتا تھا لیکن بعد میں دردوں کے قبضہ میں جا پڑا تھا۔ کسی درہ کی چوٹی پر یا اس کے قریب واقعہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن راج ترنگنی میں جا بجا جو علامات پائی جاتی ہیں انکی بنا پر سٹائین صاحب اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ قلعہ درہ دو کھٹ کی چوٹی پر ہی واقع ہوا کرتا تھا اس مقام کے وقوع اور مفصل کیفیت کے لئے دیکھو نوٹ ع ۹۵ کتاب ہذا

کشمیر کی طرف سے اس درہ تک پہنچنے کا ذریعہ بندپور ندی کی وادی ہے جسکا قدیم نام اس وقت تک برہمنوں میں مدہومتی مشہور ہے اتوٹھ کے چھوٹے گاؤں کے قریب جسکا نام نقشہ میں اتوت دکھایا گیا ہے ایک بغلی وادی آجاتی ہے جو تنگ اور نیچے کیطرف کسی قدر دشوار گذار ہے لیکن آگے چلکر فراخ ہو جاتی ہے اس کا بلند ترین حصہ جو درہ کے عین قریب ہے ایک کھلی پہاڑی وادی کی صورت میں ہے جو بتدریج ایک گھاسدار ڈھلوان کی صورت میں اونچی اٹھتی جاتی ہے پہاڑی گلہ دیوں میں

اس کا نام وجے مرگ مشہور ہے۔

مرگ یا مٹھکا۔ لفظ مرگ جو کشمیری زبان میں کسی بلند پہاڑی چراگاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جہاں موسم گرما میں چرواہوں کو جانے کا اتفاق ہو دراصل سنسکرت لفظ مٹھکا سے ماخوذ ہے اسی کے برابر معنی رکھتا ہے ابتدا میں اس سے مراد وہ پتھر یا لکڑی کی بنی ہوئی جھونپڑیاں ہوا کرتی تھیں جو عام طور پر اس قسم کی بلند سطوح مرتفع یا وادیوں پر چرواہوں کی پناہ کے لئے بنی ہوئی ہوں سنسکرت لفظ مٹھکا اور اصل لفظ مٹھ بمعنی جھونپڑی یا سرائے کا اسم صغیر ہے آخر الذکر لفظ سے اخذ کیا ہوا کشمیری لفظ اب تک باقاعدہ ان پناہ کی جھونپڑیوں کے لئے بولا جاتا ہے جو تمام بلند دروں پر خصوصاً شمال کی طرف پائی جاتی ہیں اس حالت میں یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ وجے مٹھ راجی مٹھکا کی دوسری صورت ہے جسکی نسبت کلہن نے لکھا ہے کہ کشمیری فوجوں نے جب قلعہ کا ناکام محاصرہ کیا تھا تو وہ اس جگہ قیام پذیر ہوئی تھیں۔

اس ضمن میں ایک عجیب بات یہ قابل ذکر ہے کہ قلعہ دار فوج کو بہم رسانی آب کے لئے برف پر گذارہ کرنا پڑا تھا۔ چونکہ محاصرہ موسم گرما کے آخر میں کیا گیا تھا اس لئے برف کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ مگر محصورین کی خوش قسمتی سے از سر نو برفباری ہو گئی۔ اور انہیں پھر اسکی کافی مقدار مل گئی۔ سٹائین صاحب نے اندازہ کیا تھا کہ اس درہ کی رفعت ۱۰۰۰۰ فٹ ہو گی اور اس حالت میں اس جگہ بے موقعہ برفباری چنداں بعید از قیاس نہیں ہو سکتی۔ درہ تراگ بل کے نواحات میں کبھی کبھی ماہ ستمبر میں بھی برفباری ہو جایا کرتی ہے

درہ دو کھٹ سے ایک آسان گذار راستہ اس ٹیکری پر سے ہو کر جسکا نام نقشہ میں کسیر آیا ہے گریز کی طرف جو اس وادی کا صدر مقام ہے جاتا ہے۔ راج ترنگنی میں غالباً اسی کا نام درت پوری آیا ہے دو کھٹ کے اوپر والی سڑک چونکہ موسم گرما میں بالکل سیدھی

اور نسبتاً آسان گذار ہوتی ہے اس لئے گلگت والی سڑک کی تیاری سے پہلے دردتاجر اکثر اسی پر سے آیا جایا کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ بیرن ہوگل نے بھی اپنی کتاب کشمیر کی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ پر اسی کا ذکر کیا ہے مسلمانوں کے عہد میں یہ دونوں راستے ایک ملک کے زیر انتظام ہوا کرتے تھے جو قلعہ بند کوٹ میں رہا کرتا تھا جو کہ قدیم مانڑ گرام سے جسے نقشہ میں دکھایا گیا ہے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔

یہ امر اغلب ہے کہ زمانہ قدیم میں ان اطراف میں کوئی چوکی یا درنگ واقع ہوا کرتی تھی اور کلہن جہاں اس "شمالی در" کا ذکر کرتا ہے جس میں سے ہو کر سڑک پولیو یا بالسٹان کیطرف جاتی تھی وہاں اسکی مراد یا تو اس درنگ یا قلعہ دگدہ گھاٹ سے معلوم ہوتی ہے کوہ ہرمکٹ۔ درہ دوکھٹ کے مشرق کیطرف اس سلسلہ کی چوٹیاں بتدریج اونچی ہوتی جاتی ہیں حتیٰ کہ ہم ہرمکھ چوٹیوں کے عظیم کوہی مجموعہ کے قریب پہنچ جاتے ہیں یہ چوٹیاں کم و بیش ۱۷ ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچتی ہیں اور ان کے گرد بڑے بڑے برفانی تودے موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ وادی کشمیر کے بہت بڑے حصہ میں جانب شمال یہی چوٹیاں زیادہ نمایاں ہیں زمانہ قدیم سے ان کے متعلق مقدس روایات منسوب ہوتی چلی آئی ہیں اور ان کے برفانی تودوں کے نیچے جو جھیلیں واقع ہیں انہیں اب تک کشمیر کے مقدس ترین تیرتھوں میں داخل گنا جاتا ہے ان چوٹیوں کا قدیم نام ہرمکٹ یعنی شوجی کا مکٹ ہے اسکی تشریح اس روایت کے ذریعہ ہوتی ہے جو ہرچرت چنتامنی کے ادھیائے ۴ شلوک ۶۲ میں بالتفصیل بیان کی گئی ہے عقیدہ ہے کہ شوجی ان چوٹیوں پر نواس کرتے ہیں چنانچہ نیل مت پران کے شلوک ۹۰ ۱۰ میں شوجی کے کوہ ہرمکٹ پہ ہے اور نندی کشیر کے متعدد مقدس مقامات سے تعلق رکھنے کی روایات مذکور ہیں ان تمام باتوں کی بنا پر کشمیریوں میں اس بات کا اعتقاد قائم چلا آیا ہے کہ ان چوٹیوں کے شکھر پر انسانی قدم کبھی نہیں پہنچ سکتے۔

نندی کشیتر کے تیرتھ۔ وہ جھیل جو شمال مشرقی تودہ برف کے دامن میں ۱۳۰۰۰ فٹ سے زاید کی لیول پر واقع ہے اس کو کشمیری گنگا یا دریائے سندھ کا حقیقی منبع تسلیم کرتے ہیں اور اس لیئے اس کا نام اتر گنگا یا عام طور پر گنگ بل مشہور ہے ہر سال بھادوں کے مہینہ میں ہزاروں یاتری ہرمکٹ گنگا کی یاترا کے لئے جاتے ہیں اور یہ ان کی انتہائی منزل ہوتی ہے سال بھر کے عرصہ میں جو لوگ فوت ہو چکے ہوں انکی ہڈیاں بھی اسی جگہ پانی میں ڈالی جاتی ہیں۔

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب سٹائین صاحب کوہ ہرمکٹ پر چڑھنے کے لیئے آمادہ ہوئے تو ان کے کشمیری قلی جو مسلمان (!) تھے ان کے ہمراہ جانے پر رضامند نہ ہوتے تھے یہ واقعہ ستمبر ۱۸۹۴ء کا ہے اور وہ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ واپسی پر میرے برہمن دوست اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے کہ میں اس چوٹی تک پہنچ آیا ہوں ان کے نزدیک میرا اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ جانا ہی اس امر کی دلیل تھا کہ میں کوہ ہرمکٹ پر نہیں چڑھا۔

اس جھیل سے جسکا نام نیل مت پران یا دیگر کتب میں اترمانس بھی آیا ہے تھوڑا فاصلہ نیچے کیطرف ایک اور جھیل نندکول نامی ہے جسمیں ایک برفانی پہاڑ کا پانی پہنچتا ہے اس جھیل کا قدیم نام کالودک یا نندی سرس ہے جسکی روایت اس طرح پر ہے کہ لوگ خیال کرتے ہیں اس میں کال یعنی شوجی اور ان کا دفادار ساتھی نندن رہتے ہیں اسی نام کی بنا پر مقدس مقامات کے اس تمام مجموعہ کا نام نندی کشیتر پڑ گیا ہے اور کلہن نے جا بجا اس کے لئے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔

بھوتیشور کا تیرتھ۔ کانک ندیئے ندی کی وادی میں جسکا سنسکرت نام کنک واہنی ہے اور جو انہی جھیلوں سے نکلتی ہے شو بھوتیشور کا مقدس مقام واقع ہے جسکا موجودہ نام بوتھ شیر ہے اس کا کوہ ہرمکٹ کی روایات سے بہت تعلق ہے اور راج ترنگنی میں

اس کا اکثر ذکر آیا ہے چنانچہ بھوتیشور کی تاریخ اور اس کے آثار کے متعلق دیکھو نوٹ ۴۸
و ۲۵۶ کتاب ہذا۔ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۵۶ سے واضح ہوتا ہے یہ تیرتھ اس قدر
مالا مال تھا کہ کلہن کے وقت میں اس پر لوٹ مار کرنے والے پہاڑی قبائل نے حملہ
کر دیا تھا اب اس تیرتھ کی اہمیت مندروں کے چند دلچسپ آثار سے ہے یا بعض آثار قدیم
جیشٹھیشور کے مندر کے پائے جاتے ہیں جو نوٹ ۵۰ کتاب ہذا کے بموجب اس سے
ملحق ہے۔ جاتری لوگ مقدس جھیلوں کی طرف جاتے وقت کبرت گری کے ٹیلہ اور
برہم سر کی چھوٹی جھیل کی طرف سے ہو کر جاتے ہیں لیکن واپسی پر بھوتیشور کے
پاس سے ہو کر گذرتے ہیں۔

جھیل گنگا سے ایک اس قسم کا راستہ جس پر سے ٹٹو گذر سکتے ہیں درہ ست سرن کے
اوپر سے ہو کر نیلی کی طرف جاتا ہے جو دریائے کشن گنگا پر ایک درد علاقہ کا نام ہے
غالباً یہ وہی راستہ ہے جس پر سے ہو کر ترنگ ۷ کے شلوک ۹۱۱ کے بموجب راجہ ہرش کا
باغی بھائی وجے مل لہر (لار) سے علاقہ درد کی طرف چلا گیا تھا۔

ہرمکٹ کے مشرق کا سلسلہ کوہ۔ ہرمکٹ کی چوٹیوں سے مشرق کی طرف سلسلہ
کوہ جنوب کی سمت میں وادی کشمیر سے اوپر اٹھا ہوا نہیں ہے بلکہ دریائے سندھ پر
ہے۔ چوٹیوں کی عام سطح اب فراز ہونے لگتی ہے اور خاصی بڑی جسامت کے
برفانی تودے شمالی ڈھلوانوں پر نظر آنے لگتے ہیں۔ وادی سندھ کے سرے کے قریب
یہ سلسلہ جس کا ہم اب تک ذکر کرتے آئے ہیں ان برفانی پہاڑوں کے سلسلہ سے جا
ملتا ہے جو کوہ ننگا پربت سے جنوب مشرقی سمت میں تلہ شکن واقعہ سورو تک
پھیلا ہوا ہے اس عظیم کوہی سلسلہ کا مفصل ذکر ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں
کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھا ہے اس مقام اتصال کے جنوب میں چند میل کے فاصلہ پر ہم
پہاڑوں کے اندر ایک خالی مقام پر پہنچتے ہیں جو دریائے سندھ اور دراس کے نالے کے سو

میں نشیب ترین فاصل آب کا کام دیتا ہے یہ وہ درہ ہے جسکا عام لداخی نام زوجی لا مشہور ہے یہ ۱۱۳۰۰ فٹ کی بلندی بعندھ کے منبع سے اس بلند سطح کی وادی کی طرف جاتا ہے جو دریائے دراس اور سندھ سے سیراب ہوتی ہے۔

زوجی لا کا راستہ۔ زوجی لا کے اوپر سے ہو کر جو سڑک جاتی ہے وہ بلا شبہ زمانہ قدیم سے ایک اہم راستہ چلی آئی ہے یہ کشمیر کو لداخ اور تبت کو چین سے ملاتی ہے اس جگہ بھی نا قدیم وجدید میں قدرتی فاصل آب نسلی حد بندی کا کام دیتا رہا ہے اس درہ سے پرے بھوٹوں یا بھٹوں کی سرزمین شروع ہو جاتی ہے کیونکہ کشمیری کتابوں میں دریائے سندھ کے علاقہ کے تبتی باشندوں کے لئے یہی نام آیا ہے اور اب بھی وہ بٹ کے لقب سے مشہور ہیں۔

سب سے اول اوکانگ نے اس راستہ کا ذکر اس سڑک کے تذکرہ کے دوران میں کیا ہے جو مشرقی دریں سے ہو کر توخاں یا تبت کیطرف جاتی ہے کلہن کو اس کے ذکر کا موقعہ اس لئے نہیں ملا کہ وہ علاقے جو اس سے پرے واقع تھے وہ راجگان کشمیر کے سیاسی اقتدار سے باہر تھے۔ تاہم ترنگ ۸ کے شلوک ۲۸۰۷ میں جہاں وہ بھڑا شٹرادھون (بھٹوں کے ملک کا راستہ) کا ذکر اس موقعہ پر کرتا ہے جبکہ درددں نے بھوج کو کشمیر تک اس پر سے اس حالت میں گذارنا چاہا تھا جب سردی کی وجہ سے ان کے علاقہ کی سیدھی سڑکیں بند ہوئی تھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسکی مراد اسی زوجی لا سے ہے ایک آسان گذار درہ نہیں کو جو کشن گنگا کے سرے پر واقع ہے مشرق پر علاقہ دراس سے ملاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھوج وہاں سے براستہ زوجی داخل کشمیر ہو گیا ہو گا۔ اس درہ کا قدیم نام ہمیں معلوم نہیں تاہم اس قدر خبر ضرور ہے کہ ایک سے زیادہ مرتبہ اس کے ذریعہ کشمیر پر کامیاب حملے ہوئے ہیں چنانچہ جیسا کہ جونراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۱۴۲ اور ۱۶۵ سے واضح ہوتا ہے ۱۴ ویں صدی

کے ابتدائی حصّہ میں ترک (!) وچ اور بھوٹ رکچن جن کے غضب کی وجہ سے وادی کشمیر میں ہندو طاقت پامال ہوئی اسی راہ سے داخل ہوئے تھے رکچن جس قریب سے ٹھر (لار) تک پہنچ گیا تھا اس کا ذکر آخر الذکر شلوک میں آیا ہے۔ اسی شلوک میں جو لہر کوٹ مذکور ہے اس کا قائم مقام شاید اب اس راستہ کی قدیم چوکی ہے لیکن اس کا محل وقوع مشتبہ ہے اس کے ۲ صدی بعد مرزا محمد حیدر اپنی تھوڑی سی مغل فوج کو ساتھ لیکر چڑھ آیا۔ اور ۱۵۳۲ء میں فتح ونصرت کے ساتھ داخل کشمیر ہوا جیسا کہ تاریخ رشیدی مترجمہ میرزا الیاس ورا س کے صفحہ ۴۲۳ سے واضح ہوتا ہے اس نے اس مہم کی جو کیفیت قلم بند کی ہے وہ بعض پہلو جغرافیائی دلچسپی کے بھی رکھتی ہے

زوجی لا کے مشرق۔ جنوب مشرق میں کوئی ۱۰ میل کے فاصلہ پر ایک بلند چوٹی واقع ہے جس سے وہ مقام نمایاں ہوتا ہے جہاں پر وہ سلسلہ جو کشمیر کی مشرقی حدبندی کرتا ہے اصلی سلسلہ سے الگ ہو جاتا ہے یہ سلسلہ مین جنوب کیطرف جاتا ہے حتےٰ کہ دریائے ونشٹ کے جنوبی منبع تک پہنچ جاتا ہے پھر یہ شمال مغرب کیطرف مڑتا ہے اور درہ بانہال پر سلسلہ پیرپنچال سے جا ملتا ہے اس سلسلہ میں سے ہو کر وہ سڑکیں گذرتی ہیں جو کشمیر کو مشرق میں وادی مدی وادن سے جو چناب (چند ربھاگا) سے سیراب ہوتی ہے اور کشتوار سے جسکا قدیم نام کاشتوات تھا اور جو دریائے چناب پر واقع ہے ملاتی ہیں یہ دونوں وادیاں تنگ بمشکل رسائی کے قابل اور بہت پاشان آباد ہیں یہی باعث ہے کہ انہوں نے کبھی کشمیر کے غیر ملکی تعلقات یا تجارت میں حصہ نہیں لیا اسی بنا پر اس سلسلہ کے قدیم جغرافیائی حالات کا مطالعہ بہت کم ہے۔

امرشور (امرناتھ کا) تیرتھ۔ اس کے شمالی سرے پر اور اس عظیم برفانی چوٹی کے قریب جسکا ذکر کیا جا چکا ہے امرشور یا امرناتھ کا تیرتھ واقع ہے جسکا کشمیری نام امرناتھ مشہور ہے کوہ ہرمکٹ کی مقدس جھیل گنگا کے علاوہ یہ ایک ایسا تیرتھ ہے جہاں

نہ صرف کشمیری بلکہ کثیر التعداد پنجابی بھی یاترا کے لئے جاتے ہیں اسکی یاترا ماہ سلون میں ہوتی ہے جبکہ کشمیر کے علاوہ ہندوستان کے دیگر حصوں سے بھی ہزارہا یاتری جمع ہوتے ہیں اس تیرتھ کے قدیم حالات کے متعلق دیکھو نوٹ ۱۹ کتاب ہذا جلد ۲ یاترا کے متعلق دیکھو وگنی صاحب کی کتاب ٹریولز جلد ۲ صفحہ ۱۰ ۔ ۔ ۔ ورنیس صاحب کا گزیٹر صفحہ ۱۲۱ یہ سب لوگ ایک مرتفع غار تک پہنچتے ہیں جو ۱۳۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ایک برفانی چوٹی کے جنوبی پہلو میں بنی ہوئی ہے اور جسے نقشہ پر امرناتھ کے نام سے دکھایا گیا ہے اس غار کے اندر براق برف کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اس پانی کے انجماد سے بنا ہوا موجود رہتا ہے جو چٹان سے رستا رہتا ہے لوگ اسے سویم بھو لنگ تصور کر کے پوجتے ہیں اور شو امرشور کا مجسمہ خیال کرتے ہیں

چونکہ راج ترنگنی اور نیل مت پران میں اس تیرتھ کے بہت کم حوالے آئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس تیرتھ کی شہرت اس قدر نہ ہوگی جسقدر آجکل ہے لیکن جونراج کی راج ترنگنی بمبئی ایڈیشن کے شلوک ۱۲۳۳ میں سلطان زین العابدین کے اس تیرتھ پر جانے کا ذکر آتا ہے امرناتھ مہاتم میں مفصل طور پر یاتریوں کی جس سڑک کا ذکر کیا گیا ہے وہ لار یا لاری کی مشرقی شاخ سے اوپر کی طرف جاتی ہے اس جگہ جھیل سشروس ناگ کی یاترا کیجاتی ہے جسکا موجودہ نام سشرم ناگ یا زیادہ مقبول طور پر شیشا ناگ ہے یہ ایک عظیم تودہ برف کے شمالی دامن میں واقع ہے جو قلعہ کوہن ہار سے تعلق رکھتا ہے اس جھیل اور اسکی چھوٹی چٹانوں سے محصور شاخ میں جسکا نام جاماتر ناگ (زامتور ناگ) ہے اس روایت کے بموجب جسکا ذکر کلہن نے ترنگ ا کے شلوک ۲۶۷ میں کیا ہے اور جسے نرلور کے قدیم محل وقوع سے منسوب کیا جاتا ہے ناگ سشروس اور اس کے داماد کی رہائش قرار دی جاتی ہے۔

آگے چلکر یہ راستہ ایک بلند درہ پر سے ہوکر گذرتا ہے جسکا نام وادجن اور مہاتم
ہیں وا لیو درجن ہے اور اس بلند سطح کی وادی کیطرف جاتا ہے جسے وہ پانچ ندیاں
جنکا مشترکہ نام پنج ترنگنی ہے سیراب کرتی ہیں اس جگہ سے یاتری ایک بلند کرارہ پر
ہوکر شمال مشرق کی طرف گذرتے ہیں اور اس تنگ تاریک وادی میں اتر جاتے ہیں
جو امرناتھ چوٹی کے دامن میں واقع ہے اسے امراوتی ندی سیراب کرتی ہے جو مشرق
کی طرف کی ایک بلند چوٹی کے برفانی تودے سے بہ کر آتی ہے یہ ندی پنج ترنگنی میں
ملکر ایک دشوار گذر کھڈ میں سے بہتی ہوئی وادی سندھ متصل بلتل کے سرے کی
طرف بڑھتی ہے۔

سندھ اور ونتشٹ کے درمیانی پہاڑ۔ مشرقی سلسلہ سے متعلق پہاڑوں کا
ایک اور مجموعہ ہے جسکا ذکر اسجگہ کردینا زیادہ موزوں ہوگا گو اسمیں شک نہیں
کہ اس کا کشمیر کی کوہی حدود سے کچھ واسطہ نہیں یہ اس عظیم مثلث حصہ میں واقع
ہے جو وادی سندھ اور اس مشرقی سلسلہ کے مابین موجود ہے جسکا ذکر ہم قبل ازیں
کرچکے ہیں۔ دریائے ونتشٹ کے دائیں کنارہ جو لیول زمین واقع ہے وہ گویا اس
مثلث کا قاعدہ ہے یہ مجموعہ کوہ اس مشرقی ٹیلہ سے شروع ہوتا ہے جو کوہن ہار
اور امرناتھ کی چوٹیوں کے مابین واقع ہے مغرب کیطرف بڑھتے ہوئے یہ کوہ گاہیں
بڑاکی نمایاں چوٹی کیصورت اختیار کرلیتا ہے جسکی اونچائی قریباً ۰۰۰ ۱۷ ہزار فٹ
ہے اور جسکا نام نقشہ پر کولہوی دکھایا گیا ہے اس نمایاں پہاڑ سے بہت سی
شاخیں معہ برفانی تودوں کے جوان کے بالائی کھوکھلے مقامات میں موجود ہیں
نکلتی ہیں۔

ان میں سے بلند ترین سلسلہ وادی سندھ کے ساتھ ساتھ کوئی ۳۰ میل کے
فاصلہ تک جاتا ہے اور اس کے جنوبی پہلو کا کام دیتا ہے وہ بلند آڑی شاخ جسکا

موجودہ نام دورن نار ہے اور جو سن مرگ کی طرف بجانب شمال جاتی ہے غالباً وہی ہے جسکا قدیم نام زدہاون ہوا کرتا تھا۔ اور جس کے محاصرہ کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۵۹۵ میں آیا ہے مغرب کیطرف اس کوہ کا سلسلہ ان نمایاں پہاڑیوں کو ایمفی تھیٹر کی شکل دیتا ہے جو جھیل ڈل کے گرد اور سرینگر کے شمال میں واقع ہیں یہیں پر کوہ مہادیو واقع ہے جسکا ذکر نیل مت پران کے شلوک ۱۳۲۴ اور سرد اتار کے اندر اکثر موقعوں پر آیا ہے اور جو بہ اعتبار ایک تیرتھ کے مشہور ہے

اس کے جنوب کیطرف مقابل میں وہ چٹانی کرارہ ہے جو جھیل ڈل کے مشرقی سواحل پر پھیلا ہوا ہے جیسا کہ نوٹ ۹۳ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے زمانہ قدیم میں اس کا نام شری دوار مشہور تھا اور یہیں پر بہت سے قدیم مقامات یاترا مثلاً تریدو تریرسیشور، ہرشیشور اور جیشٹھیشور واقع ہوا کرتے تھے جنکا ذکر آگے چلکر کیا جائیگا اس کرارہ کی انتہائی شاخ گوپ پہاڑی (گوپادری) ہے جسکا موجودہ نام تخت سلیمان ہے اور جسے مناظر سرینگر میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے بعض اور کرارے انتہائے مشرق میں وادی کے اندر داخل ہوتے ہیں جنسے وہ نیم گول بغلی وادیاں بنگئی ہیں جنمیں وہی اور ولر کے پرگنے واقع ہیں۔

چناب کی طرف کا سلسلہ۔ اب ہم پھر مشرقی سلسلہ کیطرف رجوع کرتے ہیں کوہن ہارچوٹی کے جنوب میں جو ۱۷۰۰۰ ہزار فٹ سے زیادہ اونچی ہے اس سلسلہ کی چوٹیاں اونچائی میں بتدریج کم ہونے لگتی ہیں درہ مرگن کا جو اس سلسلہ کو عبور کرکے داخل مڈی وادوان ہوتا ہے کسی پرانی کتاب میں ذکر نہیں پایا جاتا۔ اس سے بھی آگے جنوب کی طرف ہم درہ مربل پر پہنچتے ہیں جسکی بلندی ۱۱۵۰۰ فٹ ہے اور جو کشتوار کی معمولی سڑک کا کام دیتا ہے اس علاقہ میں اب کسی قدر کشمیری آباد ہیں لیکن کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۵۸۸-۵۹۰ میں اسے ایک خود مختار پہاڑی

سلطنت ظاہر کیا ہے۔

درہ مربل پر سے گذر کر سڑک جس وادی میں داخل ہوتی ہے اس کا موجودہ نام کھیتال مشہور ہے۔ کلہن نے ایک موقعہ پر اس کا نام کھشالی لکھا ہے اور آخری ترنگ میں جا بجا اس کا نام کھشالیہ آیا ہے اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسمیں کھش لوگ آباد تھے اور انہی کے نام پر اس علاقہ کا یہ نام پڑ گیا ہوگا۔

۵۔ دریائے وتستہ کا بالائی حصہ

ان عظیم کوہی دیواروں کا جو وادی کشمیر کو گھیرے ہوئے ہیں اس طرح پر دورہ ختم کر چکنے کے بعد اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اندرونی حصص کی طرف رجوع کریں اندروں ملک کے درحقیقت دو بڑے حصے ہیں ایک میں تو وہ میدان داخل ہے جس میں سے دریائے وتستہ اور اس کے بڑے بڑے معاون گذرتے ہیں اور دوسرا ان سطوح مرتفع پر مشتمل ہے جو دریا کے نیچے حصوں سے اونچی اٹھی ہوئی ہیں سب سے اول ہم دریائی زمین کا ذکر کرینگے۔

وتستہ کا نام۔ وہ عظیم دریا جس میں کشمیر کا سارا پانی بہ کر جاتا ہے اب کشمیریوں میں ویتھ کے نام سے مشہور ہے یہ جدید نام براہ راست سنسکرت نام وتستہ یا وتستہ سے نکلا ہوا ہے جسکا ذکر رگ وید کے دریاؤں کے ناموں میں آیا ہے مخفی نہ رہے کہ برہمنان کشمیر کو مہاتموں اور اور اسی قسم کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہے کہ اس دریا کا نام وتستہ ہے اور وہ اسے عام طور پر استعمال بھی کرتے ہیں ڈربو صاحب اور ان کے بعد بعض دیگر مورخوں نے اس کا نام جو ودست لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ السنہ سنسکرت کے مقلد اب تک اسے استعمال کرتے ہیں یہ غالباً کوئی سماعی غلطی ہے ٹامین صاحب

کے نوٹ متعلقہ سفرنامہ او کانگ کے صفحہ ۱۳۱ سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے بھی ۸ دین
صدی میں اپنی تحریروں میں یہ نام ودستہ ہی لکھا ہے یونانی زبان میں اس کیلئے
ہڈیسپس کا نام استعمال ہوا ہے گو بطلیموس نے زیادہ درستی کے ساتھ بڈیسپس
لکھا ہے پنجاب میں سے گذرتے ہوئے اس دریا نے اب جو جہلم کا نام حاصل کر رکھا
ہے اسکا حقیقی کشمیری استعمال میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔ معلوم ہوتا ہے اس نام کی
ابتدا مسلمانوں کے وقت سے ہوئی ہوگی اور رفتہ رفتہ اس دریا کا یہ نام یورپیوں و
دیگر غیر ملکی لوگوں کی بدولت کشمیر تک پہنچ گیا ہوگا۔ لیکن یہ امر ضرور قابل ذکر ہے
کہ البیرونی کو بھی اس دریا کا نام جہلم معلوم تھا۔ ایسے ہی سریور جہاں اپنی راج
ترنگنی کی ترنگ ۲ شلوک ۱۵۲ میں سلطان حیدر شاہ کے پنجاب پر حملہ آور ہونے
کا ذکر کرتا ہے اور اس نام کو سنسکرت کی صورت دیکر جہلمی بنا دیتا ہے

غرض وہ دریا جسکا نام وتستہ۔ وتشٹہ یا دیتھ ہے ابتدا میں ان متعدد ندیوں کے
ملاپ سے بنتا ہے جو وادی کے جنوب مشرقی حصہ کو سیراب کرتی ہیں یہ ملاپ موجودہ
موضع اننت ناگ یا اسلام آباد کے قریب ایک میدان میں ہوتا ہے لیکن اس مقدس
ترین دریا کی ابتدا کی نسبت کشمیریوں میں ایک اور روایت بھی مشہور ہے جسکا اس
جگہ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

وتشٹہ کی ابتدا کے بارہ میں روایت۔ نیل مت پران کے شلوک ۲۳۸
اور ہر چرت چنتا منی کے ادھیائے ۱۲ شلوک ۲ تا ۴۳ میں ایک قدیم روایت مذکور ہے
جس میں وتشٹہ کو پاربتی جی کا روپ قرار دیا گیا ہے روایت ہے کہ جب کشمیر کا ملک
پیدا ہو چکا تو شو جی نے کشیپ کی درخواست پر پاربتی جی کو مجبور کیا کہ وہ ملک میں
دریا کا روپ اختیار کر کے نمودار ہوں تاکہ وہاں کے باشندے پشاچوں کے معصیت
آمیز لگاؤ سے پاک ہو جائیں اس پر پاربتی جی نے پاتال میں ایک دریا کی صورت اختیار

کرلی اور شوجی سے درخواست کی کہ وہ ایک شگاف کر دیں جس میں سے وہ نمودار ہو سکے
اس پر انہوں نے نیل ناگ کے مسکن کے قریب زمین پر اپنا ترسول گاڑ دیا اس طرح
پر جو سوراخ بنا وہ ایک وتستی یا ایک بین تھا اسی بین سے دریا نکلنے لگا جس کی بنا پر
اس کا نام وتستہ یا وتشٹہ مشہور ہوا۔

نیل مت پران کے شلوک ۱۲۹۰ اور ہر چرت چنتامنی کے ادھیائے ۱۲ اشلوک ۱۷ سے
واضح ہوتا ہے کہ جس کنڈ میں اس طرح پر پاربتی جی ظاہر ہوئیں اس کا نام نیل کنڈ
شول گھات یا محض وتستہ تھا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس جگہ جس چشمہ
کی طرف اشارہ ہے وہ مشہور و معروف نیل ناگ ہے جو شاہ آباد پرگنہ میں موضع
ویرناگ کے قریب واقع ہے یہ ایک شاندار چشمہ ہے اور ہر طرح سے اس اعزاز کا مستحق
خیال کیا جا سکتا ہے جو روایتاً اس سے منسوب کیا جاتا ہے۔

آگے چلکر روایت میں درج ہے کہ پاربتی وتستہ اس خوف سے دوبارہ نظروں سے
غائب ہو گیا کہ گنہگار لوگ مجھے چھو نہ دیں آخر جب کشیپ کی التجا پر پاربتی دوبارہ
نمودار ہوئی۔ تو اس وقت پنچ ہست کے ناگ سے ظاہر ہوئی ہم صاف طور پر معلوم کر
سکتے ہیں کہ اس مقام سے مراد موجودہ موضع پانزہتھ سے ہے جو دوسر پرگنہ میں
واقع ہے اور جہاں ایک خوشنما چشمہ ہے جس کی جاترا کے لئے اسوقت تک لوگ جاتے
ہیں ایک بار پھر غائب ہو کر وہ تیسری مرتبہ نرسنگھ آشرم سے نمودار ہوئی اس مقام
کا یقینی طور پر پتہ نہیں چلایا جا سکتا۔ آخر کار کشیپ نے اسے کشمیر میں دوامی بود
باش رکھنے پر اس طرح آمادہ کیا کہ دوسری دیویاں بھی ندیوں کے روپ میں کشمیر
میں نمایاں ہو گئیں جیسے کہ لکشمی وشوکا میں گنگا سندھ میں وغیرہ علاوہ ازیں
ایک روایت جو نسبتاً کم قدیم ہے وتستہ کے دوبارہ نمودار ہونے کی جگہ موجودہ موضع
دیھ وتر کو قرار دیتی ہے جو ویرناگ کے شمال مغرب کی طرف کوئی ایک میل کے فاصلہ

واقع ہے۔ چنانچہ یہ روایت وتشٹہ مہاتم کے ادھیائے ۲ شلوک ۳۷ میں مذکور ہے جسمیں اس مقام کا نام وتشٹہ ورتکا آیا ہے نیز دیکھو دگئی صاحب کی کتاب ٹریورز جلد ۱ صفحہ ۳۴۳۔ کلہن نے اس جگہ کا نام وتستا ترلکھا ہے اور راجہ اشوک کے اتھاپن کئے ہوئے استوپہ کا حوالہ دیا ہے دیکھو نوٹ ۳۳ کتاب ہذا۔ ممکن ہے وتستا تر زمانہ قدیم میں نیل ناگ سے قریب تر مقام ہو اور اس وجہ سے اس تیرتھ کی تقدیس میں حصہ لینے لگ گیا ہو لیکن کلہن نے ترنگ ۱ کے شلوک ۲۸ میں چونکہ وتشٹہ کا منبع نیل کنڈ کو قرار دیا ہے اسلئے اس بارہ میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ اس کے زمانہ میں اس مقدس دریا کے منبع کے متعلق روایت کس مقام کی طرف اشارہ کرتی تھی۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ مہابھارت کے پرب ۳ سرگ ۸۲ شلوک ۹۰ میں تاشک ناگ کو وتشٹہ کا منبع قرار دیا گیا ہے بحالیکہ راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۲۲۰ میں اس چشمہ سے جو زیون (جے ون) کے قریب واقع ہے کسی ایسے امر کو منسوب نہیں کیا گیا۔ درحقیقت مہابھارت کے حصہ تیرتھ یاترا کا مصنف حالات کشمیر سے بہت کچھ عاری نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ وہ کچھ غلطی کر گیا ہے

وتشٹہ کی ابتدا۔ وہ ندیاں جو اننت ناگ کے قریب ایک دوسرے سے ملکر حقیقی دریا وتشٹہ بناتی ہیں سانڈران۔ برنگ۔ آرپتھ اور لدر ہیں ان میں سے پہلی جو سب سے جنوب میں ہے شاہ آباد (قدیم دیر) پرگنہ کو سیراب کرتی ہے اور اوپر جن مقدس چشموں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا پانی بھی اپنے اندر حاصل کر لیتی ہے اس کا قدیم نام یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکا

دوسرا معاون برنگ اس بغلی وادی سے بہ کر آتا ہے جہاں اسی نام کا پرگنہ آباد ہے اس ندی کا بھی قدیم نام معلوم نہیں جدید وتشٹہ مہاتم میں یہ نام بھرنگی دیا ہوا ہے۔ لیکن مشکوک ہے برنگ کو بھی بعض مشہور ناگوں کا پانی حاصل ہوتا ہے جنمیں قابل ذکر

چشمہ ترسندھیا اور اردھن ایشور (نارو) چشموں کا ذکر حال ذیل میں لکھا جائیگا
آرپتھ ندی جو شمال مشرق سے آتی ہے نیل مت پران کے شلوک ۲۳۲-۱۲۹۹ وغیرہ
میں ہرش پتھا کے قدیم نام سے مذکور ہے جس وادی کو یہ سیراب کرتی ہے اسکا نام کوٹھیر
پرگنہ مشہور ہے اور اس کا نام کپٹیشور کے مقدس تالاب پر پڑا ہوا ہے کرارہ کے مغربی سرے
پر جسکی ڈھلوان پر یہ تیرتھ واقعہ ہے اچبل (اکشوال) کے شاندار چشمے نمودار ہوتے ہیں
وہ بجائے خود ایک چھوٹی سی ندی بجاتے ہیں جو ہرش پتھا میں جا ملتی ہے
موضع کھنبل جسے نقشہ پر کنبل کے نام سے دکھایا ہؤا ہے اس سے تھوڑا فاصلہ نیچے
کیطرف جہاں یہ تینوں ندیاں ملتی ہیں ان کے پانی میں شمال کیطرف سے لدر آملتی
ہے اس دریا میں جسکا قدیم نام ترنگ ۱ کے شلوک ۷۰ کے بموجب لاری ہے بعض برفانی
پانی کی ندیاں جو بالائی وادی سندھ کے بلند سلسلہ کو سیراب کرتی ہیں ملجاتی ہیں یہی
وجہ ہے کہ اس میں ان معادلوں کی نسبت جنکے نام اوپر درج کئے گئے ہیں زیادہ مقدار
میں پانی موجود رہتا ہے لاری کی متعدد شاخیں اس فراخ ۔۔۔ میں پھیلی ہوئی ہیں
جسمیں دچن پور اور کھوورپور کے پرگنہ جات واقع ہیں زمانہ قدیم میں ایک نہر جانب مشرق
پہاڑی کی طرف بنی ہوئی تھی جس کے ذریعہ لاری کے پانی سے مارتنڈ یا مٹن کے بنجر
میدان میں زرخیزی ہوتی تھی۔ جو زراج نے اس نہر کی تیاری کا جو سلطان زین العابدین
کے عہد حکومت میں بنی تھی مفصل ذکر بمبئی ایڈیشن کے شلوک ۱۲۳۲ تا ۱۲۶۰ میں کیا
ہے یہ امر اغلب ہے کہ اسی جگہ آبپاشی کے بعض قدیم ذرائع بھی موجود تھے۔

دریائی میدان میں سے وتسٹہ کا راستہ - مقام کھنبل پر وتسٹہ کی یہ صورت
ہوجاتی ہے کہ اس میں کشتیاں چلائی جاسکتی ہیں اور اس کے بعد وہ جہاں تک وادی
کشمیر میں سے گذرتا ہے اسکی یہی حالت رہتی ہے وہیں سے وہ عظیم جلیل میدان شروع
ہوتا ہے جو دریا کے دونو طرف شمال مغرب میں بارہ مولا تک پھیلا ہؤا ہے ڈریو صاحب

کی کتاب جموں کے صفحہ ۱۶۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ جھیل ولر تک کے فاصلے میں جو قریباً ۵۰ میل ہے دریا صرف ۲۲۰ فٹ نشیب ہوتا ہے اور میدان کی عام سطح میں بھی اسی نسبت سے کم ڈھلوان پائی جاتی ہے دریا کا تاس ہر جگہ دریائی زمین میں سے ہو کر گذرتا ہے جہاں پر وہ کیچڑ جو طغیانی کے موقعوں پر دریا کا پانی کناروں سے اچھل جانے کے باعث جم جاتا ہے سخت ہو کر جما ہوا ہے سرینگر تک دریا کا ایک ہی تاس رہتا ہے اور اس میں جو جزیرے آتے ہیں وہ چھوٹے یا یوں کہنا چاہیے کہ عارضی ریت کے ڈھیر ہیں اس کا راستہ ہر جگہ پیچیدا ہے لیکن جہاں تک ہم اس دریا کے کنارے والے قدیم مقامات سے اندازہ کر سکتے ہیں ازمنہ تاریخی میں دریا کے بہاؤ میں کوئی خاص تبدیلی واقعہ شدہ نظر نہیں آتی

دریا کی طغیانی۔ جب دریا موسم سرما میں نشیب ہوتا ہے تو کنارے بالا وسط پانی سے بقدر ۸ فٹ اونچے ہوتے ہیں لیکن موسم بہار میں جبکہ برف ڈھلتی ہے پانی کی عظیم مقدار جو پہاڑوں سے بہ کر آتی ہے کناروں تک پہنچکر اکثر چھلک جاتی ہے بعض اوقات موسم گرما میں مدت تک شدت کی بارش ہونے سے بھی خطرناک طغیانی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وادی کے ایک عظیم مزروعہ رقبہ کی فصلوں کو بہت نقصان پہنچتا ہے

دریا کی جدید طغیانیوں کا ذکر بالتفصیل لارنس صاحب نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۲۰۵ پر کیا ہے یہ خیال کہ سرینگر کی ساخت میں فرق واقعہ ہو جانے کے باعث ہندوؤں کے زمانہ کی نسبت اب طغیانی کا خطرہ بڑھا ہوا ہے اس شہر کی قدیم جغرافیائی شہادت کی میزان میں پورا نہیں اترتا۔ دریا کا بایاں کنارہ ہندوؤں کے زمانہ میں آباد تھا اور وہ بند جس سے دریا کی طغیانی کا پانی ڈل میں داخل نہ ہو سکتا تھا ؟ پرورسین کے وقت کا بنا ہوا ہے سٹائین صاحب کے خیال میں خطرہ کا باعث زیادہ تر ولر کا بتدریج بڑھتے جانا ہے کیونکہ کشمیر کے طوفانی پانی کا ذخیرہ اسی میں جمع ہوتا ہے اور اس کے گرد جو دلدلیں ہیں انکو لوگ استعمال میں لاتے جا رہے ہیں۔

جیساکہ ترنگ ۶ شلوک ۱۲۱۹ ترنگ ۸ شلوک ۹۴۴- ۲۷۰۶-۲ ترنگ ۱۰ شلوک ۱۶۲۴-
ترنگ ۸ شلوک ۷ ۱۴۱-۱۴۲۲-۱ وجو نراج کی راج ترنگنی شلوک ۴۰۳ سے واضح ہوتا ہے
اس قسم کے طوفان اور وہ محط جو انکی بدولت پیدا ہوا کرتے تھے زمانہ قدیم سے چلے آتے
ہیں ہمیشہ سے ساحل دریا کے قصبات و دیہات کی یہ کوشش رہی ہے کہ کناروں کو
مصنوعی طور پر اونچا کر کے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں ترنگ ۱ کے شلوک ۱۵۹ ترنگ ۳ کے
شلوک ۴۴۳- ۵ کے شلوک ۹۱-۱۰۳-۱۲۰۰ ۸ کے شلوک ۲۳۸۰ وغیرہ جو نراج کی
راج ترنگنی ۲ شلوک ۴۰۴-۸۰۰ و سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۳ شلوک ۱۹۱ وغیرہ
میں جو حوالے پائے جاتے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم ہی سے سیتو یا سیتھ
(سنبر) باندھے اور طغیانی کا پانی خارج کرنے کے راستے تیار کئے جاتے رہے ہیں آگے چلکر ہم
اس خاص سکیم کا بالتشریح ذکر کرینگے جو ان خطرات کو کم کرنے کے لیے عمل میں لائی گئی
تھی اور جسکا ہمیں مفصل حال معلوم ہے اسبات کا ذکر بھی ابھی کرنا باقی ہے کہ کس پیچیدہ
طریق سے دریائی زمین کے خشک حصوں میں آبپاشی کیجاتی تھی۔

دریائی آمدورفت کی اہمیت۔ زمانہ قدیم سے دریائے وتستا کا وہ حصہ جسمیں کشتیاں
چلائی جا سکتی ہیں کشمیر کا شاہ راہ آمدورفت چلا آیا ہے اس دریا۔ اور ان بیشمار نہروں
جھیلوں اور ندیوں کی اہمیت کا جو قابل کشتی رانی ہیں ملک کی اندرونی تجارت اور بیوپار
کے بارہ میں جہاں تک بھی اندازہ کیا جائے کم ہے اب سے چند سال پیشتر ساری کشمیر
خصوصاً اس وادی کے بے حد چٹیل حصوں میں بھی اس قسم کی سڑکیں موجود نہ تھیں
جن پر گاڑیاں وغیرہ گذر سکیں اس وادی کے رہنے والوں کو عملی طور پر یہ بات معلوم
ہی نہ تھی کہ گاڑی کسے کہتے ہیں یوں بھی اس وقت تک کہ خارجی دنیا کے ساتھ انکی تجارت
اور لین دین گھوڑوں کے راستوں اور پگ ڈنڈیوں کے ذریعہ ہوا کرتا تھا اور قلی
بوجھ اٹھا کر چلا کرتے تھے اس قسم کی سڑکوں کی تیاری ان کے لئے کسی طرح فائدہ مند

ثابت نہ ہو سکتی تھی کشمیر کے اندر دریائی آمدورفت کی اہمیت کا کچھ اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے بموجب کشتی کھینچنے والوں اور ان کے اہل قبیلہ کی تعداد ۳۴۰۰۰ تھی۔ کشمیر کے ہانجیوں یا کشتی چلانے والوں کے بارہ میں مفصل حالات لارنس صاحب نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۳۱۳ پر دیئے ہیں ترنگ ۵ کے شلوک ۸۴ ترنگ ۷ کے شلوک ۳۴۷، ۷۱۴، ۱۶۲۸ وغیرہ سے جہاں دریائی سفروں کا حوالہ دیا گیا ہے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ زمانہ قدیم سے لیکر اب سے تھوڑی مدت پہلے تک وادی کشمیر میں سفر کا معمولی ذریعہ کشتیاں ہوا کرتی تھیں

کشمیر کے اندر دریائی آمدورفت کی اہمیت کا مزید ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ تمام قدیم مقامات زیادہ تر ساحل دریا پر بنے ہوئے ہیں آگے چل کر ہم اس بات کا ذکر کرینگے کہ وہ تمام شہر جو وقتاً فوقتاً اس ملک کے صدر مقام رہے ہیں دریائے وتستا ہی کے کنارے بنے ہوا کرتے تھے ترنگ کے شلوک ۲۰۰ سے جہاں کلہن نے شہر نرپور کی کیفیت لکھی ہے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ کشمیریوں کے دلوں میں کسی شہر کی عظمت کا اندازہ ان جہازوں اور کشتیوں سے ہوا کرتا تھا جو وہاں جاتے آتے ہوں۔

اس قدر عام حالات لکھنے کے بعد اب ہم وتستا کے اس وادی میں سے گذرنے کی کیفیت بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور جہاں کہیں اس کے کسی مقام اتصال کا ذکر آئیگا وہیں پر اس کے معاونوں کا ذکر کرتے جائینگے۔

کھنبل سے نیچے اس دریا میں یکے بعد دیگرے لاری کی متعدد شاخیں آکر ملجاتی ہیں اور اس کے بعد وہ وجیشور کے قدیم شہر اور تیرتھ کے پاس سے جسکا موجودہ نام وجبرور ہے گذرتا ہے کھنبل کے متعلق ایک ٹیکا کار نے نیل مت پران کے شلوک ۱۳۰۷ کی شرح لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس جگہ سے مراد جو اننت ناگ کی بندرگاہ ہے نیل مت پران کے کھندیچھ ناگ سے ہے اس ناگ کا ذکر بعض دیگر مقامات پر بھی آیا

ہے لیکن کوئی خاص شہادت اس قسم کی موجود نہیں جس سے اس خیال کی تصدیق ہو سکے خیر اس سے ایک میل اور آگے چلکر اس دریا کا گذر بلند دریائی سطوح مرتفع میں سے ہوتا ہے اس جگہ بائیں کنارہ پر جو مقام تنگ در اُدر واقع ہے اسکی نسبت آگے چلکر بیان کیا جائیگا کہ وہ اس وادی کے قدیم ترین مقامات میں سے ہے اور اس کا پرانا نام چکردھر مشہور تھا۔

گمبھیرا۔ تین میل اور آگے چلکر موضع مرہوم (قدیم مدو آشرم) کے قریب دریائے وشَو میں دریائے ویباؤ اور رمبیار جو اس سے تھوڑا فاصلہ پر ایکدوسرے سے مل چکے ہوتے ہیں دریائے وتستا سے یکجائی طور پر ملتے ہیں اس مقام اتصال کا نام عموماً گمبھیر سنگم (گہرا مقام اتصال) آیا ہے اور اب بھی لوگ اسجگہ تیرتھ یاترا کے لیے جاتے ہیں در حقیقت اسی سنگم پر کیا موقوف ہے ہندوستان کے ہر حصہ میں جہاں جہاں کوئی دریائی سنگم ہے وہاں قریب قریب ہر صورت میں کوئی نہ کوئی تیرتھ واقع ہے ویباؤ اور رمبیار کی متفقہ ندی کا قدیم نام گمبھیرا ہے اور یہی نام کلہن نے مختلف موقعوں پر اس کے لئے استعمال کیا ہے گمبھیرا ندی سال بھر اس قدر عمیق رہتی ہے کہ سال کے کسی حصہ میں بھی اس کے اندر سے چلکر پار نہیں پہنچ سکتے اور چونکہ وہ وجبیشور سے سرینگر تک جانے والے راستہ پر واقع ہے اسلئے ایک خاص فوجی اہمیت رکھتی ہے دو بار اس مقام پر فیصلہ کن لڑائیاں ہو چکی ہیں جب راجہ سسل کی فوج ۱۱۲۲ء میں گمبھیرا ندی پر سے واپسی کے وقت گذرنے لگی تو اسے شکست فاش ہوئی تھی اس کے چھ سال بعد اس کے بیٹے کے جرنیل سجی نے باغی فوج کا مردانہ وار مقابلہ کرکے ویسی ہی نمایاں فتح حاصل کی تھی مقابلہ کے لئے دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۰۶۳ و ۱۴۹۷۔

وشوکا۔ تواریخ نیل مت پران و دیگر کتب میں ویباؤ کا نام اکثر موقعوں پر وشوکا

آیا ہے جو اس نام کی قدیم صورت ہے درحقیقت یہ ایک خاصہ بڑا دریا ہے سلسلہ کوہ پیر پنچال کے شمالی ڈھلوان سے جسقدر ندیاں درہ سداؤ و بانہال کے مابین بہ کر آتی ہیں۔ وہ سب اس میں آملتی ہیں اس کا روایتی منبع کرم سرس یا جھیل کونسر ناگ میں قائم کیا گیا ہے جو بنیدہن کی چوٹی کے نیچے واقعہ ہے نیل مت پران کے شلوک ۲۷۱ ادہیائے ایں وہ روایت مذکور ہے جس میں اس دریا کو لکشمی کا روپ قائم کیا گیا ہے اور اس نام کی جس کے معنی "تکلیف سے آزاد" کے ہیں تشریح کی گئی ہے وہ خوشنما آبشار جو کونسر ناگ کی ندی کے ذریعہ موضع سداؤ سے تھوڑے فاصلہ پر بنا ہوا ہے اس کا موجودہ نام اہربل مشہور ہے نیل مت پران کے شلوک ۲۷۱ و ۳۸۳ میں اس کا قدیم نام کھولیل آیا ہے جس کے معنی چوہیا کے سوراخ کے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ جدید نام بھی اسی سے نکلا ہوا ہے جونہی وشو کا پہاڑوں میں سے نکلتا ہے اسمیں سے بیشمار انہار آبپاشی نکال کر کرال (آدون) اور دیوسرس (دوسر) کے قدیم پرگنہ جات پر پھیلا دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نہر سن من کل ہے جسکا نام ترنگ ۱ کے شلوک ۹۰ میں سورن منی کل آیا ہے اگر وہ قصہ جو پدم نہر میں اس کے راجہ سورن کے ہاتھوں بنائے جانیکے متعلق مذکور ہے قابل اعتبار ہو تو ظن غالب آتا ہے کہ یہ ایک نہایت قدیم نہر ہے یہ نہر وشو کا سے اس مقام پر جہاں نقشہ پر موضع لرگو دکھایا گیا ہے جدا ہو کر پھر موضع آدون کے قریب جسکا نام نقشہ میں اردن آیا ہے آملتی ہے ایک اور قدیم نہر نانڈی ہے جو نقشہ پر دکھائی ہوئی نہیں ہے لیکن جو وشو کا سے کیموہ (قدیم کتی موش) کے قریب جدا ہو کر اس دریا کے نچلے حصہ اور ونتشہ کی درمیانی زمین کو سیراب کرتی ہے ترنگ ۵ کے شلوک ۵۰ میں اونتی ورمن کے عہد میں اخراج آب کے جن کاموں کا ذکر آیا ہے ان کے دوران میں ایک موضع نندک بھی مذکور ہے جسکا نام غالباً اسی ندی کے نام پر پڑا ہے کیموہ تک وشو کا میں کشتی رانی ہو سکتی ہے۔

رمنیاتوی۔ رینبیارندی جو گمبھیر سنگم سے تھوڑا اوپر کیطرف وشو کا میں ملتی ہے وہی ہے جو درہ پیر پنچال اور روپہی کی ندیوں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے ترنگ ۱ کے شلوک ۲۶۳ تا ۲۶۵ میں کلہن نے نرپور کے آتشزدہ شہر کی روایت بیان کرتے ہوئے اس کا ذکر اس کے قدیم نام رمنیاتوی کی صورت میں کیا ہے رینبیار درحقیقت ہورپور کے نیچے پہاڑوں سے نکلکر ایک خشک کنکریلی زمین میں سے بہت سی شاخوں میں ہوکر بہتا ہے دریا کے کنارہ جو پتھریلا ویرانہ ہے وہ موضع سورن کے قریب جسے نقشہ پر چرن دکھایا ہوا ہے دو میل سے زیادہ کی وسعت میں پھیلا ہوا ہے

مقامی روایت اس ویرانہ کو ناگی رمنیا سے منسوب کرتی ہے درحقیقت وہ نرپور کی تباہی کے وقت اپنے بھائی سسترومس ناگ کی مدد کیلئے پہاڑوں سے بہت سے پتھر لیکر آئی تھی جب اس نے سنا کہ وہ اس کام کو سرانجام دے چکا ہے تو اس نے ان پتھروں کو اس جگہ سے کوئی ایک یوجن کے فاصلہ پر ڈال دیا۔ یہ فاصلہ موضع لترنگ کے فاصلہ سے عین مساوی ہے جہاں رینبیارندی پتھریلی زمین کو چھوڑ کر دریائی زمین میں داخل ہوجاتی ہے روایت میں مذکور ہے کہ رمنیا اپنے ساتھ جو چٹانیں لائی تھی انہیں اس نے اس مقام سے پرے پانچ یوجن تک کے فاصلہ میں بکھیر دیا تھا۔ مخفی نہ ہے کہ اس قسم کی روایات یورپ کے پہاڑوں کی نسبت بھی مشہور ہیں۔

سرنگیرہ کے قریب وتستا۔ گمبھیر سنگم کے نیچے دریائے وتستا میں دائیں طرف سے وہ ندی آملتی ہے جو ہولدا کے قدیم ضلع یعنی موجودہ ولر کو سیراب کرتی ہے اس کے بعد یہ اونتی پور کے قدیم شہر کے قریب وسترون کی کوہی شاخ کے دامن کے پاس سے گذرتا ہے اب سرنگر تک اس میں دائیں طرف سے کوئی بڑی ندی

آکر نہیں ملتی بائیں طرف کے بعض معادن مثلاً ماںش وغیرہ بھی چنداں قابل ذکر نہیں ہیں ان میں سے
بعض تو براہِ راست دریا تک نہیں پہنچتے بلکہ ان دلدلوں میں جا پڑتے ہیں جنکا تعلق دریا
کے ساتھ ان شگافوں کے ذریعہ ہے جو بندوں میں بنے ہوتے ہیں اب جن ندیوں کا ہم نے
ذکر کرنا ہے ان کا حال پورے طور پر سمجھنے کے لیے قدیم سرینگر کا خاص نقشہ دیکھنے کی ضرورت ہے
مہاسرت۔ خاص شہر کے رقبہ تک پہنچنے سے پہلے وتسنا میں ایک ندی آملتی ہے جو شہر کے مشرق
کیطرف جھیل سے پانی حاصل کرتی ہے اس جھیل کا نام ڈل ہے اور اسمیں شمال کیطرف
سے بہت سے چشموں اور ندیوں کا پانی ملتا ہے اس نہر کا زاید پانی وتسنا کیطرف ایک نہر کے
ذریعہ بہ جاتا ہے جسکا موجودہ نام سنتھ کل ہے لیکن جو ایام قدیم میں مہاسرت کے نام سے
مشہور تھی اس بارہ میں مفصل بحث قبل ازیں نوٹ ت کتاب ہذا میں ہو چکی ہے جس کے
علاوہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سرواوتار کے ادھیائے ۳ شلوک ۱۴، وادھیائے ۴ شلوک
۱۲۹ میں بھی اسکا نام مہاسرت ہی آیا ہے یہ نہر ایک قدیم بند (سیتو) میں سے ہو کر گذرتی
ہے جو شہر اور ڈل کے نشیب کناروں کو دریا کی طغیانی کے پانی سے محفوظ رکھتا ہے اور
جسکا ذکر سرینگر کی روایتی بنیادوں میں آتا ہے جس مقام پر وہ دروازہ ہے جو مہاسرت کے
زاید بہاؤ کو روکتا ہے اس جگہ نقشہ پر درگا گلکا کا نام درج ہے

اس مقام پہ دریا کی ایک چھوٹی سی شاخ جو معلوم نہیں قدرتی ہے یا مصنوعی مہاسرت
سے آملتی ہے اور درمیانی زمین کو جزیرہ کی صورت دیدیتی ہے اس کا موجودہ نام مائسم
ہے جو قدیم نام ماکشکا سوامن سے لیا گیا ہے آگے چلکر جہاں ہمیں جغرافیہ سرینگر کا
ذکر کرنا ہے وہاں اس کا بھی ذکر آئیگا زمانہ قدیم میں درگا گلکا سے نیچے کیطرف مہاسرت
یا سنتھ کل اس حصہ سرینگر کی جنوب مشرقی حد ہوا کرتی تھی جو وتسنا کے دائیں کنارہ پہ
واقعہ ہے چونکہ یہ محافظت کا قدرتی ذریعہ ہے اس لیے اس کا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک
۷۳۲-۷۵۳-۱۱۳۱،۳ میں سرینگر کے محاصروں کی کیفیت کے دوران میں آیا ہے

چھاسرت اور وتشتہ کا اتصال موجودہ نفر شیر گڑھی کے عین مقابل ہے اور زمانہ قدیم ہی سے ایک مشہور تیرتھ چلا آیا ہے منکھہ نے اپنی کتاب سری کنٹھ چرت کے ادھیائے ۴ شلوک ۲۲ میں اس مقام کا صحیح نام چھاسرد وتشتیو سنگم لکھا ہے سرپور نے اس کے لئے ماری سنگم کا زیادہ جدید نام استعمال کیا ہے ظاہر ہے کہ اس جگہ ماری کشمیری لفظ مار سے بنایا گیا ہے۔ یہی لفظ سرپور نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۴۲۲ ترنگ ۴ شلوک ۲۹۰ اور شک اور پرجابھٹ نے اپنی تاریخ کے شلوک ۱۴۵ میں استعمال کیا ہے لفظ مار بجائے خود چھاسرت سے نکلا ہوا ہے اور آجکل ڈل سے نکل کر بہنے والی ایک اور ندی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ ندی مغرب کیطرف مڑ کر براریبل نامی دلدل میں سے گذرتی ہے جس کا نام سنسکرت میں بھٹارند ولا آیا ہے اور اس کے بعد شہر میں داخل ہوتی ہے۔

یہ ندی شہر کی اندرونی آمدورفت کے لئے بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس سے ڈل تک ایک آسان گذارشاہ راہ تیار ہوتی ہے اور اس راستہ وہاں کی پیداوار دوسرے مقامات تک بآسانی پہنچائی جاسکتی ہے۔ دریا کے دائیں کنارہ کیطرف کے تمام محلات شہر میں سے گذرنے کے بعد مار محلہ نردور (سنسکرت نروان) کے قریب انچار کے دلدل میں جاگرتی ہے اور اس میں سے ہوکر دریائے سندھ کے ڈیلٹا تک پہنچ جاتی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کیطرف مار کی یہ توسیع زمانہ مابعد کی ہے کیونکہ سرپور اپنی راج ترنگنی کی ترنگ شلوک ۴۴ میں ایک کشتی رانی کے قابل نہر کی تیاری بجانب سندھ سلطان زین العابدین سے منسوب کرتا ہے

جھیل ڈل۔ یہ جھیل جس میں سے چھاسرت ندی نکلتی ہے بعض پہلوؤں سے وادی کے تمام مقامات میں نہایت موزوں مقام ہے اس کا صاف شفاف پانی پہاڑوں کا وہ امفی تھیٹر جو اس کے تین طرف بنا ہوا ہے اور اس کے گرد باغات اور باغیچوں کا وجود یہ سب نظارے اس قسم کے ہیں کہ جنہوں نے ڈل کے نام کو بجا طور پر شہرت دے

رکھی ہے۔

ڈل کی لمبائی ۴ میل کے قریب اور وسیع ترین مقام پر اسکی چوڑائی ۲½ میل کے لگ بھگ ہے اسکی گہرائی کہیں بھی ۳۰ فٹ سے زیادہ نہیں اور بہت سی جگہ میں تو اس سے نہایت ہی کم ہے اس کے جنوبی سرے پر جا بجا جزیرہ نماؤں کے اندر چھوٹی چھوٹی جھیلیں بن گئی ہیں اور اس کے بہت بڑے حصہ پر تیرنے والے باغ ہیں جو بڑے مشہور ہیں۔ ہر چند کہ اس میں جا بجا آبی پودے اور نباتات بکثرت ہیں تاہم اسکا پانی قابل تعریف طریقہ پر شفاف اور تازہ ہے اس کا باعث بلا شبہ وہ چشمے ہیں۔ جو جا بجا اس جھیل کے اندر سے پھوٹتے ہیں ہر چند کہ راج ترنگنی میں براہ راست اس جھیل کا کہیں ذکر نہیں آیا اور نہ اسے کسی قسم کی تقدیس کا درجہ حاصل ہے تاہم اس کے گرد کناروں پر جا بجا قدیم اور مقدس مقامات موجود ہیں

ڈل کا نام۔ تاریخوں میں اس جھیل کا اول ہی اول جو ذکر آتا ہے وہ سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۱۸ ۴ میں ہے جہاں اس نے مفصل طور پر بیان کیا ہے کہ سلطان زین العابدین اس جھیل پر تفریح حاصل کرتا تھا اور اس نے اس کے نواحات کو خوب سجایا تھا۔ وتستہ مہاتم کے ادھیائے ۲ شلوک ۳۹ میں بھی اس جھیل کا نام مذکور ہے سریور نے دو مصنوعی جزیروں کا ذکر بھی کیا ہے جنکا نام اس نے لنکا لکھا ہے اور جنکے نام آجکل روپ لانک اور سن لانک ہیں جنکے معنی چاندی کی لنکا اور سونے کی لنکا کے ہو سکتے ہیں اس جھیل کے مختلف حصوں کے مختلف نام مشہور ہیں۔ لیکن تواریخ میں ان میں سے صرف ایک یعنی ہست والک موجودہ استوول کا پتہ چلتا ہے ڈل کے مشرقی سواحل پر گو پادری جیٹھیشور۔ تھیڈ ا۔ سر شوری وغیرہ کے مندر اور ان کے ناگ واقع ہیں ان کا ذکر ہم آگے چلکر مضافات شہر کے ضمن میں کرینگے یہیں پر جو مشہور و معروف شالامار باغ۔ نشاط باغ اور نسیم باغ واقع ہیں وہ شاہان مغلیہ

کے وقت کے بنے ہوئے ہیں جنہوں نے اس جھیل کی قدرتی خوبصورتی کو دوبالا کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا

اس جھیل کو چشموں کے علاوہ ایک ندی سے بھی پانی حاصل ہوتا ہے جو جھیل مارسر کی طرف سے جو کہ مشرقی پہاڑوں میں واقع ہے آتی ہے اس ندی کا قدیم نام "ارہ" جو نقشہ پر دیا ہوا ہے غیر یقینی ہے سرواذتار کے ادھیائے ۳ شلوک ۱۷۵ اور ادھیائے ۴ کے شلوک ۱۲۹ میں اس کے لئے مہاسرت کا نام آیا ہے اس کے اس نچلے حصہ کا نام جہاں وہ جھیل ڈل کے شمالی کنارہ کے قریب پہنچتی ہے تیلبل نال (ندی) ہے سرلویر نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۱۲۱ میں اس حصہ کا نام تل پر ستھا لکھا ہے اور یہی نام سرواذتار کے ادھیائے ۴ میں آتا ہے۔

وتستہ سرینگر کے اندر۔ مہاسرت کے ساتھ اتصال کے مقام سے دریائے وتستہ تین میل سے زائد فاصلہ تک گھروں کی مسلسل قطاروں میں سے ہو کر گذرتا ہے جنہیں پتھر کے پشتوں کے ذریعہ سطح آب سے اونچا کیا ہوا ہے یہ پشتے زیادہ تر ان پتھر کے ٹکڑوں کے بنے ہوئے ہیں جو قدیم مندروں اور مسلمانوں سے قبل کی دیگر عمارتوں سے متعلق ہیں جب ہم انکی جسامت اور خوشنما کندہ کاری کی طرف غور کرتے ہیں تو اس بات کا اندازہ باسانی کر سکتے ہیں کہ زمانہ گذشتہ میں دریا کے یہ کنارے کیسے شاندار ہوا کرتے ہوں گے۔

دریا شہر کے اندر ابتدائی حصہ میں ایک طویل شمالی سمت میں بہتا ہے چوتھے پل کے قریب شہر کے مرکز میں یہ ایک عظیم موڑ کھا کر جنوب مغرب کی طرف ہو لیتا ہے ایک نہر قصبہ شیر گڑھی اور محلہ کا نقل (کاشٹیلا) کے درمیان دریا کے بائیں کنارہ سے جدا ہو کر آخری پل کے قریب پھر اس سے آملتی ہے جس کے باعث کشتیاں اس عظیم موڑ کے چکر سے بچ جاتی ہیں اس کا موجودہ نام کٹکل ہے جو قدیم نام کشتیکا کلیہ سے لیا گیا ہے مخفی

نہ ہے کہ کشمیری زبان میں کل اور سنسکرت میں کلیہ عام طور پر چھوٹی نہروں اور ندیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے

کشٹیکا۔ کلہن کی راج ترنگنی کے اس حصہ میں جہاں اس نے اپنے زمانہ کے سرینگر کے محاصروں کا ذکر کیا ہے کشٹیکا کا نام کئی جگہ استعمال ہوا ہے آجکل تک یہ اس حصہ شہر کے لئے قدرتی ذریعہ حفاظت ہے جو دریا کے بائیں کنارہ پر واقع ہے اور جس پر کامیابی سے حملہ کرنے کے لئے کشٹیکا کو عبور کرنا ضروری ہوتا ہے اس بارہ میں مفصل کیفیت نوٹ ۱۳۱ کتاب ہذا میں دی گئی ہے اس نہر کی ابتدا کے بارہ میں ہمارے پاس کسی قسم کی واقفیت موجود نہیں اس کے محل وقوع سے اندازہ کیا جائے تو یہ امر غالب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دریا کی قدرتی بغلی شاخ ہوگی جسمیں بعدازاں اس قسم کی اصلاح کرلی گئی جس سے اسمیں کشتی رانی ہو سکے۔

وگدہ گنگا۔ چند سو گز نیچے کیطرف دریائے وتشٹہ کے بائیں کنارہ کی جانب ایک بہت بڑا دریا آملتا ہے جسکا موجودہ نام دودگنگا ہے اس کے علاوہ اسے چھتسکل بھی کہتے ہیں۔ جس کے معنی سفید ندی کے ہیں وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۷ میں بلہن نے سرینگر کی جو کیفیت لکھی ہے اس میں اسکا نام دگدہ سندھو آیا ہے مہاتموں میں اسکا نام سویت گنگا یعنی سفید گنگا آیا ہے اور اس ندی کا جدید نام چھتسکل بالکل یہی معنی رکھتا ہے چنانچہ وتشٹہ مہاتم میں ادہیائے ۲۰ شلوک ۱۱ کے اندر اس کا نام سویت گنگا م استعمال ہوا ہے اور سنسکرت کا لفظ سویت بھی آوازی تبدیلیوں کے اعتبار سے چھتہ (تانیث چھتس) کے برابر معلوم ہوتا ہے یہ ایک عجیب بات ہے کہ نیل مت پران میں دودگنگا کا نام کہیں استعمال نہیں ہوا البتہ شلوک ۱۲۸۱ میں کشیر ندی کا نام ضرور آیا ہے یہ نام جس کے معنی دودھ کے دریا کے ہیں موجودہ وتشٹہ مہاتم کے ادھیائے ۲۰ شلوک ۱۱ میں دودگنگا کے لئے آیا ہے اس ندی کا پانی سلسلہ کوہ پیرپنچال کے

مرکزی حصہ میں سے جو کوہ تٹ کوٹی کے گرد سے آتا ہے اور اس کا خاص منبع وہ کوہی ندیاں ہیں جن کے نام نقشہ پر سنگ سفید اور بیچر آئے ہیں۔ دریائے وتسٹہ اور دود گنگا کا مقام اتصال جو قدیم محلہ دوامتھ کے مقابل واقع ہے اب بھی باعتبار ایک تیرتھ کے کیقدر شہرت رکھتا ہے اور بلہن نے وکرمانک دیوچرت کے ادھیائے ۱۰ اشلوک ۲۲ میں غالباً اسی کیطرف اشارہ کیا ہے۔

۶۔ دریائے وتسٹہ کا نچلا حصہ

سرینگر کے عین نیچے ہم ان دلدلوں کے قریب پہنچ جاتے ہیں جو بہت دور تک دریا کے دونوں کناروں پر پھیلی ہوئی ہیں بائیں کنارہ والی دلدلوں میں ہکسرا اور بنپیر نور نمبل قریب ترین ہیں اور انمیں چھوٹے درجہ کی پہاڑی ندیوں کا پانی گرتا ہے وہ دلدلی حصے جو دریا کے شمال کیطرف واقع ہیں۔ نسبتاً زیادہ وسیع ہیں اور ان کا تعلق دریائے سندھ کے ڈلٹا سے ہے جو اس وادی کے اندر دریائے وتسٹہ کا سب سے بڑا معاون ہے۔

سندھو۔ شمالی سلسلہ کوہ کی پیمائش کرتے ہوئے ہم قبل ازیں دریائے سندھ کے منبع واقعہ زوجی لا و قلہ امبرناتھ تک پہنچ چکے تھے اس بات کا ذکر بھی کیا جاچکا ہے کہ اس کا روایتی منبع جھیل گنگا واقع کوہ ہرمکھ میں قائم کیا جاتا ہے اس جگہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ عظیم دریا ۶۰ میل سے زاید لمبا ہے اور شمال کیطرف سلسلہ کوہ کے سب سے بڑے اور بلند حصہ کو سیراب کرتا ہے اس کے قدیم نام سندھو کے معنی صرف دریا کے ہیں اور اس اعتبار سے اس دریا اور دریائے انڈس (سندھ) کے نام مشابہ ہیں اسجگہ یہ بات واضح کردینی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کشمیر میں ان دونوں دریاؤں میں

امتیاز قائم کرنے کے لیے انڈس کو بڑے سندھ (بڑا سندھ) کہ دیتے ہیں ایسے ہی ہر چرت
چنتامنی کے ادھیائے ۱۲ شلوک ۵۷ میں اس کے لیے برہت سندھو کا نام استعمال ہوا ہے
چونکہ یہ دونوں نام مشابہ ہیں اسلئے گذشتہ صدی کے آغاز تک جسقدر جغرافیائی کتب
لکھی گئیں ان سب میں انکی وجہ سے ایک عجیب گڑبڑ نظر آتی ہے اکثر جغرافیہ دانوں نے
کشمیر کے دریائے سند یا سندھ کے متعلق لکھا کہ وہ انڈس (سندھ) کا ایک منبع ہے یا اسکی
ایک شاخ ہے جو کشمیر کے اندر سے ہو کر گذرتی ہے چنانچہ یہی عجیب غلطی اس نقشہ میں موجود
پائی جاتی ہے جسکا نام "امپائر ڈو گرینڈ موگل" (مغل اعظم کی سلطنت) ہے اور جسے
کتاب برنیئرز ٹریولز ایڈیشن کانسٹبل کے صفحہ ۲۳۸ پر ۱۶۷۰ء کے پیرس ایڈیشن
سے حاصل کر کے چھاپا گیا ہے اس کے علاوہ یہی سہو یعنی قدیم ہندوستان کے اس
نقشہ میں موجود پائی جاتی ہے جو ٹیفن ٹھیلر صاحب کی کتاب ڈسکرپشن ڈی لنڈ
ایڈیشن ۱۷۸۶ء کے صفحہ ۶۰ پر دیا ہوا ہے مقابلہ کے لیے دیکھو موگل صاحب کی کتاب
کشمیر جلد ا صفحہ ۲۳۰ - خود ولسن صاحب نے ۱۸۲۵ء میں کشمیر کے دریائے سندھ کا
ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اغلباً یہ دریائے سندھ (انڈس) ہی کی ایک شاخ ہے
راج ترنگنی میں اس دریا کا ذکر کئی موقعوں پر آتا ہے۔ اور نیل مت پران۔ ہر چرت
چنتامنی اور مختلف مہاتموں میں بھی پایا جاتا ہے مقابلہ کے لیے دیکھو نوٹ نمبر ۲ کتاب
ہذا و نیز ترنگ ۴ شلوک ۳۹۱۔ ترنگ ۵ شلوک ۹۷ ترنگ ۸ شلوک ۱۱۲۹ یونراج
کی راج ترنگنی شلوک ۹۸۲ سرور کی جین راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۲۲۷،۱۱۰
وغیرہ جیسا کہ البیرونی نے ذکر کیا ہے ہر موقعہ پر اس کے وجود کو دریائے گنگا ہی سے
تعبیر کیا جاتا رہا ہے وادی سندھ میں ضلع لار (لھر) واقع ہے جو علاقہ کشمیر کا ایک
بڑا سب ڈویژن ہے۔

سندھو ڈلٹا کے دلدلی علاقے جہاں پر یہ وادی سو منبع دور جوم (قدیم

وگدہ آشرم) کے قریب وسیع کشمیری میدان کیصورت اختیار کرتی ہے وہاں پر دریا
کی پھیل کر مختلف شاخیں بن گئی ہیں ان سے ایک وسیع ڈلٹا تیار ہو گیا ہے جمیں
زیادہ تر پایاب دلدل جنہیں انچار کہتے ہیں واقع ہیں اس کا مشرقی حصہ اس مرتفع زمین
کے قطعہ کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے جو سرینگر کو وادی سندھ کے دہانہ کے قریب دامن
شاخ کوہ سے ملاتا ہے۔ ڈلٹا کے مغربی حصہ میں ایک دریائی سطح مرتفع ہے جو نچلی وادی
سندھ کے مغربی یا دائیں پہلو کے ساتھ ساتھ اس مقام تک جاتی ہے جہاں اس
دریا کا وتشٹہ سے اتصال ہوتا ہے اس طرح پر جو مثلث تیار ہوتی ہے اس کا قاعدہ
خود دریائے وتشٹہ ہے سرینگر اور اس مقام اتصال کے درمیان وتشٹہ ایک ایسے سر
میں سے ہو کر بہتا ہے جو مصنوعی کناروں کے ذریعہ بغلی دلدلوں سے الگ شدہ ہے
سندھ کا پانی اس وسیع ڈلٹا پر پھیل کر اس کے مغربی انتہائی حصہ میں سے موضع
شادی پور کے مقابل میں ایک ندی کیصورت اختیار کر کے بہ نکلتا ہے۔

وتشٹہ اور سندھ کا اتصال۔ دریائے وتشٹہ اور سندھ کا مقام اتصال زمانہ
قدیم سے ایک خاص طور پر مقدس تیرتھ چلا آرہا ہے نیل مت پران میں کشمیر کے متعلق
جو روایات مذکور ہیں انمیں وتشٹہ اور سندھ کو جو ملک بھر کے اندر سب سے بڑے اور
زیادہ مقدس دریا ہیں علے الترتیب جمنا اور گنگا لکھا گیا ہے پس کشمیریوں کے
نزدیک ان کا مقام اتصال ویسا ہی مقدس ہے جیسے وہ حقیقی پریاگ جو ہندوستان
کے دریائے گنگا اور جمنا کے اتصال پر واقع ہے

راج ترنگنی۔ نیل مت پران اور کتابوں میں وتشٹہ سندھ سنگم کو ایک اہم تیرتھ قرار
دیا گیا ہے فی الحقیقت زمانہ حال کی روایات اور مہاتموں میں اس کا نام بھی پریاگ
ہی آیا ہے مفصل تذکرہ کے لئے دیکھو نوٹ ع۱ ضمیمہ کتاب ہذا و نیز نوٹ عث ۱ کتاب
ہذا جس مقام پر دونوں دریاؤں کا پانی ایک دوسرے سے ملتا ہے وہاں تا اس

دریا میں ایک ٹھوس پختہ جزیرہ بنا ہوا ہے اس جگہ سال کے مختلف تہواروں پر لوگ باقاعدہ یاترا کرنے جاتے ہیں اس پر ایک پرانا چنار کا درخت اگا ہوا ہے جو حقیقی پریاگ کے قدیم اور مشہور درخت کا نعم البدل ہے۔

ہر چند کہ اس تیرتھ کو بے حد تقدیس کا درجہ حاصل ہے تاہم اس قسم کی واضح شہادت موجود ہے جس سے یہ بات ثابت کیجا سکتی ہے کہ اسکا جدید محل وقوع اب سے قریباً ایک ہزار سال پیشتر کا ہے اس بارہ میں ہمیں جو واقفیت حاصل ہے وہ زیادہ تر ان معلومات پر مبنی ہیں جو کلہن نے وتستہ کے راجہ اونتی ورمن کے عہد حکومت ۸۵۵ء تا ۸۸۳ء میں باقاعدہ کئے جانے کے بارہ میں پہنچائی ہیں چونکہ اس باقاعدگی کے عجیب ترین نتائج میں سے ایک وتستہ اور سندھو کے مقام اتصال کی تبدیلی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس کا بھی کچھ مجمل حال قلم بند کر دیا جائے اس موقعہ پر اس بارہ میں صرف ضروری باتوں کا ذکر کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مفصل شہادت نوٹ منا ضمیمہ کتاب ہذا میں جمع کی گئی ہے۔

سویہ کی باقاعدگی۔ کلہن نے اپنے افتتاحی تذکرہ میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ زمانہ قدیم میں کشمیر کی پیداوار بہت کچھ محدود ہوا کرتی تھی کیونکہ مہاپدما جھیل دلر سے تباہ کن طغیانی کا پانی بہ آتا تھا اور عام طور پر ملک سے پانی کی نکاس کا کوئی راستہ نہ تھا دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۶۸ و مابعد۔ راجہ للتادتیہ نے پانی کی تقسیم اور نکاس کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس سے زرعی پیداوار کی مقدار بڑھ گئی تھی لیکن اس کے کمزور جانشینوں کے عہد میں اس طرف سے بالکل تغافل برتا گیا حتٰی کہ تباہ کن طغیانیاں اور قحط بکثرت نمودار ہونے لگے۔ اونتی ورمن کے عہد میں سویہ نامی ایک شخص نے جو ادنیٰ ذات کا لیکن بڑا ذہین اور طباع تھا۔ ان مشکلات کو رفع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ راجہ نے اس کی سکیم منظور کر کے ضروری وسائل مہیا کر دیئے جس کے بعد وہ وتستہ کے راستہ کو اس

طرح درست کرنے کے درپے ہوا جس سے تمام وادی میں پانی کی تقسیم مناسب طور پر ہو سکے۔ مفصل حالات سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حسب ذیل طریق عمل اختیار کیا تھا۔

جیسا کہ ترنگ ۵ کے شلوک ۸۸ سے واضح ہوتا ہے ان کارروائیوں کی ابتدا یکشدر نامی ایک بھاتم واقعہ کرم راجیہ سے ہوئی جہاں پر دریائے وتستہ کے دونو کناروں کے پہاڑوں سے چٹانیں لڑھک کر دریا میں آ گری تھیں۔ جنسے اس کا بہاؤ رک گیا تھا۔ قبل ازیں ہم وتستہ کے راستہ کا ذکر کرتے ہوئے یکشدر کی نسبت جسکا موجودہ نام دیار گل ہے بیان کر چکے ہیں کہ وہ ایک کوہی شاخ ہے جو بارہ مولا کی کھڈ کے آغاز سے کوئی تین میل نیچے کیطرف تاس دریا تک پڑھی ہوئی ہے اس چٹانی دامن کے مقام پر دریا میں بہت تیز رفتاری آتی اور بھنور پڑتے ہیں جب ان چٹانوں کو جو راستہ میں حائل تھیں دور کر دیا گیا تو دریا کی سطح بھی نشیب ہو گئی۔ اس کے بعد تاس دریا کے آر پار ایک پتھر کا بند باندھ دیا گیا جس سے دریا برابر ۷ روز تک رکا رہا۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۹۲ کے بموجب اس عرصہ میں دریا کے پیندہ کو صاف کیا گیا اور اس قسم کی سنگین دیواریں بنائی گئیں جنسے چٹانیں لڑھک کر دریا میں نہ گریں۔ بعد ازاں بند کو دور کر دیا گیا اور صاف شدہ راستہ میں سے دریا زیادہ تیزی سے بہنے لگ گیا۔

جب کبھی ایام طغیانی میں بند ٹوٹ جاتے تھے تو دریا کے لئے نئے راستے بنا دئے جاتے تھے ان تبدیلیوں میں سے ایک وہ تھی جس سے وتستہ اور سندھ کے مقام اتصال کو بدلا گیا اور جسکی تشریح ترنگ ۵ کے شلوک ۹۷ تا ۱۰۰ میں کی گئی ہے اس موقعہ پر کلہن نے جو جغرافیائی تفصیلات دی ہیں وہ اس قدر واضح اور ٹھیک ہیں کہ سٹائین صاحب اس بات کو معلوم کرنے کے قابل ہو سکے کہ سویہ کی باقاعدگی سے پیشتر وتستہ کا اغلب راستہ کونسا ہوا کرتا تھا۔

وتستہ اور سندھو کے مقام اتصال میں تبدیلی۔ کلہن نے قدیم اور جدید مقام اتصال کا ذکر کرتے ہوئے ان خاص خاص مندروں کا حال لکھا ہے جو موضع ترگامی اور مواضع دریا کے دیگر مقامات پر واقع تھے ان میں سے اکثر عمارات کو سٹائین صاحب نے شناخت کرایا ہے اور ان کے اذاعات میں جو عام جغرافیائی پہلو موجود پائے جاتے ہیں ان سے کلہن کے بیان کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے اس سلسلہ میں سٹائین صاحب نے مقامی دریافتوں سے جو شہادت حاصل کی اس کا پورے طور پر نوٹ نمبر ا ضمیمہ کتاب ہذا میں ذکر کیا گیا ہے

جدید مقام اتصال جو کلہن کے زمانہ میں موجود تھا وہی ہے جو شادی پور کے مقابل واقع ہے مخفی نہ رہے کہ شادی پور کا لفظ شہاب الدین پور سے بگڑ کر بنا ہے کیونکہ اس مقام کی بنیاد سلطان شہاب الدین نے جو ۱۳۵۴ء سے ۱۳۷۳ء تک حکمران رہا ڈالی تھی اور جونراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۴۰۸ میں اسکا محل وقوع وتستہ اور سندھو کے اتصال پر لکھا ہے قدیم مقام اتصال اس کے جنوب مشرق کیطرف ۲ میل کے فاصلہ پر موضع ترگام اور پرسپور کی سطح مرتفع کے مابین واقع تھا آخرالذکر دہ مقام ہے جہاں پر پرہاسپور کے کھنڈرات واقع ہیں جنہیں سب سے اول سٹائین صاحب نے شناخت کیا تھا۔ ترگام کا قدیم نام ترگامی تھا اور اس کے جنوب کی طرف تھوڑے فاصلہ پر اس مندر کے کھنڈر واقع ہیں جو بقول سٹائین صاحب وشنو وینیہ سوامین کے نام سے مشہور تھا۔

کلہن نے اس مندر کی نسبت بیان کیا ہے کہ یہی وہ مقام تھا جہاں دو عظیم دریا سندھو اور وتستہ علی الترتیب ترگامی کے بائیں اور دائیں جانب بہ کر ایک دوسرے سے ملا کرتے تھے۔ جب ہم اس کھنڈر کے سامنے والی بلند زمین پر کھڑے ہو کر شادی پور کیطرف دیکھتے ہیں تو ہمارے بائیں جانب ایک پاؤ میل چوڑا دلدل نظر آتا ہے جس کا پانی ترگام

کی سمت میں شمال مشرق کی طرف بہتا ہے۔ بحالت موجودہ ہم یہ بات معلوم کرسکتے ہیں کہ دریائے سندہو کا پرانا تاس اس دلدل اور اس پایاب نال کے اندر سے ہوکر گذرتا تھا۔ جو شادی پور کی طرف جاتا ہے۔

دائیں طرف بدری ہیل نال واقع ہے جو ترگام اور پرسپور کی دریائی سطوح مرتفع کو تقسیم کرتا ہے اس نال کے کناروں کی ساخت پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی پرانا دریائی تاس ہے یہ اس عظیم دلدل کو جو مشرق کیطرف نیز نور نمبل کے نام سے موسوم ہے ان وسیع دلدلوں سے ملاتا ہے جو ولر کی طرف پرسپور کے مغرب اور شمال مغرب میں واقع ہے جب کبھی دریائے وتشٹہ کی طغیانی کے موقعہ پر نیز نور نمبل میں پانی زیادہ آجاتا ہے تو وہ اس کے راستہ بہ کر نکل جاتا ہے۔

اس جگہ دریاؤں کے جس قدیم راستہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے نور (جسے نقشہ پر نونو کے نام سے درج کیا گیا ہے) کے خاص محل وقوع کی توضیح ہوتی ہے یہ قابل ذکر نہر دریائے وتشٹہ کے بائیں کنارہ سے اسجگہ نکلتی ہے جو سندہو کے موجودہ مقام اتصال کے عین مقابل ہے اور عملی طور پر کچھ فاصلہ تک آخرالذکر کی جنوب مغربی سمت کو قائم رکھتی ہے صرف ½ میل کے قریب نشیب زمین نور کو دلدل کے اس سرے سے جدا کرتی ہے جو بینہ سوامن کے کھنڈر کے مقابل ہیں سندہو کے قدیم مقام اتصال پر سندہو کے تاس کو نمایاں کرتا ہے

ان سب باتوں کو سمجھ لینے کے بعد یہ جان لینا بھی کچھ مشکل نہیں رہتا کہ راجہ للتادتیہ نے کس لئے پرہاسپور کا مقام اپنی دارالسلطنت کے لئے منتخب کیا تھا پرسپور کی سطح مرتفع جو اس قدیم نام کی موجودہ یادگار ہے کسی ایسے قطع آب سے بہت فاصلہ پر ہے جیسے قدیم کشمیر کی دیگر دارالسلطنت میں دیکھا جاتا ہے لیکن جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ سویہ کی باقاعدگی سے پیشتر دریائے وتشٹہ اس حصہ کے عین شمال اور

ان عظیم مندروں کے بالکل دامن میں بہا کرتا تھا جنہیں راجہ للتادتیہ نے تعمیر کرایا تھا۔
سویہ کی باقاعدگی کے نتائج ۔ نوٹ ۔ ضمیمہ کتاب ہذا میں یہ بات بیان
کیجا چکی ہے کہ اس تبدیلی مقام اتصال کے مدعا اور نتیجہ کا اب تک پتہ چلایا جاسکتا
ہے جب دریائے وتستہ کو ترگام کے جنوب کی بجائے اس کے شمال میں گذارا گیا
تو ان دلدلوں سے جو جھیل ولر کے جنوب میں واقع تھیں کام لینے میں سہولیت
ہو گئی اسطرح پر دریا کو جو راستہ اختیار کروایا گیا ہے وہ نزدیک ترین راستہ ہے اس
کے پانی کو ولر کے اس حصہ میں لیجاتا ہے جو اپنی گہرائی اور حدود دلی عمدگی کے
باعث ہر طرح پر خطرناک طغیانی کے پانی کو سنبھالنے کے قابل ہے ۔ مدیوں سے
جھیل کے جنوب کیطرف جو نشیب دلدلی علاقوں کی زمین کو دوبارہ کام میں
لایا جارہا ہے وہ اس صورت میں ناممکن تھا۔ کہ اگر قدیم سمت کو قائم رہنے دیتے
ہوئے وتستہ کا پانی ان حصوں کے اوپر پھیل جانے دیا جاتا اس بارہ میں مفصل
حالات ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں کے صفحہ ۱۶۶ پر لکھے ہیں جہاں بیان
کیا گیا ہے۔ کہ اس ملک کے باشندے پانی سے بھی ویسا ہی کام لیتے ہیں جیسے
اس کے اردگرد والی زمین سے۔

ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وتستہ اور سندھ کے مقام اتصال میں جو تبدیلی
کی گئی اس کا بہت بڑا تعلق باقاعدگی اور پانی کے نکاس کی عام سکیم سے تھا
اس کا اظہار کلہن نے ترنگ ۵ کے شلوک ۱۰۳ میں کیا ہے جہاں وہ بیان کرتا
ہے کہ وتستہ کے ساتھ ساتھ ، یوجن (۴۲ میل) کے فاصلہ تک پتھر کے بند بندھوا
دیئے گئے تھے اور جھیل ولر میں بھی بند لگوا دیا گیا تھا ۔ اس طرح پر جو زمین حاصل
ہوئی اس پر جدید مواضع بسائے گئے۔ چونکہ ان دیہات کے گرد گول بند باندھے
گئے تھے اس لئے ان کا عام نام کنڈل پڑ گیا تھا۔ چنانچہ الس کنڈل اور مر کنڈل

یہ دو نو حد ید گاؤں اب بھی اپنے ناموں کے آخری حصہ میں کنڈل کا لفظ رکھتے ہیں
آگے چلکر کلہن بیان کرتا ہے کہ میرے اپنے زمانہ میں یعنی ۱۲ صدی بعد سابقہ زمانی
تاسوں کے کناروں پر اس قسم کے پرانے درخت اُگے ہوئے دیکھے جا سکتے تھے جن کے
ساتھ کشتیوں کی رسیاں باندھنے کے نشان بنے ہوئے تھے دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۰۱
اسی طرح اس نے ان قدیم چوبی کھمبوں کا بھی ذکر کیا ہے جنسے پشتے محفوظ تھے اور
جو اس وقت نظر آیا کرتے ہیں جب موسم خزاں میں دریا اترے ہوئے ہوں.
لارنس صاحب اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۲۱۱ پر بیان کرتے ہیں کہ اب بھی کشمیر میں
یہ عقیدہ عام طور پر پایا جاتا ہے کہ کوئی دریائی پشتہ اس وقت تک محفوظ نہیں
ہوتا جب تک کہ اس کے نیچے چوبی لٹھے دبے ہوئے نہ ہوں چونکہ دریا کے نچلے حصہ
کی زمین زیادہ تر گھاس دار ہے اس لیے ممکن ہے پرانے تجربہ کی بنا پر یہ خیال
درست بھی ثابت ہو چکا ہو۔

جے پور کا محل وقوع ۔ دریائے وتستا کے موجودہ مقام اتصال سے نیچے کی
طرف بڑھتے ہوئے ہم بہت جلد موضع سنبل میں پہنچ جاتے ہیں جہاں پر سرینگر
کی وہ سڑک جو جھیل ولر کے شمال اور وہاں سے درہ تراگ بل کیطرف جاتی ہے
دریا کو عبور کرتی ہے اس جگہ بائیں کنارہ سے کسی قدر فاصلہ پر قدیم جے پور کا
محل وقوع ہے جو راجہ جیا پید کے زمانہ میں دارالسلطنت کشمیر تھا اور جسکی
بنا اسی راجہ نے ۸ ویں صدی کے آخری نصف حصہ میں ڈالی تھی (دیکھو نوٹ ۲۱
کتاب ہذا - اس جگہ اب موضع اندر کوٹ واقع ہے جو سنبل کی دلدل اور نور نامی
نہر کی ایک شاخ کے درمیان جزیرہ پر واقع ہے
اگر ہمیں یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ راجہ اونتی ورمن کے عہد حکومت میں دریا
کے راستہ میں ایک عظیم تبدیلی کردی گئی تھی۔ تو واقعی ہمیں اس بات کے سمجھنے میں

بڑی دقت پیش آتی کہ اس قسم کی اہمیت رکھنے والے شہر کے لئے ایسی جگہ کیوں منتخب کی گئی
یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ راجہ جیاپیڑ کے عہد میں وتستہ کی ایک شاخ اس علاقہ میں نور
کی سمت اختیار کر کے چلتی تھی ان ایام میں اندرکوٹ کا جزیرہ جو ایک چھوٹی دریائی سطح
ہے ایک بڑا سائنس مقام تھا لیکن اب یہ حالت نہیں کیونکہ دریا اندرکوٹ کے مشرق کی
طرف اور بہت بڑے فاصلہ پر بہتا ہے۔

جھیل مانس۔ سنبل کے قریب دریا ایک علیحدہ پہاڑی کے دامن کے پاس سے گذرتا
ہے جسکا نام آہ تونگ ہے اور جو میدان کی سطح سے ایک ہزار فٹ بلند ہے اس کے زیر
پناہ شمال کیطرف مانس بل کی جھیل واقع ہے جسکا نام نیل مت پران اور جونراج
کی راج ترنگنی میں مانس (سرس) آیا ہے دیکھو نیل مت پران شلوک ۱۲۳۸ و
جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۴۶۱۸ اسکی لمبائی قریباً ۲ میل ہے اور چونکہ اس کا
تاس چٹانی ہے اسلئے سیلان کشمیر کی دوسری جھیلوں سے زیادہ گہری ہے ایک چھوٹی
سی ندی اسے دریا کے ساتھ ملاتی ہے اور کسی قدر پانی اس نہر آبپاشی کے ذریعہ آتا
ہے جو دریائے سارند سے اسمیں پہنچائی گئی ہے اس نہر کے متعلق جونراج نے اپنی راج
ترنگنی کے شلوک ۴۶۸ میں لکھا ہے کہ اسے زین العابدین نے بنوایا تھا اس کا قدیم
نام اس مقدس جھیل کے نام پر ہے جو کیلاش پربت پر واقع ہے جو پرانوں اور رزمیہ
نظموں میں مذکور ہے اور علاقہ تبت میں مانسرور کے نام سے مشہور ہے
اس سے تھوڑا فاصلہ دریا کے نیچے کیطرف بائیں کنارہ پر موضع اتس کنڈل اور مرکنڈل
واقع ہیں جنکا ذکر قبل ازیں کیا جاچکا ہے بہت سی باتوں سے اس بات کا اندازہ
ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں آجکل کی نسبت جھیل ولر ان کے زیادہ قریب ہوا کرتی تھی
کلہن نے جو حوالہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گاؤں اس زمین پر بنائے گئے
تھے جو جھیل سے حاصل کی گئی (دیکھو ترنگ ۵ شلوک ۱۲۰) اس کے بعد جونراج

کی راج ترنگنی بمبئی ایڈیشن میں بھی شلوک ۱۲۳۰ میں ان گاؤں کو برلب جھیل قرار دیا گیا ہے ایسے ہی سرور نے اپنی جین راج ترنگنی کی ترنگ اشلوک ۴۰۰ میں ان گاؤں کا ذکر کرتے ہوئے جو سمدر کوٹ (جدید صدر کوٹ) سے زدار کا متصل اندر کوٹ کے سرے تک پھیلے ہوئے تھے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ جھیل ولر کے ساحل پر واقع تھے

وتستا کا گذر جھیل ولر میں۔ نقشہ کو ایک نظر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دریا کے بائیں کنارہ پر جو زمین مواضع کنڈل کے نیچے کی طرف واقع ہے وہ ایک جزیرہ نما کی صورت میں جھیل کے اندر کیطرف بڑھی ہوئی ہے یہ اندازہ کر لینا بالکل قرین قیاس ہے کہ یہ قطعہ زمین جو ۲ میل لمبا ہے۔ گاد کے متواتر جمع ہوتے جانے سے بنگیا ہے گاد کے جمع ہونے کا عمل جھیل ولر کے دوسرے حصوں کیطرح جہاں اسمیں ندیاں گرتی ہیں اس حصہ میں بھی جاری ہے اور امید ہے کہ زمانہ مستقبل میں اسکی وسعت اور بھی کم ہو جائیگی۔

اس عمل کی ایک بین مثال اس مصنوعی جزیرہ کے محل وقوع سے ملتی ہے جسکا نام زین لانک مشہور ہے سنسکرت زبان میں اس کا نام جین لنکا ہے کیونکہ اسے سلطان زین العابدین نے بنوایا تھا جونراج کی راج ترنگی بمبئی ایڈیشن کے شلوک ۱۲۲۷- سے واضح ہوتا ہے کہ اسے جھیل ولر کے وسط میں جہاں پانی بہت گہرا تھا بنوایا گیا تھا لیکن اب وہ اس کے ایک پایاب ساحلی حصہ میں واقع ہے۔

جھیل ولر۔ یہ عظیم جھیل جس کے جنوبی کناروں سے ہم قبل ازیں واقف ہو چکے ہیں کشمیر کے آبی نظام میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کشمیر کے بہت بڑے حصہ کا طغیانی کا پانی اس میں بہ کر چلا جاتا ہے اور اسی کی بدولت وادی کے مغربی حصہ کو ایک خصوصیت حاصل ہے۔ چونکہ جنوب کی طرف والے نشیب کنارے اکثر پانی سے ڈھک جاتے ہیں اسلئے مختلف موقعوں پر اسکی لمبائی چوڑائی بہی مختلف ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ

جھیل کو ۱۲ میل لمبا - ۶ میل چوڑا اور اس کے رقبہ کو کم و بیش ۸۰ مربع میل خیال کیا جاسکتا ہے
لیکن لارنس صاحب کی کتاب کے صفحہ ۲۰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طوفان کے موقعوں پر بھی جھیل
۱۳ میل لمبی اور ۸ میل تک چوڑی ہو جاتی ہے اسکی گہرائی کسی جگہ بھی ۱۵ انٹ سے زیادہ نہیں ہے
اور ان حصوں میں بتدریج کم ہوتی جاتی ہے جہاں ندیاں اس کے اندر داخل ہوتی ہیں
ہر چند کہ اسکی گہرائی نسبتاً کم ہے تاہم اکثر اوقات جب کوہستان شمال سے اس پر شدت کے
طوفان آتے ہیں تو اس پر کشتی چلانا خطرناک ہو جاتا ہے

اس جھیل کی حدود جنوب اور کسی قدر مشرق کیطرف غیر نمایاں ہیں اور ان اطراف میں
دلدل اور گھاس دار مرغزار نامعلوم طریق پر اس کے رقبہ میں داخل ہیں شمال کیجانب
اس کے سواحل پہاڑوں کے اس ابھی تقشیر کیطرف ڈھلوان ہیں جنمیں سے نکلکر بعض
چٹانی کنارے کنارِ آب تک پہنچے ہوئے ہیں ان پہاڑوں کے دامن میں جو زرخیز قطعہ
زمین ہے اس کا قدیم نام کھوئی آشرم ہوا کرتا تھا جسکی موجودہ صورت پرگنہ کھوئی ہوم ہے

مہاپدم کا قدیم نام۔ اس جھیل کا قدیم نام مہاپدم سرس ہوا کرتا تھا جو ناگ مہاپدم
کے نام سے لیا ہوا ہے جسے اس جھیل کا مخصوص دیوتا سمجھا جاتا ہے یہ نام تواریخ کشمیر نیل
مت پران اور اور کتابوں میں اکثر موقعوں پر استعمال ہوا ہے علاوہ بریں جیسا کہ ہم
قبل ازیں بیان کر چکے ہیں۔ حالات خاندان تنگ میں جو کیفیت کشمیر کی دی گئی ہے
اسمیں بھی یہی نام مذکور ہے

الولا کا نام جس سے موجودہ نام ولر حاصل کیا گیا ہے بمبئی ایڈیشن کی جو نراج راج
ترنگنی شلوک ۱۲۲۷ تا ۱۲۳۰ اور مہابھیشور نامی ایک جدید مہاتم کے شلوک ۳۰ و ۳۳
میں پایا جاتا ہے سنسکرت لفظ الولا کے معنی طوفانی یا اس جھیل کے ہیں جسمیں اونچی
اونچی لہریں اٹھتی ہوں دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۹ ورجن لوگوں نے کبھی تیز ہوا
چلنے میں اس جھیل کو بذریعہ کشتی عبور کیا ہے اور اس سفر کے خطرات سے واقف ہیں

وہ فوراً تسلیم کرینگے کہ یہ نام اس کے لئے بالکل موزون ہے ساتھ ہی اس شبہ کو رد کردینا ناممکن نظر آتا ہے کہ یہ نام جو قدیم سنسکرت کتب میں کہیں نہیں آیا کشمیری لفظ ولر یا اسکی کسی اور سابقہ صورت کو بگاڑ کر بنا لیا گیا ہو یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعض جدید مہاتموں مثلاً دتستہ مہاتم ادھیائے ۵ شلوک ۸۰ اور ہر در اگنیش مہاتم میں الولا کا نام ولر پرگنہ کے لئے بھی آتا ہے بحالیکہ اس کا قدیم نام مولداتھلہ جو نراج نے سری کنٹھ چرت کے ادھیائے ۳ شلوک ۹ کی شرح لکھتے وقت مہاپدم کا ترجمہ الولا کیا ہے

مہاپدم ناگ کی روایات۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جھیل کے متعلق جو کشمیر کی جھیلوں میں سب سے بڑی ہے زمانہ قدیم ہی سے بہت سی روایات منسوب چلی آرہی ہیں نیل مت پران کے شلوک ۹۷۶ تا ۱۰۰۸ میں اور بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۰ پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ کیونکہ یہ جھیل مہاپدم ناگ کا مسکن بنی ابتدا میں اس پر شریر ناگ سدن گل قابض تھا جو ملک کی عورتوں کو اٹھا لیجایا کرتا تھا آخر کار کشمیر کے ناگوں کے راجہ نیل نے سدن گل کو دارد قوم کے ملک کی طرف جلاوطن کردیا جب وہ چلا گیا۔ تو مقام خشک رہ گیا اور اسجگہ راجہ وشو گشو نے چندر پور نامی ایک شہر آباد کیا لیکن جب اس شہر میں درواسا رشی کا اچھی طرح استقبال نہ کیا گیا تو اس نے سراپ دیا اور پیشین گوئی کی۔ کہ یہ شہر پانی سے تباہ ہوگا۔

چندر پور کی تباہی۔ آخرکار جب ناگ مہاپدم کشمیر میں پناہ گزین ہوا اور اس نے نیل ناگ سے رہائش کے لئے مناسب مقام طلب کیا تو اسے چندر پور پر قابض ہونیکی اجازت دیدی گئی اس پر مہاپدم ناگ ایک بڈھے برہمن کے بھیس میں راجہ وشوگشو کے روبرو پہنچا اور اس جگہ مع اپنے قبیلہ کے رہائش کی اجازت چاہی جب اسکی درخواست منظور کرلی گئی تو اس نے اپنے آپ کو اصلی صورت میں نمایاں کیا اور راجہ کو شہر کے زیر آب ہو جانیکی اطلاع دیدی۔ ناگ کے ایما پر راجہ اور اسکی رعیت کے لوگ وہاں سے ترک

وطن کر کے دو دیجن مغرب کیطرف چلے گئے جہاں انہوں نے وشوگشو پور کا جدید شہر بسایا اس کے بعد ناگ نے چندر پور کو ایک جھیل میں تبدیل کر لیا اور خود معہ اپنے قبیلہ کے اسی جگہ رہنے لگا یہ روایت اب تک لوگوں کو یاد ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ تباہ شدہ شہر کے کھنڈرات اب بھی کبھی کبھی زیر آب نظر آجاتے ہیں

ایک اور روایت وہ ہے جسے کلہن نے راجہ جیاپید کے عہد حکومت کا ذکر کرتے ہوئے ترنگنی ۴ کے شلوک ۵۹۲ میں درج کیا ہے اس جگہ مذکور ہے کہ جب ایک دراوڑی ساحر نے ناگ مہا پدم کو خشک کرنے کی دہمکی دی تو وہ راجہ کو سپنے میں نظر آیا اور اس سے پناہ کا طلبگار ہوا اس کے عوض اس نے وعدہ کیا کہ میں ایک سونے کی کان دکھا دوں گا جیاپید نے ناگ کی درخواست منظور کر لی لیکن استعجاب رفع کرنے کے لئے اس نے پہلے اس دراوڑی ساحر کو اس جھیل پر اپنا جادو آزمانے دیا جب پانی اس قدر خشک ہوگیا کہ ناگ اور اس کے ہمراہی انسانی چہرہ والے سانپوں کی شکل میں کیچڑ میں پیچ و تاب کھاتے دکھائی دینے لگے تو راجہ نے مداخلت کر کے جھیل کو پھر بھروا دیا لیکن ناگ کو راجہ کی یہ حرکت بہت ناگوار گذری اور اس نے اسے سونے کی کان کی بجائے ایک تانبہ کی کان دکھلا دی۔

ایک پورانک حوالہ کے ضمن میں مہاپدم کو بعض اوقات ناگ کالیہ بھی خیال کیا جاتا ہے جسے کرشن جی نے مغلوب کیا تھا چونکہ کرشن جی کے قدم اس ناگ کے سر پر لگنے سے اس پر کنول (پدم) نمودار ہوگئے تھے اس لئے کشمیری شعرائے مہاپدم کو کالیہ یا کالی ناگ ہی کی دوسری صورت سمجھا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو سری کنٹھ چرت ادھیائے ۳ شلوک ۹۔ جونراج کی راج ترنگنی شلوک ۹۳۳ و نوٹ ۳۷ کتاب ہذا۔

ولر کے چھوٹے چھوٹے معاون۔ دریائے وتستا کے علاوہ جو دوسری ندیاں جھیل ولر میں گرتی ہیں انہیں بند پور نال نامی ندی سب سے بڑی ہے یہ اس سلسلہ کوہ کو سیراب کرتی ہے جو کوہ ہرمکہ اور درہ تراگ بل کے مابین واقع ہے اور

جھیل کے شمال کیطرف اس کا اپنا ایک چھوٹا سا ڈیلٹا بنا ہوا ہے اس کا قدیم نام جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۷۹، ۸ کے شلوک ۲۸۸۳، نیل مت پران کے شلوک ۱۲۵۹ اور ۱۲۹۸ میں آیا ہے مدھومتی تھا راج ترنگنی میں اس کا ذکر بارہا اس راستہ کے ضمن میں آیا ہے جو دردوعلاقہ کیطرف جاتا تھا لیکن اسے اس چھوٹی مدھومتی سے الگ سمجھنا چاہئیے جو شاردا تیرتھ کے قریب کشن گنگا میں جا ملتی ہے۔

جھیل کے جنوب مغربی کنارہ پر قصبہ سوپور سے اوپر کیطرف دو میل کے قریب زائد پانی بہ کر چلا جاتا ہے جیسا کہ ترنگ ۵ کے شلوک ۱۲۰ سے واضح ہوتا ہے آخر الذکر کا قدیم نام سویہ پور تھا جسے سویہ نے قائم کیا اور جس سے اسکی یاد اب تک باقی ہے اگر ہم اس قصبہ کے محل وقوع اور ترنگ ۵ شلوک ۱۰۴ کی عبارت سے اندازہ کریں تو یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اونتی ورمن کے اس بڑے انجنیر کی کارروائی کا اثر جھیل کے اس طرف کبھی تا اس دریا پر پڑا تھا۔

ولر سے نیچے دریائے وتستہ سوپور سے نیچے کیطرف کوئی ۴ میل کے فاصلے پر وتستہ میں جو آب ایک پیچیدہ لیکن واضح راستہ میں سے ہو کر گذرتا ہے اس کا آخر سب سے بڑا معاون جو کشمیر کے اندر اس میں شامل ہوتا ہے اس سے آملتا ہے اسکا نام پوہرو ہے ہمیں وتستہ سے ملنے سے پیشتر وہ تمام ندیاں مل چکی ہوتی ہیں جو وادی کے انتہائی شمال مغربی حصہ کو سیراب کرتی ہیں اس حصہ ملک کا ذکر کلہن کی راج ترنگنی میں بہت کم آیا ہے یہی وجہ ہے کہ اسمیں کہیں پوہرو یا اس کے معاونوں کا ذکر نہیں آتا یہ بات یقینی طور پر معلوم نہیں کہ اس ندیا کا قدیم نام کیا تھا جو نراج کی راج ترنگنی کے بمبئی ایڈیشن میں شلوک ۱۱۵۰ و ۱۱۵۲ میں اس دریا کا نام کہیں آیا ہے وتستہ مہاتم کے ادہیائے ۲۰ شلوک ۶ میں اسکا نام پرہرا اور سومیہ مہاتم میں پرہلا آیا ہے قلمی نابوں میں سے مادر کا نام جو یچی پور پرگنہ میں سے جسکا نام نقشہ پر موردکھایا گیا ہے۔

بہتی ہے نیل مت پران کے شلوک ۱۳۲۲ میں ماہری آیا ہے ہمل ندی کا قدیم نام وہی ہے جو اس پرگنہ کا ہے جسمیں سے وہ بہتی ہے یعنی شمالا۔

جس مقام پر دریائے وتستہ جھیل ولر میں سے نکلتا ہے وہاں سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر وہ بارہ مولا کی کھڈ کے دہانہ پر پہنچ جاتا ہے دریا کے اس حصہ کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں بارہ مولا پر آکر اسمیں کشتی رانی ہونا بند ہو جاتی ہے شہر کے عین نیچے کھڈ کو ایک تیز بہاؤ کے ساتھ پیچھے چھوڑتے ہوئے وہی دریا جو وادی کے اندر اس قدر ساکن نظر آتا ہے اونچے نیچے مقامات پر سے سرپٹ بہتا ہوا گذرنے لگتا ہے

۷۔ وادی کی زمین اور آب و ہوا

کشمیر کے دریاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ہم اب تک اس دریائی میدان کیطرف متوجہ رہے ہیں جو اس وادی کا نشیب و زرخیز ترین حصہ ہے اب لازم ہے کہ ہم اس کے بلند علاقوں کیطرف رجوع کریں جنمیں وہ خاص سطوح مرتفع واقع ہیں جنکا حوالہ قبل ازیں دیا جا چکا ہے

اور یعنی دریائی سطوح مرتفع۔ ان سطوح مرتفع کے لئے حقیقی کشمیری لفظ اودر ہے جس کے لئے تواریخ میں سنسکرت لفظ اودر استعمال ہوا ہے ایک اور جدید نام جو فارسی ماخذ کا ہے اور اکثر استعمال ہوتا ہے کریوہ ہے راج ترنگنی میں دو مقامی نام اس قسم کے آتے ہیں جن کے آخر میں اودر کا لفظ آتا ہے یعنی لوچن اودار اور دہیا لوودار دیکھو نوٹ ۹۰ کتاب ہذا۔ بعد کی تاریخوں میں یہ لفظ مشہور سطوح مرتفع کے نام کے ساتھ استعمال ہوا ہے دیکھو گشکوودار یعنی گش کا اودر متصل راموہ سرپور کی راج ترنگنی ترنگ ۸ شلوک ۶۵ ۸ ۔ ۲ ۵۹ ۶۰ ۵۹ دامودراودار یعنی

دامدر اودر سر لبویر کی راج ترنگنی ترنگ ۸ شلوک ۶۱۸۔ ول پور اودار مذکور شنک ور پچا یہٹ کی راج ترنگنی شلوک ۵، ۷ وغیرہ۔ ایک زیادہ قدیم سنسکرت لفظ جو ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے سود ہے جس کے اصلی معنی ”بنجر دیلہان زمین“ کے ہیں۔ کلہن نے مشہور و معروف دامدر اودر کا ذکر کرتے ہوئے اسے اکثر استعمال کیا ہے دیکھو نوٹ ۶۳ کتاب ہذا۔

ماہران علم الارض وادی کشمیر کے اُدروں کے وجود کے بارہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کا باعث ایک خاص قسم کے مادوں کا اجتماع ہے ان کے گرد یا تو نشیب زمین واقع ہے جس سے وہ علیحدہ نظر آتے ہیں یا نہایت ہلکے ڈھلوانوں کے ذریعہ پہاڑی کراروں سے ملے ہوئے ہیں اکثر ان سطح مرتفع کی چوٹیاں قریب قریب بالکل چپٹی نظر آتی ہیں۔ وہ ان کھڈوں اور وادیوں کی سطح سے جو بیچ میں جابجا واقع ہیں عام طور پر ایک سو سے ۳۰۰ فٹ تک اونچی ہیں اور انہی کھڈوں وغیرہ میں سے ہو کر وہ کوہی ندیاں گذرتی ہیں جو دریائے ویاسۂ وتستہ سے جا ملتی ہیں اکثر ادر وادی کے جنوب مغربی پہلو پہ واقع ہیں اور شوپئین سے بارہ مولا تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ دریا کے پار وادی کے شمال مغربی پہلو اور دریائی میدان کے جنوب مشرقی اور جنوب مغربی انتہائی حصوں میں بھی موجود ہیں۔

اُدروں کی زمین۔ چونکہ ادروں کی زمین ناقص ہے اور اس میں آبپاشی بمشکل ہوتی ہے اسلئے وادی کے دیگر حصوں کے مقابلہ میں یہ مقام زرخیزی کے اعتبار سے بھی بہت گھٹے ہوئے ہیں ان میں سے وہ جو پہاڑوں کے دامن میں واقع ہیں اس طرح پر زیر کاشت لائے گئے ہیں کہ ان کے عقب میں جو بلند زمین واقع ہے اسمیں سے ان تک پانی پہنچایا گیا ہے ان آبپاشی کی نالیوں میں سے اکثر بلا شبہ زمانہ قدیم کی بنی ہوئی ہیں اور بعض کا ذکر تواریخ میں خاص طور پر آیا ہے باقی ادروں بالخصوص ان تک جو بالکل علیحدہ واقع ہیں پانی پہنچ یا ہی

نہیں جا سکتا اسلئے یہ یا تو جھاڑی دار ویران جنگل ہیں یا اگر امنیں کاشت ہوتی ہے
تو بارش کے غیر یقینی ہونیسے فصلیں غیر مقررہ طور پر پیدا ہوتی ہیں
ان میں سے بعض اور اس لحاظ سے کہ وہ وتستا کے قریب ہیں یا بعض دیگر وجوہ سے
قدیم جغرافیہ کشمیر میں ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں چنانچہ بارتنڈ۔ چکردہر۔ بدم پورہ۔
پرہیاسپور وغیرہ اسی قسم کی مثالیں ہیں ایک اور یعنی دامودر اُدر ملک کی روائتی حکایات
میں بہت کچھ حصہ لیتا ہے
کشمیر کی آب و ہوا کسی ملک کی جغرافیائی حالتوں سے اسکی آب و ہوا کو اس قدر
گہرا تعلق ہوتا ہے کہ اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں بعض قدیم حوالے
اور تذکرات درج کر دیئے جائیں۔
سب سے واضح حالات آب وہوائے کشمیر کے بارہ میں البیرونی نے اپنی کتاب انڈیا
کی جلد ا صفحہ ۲۱۱ پر دیئے ہیں اس نے صاف طور پر وہ وجہ بیان کی ہے جس کے باعث
ہندوستان خاص کی بے حد موسمی بارش کشمیر میں نہیں ہوتی چنانچہ اس نے لکھا ہے
کہ "جب بہاری بادل ان پہاڑوں تک پہنچتے ہیں جو کشمیر کے جنوب تک پھیلے ہوئے
ہیں تو پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں اور بادل زیتونوں یا انگوروں کی طرح دب جاتے
ہیں اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بارش وہیں ہو جاتی ہے اور پہاڑوں سے پرے پہنچا نہیں
پاتی یہی باعث ہے کہ کشمیر میں کوئی ورش کال معین نہیں البتہ ماگھ سے شروع ہو کر وسط
ماہ چیت کے بعد تک برفباری ہوتی ہے انہی ایام میں چند روز تک متواتر بارش ہوتی
رہتی ہے جس سے برف پگھل جاتی ہے اور زمین صاف ہو جاتی ہے اس قاعدہ کا مستثنا
کبھی ہی دیکھنے میں آتا ہے گو ہندوستان کے ہر صوبہ میں موسمی تبدیلیاں ہوتی رہتی
ہیں۔"
جب ہم البیرونی کے اس بیان کا مقابلہ لارنس اور ایلیٹ صاحب کے تذکرات

سے کرتے ہیں۔ تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اسکی یہ تحریر بھی اسکی اکثر دیگر تحریرات کی طرح درست ہی ہے۔

کشمیر اور ہندوستان کے میدانی علاقوں کے موسم میں اگر کوئی اختلاف نمایاں طور پر پایا جاتا ہے تو یہی کہ وہاں پر نہ تو موسم برسات ہوتا ہے اور نہ شدت کی گرمی پڑتی ہے چونکہ وادی بہت بلند ہے اس لئے اس جگہ ہمیشہ اوسط درجہ کی ٹمپریچر قائم رہتی ہے اور اس آب وہوا کو اہل ملک اور سیاح ہمیشہ سے پسند کرتے چلے آئے ہیں ترنگ ۱ کے شلوک ۴۲ میں کلہن نیز دھوپ کی مصیبت سے بچنے کو اس مہربانی سے منسوب کرتا ہے جو دیوتاؤں نے خاص طور پر اس کے ملک سے کی ہے ترنگ ۲ کے شلوک ۱۳۸ میں اس نے اس موسم گرما کا جو دلچسپ نقشہ پیش کیا ہے جو جنگلات کے اوپر کے طبقہ میں بسر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ذاتی طور پر اپنے ملک کے بلند حصوں کی فرحت افزا آب وہوا کا لطف اٹھایا ہوگا ایک سے زیادہ موقعوں پر اس نے ان تکالیف کا ذکر کیا ہے جو کشمیر کے جلاوطنوں کو ہندوستان کے گرمائی موسم میں برداشت کرنا پڑیں ان پہاڑی علاقوں میں بھی جو پیر پنچال کے عین جنوب میں واقع ہیں موسم گرما اور بخار اکثر ان کشمیری فوجوں کے لئے تباہی بخش ثابت ہؤا ہے جو اس جگہ متعین ہوں دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۹۷۰ ترنگ ۸ شلوک ۱۶۲۴-۱۸۳۰-۱۸۳۶-۱۸۶۵- راجپوری اور نواحی علاقوں کے بخاری موسم کے بارہ میں دیکھو نوٹ عدا کتاب ہذا۔

کشمیر کی کڑکڑاتی سردی۔ بخلاف اس کے ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کلہن نے جا بجا کشمیر کے شدت کے جاڑے کی بھی بڑی دلچسپ تصویر کھینچی ہے مثال کے طور پر ناظرین ترنگ ۸ کا شلوک ۷،۱۳-۱۴۲ اور ترنگ ۷ کا شلوک ۵۹۲ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ جہاں اس بے حد برفباری کا جو ماہ بھاگن ۱۱۲۸ء میں راجہ سسل کے

قتل کے بعد ہوئی اور سردیوں میں دریائے وتستا کے ۱۰۸۷ء میں منجمد ہونے کا ذکر کیا گیا ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۱۰ میں دعویدار سلطنت بھوج کے بالائی وادی کشن گنگا کی جانب فرار ہونے کی جو کیفیت درج کی گئی ہے اس سے مفصل طور پر ان مشکلات کا اظہار ہوتا ہے جو وادی کے شمال کیطرف برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں پر سردیوں میں کوچ کرتے وقت پیش آتی ہیں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کشمیر کے گرد بلند سلسلہ کوہ پر شدت کے موسم سرما میں ۴۰ سے ۶۰ فٹ تک برف باری ہو جاتی ہے نیز دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۱۴۱۔ ان سب کے علاوہ ترنگ ۲ کے شلوک ۹۱۶۔ ۸ کے شلوک ۲۵۱۱ اور ۲ کے شلوک ۱۳۸ سے بھی اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ کشمیر کے مختلف بلندیوں کے مقامات کی آب وہوا میں عظیم اختلاف پایا جاتا ہے۔

موسم خزاں میں غیر معمولی طور پر قبل از وقت برفباری ہونے کا سلسلہ جس سے درہ دگندہ گھاٹ کے سرحدی قلعہ کی قلعہ دار فوج کا بچاؤ ہو گیا تھا زمانہ قدیم ہی سے چلا آتا ہے اور وادی کے نچلے حصوں میں بھی لوگ اس سے خائف رہتے ہیں اس قسم کی برفباری سے چاولوں کی فصل کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کا اظہار کلہن کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اس نے ترنگ ۲ کے شلوک ۱۸ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۴۹ میں ان قحطوں کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس قسم کی بیوقت برفباری کے باعث ظہور میں آئے تھے۔

دیگر پہلوؤں کیطرح اس پہلو میں بھی تاریخی زمانہ میں آب وہوا کی حالت میں کوئی مادی تبدیلی واقع شدہ نظر نہیں آتی اسمیں شک نہیں کہ کلہن نے راجہ بھیمسینو اول کے عہد حکومت کا ذکر کرتے ہوئے اس گہری برف باری کا ذکر کیا ہے جس سے بودھوں کو تکلیف ہوتی تھی اور راجہ کو سردی کے چھ مہینے دارد ابھیسار میں

بسر کرنا پڑتے تھے لیکن جب ہم اس بیان پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں تو وہ نیل مت
پران کی اس روایت سے ملتا جلتا نظر آتا ہے جسمیں لوگوں کو پشاچوں کی موجودگی
کے باعث ہر سال ترک وطن کرنا پڑتا تھا اس باعث ہم اس کو غیر ضروری وقعت
نہیں دے سکتے۔

کشمیر میں زمانہ سلف سے جس قسم کی کاشت کا سلسلہ چلا آیا ہے اس کا بھی یقیناً
ملک کی جغرافیائی حالت پر بہت کچھ اثر پڑا ہوگا اس لئے اسجگہ اس کا سرسری ذکر
کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

چاول کی کاشت۔ جہاں تک قدیم زمانہ کی تحقیقات کیجا سکتی ہے وادی کشمیر
کی سب سے بڑی اور اہم پیداوار چاول ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اہل کشمیر کی خاص
غذا چاول ہونے کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ مختلف تواریخ میں اس کے
لئے لفظ "دھانیہ" (دانج) آیا ہے۔ لارنس صاحب اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۳۱۹ پر رقمطراز
ہیں کہ اب تک کشمیریوں نے چاولوں کے علاوہ اور کسی فصل کو قابل توجہ خیال
نہیں کیا"۔ اسکی کاشت کے لئے کھلی اور وسیع آبپاشی لازمی ہوتی ہے قدرت نے
وادی کشمیر میں بیشمار چشمے اور ندیاں پیدا کر کے اسے اس مطلب کے خاص طور پر
اہل بنایا ہے۔ لارنس صاحب نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۳۲۳ پر ان پیچیدہ انتظامات
کا بالتفصیل ذکر کیا ہے جو بحالت موجودہ چھوٹی بڑی ندیوں سے پانی حاصل کرنے
اور قابل زراعت زمین پر تقسیم کرنے کے متعلق جاری ہیں صاحب موصوف نے اپنی
کتاب کے اس حصہ میں زراعت کشمیر کا بہت کچھ مفصل اور مشرح ذکر لکھا ہے اس
میں بہت کم شک وشبہ کی گنجائش ہے کہ آبپاشی کے یہ انتظامات بہت کم تبدیلی
کے ساتھ زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں۔

آبپاشی کی بہت سی بڑی بڑی نالیاں جو زرخیز دریائی میدانوں میں سے ہو کر

گذرتی ہیں۔ یا ادروں کے ڈھلوانوں یا پہاڑوں کے بغلی حصّوں کو سیراب کرتی ہیں نقشہ پر دکھائی گئی ہیں مثال کے طور پر دیکھو وہ علاقے جو لدروشاؤ۔ سندھ اور دوسرے دریاؤں کے نچلے حصوں پر واقع ہیں۔ زمانہ قدیم میں جبکہ آبادی زمانہ حال کی نسبت زیادہ ہوا کرتی تھی بہت سی زمین جو اب پہاڑیوں کے پہلوؤں اور ادروں اور نشیب دلدلی علاقوں کے قریب واقع ہے یقیناً زیر کاشت ہوا کرتی ہوگی کتاب ولی کے صفحہ ۲۲۹ اور ۳۵۶ پر ان وسیع رقبات کا ذکر کیا گیا ہے جو کسی زمانہ میں زیر کاشت ہوا کرتے تھے اور اغلب ہے کہ پھر ہوا کرینگے سٹائین صاحب ایک موقعہ پر لکھتے ہیں کہ مجھے بارہا آبپاشی کی قدیم نالیوں کے نشانات دیکھنے کا موقعہ ملا ہے جنہیں اب مدت سے چھوڑا ہوا ہے اور جنہیں سے غالباً بلند سطوح مرتفع کا زمانی پانی بہ کر نیچے آیا کرتا تھا۔ چاول کی کاشت کے قابل زمینوں سے ان کا فاصلہ اسقدر زیادہ اور ان کی تعمیر پر اس قدر صرف کثیر اٹھا ہوگا کہ موجودہ حالت کی نسبت آبپاشی کی زیادہ مانگ کے باعث ہی انہیں تیار کرنا پڑا ہوگا

انہار آبپاشی۔ کلہن نے جن قدیم ترین روایات کا ذکر کیا ہے انمیں انہار آبپاشی کی تیاری کو بہت کچھ دخل ہے قبل ازیں سورن منی کلیہ کا ذکر کیا جا چکا ہے جسے راجہ سورن سے منسوب کیا جاتا ہے اور جس کے ذریعہ اب تک ضلع ادون کے بہت بڑے حصہ تک پانی آتا ہے ترنگ ا کے شلوک ۱۵۶ میں جو اس نہر کا حوالہ دیا گیا ہے جس کے ذریعہ راجہ دامودر نے اس عظیم ادر تک جو کہ اس کے نام سے منسوب ہے پانی لانے کی کوشش کی تھی وہ بھی قابل ذکر ہے ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۱ میں للتادتیہ کے بارہ میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے چکردہر (ستک درہ) کے پاس والے گاؤں میں ارگھٹ (ایک قسم کے رہٹ) الغرض آبپاشی لگوائے تھے جنکے ذریعہ دریائے وتستہ کا پانی ان میں

پہنچایا جاتا تھا۔

لیکن اس بات کا سہرا اونتی ورمن کے انجنیئر سویہ کے سر ہے کہ اس نے دیہاتی اراضی کے لیے وسیع پیمانہ پر دریائی پانی بہم پہنچانے کی ابتدا کی۔ کلہن نے جو مفصل حالات قلم بند کئے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ سویہ نے جب دریائے وتستا کو باقاعدہ کیا تو اس نے آبپاشی کی نالیوں کو بھی باقاعدہ طور پر تیار کرایا تھا۔ ان کے راستہ مختلف پہاڑی ندیوں کا پانی اسطرح استعمال کیا جاتا تھا جیسے وہاں کا ہر ایک گاؤں کے لئے پانی کی مقدار اور تقسیم ایک دوامی بنا پر قائم تھی یہی وجہ ہے کہ اسکی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اس نے تمام علاقوں کو کثیر التعداد آبپاشی والے کھیتوں کے ذریعہ آراستہ کر دیا جو اپنی اعلےٰ پیداوار کے لئے مشہور تھے ترنگ ۵ کے شلوک ۱۰۹ تا ۱۱۲ اور اس کے متعلق نوٹ ۳۶۸ کتاب ہذا میں بیان کیا گیا ہے کہ ان ذرائع سے پیداوار بڑھ جانے و نیز دریائی اور دلدلی زمین زیر کاشت لانے سے ایک کہاری چاول کی اوسط قیمت ۲۰۰ سے گھٹ کر ۳۶ دینار رہ گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مالگذاری کے نقطہ خیال سے آبپاشی کی اہمیت فرمانروایان ملک کو ہمیشہ مدنظر رہی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی اندرونی فتنہ و فساد سے امن نصیب ہوا ہے تو قدیم نہروں کی مرمت یا جدید نہروں کی تیاری کیطرف توجہ دی جاتی رہی ہے۔ سلطان زین العابدین کے طویل اور پر امن عہد حکومت میں جس نے بہت سی باتوں میں قدیم ہندو فرمانرواؤں کی روایات کو تازہ کر دیا تھا۔ آبپاشی کے بہت سے ضروری کام عمل میں آئے جونراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۱۱۴۱ تا ۱۱۵۵ و ۱۲۵۷ اور سریور کی راج ترنگنی ترنگ ا شلوک ۴۱۴ میں ان نہروں کی ایک طویل فہرست درج کی گئی ہے

خواص بادشاہ کے وقت میں بنائی گئیں انمیں زیادہ قابل ذکر دو نہریں ہیں جنمیں سے ایک تو دریائے لوہر کے پانی کو زین گر پرگنہ میں تقسیم کرتی تھی اور دوسری وہ تھی جس کے ذریعہ دریائے للدر کا پانی مارتنڈ کی بنجر سطح مرتفع تک پہنچایا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے آخرالذکر مقام پر اس قسم کا کام پہلے سے بھی جاری تھا۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کس لئے ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۲ کے بموجب راجہ للتادتیہ نے اسجگہ اپنا شاندار مندر اور وہ قصبہ بنوایا ہوگا جو اس کے گرد آباد تھا۔

کاشت زعفران۔ وادی کشمیر میں باقی جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں انمیں سے اس جگہ صرف دو کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ زمانہ قدیم سے ملک کے تذکرات میں ان کا ذکر بھی موجود پایا جاتا ہے کلہن نے ترنگ ۱ کے تمہیدی شلوک ۴۲ میں زعفران اور انگوروں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں جو سورگ میں بھی بشکل مل سکتی ہیں لیکن اس ملک میں عام ہیں"۔ زعفران (کنکم) آج تک کشمیر کی ایک مشہور پیداوار ہے معلوم ہوتا ہے زمانہ قدیم سے اسکی کاشت پدمپور حیدید پامپر کے قریب ہوتی چلی آئی ہے جہاں پر اراضی اور کو اس کام میں خاص طور پر لایا جاتا ہے شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی میں اس لوبعہ اور اس کی کاشت کا ذکر مفصل طور پر آیا ہے (دیکھو شلوک ۹۲۶ کتاب مذکور) ابوالفضل نے بھی آئین اکبری کی جلد ا صفحہ ۳۵۷ پر سے اسی مقام سے منسوب کیا ہے اور اس پر طوالت کے ساتھ بحث کی ہے۔

انگور۔ کلہن نے ترنگ ۱ کے شلوک ۴۲ ترنگ ۴ کے شلوک ۱۹۲ اور ترنگ ۷ کے شلوک ۴۹۰ میں کشمیری انگوروں کا ذکر کیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ زعفران کی طرح انکی کاشت اب اسی حالت میں قائم نہیں رہی معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کی حدود سے باہر بھی انہیں خاص شہرت حاصل ہو گی کیونکہ سنسکرت کوشوں

ہیں کشمیر کا لفظ انگوروں کی خاص قسم کے لئے آیا ہے انگور مارتنڈ میں بکثرت اگتے تھے۔ جہاں انکی کاشت کا ذکر کلہن اور شک اور پرجابھٹ نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۸۵۱ و ۹۲۰ میں کیا ہے علاوہ بریں دیگر اضلاع میں بھی ان کی کاشت ہوتی تھی۔ اکبر کے عہد میں بھی کشمیر میں انگور بکثرت اور بہت ارزاں ہوا کرتے تھے۔ لیکن ابوالفضل آئین اکبری کی جلد صفحہ ۳۴۹ و ۶۵ پر بیان کرتا ہے کہ اعلےٰ قسم کے انگور کمیاب تھے اس کے بعد لوگوں میں کاشت انگور کا شوق تنزل پر ہوتا گیا ہے۔ ہر چند کہ کشمیر کے بعض حصوں میں اب بھی غیر معمولی طور پر بڑے اور دیرینہ انگور پائے جاتے ہیں لیکن وہ زیادہ تر جنگلی حالت میں ملتے ہیں۔ انگوروں کی پیداوار اب ان چند پرانے باغات تک محدود ہے جو وادی سندھ کے دہانہ پر واقع ہیں یا وہ ان جدید تاکستانوں میں پائے جاتے ہیں جو کشمیر کے سابق مہاراجہ نے جھیل ڈل کے کنارہ فرانسیسی انگوروں کی کاشت کے لئے لگوائے تھے۔

کشمیری تاکستانوں کا ذکر زیادہ شرح و بسط کے ساتھ لارنس صاحب نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۳۵۱ پر کیا ہے۔

۸۔ نسلی حالات

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم مجمل طور پر ان معلومات کا ذکر کریں۔ جو کشمیر اور نواحی پہاڑی علاقوں کے نسلی حالات کے متعلق ہمیں حاصل ہیں۔ کشمیری قوم۔ جہاں تک خاص کشمیر کا تعلق ہے ہمیں جو معلومات حاصل ہیں انکی رو سے ہم کسی مقام کا تعلق خاص نسلی قسموں کے ساتھ قائم نہیں کر سکتے۔ جہاں تک کلہن کی تاریخ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے یا اس بارہ میں

ہمیں جو دیگر معلومات حاصل ہیں انکی رو سے معلوم ہوتاہے کہ کشمیر کی آبادی زمانہ قدیم میں بھی زمانہ موجودہ کیطرح ایک ہی معجون مرکّب کا درجہ رکھتی تھی اور گرد کی تمام نسلوں کے مقابلہ میں کشمیریوں کے اندر جو طبعی اور نسلی خصوصیت پائی جاتی ہیں ان کا خیال اس وادی کے تمام سیاحوں کو گذرتا رہاہے اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر نے ان کا ذکر کیاہے آبادی کشمیر کے عام حالات کے لیئے دیکھو ڈریو صاحب کی کتاب جموں صفحہ ۴۲۷-۱۰ اس سے زیادہ مشرح اور مفصل حالات لارنس صاحب کی کتاب کے صفحہ ۳۰۲ پر درج ہیں۔ ہیون سانگ کا جو مختصر بیان قبل ازیں درج کیا جاچکاہے وہ قدامت میں سب سے بڑھا ہؤا ہے لیکن اس کا اطلاق جدید باشندوں پر بدستور ہوتاہے۔

اس بات کی تصدیق کہ کشمیری اس نسل کی شاخ ہیں جو انڈو آرین قسم کی زبانوں کو ہندوستان میں لائی انکی زبان اور جسمانی شکل وشباہت سے ہوتی ہے لیکن ان سطور میں ہم اس امر پر بحث نہیں کرسکتے کہ کب وہ اس ملک میں آکر آباد ہوئے اور کس سمت سے آئے۔ عام طور پر کشمیری آبادی کی نسل پاک ہونے کا دعوے کیا جاتا ہے لیکن ہمیں اس کے تسلیم کرنے میں کسی قدر شک ہے ممکن ہے اسکی بہت بڑی وجہ ملک کی علیحدگی ہو لیکن ایک اور بات قابل ذکر یہ ہے کہ اس ملک کے اندر خارجی عناصر کو جذب کرنے کی قوت بہت بڑی موجود ہے نسبتاً زمانہ حال میں مغلوں پٹھانوں۔ پنجابیوں اور پہاڑیوں نے اس ملک میں آبادی اختیار کی تھی لیکن اب وہ سب آپس میں شادیاں کرکے نیز دیگر ذرائعہ سے ایک ہی ہوتے جارہے ہیں۔

غیر ملکی آبادگار۔ جب ہم اپنی آنکھوں کے روبرو اس قسم کے لوگوں کو کشمیریوں کے سامنے ملتے جارہے دیکھتے ہیں۔ تو زمانہ قدیم کی نسلی تاریخ اس سے بہت کچھ مشابہ

نظر آتی ہے ہمیں اس بات کا خیال گذرتا ہے کہ ہندوؤں کے زمانہ میں بھی ملک کشمیر اکثر غیر ملکی حکومت کے ماتحت رہ چکا ہے یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ غیر ملکی نسلوں کی حکومت کے ایام میں اسی قومیت کے لوگ ترک وطن کر کے کشمیر میں آباد نہ ہو گئے ہوں گے البتہ یہ امر اغلب نہیں ہے کہ اس قسم کے آباد گار زیادہ تعداد میں آ بسے ہوں بہر نوع ہمیں کوئی سراغ انکی جداگانہ اور خود مختار ہستی کا اب نہیں ملتا۔

قبائل کی تقسیم۔ کلہن کی تاریخ میں آبادی کے مختلف قبائل کا ذکر آتا ہے لیکن ہمارے پاس کوئی ذریعہ اس بات کو فیصل کرنے کا نہیں ہے کہ ان قبائل کی تقسیم کا حصہ نسلی یا ذاتی امتیاز پر ہوا کرتا تھا۔ لونیہ اور تنترین قبیلوں کے نام اب بھی بعض دیہاتی مسلمان قبیلوں میں لونی اور تنتری کی شکل میں پائے جاتے ہیں (دیکھو نوٹ ع۹۰ و ع۹۵ کتاب ہذا) بہرصورت ان قبائل میں اگر کوئی قومی یا ذاتی امتیاز ہو گا بھی تو وہ اب مفقود ہو چکا ہے راج ترنگنی کے مطالعہ سے اس امر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ قبائل کبھی کسی خاص علاقہ تک محدود یا مخصوص نہیں رہے بلکہ ساری وادی میں پھیلے رہے ہیں۔

ان سب میں ادنےٰ ترین غالباً وہ ہے جسکا کیریکٹر صدیوں کے عرصہ میں بہت ہی کم تبدیل ہوا ہے آجکل کے ڈوم دراصل انہی ڈوموں کی اولاد ہیں جنکا ذکر راج ترنگنی میں بھی آتا ہے اور جو اب بھی ویسے ہی ادنےٰ ذات کے چوکیدار اور وہی ملازم ہوتے ہیں جیسے اس وقت جبکہ کلہن نے ان کا ذکر لکھا ہے مقابلہ کے لیئے دیکھو نوٹ ع۲۹۹ کتاب ہذا۔ ترنگ ۵ شلوک ۳۵۳ ترنگ ۶ شلوک ۸۴ - ۱۸۲ - ترنگ ۷ شلوک ۹۶۴ - ۱۱۳۳ و ترنگ ۸ شلوک ۹۴ - ان شلوکوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ڈوم شکاریوں - مچھیروں - نقالوں - عطائی حکیموں وغیرہ کی حیثیت میں اور انکی بیٹیاں رقاصہ اور مغنیہ عورتوں کی حیثیت میں روٹی

کمایا کرتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلحاظ پیشہ یہ لوگ یورپ کی جپسی قوم سے ملتے جلتے تھے۔ واتل یا ضاکر دیوں کی طرح جپسے ان سے زیادہ نفرت کیجاتی ہے۔ ان کی شادیاں بھی کشمیریوں کے ساتھ نہیں ہوتیں اس سے ہندوستان اور یورپ کی جپسی اقوام کی طرح انہوں نے اب تک اپنی امتیازی حیثیت کو برقرار رکھا ہے۔

کتاب سی۔ لیڈ کی مترجمہ بیل صاحب کی جلد ا صفحہ ۱۵۰ و ۱۹۶ اپر ہیون سانگ نے جو کی۔ لو۔ لُو قوم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ایک ادنےٰ درجہ کی قوم ہے جو کہ زمانہ قدیم سے کشمیر میں آباد ہے اور بودھوں کے خلاف ہے اس کے متعلق کسی خاص نتیجہ پر پہنچنا بہت مشکل ہے ان کے اس نام کا ترجمہ عام طور پر کرتیہ کیا جاتا ہے لیکن اس کا ذکر کہیں اندرونی ملک کی تحریرات میں نہیں پایا جاتا جرنیل کننگھم نے اپنے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹۳ پر لکھا ہے کہ ان سے مراد کیر قوم کے لوگوں سے ہے لیکن اسکی تائید میں کوئی خاص شہادت موجود نہیں۔ جیسا کہ نوٹ ۹۳۶ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے آخرالذکر قبیلہ کے لوگ نواحات کشمیر میں کہیں پر آباد ہوا کرتے تھے۔

سرحد کشمیر کی اقوام۔ کھش۔ کشمیر کے قریب والوں علاقوں کے نسلی حالات کا بھی راج ترنگنی کے حوالوں سے صاف طور پر پتہ چلایا جا سکتا ہے جنوب اور مغرب کیطرف کے کوہی علاقے کھشوں کے قبضہ میں تھے جیسا کہ راج ترنگنی کے مختلف شلوکوں سے معلوم ہوتا ہے انکی آبادی ایک وسیع نیم دائرہ کی صورت میں جنوب مشرق کی طرف کشت دار سے مغرب کی طرف وادی وتشٹہ تک پھیلی ہوئی تھی دیکھو نوٹ ۴۳ کتاب ہذا۔ راجپوری اور لوہر کی پہاڑی ریاستوں پر کھش قبیلہ کے لوگ قابض تھے۔ چنانچہ آخرالذکر علاقہ کا خاندان ہی ۱۱ ویں صدی میں تخت کشمیر پر متمکن ہوا تھا اس بات کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ کھشوں سے مراد جدید کھکھوں سے ہے اور کشمیر کے نیچے کیطرف وادی وتشٹہ کے اکثر چھوٹے درجہ

کے والیان ریاست وغیرہ وہ خاندان جو نواحی پہاڑیوں پر حکمران ہیں وہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں اسیات کا ذکر ہی آچکا ہے کہ اب سے تھوڑی مدت پہلے تک کھکھہ قوم کے لوگ اپنے اجداد کی طرح بدستور لوٹ مار کرتے اور بدامنی پھیلاتے رہا کرتے تھے۔

وادی وتستہ کے شمال میں کشن گنگا تک کھکھوں کے ہمسایہ بومب آباد ہیں جو ان سے بالکل قریبی تعلق رکھتے ہیں یہ امر اغلب ہے کہ زمانہ قدیم میں یہ لوگ علاقہ کرنا پر قابض تھے معلوم ہوتا ہے کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۳۰۸۸ میں کلہن نے انہیں کھش قبیلہ ہی میں داخل قرار دے لیا ہے۔

دردہ - آجکل کی طرح زمانہ قدیم میں بھی بالائی وادی کشن گنگا میں ستردی سے اوپر کیطرف دردقوم کے لوگ آباد ہوا کرتے تھے جنکا ذکر کرتے ہوئے کلہن نے انہیں ترنگ ۱ کے شلوک ۳۱۲ میں شمالی ہسلئے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی وہ شمال مغرب کی طرف دور تک پھیلے ہوئے تھے جہاں اب بھی وہ چترال۔ یسین گلگت اور کشمیر کی طرف کے درمیانی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ سکندر ان کے بالائی سندھ کے علاقہ میں آباد ہونے سے واقف تھا کلہن نے اپنے زمانہ کے واقعات لکھتے ہوئے شمال کی طرف کے ملیچھوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ممکن ہے ان سے مراد اسکی ان مسلمان دردوں سے ہو جو دریائے سندھ پر اور اس سے پرے آباد تھے ہم قبل ازیں اس بات کا ذکر کر چکے ہیں۔ کہ ان سے مراد تبتی نسل کے لوگوں سے ہے جو آج کل بٹ کے نام سے دراس۔ لداخ اور نواحی کو ہی علاقوں میں آباد نظر آتے ہیں۔

چوتھا باب

سیاسی تذکرۃ البلاد

ا۔ قدیم کشمیر کی سرحد

قدیم کشمیر کے اس تذکرہ کو شروع کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکی سرحد پہ ایک سرسری نظر ڈال لیجئے۔ اس وادی کی مختلف سرحدیں اسکی قدرتی حدود سے اس قدر مطابق ہیں کہ جہاں ہم نے آخر الذکر کے متعلق سلسلہ ہائے کوہ کا ذکر کیا ہے وہیں ضمناً ان کا ذکر بھی آگیا ہے لیکن اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں اپنی حاصل شدہ معلومات کے اضافہ کے طور پر ہم مختصر لفظوں میں ان علاقجات کا ذکر بھی کردیں جو ان سے پرے واقع تھے اور ہندوؤں کے زمانہ میں سلطنت کشمیر کے ہمسایوں کا درجہ رکھتے تھے۔

کشمیر کے جنوب مشرقی علاقے کاشٹھ واٹ۔ جب ہم جنوب مشرق کی طرف سے ابتدا کرتے ہیں۔ تو سب سے اول ہماری نظر وادی کاشٹھ واٹ یعنی جدید کشتوار پر پڑتی ہے جیسے نقشوں پر کشتوار لکھا ہوا ہے اور جو بالائی چناب پر واقع ہے جیسا کہ ترنگ ۷ شلوک ۵۹۰ سے معلوم ہو سکتا ہے کلہن نے اسے کلش کے زمانہ میں ایک جداگانہ پہاڑی سلطنت بیان کیا ہے اسکے راجہ اورنگ زیب کے عہد تک ہندو ہی تھے اور اس کے بعد بھی اسوقت تک خود مختار رہے۔ حتے کہ آخرکار مہاراجہ گلاب سنگھ نے انہیں مغلوب کر لیا۔

جیسا کہ نوٹ ۔۔۔ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے بھدرواہ کے پہاڑی علاقہ کا جو چناب پر نیچے کیطرف کو واقع ہے راج ترنگنی میں صرف ایک ہی مرتبہ بھدراوکاش کے طور

پر نام آیا ہے۔ اب سے چند صدی پیشتر تک اس جگہ کے راجہ چمبہ کے ماتحت ہوا کرتے تھے۔ یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ سنین قدیم میں بھی معاملات کی صورت یہی تھی۔ کیونکہ کلہن نے پہاڑی راجاؤں کی جو فہرستیں دی ہیں انہیں بھدراوکاش کے فرمانرواکا ذکر کہیں نہیں آتا۔

چمپہ۔ لیکن دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ چینبہ یا قدیم چمپہ کے راجاؤں کا ذکر تاریخ کشمیر میں جابجا آتا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ع۔۵۰۶ کتاب ہذا وکننگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۴۱۔

زمانہ قدیم سے ان کے علاقہ میں وہ وادیاں شامل چلی آئی ہیں جو کانگڑہ یعنی قدیم نزگرت اور کاشتھ واٹ کے مابین واقع ہیں اور جہاں سے دریائے راوی نکلتا ہے جو قدیم راجپوت خاندان اب تک اس پہاڑی ریاست پر حکومت کرتا ہے اس کے اشخاص کی شادیاں اکثر خاندان لوہر سے جو کشمیر پر حکمران تھا ہوتی رہی ہیں۔

والاپور۔ چینبہ کے مغرب اور بھدر اوکاش کے جنوب میں والاپور کی قدیم سلطنت جسکا جدید نام بلاور ہے واقع ہوا کرتی تھی دیکھو نوٹ ع۔۵۰۶ کتاب ہذا وکننگھم صاحب کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۳۵۔ کلہن کی تاریخ میں اس جگہ کے فرمانرواؤں کا ذکر بہت سے موقعوں پر آتا ہے اس جگہ کے فرمانروا گذشتہ صدی میں خاندان جموں کے عروج کے وقت تک خود مختار ہوا کرتے تھے۔ بلاور کے نام سے البیرونی بھی واقف تھا۔

جنوب مشرق میں والاپور اور شمال مغرب میں راجپوری کے درمیان والے پہاڑی علاقہ کے سیاسی نظام کے بارہ میں ہمیں کوئی خاص معلومات حاصل نہیں ہیں۔ اس علاقہ ونیز بلاور کے ہندو باشندے اپ اپنے تئیں ڈوگرے اور اپنے ملک کو ڈوگر کہتے ہیں جیسا کہ ڈریو صاحب کی کتاب جموں کے صفحہ ۴۳ سے واضح ہوتا ہے۔

ڈوگر کا لفظ دراصل سنسکرت لفظ ددیگرت سے نکلا ہوا ہے لیکن تاریخوں میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا اور شاید قدیم نام ترگرت کی طرز پر بنا لیا گیا ہے اس نام کی اصلی صورت درگر معلوم ہوتی ہے مقابلہ کی خاطر دیکھو چینبہ کی کاپر پلیٹ مولفہ پروفیسر کیل ہارن مندرجہ کتاب انڈین اینٹکوٹیز ۱۸۸۸ء صفحہ ۹۔

یہ امر اغلب ہے کہ نچلی اور درمیانی پہاڑیوں کے بیچ کا علاقہ ان حدود کے اندر جنکی وضاحت قبل ازیں کیجا چکی ہے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر منقسم تھا۔ کننگھم صاحب کے جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۳۲ سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں سے ۱۱ کے قریب اسوقت تک قائم تھیں جبکہ سکھوں نے پنجاب کوہستان تک اپنے اقتدار کو وسعت دی۔ ریاست جموں دراصل ابتدا میں انہی میں سے ایک تھی لیکن تدریج اس نے یہاں تک وسعت حاصل کی۔ کہ وہ سب اسی کے اندر شامل ہوگئیں۔

ترنگ ۸ کے شلوک ۵۵۴ کے بموجب جس ٹھکر وینگ پال نے جو چاپ کے قریب حکمران تھا اپنی بیٹی کی شادی دعویدار سلطنت بھکشاچر سے کی تھی غالباً وہ انہی پہاڑی رؤسا میں سے ایک تھا۔ جن کے پاس گو علاقہ بہت محدود ہوا کرتا تھا۔ تاہم وہ ان علاقوں کے قدیم مورث تھے ترنگ ۷ کے شلوک ۵۹۰ کا راجہ کانڈھی شاید یہیں کہیں حکمران ہوگا۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۸۹ میں مذکور ہے کہ جب راجکمار ملارجن میدانوں کیطرف سے کشمیر کو چلا۔ تو اس علاقہ کے باقی ٹھکروں نے اس سے در پردہ روپیہ وصول کیا تھا

وشلاٹا۔ علاقہ وشلاٹا میں درہ بانہال کے عین دامن میں اس کھش رئیس کا قلعہ واقع تھا جس نے بھکشاچر کو پناہ دی اور جو اسوقت بظاہر خودمختار تھا۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۶۶۵ ممکن ہے۔ سلسلہ کوہ پیرپنچال کے عین جنوب والی پہاڑیوں کے حکمرانوں نے عارضی طور پر کشمیر کے زبردست راجاؤں کے

اقتدار کو تسلیم کر لیا ہو لیکن اس طویل عرصہ میں جسکا پتہ تاریخی ذرائع سے چلتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ والیان کشمیر سے ایک قسم کی سبسڈی یا بلیک میل کا روپیہ وصول کیا کرتے تھے۔ دیکھو نوٹ ۲۷ کتاب ہذا۔

کشمیر کے جنوب مغربی اور مغربی علاقے۔ اس جگہ جن چھوٹی پہاڑی ریاستوں کا ذکر کیا گیا ہے انمیں سے بعض میں غالباً وہ علاقہ بھی شامل تھا جسکا قدیم قوم دارو ابھیسار مشہور تھا۔ نوٹ ۶ کتاب ہذا میں اس امر کی توضیح کیجا چکی ہے کہ جغرافیائی حیثیت سے یہ نام چیندر بھاگا اور وتستا کے مابین نچلی اور درمیانی پہاڑیوں کے سارے علاقہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ جہابھارت اور برہت سنگھتا کی نسلی فہرستوں میں دارو ابھیسار اقوام کے مشترکہ نام آتے ہیں۔ سکندر نے ہندوستان پر جو حملہ کیا تھا اس کے حالات میں اس علاقہ کے ایک فرمانروا کا ذکر ابیسرس کے نسلی نام کے ساتھ آیا ہے

راجپوری۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ اس علاقہ کی زیادہ اہم پہاڑی ریاستوں میں قابل ذکر راجپوری تھی۔ جہاں اب ضلع رجوری واقع ہے مفصل حالات کے لئے دیکھو نوٹ ۲۶۱ کتاب ہذا۔ اس میں وہ وادیاں شامل تھیں جنہیں رجوری کا دریائے توہی اور اس کے معاون سیراب کرتے ہیں۔ چونکہ یہ جگہ پنجاب کے سیدھے راستہ پر واقع تھی اسلئے ضرورتاً اس کے اکثر سیاسی تعلقات کشمیر کے ساتھ قائم رہا کرتے تھے جب ہیون سانگ اس میں سے ہو کر گذرا ہے تو راجپوری کی سلطنت کشمیر کے ماتحت تھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ۱۰ ویں صدی کے بعد راجپوری کے فرمانروا عملی طور پر بالکل خود مختار ہوا کرتے تھے گو تاریخوں میں ان اکثر مہمات کا ذکر آیا ہے جو بعد کے راجگان کشمیر نے اس علاقہ کی طرف اختیار رکیں۔ جیسا کہ نوٹ ۳۲ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے پرنتس توہی کی بالائی وادی جو درہ

پیر پنجال کیطرف جاتی ہے وہ بھی علاقہ راجپوری میں داخل تھی نوٹ ع۶۰۶ کتاب ہذا کے بموجب یہیں پر غالباً راجگری کا مشہور قلعہ واقع تھا جسکا حال البیرونی کو بھی معلوم تھا۔

راجپوری کا نام اس کے صدر مقام کے نام پر مشہور تھا جسکا ذکر جابجا کلہن نے کیا ہے اور جو بلاشبہ اس جگہ واقع ہوا کرتا تھا۔ جہاں آجکل قصبہ رجوری واقع ہے دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۹۷۳ ، اس جگہ کے فرمانروا خاندان کھش سے تعلق رکھتے تھے۔ بعد میں اس پر مسلمان راجپوت فرمانروا حکمران رہے۔ جنکے پاس یہ ملک گذشتہ صدی تک چلا آیا۔

لوہر۔ راجپوری کے شمال مغرب کیطرف لوہر کا علاقہ واقع تھا۔ جسکا مفصل ذکر نوٹ ع۶ ضمیمہ کتاب ہذا میں کیا گیا ہے اس پہاڑی ریاست سے متعلق خاص وادی موجودہ لوہرین کی ہوا کرتی تھی۔ جسکا ذکر ہم قبل ازیں راستہ توش میدان کے دوران میں کر چکے ہیں۔

کشمیر کے لئے لوہر کی اہمیت دسویں صدی کے بعد سے بڑھ گئی۔ جب کہ اس جگہ کے فرمانروا خاندان کی ایک شاخ تخت کشمیر ......

...... پر قابض ہوئی۔ بعد میں وہی شاخ لوہر پر بھی قابض ہوگئی۔ جس سے لوہر اور کشمیر دونو ایک ہی فرمانروا کے ماتحت آگئے۔ اس نسل کا آبائی وطن اور مضبوط قلعہ ہونے کی حیثیت سے قلعہ لوہر نے ان بعد کے خانہ جنگیوں میں بہت سا حصہ لیا تھا جسکا ذکر کلہن نے کیا ہے لوہر کے فرمانرواؤں کی نسبت وضاحت سے مذکور ہے کہ وہ قبیلہ کھش سے تعلق رکھتے تھے

پرنوتس۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لوہر کے اندر قصبہ و ضلع پرنوتس بھی داخل ہوا کرتا تھا جسکا موجودہ نام پونچھ یا پرنتس ہے اور جو دریائے توہی یا توشی

کی نچلی وادی میں واقع ہے مفصل حالات کے لئے دیکھو ترنگ ۸ نوٹ ۱۵۵۳ کتاب ہذا ہیون ساتگ کے زمانہ میں پرنوتس کا نام اس تمام پہاڑی ریاست کے لئے مشہور ہوگیا جو اس زمانہ میں معاون کشمیر تھی اسجگہ ضمناً یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرنوتس کا نام للتادتیہ کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے گو کلہن نے اسکی بنیاد اس سے منسوب کی ہے پرنتس کے مسلمان فرمانروا جو وادی وتستہ کے کھکھوں سے قریبی تعلق رکھتے تھے اس وقت تک سکم وبیش آزاد رہے حتے کہ انہیں مہاراجہ گلاب سنگھ نے مغلوب کرلیا اب ان کا علاقہ خاندان جموں کی ایک شاخ کے ماتحت ایک جداگانہ مفوضہ کی حیثیت سے ہے پرنتس چونکہ مغربی پنجاب کی بڑی سڑک پر واقع ہے اس لئے تاریخ کشمیر میں اس کا بارہا ذکر آیا ہے پرنتس کی آبادی میں چونکہ کشمیری عنصر غالب ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقہ کا کشمیر کے ساتھ دیرینہ اور گہرا تعلق قائم رہا ہے پرنتس کے جنوب مغرب کیطرف کی پہاڑیاں گذشتہ صدی کے ابتدائی حصہ تک چھوٹے درجہ کے فرمانرواؤں کے قبضہ میں ہوا کرتی تھیں۔ جنکا لقب راجگان کوٹلی مشہور تھا۔ ممکن ہے کہ کالنجر کی چھوٹی پہاڑی ریاست جسکا کلہن نے بارہا حوالہ دیا ہے اور جسکا وجود فرشتہ کو بھی معلوم تھا۔ اسی سمت میں واقع تھی۔ دیکھو نوٹ ۲۰۲ کتاب ہذا

دواروتی۔ پرنوتس کے شمال مغرب کیطرف بڑھتے ہوئے ہم وادی وتستہ میں پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے زمانہ قدیم میں بولیاسک (جدید بلیاس) تک یہ علاقہ کشمیر کے سرحد سے پرے کے علاقہ کی حیثیت رکھتا تھا اس سے آگے کا علاقہ کھشوں کے قبضہ میں تھا مسلمانوں کے وقت میں یہ وادی کھکھہ اور بومب قبایل کے متعدد چھوٹے رئیسوں میں منقسم تھی جنکی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مظفرآباد کے کھکھہ راجہ کو اپنا برائے نام سربراہ بنایا ہوا تھا مظفرآباد اور بلیاس کی درمیانی وادی کا قدیم نام دواروتی مشہور تھا جس سے اس علاقہ کا جدید نام دواربدی

اخذ کیا گیا ہے دیکھو نوٹ ع ۳۹۹ کتاب ہذا

ارشا- اور بھی مغرب کیطرف دریائے وتشٹہ کے بھاڑسے پرے جہاں اس دریا میں موڑ آچکتا ہے ارشا کی قدیم سلطنت واقع تھی دیکھو نوٹ ع ۱۰۲ کتاب ہذا اس کا بہت بڑا حصہ اب ضلع ہزارہ میں داخل ہے جو دریائے وتشٹہ اور سندھ کے مابین واقع ہے بطلیموس نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے اور سکندر اعظم کی مہم کے حالات میں اس کے فرمانروا کا نام ادسکس آیا ہے ہیون سانگ نے اس علاقہ کا نام وو- لا- شی لکھا ہے اور اس کے وقت میں وہ معادن کشمیر ہؤا کرتی تھی- گو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلق جلد ہی منقطع ہو گیا تھا- تاہم ارشا کا نام بارہا راج ترنگنی میں آتا ہے شنکر ورمن نے اس سمت میں جو ناکامیاب مہم اختیار کی اس سے ارشا کے قدیم صدر مقام کی مقامیت کا پتہ چلتا ہے جیساکہ نوٹ ۲۱۲ کتاب ہذا اور کننگھم صاحب کے جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۰۴ سے معلوم ہوتا ہے یہ موجودہ مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے درمیان کہیں یہ واقع تھا-

کلہن نے ایک مہم کے دوران میں جو اس کے زمانہ میں ارشا کیطرف اختیار کیگئی تھی- اتیگر پور کا ذکر کیا ہے اس شلوک کے متعلق جو نوٹ دیا گیا ہے اسمیں یہ بات جتلادی گئی ہے کہ اس مقام کی موجودہ صورت غالباً اگرور ہے جو کوہستان سیاہ کی طرف کو واقع ہے- جیساکہ نوٹ ع ۱۰۱۷ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے اس نام کو بطلیموس نے ایک اور صورت میں درج کرتے ہوئے لکھا ہے- کہ وہ ٹکشلا کے شمال میں واقع ہؤا کرتا تھا-

مسلمانوں کے عہد میں ارشا پکھلی نامی علاقہ میں داخل سمجھا جاتا تھا اس امر اخیر کی نسبت ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ پر لکھا ہے کہ اسمیں وہ تمام پہاڑی علاقہ شامل تھا جو مشرق کیطرف کشمیر اور مغرب میں دریائے سندھ کے مابین ہے کشن گنگا کی نچلی وادی اور ان ندیوں کی وادیاں جو سلسلہ کوہ کا جنا

اور کشمیر کے شمال مغربی پہاڑوں سے بہتی ہوئی اس دریا (کشن گنگا) میں آملتی ہیں۔
یہ بھی پاکھلی ہی سے تعلق رکھتی تھیں۔

کرناہ۔ اس علاقہ کا جدید نام کرناو یا کرناؤ ہے لیکن قدیم نام اس کا کرناہ ہوا کرتا تھا
نوٹ عا۹ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے کہ ان پر چھوٹے درجے کے والیان ریاست حکمران
ہوا کرتے تھے جو بعد کے ہندو زمانوں میں بھی برائے نام کشمیر کے معاون گنے جاتے تھے
راج ترنگنی میں اس کا کہیں شاذونادر ہی ذکر آیا ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۵۶
۳۰۰۰۔۳۰۰۷ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کے باشندے کھش قوم کے لوگ ہوا
کرتے تھے جنکی بجائے اب تک کرناد پر بومب قبیلہ کے لوگ قابض ہیں ان کے
عزما نروا عملی طور پر اسوقت تک خود مختار ہوا کرتے تھے کہ آخرکار سکھوں نے انہیں
فتح کر لیا اس سے پیشتر وہ کشمیر کے شمال مغربی حصوں کو لوٹا کرتے تھے جدید کرناد
کے مفصل حالات کے لئے دیکھو بیٹس صاحب کا گزیٹر صفحہ ۲۲۸۔ کرناد کے بومب
لوگوں اور وادی دانشٹ کے کھکھ والیان ریاست نے آخری مرتبہ ۱۸۳۶ء میں سر
اٹھایا تھا۔

وادی کشن گنگا اس حصہ میں جو دریائے کرناد سے اس کے اتصال کے اوپر واقع
ہے شردی تک کا علاقہ جداگانہ طور پر دراد کھلاتا ہے غالباً اسی کے لئے کلہن نے
ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۰۹ میں درانڈ کا نام لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ کا
منتہائے شمال کا حصہ بعد کے ہندو راجاؤں کے زمانہ میں بھی کشمیر کے ماتحت ہوا
کرتا تھا۔ شردی میں شاردا کا مندر ہے جو قدیم کشمیر کے متبرک ترین تیرتھوں میں سے
گنا جاتا ہے آگے چلکر ہمیں اس اور اس کے پاس کے ایک اور فیوڈل قلعہ کا
ذکر کرنا ہے۔

شردی میں سے ہو کر ایک راستہ چلاس واقعہ دریائے سندھ تک جاتا ہے لیکن

معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ اور بالائی وادی سندھ کے دوسرے حصے کشمیر کے سیاسی اثر سے بالکل خارج تھے یہی وجہ ہے کہ کشمیر کی تاریخوں میں ہمیں کہیں ان کے قدیم نام نظر نہیں آتے۔

علاقہ درد۔ شردی کے عین اوپر کی طرف جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے وادی کشن گنگا ایک تنگ غیر آباد کھڈ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اس کھڈ کے دوسرے سرے پر دردوں کا ملک واقع ہے معلوم ہوتا ہے بالائی کشن گنگا اور اس کے معاون دریاؤں پر انکی آبادیاں بجائے خود ایک علیٰحدہ چھوٹی سی سلطنت کی صورت میں تغیر جسکا نام راج ترنگنی کی ترنگ ۸ شلوک ۹۱ میں درددیش آیا ہے۔ اس کے علاوہ دردوں کے بارہ میں دیگر حوالے نوٹ ۱۰۲ کتاب ہذا میں دئے گئے ہیں۔ اس جگہ کے فرمانرواؤں کے نام سندعانی ہوا کرتے تھے اور انہوں نے ایک سے زیادہ موقعوں پر کشمیر پر چڑھائی کی تھی۔

ان لوگوں کا صدر مقام دت پوری یعنی "دردوں کا شہر" تھا۔ وہ شاید اس مقام پر جہاں آجکل گریز جسے نقشہ پر گورس کے نام سے دکھایا گیا ہے واقع ہے اسی جگہ پر یہاں کے نواب اس وقت تک رہا کرتے تھے تا آنکہ سکھوں نے اسے فتح کر لیا۔ . . . . . نوٹ ۹۳۵ کتاب ہذا کے بموجب وہ ملیچھ سردار جو دو موقعوں پر شمال کیطرف سے درد راجہ کے معاون بنے تھے وہ شاید سندھ کیطرف پرے کی درد قوموں کے فرمانروا تھے جنہوں نے اپنا مذہب اسلام سے بدل لیا تھا۔

بھوٹوں کا ملک۔ دریائے کشن گنگا کے منبع سے پرے دریائے دراس کیطرف بڑھتے ہوئے ہم ان بلند سطح کی وادیوں میں پہنچتے ہیں جہاں تبتی نسل کے تبتی زبان بولنے والے لوگ آباد ہیں اور جنکا نام تاریخہائے کشمیر میں بھوٹ آیا ہے راج ترنگنی میں بھوٹوں کے سیاسی نظام یا جغرافیہ کا کچھ ذکر نہیں آیا۔ لیکن

کلہن نے جو ترنگ ۳ کے شلوک ۱۰ میں "خارجی ملک لوہ" کا ذکر کیا ہے اس سے مراد صاف طور پر لیہ سے معلوم ہوتی ہے جو لداخ کا صدر مقام ہے بعد کی تاریخوں میں بھی اس بارہ میں ہمیں تفصیلی حالات نظر نہیں آتے گو اس وجہ سے کہ کشمیر پر اس طرف سے متعدد حملے کئے گئے تھے جو نراج اور سریور نے بھوٹوں اور ان کے فرمانرواؤں کا ایک سے زیادہ مرتبہ ذکر کیا ہے۔

اس جگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جیسا سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۳ شلوک ۴۴۵ کے لفظ سو کشم بر ہد بھٹ دیشا ڈھسے پایا جاتا ہے اسے بڑے اور چھوٹے بھوٹوں کے ملک کا پتہ تھا۔ ان دو ناموں سے مراد بالتستان (سکردو) اور لداخ سے ہے جنہیں آج تک چھوٹی اور بڑی تبت کہا جاتا ہے اور کشمیری انہیں لکھہ بٹن اور بڈ بٹن کہتے ہیں کشمیریوں میں یوں بھی تبت کے لئے عام طور پر نسلی اعتبار سے لفظ بٹن استعمال کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت یہ اصطلاحات بہت قدیم معلوم ہوتی ہیں کیونکہ چینی تاریخوں میں ان کے لئے چھوٹا اور بڑا پولیو آیا ہے دیکھو سرایچ بیول کی کتاب کیھتے تمہیدی صفحہ ۷۔

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کشمیر کی مشرقی سرحد وہ سلسلہ کوہ ہے جو زوجی لا سے کشتوار کے عین جنوب کی طرف جاتا ہے اس سلسلہ کے مشرق کیطرف ایک لمبی تنگ وادی مارو وردوں نامی واقع ہے جسکا نام نقشہ پر کشمیری زبان میں مدیواردن آیا ہے اسے ایک بڑا سا دریا سیراب کرتا ہے جو موضع کشتوار کے قریب چناب میں جا ملتا ہے چونکہ یہ مقام بہت بلند اور سرد ہے اس لئے اسجگہ کی آبادی بالکل پاشاں ہے مسٹر ڈریو کے تیار کردہ نسلی نقشہ و دیگر حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اب زیادہ تر کشمیری لوگ ہی آباد ہیں۔

یہ امر غیر یقینی ہے آیا زمانہ قدیم میں بھی یہی حالت تھی کشمیر کی قدیم کتابیں

اس وادی کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ صرف ترسندھیا جہاتم میں اس وادی کا نام
مدواتیرآیا ہے لیکن ہم اسے زیادہ قدیم نہیں قرار دے سکتے اس صورت میں یہ امر
مشتبہ ہے۔ آیا ہندوؤں کے زمانہ میں اس کا علاقہ کشمیر سے تعلق ہوا کرتا تھا۔ تاہم
ابوالفضل کی آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۹ میں اسے پرگنہ جات کشمیر میں شمار کیا
گیا ہے اس سے پرے مشرق کیطرف بلند پہاڑوں اور برفانی چوٹیوں کا ایک
غیرآباد سلسلہ ہے جو مدی وادن کو شور و زنسکر کے تبتی علاقوں سے جدا کرتا ہے جنوب
کیطرف ہم پھر علاقہ کاشتھ واٹ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ہم نے اس سرحد
کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

۲۔ قدیم سیاسی تقسیم

کرم راجیہ۔ مدوراجیہ۔ اب ہم پھر وادی کشمیر کیطرف رجوع کرتے ہیں یہ زمانہ
قدیم ہی سے دو بڑے حصوں پر منقسم چلی آئی ہے جن کے نام کمراز اور مرازہیں
یہ نام سنسکرت کے الفاظ کرم راجیہ اور مدوراجیہ سے لئے گئے ہیں۔ جنکا ذکر راج
ترنگنی اور بعد کی تاریخہائے کشمیر میں جابجا آیا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۱۲۵
کتاب ہذا جدید کمراز کے قدیم نام سے تو اکثر پنڈتان کشمیر واقف ہیں لیکن قدیم
نام مدوراجیہ سے صرف وہی چند ایک علما واقف نظر آتے ہیں جنہوں نے پنڈت
دامودر سرگباشی اور پنڈت گوبند کول کی طرح تاریخ کشمیر کا خاص طور پر مطالعہ
کیا ہو۔

عام اور غالب خیال یہ ہے کہ مراز میں وہ اضلاع شامل ہیں جو سرینگر سے
اور پر وتشٹ کے دونوں طرف واقع ہیں۔ اور کمراز میں وہ جو نیچے کیطرف ہیں

جدید روایت ان دونوں عظیم قسمتوں کی حدود کو زیادہ صحت کے ساتھ قصر شیر گڑھی
میں قائم کرتی ہے جب ہم ان تمام شلوکوں پر غور کرتے ہیں جنمیں راج ترنگنی اور
اور تاریخہائے کشمیر میں مدوراجیہ اور کرم راجیہ کا نام آیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ
قدیم میں انکی حد اس لکیر کے ذریعہ قائم کی جا سکتی تھی جو دار السلطنت کے بیچ
میں سے ہو کر گذرے۔ ان شلوکوں میں ان مقامات کو جو سرینگر کے اوپر کی طرف
واقع ہیں مدوراجیہ میں اور جو نیچے ہیں انہیں کرم راجیہ میں واقع دکھایا گیا ہے
آئین اکبری کو دیکھنے سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں ابو الفضل اس کتاب
کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۸ پر صاف طور پر بیان کرتا ہے کہ اس ساری سلطنت کو
اس کے قدیم فرمانرواؤں نے دو حصوں پر تقسیم کر رکھا تھا جنمیں سے مراج
مشرق اور کمراج مغرب میں تھا' اس کے بعد اس نے ان ۳۸ پرگنوں کا ذکر
کیا ہے جن پر اکبر کے زیر انتظام ملک کشمیر منقسم تھا۔ گو اس تقسیم کے دو حصے مراج
اور کمراج جداگانہ طور پر قائم تھے شہر سرینگر کو اول الذکر میں داخل گنا گیا ہے
اس کے اوپر جو پرگنے ہیں انہیں بھی اسی میں شمار کیا گیا ہے البتہ نیچے والے
کمراج میں داخل سمجھے گئے ہیں۔

زمانہ حال میں کمراز کا لفظ زیادہ محدود معنوں میں ان پرگنوں کے لئے
بھی استعمال ہوا ہے جو جھیل ولر کے مغرب اور شمال مغرب میں واقع ہیں اس
استعمال کی ابتدا شاید اس طرح پر ہوئی ہو گی کہ مختلف موقعوں پر اس حصہ وادی
کے متعدد چھوٹے پرگنے انتظامی اغراض کے لئے ایک پرگنہ کی صورت میں لا کر
انہیں کمراج کا نام دیا گیا تھا۔ چنانچہ ابو الفضل نے آئین اکبری کے صفحہ ۳۷۱
پر جو جدول دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے عہد میں۔ اتر۔ لولاؤ۔ ہمل
اور مچی پور کے قدیم پرگنے کمراج کے ایک بڑے پرگنہ میں داخل تھے۔ مور کرافٹ

صاحب اور بیرن ہیوگل کی فہرست میں اتر سمل اور یچی پور کو داخل پرگنہ کمراج دکھایا گیا ہے چونکہ پرگنوں کی تقسیم میں وقتاً فوقتاً بہت سی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ اس لئے پرگنہ کمراج کی وسعت میں بھی مختلف موقعوں پر کمی بیشی ہوتی رہی ہے پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۱۱ پر لفظ کرم راجیہ پر جو نوٹ لکھا ہے اسمیں اس کے بارہ میں جن مختلف بیانات کیطرف حوالہ دیا ہے ان کی بھی اس سے توضیح ہو جاتی ہے

ہر چند کہ تواریخ کشمیر میں مدوراجیہ اور کرم راجیہ کے نام اس کثرت سے استعمال ہوئے ہیں تاہم اس قسم کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ ہندوؤں کے زمانہ میں ان دونو علاقوں کو دو مختلف انتظامی حصے یا صوبے گنا جاتا تھا۔ ممکن ہے کبھی معاملات کی یہ حالت رہ چکی ہو لیکن ابوالفضل کے بیان اور اس استعمال کی رو سے جو آجتک ان کے بارہ میں چلا آیا ہے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ انتظامی قسمتیں نہ ہونے کی صورت میں بھی ان حصوں کی جغرافیائی اہمیت برقرار رہ سکتی تھی۔

انتظامی اضلاع۔ زمانہ قدیم سے یہ ساری وادی انتظامی اغراض کے لئے بہت سے چھوٹے چھوٹے اضلاع پر منقسم چلی آئی ہے جنہیں زمانہ جدید میں پرگنے کہتے ہیں جیسا کہ ترنگ ۵ شلوک ۵۱ ۔ ۸۰ کے شلوک ۱۲۶۰-۱۳-۱۲۱۲ اور ۲۶۹ سے واضح ہوتا ہے ان کا قدیم نام وشئے ہوا کرتا تھا جو نراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۴۱ امر یورنے ترنگ ۲ شلوک ۱۹ اترنگ ۳ شلوک ۲۵ - ۱۵۹ - ۲۵۴ وغیرہ میں اس کے لئے لفظ راشٹر استعمال کیا ہے معلوم ہوتا ہے لفظ پرگنہ کا رواج عہد مغلیہ سے شروع ہوا۔ سنسکرت میں اس کے لئے لفظ پرگن موجود ہے مگر وہ تواریخ میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ مختلف زمانوں میں ان پرگنوں کی تعداد۔ نام اور حدود مختلف چلی آئی ہیں لیکن بہت سے پرگنوں کی نسبت جو زمانہ حال میں موجود ہیں قیاس ظاہر کیا جاسکتا

ہے کہ وہ ہندوؤں کے زمانہ میں بھی موجود تھے اسکا ثبوت یہ ہے کہ بہت سے پرگنوں کے
قدیم نام راج ترنگنی ودیگر تواریخ میں ملتے ہیں لیکن ان کتابوں میں کہیں ہمیں پرگنوں
کی مکمل فہرست نظر نہیں آتی اس لئے ہندوؤں کے زمانہ کے کسی حصہ کے متعلق
ان پرگنوں کا مکمل نقشہ تیار کرنا ناممکن ہے

اس میں شک نہیں کہ لوک پرکاش میں مذکور ہے کہ کشمیر ۲۷ وشیوں پر منقسم ہے
اور ان سے ۱۱۹ ایک کو گنوا بھی دیا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے بعض نام اس قدر
بگڑے ہوئے ہیں۔ کہ انہیں شناخت ہی نہیں کیا جا سکتا اور بعض میں صاف طور
پر زمانہ موجودہ کی ساخت جھلک دیتی ہے بہر نوع یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ یہ کس
زمانہ کی فہرست ہے اور نہ اسکی کامل تصدیق ہو سکتی ہے

لوک پرکاش میں جو وشے مذکور ہیں ان میں سے کھوئی آشرم۔ شمالا۔ لہری اولدیہ
نیلاش کھدودیہ۔ علی الترتیب کھوئی آشرم۔ شمالا۔ لہر۔ ہولدا۔ نیلا شو اور کھدودی کورہ
راج ترنگنی کے نام ہیں۔ الیکن اور دیو سودی ممکن ہے الیونک اور دیو سرس کے بگڑے
سے بنگئے ہوں۔ ان کے علاوہ کرودہن۔ دوا ونشتی۔ بھرنگ۔ بچاگوا۔ جدید پرگنہ
جات کروہن۔ دونتس۔ برنگ بچاکہ کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جالن وتشتھا
ستزو۔ سون داری۔ نیلا۔ ہاری۔ جلحدیہ وغیرہ کی نسبت کچھ بھی تحقیق نہیں
کیا جا سکتا۔

ابوالفضل کی فہرست پرگنہ جات ۔ ابوالفضل کے بیان میں سب سے اول
پرگنہ جات کشمیر کو باقاعدہ طور پر بیان کیا گیا ہے اسمیں خاص دلچسپی کی یہ بات ہے
کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مالی یا انتظامی ضروریات کے لحاظ سے خاص
حدود کے اندر کیونکر ان کی تعداد کو گھٹایا بڑھایا جا سکتا تھا آصف خاں کے
گوشوارہ میں جسے ابوالفضل نے درج کیا ہے ۳۸ پرگنے دکھائے گئے ہیں بجائیکہ

اس سے پیشتر قاضی علی کے گوشوارہ میں انکی تعداد ۴۱ نظر آتی ہے اس اختلاف کی وجہ
یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض کو توڑ اور بعض کو جوڑ دیا گیا ہوگا جیسا کہ مالگذاری کی مقدار
سے معلوم ہوتا ہے مختلف پرگنے وسعت کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتے تھے چنانچہ پٹن
میں ۵۳۰ خروار کی مالگذاری لیجاتی تھی بجائیکہ کمراج میں ۶۵۰۰۴۴ خروار کی وصول
ہوتی تھی۔

مغل اور پٹھان فرمانرواؤں کے عہد میں پرگنوں کی تعداد میں بہت کم تبدیلی واقع
ہوئی تھی۔ کیونکہ جب سکھوں نے وادی کشمیر کو فتح کیا تو ۳۶ پرگنے تھے اور انہوں
نے بھی اسی تعداد کو منظور کر لیا۔ لیکن ان پرگنوں کے ناموں اور انکی حدود میں بہت
اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ جیسا کہ مورکرافٹ۔ بیرن ہیوگل اور وگنی صاحب کی فہرست
ہائے پرگنہ جات متعلقہ ۱۸۲۳ء و ۱۸۳۵ء و ۱۸۴۰ء علی الترتیب کے مقابلہ سے
معلوم ہوتا ہے سکھوں کے وقت میں یہ تبدیلیاں اور بھی بڑھ گئیں انمیں سے ہر ایک
میں پرگنوں کی تعداد تو ۳۶ لکھی گئی ہے لیکن انفرادی پرگنوں کے نام ایک دوسرے
سے مختلف ہیں۔

پرگنہ جات کی جدید فہرستیں۔ پرگنوں کی تبدیلیوں اور دوبارہ تقسیم کا سلسلہ
ڈوگرہ خاندان کی حکومت میں بھی برابر جاری رہا۔ اس جدید زمانہ کی سب سے
زیادہ صحیح فہرست وہ ہے جو میجر بیٹس نے دی ہے جیسا کہ گزیٹر کے صفحہ ۲ و مابعد سے معلوم
ہوتا ہے اسمیں ۱۸۶۵ء کے اندر پرگنوں کی تعداد ۴۲ دی ہوئی ہے بعد میں انگریزی
صوبوں کی طرز پر تحصیلیں بنائی گئیں تاکہ اس سے تقسیم شدہ علاقوں کی تعداد
میں تخفیف واقع ہو جائے مسٹر لارنس کی کتاب وادی میں جو نقشہ بطور خاکہ کے
دیا ہوا ہے اسمیں الحصیلیں درج ہیں ان تحصیلوں کو قائم کرتے وقت ملک کی
تاریخی تقسیم کی طرف بہت کم توجہ دیگئی تھی خوش قسمتی سے اہل کشمیر اکثر دیگر معاملات

کی طرح ملک کے مختلف حصوں کے ناموں کے استعمال میں بھی قدامت پسند ہیں یہی وجہ ہے کہ قدیم پرگنوں کے نام اب تک عام طور پر استعمال میں آتے ہیں اور اغلب ہے کہ کچھ مدت تک وہی استعمال ہوتے رہیں گے چنانچہ ہندوستان کے نقشہ پیمائش میں ۱۸۵۵ء کے قریب پرگنوں کی جو اغلب حدود تھیں وہ دی گئی ہیں

چونکہ زمانہ قدیم کے لیے پرگنوں کی کوئی مکمل فہرست دستیاب نہیں ہوتی اور سنین حال میں انکی ترکیب میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہو گئیں ہیں اسلئے قدیم تقسیم کا صحیح طور پر پتہ چلانا قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے اکبر کے زمانہ کی پرگنوں کی فہرست کسی دوسری جگہ درج کی گئی ہے اور وہیں بعض پرگنوں کے قدیم نام جہاں تک سنسکرت تاریخوں سے مل سکے ہیں درج کر دیئے گئے ہیں دیکھو نوٹ نمبر ب ضمیمہ کتاب ہذا مختلف پرگنوں کے ناموں کا ذکر آگے چلکر وادی کے مفصل حالات لکھنے وقت کیا جائے گا۔

گنجان آبادی - جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ بہت سے انتظامی حصے وہی ہیں جو زمانہ قدیم سے چلے آئے ہیں تو اس سے آبادی کے گنجان ہونے کی علامت پائی جاتی ہے ہمارے پاس کوئی ذریعہ اس قسم کا نہیں جس سے یہ معلوم کر سکیں کہ ہندوؤں کے عہد میں اس وادی کی صحیح آبادی کیا تھی۔ تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانہ کے آخری حصہ میں بھی آبادی آجکل کی نسبت ضرور بڑھی ہوئی تھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف حصص ملک میں ویران دیہی مقامات قدیم طریق آبپاشی کے وسیع آثار اور مندروں کے کھنڈر بکثرت جابجا موجود ہیں تو یقیناً ہمیں اسی نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے گذشتہ صدی کے اندر کشمیر پر بڑے خوفناک قحط اور وبائیں نازل ہوئیں ان سے معمولی آبادی میں عموماً اور دیہی آبادی میں خصوصاً سخت اتلاف جان ہوا مسٹر لارنس کی کتاب ویلی کے صفحہ ۲۲۳ پر جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں ان سے

اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۷۷ء کے قحط ہی میں وادی کی ۳/۵ آبادی کم ہو گئی تھی علاوہ بریں گذشتہ صدی سے پہلے نصف حصہ کی سیاسی مشکلات کا بھی کشمیر کی مالی حالتوں پر بڑا مضر اثر پڑا اور حرفتی اور زرعی طبقہ کے کثیر التعداد لوگ ترک وطن کر گئے

لیکن باوجود ان تمام مشکلات اور دقتوں کے آبادی ۱۸۳۵ء میں ۲۰۰۰۰۰ اور اس کے مقابلہ میں ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۸۱۴۰۰۰ تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کی آبادی پھر ترقی پر ہے لیکن جو لوگ اس بارہ میں رائے زنی کرنے کے اہل ہیں ان کا بیان ہے کہ موجودہ زرعی آبادی رقبہ زیر کاشت کے لیے بھی کافی نہیں اس صورت میں اس بارہ میں کوئی قیاس قائم کرنا غیر موزون ہو گا کہ ہنود کے زمانہ میں جبکہ ملک خوشحال تھا تو وہاں کی آبادی کسقدر تھی۔

گاؤں کی تعداد۔ جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں۔ کہ کشمیر میں زمانہ قدیم کے اندر آجکل کی نسبت زیادہ آبادی تھی تو اس سے اس روائتی شلوک کی بھی تشریح ہو جاتی ہے جسمیں کشمیر کے گاؤں کی تعداد ۶۶۰۶۳ قائم کی گئی ہے۔ یہ شلوک دو بار لوک پرکاش میں آتا ہے اور اب تک وادی کے برہمنوں کو زبانی یاد ہے لوک پرکاش ہی سے پیکہ پنڈت صاحب رام نے اسے اپنی تریۃ سنگرہ میں جگہ دی ہے مقابلہ کے لئے دیکھو لوک پرکاش کا حصہ مندرجہ انڈش سٹوڈین جلد ۱۸ صفحہ ۳۷۵ اس شلوک کے قدیم ہونے کی تصدیق اسبات سے ہوتی ہے کہ جونراج کی راج ترنگنی بمبئی ایڈیشن کے شلوک ۱۵۲ میں بھی یہی تعداد دی گئی ہے ممکن ہے کہ ان اعداد میں ہمیشہ کسی قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہو تاہم اس سے کم از کم اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ اس بارہ میں لوگوں کے خیالات کیا تھے۔ شریف الدین بھی جس کی معلومات حاصل کردہ ۱۴۰۱ء بہ ہیت مجموعی بہت کچھ معتبر اور صحیح ہیں بیان کرتا ہے کہ "عام طور پر خیال کیا جاتا ہے سیدانوں اور پہاڑوں کو ملا کر سارے صوبہ

میں.....اگاؤں ہیں. ملک گنجان آباد ہے" دیکھو تاریخ رشیدی صفحہ ۴۳۰. رٹر صاحب جنھوں نے ظفرنامہ کا اقتباس ڈی لاکرائے کے ترجمہ سے لیا ہے گاؤں کی تعداد.....ا بیان کرتے ہیں دیکھو اینٹین جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۳ اسی ضمن میں یہ بیان کردینا بھی غیر ضروری نہ ہوگا کہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے بموجب کشمیر کے گاؤں کی تعداد ۲۸۷۰ تھی۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ مرزا حیدر نے جو خود کشمیر پر حکمران تھا شرف الدین کے بیان کو بلا ترمیم یا اعتراض نقل کر دیا ہے

۳- قدیم وجدید صدر مقام

سرینگر ہیون سانگ کے عہد میں۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ کرم راجیہ اور مدور راجیہ کے قدیم حصے اس لکیر کے ذریعہ ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں جیسے سرینگر کے بیچ میں سے کھینچا جائے اس لحاظ سے دنیز اس وجہ سے کہ ملک کا صدر مقام ہونے کے باعث اسے ایک تاریخی اہمیت حاصل ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی دریافت کا سلسلہ یہیں سے شروع کردیں تاریخ کشمیر اپنے صدر مقام کی تاریخ کا عکس رہی ہے آخر الذکر کی مقامیت ۱۳ صدی سے زائد عرصہ تک نہیں بدلی ان بواعث سے ہمارے پاس بہت سی تاریخی معلومات اس قسم کی حاصل ہیں جنسے ہم سرینگر کے قدیم جغرافیہ اور اس شہر کے قیام کے وقت سے اسکی تاریخ کا پتہ چلا سکتے ہیں ہیون سانگ جب ۶۳۱ء میں دارالسلطنت کشمیر میں پہنچا تو اس نے اسے اسکی موجودہ صورت ہی میں پایا تھا واضح رہے کہ اسکی تحریر اس بارہ میں قدیم ترین ہے اس نے لکھا ہے کہ وہ ایک عظیم دریا (وتستہ) کے کنارہ پر واقع ہے اور شمالاً جنوباً ۱۲ یا

۱۴ لی لمبا اور شرقاً غرباً ۴ یا ۵ لی چوڑا ہے اس (جدید شہر) کے جنوب مشرق کیطرف ۱۰ لی کے فاصلہ پر اس نے بودھوں کی ایک خانقاہ کا ذکر کیا ہے جس کے شمال میں ایک بلند پہاڑ اور جنوب میں قدیم شہر کا محل وقوع تھا۔

اسبات کا سہرا واقعہ میں جرنیل کننگھم کے سر ہے کہ انہوں نے معلوم کیا کہ ہیون سانگ کے وقت کے جدید دار السلطنت کا جو محل وقوع اسجگہ بیان کیا گیا ہے وہ جدید سرینگر سے عین مطابق ہے اس شناخت کا ذکر انہوں نے سب سے اول جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۸۳ پر کیا تھا لیکن اس کی پوری کیفیت جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹۳ پر دی ہوئی ہے جب ہم نقشہ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہیون سانگ نے جدید شہر کا جو محل وقوع اور رقبہ بیان کیا ہے وہ سرینگر کے اس حصہ پر صادق آتا ہے جو (جیسا کہ ہم آگے چلکر بیان کرینگے) شہر کا قدیم حصہ ہے۔ چینی پیمائش کے حساب سے ۱۲ یا ۱۳ لی ۲½ میل کے برابر بنتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ نقشہ کے دائیں کنارہ پر شہر کی قدیم حدود کے اندر اسکی صحیح لمبائی اسی قدر تھی۔ دوسری طرف ۴ یا ۵ لی چوڑائی ایک میل کے قریب بنتی ہے اور یہ انداز بھی ویسا ہی صحیح نظر آتا ہے۔

پران ادھشٹھان۔ "قدیم شہر" کا محل وقوع وہ تھا۔ جہاں اب موضع پانڈریٹھن واقع ہے جسکا نام لفظ پران ادھشٹھان بمعنی قدیم "دار السلطنت" سے نکلا ہوا ہے جیسا کہ ہیون سانگ نے بیان کیا ہے یہ سرینگر کے جنوب مشرق میں اس کرارہ کوہ کے جنوبی دامن میں واقع ہے جسکی بلند ڈھلوانیں گاؤں کے اوپر کوئی ۳۰۰۰ فٹ کی بلندی تک پہنچتی ہیں قدیم سرینگر کے قریب ترین مقام سے ناپا جائے تو خانقاہ محولہ بالا تک کا فاصلہ پانڈریٹھن اور عمودی پہاڑی کے پہلو کے درمیان ٹھیک ۲ میل یا ۱۰ لی رہ جاتا ہے۔ قدیم دار السلطنت کی تاریخ

کا تاریخ سرینگر سے اسقدر قریبی تعلق ہے۔ کہ پہلے اس کے متعلق ضروری معلومات پر بحث کرنا موزون نظر آتا ہے۔

پران ادہشٹھان کا نام سب سے پہلے اس جگہ آتا ہے جہاں کلہن نے راجہ پرورسین اول الملقب بہ مرشٹ سین کے عہد کے حالات لکھے ہیں اور جسکی نسبت مذکور ہے کہ اس نے وہاں پرشوپر وریشور کا مندر بنوایا تھا اس بارہ میں زیادہ تفصیلی حالات نوٹ ع ۱۵۲ کتاب ہذا میں دیئے گئے ہیں۔ ادین صدی کے آغاز میں وزیر میرووردہن نے پران ادہشٹھان میں اپنے نام پر ایک وشنو کا مندر بنوایا۔ اس مندر کا ذکر نوٹ ع ۱۲۲ کتاب ہذا میں کیا گیا ہے اور جرنیل کننگھم نے بجا طور پر سے وہ چھوٹا مندر قرار دیا ہے جو موضع پانڈری تھن میں واقعہ ہے اور جسکا ذکر اکثر یورپین سیاحوں نے کیا ہے خود کلہن کے زمانہ میں اس قدیم محل وقوع پر مقدس عمارات کے قیام کا ذکر آیا ہے۔ اس بارہ میں بہت کچھ شہادت موجود ہے کہ پانڈری تھن ہی وہ مقام ہے جس کے لئے راج ترنگنی میں "قدیم دار السلطنت" کا لفظ آیا ہے ترنگ ۵ شلوک ۲۶۷ کے متعلق قدیم شرح میں اس کا ذکر ہے اور اب تک پنڈتوں کو بھی اس بارہ میں علم ہے سرور نے اپنی جین راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۲۹۰ میں بعض فوجوں کے سرینگر میں مغلوب ہونے کے بعد فرار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب وہ مشرق کیطرف وتشٹہ کے ساتھ ساتھ پسپا ہو رہی تھیں۔ تو وہ سڑک جو سمدرا مٹھ سے پورواد ہشٹھان کو جاتی ہے مقتولوں کی لاشوں سے اٹی ہوئی تھی۔ مخفی نہ رہے کہ سمدرا مٹھ سے مراد سدر مرسے ہے جو دوسرے پل کے قریب دریا کے دائیں کنارہ پر واقع ہے۔ پورواد ہشٹھان کے معنی بھی قدیم دارالسلطنت کے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد اس نے موجودہ پانڈری تھن سے لی ہے پورواد ہشٹھان یوں بھی از روئے صوت پران ادہشٹھان کے لفظ سے نکلا

ہوا ہے۔

اشوک کی سرینگری۔ جرنیل کننگھم نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ "قدیم دارالسلطنت" سے مراد جہاں اب پانڈریٹھن واقع ہے حقیقت میں قدیم سرینگری سے ہے جس کی نسبت کلہن نے لکھا ہے کہ یہی وہ دارالسلطنت تھا جسکی بنا اشوک اعظم نے ڈالی تھی کننگھم صاحب نے اس خیال کا اظہار راج ترنگنی کے ایک اور شلوک کی بنا پر کیا تھا جسمیں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ اشوک کے بیٹے جلوک نے جبیشٹ ردر کا مندر سرینگری میں قائم کیا تھا۔ جرنیل موصوف کی دانست میں یہ مندر وہ تھا جو اب کوہ تخت سلیمان کی چوٹی پر واقع ہے جس سے کوئی ڈیڑھ میل نیچے کیطرف پانڈریٹھن واقع ہے نوٹ ۱۲ ضمیمہ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کیجا چکی ہے کہ وہ روایت چنداں معتبر و قابل تسلیم نہیں ہے جسکی ذاحد بنا پر جرنیل کننگھم نے اس مندر کی مقامیت قائم کی ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سٹائین صاحب نے جو شہادت جمع کی ہے اس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ جبیشٹ ردر کی پرستش یا تو پہاڑی پر یا اس کے قرب میں کسی جگہ ہوا کرتی ہو گی۔ اس صورت میں ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اشوک کی سرینگری بھی یہیں کہیں واقعہ ہو گی۔

ایک اور علامت پران ادھشٹھان کے اہم نام سے بھی ملتی ہے جس کے معنی قدیم دارالسلطنت کے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں پر اب پانڈریٹھن واقع ہے وہاں کبھی ضرور کوئی اہم شہر آباد ہو گا۔ اس سے دوسرے درجہ پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ کلہن کی راج ترنگنی میں کہیں کسی اور دارالسلطنت کا ذکر نہیں آتا جو موجودہ سرینگر کے محل وقوع پر پرورسین ثانی کے وقت میں جدید دارالسلطنت بنائے جانے سے پیشتر ان نواحات میں بنایا گیا ہو آخری امر یہ ہے کہ پرورسین کے آباد کردہ شہر کا نام گو سرکاری طور پر پرورپور رکھا گیا تھا تاہم اب عام استعمال میں اس کا

نام سرینگرہی پڑ گیا ہے۔

جدید دار السلطنت کے نام کی تبدیلی۔ اگر اشوک کی سرینگری واقعہ میں موجودہ قصبہ پانڈریتھن کے مقام پر یا اس کے قریب واقع تھی تو اس کے نام کا جس کے معنی سری یعنی لکشمی کے شہر کے ہیں جدید دار السلطنت کے لئے استعمال ہونے لگنا جن وجوہ کی بنا پر شروع ہوا وہ ظاہر ہیں۔ جرنیل کننگھم نے اپنی کتاب جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹ پر بجا طور پر اسی قسم کی بہت سی تاریخی نظیریں جمع کی ہیں جنمیں ہندوستان کے دیگر صدر مقامات کے نام بدل گئے ہیں پرورسین کا شہر عملی طور پر قدیم سرینگری کے بالکل قریب تھا اور صدیوں تک اس کے پہلو بہ پہلو آباد رہا۔ اس صورت میں ہم بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کس لئے عوام نے نئے دار السلطنت کے لئے بھی وہی نام استعمال کرنا شروع کر دیا جو قدیم دار السلطنت کا نام ہونے کی وجہ سے ان کے منہ پر چڑھا ہوا تھا جیسا کہ نوٹ ۴۵ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے نام کی مونث صورت سرینگری جدید دار السلطنت کے لئے بھی استعمال ہو جاتی ہے اس طرح پر گویا اس نام میں کوئی اختلاف نہیں جو اشوک اور پرورسین دونوں کے آباد کردہ شہروں کے لئے استعمال ہوتا تھا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے بعض یورپینوں نے سرینگر کے معنی "سری کا شہر" کی بجائے "سورج کا شہر" نکالے ہیں جو غلط ہے

نام کی تبدیلی کی ایک عجیب مثال دہلی میں ملتی ہے جس کے قریب مختلف راجاؤں اور بادشاہوں نے وقتاً فوقتاً بہت سے نئے شہر تعمیر کرائے اور ان کے نام اپنے نام پر رکھے۔ لیکن بعد میں لوگوں نے وہ سب نام بھلا دیئے اور آخر کو دہلی ہی مشہور رہا۔ گذشتہ دربار تاجپوشی کے موقعہ پر جب ملک معظم جارج پنجم نے ہندوستان کے دار السلطنت کلکتہ سے دہلی میں منتقل کرنے کا اعلان فرمایا اور جدید دہلی کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہونے لگا تھا تو بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ اس جدید

شہر کا نام جارج آباد رکھ دیا جائے لیکن آخر کار اس خیال کو اس وجہ سے ترک کرنا پڑا۔ کہ دہلی کے قدیم نام شاہجہاں آباد، تغلق آباد وغیرہ جب قائم نہیں رہے تو ممکن ہے کچھ عرصہ گذرنے پر یہ نیا نام بھی دہلی ہی میں نہ بدل جائے۔

ہرچند کہ پران ادھشٹھان کا شہر ہندوؤں ہی کے زمانہ میں اپنی اہمیت و عظمت کو زائل کر چکا تھا تاہم ان چبوترہ دار ڈھلوانوں پر جو پانڈری ٹھن کے شمال اور شمال مشرق کیطرف واقع ہیں۔ قدیم عمارات کے بیشمار آثار اس وقت تک نظر آتے ہیں وہ آثار جو شمال کیطرف واقع ہیں اس خالی حصہ کو پر کرتے ہیں جو تخت سلیمان اور اس کے مشرق کیطرف والی پہاڑیوں کے درمیان ایت گج کے نام سے مشہور ہے۔

ایک بڑے شہر کا محل وقوع ہونے کی حیثیت میں پانڈری ٹھن کو جو فوائد حاصل ہیں ان کا مقابلہ سرینگر کے محل وقوع کے فوائد سے نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں جبکہ اغلباً وادی کے چپٹے دریائی حصے کم سیراب ہوا کرتے تھے دتشٹہ کے قریب کو زیادہ پسند کیا ہوگا۔ کیونکہ اس میں قریبی پہاڑی ڈھلوانیں طغیانی سے محفوظ رکھنے کا کام بھی دیتی ہیں وہ چھوٹے نیم گول حصے جو موجودہ گاؤں کے شمال اور شرق کیطرف بڑے بڑے کراروں کے درمیان واقع ہیں عمارات کے حق میں بہت موزوں ہیں۔ علاوہ بریں اس خالی حصہ کے راستہ جسکا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے ڈل کے زرخیز کناروں تک پہنچنے کے لئے بھی پانڈری ٹھن سے قریبی راستہ ہے۔ ہیون سانگ نے قدیم شہر کے متعلق جس سنگھارام کا ذکر کیا ہے وہ بھی غالباً اسی سمت میں واقعہ ہوگا۔

پرورسین کا جدید دار السلطنت۔ کلہن نے ترنگ ۳ کے شلوک ۳۳۶ تا ۳۶۳ میں اس جدید شہر کی ابتدا کا مفصل حال درج کیا ہے جو اس کے زمانہ میں کشمیر کا صدر مقام تھا اور اس وقت تک چلا آیا ہے کلہن اس کے قیام کو راجہ پرورسین

ثانی سے منسوب کرتا ہے اس نے اس تذکرہ کے دوران میں جو جغرافیائی حالات قلم بند کئے ہیں ان سے پورے طور پر واضح ہوتا ہے کہ جدید دارالسلطنت کا محل وقوع وہی تھا جواب سرینگر کا ہے۔

جرنیل کننگھم نے بھی اسبات کی تحقیق کی تھی کہ سرینگر ہی وہ شہر ہے جسے راجہ پرورسین ثانی نے بنوایا تھا اور انہوں نے اس بات کیطرف اشارہ بھی کیاہے کہ کلہن کا بیان اور شہر کی موجودہ حالت بہت کچھ ایک دوسرے کے مطابق ہے صاحب موصوف اپنی تصنیف جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹۷ پر یہ بھی لکھتے ہیں کہ کلہن نے پرورسین کے شہر میں جس جے اندر دہار کا ذکر کیا ہے یہ وہی تھا جسمیں ہیون سانگ اپنے طویل قیام دارالسلطنت کشمیر میں مقیم رہا۔ بعد میں پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۱۶ پر اس بات کا ذکر کیا کہ بہت سے قدیم مقامی نام اب تک کسی قدر تبدیلی کے ساتھ جدید شہر کے مختلف حصوں کے لیئے استعمال ہوتے ہیں جس سے صاف ثابت ہے کہ یہی شہر پرورسین کا صدر مقام تھا۔ سٹائین صاحب نے بھی بہت سی قدیم عمارات اور مقامات کو جنکا ذکر کلہن نے پرورسین کے شہر کے ضمن میں کیاہے جدید سرینگر اور اس کے مضافات میں شناخت کیا ہے۔

پرورپور کا نام۔ جدید شہر سرینگر کو راجہ پرورسین سے منسوب کرنے کی بھی کافی مضبوط دلایل موجود ہیں ۱۲ صدیوں کے طویل عرصہ کے واقعات کے سلسلہ میں تحقیق کرتے ہوئے ہم اس بات کو معلوم کرسکتے ہیں کہ پرورسین پور کا مخفف نام پرورپور موجودہ سرینگر کے شہر کے صحیح سرکاری نام کی حیثیت میں استعمال ہوتا رہا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۰ ویں صدی کے ابتدا میں خاندان تنگ کی تاریخ میں بھی نام استعمال ہوا ہے اس کے علاوہ یہ کشمیند ر بلہن اور اور بہت سے کشمیری مصنفوں کی کتابوں میں آیا ہے اور آجتک سنسکرت مسودوں کی عبارت ضمیمہ جنم پتروں اور اور ایسی ہی دستاویزات میں لکھا جاتا رہا ہے مفصل حوالوں کے متعلق دیکھو نوٹ ع ۱۷ کتاب ہذا۔

لوک پرکاش اور جنتریوں وغیرہ میں سری پرور پور کے لیے جو سری پرورسین پور کا مخفف ہے اس نام کی مخفف صورت سر ببر بھی استعمال ہوئی ہے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کلہن نے کئی موقعوں پر پرورپور کے لیے محض پور اور سرینگر کے لئے محض نگر استعمال کیا ہے

یہ معلوم نہیں کہ راجہ پرورسین ثانی نے جس کے نام پر جدید دار السلطنت کا نام پڑا تھا ٹھیک کس زمانہ میں حکومت کی۔ البتہ مختلف تاریخی و دیگر امور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اغلباً اس نے چھٹی صدی کے وسط میں حکومت کی تھی اس اعتبار سے صاف طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ جب ہیون سانگ سنہ ۶۳۱ء کے قریب کشمیر پہنچا تو اس وقت سرینگر یا پرورپور ہی جدید شہر تھا۔

پرورپور کی بنا ڈالنے کی روایت۔ کلہن نے پرورپور کی بنا ڈالنے کا جو روایتی حال لکھا ہے وہ بہت دلچسپ ہے ہر چند کہ بعض اصحاب یہ کہیں گے کہ اسمیں روایتی مصالحہ بہت کچھ داخل ہے تاہم اسمیں کلام نہیں کہ اس سے ہمیں بہت سی صحیح جغرافیائی معلومات حاصل ہوتی ہیں کلہن نے اس قصہ کو ترنگ ۳ کے شلوک ۳۳۶ تا ۳۴۹ میں بیان کیا ہے اور اس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔

جب راجہ پرورسین ثانی باہر سے فتوحات حاصل کرکے لوٹا تو اس نے اپنے نام پر ایک نیا دار السلطنت قائم کرنے کی خواہش کی اس وقت وہ اپنے دادا پرورسین اول کے شہر یعنی پران ادشٹھان میں رہتا تھا اس بات کا ثبوت کہ اس جگہ مراد پران ادشٹھان سے ترنگ ۳ کے شلوک ۹۹ سے ملتا ہے کتاب میں مذکور ہے کہ اس جگہ سے راجہ رات کے وقت ایک فوق الفطرت طریقہ پر نئے شہر کے قیام کے لئے موزوں جگہ اور مناسب وقت معلوم کرنے نکلا راستہ میں وہ ایک ندی پر پہنچا جو ایک شمشان کے نزدیک واقعہ تھی اور جہاں ہر طرف جلتی ہوئی چتاؤں کی روشنی چمک رہی تھی اس ندی کے دوسرے کنارہ پر اسے ایک بھیانک اور مہیب دیو نظر آیا راجہ سے ساہانت کا وعدہ

کہ کہ اس کی خواہش پوری کردی جائیگی۔ اس نے اس (راجہ) سے کہا کہ آپ اس پشتہ کے اوپر سے ہو کر اس پار آجائیں جو میں آپ کے لئے تیار کئے دیتا ہوں۔ اس پر اس راکشش نے اپنا زانو آگے کیطرف بڑھایا جس سے ایک قسم کا پشتہ (ستیو) بنگیا اور ندی کا پانی دونو طرف الگ الگ ہو گیا۔ دلیر پرورسین نے اپنا خنجر (کشوریکا) نکال کر اس سے راکشش کے گھٹنے پر قدم رکھنے کے لیے سیڑھیاں سی بنائیں اور اس کے بعد دوسری طرف کو گذر گیا۔ اسی بنا پر آخر الذکر کو کشوریکا پل کہتے ہیں۔ اس کے بعد راکشش نے راجہ کو سعد وقت بتایا اور یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔ کہ تم نے اس جگہ شہر بنانا جہاں صبح کے وقت تمہیں نشان نظر آئے اس ہنیال کا نشان راجہ کو موضع شارتیک میں ملا۔ جہاں دیوی شارکا اور راکشش ات رہا کرتے تھے اس جگہ اس نے اپنا شہر بسایا اور سب سے پہلے جو مندر تعمیر کرایا وہ شو پرولیشور کا تھا

اگر ہم سرینگر کی قدیم جغرافیائی تفصیلات کو مدنظر رکھیں تو ان تمام مقامات کا جنکا اس جگہ ذکر آیا ہے سراغ چلا سکتے ہیں قبل ازیں اسبات کا ذکر آچکا ہے کہ مہاسرت ہی وہ ندی ہے جو اب تسنتھ کل کے نام سے جھیل ڈل میں سے نکلکر وتستہ میں جا ملتی ہے وتستہ کے ساتھ اس کے مقام اتصال پر جس کے تیرتھ ہونے کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے وقت تک ایک ہندوؤں کی شمشان بھومی ہوا کرتی تھی جہاں اکثر مردوں کو جلایا کرتے تھے اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ قدیم زمانہ کی تھی۔ کلہن ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۶ میں بیان کرتا ہے کہ راجہ اوچل جب اپنے محل واقعہ سرینگر میں قتل ہو گیا تو اسکی لاش جلدی میں اس شمشان میں جلادیگئی تھی جو مہاسرت اور وتستہ کے مقام اتصال کے جزیرہ میں واقعہ تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ اس جگہ مراد جزیرہ مائسیم (مائکشکا سوامن) سے ہے جس کے مغربی سرے پر مہاسرت یا تسنتھ کل وتستہ میں جا گرتی ہے۔

ستیو۔ یہ ندی جو جھیل ڈل سے نکلکر بہتی ہے اس کے شمالی کنارہ پر ایک قدیم پشتہ واقع ہے جو تخت سلیمان کے بائیں دامن سے شروع ہو کر دوسرے پل کے قریب وتستہ کے بلند کنارہ تک جاتا ہے یہ پشتہ جو سرینگر کے گرد سب سے زیادہ مضبوط ہے اور جسکا عام نام سنسکرت زبان کے لفظ ستیو پر ستھ مشہور ہے بلاشبہ بہت پرانا ہے یہ شہر کے ان تمام نشیب حصوں کو جو دائیں کنارہ پر واقعہ ہیں نیز تیرنے والے باغات اور جھیل ڈل کے کناروں کو دریائے وتستہ کی سالانہ طغیانی سے محفوظ رکھتا ہے دگنی صاحب نے اپنی کتاب ٹریولز کی جلد ۲ صفحہ ۶۹ پر ایک روایت کا ذکر کیا ہے جسمیں اس پشتہ کی بنیاری ساجہ پرورسین سے منسوب کیجاتی ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اسکی تعمیر نئے قائم کئے ہوئے شہر کی محافظت کے لئے لازم تھی۔

بہت سی جغرافیائی شہادتیں اس قسم کی موجود ہیں۔ جنسے اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ یہی وہ قدیم پشتہ ہے جسکی نسبت کلہن نے لکھا ہے کہ دیو نے اپنی ٹانگ اور گھٹنا آگے کر دیا تھا جب ہم ایک نظر نقشہ پر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ستھ کا مشرقی حصہ مڑکر ایک زاویہ قائمہ بنگیا ہے۔ اور اس طرح پر ایک مڑے ہوئے گھٹنہ سے ملتا جاتا ہے کشور یکا پل اس مقام کا نام ظاہر کیا گیا ہے جہاں روایت کے بموجب پرورسین ندی کو عبور کر کے پختہ زمین پر پہنچا تھا۔ نوٹ ۶۱ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کیجا چکی ہے کہ اس نام کی موجودہ کشمیری صورت تھی۔ بل اس محلہ شہر کے لئے استعمال ہوتی ہے جو ستھ کے مغربی سرے پر واقعہ ہے آخر میں نقشہ کو دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کلہن نے ستیو کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ اس سے مہاسرت کا پانی دو حصوں میں بٹ گیا۔ اسکی تصدیق بحالات موجودہ اس طرح پر ہوتی ہے کہ اس پشتہ کے ایک طرف تو تسنتہ کل ندی کا پانی ہے اور دوسری طرف وہ دلدل اور نہریں ہیں جنہیں مارسے پانی حاصل ہوتا ہے یہ بات ثابت ظاہر کیجا چکی ہے کہ جھیل ڈل سے بہ کر نکلے ہوئے پانی کے اس حصہ کا نام یہی مہاسرت

ہی ہوا کرتا تھا

پروریور کی وسعت۔ موضع شارتیک کا نام جہاں پر راکشش نے شہر کا محل وقوع دکھایا تھا ایک مدت سے منائع ہو چکا ہے۔ البتہ دیوی شارکا کا نام آجانے سے اس کی جائے وقوع کا خاص اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے آخرالذکر کو جو درگا کی ایک صورت ہے زمانہ قدیم سے اس پہاڑی پر پوجا جاتا ہے جو سرینگر کے مرکزی حصہ کے شمال میں واقع ہے اور اب تک دیوی ہی کے نام سے مشہور ہے اس پہاڑی کا موجودہ نام ہار پربت از روئے صوت سنسکرت نام شارکا پربت ہی سے نکلا ہوا ہے بعد کی تاریخوں اور مہاتموں میں اسکا یہی نام آیا ہے دیکھو نوٹ ۱۱ کتاب ہذا ہار کشمیری زبان میں دیوی شارکا اور شارکا پرند کو بھی کہتے ہیں۔ مقابلہ کے لئے دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۶

پنجابی اور اور لوگ جو شارکا پربت کی یاترا کو جاتے ہیں۔ انہوں نے ہار پربت سے مراد ہر پربت یعنی ہری (وشنو) کا پربت یا سرسبز پربت لینا شروع کر دیا ہے۔ بحالیکہ شارکا پربت کے چٹانی پہلوؤں پر سبزی کا کہیں نام ونشان نہیں۔

ترنگ ۶ کے شلوک ۱۹۱ سے واضح ہوتا ہے کہ لفظ بیتال سوترپاٹ (راکشش کی ناپنے کی رسی) جبکا مذکورہ بالا روایت سے تعلق ہے زمانہ قدیم میں پروریور کے قدیم ترین حصہ کی حدود کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن ہمارے پاس جو مصالحہ موجود ہے اسکی رو سے ہم ان حدود کو تفصیلی طور پر معلوم نہیں کر سکتے اسمیں شک نہیں کہ کلہن نے ترنگ ۳ شلوک ۳۵۰ میں ان کا ذکر کر دیا ہے کیونکہ وہ پروسین کے شہر کے انتہائی حصوں میں وردھن سوامن اور وشنو کرمن کے مندروں کے قیام کا ذکر کرتا ہے لیکن بدقسمتی سے ان دونوں میں سے کسی ایک کے محل وقوع کا بھی اب پتہ نہیں چلتا۔

بہر صورت اسقدر پتہ ضرور چلتا ہے کہ ابتدا میں جدید شہر دریا کے صرف دائیں کنارہ

تک محدود تھا۔ کلہن نے بیا مرتر نگ ۳ شلوک ۳۵۰ میں صاف طور پر لکھا ہے۔ اور پرورسین کے دارالسلطنت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اس نے جن عمارات اور مقامات کا ذکر کیا ہے ان کو جہاں تک شناخت کیا جا سکتا ہے وہ سب کے سب شرقی کنارہ پر ہی واقعہ ہیں۔ ہیون سانگ کے بیان اور خاندان تنگ کے تذکرات سے اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی میں بھی پرورپور زیادہ تر دریا کے دائیں کنارہ پر پھیلا ہوا تھا۔

پرور پور کی کیفیت ۔کلہن نے جدید شہر کے قیام کا ذکر کر کے ترنگ ۳ شلوک ۳۵۷ تا ۳۶۳ میں اسکی شان و عظمت کا بھی بالاختصار ذکر کر دیا ہے اس نے بیان کیا ہے کہ اسمیں کسی وقت ۳۶ لاکھ گھر ہوا کرتے تھے نیز ان باقاعدہ منڈیوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے بانی نے اسمیں قائم کی تھیں اس کے اپنے زمانہ میں اس شہر میں ہر قسم کی عمارات تھیں جو بادلوں تک پہنچتی تھیں گو اسمیں شک نہیں کہ جدید سرینگر کے پرائیویٹ مکانات کیطرح وہ بھی چوبی ہی ہونگی۔

مرزا حیدر اور ابوالفضل نے بھی سرینگر میں صنوبر کے بنے ہوئے بلند مکانات کا ذکر تعریفی الفاظ میں کیا ہے آجکل کی طرح اس زمانہ میں بھی یہ مصالحہ اس لئے استعمال ہوتا تھا کہ ایک تو ارزاں ہوتا ہے۔ دوسرے زلازل سے محفوظ رہتا ہے مرزا حیدر نے تاریخ رشیدی کے صفحہ ۴۲۵ پر لکھا ہے کہ اُن میں سے اکثر مکانات کم از کم ۵ منزل اونچے ہیں اور ہر ایک منزل میں مختلف کمرے۔ ہال۔ گیلریاں اور برج بنے ہوئے ہیں اس بات کا پتہ کہ ہندوؤں کے وقتوں میں بھی سرینگر کے اندر کثیر التعداد پرائیویٹ مکانات لکڑی کے بنے ہوا کرتے تھے ترنگ ۸ شلوک ۲۳۹۰ سے چلتا ہے علاوہ بریں جابجا مختلف آتشزدگی کی وارداتوں کا جو ذکر آیا ہے اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے جہاں پر کلہن نے ان ندیوں کا ذکر کیا ہے جو شفاف اور خوشنما ہیں اور تفریح کی

مقامات اور بازاروں میں ایک دوسرے سے ملتی ہیں؟ تو بظاہر اسکا اشارہ ان بیشمار نہروں کی طرف ہے جو جھیل ڈل اور انچار سے نکل کر شہر اور مضافات میں سے گذرتی ہیں اب تک بھی یہ نہریں اور دریا منڈی کیطرف آمدورفت کے شاہراہ کا کام دیتا ہے اور سارے بڑے بڑے بازار انہی کے کنارہ بنے ہوئے ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ ندیاں اپنی موجودہ حالت میں بھی مفید اور پر آسائش ہیں تاہم انہیں شفاف اور خوشنما نہیں کہا جا سکتا بہر نوع انکی وجہ سے شہر کا منظر ضرور دلچسپ بنا ہؤا ہے اور انکی موجودگی میں گاڑیوں کی سڑکوں کی بھی اسقدر ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ شار کا پربت کی نسبت آیا ہے کہ وہ ایک تفریحی پہاڑی ہے جہاں سے تمام مکانات کا شاندار منظر اس طرح نظر آتا ہے جیسے آسمان سے ان سب کے علاوہ دریائے وتشٹہ کے سرد پانی کا بھی تعریفی الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے جو ایام گرما میں اہل شہر کو اپنے مکانات کے سامنے بہتا ہؤا ملتا ہے

آخیر میں اس نے ان شاندار مندروں کی کثرت کا ذکر کیا ہے جنہیں راجاؤں نے یکے بعد دیگرے پروَرپور کو آراستہ کیا تھا اور جنکا ذکر تاریخ میں جا بجا ہے ان مندروں کے آثار اب بھی سرینگر کے ہر حصہ میں نظر آتے ہیں اور انہیں دیکھ کر ہم کسی قدر اندازہ انکی اصل عمارات کی شان وشوکت کا لگا سکتے ہیں شہر کے اندر دریا کے کنارہ کنارہ جو بلند پشتے بنے ہوئے ہیں وہ زیادہ تر ان مندروں ہی کی سلوں، ستونوں اور پتھروں سے بنائے گئے ہیں۔ ان آثار کی کثرت اور وسعت کو دیکھ کر سطحی نظر ڈالنے والا شخص بھی اس بات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قدیم سرینگر میں واقعی بڑی شاندار عمارات موجود ہونگی۔

سرینگر کے محل وقوع کے فوائد۔ اس بات کو کسی اتفاقیہ امر پر محمول نہیں کیا جا سکتا کہ پروَرسین کے شہر کا وہی حشر نہیں ہؤا جو دوسرے اکثر ہندوستانی

دارالسلطنتوں کا ہوا ہے یعنی یہ کہ اسکی بجائے بعد میں کوئی اور شہر قائم ہو جائے۔ فی الحقیقت بعد کے راجاؤں میں سے بعض نے اس بارہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا کہ دارالسلطنت کا انتقال اُن مقامات میں کر دیا جائے جنہیں انہوں نے منتخب کر کے اپنے نام پر شہر آباد کئے تھے۔ للتادتیہ اعظم اور اس کے بعد جیا پید۔ اونتی ورمن اور شنکر ورمن نے باری باری اس مدعا میں کامیاب ہونے کی کوشش کی تھی۔ پریہاسپور۔ جے پور اور اونتی پور کے عظیم کھنڈرات کو دیکھ کر اس بات کا کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے تین راجاؤں نے اپنے شہروں کو باعظمت بنانے میں اپنی طرف سے کسی قسم کی کمی نہ کی تھی۔

للتادتیہ کی نسبت مذکور ہے کہ اس نے نیرو قیصر روما کی طرح اس خیال سے پرانے صدر مقام کو جلا ڈالنے کی تجویز کی تھی۔ کہ اس سے اس کے اپنے شہر پریہاسپور کو رونق ہو۔ باوجود ان سب باتوں کے ہر ایک جدید دارالسلطنت بہت جلد زائل ہوتی گئی اور پروَر پور آجتک کشمیر کا سیاسی اور تمدنی مرکز بنا رہا۔

سرینگر کی غیر معمولی پوزیشن کو اگر اس کے محل وقوع کے عظیم قدرتی فوائد پر محمول کیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ یہ شہر وادی کے حقیقی مرکز کے قریب تر واقع ہے اور دوسرے مقامات کے ساتھ آمد و رفت کی جو سہولتیں اس جگہ کو حاصل ہیں وہ کسی اور کو نہیں۔ یہ شہر دریا کے کنارہ پر بنا ہوا ہے اور آخر الذکر تمام موقعوں اور موسموں میں وادی کے اوپر اور نیچے کیطرف جانے کا بڑا آرام دہ راستہ ہے سرینگر کے مضافات میں جو دو جھیلیں ہو گئی ہیں ان سے علی الخصوص شمالی زرخیز علاقوں کو وہی سہولتیں حاصل ہیں خود ان جھیلوں میں اس قسم کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے جس سے ایک بڑے شہر کی آبادی کا بہت بڑی حد تک گذارہ چلتا ہے وسط ایشیا سے جو عظیم تجارتی سڑک آتی ہے وہ وادی سندھ میں سے دارالسلطنت سے صرف ایک چھوٹے کوچ کے فاصلہ پر سے ہو کر گذرتی ہے۔

سرینگر کی قدرتی محافظت۔ سرینگر کو طغیانی اور مسلح حملہ آور جماعت ان دونوں سے جو محافظت حاصل ہے اسے بھی ہم نظر انداز نہیں کر سکتے وہ تنگ بلند قطعہ زمین جو جانب شمال سے وتستہ کی طرف پھیلا ہوا ہے اور جس نے دو نو جھیلوں کو علیحدہ علیحدہ کر رکھا ہے اس کے باعث ہر قسم کی طغیانی سے حفاظت ہے شارکا پہاڑی کے دامن کے گرد اسی زمین پر قدیم پروزرلپور کا سب سے بڑا حصہ حقیقت میں بنایا گیا تھا اس قدیم پشتہ کی وجہ سے جو اس بلند قطعہ زمین کو تخت سلیمان پہاڑی کے دامن سے ملاتا ہے شہر کے نشیب حصے ڈل کی دلدلوں سے محفوظ تھے اس طرح پر بہت سارقبہ جنمیں خانیار اور رانی وور (سنگ راجا لو) انکا کے مدید حصے شامل ہیں دائیں کنارہ کی عمارتی زمین میں شامل کر دیا گیا اور وہ معمولی طغیانیوں سے بھی ہر طرح محفوظ رہا۔

آخر ہندو راجاؤں کے عہد میں سرینگر کے جو اکثر محاصرے ہوئے (جنکا ذکر کلہن نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے) ان سے بھی یہ معلوم کرنے کا بہت کچھ موقعہ ملتا ہے کہ اس شہر کو فوجی اعتبار سے بہت سے فوائد حاصل تھے سوائے اس تنگ اور بلند قطعہ زمین کے جو شمال کیطرف واقع ہے۔ دریا کے دائیں کنارہ پر سرینگر کا شہر تمام اطراف میں پانی سے گھرا ہوا ہے جنوب کیطرف دریا نے محافظت کی ایک ناقابل گذر لائن قائم کی ہوئی ہے مشرق میں جھیل ڈل اور وہ ندی ہے جو اس میں سے نکلکر بہتی ہے مغرب کیطرف انچار کے وسیع دلدل عین دریائے وتستہ کے کنارہ تک پھیلے ہوئے ہیں اسمیں شک نہیں کہ شمال کیطرف سے اس قسم کی قدرتی روکاوٹوں کو عبور کئے بغیر شہر میں پہنچا جا سکتا ہے لیکن آپ نقشہ کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ شارکا پہاڑی کے شمال میں دو جھیلوں کا پانی ایک دوسرے کی طرف یہاں تک بڑھا ہے کہ بیچ میں صرف چند ہزار فٹ کا فرق رہ گیا ہے اس طرح پر جو تنگ قطعہ زمین باقی رہ گیا ہے اسکی ہر موقعہ پیدل فوج سے حفاظت کیجا سکتی ہے یہ ایک عجیب بات ہے کہ شہر پر جسقدر حملوں میں حملہ آور

کو کامیابی ہوئی وہ سب کے سب شمال کیطرف سے کئے گئے تھے صرف یہ ہوا تھا کہ محافظین کے دغا یا کمزوری کے باعث یہ راستہ کھل گیا۔ مثال کے طور پر اوچل کے داخلہ سرینگر کا بیان مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۵۳۹ اور سسل کا داخلہ مذکورہ ترنگ ۸ شلوک ۹۴۸ ملاحظہ ہو۔ ان کے علاوہ نوٹ ۵۶ کتاب ہذا بھی قابل ملاحظہ ہے۔

بائیں کنارہ کیطرف شہر کی توسیع۔ سرینگر کا جو چھوٹا حصہ بعد میں دریا کے مغربی کنارہ کیطرف بنا ہے اسے وہ قدرتی فوائد حاصل نہیں جو قدیم حصہ کو حاصل ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ جس زمین پر کھڑا ہے وہ سالہا سال تک کھنڈرات اور ملبہ کے جمع ہوتے رہنے سے تیار ہوئی ہے ہمیں ٹھیک طور پر معلوم نہیں شہر کب سے اس طرف کو بڑھنا شروع ہوا۔ اس طرف کو قدیم محلات وقوع کی تعداد بہت کم ہے شاہی ہاسٹر اس حصہ میں راجہ اننت کے عہد حکومت (۱۰۲۸-۶۳ء) میں منتقل ہوئی تھی اس جگہ بھی محافظت کا ایک قدرتی ذریعہ نظر آتا ہے یہ کشیتکا یا کٹکل ندی ہے جو شہر کے اس حصہ کے مغربی کنارہ کے گرد ہو کر گھومتی ہے اور جسکا ذکر بعد کے محاصرات کے حالات میں آیا ہے۔

۴۔ سرینگر کے قدیم محل وقوع

شارکا پہاڑی۔ اس طرح پر دارالسلطنت کشمیر کی ابتدا اور اس کے عام محل وقوع پر ریویو کر چکنے کے بعد ہم ان زیادہ اہم قدیم محلات وقوع کیطرف رجوع کرتے ہیں جنہیں ہم شناخت کر سکتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی پیمائش کی ابتدا شارکا پہاڑی ہی سے شروع کریں جس سے روایتاً اس شہر کے قیام کو منسوب کیا جاتا ہے دلوی شارکا جس کے نام پر یہ پہاڑی مشہور ہے زمانہ قدیم سے اس پہاڑی کے

شمال مغربی پہلو پر اسکی پرستش ہوتی چلی آئی ہے ایک بڑی سی عمودی چٹان پر
بعض قدرتی علامات موجود ہیں جنہیں راسخ الاعتقاد لوگ ایک قسم کا مخفی نقشہ خیال
کرتے ہیں جسکا نام تنتر شاستر میں شری چکر آتا ہے شہر کے برہمن اس سویمبھو تیرتھ
کی یاترا کرنے اکثر جاتے ہیں اور اس کا سلسلہ غالباً زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے مقابلہ
کے لئے دیکھو جونراج کی راج ترنگنی بمبئی ایڈیشن شلوک ۲۷۴ - ۲۷۰ موجودہ شارکا
مہاتم میں لکھا ہے کہ پہاڑی کو اس موجودہ صورت میں درگا نے قائم کیا تھا جس نے
شارکا پرند کی صورت اختیار کر کے اسے نرک کا ایک دروازہ بند کرنے اس جگہ لا
ڈالا تھا۔ کتھا سرت ساگر کے ادھیائے ۷۳ شلوک ۷۰ میں اس روایت کا ذکر کیا گیا ہے
ہاری پربت کا ایک اور قدیم نام پردمن کی پہاڑی (پردمن پیٹھ - پردمن گری - پردمن
سکھر وغیرہ) ہے - جو تاریخوں اور بعض دیگر کتابوں میں پایا جاتا ہے اس پر نوٹ
عـ۱۹۲ کتاب ہذا میں بحث کی گئی ہے کتھا سرت ساگر میں اس نام کی ابتدا کی توضیح
ایک قصہ کے ذریعہ کی گئی ہے جس میں اس پہاڑی کا تعلق ادشا اور پردمن کے
بیٹے انی رودھ کے عشق سے قائم کیا گیا ہے کلہن نے لکھا ہے کہ راجہ چندنادتیہ نے اس
پہاڑی پر پاشوپت فقیروں کے لئے ایک مٹھ بنوایا تھا۔ لیکن اب اس پہاڑی
کے مشرقی ڈھلوانوں پر وہ وسیع عمارات واقع ہیں جنکا تعلق مقدم صاحب اور
آخون ملا شاہ کی مشہور زیارات سے ہے یہ بالکل اغلب ہے کہ کشمیر کے دیگر قدیم
مقامات کی طرح اس جگہ بھی ہندوؤں کی مذہبی عمارات کی جگہ پر اسلامی معبد
قائم ہو گئے ہوں۔

اس پہاڑی کے جنوبی حصہ کے دامن کے قریب ایک چٹان واقع ہے جسکی
پرستش زمانہ قدیم سے بھیم سوامن کے نام سے گنیش کے طور پر ہوتی چلی آئی ہے
جیسا کہ نوٹ عـ۱۷۲ کتاب ہذا میں جتلایا گیا ہے کلہن نے ایک روایت کے ذریعہ

اس سویمبھو مورتی کو پروَرسین کے بنائے ہوئے پروَرپور سے متعلق قرار دیا ہے منقول ہے کہ اس عابد راجہ کی خاطر دیوتا نے اپنا منہ مغرب سے مشرق کیطرف اس غرض سے پھیر لیا تھا کہ نئے شہر کو دیکھ سکوں۔ پرستاروں نے اس چٹان پر اب اس قدر سیندور تھوپ رکھا ہے کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے آیا ہاتھی کے چہرہ والے دیوتا کی مشابہت اس وقت تک قائم ہے یا نہیں اور آیا اس کا رخ اب مغرب کیطرف ہے یا مشرق کی طرف۔ کیونکہ جونراج کے بیان کو قابل تسلیم سمجھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دیوتا کی مورتی نے اب اپنا رخ دوبارہ پہلی سمت ہی میں پھیر لیا ہے اس مورخ نے اپنی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) کے شلوک ۷۶۶ میں لکھا ہے کہ بھیم سوامن نے سکندر بت شکن کے مظالم دیکھ کر اپنی پیٹھ دوبارہ شہر کی طرف پھیر لی تھی۔

مختلف راج ترنگنیوں سے کہیں اس بات کا پتہ نہیں چلتا۔ آیا ہندوؤں کے زمانہ میں کبھی شارکا پہاڑی کا استحکام عمل میں لایا گیا تھا۔ جیسا کہ شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۹۳۰ سے معلوم ہوتا ہے وہ پتھر کی دیوار جو پہاڑی کے گرد اور اس کے دامن میں واقع ہے جسے ناگر نگر کہتے ہیں۔ اسے اکبر نے بنوایا تھا چنانچہ اسکی تصدیق اس کتبہ سے ہوتی ہے جو بڑے دروازہ پر موجود ہے جو قلعہ اب پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے وہ اور بھی جدید زمانہ کا ہے۔

شوپیروریشور کا مندر۔ بھیم سوامن چٹان کے جنوب مشرق میں تھوڑے فاصلہ پر اور اکبر کے قلعہ سے باہر بہاء الدین صاحب کی زیارت واقع ہے جو بلاشبہ کسی قدیم مندر کے مصالحہ سے بنی ہوئی ہے اس کے گرد جو قبرستان ہے اسمیں اس کے مقبروں اور دیواروں کے بہت سے قدیم آثار موجود ہیں اس قبرستان کے جنوبی مغربی گوشہ میں ایک خستہ حال دروازہ بڑی بڑی جسامت کی پتھر کی سلوں کا بنا ہوا ہے جو اب بھی خاصہ اونچا ہے پنڈتان سرینگر میں اسکی نسبت روایتاً یہ عقیدہ چلا

آتا ہے کہ یہ شو پروکیشور کے مندر کا دروازہ تھا جس کی نسبت کلہن نے ترنگ ۳ شلوک ۳۵۰ میں لکھا ہے کہ راجہ پرورسین نے سب سے اول اپنے جدید دارالسلطنت میں اسے ہی تعمیر کرایا تھا۔

ایک قدیم روایت کی رو سے جسے کلہن نے اور اس سے پیشتر بلہن نے وکرما نک دیو چرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۲۸ میں درج کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ پرورپشور کے مندر سے جسم سمیت سورگ کو پہنچ گیا تھا بلہن نے لکھا ہے کہ مندر میں اس وقت تک اس قسم کا شگاف ہے جو آکاش کے دروازہ سے مشابہ ہے اور جسمیں راجہ پرور جسم سمیت آسمان کو چلا گیا تھا" کلہن نے اس سے ایک صدی بعد لکھتے ہوئے پرورپشور کے مندر میں ایک دروازہ کا ذکر کیا ہے جو "آسمان کے دروازہ سے مشابہ ہے"۔ مندر کی شکستہ چھت کی نسبت قیاس کیا جاتا تھا کہ راجہ اسمیں سے گذر کر شوجی کے استھان کی طرف گیا تھا۔

جس غیر مسقف سنگین دروازہ کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اسکی نسبت آجتک یہ روایت مشہور ہے اور ممکن ہے یہی وہ تعمیر ہو جسکا ذکر بلہن اور ہمارے مورخ نے کیا ہے اسکی صناعی کو دیکھیئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سرینگر کی قدیم ترین تعمیرات میں سے ہے اس کے اب تک قائم رہنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ اسکی ساخت ٹھوس اور پتھر بڑے بڑے ہیں۔ مسلمانوں نے زیارتیں اور حمام وغیرہ بناتے وقت سرینگر کی قدیم عمارات پر دست شفقت پھیرنے میں کچھ بھی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن اس جگہ جو ۱۶ فٹ لمبی اور کافی چوڑی اور موٹی سلیں لگی ہوئی تھیں انہیں اٹھا کر لے جانا ان کے لئے بھی کام رکھتا تھا ان کھنڈرات کا مقام وقوع بہت مرکزی ہے اور ممکن نظر آتا ہے کہ بانی پرورپور نے اسے جدید شہر میں ایک نمایاں مقام پر مندر بنانے کے لئے منتخب کیا ہو۔

رن سوامن کے مندر کا محل وقوع - بہاء الدین صاحب کی زیارت سے
تھوڑی دور جنوب مغرب کیطرف جامع مسجد یا سرینگر کی سب سے بڑی مسجد واقع ہے۔
اس کے گرد جو بیشمار قدیم آثار موجود ہیں ان سے اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ کبھی یہاں
پر ہندوؤں کے مندر واقع ہوا کرتے تھے جب ہم اور بھی جنوب مغرب کیطرف بڑھتے
ہیں تو شہر کے ایک گنجان حصہ میں وہ قدیم مندر نظر آتا ہے جو نسبتاً اچھی پائدار حالت
میں رہا ہے کیونکہ وہ مبدل بہ زیارت ہو چکا ہے۔ اب خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پیر حاجی محمد
کا مدفن ہے اسمیں ایک ہشت پہلو حجرہ ہے جسکا بلند چبوترہ اور بغلی دیواریں خاصی
اچھی حالت میں ہیں جس چوکور صحن میں یہ واقع ہے اس کے گرد قدیم دیواریں ہیں
اور باہر آراستہ دروازے لگے ہوئے ہیں۔
اس معبد کا محل وقوع دیکھ کر سٹائین صاحب کو خیال گذرا کہ شاید وشنو سوامن
کا مندر ہو جسکی نسبت کلہن نے ترنگ ۳ شلوک ۴۵۳ میں لکھا ہے کہ اسکی بنیاد
راجہ رنادتیہ نے ڈالی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نسبتاً زمانہ مابعد تک اس مندر کو خاصی
شہرت حاصل رہی ہوگی۔ منکھہ نے سری کنٹھ چرت کے ادھیائے ۳ شلوک ۶۰ میں
اس بات کا حوالہ دیا ہے کہ اس کا باپ وہاں پر بہت عبادت کرتا تھا اور جونراج
اس شلوک کی شرح لکھتے ہوئے وشنو رنسوامن کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ پرورپور
کے خاص مندروں میں سے ایک ہے جس شہادت کی بنا پر یہ شناخت قائم کی گئی
ہے اس پر نوٹ ۱۹۲ کتاب ہذا میں بحث کی جا چکی ہے
بھٹارک مٹھ - مار کو جنوب کیطرف عبور کر کے ہم شہر کے اس حصہ میں پہنچتے ہیں
جسکا نام بردی مر مشہور ہے اور جو چوتھے اور پانچویں پل کے درمیان دریا کے داہنے
کنارہ پر واقع ہے۔ اس نام (بردی مر) کی قدیم صورت بھٹارک مٹھ ہے جسکا ذکر راج
ترنگنی میں جا بجا ان معنوں میں آیا ہے کہ وہ ایک وسیع اور مضبوط عمارت ہے۔

دیکھو نوٹ ۱۵۷ کتاب ہذا۔ ترنگ ۸ شلوک ۲۴۲۶ نیز دکرا تک دیو چرت ادھیائے ۱۸ شلوک ۱۱ بھٹارک کے بردی کا لفظ اسی ترکیب سے نکلا ہے جیسے بھٹار ند وائے برادی نبل یہ بات پنڈتوں کو روائتی طور پر معلوم ہے کہ اس حصہ کا قدیم نام بھٹارک مٹھ ہوا کرتا تھا نیز دیکھو بوہلر صاحب کی رپورٹ صفحہ ۱۶۔ بلہن نے بھی سرینگر کا حال لکھتے ہوئے اس کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے مٹھوں کی طرح جنکا ابتدائی منشا سرائے کی حیثیت رکھنا ہوتا تھا اس سے بھی مقام حفاظت کے طور پر کام لیا جاتا رہا ہے۔ ایک موقعہ پر جب سخت فساد پیدا ہوا تو رانی دِدا نے اپنے شیر خوار بیٹے کو وہاں بھیج دیا تھا ترنگ ۶ کے شلوک ۲۲۲ و ۸ کے شلوک ۴ ۲۷-۱۰۵۲-۲۳۰۹- سے معلوم ہوتا ہے کہ سرینگر کے مٹھ اکثر اندرونی فسادات کے موقعوں پر جائے پناہ کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان سے قید خانوں کا کام بھی لیا جاتا تھا اس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ مضبوط بنے ہوا کرتے تھے یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ جدید سراؤں کی طرح علیحدہ عمارات کی حیثیت رکھتے ہوں گے جس سے شہر کے دیگر مکانات کی نسبت ان میں زیادہ حفاظت حاصل ہو سکتی ہوگی۔

دوا مٹھ ۱۰۔ اس بات کا ثبوت کہ مختلف مٹھ شہر کے جن حصوں میں بنے ہوا کرتے تھے وہ انہی کے نام پر مشہور ہو گئے ہیں بعض اور ناموں سے بھی ملتا ہے چنانچہ دومر کا بڑا محلہ جو دریا کے دائیں کنارہ پر شہر کا مغربی سرا ہے دوا مٹھ کے نام کی جدید صورت ہے دیکھو نوٹ ۱۶۶ کتاب ہذا اسے رانی دِدا نے اس غرض سے بنوایا تھا کہ ہندوستان کے مختلف حصوں سے جو مسافر آئیں وہ اسمیں آرام پائیں ایک مقامی نام کی حیثیت میں ددا مٹھ کا لفظ بعد کی تاریخوں میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے دومرے اوپر چھوٹے پل کے قریب بلندی مر کا محلہ ہے اس کا نام بلا دھیہ مٹھ سے نکلا ہے جسے جو نراج کی راج ترنگنی شلوک ۸۲ کے مطابق ۱۴ ویں صدی

میں راجہ راجدیو کے زمانہ میں بلاد ہیجیدر سنے بنایا تھا۔

سکندبھون۔ چھٹے پل سے تھوڑا شمال کیطرف کھندبون نامی محلہ واقع ہے اس کا نام قدیم سکندبھون دہار سے نکلاہے جسکی بنا سکندگپت نے قائم کی تھی جس کے بارہ میں کلہن نے ترنگ ۳ شلوک ۳۸۰ میں لکھاہے کہ وہ راجہ یدہشٹر کے جانشین راجہ پرورسین ثانی کے وزراء میں سے تھا سٹائین صاحب نے اس بارہ میں جو تحقیقات کی ہے اس سے پتہ چلتاہے کہ یہ دہار موجودہ زیارت پیر محمد باصر کے قریب واقع ہوا کرتا تھا اس موقعہ پر بعض قدیم آثار گذشتہ صدی تک موجود ہوا کرتے تھے جہاں لوگ بطور تیرتھ کے یاترا کرنے جاتے تھے اور اسے سکند تیرتھ کہا کرتے تھے۔ سکندبھون دہار کے قریب کسی زمانہ میں شوپر وگپتیشور کا مندر ہوا کرتا تھا۔ جسکی نسبت کلہن نے لکھاہے کہ راجہ پرورگپت نے اسکی بناڈالی تھی مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۱۲ ضمیمہ کتاب ہذا۔

کھندبون کے عین شمال مشرق میں ایک کھلا وسیع میدان واقع ہے جس سے اب سلمان قبرستان کا کام لیتے ہیں معلوم ہوتاہے یہ جگہ زمانہ قدیم ہی سے ویران چلی آتی ہے چنانچہ ترنگ ۸ شلوک ۱۴۱۴ سے معلوم ہوتاہے کہ مقتول راجہ سسل کی ارتھی اس وقت یہاں سنی ہوئی تھیں جبکہ باغی جماعتوں کے دارالسلطنت کے ہر طرف منڈلانے کے باعث ماکشک سوامن جزیرہ کے شمشان تک پہنچنا مشکل ہو رہا تھا۔

اس سے بھی شمال میں ترودر کا محلہ ہے جسکا قدیم نام غالباً نڈدن ہوا کرتا تھا۔ جسکی نسبت کلہن نے لکھاہے کہ یہاں پر راجہ میگہ واہن کی رانیوں نے ایک دہار بنوایا تھا قبل ازیں نوٹ ۱۴۵ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کیجا چکی ہے کہ موجودہ نام نڈدار کے لفظ سے نکلاہے کشمیر کے مقامی ناموں میں زمانہ قدیم میں واٹ کا جو جزو آتا تھا اس کے معنی باغ کے ہیں اور کلہن کے مذکورہ نام کے آخر میں "دن" کا جو جزو آتاہے وہ اس "واٹ" سے مترادف ہی خیال کرنا چاہیئے۔

قدیم سرینگر کے پل۔ قبل اس کے کہ ہم دریا کے متعلق مزید تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھیں اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر مختصر لفظوں میں ان پلوں کا ذکر کر دیا جائے جو شہر کے اندر دریا کے دونوں کناروں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں کم از کم ۵۰۰ سال سے انکی تعداد میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

تاریخ رشیدی کے صفحہ ۴۳۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریف الدین کو یہ بات معلوم تھی ان ۳۰ کشتیوں کے پلوں میں سے جو کشمیر کے اس عظیم دریا پر بنے ہوئے ہیں شہر سرینگر کے اندر ہیں اس زمانہ میں بھی کشتیاں زنجیروں کے ذریعہ ایک دوسرے سے بندھی ہوتی تھیں اور پلوں کے بیچوں بیچ ایک راستہ دریائی آمد و رفت کے لئے موجود ہوتا تھا شریف الدین کا یہ تذکرہ اس لحاظ سے ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے کہ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے ہندوؤں کے عہد کے آخیر تک کشمیر میں دریائے وتستا پر مستقل پل بنے ہوئے نہ ہوا کرتے تھے۔ نوٹ ۲۷ اکتاب ہذا کو دیکھا جائے تو اس سے بھی اسی عقیدہ کی تصدیق ہوتی ہے کلہن نے جن دو پلوں کی ساخت کا واضح طور پر ذکر کیا ہے انکی نسبت آیا ہے کہ وہ کشتیوں کے بنے ہوئے تھے جب ہم ترنگ ۲ شلوک ۹۰۹ ۱۵۳۱ ترنگ ۸ شلوک ۱۱۸۲۔ سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۳۰۸ - ۲۰۰ ترنگ ۲ شلوک ۷۰ - ۱۲۲ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کی آمد پر یا آگ کا خطرہ پیش آنے کے وقت ان پلوں کو بہت جلد توڑ دیا جاتا تھا۔ اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

برہت سیتو۔ کلہن نے اس قسم کے پہلے پل کو راجہ پرورسین ثانی سے منسوب کیا ہے جس نے اپنے جدید دارالسلطنت میں عظیم پل (برہت سیتو) بنایا تھا۔ ترنگ ۳ شلوک ۳۵۴ میں لکھا ہے کہ اس قسم کے کشتیوں کے پلوں کی ساخت کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوا ہے" بعد میں اس عظیم پل کا ذکر اس عظیم الشان

آتشزدگی کے ضمن میں آیا ہے جس سے ۱۱۲۳ء میں راجہ سسل کے عہد میں شہر تباہ ہو گیا تھا۔ آگ سرینگر کے جنوبی سرے سے شروع ہوئی تھی اور جیسا کہ ترنگ ۸ شلوک ۱۱۷۱-۱۱۸۲ سے واضح ہوتا ہے۔ کلہن کی تحریر میں یہ بات آتی ہے کہ ماکشک سوامن رماسم سے اٹھتا ہوا دھواں ابھی برہت سیتو سے نظر بھی نہ آیا تھا کہ آگ سارے شہر میں پھیل گئی۔ کلہن نے اس جگہ "عظیم پل" کا جس انداز سے ذکر کیا ہے اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ماکشک سوامن سے نسبتاً دور واقع تھا۔

جب ہم اسباب پر غور کرتے ہیں کہ اس جگہ سے چوتھے پل تک دریا ترتیب قریب سیدھا ہی جاتا ہے تو یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ پرورسین کا پل آخر الذکر کے نواحات میں کہیں پر واقع تھا۔ یہ جگہ عین شہر کے مرکز میں ہے یہیں پر بعد میں سلطان زین العابدین نے دریائے وتستہ پر وہ دوامی پل بنوایا تھا جو سریور کی راج ترنگنی ترنگ اشلوک ۲۳۱-۲۹۶ کے بموجب زین کدل (جینکدل) کہلاتا تھا ترنگ ۔ شلوک ۱۵۴۹ سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ ہرش نے بھی ایک کشتیوں کا پل اپنے محل کے عین مقابل میں بنایا تھا جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔ آخر الذکر دریائے بائیں کنارہ پر موجودہ دوسرے پل (حبہ کدل) کے قریب کسی مقام پر واقع تھا۔
اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ دریائے وتستہ پر جو پہلا دوامی پل باندھا گیا وہ لکڑی کا تھا اور اسکی ساخت ویسی ہی تھی جیسی کہ آجکل کشمیر کے پلوں کی ہوتی ہے ان پلوں کا ذکر زمانہ حال کے اکثر سیاحوں مثلاً وگنی صاحب نے اپنی کتاب ٹریولز کی جلد ۲ صفحہ ۲۳ پر اور لارنس صاحب نے اپنی کتاب ویلی کے صفحہ ۳۷ پر کیا ہے یہ ایک عجیب بات ہے کہ سلطان زین العابدین کے وقت سے پہلے کسی متعل پل کے قیام کا پتہ نہیں چلتا۔ بظاہر اسکی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ہندو زمانہ کے انجینیر ہتھر کا کام کرنے میں صاحب کمال تھے

اور پتھر کے پل تیار کرنے میں زیادہ چوڑا سپین (دو کھمبوں کا درمیانی فاصلہ) قائم نہ کیا جا سکتا تھا۔ ان کے بعد جب مسلمان آئے تو وہ چونکہ لکڑی کا کام زیادہ اچھی طرح کر سکتے تھے اس لئے وہ بآسانی اس مشکل پر غالب آ سکے۔

بحالت موجودہ شہر سرینگر کے اندر جو دلفریب دریائی نظارہ دیکھنے میں آتا ہے اس میں قابل ذکر وہ چوبی غسل خانے ہیں جو تمام گھاٹوں پر رکھے رہتے ہیں یہ اس جگہ ہندوؤں کے زمانہ میں بھی ہوا کرتے تھے جیسا کہ ترنگ ۸ شلوک ۷۰۶-۱۱۸۲ اور ۲۴۲۳ سے واضح ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں بھی دریا کے کنارہ پر سنان کوشٹ موجود ہوا کرتے تھے۔ کشمیندر نے بھی سمے ماترکا کے ادھیائے ۲ شلوک ۳۸ میں سنان کوشٹک کا لفظ استعمال کیا ہے اور اسکی موجودہ کشمیری صورت شران کٹھ ہے۔ ترنگ ۸ کے شلوک ۷۰۶ تا ۷۱۰ میں کلہن نے شہری زندگی کا جو پر مذاق خاکہ کھینچا ہے اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ آجکل کی طرح اس زمانہ میں بھی ان مقامات پر کاہل اور آوارہ لوگ جمع رہا کرتے تھے۔

شہر سرینگر کے مشرقی حصے اب ہم پھر دریا کے کنارہ کنارہ آگے بڑھتے ہیں تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم موجودہ زیارات بڈشاہ (زین العابدین) شاہ ہمدان وغیرہ کے قریب سے گذرتے ہیں۔ لیکن ہمارے پاس اس قسم کا کوئی مصالحہ موجود نہیں جس سے معلوم کر سکیں کہ وہ کون کون سے مندر ہیں ایک قدیم محل وقوع وہ ہے جہاں آجکل دوسرے پل کے نیچے گھاٹ سومیار واقع ہے لوٹ مکتا کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے کہ اس جگہ سوم تیرتھ جسکا ذکر راج ترنگنی میں آیا ہے واقع ہوا کرتا تھا اس جگہ کو تیرتھ جانکر اب بھی یاترا کی جاتی ہے اور دریا کے کنارہ پڑے ہوئے بعض قدیم لنگ دیکھے جاتے ہیں۔

سمدر امٹھ جس حصہ شہر میں سوم تیرتھ واقع ہے اس کا نام سدرمر مشہور ہے

اس نام کی ابتدا سمدرا مٹھ سے ہوئی ہے جسے ۱۰ دین صدی میں راجہ رام دیو کی رانی سمدرا نے بنوایا تھا۔ چونکہ بعد کی تاریخوں میں سمدرا مٹھ کا ذکر کئی موقعوں پہ آیا ہے مثلاً جونراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۱۱۱ میں سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۱۲۱-۱۶۹-۲۹۰ میں اور شک اور پرجابھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۵۰۴ و ۶۱۸ میں اس لئے اسکی شناخت یقینی طور پر ہو سکتی ہے۔

اگر مقامی روایات کو قابل اعتبار سمجھا جا سکے تو اس سے تھوڑا اوپر کیطرف دردہانیش کا قدیم مندر واقع تھا جسکا ذکر راجہ سندہی مت کے عہد حکومت میں آتا ہے پاس کے حصہ کے پروہت اس کا محل وقوع ملیار گھاٹ کے قریب بتاتے ہیں قبل ازیں اس عجیب طریقہ کا ذکر کیا جا چکا ہے جس کے ذریعہ دردہانیش کا ایک مفروضہ لنگ اب سے چند سال اس طرف ایک مسجد سے ملا تھا اور اس کے لئے جدید قائم کردہ مندر کا اہتمام تیار کیا گیا تھا۔

ماری سنگم۔ تستہ کل یا جہاسرت اور وتشٹہ کے مقام اتصال کا ذکر بھی قبل ازیں آچکا ہے یہ تیرتھ اب ماری سنگم کے نام سے مشہور ہے اس سے پرے مائسم کا عظیم جزیرہ واقع ہے جس کا قدیم نام مائشک سوامن تھا۔ اور جہاں اب زیادہ تر بوہرین لوگوں کے مکانات اور کمپ دیکھنے میں آتے ہیں۔ کلہن نے جس انداز سے اس کا حوالہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں بھی اس کا کچھ حصہ آباد تھا دیکھو نوٹ ع۲۲۳ کتاب ہذا۔ مذکورہ بالا مقام اتصال سے بڑھ کر جہاسرت کے دائیں کنارہ پر محلہ کھدبل آتا ہے جسکی نسبت قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ وہی مقام ہے جسکا نام راجہ پرورسین کے قصہ میں کشور یکابل آیا ہے

سیتو۔ یہاں سے وہ قدیم پشتہ یا سیتو شروع ہوتا ہے جسکا ذکر آخرالذکر کے ضمن میں آچکا ہے اس پشتہ کے شمال میں ایک وسیع دلدل واقع ہے جس کا نام براری

نمبل ہے اور جسمیں ڈل سے نکلنے والی بعض نہروں کا پانی آتا ہے یہ وہی مقام ہے
جس کا نام راج ترنگنی میں بھٹار ندولا آیا ہے اور جس میں ترنگ ۷ شلوک ۱۰۳۸
کے بموجب راجہ ہرش کے وزراءمیں سے ایک کو قتل کر کے ڈال دیا گیا تھا بغنی یہ ہے
کہ نمبل کا لفظ براہ راست سنسکرت لفظ ندولا سے نکلا ہے اور اس کے معنی ملدل کے
ہیں براری بھٹا رمینی دیوتا سے نکلا ہوا ہے ستیو کے مشرقی سرے پر جہاں وہ کوہ تخت
سلیمان کے چٹانی دامن سے ملتا ہے کم از کم ایک صدی سے ایک گذرگاہ ہے جس میں
سے ہو کر تسخہ کل جھیل میں سے بہ کر نکلتی ہے طغیانی کے ایام میں جب دریائے وتستا
کی آبی سطح ڈل سے اونچی ہو جاتی ہے تو اسے بند کر دیا جاتا ہے ممکن ہے یہ گذرگاہ بہت
قدیم اور اس پشتہ کے ساتھ ہی کی بنی ہوئی ہے اس سے پرے مگ جن کا مضافاتی
علاقہ واقع ہے راج ترنگنی کے ایک شارح نے لکھا ہے کہ اس کا قدیم نام درگا گلکا
تھا جہاں پر ترنگ ۲ کے شلوک ۴ کے بموجب اندھے راجہ یدہشٹر کو معزولی کے بعد
قید کر دیا گیا تھا۔

ستیو کو اس کے عظیم موڑ کے مقام پر چھوڑ کر اور شمال کیطرف اس نشیب زمین کی
طرف بڑھ کر جس کے گرد دلدلیں ہیں ہم حصہ نادلور میں پہنچتے ہیں اس جگہ ماریجہاست
کے اوپر سے ہو کر جویل جاتا ہے اس کا نام سرور نے اپنی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک
۱۲۲ و ۲۴۳ میں سرینگر کے ابعد کے محاصروں کے ذکر کے دوران میں نو لور ستیو لکھا
ہے جب اسے توڑ دیا جاتا تھا تو شہر کے جنوب مشرقی حصے زیادہ محفوظ ہو جایا کرتے
راجان وانگا۔ اب شمال کیطرف بڑھتے ہوئے ہم رانی دور کے عظیم مضافاتی
علاقہ میں پہنچتے ہیں اس میں سے وہ بہت سی نہریں گذرتی ہیں۔ جو جھیل ڈل کی
طرف سے آتی ہیں کلہن نے بارہا اس کا ذکر اس کے قدیم نام راجان وانگا سے
کیا ہے اس میں زیادہ تر برہمن لوگ آباد ہوا کرتے تھے اور جیسا کہ ترنگ ۸ کے

شلوک ۷۵۶ - ۷۶۸ - ۸۹۹ سے واضح ہوتا ہے ان لوگوں نے راجہ سسل کو اس کے ایام نحوست میں کچھ کم تکلیف پرایوپویش وغیرہ کے ذریعہ نہ دی تھی رانی دور میں آج تک نیی شہر کے برہمن بکثرت آباد ہیں اور اس جگہ شوق سے بستے ہیں

دریا کے بائیں کنارہ کے قدیم محلات وقوع۔ اب ہم قدیم شہر کے اس حصہ کا دورہ ختم کر چکے ہیں جو دریا کے دائیں کنارہ پر واقع تھا۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس چھوٹے اور بعد کے بنے ہوئے حصہ کی طرف رجوع کریں جو بائیں کنارہ پر واقع ہے ماری سنگم کے عین مقابل میں قصر شیر گڑھی یعنی موجودہ خاندان ڈوگرہ کے فرمانرواؤں کا جدید محل واقع ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پٹھان گورنروں نے پہلے پہل یہ جگہ اپنے مستحکم رہائشی مکانات کے لئے منتخب کی تھی۔

محل سے عین نیچے کیطرف کٹکل یا کشتیکا ندی دریا سے الگ ہو جاتی ہے قبل ازیں ہم اس بارہ میں بحث کر چکے ہیں کہ اس حصہ شہر کے لئے اس سے کہاں تک مطابقت حاصل ہو سکتی ہے محلہ کاٹھل جو کٹکل ندی اور دریا کے مابین واقع ہے زمانہ قدیم کا ہے۔ کلہن اور اور مصنفوں نے اس کا نام کاشٹھیل لکھا ہے دیکھو نوٹ ۳۰ کتاب ہذا۔ بلہن نے وکرمانک دیو چرت کے ادھیائے ۱۸ شلوک ۲۵ میں اس جگہ برہمنوں کی آبادی بکثرت ہونا لکھا ہے۔

قصر شاہی کا محل وقوع۔ اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ محلہ کاٹھل کے شمالی سرے پر اور موجودہ دوسرے پل کے قریب بعد کے ہندو راجاؤں کا محل واقع ہوا کرتا تھا اس کے محل وقوع کا ذکر راج ترنگنی کے ایک دلچسپ شلوک میں آیا ہے جس میں مذکور ہے کہ راجہ اننت نے جو ۱۰۲۸ء سے ۱۰۶۳ء تک حکمران رہا تھا سابق راجاؤں کا محل چھوڑ کر سداشو کے مندر کے قریب رہائش اختیار کی تھی۔ مقابلہ کے لئے دیکھو ترنگ ۷ شلوک ۱۸۶ - ۱۸۷ اور مفصل کیفیت کے لئے نوٹ ۵۰ کتاب ہذا

نئے مقام پر بعد کے راجہ ایک مدت مدید حتےٰ کہ کلہن کے زمانہ کے بعد تک رہتے رہے
چونکہ شلوک مذکور میں سداشو کے مندر کے قریب اور کشٹینکا ندی کے قصر شاہی کے
قریب ہونے کا اکثر ذکر آیا ہے اس سے ہم اس کے محل وقوع کا خاص صحت کے ساتھ
اندازہ کر سکتے ہیں۔ نوٹ مذکورہ بالا میں اسبات کا ذکر کیا گیا ہے کہ سداشو کا مندر
سمدر امٹھ کے مقابل میں واقع ہوا کرتا تھا مخفی نہ رہے کہ سمدر امٹھ کا محل وقوع
دوسرے پل کے نیچے دریا کے دائیں کنارہ پر ہوا کرتا تھا۔ ٹھیک اس مقام پر
دریا کے گھاٹ پرشیار کے قریب اب ایک قدیم لنگ موجود ہے جسکا نام مقامی پروہتوں
نے روائتی طور پر سداشو رکھا ہوا ہے

پس وہ محل (راجدہانی) جو راج ترنگنی کی آخری دو ترنگوں کے متعدد سوانح
کا شاہد بنا۔ انہی نواحات میں کسی جگہ واقع ہوا کرتا تھا اسکی عظیم الشان وسعت کا
کا ذکر بلہن نے بھی کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ کم از کم لکڑی
کا بنا ہوا تھا اور اس اعتبار سے وہ اس بعد کے محل سے مشابہ تھا جسکا ذکر مرزا
حیدر نے تاریخ رشیدی کے صفحہ ۴۲۹ پر کیا ہے "سلطان زین العابدین نے خود
شہر میں ایک قصر بنوایا تھا جسے کشمیریوں کی زبان میں راجدان (سنسکرت راجدہانی)
کہتے ہیں اسکی ۱۲ منزلیں ہیں جنمیں سے بعض میں ۵۰ کمرے۔ ہال اور گیلریاں ہیں
یہ بلند عمارت ساری کی ساری لکڑی کی بنی ہوئی ہے" محل کے اس طرح پر بنے
ہوئے ہونے سے اس امر کی تشریح ہوتی ہے کہ ترنگ ۸ شلوک ۱۰۰۵ اور ۱۰۳۰
کے بموجب اوچل نے راجہ ہرش پر آخری حملہ کر کے کیونکر اسے اس سرعت سے
جلا ڈالا تھا۔ علاوہ بریں یہی وجہ ہے کہ اس عمارت کے کوئی خاص آثار باقی
نہیں ہیں جنہیں ہم شاہی رہائش گاہ کے کھنڈرات سے منسوب کر سکیں۔

محل کے قریب کے باغات۔ مذکورہ بالا موقعہ کا ذکر کرتا ہوا کلہن اس

محل کے متعلق بعض اور باتوں کا ذکر بھی کر گذرتا ہے ترنگ ۷ کے شلوک ۱۵۲۸ سے
معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قریب ایک باغ تھا جس میں ہرش اور اس کا بد نصیب بیٹا
بھوج باغیوں کے آخری حملہ سے پیشتر آرام کرتے تھے۔ محل کے قریب کے باغات کا ذکر
ایک دو جگہ اور بھی آتا ہے۔ ہرش نے ان کے درخت اس وجہ سے کٹوا دیئے تھے کہ انکی وجہ
سے منظر میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی (دیکھو ترنگ ۷، شلوک ۱۲۲۳) اور ترنگ ۸ شلوک ۱۰۵۶
سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک موقعہ پر ڈامروں نے انہی باغات سے ایندھن جمع کر کے اپنے
کیمپ میں آگ جلائی تھی اس وقت بھی کشتپکا ندی کے پار اس جگہ کے قریب جہاں کسی زمانہ
میں محل شاہی واقع ہوا کرتا تھا بعض پرانے خشک باغ موجود ہیں محل کے مقابل میں
ایک کشتیوں کا پل تھا جسکا ذکر قبل ازیں آچکا ہے۔ اسے راجہ نے خود بنوایا تھا اور پھر
پر اس نے اپنی طاقت برقرار رکھنے کے لئے آخری جدوجہد کی تھی (دیکھو ترنگ ۷ شلوک
۱۵۳۹-۱۵۴۹)

پرانا محل۔ یہ بات پوری صحت کے ساتھ بیان نہیں کیجا سکتی کہ وہ قدیم محل جو راجہ اننت
نے چھوڑا تھا کس جگہ واقع ہوا کرتا تھا تاہم یہ امر اغلب ہے کہ اس کا محل وقوع دریا
کے دائیں کنارہ پر پورانے پور کے پرانے حصہ میں ہوا کرتا تھا۔ کلہن نے پران راجدہانی
کے نام سے اس کا ذکر دو بار ترنگ ۸ کے شلوک ۷۳۸، ۲۸۱ میں کیا ہے لیکن کوئی
مفصل حال نہیں لکھا۔ کلہن کے اپنے زمانہ میں اسکی ویران جگہ پر ایک مٹھ بنگیا تھا
ہر چند کہ دریا کے بائیں کنارہ کے پشتوں اور زیارتوں کی دیواروں کو دیکھا جائے
تو قدیم عمارات کے بہت سے آثار نظر آتے ہیں تاہم خاص محل وقوع کا پتہ لگانے کا
ہمارے پاس کوئی ذریعہ موجود نہیں اغلب معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے اس حصہ کے مغربی
سرے پر کشیم گوریشور کا مندر واقع تھا۔ جسے رانی دودا کے شوہر کشیم گپت نے
بنوایا تھا۔ کلہن نے ذکر کیا کہ دیدا نے ... کے ادھیائے ۱۰۱ شلوک ... میں سرینگر کا

حال لکھتے ہوئے اسے ایک شان دار عمارت لکھا ہے جس کے منڈپ وتشٹہ کے سنگم تک پہلے ہوئے بڑھتے کبھی دوسری جگہ یہ بات ظاہر کیجاچکی ہے کہ اس جگہ جس سنگم سے مراد ہے وہ وتشٹہ اور وگدہ سارہو رحتیس کل ہ کے مقام اتصال سے ہے جو محلہ دوامٹھ کے مقابل میں واقع تھا۔ دیکھو نوٹ ۲۴۲ کتاب ہذا۔

۵- مضافات سرینگر

قدیم سرینگر کے حالات قلم بند کر چکنے کے بعد اب ہم اس کے مضافات کے قدیم مقامات کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ تقریب قریب سارے ہی وتشٹہ کے شمال میں اس پرگنہ کے اندر واقع ہیں جسکا نام اب پھاگھ مشہور ہے اور جس کے لئے سرلوپر نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۳۰۶ میں پھاکھوا کا لفظ لکھا ہے لوک پرکاش میں اسکا نام پھاگوآ آیا ہے بجائیکہ اینشالیہ یا ایشبر اور سرشوری کے جدید مہاتموں میں اس کے لئے پھالک نام آیا ہے اس میں وہ علاقہ شامل ہے جو جھیل انچار کے مشرقی کنارے۔ وادی سندھ کے سلسلہ کوہ اور ان پہاڑیوں کے مابین واقع ہے جو ڈل کو مشرق اور جنوب کیطرف سے گھیرے ہوئے ہیں چونکہ جھیل کے پار جانا سہل تھا اور اس کے کنارے ایک دلفریب منظر پیش کرتے تھے اس لئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دارالسلطنت کے باشندے ہمیشہ اس جگہ جانا پسند کرتے تھے اسکی تصدیق اسبات سے ہوتی ہے کہ جھیل کے گرد بہت سے قدیم مقامات واقع ہیں۔

گوپادری یا گوپ پہاڑی۔ شہر کے عین قریب اس کے منتہائے جنوب سے چلکر ہم پہلے اس پہاڑی کے قریب پہنچتے ہیں جسکا عام نام تخت سلیمان مشہور ہے اسکی نمایاں مینار کی سی صورت اور وہ قدیم مندر جو اسکی چوٹی پر واقع ہے یہ

دونوں باتیں اسے سرنگر کے منظر میں ایک قابل ذکر مقام بناتی ہیں
اس پہاڑی کا موجودہ نام "تخت سلیمان" بلاشبہ مسلمانوں کے وقت کا ہے۔ چنانچہ اسی
قسم کے نام بلاد اسلامیہ میں بکثرت دیکھے جاتے ہیں مثلاً درہ گومل کے جنوب میں
سلیمان کوہ کی چوٹی موجود ہے پروفیسر بوہلر نے جو اپنی رپورٹ کے صفحہ ۷ پر اس نام
کو سندھی مت کے لفظ سے منسوب کیا ہے اس کے بارہ میں سٹائین صاحب کی رائے
ہے کہ اس کے متعلق جدید ترین مہاتموں میں بھی کسی قسم کی شہادت موجود نہیں اور
اس بات کو یونہی سرنگر کے باچ بٹوں نے مشہور کر رکھا ہے اس بات کا ثبوت کہ اس
پہاڑی کا قدیم نام گوپادری تھا۔ کلہن کی راج ترنگنی کے ایک دلچسپ شلوک سے ملتا
ہے چنانچہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۱۰۴ تا ۱۱۱۰ میں مذکور ہے کہ جب بھکشاچر کی فوجوں
کو جو جنوب مشرق کیطرف سے دہاسرت ندی کو عبور کر کے شہر میں داخل ہونا چاہتی
تھیں۔ پسپا کر دیا گیا تو وہ گوپ پہاڑی یا گوپادری میں پناہ گزین ہوئیں اس جگہ
یہ بات قابل ذکر ہے کہ بوہلر صاحب کی رپورٹ کے صفحہ ۷ سے واضح ہوتا ہے کہ پنڈت
گوبند کول کو اس بات کا خیال پیدا ہو چکا تھا کہ تخت سلیمان کا قدیم نام گوپادری
ہوا کرتا تھا مگر اسے اس بارہ میں کوئی فیصلہ کن شہادت یاد نہ تھی۔ غرض بھکشاچر
کی فوجیں اس جگہ اس وقت تک شاہی فوج سے محفوظ رہیں جتنے کہ بھکشاچر نے
انہیں مشرق کیطرف والی بلند پہاڑوں پاس نشیب راستے سے گذارا جو ان
پہاڑوں کو تخت سلیمان سے ملاتا ہے۔

گوپادری کا مندر۔ ترنگ ۱ کے شلوک ۳۴۱ میں مذکور ہے کہ راجہ گوپادتیہ نے
گوپادری پر شو جیشٹھیشور کا مندر بنوایا تھا یہ قرار دینا کسی قدر مشکل نظر آتا ہے
کہ موجودہ مندر جو پہاڑی کی چوٹی پر ایک نمایاں مقامیت رکھتا ہے وہی ہے جسے
راجہ گوپادتیہ نے بنوایا تھا اس میں شک نہیں کہ جرنیل کننگھم نے اپنے جغرافیہ

قدیم میں صفحہ ۹۵ پر ایک روایت کی بنا پر تجویز کیا ہے کہ یہ وہی مندر ہے جسکا ذکر ترنگ ا کے شلوک ۱۲۴ میں ان معنوں میں آتا ہے کہ راجہ اشوک کے بیٹے جلوک نے اسے قدیم سرینگری میں جیشٹ رودر کے نام سے بنوایا تھا لیکن پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۷۱ پر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ سرینگر کے برہمنوں میں اس مندر کے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔

بہر نوع اسمیں کلام نہیں کہ موجودہ مندر کی ساخت بہت مابعد کے زمانہ کی ہے چنانچہ جنرل کننگھم اور میجر کول نے جو یہ فرض کیا تھا کہ یہ مندر عمارات کشمیر میں قدیم ترین ہے اس کے جواب میں فرگوسن صاحب نے اپنی کتاب ہسٹری آف انڈین آرکیٹیکچر کے صفحہ ۲۸۲ پر ان خیالات کی تردید کی ہے تاہم وہ بھاری اور بلند چبوترہ جس پر مندر بنا ہوا ہے اور اسکی عمارت کے بعض حصے بلاشبہ بہت قدیم زمانہ کے ہیں ممکن ہے ان حصوں سے ایک اس قسم کی عمارت بنی ہوئی ہو جسے کلہن کے زمانہ میں صحیح یا غلط طور پر راجہ گوپادتیہ کا بنایا ہوا جیشٹھیشور کا مندر سمجھا جاتا ہو۔ بہر صورت پہاڑی پر اور کوئی قدیم کھنڈر موجود نہیں ہیں جیسا کہ آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۸۳ سے واضح ہوتا ہے اس پہاڑی کی ساخت بھی اس قسم کی ہے کہ سوائے چوٹی کے اس کے اور کسی حصہ پر کسی بھی حجم کا مندر بننا محال ہے یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ابوالفضل کے وقت میں روایتی طور پر اُس مندر کو جو اب سلیمان پہاڑی پر واقع ہے" گوپادتیہ کے زمانہ سے منسوب کیا جاتا تھا۔

جیشٹھیشور کا تیرتھ۔ نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ ترنگ ا شلوک ۱۲۴ میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ ایک قدیم روایت جو کم از کم ۱۰ ویں صدی سے چلی آتی ہے تخت پہاڑی کو شو جیشٹ رودر یا جیشٹھیشور (جیشٹھیش) کی پرستش

سے منسوب کرتی ہے مقابلہ کے لئے دیکھو شلوک اور پر چابھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۵۹۲-۵۳-۸۵ و ۸۰۶ فی الحقیقت آجکل بھی جیٹھیر کے تیرتھ پر جو پہاڑی کے مشرقی دامن سے ایک میل سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے ایک لنگ کی پرستش کیجاتی ہے یہ تیرتھ جسکا نام بلاشبہ جیشٹھیشور سے نکلا ہے جھیل ڈل کے حصہ گگری بل کے مشرقی کنارہ سے تھوڑے فاصلہ پر پہاڑی کے پہلو میں ایک گھاٹی میں واقع ہے اس کے مقدس چشمہ پر جسکا نام نسبتاً جدید مہاتم میں جیشٹ ناگ آیا ہے۔ سرینگر کے برہمن یاترا کرنے جاتے ہیں جیٹھیر کے نواحات میں بہت سے بڑے بڑے لنگوں کے ٹکڑے موجود ہیں اور جب ان کے علاوہ ان بعض قدیم آثار پر بھی توجہ دیجائے جنسے اب جیٹھیر اور گپکار میں زیارتیں بنگئی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام زمانہ قدیم سے مقدس چلا آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جیشٹھ رودر کا قدیم مندر جسکی نسبت مذکور ہے کہ جلوک نے اسے سرینگری میں بنوایا تھا وہ یہیں کہیں واقع ہوگا لیکن چونکہ آثار قدیمہ کی کوئی براہ راست شہادت اس بارہ میں موجود نہیں اس لئے اس کے صحیح محل وقوع کا پتہ نہیں چلایا جا سکتا۔

گوپ اگرہار۔ کلہن نے اسی شلوک میں جسمیں کہ اس نے گوپ پہاڑی پر راجہ گوپادتیہ کے مندر کے قیام کا ذکر کیا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ اس راجہ نے آریہ دیش کے برہمن آبادکاروں کو گوپ اگرہار دئے تھے (دیکھو ترنگ اشلوک ۱۔۳۴۱) اگرہار کے بارہ میں دیکھو نوٹ ۲۶ کتاب ہذا۔ اس جگہ دو مقامی ناموں کے مجموعہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ گپکار کی زرخیز زمینوں سے مراد لی گئی ہے جو تخت پہاڑی کے شمالی دامن اور جھیل ڈل کے مابین واقع ہیں۔ ممکن ہے کہ گپکار کا لفظ گوپ اگرہار ہی کے بگڑنے سے بنگیا ہو۔ اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ گوپ اگرہار سے گپ گرار اس سے گپ گار اور گپ گار سے گپکار بنگیا ہوگا

بھوکشیروا ٹلکا۔ ہمارے اس خیال کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ کلہن نے اگلے ہی شلوک میں موضع بھوکشیروا ٹلکا کا ذکر کیا ہے ایک پرانے ٹیکا کار نے اس مقام کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ موضع بوچی وور کا قدیم نام ہے جو تخت پہاڑی کے شمال مغربی چٹانی دامن میں ایک تنگ قطعہ زمین پر واقع ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں کا جدید نام کلہن کے دئے ہوئے نام سے نکالا گیا ہے گوپادتیہ کی نسبت مذکور ہے کہ اس نے ان برہمنوں کو جنہوں نے لہسن کھا کر اسے ناراض کر دیا تھا اس تنگ اور علیحدہ مقام پر آباد کر دیا تھا۔

کلہن نے چونکہ ترنگ اشلوک ۱۴۱ ۳ میں گوپادری گوپ اگرہار اور بھوکشیروا ٹلکا کا مشترکہ طور پر ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اس جگہ ان مقامی روایات کو ظاہر کیا ہے جنہیں اس نے پہاڑی کے قریب محلات وقوع سے جمع کیا ہوگا بحالت موجودہ اس بات کا کوئی قطعی فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ ان مقامات کا جو تعلق راجہ گوپادتیہ کے عہد سے ہے اس کی بنا تاریخی واقعات پر ہے یا پہلے دو لفظوں میں گوپ کا لفظ موجود ہونے کے باعث یہ تعلق صرف علم الستہ تک ہی محدود ہے۔

ٹھیڈا۔ اب ہم جھیل ڈل کے مشرقی کنارہ پر چلتے ہوئے گپکار سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر موضع ٹھیڈ میں پہنچتے ہیں جو تاکستانوں اور باغوں کے درمیان ایک خوشنما ٹپا سا گاؤں ہے یہ وہی جگہ ہے جسکا نام راج ترنگنی میں ٹھیڈا آیا ہے اور جس کی نسبت ترنگ ۲ شلوک ۱۳۵ میں مذکور ہے کہ مہاراجہ سندھی مت الملقب بہ آریہ راج نے اسجگہ مٹھ۔ دیوتائی مورتیں اور لنگ استھاپن کئے تھے ابوالفضل آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۱ پر ٹھیڈ کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ ایک خوشنما مقام ہے جہاں سات چشمے ملتے ہیں جنکے گرد زمانہ قدیم کی یادگار کے طور پر سنگین عمارات موجود ہیں۔
ابوالفضل نے جن آثار کا ذکر کیا ہے وہ تو اب کہیں نہیں ملتے البتہ سات چشمے

(چیت پشکرنی) جنکا ذکر ہر چیت چنتامنی کے ادہیائے ۸ شلوک ۸۸ میں بھی آیا ہے آجتک دکھلائے جاتے ہیں۔

گاؤں کا وہ مجموعہ جو ٹھیڈ سے ½ ۱ میل پرے واقع ہے اور جنکا مشترکہ نام برار ہے انکی نسبت یہ قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے کہ راج ترنگنی میں انہی کا نام بھیما دیوی آیا ہے جسکا ذکر کلہن نے ٹھیڈا کے ساتھ ہی کیا ہے نیل مت پران میں بھیما دیوی کے مقدس مقام اور سریشوری تیرتھ کا جہاں ابھی ہمیں جانا ہے یکجا طور پر ذکر آتا ہے اور ہر چیت چنتامنی میں اس کا ذکر ٹھیڈا کے سات چشموں کے ساتھ آیا ہے۔ بھیما دیوی کے تیرتھ کا اب کسی کو پتہ نہیں البتہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ رام پور کے قریب اس خوشنما چشمہ کے پاس واقعہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں اب مسلمانوں کا ایک معبد قائم ہے۔

سریشوری تیرتھ۔ اس سے زیادہ مشہور اور اہم مقدس مقام موجودہ موضع اشبر کا ہے جو جھیل ڈل کے کنارہ شمال کیطرف ۲ میل کے فاصلہ پر اور عہد مغلیہ کے نشاط باغ سے تھوڑا پرے واقع ہے زمانہ قدیم میں اس جگہ کا نام سریشوری کشیتر مشہور تھا دیکھو نوٹ ۳۲۷ کتاب ہذا یہ درگا سریشوری کا مقدس مقام تھا جس کی پرستش آجتک موضع اشبر کے مشرق کیطرف سلسلہ کوہ کے ایک بلند کرارہ پر ہوتی ہے اس دیوی کا استھان گاؤں سے کوئی ۳۰۰۰ فٹ کی اونچائی پر ایک بکھڑی چٹان کے اوپر واقع ہے جہاں کسی عمارت کے لئے گنجائش نہیں یہی باعث ہے کہ اس دیوی کے اعزاز میں جسقدر مندر بنائے گئے وہ سب نچلی جھیل کے ڈھلان کناروں پر ہی بنائے گئے ہیں۔ کلہن کی راج ترنگنی اور کتب متعلقہ کشمیر میں سریشوری تیرتھ کو ایک غیر معمولی طور پر مقدس مقام قرار دیا گیا ہے عابد لوگوں کی ہمیشہ یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ وہ اسی جگہ اپنے پران تیاگیں۔ سریشوری تیرتھ کے

ضمن میں ایشبر اور اس کے لواحات کے بعض مقدس چشموں کی یاترا بھی کیجاتی تھی
ان میں سے ایک ست دہاما نامی کا ذکر کشمیندر نے اپنی کتاب سمے ماتر کا کے ادھیائے
۲ شلوک ۲۹ میں کیا ہے۔ یہ سرسیشوری کی چٹان سے ۱۵۰۰ فٹ نیچے ایک تنگ کھڈ
میں واقع ہے۔

ایشیشور کا مندر۔ ایشبر کا موجودہ نام ایشیشور کے مندر کے نام پر پڑا ہوا ہے جسے
ترنگ ۲ شلوک ۱۳۴ کے بموجب راجہ سندہی مت آریہ راج نے اپنے گورو ایشان
کے اعزاز میں تیار کرایا تھا۔ اس نام کی ایک ابتدائی صورت ایش برور ہوا کرتی
تھی۔ جس کا ذکر راج ترنگنی کے ایک ٹیکہ کار نے کیا ہے اور جسے ابوالفضل نے بھی
سنا تھا اس نام میں ایشبر اور ایشیشور دونوں کا تلفظ آجاتا ہے درحقیقت بر کشمیری
لفظ برور کا مخفف ہے جو سنسکرت لفظ بھٹارک سے نکلا ہے کشمیر کے مقامی ناموں
میں برور کا لفظ اپنے مترادف لفظ ایشور کے لئے بسا اوقات استعمال ہوتا ہے مثلاً
سنسکرت لفظ وجیشور کشمیری زبان میں وجبرور لکھا جاتا ہے ایشبر میں اب بھی
بہت لوگ یاترا کرنے جاتے ہیں۔ اس میں خاص ذکر کے قابل گنپت گنگا کا مقدس
چشمہ ہے۔ جو گاؤں کے مرکز میں ایک قدیم پتھر کے تالاب کے اندر واقع ہے اس تیرتھ
میں جہاں یاتری آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔ یوم بیساکھی کو اچھا خاصہ مجمع ہوتا
ہے اور اس کے باعث سرشیوری کے کوہی تیرتھ کی اہمیت بہت کچھ زائل ہو چکی
ہے تالاب کے عین پیچھے کیطرف ایک خستہ حال ٹیلہ ہے جسکی نسبت خیال کیاجاتا
ہے کہ ایشیشور کا مندر اس جگہ واقع ہوا کرتا تھا۔ قدیم عمارات کے بہت سے آثار
مقدس چشموں کے گرد اور گاؤں کے دوسرے حصوں میں پائے جاتے ہیں معلوم
ہوتا ہے کہ وہ ان مختلف مندروں سے متعلق ہیں جن کی نسبت کلہن نے ترنگ
۵ کے شلوک ۳۷-۴۰ اور ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۶۵ میں لکھا ہے۔ کہ سرشیوری

کے مقام پر بنائے گئے تھے۔

شدرہڈون۔ جس پہاڑی پر سریشوری کی پرستش ہوتی ہے اس کے دامن کے گرد گھوم کر ہم موضع ہاروں میں پہنچتے ہیں جسکی نسبت راج ترنگنی کے ایک ٹیکہ کار نے لکھا ہے کہ اس کا قدیم نام شدرہڈون (چھ ارہت کا جنگل) ہوا کرتا تھا۔ ترنگ ا کے شلوک ۱۷۳ میں کلہن نے لکھا ہے کہ اس جگہ نامور بودہ گورو ناگ ارجن رہا کرتا تھا۔ یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ شدرہڈون کے نام سے ہاروں کا موجودہ نام اخذ کیا گیا ہو لیکن چونکہ اندرونی شہادت موجود نہیں اس لیئے اس شناخت کو چنداں قابل یقین نہیں تسلیم کیا جا سکتا گاؤں کے جنوب کیطرف پہاڑی پر قدیم زیبائشی اینٹوں کے فرش کے آثار اس موقعہ پر دیکھے گئے تھے۔ جب سرینگر میں آبرسانی کا انتظام کرتے وقت مختلف مقامات پکھدائی ہو رہی تھی۔

تر پریشور کا تیرتھ۔ جو ندی جھیل مارسر سے نکل کر آتی ہے اسکی وادی میں آگے بڑھتے ہوئے ہم ڈل سے کوئی ۳ میل کے فاصلہ پر موضع ترپھر میں پہنچتے ہیں نوٹ ۲۵۲ کتاب ہذا میں جو شہادت پیش کی گئی ہے اس سے یہ امر بالکل یقینی ہو جاتا ہے کہ اسی کا قدیم نام تر پریشور ہوا کرتا تھا۔ نہ صرف کلہن نے اسے ایک قابل ذکر مقدس مقام بیان کیا ہے بلکہ نیل مت پران اور بعض قدیم مہاتموں میں بھی اس کے متعلق یہی ذکر آیا ہے لیکن اب ایک مدت سے وہ جداگانہ تیرتھ نہیں رہا۔ ترپھر کے قریب ایک چھوٹی سی ندی ترپور گنگا کے نام سے بہتی ہے جہاں مہادیو یاترا کے موقعہ پر اب بھی لوگ جاتے ہیں۔

کشمیندر نے اپنی کتاب دش اوتار چرت کے آخر میں جو عبارت ختم کی ہے اس میں تر پریش سے اوپر کی طرف والی پہاڑی کے بارہ میں لکھا ہے کہ میں اسجگہ آرام ورا اپنی کتاب تیار کیا کرتا تھا۔ سریور کی راج ترنگنی ترنگ ا شلوک ۴۰۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان زین العابدین کے وقت میں اکثر گداگر تر پریشور کے تیرتھ پر جمع رہا کرتے

تھے تر پرشید میں بھی جیشٹھیشور کا مندر واقع تھا۔ اور جیسا کہ نوٹ ۲۰۵ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے راجہ اونتی ورمن تے جب اپنا انجام قریب دیکھا تو وہ یہیں چلا گیا تھا۔

کوہ مہادیو۔ جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۲۲ سے واضح ہوتا ہے اس سارے پہاڑ کا نام جو تر پھر کے جنوب میں اور جھیل ڈل کے کنارہ کنارہ پھیلا ہوا ہے سریدوار ہوا کرتا تھا۔ وادی کی سمت مخالف میں مہادیو کی بلند چوٹی ۱۳۰۰۰ فٹ کی بلندی تک اٹھتی ہے بنیل مت نیلان سروادتار اور کتابوں میں اس کے جو حوالے پائے جاتے ہیں ان سب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آجکل کی طرح زمانہ قدیم میں بھی یہ ایک ایسا تیرتھ تھا جہاں لوگ بہت جایا آیا کرتے تھے۔

اب ہم پھر وادی سے اتر کر جھیل ڈل کے شمالی کنارہ کی طرف جاتے ہیں راستہ میں ہم تستس کے موضع ہاروں کے پاس سے گذر کر جاتے ہیں جہاں زمانہ حال کے یاتریوں نے اپنی سہولیت کی غرض سے قدیم شاردا دیوی کے تیرتھ کا قائم مقام قائم کر رکھا ہے شالامار کے مشہور باغ کو ایک طرف چھوڑ کر جسکا ذکر قدیم کتابوں میں کہیں نہیں آتا ہم جھیل ڈل کے ایک لمبی قطعہ کے قریب پہنچتے ہیں جسکا نام تیلبل مشہور ہے شالامار باغ کی نسبت سب سے پہلا حوالہ جسکا سراغ سٹائین صاحب لگا سکے ہیں ابو الفضل کی آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۶۱ پر ملتا ہے جہاں شالامار کے آبشاروں کا ذکر کیا گیا ہے ہمارے لئے اس بات کی توقع کرنا کچھ بیجا نہ ہوگا۔ کہ جو نراج اور سریور نے جھیل ڈل کے جو مفصل حالات قلم بند کئے ہیں ان میں وہ اس کا بھی اس صورت میں ضرور ذکر کر گذرتے اگر اس زمانہ میں اسے کوئی خاص اہمیت حاصل ہوتی۔ جو ندی اس کے اندر سے ہو کر بہتی اور مار سر سے آنیوالے دریا کی شاخ بنتی ہے اس کا قدیم نام تل پر سھا ہوا کرتا تھا دیکھو نوٹ ۲۵۳ کتاب ہذا سریور کی راج ترنگنی ترنگ اشلوک ہرنیہ پور۔ جو راستہ ہمیں تیلبل سے وادی سندھ کے دہانہ تک لے جاتا ہے۔

وہی ہے۔ جسے نوٹ ۱۵۰ کتاب ہذا کے بموجب بھکشاچر اور اس کے باغی معاونوں نے اس وقت اختیار کیا تھا جب وہ سرشوری کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جس تنگ پشتہ پر ان کا شاہی فوجوں سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے آخرالذکر کو شکست دی تھی وہ تیل کے دلدلوں کے پار جاتا ہے۔

اس ٹیلہ کے جنوبی دامن میں جو وادی سندھ کے دہانہ کیطرف جاتا ہے موضع رنیل واقع ہے جسکا قدیم نام نوٹ ۹۳ کتاب ہذا کے بموجب ہرنیہ پور ہوا کرتا تھا۔ کلہن نے لکھا ہے کہ اس مقام کی بنیاد ہرنیاکش نے ڈالی تھی چونکہ یہ اس شاہراہ پر واقع ہے جو وادی سندھ سے سرینگر کی طرف جاتا ہے اس لئے اس کا ذکر ان فوجی مہمات میں بکثرت آتا ہے جو اس طرف سے دارالسلطنت پر اختیار کی گئی تھیں جب فاتح اوچل سرینگر کیطرف کوچ کر رہا تھا۔ تو اس نے راستہ میں ابھیشیک کی رسم ہرنیہ پور کے برہمنوں سے ادا کروائی تھی۔ معلوم ہوتا ہے اس مقام کو کسی زمانہ میں خاص اہمیت حاصل ہوتی تھی کیونکہ کتھا سرت ساگر کے ادہیائے ۶۵ شلوک ۲۱۵ میں اس کا ذکر صدر مقام کشمیر کی حیثیت سے آیا ہے اس کے کسی قدر جنوب کی طرف ایک چشمہ ہے جہاں سے ہو کر ہرمکٹ گنگا کے یاتری گذرتے ہیں اور جسکا نام مہاتموں میں نیاکش ناگ آیا ہے۔

جتنک پور۔ رنیل کے قریب ہو کر بہت سے آبی راستے گذرتے ہیں جو دریائے سندھ کے پانی کو ان گاؤں کیطرف لیجاتے ہیں جو کہ جھیل انچار اور ڈل کے مابین واقع ہیں۔ ان میں سے ایک نہر موضع زکور کے پاس سے ہو کر گذرتی ہے۔ جرنیل کننگھم نے ایک روایت کا ذکر کیا ہے جسکی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قدیم نام جیتا پور ہوا کرتا تھا۔ (دیکھو جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۰۱) کلہن نے ترنگ ا کے شلوک ۱۶۸ میں بیان کیا ہے اس مقام کی بنا بمقام ترشک (کشن) راجہ جتنک نے ڈالی تھی اور اسی نے

وہاں ایک وہار بنوایا تھا اس گاؤں میں مسلمانوں کے جو معبد اور مقابر موجود ہیں ان میں قدیم عمارات کے بہت سے آثار استعمال شدہ ہیں۔

امرلشور۔ جنک پور کے مغرب کیطرف جھیل انچار کے کنارہ پر موضع امبر وہیر واقع ہے یہ وہی جگہ ہے جسکا قدیم نام امرلشور راج ترنگنی کے اندر اکثر مقامات پر سرینگر کے شمال میں فوجی کارروائیوں کے متعلق آیا ہے دیکھو نوٹ ۹۷ کتاب ہذا۔ اسکی وجہ بدیہی طور پر یہ نظر آتی ہے کہ اب کی طرح اس زمانہ میں بھی یہ جگہ اس شاہراہ پر واقعہ ہوا کرتی تھی۔ جو کہ وادی سندھ کو دارالسلطنت سے ملاتا تھا۔ اس کا یہ نام شو امرلشور کے اس مندر کے نام پر پڑا تھا۔ جو راجہ اننت کی رانی سوریہ متی نے بنوایا تھا اور جس کے ساتھ ایک مٹھ اور متعدد اگرہار وقف کیے تھے ۱۸۹۵ء میں زیارت فرخ زاد صاحب کے اندر اور اس کے گرد پرانی سلوں اور کندہ کیے ہوئے پتھروں کے جو ٹکڑے سٹائین صاحب کو دستیاب ہوئے تھے انکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ شاید اسی مندر سے متعلق ہوں۔

سرینگر کیطرف جو سڑک جاتی ہے اس پر دو میل اور آگے کی طرف چلکر ہم موضع وچار ناگ کے قریب پہنچتے ہیں جو اخروٹ کے درختوں میں بڑے خوشنما مقام پر واقعہ ہے اس گاؤں کے قریب ایک خوشنما ناگ ہے جہاں لوگ ماہ چیت میں یاترا کرنے جاتے ہیں۔ اسے ایلا پتر ناگ کی ایک علامت سمجھا جاتا ہے جسکا ذکر نیل مت پران میں آیا ہے اس کا قدیم نام ملکتا مولک ناگ معلوم ہوتا ہے۔ جسے سریور نے بھی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۶۵ میں اس مقام کے لئے استعمال کیا ہے اور جو تیرتھ سنگرہ میں بھی آیا ہے اس گاؤں کے مغرب کیطرف جھیل انچار کی ایک خلیج کے قریب تین قدیم مندروں کے کھنڈرات ہیں۔ جنکی بجائے اب زیارات اور مقابر قائم ہو گئے ہیں مقابلہ کے لئے دیکھو کول صاحب کی کتاب قدیم عمارات کشمیر صفحہ ۳۱۔

امرت بھون۔ دچار ناگ کے مشرق کیطرف کوئی پاؤ میل کے فاصلہ پر اور لچھم کل (لکشمی کلیہ) نامی پرانی نہر کے دوسری جانب انت بون کا گاؤں واقع ہے سٹائین صاحب نے سفرنامہ اوکانگ پر جو نوٹ لکھے ہیں۔ ان کے صفحہ ۹ پر یہ بات ثابت کی ہے کہ انت بون کا نام امرت بھون کے قدیم وہار کے نام سے نکلا ہے جسکی نسبت ترنگ ۳ شلوک ۹ میں مذکور ہے کہ راجہ میگھہ واہن کی ایک رانی امرت پربھا نے اسے بنوایا تھا۔ اوکانگ نے اس وہار کا نام۔ نگو۔ می۔ تو۔ پو۔ وان لکھا ہے جس سے لفظ کی پراکرت صورت امرت بھون یا امت بھون نکلتی ہے وہ قدیم ٹیلہ جو نہر اور گاؤں کے درمیان واقع ہے اور جس کے گرد ایک چوکور احاطہ کے آثار باقی ہیں ممکن ہے وہ اس وہار کا پسماندہ نشان ہو۔

سودر تیرتھ۔ انت بون سے ایک میل کے قریب مشرق کیطرف جائیں تو ہم موضع سدر بل میں جا پہنچتے ہیں جو جھیل ڈل کی ایک گہری خلیج کے کنارہ جسکا نام سدرکھن ہے واقع ہے اس گاؤں اور جھیل کے اس حصہ کے نام سے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ سودر کا مقدس چشمہ یہیں واقعہ ہو دیکھو نوٹ ص۵ کتاب ہذا۔ درحقیقت سدربل میں جو کشمیری جزو بل آیا ہے اس کے معنی محض "جگہ" کے ہیں کلہن نے جو قدیم روایت ایک موقعہ پر بیان کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چشمہ سودر ناگ کا ادتا ہے جسکی پوجا ابتدا میں کوہ ہرمکٹ کے نیچے بھوتیشور کے مقدس مقام پر ہوا کرتی تھی۔ اس سودر کے متعلق جسکا موجودہ نام ناران ناگ ہے۔ دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۱۲۳ و نوٹ ص۲۵۶ کتاب ہذا۔

سدربل کی مسجد اور کنارہ جھیل کے قریب دو جوہڑ ہیں جنمیں دوامی چشموں کا پانی آتا ہے مقامی روایت کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس جگہ کی یاترا کرنے بہت لوگ آیا کرتے تھے لیکن اب سرینگر کے برہمن اس تیرتھ کو بالکل بھول گئے ہیں البتہ گاؤں کے ایک حصہ کے نام بٹ پورہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کسی زمانہ میں

بٹ یا پروہت رہتے ہوں گے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ گاؤں سے صرف نصف میل کے
فاصلہ پر حضرت بل کی زیارت واقع ہے جو اس وادی کے تمام اسلامی معابد میں زیادہ
مشہور ہے خیال ہے کہ یہ زیارت معجز اثر پیر دستگیر کی قبر پر بنی ہوئی ہے شٹائین
صاحب سوال کرتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ اس ولی کا خاص اس مقام پر موجودگی
کا کسی قدیم ہندو تیرتھ کے وجود سے تعلق ہو؟ گویا انہیں اسبات کا شبہ ہے کہ مسلمانوں
نے کسی قدیم ہندو تیرتھ کو ایک مقبول زیارت بنالیا ہے۔

۶۔ مدوراجیہ کے شمالی اور مشرقی اضلاع

اب ہم گویا پھاکھ پرگنہ میں سے گھوم کر پھر دار السلطنت کے قریب پہنچ گئے ہیں۔
مناسب ہے کہ یہاں سے روانہ ہو کر ہم پھر باہر کے اضلاع کی سیر کریں سب سے پہلے
ہم اپنے قدموں کو وادی کے بالائی نصف حصہ یعنی قدیم مدوراجیہ کی طرف اٹھاتے ہیں
اس حصہ کو دریائے وتستا نے آگے دو حصوں پر منقسم کر رکھا ہے انمیں سے ایک
تو وہ ہے جو دریا کے شمال مشرق اور دوسرا وہ جو جنوب مغرب کیطرف ہے۔ ہم
سرینگر سے شروع ہو کر سب سے اول دائیں کنارہ والے پرگنوں کی طرف رجوع
کرتے ہیں۔

ضلع کھدودی۔ وہ پرگنہ جو سرینگر کے جنوب مشرق کیطرف اس سے ملحق
ہے وہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پران ادھشٹھان کے قریب سے دانتی پور (ادنتی پور)
کے قریب وستروان نامی کوہی شلخ تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں ایک نیم گول
زرخیز علاقہ آجاتا ہے زمانہ قدیم میں اس ضلع کا نام موضع کھدودی کے نام پر ہوا
کرتا تھا۔ جسکا موجودہ نام کھرو ہے دیکھو نوٹ ۱۲۷ کتاب ہذا۔ کلہن نے جا

بجا پرگنہ ہولدا (جدید ولر پرگنہ) کے ڈامروں کے ساتھ ساتھ اکثر موقعوں پر کھدوی کے ڈامروں کا ذکر کیا ہے۔

ہم اسبات کا ذکر قبل ازیں کر چکے ہیں کہ پانڈری ٹھن یا پران ادھشٹھان کسجگہ واقع ہے دریا کے اوپر کیطرف دو میل کے فاصلہ پر موضع پانڈچھک واقع ہے جہاں بعض قدیم آثار اور ایک پتھر کے پل کے کھنڈرات موجود ہیں جو اغلباً زمانہ مابعد کا معلوم ہوتا ہے معلوم نہیں اس مقام کا قدیم نام کیا ہوا کرتا تھا۔ آگے چلکر دریا کے کنارہ موضع سمپور آتا ہے معلوم ہوتا ہے اسی جگہ کا نام راجہ جے سنگھ نے کلہن کے وقت میں سنگھ پور رکھا تھا دیکھو نوٹ ع ۹۰۶ کتاب ہذا۔

جے ون۔ سمپور کے شمال مغرب میں ۲ میل سے کم فاصلہ پر موضع زیون واقع ہے جسکا قدیم نام جے ون ہوا کرتا تھا۔ جیساکہ پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۵ پر لکھا ہے۔ اسکی شناخت اس درست کیفیت کی بدولت ہوگئی تھی جو بلہن نے وکرمانک دیوچرت ادھیائے ۱۸ اشلوک ۷۰ میں دی ہے نیز دیکھو نوٹ ع ۵۵۳ کتاب ہذا۔ شاعر مذکور نے اس بڑی بڑی یادگاروں والے مقام کے بارہ میں لکھا ہے کہ وہاں ایک خالص پانی کا چشمہ موجود ہے جو سانپوں کے راجہ تکشک کیوجہ سے مقدس گنا جاتا ہے جیساکہ نوٹ ع ۴۳ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے یہ چشمہ اب بھی موجود ہے اور ہرشیشور جانے والے یاتری یہاں سے ہوکر گذرتے ہیں کلہن نے نرپور کے قصہ میں چشمہ تکشک کی یاترا کا جو ذکر کیا ہے اس سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اسے ایک جداگانہ تیرتھ کے طور پر خاص شہرت حاصل ہوگی فی الحقیقت کشمیر کے ناگوں میں سے صرف اسی ایک کا ذکر مہابھارت کی تیرتھوں کی فہرست میں جو پرب ۳ سرگ ۸۲ شلوک ۹۰ میں مذکور ہے پایا جاتا ہے ابوالفضل نے آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ پر یہ دلچسپ امر لکھا ہے کہ اس چشمہ کے متعلق عوام میں یہ خیال پھیلا

ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں جو زعفران کی کاشت ہوتی ہے اسکی ابتدا یہیں سے ہوئی تھی۔ اکبر کے عہد میں کاشت کار (جو بلا شبہ مسلمان ہونگے) موسم بہار میں اس چشمہ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اس کے اندر گائے کا دودھ ڈالنا فصل کی کامیابی کے لئے ایک نیک فال سمجھا جاتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کاشت کاروں میں تکشک ناگ کو ایک مقامی دیوتا کی حیثیت میں ایک مدت تک اہمیت حاصل رہی۔

کھون موش۔ زیون سے شمال مشرق کیطرف قریباً ۲ میل کے فاصلہ پر ایک ہلکی ڈھلوان زمین پر موضع کھون موہ واقع ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں بلھن پیدا ہوا تھا اور جسکا قدیم نام کھون موش مشہور تھا۔ آخر الذکر نے اپنی تصنیف وکرما نک دیو چرت میں اپنے وطن کی دلچسپیوں کا بڑے پر لطف پیرایہ میں ذکر کیا ہے کھون موش کے محل وقوع اور آثار قدیمہ کے متعلق صحیح اور مفصل کیفیت پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۵ پر درج کی ہے یہ بات سب سے اول جرنیل کننگھم نے اپنے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹۸ پر بتلائی تھی کہ کھون موہ دراصل وہی مقام ہے جسکا نام راج ترنگنی کی ترنگ اشلوک ۹ میں کھون موش آیا ہے۔ بلھن نے جن زعفران کے کھیتوں کا ذکر کیا ہے وہ گاؤں کے نچلے حصہ تک پھیلے ہوئے ہیں گاؤں کے بالائی حصہ میں داموور ناگ نامی ایک مقدس چشمہ ہے جہاں چند کندہ کی ہوئی ماتی ستلیاں اور بعض متفرق کتبے موجود ہیں۔ گاؤں کے اوپر کیطرف پہاڑی کے پہلو میں ایک اور ناگ بھو نیشوری کے نام سے نکلتا ہے جہاں سے ہو کر وہ لوگ جو ہر شیشو رجاترا کو جاتے ہیں گذرتے ہیں آخر الذکر تیرتھ اس بلند ٹیکری کی چوٹی پر واقع ہے جو گاؤں کے شمال کیطرف واقع ہے یہاں پر ایک چھوٹی سی غار میں ایک سو یمبھو لنگ موجود ہے جسکی بہت لوگ پرستش کرتے ہیں اس کے نام کا پتہ سوائے مقامی مہاتم امد تیرتھ

سنگرہ کے اور کہیں نہیں چلتا۔

پدم پور۔ وہی پرگنہ کا صدر مقام اب موضع پامپر ہے جسکا قدیم نام پدم پور ہوا کرتا تھا۔ اور جو کھون موہ کے جنوب مغرب میں ۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے مفصل تذکرہ کے لئے دیکھو نوٹ غنس۳ کتاب ہذا۔ اس جگہ کا قدیم نام سرینگر کے پنڈتوں میں بہت مشہور ہے۔ دگنی صاحب نے اپنی کتاب ٹریولز کی جلد۲ صفحہ ۳۱ پر بھی اسے صحیح طور پر شناخت کیا ہے اس شہر کی بنا ۹ دین صدی کے آغاز میں کمزور تیلی راجہ چیپت جیا پید کے طاقت ور چچا پدم نے ڈالی تھی۔ راج ترنگنی میں مذکور ہے کہ پدم نے ہی دشنو مہا پدم سوامن کا مندر بنوایا تھا۔ جرنیل کننگھم نے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۴۸ء کے صفحہ ۲۷۴ پر جس قدیم مندر کے مختصر آثار کا ذکر کیا ہے ممکن ہے وہ اسی مندر سے متعلق ہوں۔ قریب ہی میر محمد ہمدانی کی زیارت واقع ہے جس کے بعض قدیم طرز کے ستون اور زیبائشی سلیں اسی مندر سے لی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ شہر کی دوسری زیارتوں میں بھی یہی بات دیکھی جاتی ہے۔ پدم پور چونکہ ایک زرخیز علاقہ میں مرکزی طور پر واقع ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ہمیشہ ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کا ذکر کلہن اور بعد کے مورخوں نے کیا ہے۔

پدم پور سے شمال مشرق کیطرف بڑھ کر ہم سب سے پہلے موضع بالعموم میں پہنچتے ہیں جس کا نام لوک پرکاش اور تیرتھ سنگرہ میں بال آشرم آیا ہے یہاں قریب ہی ایک بڑے دلودار کے درخت کے نیچے بالا دیوی کی پتھر کی مورتی موجود ہے جس کی پرستش کیجاتی ہے قریب کی ندیوں اور نہروں میں بہت سی قدیم سلیاں جنہیں چھوٹے چھوٹے مندر نمایاں کئے گئے ہیں دیکھی جاتی ہیں انکی موجودگی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ زمانہ حال میں لوگ ان کے اوپر قدم رکھ کر گذر جاتے ہونگے۔ اس چٹانی کرادہ کے دامن میں جو شمالی سلسلہ کوہ سے ہٹ کر نیچے کیطرف کو اترتا ہے اوین کا خوشنما گاؤں واقع ہے

جسکا ذکر کلہن نے بھی ترنگ ۱، شلوک ۲۹۵ میں ادونا کے نام سے کیا ہے یہاں پر ایک بہت بڑا گندھک کا چشمہ بھی ہے جہاں اکثر مریض لوگ جاتے ہیں۔

کھدووی۔ قریباً ۲ میل مشرق کیطرف ہم موضع کھدود میں جا پہنچتے ہیں جسکا قدیم نام کھدودی ہے جس کے نام پر جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے سارے ضلع کا نام ہوا کرتا تھا کہدود کے اندر اور اس کے نواحات میں بہت سے خوشنما چشمے ہیں اور ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۵۰ پر انکی نسبت لکھا ہے کہ لوگ انکی پرستش کیا کرتے تھے ساتھ ہی اس نے انکی تعداد ۳۶۰ کے قریب بیان کی ہے

اس گاؤں کے اوپر کیطرف ایک سو سیھو حکر چٹان کے اوپر موجود ہے اسے درگا جوالا مکھی کا مقدس مقام خیال کیا جاتا ہے اور اس جگہ یاتری لوگ بکثرت جاتے ہیں لیکن اس تیرتھ کے متعلق کہیں کوئی قدیم حوالہ نہیں ملتا۔

شنار۔ کہدود کے جنوب مشرق کیطرف صرف ایک میل کے فاصلہ پر موضع شنار واقعہ ہے جہاں سے اب تھوڑی مدت پہلے تک لوہے کی صنعت خوب ہوا کرتی تھی جیسا کہ نوٹ ۳۷ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے کلہن نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ راجہ شچی نر کا قائم کردہ ایک اگرہار ہے اور اس کا نام شنار بیان کیا ہے۔ کلہن نے یہ تاریخی حوالہ پدم مہر سے لیا تھا اور گو اسکی تاریخی اہمیت کچھ بھی ہو تاہم نوٹ مذکورہ بالا میں جو شہادت بالتفصیل بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد جدید موضع شنار ہی سے ہے معلوم ہوتا ہے اس جگہ کا درمیانی نام جیسا کہ ایک ٹیکا کار نے لکھا ہے شنار ہوتا تھا۔ یہیں پر چند چھوٹے چشموں کے قریب خواجہ خضر کی زیارت واقعہ ہے جو ایک قدیم مندر کے آثار سے بنی ہوئی ہے۔

شنار کے جنوب مغرب کیطرف دو میل کے فاصلہ پر موضع لدو کے قریب ایک مندر کے آثار عمدہ حالت میں موجود ہیں مخفی نہ ہے کہ اس گاؤں کا نام نقشہ پیمائش پر دیا

ہوا نہیں ہے بشپ کوڈی نے ان کا مفصل حال جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۶ء صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے لیکن سٹائین صاحب نے جہاں تک قدیم کتابوں کی چھان بین کی ہے انہیں اس مندر کا ذکر کہیں نہیں ملا اسمیں جو بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سارے کشمیر میں صرف اسی کا گول حجرہ ہے اس مندر کے مشرق کیطرف جو چھوٹا سا چوکور حجرہ ہوا کرتا تھا اسے قریب کی زیارت میں ملا لیا گیا ہے

دہی پرگنہ کے منتہائے جنوب میں دریائے وتستہ کے کنارہ پر موضع لت پور واقع ہے راج ترنگنی کے ایک پرانے ٹیکا کار نے لکھا ہے کہ اس کا قدیم نام للت پور ہوا کرتا تھا۔ واضح رہے کہ ترنگ ۴ شلوک ۱۸۶ کے بموجب للت پور وہ مقام ہے جسکی بنا راجہ للتادتیہ کے اعزاز میں اس کے معمار نے ڈالی تھی۔ تاریخ میں آیا ہے کہ راجہ اس توجہ سے کچھ خوش نہ ہوا تھا۔ بہر نوع اس مقام کی کوئی قابل ذکر اہمیت نظر نہیں آتی۔ سطح زمین کے اوپر اب کوئی قدیم آثار موجود نہیں ہیں۔ البتہ مقامی روایت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ راجہ للتادت نے پاس کے ادر پر ایک بڑا سا شہر آباد کیا تھا۔

ہولدا کا علاقہ۔ کوہ وستروَن کے دامن کے قریب سے گذر کر ہم پرگنہ ولر میں داخل ہوتے ہیں جسکا قدیم نام ہولدا تھا اس شناخت کی تائید نہ صرف جدید نام کی بدیہی شہادت سے ہوتی ہے بلکہ راج ترنگنی کے ان شلوکوں سے بھی جنمیں ہولدا کا ذکر آیا ہے (دیکھو نوٹ ۹۹ کتاب ہذا) بعد کے ہندو راجاؤں کے عہد میں جو فساد اور بدامنی پھیلی رہی ہے۔ اس میں یہاں کے خود مختار امراء نے بہت کچھ حصہ لیا ہے۔

اونتی پور۔ زمانہ قدیم میں اس علاقہ کا سب سے مشہور مقام بلا شبہ اونتی پور ہوا کرتا تھا جسکی بنا راجہ اونتی ورمن نے جو ۸۵۵ء سے ۸۸۳ء تک حکمران رہا ہے ڈالی تھی دیکھو نوٹ ۳۵۲ کتاب ہذا۔ اسکی بجائے آجکل دریائے وتستہ پر موضع ونتی پور

واقع ہے اس شناخت کا پتہ سب سے پہلے ڈاکٹر ونسن کو لگا تھا جنہوں نے اس کا ذکر مورکرافٹ کی کتاب ٹریولز جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ سے متعلقہ نوٹ میں کیا ہے قدیم مقام کے کھنڈرات پر جو خوب اچھی طرح نمایاں ہیں بہت سے یورپین سیاحوں نے توجہ دی ہے جرنیل کننگھم نے انہیں اونتی سوامن اور اونتیشور کے دو عظیم مندروں کا پتہ چلا یا تھا جنہیں راجہ اونتی ورمن نے اس جگہ بنوایا تھا۔ مفصل حالات کے متعلق دیکھو جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۷۵ و ۱۸۶۶ء صفحہ ۱۲۱۔ ان دو عظیم کھنڈرات میں سے ایک تو خاص ونتی پور میں ہے اور دوسرا جو بڑا بھی ہے وہ نصف میل آگے جہلم دریا کے کنارہ موضع جو برار کے جس کا نام نقشہ پر جبا برا آیا ہے قریب واقع ہے۔ چونکہ دونوں کے مرکزی استھانوں کو تباہ کردیا جا چکا ہے۔ اسلئے اب یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ انمیں سے وشنو کا کونسا تھا اور شوجی کا کونسا؟ مندروں کی خوشنما چاردیواری بھی اب بالکل خستہ حال ہے اونتی سوامن کے مندر کا احاطہ تو کلہن ہی کے زمانہ میں عارضی جائے پناہ کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ اور اس جگہ کا ایک زبردست محاصرہ کیا گیا تھا۔ دیکھو ترنگ ۸ شلوک ۱۴۲۹ و ۱۴۷۴۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس مقام پر اونتی ورمن نے اپنا شہر بنوایا تھا وہ ان مندروں کی بنا پڑنے سے پیشتر بھی کسی قدر مقدس تھا اور اس کا قدیم نام وسوے کسار ہوا کرتا تھا اس شہر کی عظیم وسعت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ تباہ شدہ مکانات کے آثار ونتی پور سے مشرق کیطرف دور تک پہاڑیوں کے دامن میں پھیلے ہوئے ہیں مختلف تاریخوں میں اونتی پور کا جو بار بار حوالہ آیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے بانی کی موت کے ایک عرصہ بعد تک شہر کی اہمیت برقرار رہی تھی۔

ہولدا کے دیگر قدیم مقامات۔ ہولدا کے دیگر قدیم مقامات کا نسبتاً بہت کم ذکر سننے میں آتا ہے بہر پور کے عظیم شہر کا جسے ترنگ ۱ شلوک ۳۰۶ کے بموجب راجہ

مہر کل نے بنوایا تھا۔ اب کہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ نزال جو اس علاقہ کا موجودہ
ہیڈ کوارٹر ہے اس کے جنوب مغرب کیطرف تھوڑے فاصلہ پر کھولی نامی ایک
گاؤں ہے یہ شاید وہی جگہ ہے جسکا نام راج ترنگنی میں کھول آیا ہے اور جو نوٹ
عـ۱۱۳ کتاب ہذا کے بموجب راجہ گوپادتیہ کے اگر ہاروں میں سے ایک تھا۔ نزال کے
قدیم تذکرہ کا تو کہیں پتہ نہیں چلتا البتہ موضع تبس جو کھولی کے جنوب کیطرف ۲
میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس کے متعلق خیال ہے کہ اس کا قدیم نام کھوچھید ہوا
کرتا تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ بھی مشتبہ ہے (مقابلہ کے لئے دیکھو ترنگ ۲ شلوک ۵۲۱
کا نوٹ) اس شناخت کا پتہ دراصل راجانک رتن کنٹھ کی ایک شرح سے ملتا ہے
اس سے بھی جنوب کیطرف موضع کٹی واقعہ ہے جسکا قدیم نام کلہن نے غالباً کلکا
لکھا ہے اور ترنگ ۲ کے شلوک ۱۴ میں اسے راجہ تنجن کا بنایا ہوا بیان کیا گیا ہے۔
اس شناخت کا ذکر اس شلوک کے ایک پرانے ٹیکا کار نے کیا ہے اور اسکی تائید
جدید نام کی آوازی شہادت سے بھی ہوتی ہے۔

ولر کے آثار صنادید میں نارستان کا دلچسپ مندر جو اس علاقہ کے منتہائے شمال
میں واقعہ ہے خاص طور پر قابل ذکر ہے مفصل تذکرہ کے لئے دیکھو مسٹر لارنس کی
کتاب ویلی صفحہ ۱۷۲ ماخوذ از گز یٹر مولفہ بیٹس صاحب صفحہ ۲۹۰ اس میں جو فوٹو
دیا ہوا ہے وہ سٹائین صاحب کے آثار قدیمہ کی تلاش میں کھدائی وغیرہ کرنیکے
بعد کا ہے سٹائین صاحب کی تحقیقات کے نتائج کے بارہ میں دیکھو وائینا اورینٹیل
جرنل سا۱۸۹۱ء صفحہ ۳۴۲ یہ امر باعث تاسف ہے کہ اس جگہ کے قدیم نام یا تذکرہ
کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ سا۱۸۹۱ء میں سٹائین صاحب نے اسجگہ جو کھدائی کی تھی اس
سے بعض دلچسپ کتبے تو دستیاب ہوئے۔ مگر نام کے بارہ میں کوئی شہادت حاصل
نہ ہو سکی۔ سوتور کا عظیم گاؤں جو نارستان کے جنوب مغرب میں واقعہ ہے شاید یہی

کی بنا پر لوک پرکاش کی فہرست پرگنہ جات میں سترو کا نام آیا ہے۔

علاقہ وکشن پار۔ دلر کی مشرقی حد بندی اس بلند کرارہ کے ذریعہ ہوتی ہے جو شمال کیطرف سے اتر کر وتستا اور گمبھیرا کے مقام اتصال کیطرف جاتا ہے اس کے ساتھ ہی مشرق کیطرف جو علاقہ ہے وہ بہت وسیع اور عریض ہے اس میں وادی لدر کے تمام دائیں یا مغربی پہلو کے علاوہ وہ نشیب علاقہ بھی شامل ہے جو دریائے وتستا اور وشوکا کے نچلے حصہ کے مابین واقع ہے اس عظیم پرگنہ کا جدید نام واچن پور ہے جسکا نام سریور کی راج ترنگنی میں وکشن پار آیا ہے اس کے معنی صاف طور پر لدری یا لدر کے دائیں کنارہ کے ہیں ایسی ہی اہمیت رکھنے والی ایک اور لفظی صورت وکشن پار شو ہے جو لوک پرکاش اور مارتنڈ مہاتم میں مذکور ہے وام پارشو (جدید کھوور پور) کا نام اس سے عین مطابق ہے جسکی نسبت آگے چلکر بیان کیا جائیگا کہ وہ وادی لدر کے بائیں پہلو کے لئے استعمال ہوتا ہے جرنیل کننگھم نے اپنے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹۴ پر خیال ظاہر کیا ہے کہ کشمیری لفظ واچن یعنی دایاں اب شمال کے لئے اور کادر (کھوور) یا بایاں جنوب کے لئے استعمال آتا ہے لیکن یہ خیال اور اس سے متعلقہ توضیح جو معنی کی تبدیلی کے بارہ میں کی گئی ہے ایک غلط فہمی کے باعث عمل میں آئی ہے

قبل ازیں اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس مقام پر وتستا کا سنگم گمبھیرا یعنی وشوکا اور رمبیاتوی کی مشترکہ ندیوں سے ہوتا ہے وہ ایک تیرتھ ہے اس سے تھوڑے فاصلہ پر موضع مارہوم دریائے وتستا پر واقع ہے جسکا ذکر جونراج نے اپنی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) کے شلوک ۱۳۲ میں مدو آشرم کے نام سے کیا ہے اس نام کا ابتدائی جزو وہی ہے جو مدوراجیہ کے نام میں موجود پایا جاتا ہے مارہوم کے جنوب مشرق کیطرف ۲ میل کے فاصلہ پر وتستا کے قریب ہی موضع

داگ ہوم اور ہستی کرن کا مقدس چشمہ واقع ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام پہلے اس مقام ہی کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ کیونکہ کلہن نے ترنگ ۵ شلوک ۲۳ اور ترنگ ۸ شلوک ۱۶۵۰ میں دوبار اس کا ذکر اس نام سے کیا ہے۔ سرور نے جس ہستی کرن کا ذکر اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ا شلوک ۱۱۴ میں کیا ہے وہ مغرب کیطرف سرنگیہ کے قریب واقع معلوم ہوتا ہے۔ کلہن نے جس ہستی کرن کا ذکر کیا ہے یہ غالباً وہی ہے جہاں راجہ ہرش کے بدنصیب بیٹے بھوج کو دہوکہ سے قتل کیا گیا تھا۔

چکردہر کا مندر۔ ہستی کرن کے جنوب میں کوئی ایک میل کے فاصلہ پر دریائے وتستا میں ایک عظیم موڑ آتا ہے اس طرح پر جو جزیرہ نما تیار ہوتا ہے اس پر ایک چھوٹا اور بادریائی سطح مرتفع واقع ہے جو اپنی بلندی اور علیحدہ مقامیت کیوجہ سے اس تمام نظارہ میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے یہاں پر کسی زمانہ میں اس وادی کا سب سے قدیم اور مشہور مندر وشنو چکر دہر کے نام سے بنا ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ترنگ ا شلوک ۳۸ و ۲۰۱ کے بموجب اس سطح مرتفع کا نام اب تک تسک در اور مشہور ہے یہ مندر میں روایت چلی آتی ہے کہ اس نام کی ابتدا چکر دہر سے ہوئی ہے سب سے اول پروفیسر بوہلر نے یورپین محققوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی۔ کیونکہ اپنی رپورٹ کے صفحہ ۱۸ پر انہوں نے خود اس جگہ کی قدیمی اہمیت کو تسلیم کیا ہے

جیسا کہ راج ترنگنی ترنگ ۸ شلوک ۲۵۰-۲۶۱-۲۶۹ جو نراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۶۳ ۷- سری کنٹھ چرت ادھیائے ۳ شلوک ۱۲ و نیل مت پران شلوک ۱۱۷۰ سے واضح ہوتا ہے۔ چکر دہر کا نام مختلف موقعوں پر ایک نہایت مقدس تیرتھ کی حیثیت سے آیا ہے جیسا کہ آگے چلکر بیان کیا جائیگا۔ آتش زدہ شہر نرپور اس کے قریب واقع ہوا کرتا تھا۔ اور اسی لئے اس کا اس کی روایات سے بہت کچھ تعلق پایا جاتا ہے۔

چکردہر کا محاصرہ۔ لیکن جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۹۷۱ تا ۹۹۵ سے واضح ہوتا ہے اس مندر کا مفصل ذکر ہمیں اس تاریخی واقعہ کی بدولت معلوم ہوتا ہے جو راجہ سسل کے عہد حکومت کی خانہ جنگیوں کے دوران میں پیش آیا تھا جب شاہی فوجوں کو وجیشور یا وجبرور کا شہر خالی کرنے پر مجبور کیا گیا۔ تو آخر الذکر مقام کے باشندوں اور پاس کے دیہات کے رہنے والوں نے چکردہر کے مندر میں پناہ حاصل کی یہ جگہ چونکہ ایک بلند عمودی اوڈر پر واقع تھی اس لئے قدرتی طور پر ایک موزون جائے پناہ سمجھی جا سکتی تھی۔ بھکشاچر کی باغی فوجوں نے بہت جلد اس مندر کا جس میں پناہ گزین لوگ اور مغلوب سپاہی جمع تھے محاصرہ کر لیا۔ مندر کے صحن کے گرد لکڑی کی بھاری فصیلیں اور پھاٹک تھے جب محاصرین نے انہیں آگ لگادی تو ایک عظیم آتش زدگی شروع ہوئی جس میں سب کے سب مکین اور پناہ گزین جل مرے۔ کلہن نے اس سانحہ عظیم کا بڑا دردانگیز حال لکھا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسکی وجہ سے دیوتا بھکشاچر پر ناراض ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت جلد زوال پذیر ہو کر خود بھی عالم ہستی سے مٹ گیا۔ اندازاً معلوم ہوتا ہے۔ چکردہر کے مندر میں ۱۲ اشدی ساون ۱۱۲۱ء کو آگ لگائی تھی۔

کلہن نے اس موقعہ پر جو حالات لکھے ہیں۔ وہ جغرافیائی اعتبار سے بہت دلچسپ ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مندر واقعہ میں اوڈر کی چپٹی سطح پر واقع تھا اور ساتھ ہی اس امر کی بھی توضیح ہو جاتی ہے کہ اس مقام پر اب تعمیر کے آثار کیوں نظر نہیں آتے۔ نمایاں کھنڈرات کی عدم موجودگی کا ذکر قبل ازیں بوہلر صاحب نے بھی کیا ہے۔ البتہ اوڈر کے شمالی سرے پر جو باقی حصہ سے ایک گڑھے کی وجہ سے علیحدہ ہے ایک ۷۰ فٹ مربع کے قریب چوکور احاطہ کے آثار اب بھی باقاعدہ قطار دار گڑھوں کی صورت میں نظر آتے ہیں ممکن ہے یہ گڑھے وہی ہوں جہاں وہ

لکڑیاں زمین میں گاڑی ہوئی تھیں جیسے کہ مندر کی فصیلیں بنی ہوئی تھیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں یہ مندر پھر بحال ہو گیا تھا۔ کیونکہ جونراج نے اپنی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) کے شلوک ۶۲۳ میں چکردہر کی مورتی کو ان بڑے بڑے دیوتاؤں کی مورتیوں میں داخل کیا ہے جنہیں سکندر بت شکن نے توڑا تھا۔

جید رتھ نے اپنی تصنیف ہر چرت چنتامنی میں ساتواں کانڈ اس روایت کے بیان پر پر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دیوتا نے چکردہر کے تیرتھ پہ چکر چلایا تھا اس تیرتھ کا ذکر ایک عام طرز سے دبیستو مہاتم میں بھی آتا ہے لیکن اب کوئی شخص چکردہر تیرتھ کی یاترا کے لئے نہیں جاتا۔ گو وجبشور کے پروہتوں کو اس مقام کے سابقہ تقدس کا کچھ نہ کچھ حال یاد ضرور ہے

نرلور کی روایت۔ اسمیں کچھ بھی شبہ نہیں کہ چکردہراد کے دامن میں کسی وقت ایک بہت بڑا شہر آباد ہوا کرتا تھا۔ دریا کیطرف جو نشیب زمین واقع ہے اس سے دنیز دریا کی تہ سے ہر سال بہت سے قدیم سکے یونانی اور انڈو سیتھین زمانے کے نکالے جاتے ہیں عام روایت یہ ہے کہ اس جگہ کسی زمانہ میں ایک عظیم الشان شہر آباد تھا معلوم ہوتا ہے یہ روایت کلہن کے زمانہ میں بھی موجود تھی کیونکہ اس نے ترنگ ا کے شلوک ۲۰۱ تا ۲۷۴ میں نرلور کی جو دلچسپ روایت بیان کی ہے اس میں اسی کا ذکر کیا ہے۔ کلہن نے اسے ایک بڑے موثر اور پر درد پیرایہ میں بیان کیا ہے

اس جگہ مذکور ہے کہ راجہ نر نے چکردہر کے مندر کے قریب دریائے وتستا کے ریتیلے کنارہ پر اپنے نام سے نرلور کا عظیم الشان صدر مقام قائم کیا تھا۔ وہاں ایک باغیچہ کے اندر شفاف پانی کا ایک تالاب تھا جسمیں ناگ سشروس رہا کرتا تھا۔ ایک برہمن نے ایک موقعہ پر اس ناگ اور اسکی دو بیٹیوں کی جبکہ وہ مصیبت میں تھیں مدد کی تھی جس کے صلہ میں ناگ نے اسکی شادی اپنی ایک بیٹی سے کردی اس کے بعد وہ خوش نر

نرپور میں اوقات بسر کرتا رہا حتےٰ کہ اس حسین ناگ عورت کی خوبصورتی نے راجہ کے جذبۂ عشق کو مشتعل کر دیا راجہ نر نے اسے اپنے قبضہ میں لانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن آخر کار جب کامیاب نہ ہو سکا تو اس نے ارادہ کیا۔ کہ خوبصورت چندریکھا کو (کیونکہ اس عورت کا یہی نام تھا) زبردستی اپنے قابو میں لائے یہ حالت دیکھ کر زن و شوہر دونوں پناہ حاصل کرنے اول الذکر کے باپ یعنی ناگ سشروس کے پاس پہنچے۔

نرپور کی تباہی۔ اس وقت ناگ خشمگین ہو کر چشمہ میں سے نکلا اور نہایت خوفناک بجلیاں گرا کر راجہ اور اس کے شہر کو جلا ڈالا۔ ہزاروں لوگ پناہ حاصل کرنے کے لئے وشنو چکردھر کی مورتی کیطرف بھاگ گئے تھے۔ وہ سب وہیں جل کر بھسم ہو گئے۔ ناگ کی بہن رمنیا پہاڑوں کیطرف سے چٹانیں اور پتھروں کے ٹکڑے لیئے ہوئے آئی لیکن جب اس نے دیکھا۔ کہ ناگ سشروس کافی انتقام لے چکا ہے تو اس نے انہیں (جیسے کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے) دریائے رمنیا ٹوی یا رمبیار کے پاس کے ساتھ ساتھ گرا دیا۔ بعد میں خود ناگ کو اس قتل عام پر افسوس ہوا جس سے اندوہناک ہو کر وہ ایک دور دراز پہاڑ پر ایک چشمہ میں چلا گیا (اس جگہ آجتک جو لوگ امرنیشور یاترا کو جاتے ہیں اسے دیکھ سکتے ہیں")

اس چشمہ کا نام سشرووناگ ہے اور وہ امرناتھ کے راستہ میں آتا ہے کلہن اپنے قصہ کے آخیر میں لکھتا ہے کہ "آجتک جب کبھی لوگ چکردھر کے قریب اس شہر کو جو آگ سے جل گیا تھا اور اس چشمہ کو جو اب ایک خشک گڑھا ہے دیکھتے ہیں تو انہیں وہ قصہ یاد آجاتا ہے۔

زمانہ حال کے معترض اس قصہ کی ابتدا کچھ بھی قرار دیں۔ بہر نوع اس سے اسبات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ کلہن کے زمانہ میں اس بنجر قطعہ زمین کو جو تسک ورا ور موجودہ وجبرور کے درمیان دریا کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے کسی قدیم شہر کا محل وقوع

ضرور تصور کیا جاتا تھا ممکن ہے بعض لوگ یہ کہ کر اپنی تسلی کر لیں کہ اس روایت کی ابتدا ان کھنڈرات سے ہوئی جو ۱۲ ویں صدی میں آتش زدہ نرپور کے آثار بتلائے جاتے تھے۔ بحالت موجودہ اس بارہ میں رائے زنی کرنا مشکل ہے کہ وہ آثار یا کھنڈرات کیا ہیں چونکہ اس حصہ زمین پر ہر سال طغیانی کا پانی پھر جاتا ہے اس لئے ممکن ہے وہ آثار دریائی مادوں کے اجتماع کے نیچے دب گئے ہوں۔ جب سٹائین صاحب اس مقام کا دورہ کرنے گئے تو چند مسلمان کاشت کاروں نے انہیں ادر کے جنوب مشرقی واٹن کے قریب ایک عام طور سے خشک رہنے والا گڑھا دکھایا تھا۔ اور بیان کیا تھا کہ اسی میں سشرم ناگ رہا کرتا تھا۔ لوگوں کو اب شہر نرپور یا اس کے راجہ کا نام یاد نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جو روایت کلہن نے قلم بند کی ہے اسکی خاص خاص باتیں اب تک مقامی طور پر مشہور ہیں۔

وجبشور کا تیرتھ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مقام پر جو شہر آباد تھا اسکی تباہی کے بعد وہاں پر وجبشور (موجودہ وجبرور) آباد ہوا۔ آخر الذکر مقام چکردہر سے اوپر کیطرف کوئی ۲ میل سے بھی کم فاصلہ پر واقعہ ہے جیسا کہ نوٹ ۱۶ و ۱۲۶ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے اس جگہ کا نام شو وجبشور (وجبش ۔ وجیشن) کے نام پر پڑا تھا اس دیوتا کی پرستش آجتک بھی وجبرور میں ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ جگہ زمانہ قدیم سے کشمیر کے نہایت مشہور تیرتھوں میں داخل چلی آتی ہے چنانچہ راج ترنگنی کے علاوہ ہر چرت چنتامنی کے ادھیائے ۱۰ میں بھی اس تیرتھ کا قصہ مذکور ہے چونکہ اس کے ساتھ اشوک کے تعلق کا پتہ چلتا ہے اس لئے اسکی قدامت گویا تاریخی طور پر بھی پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کلہن نے جو کچھ بیان کیا ہے معلوم نہیں وہ صحیح مقامی روایات کی بنا پر لکھا ہے یا کتبوں کی شہادت کی بنا پر بہر نوع اسمیں مذکور ہے کہ راجہ اشوک نے اس مندر کے احاطہ کی گچ کی دیوار کی بجائے پتھر کی دیوار بنوائی

تھی۔ اس کے متعلق یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس نے اسکی چار دیواری کے اندر اشوکیشور نامی دو مندر بنوائے تھے۔

شو وجیشور کا مندر۔ وہ قدیم مندر جسکا ذکر کلہن نے کئی جگہ کیا ہے اور جہاں بہت سے تاریخی واقعات ظہور میں آئے ہیں۔ اب بالکل نظر نہیں آتا۔ مقامی پروہتوں کی روایت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ دریا کے کنارے اور دریائے دتشٹہ کے پل کے عین مقابل واقع ہوا کرتا تھا۔ جب سٹائین صاحب اول مرتبہ ۱۸۸۹ء میں وجبرور پہنچے ہیں تو انہیں اس مقام پر بعض قدیم سلیں اور ٹکڑے ملے تھے اس وقت وہاں کی سطح گرد کی زمین سے قریباً ۱۵ فٹ نشیب تھی لیکن اب کسی قدر اونچی کرلی گئی ہے جرنیل کننگھم نے انہی آثار کو ۱۸۴۷ء میں دیکھا تھا اور اس نے صحیح طور پر انہیں وجیش کے مندر سے منسوب کیا ہے مگر اس مقام کا نام وجے پور لکھا ہے۔ جغرافیہ قدیم کی جلد ۲ صفحہ ۹۸ پر انہوں نے عمارت کی قدامت کی ایک علامت کے طور پر سطح کے اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے سننے میں آیا ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے قریباً ۴۰ سال گذرے دریا کے کنارہ اوپر کیطرف جو وجیشور کا نیا مندر بنوایا تھا اسمیں بہت سا پتھر کا مصالحہ استعمال کر لیا گیا تھا

چونکہ اس مندر میں یاتریوں کی آمدورفت بکثرت رہا کرتی تھی اس لئے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس پندرہ صدی کے عرصہ میں جو راجہ اشوک کے عہد اور کشمیر میں ہندو راجاؤں کے زوال کے وقت تک گذرا اسکی ایک سے زیادہ مرتبہ مرمت اور بحالی کی گئی ہوگی۔ ۱۰۸۱ء سے کچھ عرصہ پہلے جبکہ راجہ اننت وجیشور تیرتھ میں قیام پذیر تھا۔ یہ مندر اس آگ میں جل گیا تھا۔ جو اس کے بیٹے کلش نے لگائی لیکن آخر الذکر نے بعد میں اس مندر کی درستی کردادی۔ جو نراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۷۶۲ سے واضح ہوتا ہے کہ شو وجیشور کے قدیم لنگ کو ہو سکند

بت شکن نے توڑ دیا تھا۔

قصبہ وجیشور۔ شہر کی نسبت اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مندر کے گرد بتدریج آباد ہو گیا ہوگا۔ کلہن ترنگ ۲ کے شلوک ۶۲ میں اسے راجہ وجے سے منسوب کرتا ہے۔ لیکن اس راجہ کے عہد زندگی کے اور کوئی حالات قلم بند نہیں کئے گئے اس لئے اس کے واقعات مشتبہ ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس شہر کا نام یا تو محض وجیشو آتا ہے یا دسیجے کشیتر جو وجیشور کشیتر کا مخفف ہے موجودہ نام وجبرور دراصل وجیشور کے لفظ کی کشمیری صورت ہے۔ کیونکہ لفظ برور جو سنسکرت لفظ بھٹارک (دیوتا) سے نکلا ہے اس نے "ایشور" کی جگہ لے لی ہے جو شوجی کے لئے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ع ۱۶ کتاب ہذا۔ ونیز ترنگ ۲ شلوک ۱۳۴ اسی قسم کی ایک اور مثال ایشبر وسہ ہے جو ایشیشور کی بجائے استعمال ہوتا ہے واضح رہے کہ صیغہ تانیث میں بھٹارکا کے لئے لفظ برار آتا ہے جیسے سندھیا دیوی کے لئے سند برار بھید ر دیوی کے لئے بدبرار وغیرہ۔

بعض مصنفوں نے بج بیار۔ بج بہار اور بج بھر تلفظ کئے ہیں لیکن یہ سب غلط ہیں۔ بعض لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ ابتدائی حصہ لفظ "ودیا" اور آخری وہار سے ماخوذ ہے۔

اس بات کا پتہ کہ کسی قدر اہمیت رکھنے والا شہر اس جگہ نسبتاً زیادہ قدیم میں آباد ہؤا کرتا تھا۔ اس بات سے چلتا ہے کہ ترنگ ا شلوک ۳۱۷ میں بیان کیا گیا ہے راجہ مہر کل نے ایک ہزار اگر ہار گندھاری برہمنوں کی ایک بستی کو دئے تھے ترنگ ۷ کے شلوک ۳۲۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنا بڑا مقام تھا۔ کہ جب راجہ اننت نے اپنی رہائش وجیشور میں منتقل کر لی۔ تو اس جگہ اس کے تمام درباری اور فوجی آدمی سما سکے تھے کلہن نے ترنگ ۸ میں کشمیر کی خانہ جنگیوں کا جو ذکر شلوک

۷۴۶-۹۶۹-۱۱۴۰-۱۵۰۹ وغیرہ میں کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہر بہت کچھ اہمیت رکھتا تھا اور یہی باعث تھا کہ اس جگہ اس قسم کی فوجی کارروائیاں ہوا کرتی تھی ایک شلوک سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ۱۲ ادیں صدی میں بھی ایک پل اسجگہ ویسے ہی موجود ہوا کرتا تھا جیسے کہ آجکل ہے۔

وجبرور اب بھی خاصی اہمیت رکھتا ہے اور اسمیں متعدد گھر برہمنوں بالخصوص تیرتھ کے پروہتوں کے ہیں تیرتھ چونکہ بجائے خود مارتنڈ اور امرناتھ کے یاتریوں کی راہ میں واقعہ ہے اس لئے آجتک لوگ اسجگہ آتے جاتے رہتے ہیں وجبیشور مہاتم میں مذکور ہے کہ بڑے تیرتھ کے علاوہ متعدد چھوٹے تیرتھوں کی یاترا بھی ضروری ہے لیکن ان میں سے چکردہر اور گمبھیر سنگم کے علاوہ اور کسی کا پتہ قدیم کتابوں میں نہیں ملتا۔

وادی لدر - اب ہم علاقہ واچن پور کے آخری حصہ کیطرف رجوع کرتے ہیں جو وادی لدر میں واقع ہے لیکن اسمیں بہت ہی کم قدیم قابل ذکر نام نظر آتے ہیں موضع اور جو وجبیشور کے شمال مغرب کیطرف قریباً ۱۰ میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے وہی جگہ ہے جسکا نام راج ترنگنی میں لوارآیا ہے اور جسکی نسبت ترنگ اشلوک ۸۷ میں مذکور ہے کہ وہ راجہ لوکا قائم کردہ ایک اگرہار ہے وادی میں اور اوپر کیطرف ۴ میل کے فاصلہ پر کلر واقع ہے جسکی نسبت ایک قدیم ٹیکا کار نے لکھا ہے کہ اسکا قدیم نام کردہار ہوا کرتا تھا جسکی نسبت ترنگ ا کے شلوک ۸۸ میں مذکور ہے کہ راجہ لو کے بیٹے راجہ کش نے اسجگہ ایک اگرہار قائم کیا تھا۔ پہل گام کے قریب جہاں وادی لدر دو شاخوں پر منقسم ہو جاتی ہے مامل کا گاؤں واقع ہے جو لوگ امرناتھ یاترا کو جاتے ہیں وہ اسجگہ ایک چھوٹے سے مندر کی یاترا بھی کر جاتے ہیں۔ جو کشمیری وضع کا اور ایک خوشنما چشمہ کے قریب واقع ہے

اور جسکا نام یہاتم میں امرشیور کلپ یا امیشور آیا ہے غالباً یہ وہی مندر ہے جسکا ذکر ترنگ ۸ کے شلوک ۳۳۶۰ میں اسی نام سے آیا ہے۔

علاقہ وامپارشو۔ چونکہ امرناتھ یاترا کے متعدد مقدس مقامات کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں اس لئے اب ہم پیچھے لوٹ کر وادی لدر کے بائیں یا مشرقی حصہ کی طرف اترتے ہیں یہاں پر جدید پرگنہ کھودر لور واقع ہے آخرالذکر نام کے معنی "بائیں طرف" کے ہیں یہ دراصل اسی قسم کے معنی رکھنے والے نام "وام پارشو" کی جو جونراج کی راج ترنگنی (ممبئی ایڈیشن) شلوک ۷۹-۱۲۳۲- لوک پرکاش اور اور جگہ پایا جاتا ہے جدید صورت ہے اس پرگنہ کے بالائی حصہ میں سٹائین صاحب کو کوئی خاص قدیم مقام نہیں ملا گو اسمیں شک نہیں کہ اس علاقہ کے بعض ناگوں کے قریب مثلاً لوکت پورا اور سالی (پاپ ہرن ناگ) کے نواحات میں چند قدیم کندہ کیے ہوئے پتھر دیکھنے میں آتے ہیں۔

موضع ہٹ مر بلاشبہ ایک قدیم مقام ہے اس کے جدید نام کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا قدیم نام شکت مٹھ ہوگا۔ جوان مقامات میں سے ایک ہے جہاں کشمیندر کی ہیرداں کنکالی جاتی ہے اسجگہ جو بڑی سی مسجد بنی ہوئی ہے وہ دراصل ایک ہندوؤں کے مندر ہی کے آثار سے تیار ہوئی ہے اور اس کی دیواروں میں بعض نہایت دلچسپ نمونے کندہ کیے ہوئے پتھروں کے موجود ہیں۔ دیکھو سمے ماتر کا جلد ۲ شلوک ۳۰۴۔ کشمیری زبان میں عام طور پر مٹھ کا لفظ مر سے مبدل ہو جاتا ہے اور اس قاعدہ پر نظر رکھ کر دیکھا جائے۔ تو قدیم وجدید ناموں کی مطابقت واضح ہو جاتی ہے

بھیم کیشو کا مندر۔ ہٹ مر سے نیچے کی طرف کوئی ایک میل کے فاصلہ پر دریائے لدر کی ایک شاخ کے کنارہ موضع بمزو واقع ہے جہاں ایک خاص تاریخی دلچسپی رکھنے

والی ایک عمارت موجود ہے بابا بامدین صاحب کی زیارت حقیقت میں دیکھئے تو ایک مندر کو جو عمدہ حالت میں رکھا چلا آیا ہے تبدیل کرکے بنائی گئی ہے اور مسلمان ولی کے مفروضہ مقبرہ کے مقام پر پلینتر بکثرت استعمال کردیا گیا ہے کسی دوسری جگہ اس امر کی کافی طور پہ توضیح کردیجا چکی ہے کہ یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے بھیم شاہی والئے کابل کا بنوایا ہوا بھیم کیشو کا مندر یہی ہے مخفی نہ رہے کہ راجہ بھیم شاہی رانی دوا کا ماموں تھا۔ اور جیسا کہ نوٹ ع ۲۴۷ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے اس مندر کو اس نے رانی دوا کے شوہر راجہ کشیم گپت کی زندگی میں جسنے ۹۵۰ء سے ۹۵۸ء تک حکومت کی تھی بنوایا تھا۔ اس مندر کے مفصل حالات کے متعلق دیکھو بشپ کوؤی صاحب کا مضمون مندرجہ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۶ء صفحہ ۱۰۰۔

اس زیارت کے متعلق جو روایت مشہور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ولی جسکا یہ مزار ہے پہلے ہندو ہوا کرتا تھا اور مسلمان ہونے سے پہلے اسکا نام بھیم سادہی تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ نام بھیم شاہی کو بگاڑ کر بنا لیا گیا ہے علاوہ بریں اس مقام کا نام بمزو جس کے لئے مارتنڈ مہاتم میں بھیم دویپ کا لفظ آیا ہے بظاہر اس مندر کے قدیم نام ہی سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے بھیم جسکی کشمیری صورت بم ہے بھیم کیشو کا مخفف ہے جس کے آخر میں کشمیری لفظ "زد" بمعنی جزیرہ لگا دیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ گاؤں کے مقابل میں اسجگہ دریائے لدر کے اندر متعدد جزیرے بنے ہوئے ہیں۔

کلہن نے ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۸۱ میں راجہ ہرش کے عہد حکومت میں بھیم شاہی کے مندر کے متعلق ایک عجیب قصہ بیان کیا ہے کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ اسکے ساتھ جو بہت بڑا خزانہ موقوف تھا وہ ضبط کر لیا گیا تھا موجودہ زیارت بامدین

صاحب کے قریب پہاڑی میں ایک اور چھوٹا سا غار ہے جس کے اندر چھوٹا سا مندر اچھی حالت
میں موجود ہے اور ہنود اب تک اسمیں پوجا کرتے ہیں۔ غار کے باہر جو ایک اور چھوٹا مندر
ہوا کرتا تھا جسے اب رشی رکن الدین صاحب کی زیارت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

مارتنڈ تیرتھ۔ بمزو سے ایک میل جنوب کی طرف ہم مارتنڈ تیرتھ کے قریب پہنچتے ہیں
جو زمانہ قدیم سے کشمیر کے تیرتھوں میں خاص طور پر مشہور چلا آتا ہے اس جگہ ایک عظیم الشان
چشمہ واقع ہے گو روائتی طور پر اس کے دو حصے وِمل اور کمل گنے جاتے ہیں اور انہیں
سورج دیوتا مارتنڈ کے جنم سے منسوب کیا جاتا ہے اس تیرتھ کا مفصل ذکر نوٹ ۱۵۹ کتاب
ہذا میں کیا گیا ہے۔ وِمل ناگ کا ذکر نیل مت پران شلوک ۹۶۳ اور سریور کی راج ترنگنی
ترنگ ۱ شلوک ۳۷۷ میں آیا ہے اس تیرتھ میں وقتاً فوقتاً بہت سے یاتری آتے ہیں
اور اسکی شہرت حدود کشمیر سے نکل کر ہندوستان تک پہنچی ہوئی ہے اس تیرتھ کا علم نام بون
مشہور ہے جو سنسکرت کے لفظ بھون (یعنی مقدس آبادی) سے نکلا ہے معلوم ہوتا ہے
کہ یہ عام نام زمانہ قدیم ہی سے استعمال ہوتا چلا آرہا ہے کیونکہ سریور نے اپنی راج ترنگنی
کی ترنگ ۱ شلوک ۳۷۷ و ۳۸۰ میں اسے استعمال کیا ہے اور اس سے بجائے خود اس تیرتھ
کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے ایک اور مخصوص نام متس بون (سنسکرت متسیہ بھون) ہے جس
کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس چشمہ کے پانیوں میں مقدس مچھلیاں بکثرت تیرتی نظر آتی ہیں۔
مقابلہ کے لئے دیکھو آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۵۸۔

مارتنڈ کا مندر۔ اس مقدس چشمہ کے قدیم آثار بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔ زیادہ شاندار
آثار وہ ہیں جو اس عظیم مندر کے کھنڈرات کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ جیسے نوٹ ۱۵۹ ع
کتاب ہذا کے بموجب راجہ للتادتیہ نے اس تیرتھ کے دیوتا کے اعزاز میں تھوڑے فاصلہ
پر بنوایا تھا۔ یہ کھنڈرات بون کے جنوب مشرق کیطرف ایک میل سے کچھ اوپر فاصلہ
پر واقع ہیں اور اس عظیم اُڈر کے شمالی کنارہ کے قریب ہیں جو انت ناگ کیطرف پھیلا

ہوا ہے اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ مندر کے لئے یہ جگہ اسلئے منتخب کی گئی تھی کہ اس سے اسے
ایک نمایاں مقامیت حاصل ہوتی تھی۔ کلہن نے بجا طور پر "مارتنڈ کے عجیب و غریب مندر"
کی تعریف کرتے ہوئے اسکی بھاری سنگین دیواروں اور بلند احاطہ" کا ذکر کیا ہے اسکے
کھنڈرات ہر چند کہ زمانہ اور زلازل کے ہاتھوں بہت کچھ پامال ہو چکے ہیں۔ تاہم ان
میں کشمیر کی قدیم صناعی کا بہت پر لطف نمونہ دیکھنے میں آتا ہے اکثر یورپین سیاحوں نے
ان کا ذکر تعریفی الفاظ میں کیا ہے یہ کشمیر کے ان قدیم ترین کھنڈرات میں سے ہیں
جنکی تاریخ اغلب صحت کے ساتھ قائم کیجا سکتی ہے۔

ہر چند کہ مدت دراز سے ان کھنڈرات کی مذہبی اہمیت زائل ہو چکی ہے تاہم مارتنڈ
کا نام اس یا لفظ "مٹن" کیصورت میں اب تک ان کے لئے استعمال ہوتا ہے جب راجہ
کلش کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو وہ اسی مندر میں جا پہنچا تھا اور ۱۰۸۹ء میں اس نے
اس مقدس مورتی کے قدموں میں جان دی تھی۔ اس کے بیٹے ہرش نے گو ملک
کے بڑے بڑے مندروں کو خوب لوٹا۔ تاہم اس مندر کو بچا لیا تھا۔ بعد میں کلہن کے
زمانہ میں اس مندر کا عظیم چوکور احاطہ جسکی دیواریں اور ستون بلند تھے جائے پناہ
کے طور پر استعمال ہوتا رہا تھا۔ اس مورتی کو توڑنے والا وہی ظالم سکندر بت شکن
تھا جس نے اور بھی بیسیوں مورتیوں کو توڑا۔

مارتنڈ کا شہر۔ راجہ للتادتیہ نے اس مندر کے قریب جو شہر بسایا تھا۔ اس کے
متعلق کلہن نے واضح طور پر لکھا ہے کہ "اسمیں انگور بکثرت پیدا ہوتے تھے"۔ یہ امر
اغلب ہے کہ اس خشک سطح مرتفع کی آبپاشی جس پر مندر واقعہ ہے کسی ایسی نہر
کے ذریعہ ہوتی ہوگی جو دریائے ادر سے نکلتی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نہر کی مرمت
سلطان زین العابدین نے کرائی تھی جس کے مارتنڈ اور بیا بیاشی کے متعلق مختلف
کام سرانجام دینے کا ذکر جونراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۱۲۴۵ میں کیا ہے۔

ہر چند کہ مٹ مرکے اوپر کیطرف اب بھی قدیم نہر کے گذر کا سراغ چلایا جا سکتا ہے تاہم
یہ زمین اب پہلے سے زیادہ بنجر ہو چکی ہے شہر مارتنڈ کا نام مٹن کے مختصر پرگنہ میں باقی
رہ گیا تھا جسمیں یہ علاقہ اور مشرقی پہاڑوں کے دامن کے گاؤں داخل تھے جونراج
نے اس کا نام اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۱۲۱۰ میں مارتنڈ دیش لکھا ہے۔ ابوالفضل
نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ پر مٹن کے بڑے مندر اور اس کے قریبی کنوئیں
یا گڑھے کا ذکر کیا ہے جس کے متعلق اسلامی روایات کی رو سے یہ بات مشہور ہے کہ اس
میں "ملائک ہاروت و ماروت" قید ہیں اس روایت کا ذکر دگنی صاحب نے اپنی کتاب
کی جلد ا صفحہ ۳۶۱ پر کیا ہے۔

انت ناگ ۔ مارتنڈ کی سطح مرتفع کے منتہائے مغرب کے دامن میں قصبہ اسلام آباد
واقع ہے جسکا ہندوانی نام انت ناگ ہے آخرالذکر نام انت ناگ کے عظیم چشمہ کے نام
سے نکلا ہے جو شہر کے جنوبی سرے میں نکلتا ہے یہ ناگ ہر چند کہ کوئی قابل ذکر تیرتھ
نہیں تاہم اس کا بیان نیل مت پران کے شلوک ۹۰۲ ۔ ہر چرت چنتامنی کے دھیائے
۱۰ شلوک ۲۵۱ اور وتستا اور ترلیند مہاتم میں آتا ہے شہر کا بجائے خود قدیم کتابوں
میں کہیں ذکر نہیں ملتا اور جیسا کہ اس کے اسلامی نام سے ظاہر ہے اغلب معلوم
ہوتا ہے کہ یہ بعد ہی کا بنا ہوا ہے اس شہر کے شمال میں بون کیطرف گوتم ناگ واقع
ہے جسکا ذکر نیل مت پران اور مارتنڈ مہاتم میں آتا ہے

اس چھوٹے سے علاقہ کا جدید نام جسمیں انت ناگ کے علاوہ اس کے جنوب اور
مغرب کے اقطاع بھی شریک ہیں اینچ ہے بعض جدید مہاتموں میں اس کی بجائے
انیکاکش نام آیا ہے یہی نام ایک موقعہ پر سرلور کی راج ترنگنی میں (ترنگ ۳ شلوک
۱۸۴) میں بھی آیا ہے لیکن یہ امر یقینی طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا کہ اس جگہ مراد
کس علاقہ سے لی گئی ہے۔

کپٹیشور تیرتھ۔ وادی آرپتھ یا ہرش پتھا جو اسلام آباد کے مشرق کیطرف کھلتی ہے اس
میں پرگنہ کُٹھار واقع ہے اغلباً اس نام کا تعلق کپٹیشور کے قدیم تیرتھ سے ہے جو نوٹ ۱۳
کتاب ہذا کے بموجب موضع کوٹھیر کے قریب وادی کی جنوبی سمت میں واقع ہے کوٹھیر کا
نام بلاشبہ کپٹیشور سے نکلا ہوا ہے کیونکہ جس اصول کے مطابق جیشٹھیشور سے جیٹھیر
اور ترپیشور سے ترپھر بن سکتا ہے اسی کی رو سے کپٹیشور سے کوٹھیر بنجانا کچھ بھی غیر نہیں اغلباً
مقام یاترا پاپ سدن کا (گناہ دور کرنیوالا) مقدس چشمہ ہے جو کوٹھیر کے اوپر
کیطرف تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے خیال کیا جاتا ہے کہ اس جگہ شوجی نے اپنے
آپ کو پانی پر بہتی ہوئی لکڑیوں کے روپ (کپٹ) میں ظاہر کیا تھا یہ قصہ نیل مت
پران میں مفصل طور پر مذکور ہے اور ہر چرت چنتامنی کے مصنف نے اس کے لئے
ایک کانڈ (نمبر ۱۴) مخصوص کیا ہے جو اب اس تیرتھ کا مستند مہاتم بنگیا ہے اس تیرتھ
کی اہمیت کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ کلہن نے اس کا ذکر اپنے دیباچہ میں کرتے
ہوئے اسے کشمیر کے مقدس مقامات میں درجہ اول دیا ہے۔

البیرونی نے بھی اپنی کتاب انڈیا جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ پر اس قصہ کا ذکر کیا ہے جسکا
مطلب یہ ہے کہ مہادیو کی بھیجی ہوئی لکڑی کے ٹکڑے ہر سال کودے شہر نامی ایک
تالاب میں نمایاں ہوتے ہیں جو کہ وتنشٹ کے منبع کے بائیں طرف واقع ہے اور یہ عمل
ہر سال ماہ بیساکھ میں ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس جگہ کودیشہر سے مراد کودیشور سے ہے جو
اصلی نام کی پراکرت صورت ہے نقشہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وتنشٹ کا روایتی
منبع اگر نیل ناگ کو قرار دے لیا جائے تو اس تیرتھ کا بیان کردہ محل وقوع بالکل
درست ہے البیرونی نے جو تاریخ لکھی ہے۔ اسی کے قریب کپٹیشور یاترا ہوا کرتی ہے،
یہ مقدس چشمہ ایک بڑے گول تالاب میں نکلتا ہے جس کے گرد قدیم پتھر کی
دیوار ہے اور پانی کی سطح تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ کلہن کے بیان

سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ احاطہ اس کے زمانہ سے قریباً ایک صدی پیشتر راجہ بھوج دالئے
مالوہ نے اپنے خرچ پر بنوایا تھا۔ آخر الذکر کی نسبت مذکور ہے کہ اس نے اس بات کا عہد کر
رکھا تھا کہ میں ہمیشہ پاپ سدن چشمہ کے پانی سے منہ دھویا کروں گا۔ یہی وجہ تھی کہ
ترنگ ۷ کے شلوک ۱۹۰ کے بموجب اسے یہ پانی شیشہ کی صراحیوں میں پہنچایا جاتا تھا
نوٹ ۵۰ کتاب ہذا میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ کوٹھیر میں مقامی طور پر یقصہ
اب تک مشہور ہے گو اس میں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی ہو چکی ہے تالاب کے مشرق
کیطرف جو چھوٹا مندر واقع ہے وہ اور بعض دیگر آثار راجہ بھوج کے عہد سے متعلق
معلوم ہوتے ہیں ابو الفضل نے بھی لکھا ہے کہ "موضع کوٹھی بار میں پتھر کے مندروں
سے گھرا ہوا ایک گہرا چشمہ ہے جب کبھی اس کا پانی اتر جاتا ہے۔ صندل کی لکڑی
کی بنی ہوئی مہادیو کی مورتی نمایاں ہو جاتی ہے۔

سما نگا شا ۔ کوٹھیر کے شمال مشرق کیطرف کوئی ۴ میل کے فاصلہ پر دریائے
آرپتھ کی ایک شاخ کے اوپر سانگس کا آباد گاؤں واقع ہے جسکا قدیم نام سمانگا
شا ہوا کرتا تھا۔ کلہن نے اس جگہ کا ذکر دو جگہ یعنی ترنگ ا کے شلوک ۱۰۰ اور ترنگ
۸ کے شلوک ۱۵۱ میں کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ نام بعض صوتی تبدیلیوں
کے بعد سمانگاشا ہی سے نکلا ہے چنانچہ ان تبدیلیوں ہی کی ایک درمیانی صورت
لفظ سوانگس ہے جسے راج ترنگنی کے ایک پرانے ٹیکا کار نے درج کیا ہے مقابلہ
کے لئے دیکھو نوٹ ۳۷ کتاب ہذا اس جگہ کی بڑی زیارت میں جو بعض تراشی
اور کندہ کی ہوئی سلیں لگی ہوئی ہیں ان سے بھی اسکی قدامت کی تصدیق ہوتی
ہے سانگس سے تھوڑا فاصلہ اوپر کیطرف ایک اور قدیم مقام آتا ہے اس کا موجودہ
نام وترس ہے جسکی نسبت اسی قدیم ٹیکا کار کے بیان اور مقام کے نام سے یہ بات
معلوم ہوتی ہے کہ اسی جگہ کا نام کلہن نے ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۵۴ میں اترابس

لکھا ہے۔ اوچل اور سسل جب راجہ ہرش کے دربار سے فرار ہوئے ہیں تو انہوں نے اس جگہ کے ڈامروں کے ہاں عارضی پناہ حاصل کی تھی۔

مغرب کیطرف مڑکر ہمیں وادی کے وسط میں موضع کھوندر ملتا ہے ایک پڑتے نے ٹیکا کار کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ کا قدیم نام سکندپور تھا۔ جسکی نسبت کلہن نے ترنگ اکے شلوک ۳۴۰ میں لکھا ہے کہ وہ راجہ گوپادتیہ کا اگرہار تھا۔ اس سے زیادہ اہمیت رکھنے والا مقام موضع اچبل ہے جو اس سلسلہ کوہ کے انتہائی سرے پر ایک بڑا سا گاؤں ہے جو کٹھار پرگنہ کے جنوب میں واقعہ ہے۔ راج ترنگنی میں اس کا نام اکشوالا آیا ہے اس جگہ کے خوشنما چشموں کی کیفیت ابوالفضل کے بعد اور بہت سے لوگوں دشیز برنیر صاحب نے قلم بند کی ہے ان کے گرد جو باغ واقع ہے اس میں عہد مغلیہ میں اراکین سلطنت ڈیرے لگایا کرتے تھے آئین اکبری کے ترجمہ میں جلد ۲ کے صفحہ ۳۵۰ پر اسکا نام اچھ ڈل آیا ہے نیز دیکھو برنیر صاحب کی کتاب ٹریولز صفحہ ۴۱۱۔ نیل مت پران میں چشمہ کا نام اکشی پال ناگ آیا ہے

۷۔ مدوراجیہ کے جنوبی اضلاع

علاقہ برنگ۔ کٹھار پرگنہ کے ساتھ جنوب میں علاقہ برنگ ملتا ہے جو برنگ ندی کی وادی میں واقعہ ہے معلوم نہیں اسکا قدیم نام کیا ہوا کرتا تھا۔ البتہ لوک پرکاش میں جدید نام کی بجائے لفظ بھرنگ استعمال ہوا ہے پرگنہ کے مغربی سرے پر اور اچبل سے ۵ میل جنوب مغرب کیطرف موضع لوک بون واقعہ ہے جسکی نسبت نوٹ ۲۶ کتاب ہذا کے بموجب ایک ٹیکا کار نے لکھا ہے کہ اسکا قدیم نام لوک پنیہ ہوا کرتا تھا اور بھی جن مختلف شلوکوں میں اس مقام کا ذکر آیا ہے ان سب سے

اس کا محل وقوع یہی معلوم ہوتا ہے لوک بون کا نام اس خوشنما ناگ کے لیے بھی
استعمال ہوتا ہے جو گاؤں سے ملحق ہے اور اسی سے موجودہ نام کے آخری نصف حصہ
بون (سنسکرت بھون) کی توضیح ہوتی ہے روایت ہے کہ راجہ للتا دتیہ نے اس جگہ
ایک شہر بنوایا تھا۔ چشمہ کے قریب مغلوں کے زمانہ کا بنا ہوا جو چھوٹا باغیچہ دار
محل ہے وہ کسی قدر پرانے مصالحہ کا بنا ہوا ہے۔

وادی ویرنگ کے اوپر چڑھتے ہوئے ہم موضع بدا کے قریب ایک اور قدیم محل وقوع
پر پہنچتے ہیں۔ یقیناً یہی وہ بھیدر ہے جسکا ذکر ترنگ ۳ کے شلوک ۴۸۱ میں کرتے
ہوئے کلہن نے بیان کیا ہے کہ راجہ بالادتیہ نے یہاں پر ایک اگرہار قائم کیا تھا
بحالت موجودہ سطح زمین پر جو آثار نظر آتے ہیں انہیں یا تو وہ خستہ حال بیڈ ہے
جو گاؤں کے اندر واقع ہے اور بعض پرانے کندہ کاری کے پتھر ہیں جو پاس کے برہمنی
گاؤں ہانگل گنڈ میں پائے جاتے ہیں۔

اردو ہنار یشور تیرتھ۔ بدر سے گذر کر ہم اس چھوٹے تیرتھ کے قریب پہنچتے ہیں۔
جسکا ذکر ہر چند کہ پرانی کتابوں میں کہیں نہیں پایا جاتا تاہم وہ کسی قدر قدامت
کا دعویدار ہے۔ بدر کے جنوب مشرق کیطرف کوئی ½ ۱ میل کے فاصلہ پر موضع
ناروان نشیب پہاڑیوں میں واقع ہے۔ جو کہ وادی کے کنارہ کنارہ چلی جاتی
ہیں۔ اس میں قدیم زمانہ کا ایک چھوٹا سا مندر ہے جسکی مرمت اب سے ۴۰ سال
اس طرف ایک عابد ڈوگرہ اہلکار نے کرادی تھی۔ یہ ایک چھوٹے سے ناگ کے کنارہ
واقع ہے جہاں پر شو اردو ہنیشور (شو پاربتی کی مشترکہ) پوجا ہوتی ہے یہ حالات
سٹائین صاحب کو اس مقامی پجاری سے معلوم ہوئے جو انہیں وہیں کے ایک پنڈت
سے مل گیا تھا۔ مندر کے اندر وشنو کی ایک قدیم مورتی اور سنسکرت کا ایک مختصر
سا کتبہ ہے جسکی بابت روایت ہے کہ مندر کی درستی و بحالی کے موقعہ پر وہ ایک

معجزانہ طریق پر پایا گیا تھا۔ نصف میل جنوب مغرب کیطرف سوید ناگ کا مقدس چشمہ ہے جس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں وہ ایک بڑے مندر کے اندر نکلا کرتا تھا۔ اس مندر کے کھنڈرات اب بے ترتیبی سے اس چشمہ کے گرد بکھرے پڑے ہیں اس چشمہ پر اب بھی لوگ یاترا کی غرض سے جاتے ہیں۔

ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۵۶ پر جو ذیل کی عبارت لکھی ہے وہ اسی مقام کے متعلق معلوم ہوتی ہے چنانچہ وہ کوکرناگ اور سندبرار کو برنگ کے مقدس مقامات بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ "تھوڑے فاصلہ پر ایک خوشنما مندر کے اندر سات چشمے دیکھنے والے کو محو حیرت بناتے ہیں۔ موسم گرما میں بعض سنیاسی اس جگہ اپنے گرد آگ کے بڑے بڑے ڈھیر لگا لیتے ہیں۔ اور اس طرح پر بڑے استقلال کے ساتھ جل بھن کر مر جاتے ہیں۔" آگے چلکر ابوالفضل نے ایک بلند پہاڑی کا ذکر کیا ہے جو اس مقام کے شمال کیطرف واقع ہے اور جہاں ایک لوہے کی کان ہے اس سے مراد صرف اسی پہاڑی سے ہو سکتی ہے جو وادی کے شمالی حصہ میں سوپ سے اوپر کیطرف واقع ہے اور نارد کے قریب بالمقابل ہے۔ کیونکہ اسجگہ سے آج تک لوہا نکلتا ہے۔ علاقہ برنگ میں سوید ناگ کے علاوہ اور کوئی ناگ اس قسم کا نہیں جس پر ابوالفضل کی بیان کردہ کیفیت پورے طور سے صادق آسکے۔

کوکرناگ جسکی بابت ابوالفضل نے لکھا ہے کہ اس کا پانی بہت خوشگوار۔ فرح بخش اور بھوک پیدا کرنے والا ہے وہ بد سے ایک میل اوپر کیطرف واقع ہے یہ ایک بہت بڑا چشمہ ہے لیکن اس کا ذکر صرف تری سندھیا مہاتم میں گلگشور کے نام سے آیا ہے۔

تری سندھیا کا چشمہ۔ علاقہ برنگ میں کشمیر کے مقدس ترین تیرتھوں میں سے ایک واقعہ ہے جو دیوی سندھیا کا مقدس چشمہ کہلاتا ہے اور جسکا نام نوٹ ۱۱ کتاب ہذا کے بموجب تری سندھیا یا (جدید) سندبرار بھی ہے یہ ایک بغلی وادی میں

جس کا دہانہ موضع دیول گوم کیطرف کھلتا ہے واقع ہے سندھیا کا چشمہ اس وجہ سے اس نام سے مشہور ہے کہ ابتدائی موسم گرما میں وہ غیر معین وقت کے لئے تین بار دن میں اور تین بار رات کو مقررہ وقفہ کے ساتھ بہتا ہے یا اس کے اس طرح بہنے کا لوگوں کے دلوں میں خیال بیٹھا ہوا ہے۔ چونکہ گائتری (سندھیا) کا پاٹھ بھی تین ہی مرتبہ ہوتا ہے اس لئے اس چشمہ کو دیوی سندھیا سے منسوب کیا جاتا ہے جس موسم کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اسمیں اسجگہ بہت سے یاتری جمع ہوا کرتے ہیں۔

یہ چھوٹا سا چشمہ ہر چند کہ سال کے بہت بڑے حصہ میں عام طور پر خشک رہتا ہے۔ تاہم اس خصوصیت کی وجہ سے جسکا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ ہمیشہ سے عجائبات کشمیر میں شمار ہوتا چلا آیا ہے۔ کلہن نے کپٹیشور کا ذکر کرنے کے بعد اس کا ذکر کیا ہے نیل مت پران میں بھی اس کا حوالہ دیا ہوا ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۵۵ پر اس کا مفصل طور پر ذکر کیا ہے اور جیسا کہ ڈاکٹر برنیر کے سفرنامہ کے صفحہ ۴۱۰ سے واضح ہوتا ہے یہ نامی گرامی سیاح بھی اس "معجزہ کشمیر" کو دیکھنے کے لئے گیا تھا۔ اس ظہورہ کا ذکر اس نے اپنی حسب معمول صحت کے ساتھ کیا ہے۔ اس کے متعلق جو عجیب کیفیت اس نے قلم بند کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس چھوٹی وادی کے جغرافیائی پہلوؤں پر خوب اچھی طرح سے غور کر لیا تھا نزدیک سندھیا کے چشمہ کے قریب ایک اور ناگ سپت رشی کے نام سے واقع ہے لیکن اس میں وہ خصوصیت نہیں پائی جاتی اس کے نواحات میں کوئی خاص کھنڈر بھی اس قسم کے واقعہ نہیں ہیں جو قابل ذکر ہوں۔

علاقہ ویر۔ نیل ناگ۔ برنگ کے جنوب کیطرف دریائے ساندرن کی وادی واقع ہے جسمیں پرگنہ شاہ آباد ہے یہ نام نسبتاً زمانہ جدید کا ہے کیونکہ ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۱ و ۳۷۰ پر اسکا نام ویر ہی لکھا ہے یہ نام آج

بھی ویرناگ کی صورت میں موجود ہے۔ جو عام طور پر اس خوشنما چشمہ کیلئے استعمال کیا جاتا ہے
جس کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ اِس میں نیل ناگ رہتا ہے۔ اور جسکو دریائے وتشٹہ
کا روائتی منبع قرار دیا جاتا ہے۔ جب ابوالفضل نے اسے دیکھا۔ تو اِس کے مشرق کی طرف پتھر
کے مندر بنے ہؤا کرتے تھے۔ یہ اب کہیں نظر نہیں آتے۔ اور اِن کا مصالحہ غالباً اِس
سنگین لیکن خوشنما احاطہ کی تیاری میں صرف ہو چکا ہے۔ جسے جہانگیر نے اِس چشمہ کے
گرد بنوایا تھا۔ اس چشمہ کا پانی گہرے نیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ جس سے نیل ناگ کے اِس
میں رہنے کے عقیدہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ کلھن نے ترنگ ۱ کے شلوک ۲۸ میں
جو حوالہ "اِس گول تالاب" کے متعلق دیا ہے۔ جس میں سے دریائے وتشٹہ نکلتا ہے
اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زمانہ قدیم میں بھی اِس چشمہ کے گرد ایک ویسی ہی مصنوعی
چاردیواری ہؤا کرتی تھی جیسی کہ اب ہے۔

وتستاتر:۔ قبل ازیں وتھ وتر کے مقدس چشمہ کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ جو ویرناگ کے
شمال مغرب کی طرف ایک میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ اِس کے قریب جو چھوٹا سا
گاؤں ہے۔ اِس کا نام کلھن نے ترنگ ۱ کے شلوک ۱۰۲ میں وتستاتر لکھا ہے مذکور
ہے کہ راجہ اشوک نے اس جگہ بہت سے ستوپہ بنوائے تھے۔ چنانچہ دہرم آرنیہ وہار
کے اندر اس کا بنوایا ہؤا ایک بلند چیتیہ ہؤا کرتا تھا۔ بحالت موجودہ ان عمارات کے
کوئی بھی آثار سطح زمین پر نظر نہیں آتے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وتستاتر کسی بھی
زمانہ میں بڑا قصبہ نہ ہوگا کیونکہ اِس جگہ کی زمین بہت محدود ہے۔ البتہ اِس جگہ
کی اہمیت اِسس وجہ سے کسی قدر بڑھی ہوئی ہے۔ کہ اس کے پاس سے درہ بانکال
(بانشالا) گذرتا ہے۔ قبل ازیں اِس درہ اور اس کے قدیم نام کا ذکر آ چکا ہے
پنچ ہستا جس کا موجودہ نام پانتر تھہ ہے۔ وہ بھی علاقہ ویرہی میں داخل ہے
اور اِس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ یہ جگہ وتشٹہ کا روائتی منبع مشہور ہے

کلہن نے ترنگ ۵ کے شلوک ۴۲ میں اس کا ذکر اس ہٹھ کے سلسلہ میں کیا ہے جسے راجہ اونتی ورمن کے وزیر شور ورمن نے بنوایا تھا وہ خوشنما وادی جسکا دہانہ پانپنر کے جنوب میں کھلتا ہے اب اپنے بڑے گاؤں رزول کے نام سے مشہور ہے آخرالذکر کا نام جونراج نے اپنی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) کے شلوک ۹۰ میں راجلوک لکھا ہے اس وادی کے اوپر کیطرف تین میل کے فاصلہ پر واسکی ناگ واقع ہے اس کا ذکر نیل مت پران کے شلوک ۱۰۹ وبعض دیگر مقدس کتب میں آیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اسے بہ حیثیت ایک تیرتھ کے کبھی کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں رہی۔

علاقہ دیوسرس۔ پرگنہ دوسر جو شاہ آباد ویر کے ساتھ بجانب مغرب ملحق ہے اس کے متعلق عام لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ اس میں وہ دریائی میدانی علاقہ داخل ہے جسے دریائے وساؤ (وشوکا) سیراب کرتا ہے جیسا کہ نوٹ ۴۲ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے اس کا ذکر اکثر جگہ راج ترنگنی و دیگر تواریخ میں آیا ہے۔ چونکہ اس میں سے ہوکر دریائے وشوکا کی اکثر نہریں گذرتی ہیں اسلئے وہ زرخیز ہے یہی وجہ ہے کہ بعد کے کمزور راجگان کشمیر کے زمانہ میں دیوسرس کے ڈامروں نے فتنہ و فساد میں اس قدر حصہ لیا تھا۔ اس علاقہ کے کسی خاص مقام کے متعلق کسی خاص حوالہ کا پرانی کتابوں میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔ البتہ یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ پاری وشوک جسکا ذکر کلہن کی راج ترنگنی میں اکثر آیا ہے۔ دیوسرس ہی میں ہوگا۔ اس نام کے لغوی معنی "وشوکا سے پار" کے ہیں۔ مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۲۰۵ کتاب ہذا۔

کھیری۔ ان زرخیز وادیوں کا جو سلسلہ کوہ پیرپنجال کے اس حصہ سے جو کہ قلعہ کونسرناگ اور درہ بوہک کے مابین واقع ہے دریائے وشوکا کے دائیں کنارہ تک اترتا ہے اس کا بجائے خود ایک جداگانہ علاقہ بنا ہوا ہے جسکا مرکب نام کھرنارو

ہے۔ اس نام کا پہلا حصہ موضع کھر سے لیا گیا ہے جو وشو کا سے قریباً ۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے پیمائش کے بڑے نقشہ پر اس کا نام کودی درج ہے جیسا کہ نوٹ ۱۱۱ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے۔ کھیری کا نام جسے کلہن اور سرلور نے اس علاقہ کے لئے استعمال کیا ہے دراصل کھر ہی کی قدیم صورت ہے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے منہ زور اجاد کے عہد میں کھیری کی نظامت جداگانہ ہوا کرتی تھی۔ کلہن نے بارہا کھیری کا رہیہ کو اعلےٰ سرکاری منصب کے طور پر لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سکھوں اور ڈوگروں نے کھرناروادمیں جو خاندان شاہی کے اراکین کے لئے جاگیریں قائم کرنے کا طریق مروج کیا تھا۔ اس میں وہ درحقیقت ایک پرانے طریق ہی کی تقلید کر رہے تھے۔

گودہرا ہستی شالا۔ اس مختصر علاقہ میں جن دو مقامات کے قدیم نام ہمیں معلوم ہیں وہ گودہرا اور ہستی شالا ہیں۔ جنکے موجودہ نام گودر اور ہستی ہیل ہیں (مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ع۲۳ کتاب ہذا)۔ یہ دونو مقامات ایک دوسرے کے قریب دریائے وشو کا کی ایک شاخ پر کھرناروا کی مشرقی حدود کے نزدیک واقع ہیں۔ کلہن نے لکھا ہے کہ راجہ گودہر نے گودہرا ہستی شالا کا اگر ہار قائم کیا تھا۔ اس پر ایک ٹیکا کار نے لکھا ہے کہ اس نام سے مراد گودہر استی ہیل سے ہے اسی شرح کی مدد سے سٹائین صاحب نے ان کے جدید نام تلاش کیے ہیں۔ ایک چھوٹی سی ندی جو مقام گودر پہ دریائے وشو کا میں جاگرتی ہے۔ گوداوری کے نام سے مشہور ہے اور نواحی علاقوں کے برہمنوں میں کسی قدر شہرت رکھنے والا تیرتھ ہے اس تیرتھ کے مہاتم میں گاؤں کا نام گودر درج ہے اور اس نام کو گوداوری کے نمودار ہونے کی روایت سے منسوب کیا گیا ہے۔ کلہن کے محولہ بالا شلوک پر جو نوٹ دیا گیا ہے اس کے دوران میں اس مقامی روایت کا ذکر کر دیا جا چکا ہے جس میں آتا ہے کہ راجہ گودر نے اس جگہ

ایک شہر آباد کیا تھا۔

نو مینہ ہن تیرتھ اور کرم سر س یا کونسر ناگ کا جو اس علاقہ کے جنوب میں واقع ہیں قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے

علاقہ کرال۔ دور سر کے شمال کیطرف آدون کا عظیم علاقہ کھر نار دماد کے مغربی سرے سے لیکر دریائے وشو کا کے نچلے حصہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا موجودہ نام موضع آدون کے نام سے لیا ہوا ہے جو جبرور کے جنوب مغرب کیطرف ۲ میل کے فاصلہ پر دریائے وشو کا کے بائیں کنارہ پر واقع ہے یہ نام جونراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) کے شلوک ۱۳۳۰ میں اردہ ون کیصورت میں پایا جاتا ہے لیکن اس علاقہ کا قدیم نام کرال ہوا کرتا تھا چنانچہ کلہن نے اس نام کی یہ صورت اس موقعہ پر استعمال کی ہے جہاں وہ سورن منی کلیہ یعنی موجودہ نہر سن مان کل کا ذکر کرتا ہے جسکی نسبت قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ آدون کے ایک حصہ کو سیراب کرتی ہے۔

اس علاقہ کے نچلے حصہ میں دریائے وشو کا کے بائیں کنارہ پر قدیم کتی موش واقع ہے جسکا موجودہ نام کیموہ ہے کلہن نے اس مقام کی نسبت لکھا ہے کہ یہ راجہ تنجن اول کا قائم کردہ اگر ہار ہے۔ جس کے بعض آثار اس جگہ کی بڑی زیارت کی تعمیر میں صرف کردئے گئے ہیں۔ مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ع ۱۲۷ کتاب ہذا۔

پرگنہ زین پور۔ آدون کا کچھ حصہ ایک دریائی سطح مرتفع پر واقع ہے معلوم ہوتا ہے کہ جب سلطان زین العابدین نے اس جگہ انہار کے سلسلہ کو وسعت دی۔ تو اس ادر کا شمالی حصہ ایک جداگانہ پرگنہ بن گیا تھا۔ اس نے جس قصبہ جین پوری کی بنا ڈالی تھی اس کے نام پر جدید علاقہ کا نام زین پور یا جین پور ہو گیا یہ نام جونراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۱۱۴۴ سرپور کی راج ترنگنی ترنگ ۳

شلوک ۴ ۱۹ اور شک اور پرجا بھٹ کی راج ترنگنی کے شلوک ۳۶۰ و ۳۶۳ میں آتا ہے۔ زین پورا ڈر کے مشرقی دامن میں موضع وچی (نقشہ پر ودچی) واقع ہے جس کی نسبت ایک پرانے ٹیکا کار کا بیان ہے کہ یہ راجہ گوپادتیہ کا قائم کردہ اگرہار وشچکا یا وشچک ہے۔ مقابلہ کے لیئے دیکھو نوٹ عـ۱۱ کتاب ہذا۔

لوٹ پرگنہ۔ جو پرگنہ شمال مشرق کی جانب آدون سے ملا ہوا ہے اس کا موجودہ نام لوٹ ہے جو نقشہ پر بتو کے نام سے دکھایا ہوا ہے اسمیں صرف ایک ہی مقام ایسا ہے جسکا قدیم کتابوں میں ذکر آتا ہے اور اسکا نام سدا دُ ہے جسکا نام نوٹ عـ۱۹۶ کتاب ہذا کے بموجب سدہ سچھ ہے اسی کے نام پر اس راستہ کا نام پڑچکا ہے جو درہ بودل اور کونسر ناگ کیطرف جاتا ہے یہ ایک عجیب بات ہے کہ موجودہ موضع شوپین کا جو سلسلہ کوہ پیر پنچال کی تجارتی منڈی ہے کہیں ذکر نہیں آتا۔ تجارتی اہمیت کے اعتبار سے شوپین نے قدیم شور پور یا ہور پور کی جگہ لے لی ہے لیکن یہ تبدیلی نسبتاً جدید معلوم ہوتی ہے۔

شور پور۔ شور پور جسکی نسبت قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ وہ سلسلہ کوہ پیر پنچال کا بجانب کشمیر انتہائی مقام ہے۔ ہمیل اوپر کیطرف ریبیارندی پر واقعہ ہے مقابلہ کے لیئے دیکھو نوٹ نمبر ۵ ضمیمہ کتاب ہذا (متعلقہ ترنگ ۳ شلوک ۲۲۷) نوٹ عـ ۳۲۹ ب کتاب ہذا و نیز جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۹۵ء صفحہ ۱۳۸۱ اس مقام کا نام ورمن شورورمن کے نام پر پڑا تھا جس نے اسے راجہ اونتی ورمن کے عہد میں بنوا کر درنگ یا راستہ کی چوکی کو اسجگہ منتقل کیا تھا۔ آخرالذکر کے محل وقوع کا پتہ الٰہی دروازہ نامی ایک مقام سے چلتا ہے جو ہور پور سے اوپر کیطرف تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ معلوم ہوتا ہے شور پور ایک بڑا وسیع العرض مقام ہوا کرتا تھا کیونکہ قدیم آبادیوں کے کھنڈرات موجودہ ہور پور سے نیچے کیطرف دو میل سے زاید فاصلہ تک

دریا کے کناروں پر پائے جاتے ہیں۔ اسے شہنشاہ اکبر کے زمانہ تک اہمیت حاصل
رہی ہوگی۔ کیونکہ بعد کے مورخوں نے جہاں کہیں سلسلہ کوہ پیر پنچال کے راستہ کو چوں
یا آمدورفت کا ذکر کیا ہے اس کا نام بھی لکھا ہے راستہ پیر پنچال کے متعلق سٹائین صاحب
نے جو نوٹ لکھے ہیں انمیں اس مقام کے قدیم آثار کا مفصل طور پر ذکر کیا ہے

کپال موچن تیرتھ۔ درہ پیر پنچال کی سمت میں جو قدیم مقامات واقعہ ہیں انکا
ذکر چونکہ قبل ازیں کیا جا چکا ہے اسلئے ان کا اعادہ اسجگہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے
پس ریمبیار ندی کے ساتھ ساتھ نیچے اتر کر ہم اس کے بائیں کنارہ پر موضع دیگام
میں پہنچتے ہیں جو شوپئن کے مغرب کیطرف قریباً ½ ۱ میل کے فاصلہ پر واقع ہے
جیسا کہ ترنگ ۷ کے شلوک ۲۶۶ سے واضح ہوتا ہے اسی جگہ کا قدیم نام دیگرام ہوا
کرتا تھا اور یہی کپال موچن تیرتھ کا محل وقوع ہے آخرالذکر کے مقدس چشمہ کے
متعلق خیال ہے کہ وہ اس مقام پر واقع ہے جہاں شوجی نے برہما کا سر کاٹنے
کے گناہ کا پرائسچت کیا تھا۔ ایک قدیم تیرتھ ہے کیونکہ ہرچرت چنتامنی میں اسکا
ذکر دو جگہ ادھیائے ۱۰ کے شلوک ۲۴۹ اور ادھیائے ۱۴ کے شلوک ۱۱۱ میں آتا ہے
لیکن بحالت موجودہ اسجگہ بہت کم قدیم آثار موجود ہیں اور موجودہ مہاتم بھی پرانا
معلوم نہیں ہوتا۔ اسمیں گاؤں کا نام دیگرام آیا ہے اور جدید شوپئن کا نام
شور پائین درج کیا گیا ہے۔

وہ گاؤں جو شوپئن کے مغرب اور شمال مغرب کی طرف اترنے والے کرایوں
کے جن پر صنوبر کے درخت بکثرت اُگے ہوئے ہیں دامن میں واقعہ ہیں اب سے
تھوڑی مدت پہلے تک ایک جداگانہ پرگنہ بنام سیرسامن میں داخل ہوا کرتے تھے
اس کا ذکر ابوالفضل نے بھی کیا ہے۔ لیکن قدیم کتابوں میں کہیں اسکے نام
کا پتہ نہیں چلتا۔

علاقہ شکرو - اس علاقہ و نیز لوٹ کے شمال کیطرف پرگنہ شکرو واقع ہے معلوم نہیں اس کا قدیم نام کیا ہوا کرتا تھا - اس جگہ پہاڑیوں کے دامن میں قدیم کلیان پور واقعہ ہے جسکی موجودہ صورت کلم پور کا گاؤں ہے جیسا کہ نوٹ نمبر ۳۰ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے اسکی بنا راجہ جیا پید کی ایک رانی کلیان دیوی نے ڈالی تھی چونکہ یہ جگہ درہ پیر پنچال سے سرینگر جانیوالے شاہ راہ پر واقع ہے اسلئے اس سمت سے جو لوگ حملہ آور ہوئے ان سے اس جگہ بہت سی لڑائیاں ہوئیں جنکا ذکر ترنگ ۵ کے شلوک ۱۲۶۱ - ۴ ۲۸۱ و سرلویر کی راج ترنگنی ترنگ ۴ شلوک ۴۶۶ میں آتا ہے جیسا کہ ترنگ ۸ کے شلوک ۸ ۴ ۲۳ سے واضح ہوتا ہے - کلہن کے زمانہ میں کلیان پور میں ایک طاقت ور ڈامر کی دیہی رہائش کا شاندار محل ہوا کرتا تھا موضع دراب گام جو کلم پور سے ۲ میل شمال کیطرف واقعہ ہے اس کا نام سرلویر نے درابھ گرام اس موقعہ پر لکھا ہے جہاں اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۴۶۷ میں اس نے ایک لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے کلیان پور اور اس جگہ دونوں کا ذکر کیا ہے اب بھی دراب گام میں ایک چھوٹا سا مندر ہے جس کا ذکر بشپ کاوی صاحب نے جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۶ء صفحہ ۱۱۷ پر کیا ہے

بھیدا تیرتھ - برنائی ندی کی وادی میں بہت اونچا جاکر اس قدیم تیرتھ کا محل وقوع ہے جو ہر چند کہ اب لوگوں کو فراموش ہو چکا ہے تاہم کسی زمانہ میں کشمیر کے اندر بہت بڑی اہمیت رکھتا تھا کلہن نے اپنی راج ترنگنی کے دیباچہ میں جہاں تری سندھیا - سویمبھو - شاردا اور دیگر تیرتھوں کا ذکر کیا ہے وہاں بھید پہاڑی (بھیدگری) کا ذکر بھی کیا ہے - جسے چشمہ گنگو بھید کیوجہ سے تقدیس کا درجہ حاصل ہے اعتقاد ہے کہ اس جگہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر جو جھیل واقعہ ہے اس میں دیوی سرسوتی راج ہنس کی صورت میں نمودار ہوئی تھی - ایک مدت سے اب

بابا نزیوں نے اس تیرتھ پر جانا بند کردیا ہے اور اس کے محل وقوع کی یاد بھی پنڈتوں کو فراموش ہو چکی ہے خوش قسمتی سے اس مقدس جھیل کے پرانے مہاتم کی ایک جلد دستبرد زمانہ سے بچ رہی ہے کچھ تو اس مہاتم کی مدد اور کچھ ابوالفضل کی بعض تحریروں کی رہبری سے سٹائین صاحب نے اس قدیم تیرتھ کے متعلق تحقیق و تجسس کا سلسلہ شروع کیا اور بالآخر انہیں معلوم ہوا کہ اس کا محل وقوع مذکورہ بالا وادی میں اس جگہ ہے جہاں اب بدبرار واقعہ ہے۔

اس کے متعلق مفصل شہادت نوٹ ؎ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ ترنگ اشلوک ۳۵ میں دیگئی ہے اس لئے اصل جگہ اس مقام کی بعض جغرافیائی خصوصیات کا ذکر کرنا ہی کافی ہوگا مہاتم میں مذکور ہے کہ سرستی بھیدا دیوی کی مقدس جھیل ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے اور گنگو بھید کا چشمہ اس میں سے بہ کر نکلتا ہے بدبرار میں جو گوجروں کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور بھید گری کی جگہ پر واقعہ ہے۔ سٹائین صاحب کو ایک قدیم پتھر کا بنا ہوا تالاب نظر آیا جسمیں ایک چھوٹے ٹیلے کی چوٹی کے چشمہ کا پانی آتا ہے یہ ٹیلہ برفانی ندی کی تنگ وادی کی سطح سے قریباً ۰ فٹ بلند ہے۔ اس ٹیار کے ایک پہلو سے وہ چشمہ بہ کر نکلتا ہے جسمیں تالاب کا زائد پانی آتا ہے اور یہ پہلو سے گنگو بھید سے مطابق ہے بدبرار کا نام بھی براہ راست بھیدا دیوی کے نام سے خلا ہوتا ہے جو اس تیرتھ کے لیے مہاتم میں استعمال ہوا ہے برار بی سنسکرت صورت بھٹار کا دیوی کے معنی رکھتی ہے اور اس قسم کے ناموں کی دیگر مثالیں سندبرار ہربرار وغیرہ

اس چشمہ کا پانی جس سے تالاب بھرا ہوا ہے سردیوں میں بھی گرم بہتا ہے کسی بنا پر مہاتم میں وہ قصہ مذکور ہے جسمیں آیا ہے کہ اس مقدس تالاب کے گرد کبھی برف نہیں گرتی۔ ابوالفضل نے بھی آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ پر لکھا ہے کہ کوہ کے قریب ایک نشیب پہاڑی ہے جسکی چوٹی پر سال بھر رواں رہنے والا چشمہ ہے

جہاں لوگ یاترا کرنے آتے ہیں اس حصہ کوہ پر کبھی برف نہیں گرتی۔
بھیداون۔ سٹائین صاحب نے اس بارہ میں جو تحقیقات کی اس میں سر یور کی تحریروں سے بھی بہت کچھ مدد ملی اور انکی بنا پر بعد ہیں وہ کامل طور پر اسے شناخت کرسکے مریور نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۹۶ ۴ میں بیان کیا ہے کہ جیب وراب گام کے قریب مغلوب ہونے کے بعد فوجیں رجوری کیطرف پسپا ہو رہی تھیں۔ تو انہوں نے بھیداون (بھیدا کے جنگل) ہی کا راستہ اختیار کیا تھا۔ جب ہم نقشہ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد بیدار کی جنگلوں سے ڈھکی ہوئی وادی سے ہے جو فوج وراب گام کے قریب مغلوب ہو اس کے لئے درہ پیر پنجال اور وہاں سے رجوری کیطرف جانے کا سب سے سیدھا راستہ یہی ہو سکتا ہے وادی میں سے گذرنے والی سڑک دبجی کے مقام پر شاہی سڑک سے جا ملتی ہے اور نقشہ پر دکھائی گئی ہے اب ہم پھر ایک مرتبہ میدان کیطرف رجوع کریں تو شکرو کے دو اور قدیم قابل ذکر مقامات نظر آتے ہیں بلاؤ جسے نقشہ پر بیلوہ کے نام سے دکھایا گیا ہے اور جو وراب گام سے ۴ میل شمال مشرق کیطرف واقعہ ہے وہ غالباً قدیم موضع بلاؤ ہے جس کا ذکر کلہن نے ترنگ ۷ کے شلوک ۱۰۱۶ میں کیا ہے اس سے ایک میل فاصلہ پر موضع سن سامل واقعہ ہے جس کے متعلق یہ قیاس کچھ غیر موزون نہ ہوگا کہ اس سے مراد سورن سانہ ہے جسکا ذکر راج ترنگنی میں آتا ہے اس شناخت کیوجہ یہ ہے کہ ایک تو دونوں نام مطابق ہیں اور دوسرے اس جگہ کا نام کلیان پور کے ساتھ ساتھ بہت موقعوں پر آیا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۹۲ کتاب ہذا۔ درحقیقت کشمیری زبان میں لفظ سن وہی معنی رکھتا ہے جو سنسکرت میں سورن کے ہیں۔
علاقہ شاور۔ شکرو کے مشرق میں دریائے ونتشہ کی طرف پرگنہ شاور جسے نقشہ میں شورا دکھایا ہوا ہے پھیلا ہوا ہے معلوم نہیں اس نام کی قدیم صورت

کیا ہوا کرتی تھی۔ اس کے شمالی حصہ میں وہ دریائی سطح مرتفع واقع ہے جسکا نام تونگہ
اندہ مشہور ہے جیساکہ ترنگ ۷ کے شلوک ۳۵۰ سے واضح ہوتا ہے اس کا نام کلہن کی راج
ترنگنی میں دو جگہ تونگا آیا ہے موضع پائریں جو اس اودر کے شمال مغربی سرے کے
دامن میں واقع ہے ایک چھوٹا سا مندر عمدہ حالت میں موجود ہے جسکا حال اکثر یورپین
سیاحوں نے لکھا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو کننگھم صاحب کا مضمون مندرجہ جرنل آف
ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۴۸ء صفحہ ۲۵۴۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اہل یورپ کے جملہ
تذکرات میں اسجگہ کا نام پاریچ آیا ہے ہر چند کہ اس نام کی یہ صورت مقامی طور پر بالکل
غیر معروف ہے تاہم وگنی صاحب نے اسے اپنی کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۴۱ پر استعمال کیا ہے
اور اس کے متعلق ایک عجیب وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے۔ اس جگہ کا اصلی نام معلوم نہیں۔

علاقہ چراٹھ۔ شکرد کے شمال میں علاقہ چراٹھ واقع ہے جو صرف بڑے نقشہ
پیمائش پر دکھایا گیا ہے یہ راموہ کے اوپر والی پہاڑیوں سے شمال مشرقی سمت
میں دریائے وتستہ کے بائیں کنارہ تک پھیلا ہوا ہے پنڈت ساحب رام نے اپنی
تیرتھ سنگرہ میں اس کا نام سری راشٹر لکھا ہے لیکن معلوم نہیں کس سند پر ایسا
کیا ہے راموہ جس کے متعلق سب سے اول پروفیسر بوہلر نے یہ بات ظاہر کی تھی۔
کہ اس سے مراد کلہن کے راموش سے ہے شوپیں سے سرینگر کیطرف جانیوالے شاہ
راہ پر ایک بڑا سا گاؤں ہے۔ دیکھو پروفیسر بوہلر کی رپورٹ صفحہ ۷ و نیز لونٹ مت ۱۲۰ الف کتاب
ہذا مخفی نہ رہے کہ ایسے موقعوں پر "ش" کی آواز کشمیری زبان میں "ہ" سے بدل چکی
ہے مثلاً گتی موش دہ گتی مرہ، راموش کا ذکر سب سے پہلے ان سنوں میں آتا ہے
کہ راجہ تجن اول کی ایک رانی نے وہاں پر اگرہار قائم کیا تھا۔ گاؤں کے شمالی سرے
پر ایک چھوٹا سا چشمہ دمن اگ نامی ہے جسکو تیرتھ خیال کر کے لوگ یاترا کی غرض
سے جاتے ہیں اور اسمیں بعض قدیم زمانہ کے کندہ کئے ہوئے پتھر بھی ہیں بر سر

کے جس خاندان کے پاس راموہ اب بطور جاگیر کے ہے انہوں نے جو مندر تعمیر کرایا ہے وہ کسی قدیم مقام پر واقع معلوم نہیں ہوتا۔

راموہ سے کسی قدر شمال کیطرف ایک دریائی سطح مرتفع واقع ہے جس پر سے ہو کر سرینگر کو جانے والی سڑک گذرتی ہے اس کا نام گس اور شہور ہے۔ جو موضع گس سے نکلا ہے۔ جو کہ اس کے مشرقی دامن میں راموہ سے کوئی دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے پریہ کی راج ترنگنی ترنگ ۸ شلوک ۵۳۲-۷۶۵-۵۹۲ میں اس کا نام گوسیکا آیا ہے اور اوُر کا نام گوسک اور ادارہ کورے چرانتھ کے دوسرے سرے پہ دریائے وتستہ کیجانب موضع رتن پور واقع ہے جس سے مراد غالباً اس مقام سے ہے جسکا نام ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۳۴ میں رتنا پور آیا ہے آخرالذکر کی بنا کلہن کے زمانہ میں رانی رتنا دیوی نے ڈالی تھی۔ جس نے وہاں پر ایک خوشنما مٹھ بھی قائم کیا تھا۔

چرانتھ کے ساتھ ہی دو اور مقامات بھی جو دریائے وتستہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہیں قابل ذکر ہیں۔ گو سنین حال میں انہیں سیر المواضع بالا کے دریائی پرگنہ میں شمار کیا جاتا رہا ہے کوہ وسنرون کے دامن کے مقابل میں جو چھوٹا سا گاؤں گور پور نام کا واقع ہے اس کے بارہ میں ایک قدیم ٹیکا کار نے لکھا ہے کہ اس سے مراد گو پالپور سے ہے جسے کلہن کی تحریر کے بموجب رانی سگندھا نے ۹۰۶ء میں قائم کیا تھا۔ دیکھو نوٹ ۲۷ کتاب ہذا۔

نیچے کیطرف دریا کے کنارہ۔ کاک پور کا بڑا سا گاؤں ہے جو ایک طرح پر شوپین کا دریائی مقام یا بندرگاہ ہے پنڈت راجہ نک رتن کنٹھ جس نے راج ترنگنی کا مسودہ لکھا تھا ایک نوٹ کے دوران میں لکھتا ہے کہ کاک پور سے مراد اتپل پور ہے مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۲۳ کتاب ہذا۔ رتن کنٹھ کا نوٹ مسودہ کشمیر ال پدیتی میں تھا جسے ۱۸۹۵ء میں سٹائین صاحب نے پنڈت جگن موہن نہد

کے پاس لاہور میں دیکھا تھا۔ اتیل پور کی بناء ۹ ویں صدی میں راجہ چپیت جیاپید کے چچا اتپل نے ڈالی تھی۔ اگر اس شناخت کو درست تصور کر لیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ خستہ حال مندر جو کاک پور میں موجود ہے اور جسکا ذکر کننگھم صاحب نے بھی کیا ہے وشنو اتپل سوامن کا وہ مندر ہو جسکا ذکر کلہن نے اتپل پور کی بنا قائم کیے جانے کے سلسلہ میں کیا ہے جیسا کہ جونراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۱۱۱ - ۳۶۹ - ۲۴ ۱۱ سے واضح ہوتا ہے اسے بھی اتپل پور کی خبر تھی اور اس نے اس جگہ کے وشنو کے مندر کے بعد میں بحال کیے جانے کا ذکر لکھا ہے۔

علاقہ ناگرام - چیاتھ کے شمال میں علاقہ ناگام آتا ہے جو بہت وسیع و عریض ہے اس کے قدیم نام ناگرام کا ذکر پرانی تاریخوں میں اکثر جگہ آتا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو جونراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۶۶۱ - سرور کی راج ترنگنی ترنگ ۲ شلوک ۱۰ ترنگ ۳ شلوک ۲۴ - ۴۰ ۲ ترنگ ۴ شلوک ۹ ۴ ۲ - شک اور پر جا بھٹ کی راج ترنگنی شلوک ۵۰ ۲ وغیرہ اس میں صرف ایک ہی قدیم مقام ایسا ہے جسکا اب پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ اس کا نام آرگوم ہے۔ درحقیقت یہ وہی مقام ہے جس کا نام کلہن نے ہادی گرام لکھا ہے اور جس کے متعلق بیان کیا ہے کہ اس جگہ راجہ گوپادتیہ نے اگرہار قائم کیا تھا۔ اور خود کلہن کے زمانہ میں وہاں پر بہت سی لڑائیاں ہوتی رہی تھیں مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۱۱۳ء کتاب ہذا اس شلوک کے ٹیکا کار نے بھی ہادی گرام کا جدید نام آدی گرام ہی لکھا ہے سننے میں آیا ہے کہ اس جگہ بعض قدیم عمارات کے آثار باقی ہیں۔

آری گوم سے عین جنوب کی طرف ۵ میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی جھیل نیل ناگ کے نام کی اس وادی کے اندر واقع ہے جو کہ سلسلہ کوہ پیر پنچال کے نشیب کراروں کے درمیان بنی ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں پہاڑ

کا کوئی تودہ شق الجبل کے عمل سے ٹوٹ کر پہاڑ کی کسی تنگ کھڈ میں آگرا ہے جس
سے یہ جھیل بن گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جھیل کو کبھی بھی تقدیس کا درجہ حاصل نہیں
رہا۔ لیکن ابوالفضل نے کسی غلط فہمی کے باعث مشہور نیل ناگ واقع ویرناگ کی
روایات اس سے منسوب کر دی ہیں اس کے ساتھ ہی اس نے آئین اکبری کی جلد ۲
صفحہ ۳۶۳ پر اس شہر کا جو جھیل مہاپدم یا ولر میں غرق ہوا تھا۔ کسی قدر مبہم انداز میں
لکھا ہوا قصہ درج کر دیا ہے۔ نیل مت پران کے شلوک ۹۰۲ میں آیا ہے کہ مشہور نیل
ناگ کے علاوہ دو نیل ناگ اور بھی ہیں ممکن ہے ان میں سے ایک جھیل ناگام میں واقع ہو۔

علاقہ اکشنکا۔ ناگام کے ساتھ اس کے جنوب میں پرگنہ تیخ ملحق ہے۔ جو عین
نواحات سرینگر تک پھیلتا ہے اس کا قدیم نام سر ویرنے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۳
شلوک ۲۵ میں اکشنکا دیا ہے۔ علاقہ کے مرکز میں ایک بنجر دریائی میدان دامودرادُر
کے نام سے واقع ہے۔ جس کے ساتھ ایک قدیم روایت کے ذریعہ جو اب تک لوگوں کی
زبان پر مشہور چلی آتی ہے راجہ دامودر کا قصہ منسوب چلا آتا ہے۔

دامودر اڈر۔ جیسا کہ نوٹ ۶۳ کتاب ہذا میں بوضاحت بیان کیا جا چکا ہے
کلہن نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس راجہ نے اڈر پر ایک شہر بسایا جس کا
نام اس نے اپنے نام پر دامودر سودر رکھا تھا اس جگہ تک پانی لانے کے لیئے اس
نے ایک بہت بڑا بند گڈ سیتو کے نام سے مافوق الفطرت طریق پر تیار کرایا ایک
موقعہ پر جبکہ راجہ اشنان کرنے لگا تھا۔ بھوکے برہمنوں نے اس سے کھانا مانگا راجہ
نے اشنان سے پہلے انکی درخواست منظور کرنے سے انکار کیا۔ اس پر برہمنوں نے
اسے ایک بددعا دی۔ جسکی رو سے وہ سانپ بنگیا۔ اسی وقت سے لوگ اسے ایک
سانپ کی شکل میں دامودر سود پر جا بجا پانی کی تلاش میں بھاگا پھرتے دیکھتے
ہیں اسکی مکتی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کوئی شخص اسے ساری

راماین ایک ہی دن میں پڑھ کر سنائے۔ یہ کام چونکہ بجائے خود محال ہے اس لئے اسکی نجات کیطرف سے بھی مایوسی ہے۔

اسجگہ کا موجودہ نام دامار اُدر درحقیقت کلہن کے بیان کردہ نام دامودر سود سے بالکل مطابق ہے۔ کیونکہ سنسکرت میں سود کے معنی "بنجر زمین" ہی کے ہوتے ہیں مقامی نام گدا سیتاب اس چھوٹے گاؤں گڈ سٹھ کیصورت میں نظر آتاہے جو ادر کے جنوبی دامن میں واقع ہے عین اس مقام پر اُدر کا نسبتاً سب سے بلند حصہ دیکھنے میں آتا ہے اور یہیں وادی کیطرف کو ایک ۱۰۰ فٹ اونچا عمودی کنارہ بنا ہوا ہے اس ٹیلہ کی صورت چونکہ دیوار کی سی ہے اس لئے یہ امر بالکل قرین قیاس ہے کہ یہاں پر کسی زمانہ میں پانی لانے کا کوئی بند یا پشتہ موجود ہو لیکن دوسری طرف جب ہم زمین کی عام صورت پر غور کرتے ہیں تو اسمیں کسی نہر وغیرہ کے ذریعہ آبپاشی کی کوئی کوشش کی ہوئی نظر نہیں آتی۔

یہ اُدر موضع ونٹور کے شمال مغرب کیطرف قریباً ۸ میل کے فاصلہ پر پھیلا ہوا ہے اور اسکی چوڑائی کہیں پر ۲ اور کہیں ۳ میل ہے اس پر صرف کہیں کہیں مکی کی فصل اگتی ہے چونکہ پانی اسجگہ کہیں بھی موجود نہیں اسلئے خشک اور بنجر بیابان ہے اور جیسا کہ نرنگ ۶ کے شلوک ۱۸۳ سے واضح ہوتا ہے جن دنوں راجہ کشیم گپت "دامودر آرنیہ" پر شکار کھیلنے نکلا کرتا تھا یہاں پر گیدڑ رہا کرتے تھے اس روایت کا کہ حصہ کشمیر کے تمام اطراف میں مشہور ہے پاس و گاؤں میں رہنے والے اُدر کے ایک مقام کے متعلق جسکا موجودہ نام ستراس ننیگ ہے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس جگہ راجہ دامودر کا محل واقع ہوا کرتا تھا۔ موضع لالگام میں دامودر ناگ نام کا جو چشمہ ہے اسکی نسبت روایت ہے کہ راجہ اس میں اشنان کیا کرتا تھا۔

موضع سومریگ جو دریائے وتستہ کے بائیں کنارہ پر واقع ہے۔ وہ بھی علاقہ

بچ ہی سے تعلق رکھتا ہے ایک ٹیکا کار کا بیان ہے کہ کلہن نے جس وشنو سمر سوامن کے مندر کا ذکر کیا ہے وہ یہیں پر واقع ہوا کرتا تھا۔ مقابلہ کے لیے دیکھو نوٹ ۳۳۳ کتاب ہذا۔ کشمیری گاؤں کے ناموں کے آخر میں بگ کا لفظ عام طور پر ملتا ہے پنڈتوں کا بیان ہے کہ یہ لفظ بھوگ سے نکلا ہے جس کے معنی کسی مندر سے متعلق دی ہوئی جاگیر کے ہیں۔ بچ کا دوسرا قدیم مقام شاید موضع ہل تھل ہے۔ جس کا ذکر ابوالفضل نے بھی کیا ہے یہ نقشہ پیمائش پر کہیں موجود نہیں اور سٹائین صاحب کو بھی اس کے صحیح محل وقوع کا پتہ نہیں مل سکا ہل تھل کا نام بظاہر شالا ستھل سے نکلا ہوا ہے جو کلہن نے اس مقام کے لیے استعمال کیا ہے جہاں راجہ اننت کے زمانہ میں لڑائی ہوئی تھی۔ دیکھو نوٹ ۲۷۹ کتاب ہذا۔ ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۲ پر ہل تھل کے کانپنے والے درخت کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے اگر اسکی چھوٹی سے چھوٹی شاخ کو بھی ہلا دیا جائے۔ تو سارے کا سارا درخت کانپنے لگ جاتا ہے۔

۸۔ کرم راجیہ کے جنوبی اضلاع

علاقہ ونتس۔ بچ کے مغرب کیطرف صدر مقام کے نہایت قریبی مقام تک دنتر پرگنہ جسے نقشہ پر وونسو لکھا ہے واقع ہے اس کے قدیم نام کے متعلق یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔ شاید لوک پرکاش میں جو دشیوں کی فہرست دی ہوئی ہے اس میں درج شدہ نام دواونشتی اسی کے لیے استعمال ہوا ہے ابوالفضل نے پرگنوں کی جو فہرست دی ہے اس میں ونتس (وونسو) کو کمراز ہی میں شمار کیا ہے اس کے اندر ایک قدیم مقام شیل پور ہے جسے نقشہ پر شلی پور کے نام سے دکھایا ہوا ہے

ہمارا یہ خیال چنداں بعید از صحت نہ ہوگا۔ کہ اس سے مراد سلیہ پور ہے جسکا ذکر راج ترنگنی میں ان معنوں میں آیا ہے کہ درہ توش میدان و کارکوٹ درنگ سے سرینگر کو جو سیدھا راستہ جاتا ہے وہ اس پر واقع ہے مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۵۳۷ کتاب ہذا وترنگ ۸ شلوک ۲۰۰۰۔ ہکھہ ستر جسے نقشہ پر ہک لتری کے نام سے دکھایا گیا ہے نام کی مشابہت اور ایک ٹیکاکار کی شہادت کی بنا پر قدیم شش کلیتر معلوم ہوتا ہے جسکے متعلق راج ترنگنی میں مذکور ہے کہ راجہ اشوک نے اسجگہ ستوپہ قائم کئے تھے۔ مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۲۳ و ۲۹۸ کتاب ہذا۔ کشمیری نام ہکھہ ستر براہ راست سنسکرت نام سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے سٹائین صاحب کو خود اس گاؤں میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا اسلئے وہ یہ بیان کرنے سے قاصر ہے آیا یہاں پاس ہی کوئی اس قسم کے آثار موجود ہیں جنہیں ان ستوپہ سے منسوب کیا جاسکے۔ کلہن کی تحریر کے بموجب وہ لڑائی شش کلیتر ہی میں ہوئی تھی جسمیں راجہ جیاپیڈ نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کی

علاقہ بھوروپ۔ ونتس کے مغرب میں اور کوہستان پیر پنچال کی سمت میں بیرو پرگنہ واقع ہے اس کا قدیم نام بھوروپا اسی نام کے چشمہ کی وجہ سے پڑا ہوا تھا۔ جو موجودہ موضع بیرو میں واقع ہے اور جس کے متعلق نیل مت پران کے شلوک ۹۴۸ ۱۱۸۰- ۱۳۴۱ میں مذکور ہے کہ وہ ایک تیرتھ ہے۔ جونراج نے اپنی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۲۰۶ - ۴۰۸ اور سرلور نے اپنی راج ترنگنی ترنگ ۲ شلوک ۱۹ ترنگ ۳ شلوک ۱۵۹ وترنگ ۴ شلوک ۶۲۰ میں اس علاقہ کے لئے بھوروپ ہی کا نام استعمال کیا ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۳ پر اس گاؤں اور چشمہ کا نام بیرووا لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس کے پانی میں جذام دور کرنے کی تاثیر ہے موضع بیرو کے قریب سن پاہ واقع ہے جس کے متعلق ایک ٹیکاکار بیان کرتا ہے کہ اس سے

مراد سورن پارشو سے ہے جو ترنگ ۴ کے شلوک ۶۷۳ کے بموجب راجہ للتادتیہ کا قائم کردہ ایک اگرہار تھا۔

بیرو کے جنوب مغرب میں ۴ میل کے فاصلہ پر ہم کھاگ میں پہنچتے ہیں جو ایک بہت بڑی جگہ ہے۔ بلاشبہ قدیم کھاگی یا کھاگکا یہی ہے جس کے متعلق ترنگ ۱ کے شلوک ۹۰ و ۴۰۳ میں کلہن نے لکھا ہے کہ یہ کھگیندرا در گوپادتیہ کا اگرہار ہے۔ کھاگ سے چند میل شمال کیطرف پوشکر نام کا ایک جداگانہ کوہی کرارہ سلسلہ کوہ پیر پنچال سے الگ ہوکر میدان کی طرف نکل آتا ہے اس کے مشرقی دامن میں پشکرناگ واقع ہے جسکا ذکر ایک تیرتھ کی حیثیت میں نیل مت پران میں شلوک ۱۰۲۱ و ۱۲۷۴ کے اندر آیا ہے اس کے علاوہ اور بھی بعض مہاتموں میں اس کا ذکر آتا ہے اور لوگ اس جگہ باقاعدہ یاترا کی غرض سے جاتے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ کشمیر میں بعض اور پشکر تیرتھ بھی واقع ہیں ان میں سے ایک کا تعلق سریشوری یاترا سے ہے اور جیسا نہ سرو اوتار مہاتم کے ادھیائے ۵ شلوک ۶۵ سے واضح ہوتا ہے وہ اغلباً بھاکہ میں واقع ہے درہ توش میدان سے بیرو کیطرف جو راستہ جاتا ہے اس کا اور اسکی قدیم چوکی کارکوٹ درنگ کا ذکر ہم قبل ازیں کر چکے ہیں۔

علاقہ پانچ ہوم۔ بیرو اور دونتس سے شمال کیطرف پرگنہ پانچ ہوم ملحق ہے جو شمال کیطرف دریائے وتستا تک پھیلا ہوا ہے۔ غالباً یہ وہی جگہ ہے جسکا نام سرلور کی راج ترگمی ترنگ ۴ شلوک ۳۵۱ میں و نیز لوک پرکاش میں ماکش آشرم آیا ہے موضع اتسن جو اس علاقہ میں واقع ہے غالباً ایک ٹیکا کار کے بیان کے بموجب وہی جگہ ہے جسکا نام راج ترنگنی ترنگ ۳ شلوک ۴۸۲ میں ارشٹوتساون آیا ہے اس نام سے جدید نام بہ آسانی نکل سکتا ہے مشہور ہے کہ اس جگہ راجہ بالادتیہ کی ایک رانی نے مندر بنوایا تھا۔

سرینگر سے نیچے کیطرف ۶ میل کے فاصلہ پر دریائے دتستہ کے اوپر موضع مار وارقع ہے جسکا قدیم نام راجانک رتن کنٹھ کی تحریر کے بموجب ملھان پور ہوا کرتا تھا جسکی بنیاد نوٹ ط ۱۳۰ کتاب ہذا کے بموجب راجہ جیا پیدنے ڈالی تھی اس کے جنوب مشرق کیطرف دلالی زمین کے قریب زین کوٹھ واقع ہے جسمیں اس کے بانی سلطان زین العابدین کا نام برقرار ہے جونراج نے اپنی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) کے شلوک ۱۲۴۸ میں اس کا نام جین کوٹ لکھا ہے۔

پریہاسپور کا محل وقوع ۔ پرسپور کا پرگنہ جو بانخ ہوم سے آگے واقعہ ہے ہر چند کہ چھوٹا ہے تاہم اسمیں عظیم تاریخی دلچسپی کا ایک مقام واقعہ ہے اس کا نام قدیم پریہاسپور کے نام پر پڑا ہوا ہے۔ جسے راجہ لاتادتیہ نے اپنا صدر مقام بنایا تھا پریہاسپور اور اسکی شناخت کے بارہ میں مفصل بحث نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ ترنگ ۴ شلوک ۱۹۴ تا ۲۰۴ میں کی گئی ہے۔ پرسپور اور پریہاسپور کے نام علم الصوت کی رو سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور جن فارسی مولفوں نے راج ترنگنی کے خلاصے شائع کئے ہیں انہیں یہ بات بخوبی معلوم تھی باوجود اس کے یہ ایک عجیب بات ہے کہ پریہاسپور کا محل وقوع اس وقت تک زیر شناخت نہیں آیا۔ حتےٰ کہ سٹائین صاحب سنہ ۱۸۹۲ء میں وہاں گئے اور کلہن کی تحریر کے مطابق انہوں نے پرسپور اور پریلتا دتیہ کی عظیم عمارات کے کھنڈرات کا سراغ نکالا۔

پرسپور کی سطح مرتفع شادی پور کے جنوب مشرق میں نیز نور اور ہرترتھ کے دلدلوں میں واقع ہے ان میں سے اول الذکر اس کے مشرق اور آخر الذکر مغرب میں واقع ہے اسکی لمبائی شمالاً جنوباً ۲ میل اور چوڑائی ایک میل سے کہیں بھی بالکل نہیں ہے جانب شمال بدی ہیل نال اسے بڑگام کی بلند زمین سے منقطع کرتا ہے اور اس نال کے متعلق یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ سویہ کی باقاعدگی سے منتقی

دریائے وتستہ جسمیں سے بہا کرتا تھا باقی اطراف میں یہ ان پایاب آبی قطعات سے محصور ہے جنمیں سال کے اکثر حصوں میں کشتی چلائی جاسکتی ہے اس کا اوسط ارتفاع ایک سو فٹ ہے۔

پریہاسپور کے کھنڈر۔ ایک فراخ کھڈ جو جنوب کیطرف سے اس سطح مرتفع میں داخل ہوتی ہے اور جسمیں دورکا (جو نقشہ پر دیر کے نام سے دکھایا گیا ہے) گاؤں آباد ہے اسے دو حصوں پر تقسیم کرتی ہے جنوب مغربی حصہ پر دو بڑے بڑے مندروں کے بے حد خستہ حال کھنڈر ہیں۔ لیکن انکی موجودہ حالت سے کم از کم اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مارتنڈ کے عظیم مندر سے بھی بڑے بڑے تھے اور کے اس حصہ پر جو جنوب مشرق کی جانب اور بدری ہیل نال کی سمت میں واقع ہے تباہ شدہ عمارات کا ایک سلسلہ موجود ہے انمیں تین بڑی عمارات سیاح کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ کھنڈرات کے اس ڈھیر سے تھوڑے فاصلہ پر ایک اور چھوٹا ڈھیر ہے جو اس سطح کے جنوب مشرقی انتہائی حصہ میں جسکا موجودہ نام گردن ہے واقع ہے۔

ان کھنڈرات اور ان کے محل وقوع پر مفصل بحث نوٹ ع ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ ترنگ ۴ شلوک ۱۹۴ تا ۲۰۴ میں کیجا چکی ہے اسجگہ صرف اس قدر امر قابل ذکر ہے کہ وشنو پریہاس کیشو۔ مکتا کیشو۔ مہا وراہ۔ اور گووردھن دھر کے چار دل عظیم مندر و نیز وہ راج وہار جسمیں بدھ کی عظیم الشان مورتی ہوا کرتی تھی اور جس کے متعلق کلہن نے لکھا ہے کہ پریہاسپور میں وہ للتادتیہ کی خاص قائم کردہ عمارت تھی۔ ان سب کو انہی کھنڈرات میں تلاش کیا جاسکتا ہے چونکہ بحالت موجودہ وہ بہت خستہ حالت میں ہیں اس لئے ان کی شناخت کے بارہ میں کسی قسم کی کوشش کرنا فضول ہوگا۔

کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۲۰۷ تا ۲۱۱ میں جن معبدوں۔ لنگوں اور دیگر دل

کے متعلق بیان کیا ہے کہ راجہ کے درباریوں اور رانیوں نے اسے بگما سمتھاپن کروائے تھے ان کا سراغ لگانا اور بھی مشکل ہے شمالی مجموعہ کھنڈرات میں ایک اس قسم کا ہے جیسے کوئی دہار سمجھا کرتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ وہ راج دہار ہو۔ کچھ پتہ گردن کے نام سے بھی چلتا ہے جو حسب تفصیل بالا ایک جداگانہ مجموعہ کھنڈرات کے لیئے استعمال ہوتا ہے گردن درحقیقت گوردہن کے نام کی عام کشمیری صورت ہے اور اسلیئے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کھنڈرات گوردہن دہر نامی مندر کے ہونگے۔

پریہاسپور کی تاریخ مابعد ۔ جب ہم پریہاسپور کی تاریخ پر نظر کرتے ہیں تو اس کے کھنڈروں کے اس ناگفتہ بہ حالت میں ہونے کا بہ آسانی پتہ چل جاتا ہے جیسا کہ ترنگ ۴ کے شلوک ۳۹۵ سے واضح ہوتا ہے۔ پریہاسپور اس کے بانی کے بیٹے ہی کے عہد سے سکونت شاہی کا مقام نہ رہا۔ اس کے ایک صدی بعد جب راجہ اونتی ورمن نے دریائے وتستہ میں عظیم تبدیلی کی۔ تو دریا کا رخ اور اس کے اتصال بدریائے سندھ کو شادی پور کیطرف یعنی پریہاسپور سے تین میل پرے بدل دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کارروائی سے پریہاسپور کی رہی سہی اہمیت بھی گھٹ گئی ہوگی اور پریہاسپور کے قائم ہونے کے ڈیڑھ صدی بعد ہی خستہ حال ہو جانیکا سب سے بڑا ثبوت اسبات سے ملتا ہے کہ ترنگ ۵ کے شلوک ۱۶۱ کے بموجب راجہ شنکر ورمن جو ۸۸۳ء سے ۹۰۲ء تک حکمران رہا ہے پٹن میں نیا شہر آباد کرنے اور مندر بنوانے کے لیئے پریہاسپور سے مصالحہ اٹھوا کر لے گیا تھا۔

لیکن پریہاسپور کے بعض مندر زمانہ مابعد تک برقرار رہے اور جیسا کہ ترنگ ۴ کے شلوک ۲۴۲ سے واضح ہوتا ہے للتادتیہ نے اسجگہ جس عظیم تہوار کا آغاز کیا تھا وہ اسی جگہ کلہن کے زمانہ میں بھی منایا جاتا تھا ترنگ ۷ کا شلوک ۱۳۲۶ مظہر ہے کہ اس فساد کے موقعہ پر جو راجہ ہرش کے زوال کا باعث ثابت ہوا

پریہاسپور دو عہدار سلطنت اوچل کے ہاتھوں میں تھا۔ چونکہ اس سطح مرتفع کی ڈھلوانیں عمودی ہیں اور اس کے گرد دلدل واقعہ ہے اس لئے فوجی اعتبار سے یہ ایک بہت اچھا مقام تھا۔ جب اوچل شکست یاب ہُوا تو مغلوب باغیوں میں سے بعض راج وہار میں پناہ گزین ہو گئے۔ جسے بعد میں جلا دیا گیا اس کے بعد راجہ ہرش وشنو کی وہ مشہور چاندی کی مورتی اٹھا کر لے گیا جسے للتادتیہ نے پریہاس کیشو کے مندر میں استھاپن کیا ہُوا تھا اور اسے توڑ ڈالا۔

ابوالفضل اور اور مسلمان مورخوں نے ان مندروں کی آخری تباہی کو اسی متعصب سکندر بت شکن سے منسوب کیا ہے۔ جسکا نام اس ضمن میں چند مرتبہ قبل آچکا ہے ابوالفضل نے آئین اکبری کے صفحہ ۳۶۴ پر لکھا ہے کہ جب پرسپور کے بلند مندر کو مسمار کیا گیا۔ تو اس میں سے ایک تانبے کی پلیٹ نکلی جس پر یہ کتبہ کندہ تھا کہ اس مندر کو ۱۱۰۰ سال بعد سکندر نامی ایک شخص مسمار کریگا۔ اسی قسم کی ایک روایت وجئیور کی مورتی کی تباہی کے متعلق وجبرور کے پروہتوں میں مشہور چلی آتی ہے لیکن اسجگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پریہاسپور کی بنا سکندر بت شکن کے زمانہ سے صرف ساڑھے چھ صدی پیشتر ڈالی گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ ویں صدی کے ابتداء میں بھی یہ کھنڈر کسی قدر اچھی حالت میں تھے۔ محمد عظیم اور نارائن کول دونوں نے ان کا ذکر کیا ہے اور ایک بڑے ستون کے ٹکڑوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ ولسن صاحب کے "ایسے" صفحہ ۵۰ ولوٹ ۶ ضمیمہ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے روایتاً یہ ٹکڑے گرڑ کے ستون سے منسوب کئے جاتے رہے ہیں جنکی نسبت کلہن نے لکھا ہے کہ اسے راجہ للتادتیہ نے استھاپن کیا تھا۔ پتھر کا وہ بڑا چوکور ٹکڑہ جو اب بھی سب سے شمالی ٹیلہ پر واقع ہے شاید انہی میں سے ایک ہے۔

نرگرامی۔ قبل ازیں جہاں پر ہم نے پریہاسپور کے قریب دریائے وتستہ کے

قدیم راستہ کا ذکر کیا ہے اس کے دوران میں موضع نرگام کا جسکا قدیم نام نرگرامی ہوا کرتا تھا ذکر بھی کردیا ہے یہ پرسپور کے کھنڈرات سے ½ ۱ میل جنوب مشرق کیطرف واقعہ ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۳۲۲ میں اس کا ذکر اس فساد کے متعلق ہو چکا ہے جو للتادتیہ کے عہد میں اسجگہ ہوا تھا۔ جھیل پونسر (بھون سرس) جو نرگام کے مغرب کیطرف واقعہ ہے اسکی یاترا بھی کپال موچن یاترا کے سلسلہ میں کیجاتی ہے۔ نرگام کے جنوب میں جو تباہ شدہ مندر موجود ہے اس کے متعلق خیال ہے کہ قدیم وینیہ سوامن مندر یہی ہے اور اس کا ذکر پرانے اتصال کے محل وقوع کا حال لکھتے ہوئے کیا جاچکا ہے۔

پھلپور۔ ایک خستہ حال مقام جو وینیہ سوامن کے مقابل نرگام کے دلدل کے مغرب کیطرف واقع ہے اسے ان وجوہ سے جنکا ذکر نوٹ عنا ضمیمہ کتاب ہذا میں کیا جا چکا ہے وشنو سوامن کا مندر تصور کیا جا سکتا ہے۔ کلہن نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ پرانے سنگم کے سامنے کیطرف وینیہ سوامن کے مندر کے مقابل میں واقع ہوا کرتا تھا۔ راج ترنگنی میں یہ بات واضح طور پر درج ہے کہ وشنو سوامن کا مندر پھل پور میں اور وینیہ سوامن کا پرہیاسپور میں واقع ہوا کرتا تھا۔ ان بعض دیگر وجوہ کی بنا پر سٹائین صاحب نے نتیجہ نکالا ہے کہ اس چھوٹے علاقہ کا نام جو غالباً شادی پور کے قریب دریائے وتستہ کے موجودہ بائیں کنارہ کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا کرتا تھا پھلپور تھا۔ سٹائین صاحب کے اندازہ کے بموجب جس مقام پر وشنو سوامن کا مندر واقع ہوا کرتا تھا وہ سنین حال میں پرگنہ سائر المواضع پائین میں داخل تھا۔ ابوالفضل کی آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۷۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرگنہ اکبر کے عہد سے پہلے ہی قائم تھا اور اسمیں غالباً پھل پور اور بعض دیگر چھوٹے علاقے داخل ہوا کرتے تھے جسطرح پرہیاسپور کے نام پر پرسپور پرگنہ مشہور ہوا ایسے ہی

شاید پھل پور کا نام اسی نام کے ایک مقام کی بنا پر مشہور ہوا جسکی بنیاد ترنگ۔ ۴ کے شلوک ۱۸۴-۳-۷-۶ کے بموجب راجہ للتادتیہ نے ڈالی تھی۔

جے پور۔ دریائے وتشتہ کے بائیں کنارہ شادی پور سے نیچے کیطرف ۵ میل اتر کر ہم راجہ جیا پیڈ کے دارالسلطنت قدیم جے پور کے محل وقوع میں پہنچتے ہیں۔ قبل ازیں جے پور دواروتی کے شہروں کا ذکر نوٹ ۳۱۰ کتاب ہذا میں کیا گیا ہے۔ اس جگہ آجکل موضع اندر کوٹھ واقع ہے اس کے دو جداگانہ حصتے ہیں ایک۔ تو سنبل کے مقابل ہی دلدلوں کے اندر ایک جزیرہ پر واقع ہے اور دوسرا اس کے مقابل اس قطعہ زمین پر جو ان دلدلوں کو دریائے وتشتہ سے جدا کرتا ہے۔ جزیرہ پر قدیم مندروں کے نمایاں آثار موجود ہیں جنکا سب سے اول پروفیسر وہلر نے معائنہ کیا اور ذکر لکھا تھا مقابلہ کے لئے دیکھو پروفیسر موصوف کی رپورٹ صفحہ ۱۳ جہاں اندر کوٹھ کے جغرافیہ اور کھنڈرات کا ذکر بالتفصیل کیا گیا ہے۔ جغرافیہ قدیم صفحہ ۱۰۱ سے واضح ہوتا ہے کہ جنرل کننگھم کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اندر کوٹھ اور راجہ جیا پیڈ کا شہر یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس مقام پر پہنچنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مقامی روایت ان تمام آثار کو راجہ جیا پیڈ سے منسوب کرتی ہے۔ سرینگر کے پنڈت بھی اس بات سے باخبر ہیں۔ کہ اندر کوٹھ اور راجہ جیا پیڈ کا شہر ایک ہی ہیں۔ چونکہ سرپور نے بھی موجودہ اندر کوٹھ کے لئے جے پور اور جیا پیڈ پور کے نام لکھے ہیں اس سے ہم روایت کے قائم چلے آنے کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

کلہن نے اس شہر کے جو حالات علم بند کئے ہیں۔ ان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسی مقام سے مراد ہے اور ان سے جدید نام کی توضیح بھی ہوتی ہے کلہن نے جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ جیا پیڈ نے جے پور کا کوٹ (قلعہ)

جھیل کے وسط میں اسے راکششوں کی مدد سے بھروا کے بنوایا تھا اس جگہ اس نے ایک بہت بڑا دہار بنوایا جس میں بدھ دیو کی مورتیاں رکھوائیں ایک وشنو کیشو کا مندر تعمیر کرایا اور بعض اور مندر بھی بنوائے اسی جگہ اس کے وزرا نے دیگر عمارات تیار کیں اس جھیل میں سے جو زمین حاصل ہوئی اس پر راجہ نے جے پور کے علاوہ ایک اور مقام دواروتی کے نام کا کرشن جی کے مشہور مقام واقعہ ساحل بحر کے مطابق بنوایا۔ کلہن نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں جے پور کا نام اندرونی قلعہ (ابھینتر کوٹ) اور دواروتی کا نام بیرونی قلعہ (باہیہ کوٹ) مشہور تھا۔

دواروتی۔ موجودہ نام اندرکوٹ جو سنسکرت لفظ انترکوٹ سے نکلا ہے جے پور کے مذکورہ بالا نام ہی کی بنا پر مشہور ہے اب رفتہ رفتہ لوگ اسے اس جگہ کے لئے بھی استعمال کرنے لگے ہیں جہاں دواروتی واقعہ تھی۔ قبل ازیں ایک نوٹ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ جے پور سے مراد اندرکوٹ کے جزیرہ والے حصہ اور دواروتی سے مراد گاؤں کے اس حصہ کے آثار سے لی جا سکتی ہے جو جھیل کے مقابل والے ساحل پر واقع ہیں یہ آثار ان آثار سے بہت کم ہیں۔ جو کہ جزیرہ پر واقع ہیں چونکہ کلہن نے بیان کیا ہے کہ تمام مذہبی عمارات صرف جے پور میں بنوائی گئی تھیں اس لئے معاملات کی یہ صورت تاریخی حالات سے عین مطابق ہے فی الحقیقت دواروتی کا ذکر جے پور کی بنیاد کے ساتھ صرف ضمناً آیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسے کبھی کوئی اہمیت حاصل نہ تھی اس صورت میں ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کس لئے اس کا اصلی نام دواروتی اور بعد کا نام "بیرونی قلعہ" دونو مفقود ہو چکے ہیں چونکہ جزیرہ اور جھیل کے مقابل والے کنارہ میں تنگ ترین حصہ میں صرف ... ۷۰ گز کا فاصلہ ہے اسلئے قدرتی طور پر اندرونی قلعہ کا نام جو زیادہ اہمیت رکھتا تھا دوسرے مقام کے لئے بھی استعمال ہونے لگ گیا۔

جے پور کا محل وقوع۔ کلہن نے ترنگ ۴ کے شلوک ۵۰۶ - ۵۱۲ اور ترنگ کے

کے شلوک ۱۶۲۵ میں جے پور کے لئے لفظ کوٹ استعمال کیاہے اور یہی اس کا مقبول نام معلوم ہوتا ہے گو ساتھ ہی یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سریور نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۱ شلوک ۵۴۰ ۵۴۵ میں اس کے لئے لفظ درگ (قلعہ) استعمال کیاہے چونکہ اس کے چاروں طرف ہمیشہ سے پانی ہوا کرتا تھا اسلئے اس کا یہ نام بہت کچھ موزوں نظر آتا ہے جب ہم جزیرہ کی محدود وسعت پر غور کرتے ہیں تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ جے پور کسی زمانہ میں بھی کوئی زیادہ آباد مقام نہ تھا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اسے ایک خاص اہمیت پر بہاسپور سے بھی زیادہ عرصہ کے لیے حاصل رہی اور زمانہ مابعد میں اسجگہ وقتاً فوقتاً راجاؤں نے بھی سکونت اختیار کی جیسا کہ جونراج کی راج ترنگنی کے شلوک ۳۰۰ سے واضح ہوتاہے کشمیر کی آخری ہندو فرمانروا رانی کوٹا اسی جگہ چلی گئی تھی۔ اور وہیں پر ۱۳۳۹ء میں اس کے آمادہ خراج شوہر شاہ میر نے اسے قتل کر دیا تھا۔ سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۲۵۰ سے معلوم ہوتاہے کہ سلطان زین العابدین نے اس شہر کو جو زوال پذیر ہو چکا تھا۔ بحال کیا اور اسمیں جھیل کے کنارہ پر نیا محل بنوایا۔

ہمیں اس بارہ میں کوئی خاص واقفیت حاصل نہیں کہ اونتی ورمن کی باقاعدگی سے بیشتر دریائے وتستا نواحات جے پور میں کس طرف سے ہو کر گذرتا تھا اگر ہمارا خیال غلط نہیں تو دریا کا خاص راستہ جے پور کے مغربی دلدلوں میں سے ہو کر گذرتا تھا بعد میں جو تبدیلی واقعہ ہوئی اس سے بھی جاپید کے شہر کے دریائی آمدورفت کے ذرائع میں کوئی کمی واقعہ نہ ہوئی۔ نور نام کی بڑی نہر جس کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ وہ درحقیقت کسی دریا کا پرانا رودبار ہے اندر کوٹھ کے جنوب مغرب میں تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع ہے اسکی ایک شاخ جسمیں اب تک کشتی رانی ہوتی ہے اسوقت تک جزیرہ اندر کوٹھ کے جنوبی پہلو کے پرانے گھاٹوں کے پاس سے ہو کر گذرتی ہے یہ امر غلب ہے کہ کسی حد تک ایک سہل الحصول آبی راستہ کے وجود ہی کے باعث جے پور کا وہ

حشر نہ ہوا جو پرہیاسپور کا ہوا ہے۔ ابو الفضل کے زمانہ میں اندر کوٹھ کے نام سے ایک جداگانہ چھوٹا پرگنہ ہوا کرتا تھا۔

علاقہ بھانگل۔ ولر کے جنوب والے دلدلی اقطاع سے جو اندر کوٹھ کے قریب واقع ہیں ہم پھر ایک بار پرہیاسپور کیطرف لوٹتے ہیں ان آبی قطعات کو عبور کر کے جو سکھ ناگ اور اور ندیوں کی بدولت پرہیاسپور کی سطح مرتفع کے مغرب میں بنے ہوئے ہیں ہم علاقہ بانگل میں پہنچ جاتے ہیں راج ترنگنی اور سنسکرت کی دوسری تاریخوں میں اس کا قدیم نام بھانگل آیا ہے جس کے متعلق نوٹ ۵۳۸ کتاب ہذا میں بحث کیجا چکی ہے اگر ہم پٹن کو جو جھیل سنبر کے کنارہ پر واقع ہے بانگل میں شمار نہ کریں تو کوئی بھی اور قدیم مقام اس قسم کا نظر نہیں آتا جسکا ذکر تاریخوں میں آیا ہو۔

شنکر پور پٹن سنوٹ ۲۰۱ کتاب ہذا میں یہ امر واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ گاؤں اسجگہ واقع ہے جسے راجہ شنکر ورمن نے جو ۸۸۳ء سے ۹۰۲ء تک حکمران ہو گذرا ہے اس موقعہ کے لئے منتخب کیا تھا جس پر اس نے اپنے نام کا شہر بسایا تھا اس کا عام نام پٹن اب بھی مشہور ہے مکلہن نے بیان کیا ہے کہ یہ راجہ چونکہ ظالم اور بدصفات تھا اس لئے اس کے شہر کا نام مٹ جانا اس کے اپنے کاموں کا معاوضہ ہے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ پرانا نام شنکر پور بھی نئے نام پٹن کے ساتھ ساتھ ایک عرصہ تک قائم رہا ہوگا کیونکہ کشمیندر نے سمے ماترکا کے ادھیائے ۲ شلوک ۱۳ میں اس کا نام شنکر پور لکھا ہے اور کلہن نے بھی ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۸۸ و ۳۱۳۰ میں اس کا حوالہ شنکر ورمن کے شہر کے نام ہی سے دیا ہے مینڈتوں میں بھی اس شہر کے اصلی نام اور اس کے بانی کی یاد قائم چلی آتی ہے۔

شنکر ورمن کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اپنے شہر کی شہرت بڑھانے کے لئے وہ پرہیاسپور سے تمام قیمتی چیزیں اٹھوا کر لے گیا تھا اس کے ساتھ ہی کلہن ترنگ ۵

؎ شلوک ۱۶۱ میں بیان کرتا ہے کہ اس شہر کو جن باتوں نے شہرت دی۔ وہ اسجگہ اب بھی پائی جاتی ہیں یعنی اونی کپڑوں کی تیاری مویشی کی تجارت وغیرہ وغیرہ۔

پٹن میں آجکل اگر کوئی قابل ذکر قدیم آثار پائے جاتے ہیں تو وہ ان دو مندروں کے کھنڈرات ہیں۔ جو لوٹ ۳۸۶ کتاب ہذا کے بموجب راجہ شنکر ورمن اور اسکی رانی سگندھا نے اس جگہ بنوائے تھے۔ ان مندروں کے نام شنکر گوریش اور سگندھیش تھے۔ وہ کچھ زیادہ بڑے معلوم نہیں ہوتے اور نہ ان کے باہر وہ خوشنما چوکور احاطے موجود ہیں جو کہ تمام بڑے بڑے کشمیری مندروں کے گرد پائے جاتے ہیں جرنیل کننگھم اور بعض اور سیاحوں نے ان کے حالات تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں کلہن نے ان عمارات کا ذکر کرتے ہوئے طنزاً ان راجاؤں کا ذکر کیا ہے جو ادنے اشرا کی طرح اپنے کام کا مصالحہ دوسروں کی چیزوں سے حاصل کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی اس نے چونکہ راجہ کے پریہاسپور سے بہت سی چیزیں اٹھوا لے جانے کا ذکر کر دیا ہے اس سے یہ امر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ ان مندروں کا مصالحہ پریہاسپور ہی کے کھنڈروں سے حاصل کیا گیا تھا۔ ایسا کرنا درحقیقت کچھ مشکل بھی نہ تھا۔ کیونکہ پریہاسپور اور پٹن کا درمیانی فاصلہ صرف ۷ میل ہے اور اسے ان آبی راستوں کے ذریعہ جو بیچ میں حائل ہیں۔ بآسانی عبور کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح پر ہرچند کہ شنکر پور کے بانی نے اس کے اندر کوئی خاص بات اس قسم کی پیدا نہ کی تھی جو اسکی مشہوری کا باعث ہوتی۔ تاہم شہر کے لئے موقعہ ایسا موزون تلاش کیا گیا تھا جس سے کچھ عرصہ تک اسکی اہمیت برقرار رہنے کی امید بندھتی تھی۔ پٹن اب بھی اس سیدھی سڑک پر واقعہ ہے۔ جو سرینگر سے بارہ مولا جاتی ہے ان دونو مقامات میں دو لومیہ کوچوں کا فاصلہ ہے اور پٹن دونو کے بیچ میں واقعہ ہے جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ بارہ مولا ہمیشہ سے مغرب کیطرف روانہ ہونے کا صدر مقام رہا ہے تو آمد و رفت اور تجارت کا شنکر ورمن کے شہر کیطرف کھچا آنا قدرتی نظر آتا ہے۔ ہم

دیکھتے ہیں کہ کلہن کے زمانہ میں بھی ایک مقامی مرکز تھا اور اب تک ایک بڑا اور خوشحال شہر ہے۔

ابوالفضل کی فہرست میں ٹپن کو ایک جداگانہ پرگنہ لکھا گیا ہے ایک عام روایت مشہور ہے کہ جن دنوں راجہ ٹوڈرمل شہنشاہ اکبر کا مشیر پرگنوں کی تقسیم از سرِنو قائم کر رہا تھا وہ اتفاقیہ طور پر موضع ٹپن کو جسمیں اس وقت قیام پذیر تھا بھول گیا اس غلطی کی تلافی اس طرح پر کی گئی کہ ٹپن اور اس کے نواحی علاقہ کو ملاکر ایک جداگانہ پرگنہ قائم کردیا گیا اس کا ذکر بیٹس صاحب نے اپنے گزیٹیر کے صفحہ ۲ پر کیا ہے معلوم نہیں یہ واقعات کہاں تک درست ہیں۔ بہر نوع ہم مورکرافٹ کی کتاب جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ اور وگنی صاحب کی تصنیف جلد ۲ صفحہ ۱۶۶ اسے معلوم کرتے ہیں کہ ٹپن بعد میں تل گام پرگنہ کا صدر مقام تھا۔ آخری بندوبست کے موقعہ پر اسے جدید تحصیلوں میں سے ایک کا صدر مقام بنادیا گیا تھا۔

تحصیل بیسر جو ٹپن کے مشرق میں گونڈ ابراہیم اور دریائے اُدن تک پھیلی ہوئی ہے اس کا نام کلہن نے بیپا سرس لکھا ہے نوٹ عا ۵۶۹ کتاب ہذا میں لکھا گیا ہے کہ راجہ ہرش نے اسکی توسیع باقاعدگی کی تھی۔ ٹپن کے مغرب میں جو کریوہ زمین اور اس کے اندر سے گذرنے والی وادیاں ہیں انمیں پرگنہ تلگام واقع ہے۔ ننک اور پر جابھٹ کی طرح راج ترنگنی کے شلوک ۷۰۰ میں اس کا نام تیل گرام آیا ہے

پرتاپ پور۔ ٹپن کے شمال مغرب کیطرف ۴ میل کے فاصلہ پر بارہ مولا کی شاہراہ پر موضع تاپر واقع ہے۔ ایک پرانے ٹیکا کار کی تشریح اور تاریخی حوالوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا قدیم نام پرتاپ پور ہوا کرتا تھا دیکھو نوٹ عا ۲۳ کتاب ہذا اسکی بنا راجہ پرتاپ آدتیہ درلبھک نے جو للتادتیہ کا باپ تھا غالباً ۷ دیں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں ڈالی تھی اب سے چند سال پہلے تک تاپر میں پرانے

مندروں کے آثار موجود ہوا کرتے تھے۔

علاقہ کردہن۔ دریائے وتشہ وادی سے نکل جانے سے عین پیشتر جس علاقہ میں سے بہتا ہے اس کا نام کردہن ہے۔ لوک پرکاش میں جو نام کرورہن وشئے آیا ہے اسے اس علاقہ سے منسوب کیا جائے تو کیا جائے۔ ورنہ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی پرانا نام معلوم نہیں علاقہ کردہن دریا کے دونوں کناروں پر پھیلا ہوا ہے لیکن اس کا بہت بڑا حصہ بائیں کنارہ پر واقعہ ہے

کنشک پور۔ بارہ مولا کی سڑک پر اس جگہ سے کوئی چھ میل کے فاصلہ پر موضع کانسپور آتا ہے راج ترنگنی کے ایک پرانے ٹیکا کار اور فارسی مورخوں نے اس کا قدیم نام کنشک پور لکھا ہے ترنگ ا شلوک ۱۶۸ میں کلہن نے کنشک پور کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس شہر کی بنا ترشک راجہ کنشک نے ڈالی تھی۔ جس کے متعلق سکول کتبوں اور بدھ مت کی روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑا اندو سیتھین یا کشن فرمانروا ہو گذرا ہے اس جگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جرنیل کننگھم نے کامپور اور کنشک پور کو ایک لکھا ہے لیکن ان کے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ کامپور۔ سرینگر اور شوپین کی سڑک پر واقع ہے اور اس کا اصلی نام کھامپور ہے اس جگہ کسی قسم کے قدیم آثار بھی موجود نہیں ہیں یوں تو کانسپور میں بھی سطح زمین پر کوئی نمایاں آثار باقی نہیں ہیں تاہم اس گاؤں کے قریب ایک قدیم ٹیلہ ہے جس میں سے گاہ بگاہ پرانے سکے اور کندہ کیے ہوئے پتھر نکالے جاتے ہیں۔

قبل ازیں ہم اسبات کا ذکر کر چکے ہیں کہ ہشک پور اور بارہ مولا کے قدیم شہروں کو ایک خاص اہمیت حاصل چلی آئی ہے وہ چونکہ دریائے وتشہ کے کناروں پر ایسر کھڈ کے عین اوپر واقع ہیں جس میں سے ہو کر دریا اس وادی کو چھوڑتا ہے اس لیے مغرب کی آمدورفت کا راستہ ہمیشہ وہیں سے شروع ہوتا رہا ہے۔ اس جگہ ان تجارتی

اور دیگر خصوصیتوں کا ذکر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے جنکی بدولت اسجگہ کو زمانہ قدیم سے آجتک بہت بڑی اہمیت حاصل چلی آئی ہے۔

دراہ مول۔ درہ مول جو دریا کے دائیں کنارہ پر واقعہ ہے اس کا نام موجودہ دور مل میں باقی رہ گیا ہے جسے پنجابی و دیگر غیر ملکی لوگ بارہ مولا کہتے ہیں دراہ مول دراہ کشیتر وغیرہ ناموں پر مفصل بحث نوٹ عنٹ کتاب ہذا میں کی گئی ہے راج ترنگنی میں دونوں نام دراہ مول و دارہ مول استعمال ہوئے ہیں اور یہ بجائے خود وشنو آدی دراہ کے قدیم تیرتھ کے نام سے بنے ہیں جسکی پوجا اس جگہ زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے اسی سے اس شہر اور لواحات کا نام دراہ کشیتر پڑ چکا ہے دراہ کشیتر جہاتم میں بہت سی روایات مذکور ہیں جنکا حوالہ نیل مت پران اور اور جہاتموں میں بھی پایا جاتا ہے کہ جو اس مقدس مقام اور لواحات کے تیرتھوں کو وشنو کے درہ اوتار سے منسوب کرتی ہیں پروفیسر بوہلر نے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۱۱ پر ان روایات کا خلاصہ اور ان مختصر قدیم آثار کا تذکرہ درج کیا ہے جو مختلف تیرتھوں میں پائے جاتے ہیں۔

کلہن نے جا یجا دراہ کے قدیم مندر کا ذکر کیا ہے جو کشمیر کے مشہور ترین معابد میں سے ایک معلوم ہوتا ہے مقامی برہمنوں کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسجگہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں اب شہر کے انتہائی مغربی حصہ میں دریا کے کنارہ کے قریب کوئی تیرتھ واقعہ ہے کوٹی تیرتھ میں جو بعض لنگ اور کندہ شدہ پتھر پائے جاتے ہیں ممکن ہے کہ ابتدا میں وہ مندر ہی سے متعلق ہوں۔ جونراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۔۔۶ میں اسکی مقدس مورتی کا سکندر بت شکن ہی کے ہاتھوں توڑے جانے کا ذکر لکھا ہے اس سے تھوڑا فاصلہ نیچے کیطرف جہاں ایک عمودی کرارہ دریا تک بڑھا ہوا ہے وہ پرانی چوکی واقعہ ہوا کرتی تھی جسکا ذکر دورنگ کے نام سے قبل ازیں آچکا ہے ترنگ ۸ کے شلوک ۴۰۳ سے واضح ہوتا ہے کہ زمانہ

قدیم میں بھی بارہ مولا کے مقام پر دریائے وتستہ پر پل ہوا کرتا تھا اسمیں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ بارہ مولا ایک بہت قدیم مقام ہے اسے ایک خصوصیت یہ حاصل ہے کہ دریا کے دائیں کنارہ پر واقعہ ہے اور وادی وتستہ کی پرانی سڑک بھی اسی راستہ سے ہو کر گذرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جس قطعہ زمین پر یہ واقعہ ہے وہ چونکہ پہاڑی اور دریا کے مابین اور تنگ ہے اسلئے اس پر کوئی زیادہ بڑا شہر آباد نہ ہو سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ شہر ہشک پور جو مقابل کے کنارہ پر ایک کھلے میدان میں بنایا گیا تھا ان دونوں مقامات میں سے زمانہ قدیم میں وہ بڑا ہوا کرتا تھا۔

ہشک پور۔ ہشک پور کے متعلق کلہن نے لکھا ہے کہ اسے ترشک راجہ ہشک نے بنوایا تھا اور اسکی تاریخ میں اس کا ذکر کئی مقامات پر آتا ہے۔ ہشک اپر یا اشکر کے متعلق مفصل حوالجات نوٹ ع۶ کتاب ہذا میں دیئے گئے ہیں اسکی یادگار اب اشکر کا چھوٹا سا گاؤں ہے جو موجودہ بارہ مولا سے قریباً ۲ میل جنوب مشرق کیطرف واقعہ ہے جرنیل کننگھم نے جغرافیہ قدیم کے صفحہ ۹۹ پر اشکر اور ہشک پور ان دونو کے ایک ہونے کا ذکر کیا ہے اور یہ بات نہ صرف سرینگر کے پنڈتوں کو معلوم ہے بلکہ راج ترنگنی کے ایک پرانے ٹیکا کار نے بھی بیان کی ہے ترنگ ۶ کے شلوک ۱۸۰ میں کلہن نے وضاحت کے ساتھ ہشک پور کو وراہ کشیتر یعنی وراہ تیرتھ کے مقدس مقامات میں داخل ظاہر کیا ہے اور راج ترنگنی کے دیگر متعدد حوالوں سے بھی اس کے اسی محل وقوع کا اظہار ہوتا ہے۔ راج ترنگنی میں جس راجہ ہشک کا ذکر آتا ہے اس کے متعلق ایک مدت سے یہ قیاس ظاہر کیا جا چکا ہے کہ یہ وہی اِنڈوسیتھین فرمانروا تھا جو کنشک کا جانشین بنا اور جسکا نام کتبوں پر ہوشک اور سکوں پر اوہشکی آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشک پور کی بنیاد پہلی یا دوسری صدی

عیسوی میں ڈالی گئی تھی جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے ہیون سانگ نے سلطنت کے مغربی دروازے میں داخل ہو کر پہلی رات ہو-سی-کیا۔ لویا ہشک پور کے ایک معبد میں بسر کی تھی۔ البیرونی نے بھی اشکارا کے بارہ مولا کے مقابل ہونے کا ذکر کیا ہے کلہن نے ہشک پور کا ذکر بارہ مولا سے بھی زیادہ مرتبہ کیا ہے۔ چونکہ راج ترنگنی میں ہشک پور کی بنی ہوئی مقدس عمارات کا ذکر بار بار آتا ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے عہد میں ان دونوں میں سے ہشک پور کو ہی زیادہ اہمیت حاصل ہوا کرتی تھی۔ ترنگ ۴ کے شلوک ۱۸۸ میں مذکور ہے کہ راجہ للتادتیہ مکتا پیڑ نے وشنو مکت سوامن کا عظیم مندر اور ایک زبردست ستوپہ اسجگہ بنوایا تھا۔ ترنگ ۸ کا شلوک ۱۰۶ مظہر ہے کہ کشیم گپت جو اپنی مہلک بیماری کے وہم کی حالت ہی میں چلا گیا تھا اس نے بھی ہشک پور میں دو مٹھ بنوائے تھے اب بھی اس سے ان کے اکثر حصوں میں جو دریا کے مغربی کنارے سے اشکر کے پیچھے والی نشیب پہاڑیوں کیطرح پھیلا ہوا ہے بہت سی قدیم عمارات کے محل وقوع کا پتہ چلتا ہے جب کہ بشپ کودی کی تحریر مندرجہ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۶ء صفحہ ۵ سے واضح ہوتا ہے اہل سان میں سے بعض آثار اور دو بہت بڑے لنگ اسجگہ موجود دیکھے تھے۔

اشکر کا ستوپہ۔ گاؤں کے مغرب کیطرف کوئی ۴۰۰ گز کے فاصلہ پر ایک ستوپہ کے خستہ حال آثار موجود ہیں جنہیں بشپ کوڈی نے اچھی حالت میں دیکھا اور میجر کول نے ۱۸۷۰ء میں ان کا اسی حالت میں فوٹو لیا تھا۔ دیہاتیوں کی زبانی سٹائین صاحب کو معلوم ہوا کہ بعد میں اسے کسی صاحب کے حکم سے کھودا اور ہموار کر دیا گیا تھا معلوم نہیں یہ کھدائی کب اور کس موقعہ پر ہوئی البتہ کننگھم صاحب نے اپنی کتاب "کائنز آف اینشنٹ انڈیا" کے صفحہ ۶۲ پر ٹیکسلا کی وضع کے ایک قدیم سکہ کا ذکر کیا ہے جو یہاں ستوپہ میں ملا تھا ممکن ہے یہ ستوپہ وہی ہو جسے راجہ للتادتیہ نے ہشک پور میں بنوایا۔

تھا۔ راجہ کے ستوپہ کے ضمن میں کلہن نے جس وہار کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق نوٹ ۲۵۵ کتاب ہذا میں لکھا جا چکا ہے کہ غالباً یہ کوئی معبد تھا جس کے متعلق او کانگ نے مونگ ٹی وہار کے نام سے ذکر کیا ہے دیکھو سٹائین صاحب کے نوٹس آن او کانگ صفحہ ۵۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چینی لفظ مونگٹی پراکرت لفظ مکت یا ملتا سے نکلا ہوا ہے مکتا اور مکتا دراصل مکتا پیڑ کی مختلف صورتیں ہیں اور اس راجہ کی بنوائی ہوئی دیگر مقدس عمارتوں کے ناموں مثلاً مکتا کیشو مکت سوامن وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

چونکہ بعد کی تاریخوں میں ہشک پور کا ذکر کہیں نہیں آتا اس لئے ہم اندازہ کرتے ہیں کہ ہندوؤں کی سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی اسکی عظمت و اہمیت بھی زوال پذیر ہو گئی تھی۔

۹۔ کرم راجیہ کے شمالی اضلاع

بارہ مولا کے نیچے کیطرف وادی دنتشہ میں جو قدیم مقامات ہیں۔ ان کا ذکر قبل ازیں اس راستہ کے ضمن میں آچکا ہے جو اسمیں سے ہو کر گذرتا ہے اسلئے اب ہم قدیم کرم راجیہ کے ان اضلاع کیطرف رجوع کرتے ہیں جو دریا اور جھیل ولر کے شمال میں واقع ہیں۔

علاقہ شمالا۔ کردہن سے اس طرف جو علاقہ ملحق ہے اس کا نام ہمل یا ہمال مشہور ہے نوٹ ۱۹۲ کتاب ہذا منظہر ہے کہ اس کا قدیم نام شمالا ہوا کرتا تھا اور کہ یہ نام براہ راست اسمیں سے نکلا ہوا ہے۔ شمالا کا ذکر راج ترنگنی کی بعد کی ترنگوں میں کئی موقعوں پر آیا ہے کیونکہ اس جگہ کے ڈامروں نے بعد کے راجاؤں کے عہد کی خانہ جنگیوں میں بہت بڑا حصہ لیا تھا۔ بھکشاچر کے سب سے زبردست معاون شمالا ہی کے رہنے والے تھے اور وہ اکثر انہی کے ہاں پناہ گزین ہوا کرتا تھا ایک مرتبہ یہ

(ترنگ ۸ کے شلوک ۱۴۲۸) میں موضع ونگرام کا ذکر کیا گیا ہے جسکی موجودہ صورت اغلباً موجودہ موضع ونگام ہے بھکشاچر کی مہموں کے ضمن میں ایک اور مقام کالکوہ واقعہ شمالا کا ذکر بھی آتا ہے لیکن اس کا اب کہیں پتہ نہیں چلتا۔

سوئمبھو تیرتھ - ہمل کے شمال میں پرگنہ مچی پور واقعہ ہے اس کا قدیم نام کہیں نہیں آیا اسی جگہ سوئمبھو اگنی کا مشہور و معروف تیرتھ واقع ہے کلہن نے ترنگ ا کے شلوک ۳۴ میں اپنے دیباچہ کے دوران میں خود پیدا شدہ آگ (سوئمبھو) کا ذکر کیا ہے جو پرتھوی کے اندر سے نکل کر شعلوں کی شکل میں اپنے ہشیار بازوؤں کے ذریعہ چڑھاوا دینے والوں کا چڑھاوا منظور کرتی ہے۔

اس جگہ کا نام اب بھی سوئمبھو یا دیہاتیوں میں سویم مشہور ہے یہ مقام موضع نچہوم کے جنوب مغرب کیطرف قریباً نصف میل کے فاصلہ پر اور تنگ درے جسکا نام نقشہ پر شیخ وڈ کہا یا ہوا ہے ½ امیل کے قریب بجانب شمال واقعہ ہے سٹائین صاحب جب ۱۸۹۲ء میں اسجگہ بغرض سیاحت گئے تو انھوں نے دیکھا تھا کہ زمین جلی ہوئی مٹی کی مانند چمکدار سرخ رنگ کی تھی اور اسمیں تنگ تنگ درزیں تھیں سنا گیا ہے کہ ان درزوں میں سے خاص خاص موقعوں پر بھاپ نکلا کرتی ہے ایسے موقعوں پر جاتری بہت بڑی تعداد میں اسجگہ جمع ہو جاتے ہیں وہ شرادہ کے طور پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور اسجگہ کی حرارت اسقدر تیز ہوتی ہے کہ انکی ڈالی ہوئی چیز فوراً ہی بھسم ہو جاتی ہے۔

یہ حالت آخری مرتبہ ۱۸۵۶ء میں دیکھی گئی تھی۔ وگنی صاحب نے اپنے ٹریول کی جلد ۲ صفحہ ۲۸ پر اور لارنس صاحب نے کتاب ویلی کے صفحہ ۴۱ پر گذشتہ بعدی کے ابتدائی حصہ میں اس عمل کے ظہور میں آنے کا ذکر لکھا ہے سر ڈاکٹر شکیر نے بھی اسکا حوالہ دیا ہے اور ابوالفضل بھی آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ پر اس کا ذکر کیے

بغیر نہیں رہ سکا۔ چونکہ یہ "خود پیدا شدہ" آگ صرف شاذونادر موقعوں پر دیکھی جاتی ہے اور صرف انہی موقعوں پر یاترا ہوتی ہے اس لئے اس کے آثار قدیم کی عدم موجودگی چنداں حیرت خیز ثابت نہیں ہوسکتی۔ اس تیرتھ کا ایک ماہاتم موجود ہے اور نیل مت پران میں بھی اس تیرتھ کا ذکر آیا ہے۔

ورہت چکر۔ راجہ اوچل نے جو ۱۱۰۱ء سے ۱۱۱۱ء تک حکمران تھا جب سوئیمبھو کی یاترا کی ہے اس موقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کلہن نے اس علاقہ کے بعض مقامات کا ذکر بھی کر دیا ہے مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ ۲۷ کتاب ہذا۔ راجہ کی نسبت جو کرم راجیہ میں مقیم تھا۔ مذکور ہے کہ وہ تھوڑی سی جمعیت ہمراہ لیکر موضع ورہت چکر میں معجزہ دیکھنے کی غرض سے روانہ ہوا اس نے موضع کمبلیشور کے پاس سے گذرنے والا راستہ اختیار کیا جہاں وہ ایک عمیق کوہی کھڈ میں لیٹروں کے نرغہ میں پھنس گیا اور بمشکل ان سے بچ سکا۔ سٹائین صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ان مقامات کا جنکا اس واقعہ کے دوران میں ذکر آتا ہے اب بھی شناخت کرلینا کچھ مشکل نہیں۔ ورہت چکر شاید موجودہ تناک وور کا پرانا نام ہے کیونکہ کشمیری زبان میں تناک کا لفظ عام طور پر چکر کے لئے آجاتا ہے اور وور طریق الصوت کے مطابق ورہت سے نکلا ہوا ہے کشمیر کے دیہی ناموں میں اس قسم کی بعض مثالیں نظر آتی ہیں کہ جنمیں مرکب ناموں کے اجزا آگے پیچھے ہو گئے ہیں چنانچہ دار اساد پور اور ساد پور دارا اسکی قابل ذکر مثال ہے۔

کمبلیشور۔ یہ خیال کرنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ کمبلیشور سے مراد موجودہ موضع کرمبھر ہے جو سوئیمبھو سے ۶ میل شمال مشرق میں واقعہ ہے کشمیری ناموں میں سنسکرت ایشور کی بجائے ہر کا استعمال کوئی نئی بات نہیں کیونکہ تریپر یشور اور تریہر بھی دو اسی قسم کی مثالیں ہیں کرمبھر سے سوئیمبھو کا راستہ پنجتر ندی کی وادی میں سے ہو کر گذرتا ہے ۱۸۹۲ء میں سٹائین صاحب نے ذاتی طور پر دورہ کرنے سے پہلے دیکھا تھا کہ یہ ندی

راجپور سے اوپر ایک تنگ اور جنگلوں سے لدی ہوئی کھڈ میں سے ہو کر گذرتی ہے وہ راستہ جو کھڈ کی تہ میں ندی کے پیچیدہ راستہ کے ساتھ ساتھ جاتا ہے اس قسم کا ہے کہ اس میں چوروں وغیرہ کا چھپے رہنا کچھ بھی تعجب خیز نہیں اور اسلئے اس قسم کا واقعہ جسکا ذکر کلہن نے کیا ہے ظہور میں آنا بالکل قرین قیاس ہے۔

کرمھر سے جنوب مشرق کیطرف بدرکال ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جسمیں ایک مختصر سا تیرتھ ہے اس تیرتھ کی علامت ایک چشمہ اور چند کھنڈ لنگ ہیں۔ سومیھویاترا کے موقعہ پر لوگ اسجگہ سے ہو کر گذرتے ہیں اور سومیھ مہاتم میں اس کا نام بھدر کالی آیا ہے۔

علاقہ اتر۔ پرگنہ اتر جو کشن گنگا کیطرف والے سلسلہ کوہ کے دامن میں پھیلا ہوا ہے۔ وادی کشمیر کی شمال مغربی حد قائم کرتا ہے ترنگ ۲ کے شلوک ۲۰۱ میں اسکا قدیم نام اترآیا ہے اور اس کے ایک مقام گھوش نامی کا بھی حوالہ دیا گیا ہے اسجگہ کا موجودہ نام بلاشبہ گش ہوگا جو اتر کے مرکز میں اسجگہ واقعہ ہے جہاں دریائے کامل اور لولاؤ کی طرف سے آنے والی ندی آپس میں ملتے ہیں شاردا تیرتھ کے یاتری یہیں سے روانہ ہوتے ہیں اور شارداماہاتم میں اس کا نام صحیح طور پر گھوش ہی آیا ہے۔

دریائے کامل کے کنارہ ۱۰۵ میل اور اوپر کیطرف موضع پانزی گام واقعہ ہے۔ ہندوستان کے اٹلس کے نقشہ میں تو یہ جگہ دکھائی نہیں دیتی البتہ میجر بیٹس کے گزٹیر میں اس کا ذکر آیا ہے غالباً قدیم مقام پانچی گرامی یہی ہے جسکا ذکر کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۳۱۲ میں دعویدار سلطنت بھوج کے مغلوب اور مطیع ہونے کے بارہ میں کیا ہے سٹائین صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں بذات خود اس علاقہ میں نہیں جاسکا اور پانزی گام کے بارہ میں میجر بیٹس کا حوالہ صرف اس وقت میری نظر پڑا جب نقشہ تیار کیا جاچکا تھا۔

بھوج کی آخری مہم کے دوران میں تارملک کا ذکر راج ترنگنی میں بارہا آیا ہے اور یہ امر قرین قیاس ہے کہ یہ جگہ پرگنہ اتر میں یا اس کے قریب کسی جگہ واقعہ تھی یہ مقام کلہن کی تاریخ کے باقی حصوں کے بارہ میں بہی بہت کچھ اہمیت رکھتا ہے لیکن بدقسمتی سے ابھی اسے شناخت نہیں کیا جا سکا۔

ورنگ۔ ہایاشرم۔ اتر کے سنگھائے شمال مشرق میں اور ایک دوسرے سے صرف ایک ہی میل کے فاصلہ پر ورنگ اور ہائے ہوم کے قدیم مواضع واقعہ ہیں جنکے قدیم نام ورنگ اور ہایاشرم ہیں ان میں سے ورنگ کا ذکر نوٹ ع۹۱۵ کتاب ہذا و نیز نوٹ ع۲ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ ترنگ ا شلوک ۳۷ اور ہایاشرم کا ذکر نوٹ ع۹۶۰ کتاب ہذا میں آیا ہے اول الذکر جیسا کہ اسکا نام ظاہر کرتا ہے اسجگہ واقع ہے جہاں دریائے کش گنگا کیجانب پرانی سرحدی چوکی ہوا کرتی تھی۔ قبل ازیں ہم اسبات کا ذکر کر چکے ہیں کہ ایک راستہ اسمیں سے گذر کر شردی یا قدیم شارداتیرتھ کیطرف جو اس دریا پر واقعہ ہے جاتا ہے۔ کلہن نے ورنگ اور ہایاشرم ان دونوں کا ذکر قلعہ سرہ شلا کے اس محاصرہ کے ضمن میں کیا ہے جو اس کے وقت میں ہوا تھا اس صورت میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس قلعہ اور شارداتیرتھ دونو کا مجمل طور پر ذکر کر دیا جائے گو اسمیں شک نہیں کہ وہ دونوں ہی وادی کشمیر کی حدود سے باہر ہیں۔

شارداتیرتھ۔ شارداتیرتھ کے محل وقوع اور اسکی تاریخ پر مفصل بحث نوٹ ع۲ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ ترنگ ا شلوک ۳۷ میں کیا جا چکا ہے اسجگہ صرف اسقدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ راج ترنگنی کے اس دیباچہ میں جو کلہن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ دیوی شاردا کے مندر کو کشمیر کے تیرتھوں میں سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اسکی شہرت حدود کشمیر سے پرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ البیرونی کی کتاب انڈیا جلد ا صفحہ ۱۱۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی اسے سنا تھا۔

اور مشہور معروف ویاکرن کے مصنف ہیم چندر کی ایک جین سوانحعمری میں ایک قصہ مذکور ہے جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسکی شہرت گجرات تک پھیل چکی تھی باوجود اس بات کے کہ کسی زمانہ میں اس تیرتھ کو اس قدر شہرت حاصل تھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے وجود کی خبر اب نہ تو پنڈتان کشمیر اور نہ کثیر التعداد برہمن لوگوں کو ہے خوش قسمتی سے کراز کے نواحی علاقوں میں اس کے متعلق روایات قائم چلی آتی ہیں۔ ان روایات کی رہبری سے سٹائین صاحب نے یہ بات معلوم کی کہ یہ قدیم تیرتھ جو موجودہ مقام شردی پر واقعہ ہے۔ دریائے کشن گنگا کے دائیں کنارہ پر ۴، درجہ ۱۵ دقیقہ طول البلد اور ۳۴ درجہ ۴۸ دقیقہ عرض البلد میں واقعہ ہے۔

نوٹ ع؎ ضمیمہ کتاب ہذا (متعلقہ ترنگ ۸ شلوک ۲۷۳ میں اس دورہ کا مفصل ذکر کیا گیا ہے جس کے دوران میں سٹائین صاحب ۱۸۹۲ء میں اس تیرتھ پر پہنچے۔ اور اسجگہ آجکل جو مندر ہے اس کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے اس مندر کا محل وقوع ٹھیک وہیں ہے جہاں کلہن کی تحریر کے مطابق اسکا ہونا واضح ہوتا ہے اس کے عین مقابل میں مدہومتی کی مقدس ندی دریائے کشن گنگا میں ملتی ہے اور دریائے سرستی جو شمال سے آتی ہے اس کا سنگم بھی مندر سے دیکھا جا سکتا ہے جو نراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۱۰۵۶ تا ۱۰۷۱ سے واضح ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی یہ مندر اس قدر مقبول تھا کہ سلطان زین العابدین (غالباً ۱۴۲۲ء) دیر اسکی زیارت کے لئے وہاں پہنچا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد دیوی کی مجسم مورتی توڑ دی گئی۔ لیکن ابوالفضل آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ پر اس جگہ کے تقدس کو تسلیم کرتا اور اس کا محل وقوع درست طور پر دریائے مدہومتی کے کنارہ بتاتا ہے اس نے لکھا ہے کہ شاردا کا سنگین مندر ہائے ہموں دہائے ہوم سے دو دن کے فاصلہ پر ہے بعد میں اس تیرتھ کے بارہ میں جس ر

تغافل سے کام لیا گیا اس کا باعث زیادہ تر ان مشکلات کو تصور کرنا چاہیے جو بالائی وادی کشن گنگا کی سیاسی مشکلات کی وجہ سے یاتریوں کو پیش آتی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ شاردا کی یاترا کا دوبارہ سلسلہ سکھوں کے اقتدار کے زمانہ سے شروع ہوا ہے یہ امر اغلب نظر آتا ہے کہ ان مشکلات ہی کی بدولت شاردا کے وہ مختلف نیابتی تیرتھ بن گئے ہیں جو کشمیر خاص کے اندر جابجا پائے جاتے ہیں۔

قلعہ سرہ شلا ۔ قدیم شاردا استھان میں جانے سے سٹائین صاحب کو ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ انہیں قلعہ سرہ شلا کا محل وقوع یقینی طور پر معلوم ہو گیا۔ راجہ جے سنگھ کی فوجوں نے اس قلعہ کا وہ قابل یادگار محاصرہ کیا تھا جس کا ذکر مفصل طور پر کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۹۲ تا ۲۷۰۹ میں کیا ہے سرہ شلا کے محل وقوع اور گنیش گھاٹی اور سرہ شلا ان دونوں کے ایک ہی ہونے کی شہادت پر مفصل بحث نوٹ ۱۳ ضمیمہ کتاب ہذا متعلقہ ترنگ ۸ کے شلوک ۲۴۹۲ میں کی جا چکی ہے کلہن کی تحریر میں جو صحیح جغرافیائی حالات درج ہیں ان سے بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قلعہ اس عمودی ٹیلہ کی چوٹی پر واقعہ ہوا کرتا تھا جو شاردا مندر سے نیچے قریباً ۲½ میل کے فاصلہ پر وادی کشن گنگا کی طرف بڑھا ہوا ہے اس جگہ کا معائنہ کیا جائے تو ان تمام واقعات کی جو مذکورہ بالا شلوکوں کے دوران میں آتے ہیں کامل طور پر تصدیق ہو جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر دعویدار سلطنت بھوج کی مجوزہ فراری کے واقعات کی توضیح ہو جاتی ہے اس ٹیلہ کا موجودہ نام گنیش گھاٹی ہے کیونکہ اس کے پہلو میں ہاتھی کے سر کی شکل کی ایک چٹان موجود ہے جسے لوگ گنیش جی کی سویمبھو مورتی کے طور پر پوجتے ہیں یہ بالکل اغلب ہے کہ قدیم نام سرہ شلا کی ابتدا جس کے معنی "سر کی چٹان" کے ہیں۔ اسی چٹان کی وجہ سے ہوئی ہو۔

لولاو اور زین گیر کا علاقہ ۔ وادی کشن گنگا اور علاقہ درد کے نواحات

سے ہو کر جب ہم واپس لوٹتے ہیں تو ورنگ، نے ہوم کے عین مشرق میں ہم لولاب پرگنہ کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ نوٹ ع۱۰ کتاب ہذا سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا صحیح کشمیری نام لولاؐ ہے جو سنسکرت نام لولا سے نکلا ہوا ہے اس علاقہ کی وادی نہایت خوش منظر ہے مگر اس کے اندر کسی قدیم مقام کو شناخت نہیں کیا جا سکتا۔

لولاؐ کے ساتھ جنوب کی طرف سے پرگنہ زین گیر ملحق ہے جس میں وہ زرخیز علاقہ شامل ہے جو کہ جھیل ولر اور دریائے پوہر کے بائیں کنارہ کے مابین واقع ہے جو تراج کی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) شلوک ۹۴۴ تا ۹۴۸ اور سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۵۶۲ و ترنگ ۳ شلوک ۵۹ و ۶۰ سے واضح ہوتا ہے کہ نئے موجودہ نام سلطان زین العابدین کے نام سے حاصل ہوا تھا جس کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ اس نے دریائے پوہر سے جین گری کی اور زمین تک انہار آبپاشی تیار کرائی تھیں۔ اس علاقہ کے قدیم نام کا اب کچھ پتہ نہیں چلتا۔

سوپور - اس کا صدر مقام قصبہ سوپور (قدیم سویہ پور ہے) جس کے متعلق نوٹ ع۱۲۳ کتاب ہذا میں لکھا جا چکا ہے کہ راجہ اونتی ورمن کے انجنیئر سویہ نے اسکی بنا ڈالی تھی، سوپور اس مقام سے تھوڑا فاصلہ نیچے کیطرف واقع ہے یہاں دریائے وتستا جھیل ولر سے نکلتا ہے اسکی اہمیت اب تک قائم چلی جاتی ہے اور اب بھی اسمیں ... سے زیادہ باشندے موجود ہیں بتین حال میں اسجگہ سارے علاقہ کمراز کا سرکاری ہیڈ کوارٹر قائم رہا ہے۔ سریور کی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۵۶۰ سے واضح ہوتا ہے کہ معاملات کی یہ صورت پہلے بھی رہ چکی تھی۔ زین العابدین کے وقت میں ایک آتش زدگی سے سویہ پور کا شہر تباہ ہو گیا تھا جسکا ذکر کرتے ہوئے سریور نے بیان کیا ہے کہ کرم راجیہ کے متعلق تمام سرکاری کاغذات بھی اسی آگ میں تلف ہو گئے لیکن قصر شاہی بچ رہا اور بادشاہ نے اس شہر کو از سر نو بڑی شان و عظمت سے بنوایا۔ لیکن

اس کی اب کوئی یادگار باقی نہیں رہی نہ اس شہر میں کوئی قابل ذکر قدیم آثار موجود ہیں۔
یہ خیال کہ موضع زولر جسکا نام نقشہ پر زولہر دکھایا ہوا ہے اور رین گیر کے شمال غربی حصہ میں واقعہ ہے دراصل اس جالورہی کا جدید نام ہے جس کے متعلق ترنگ ا کے شلوک ۹۸ میں ہیلاراج کی فہرست کی بنا پر تحریر کیا گیا ہے کہ اسکی بنا راجہ جنک نے ڈالی تھی بہت کچھ مشکوک ہے کیونکہ ان میں مشابہت زیادہ تر صرف ناموں ہی کی ہے موضع لوبائی جو نسبتاً بڑا ہے ممکن ہے وہی بھیم ٹکا ہو جسکا ذکر کلہن نے کیا ہے یہ بات آسانی سے معلوم کیجا سکتی ہے کہ جدید لوبائی قدیم نام ہی سے نکلا ہوا ہے لیکن بھیم ٹکا کا نام ترنگ ۸ کے اندر صرف چھپے شلوک ہی میں آیا ہے جس سے اس کے محل موقوع کے بارہ میں کوئی شہادت حاصل نہیں ہوتی۔

علاقہ کھوئی آشرم۔ جھیل ولر کے شمالی کنارہ پر ایک نصف دائرہ کیصورت میں کھوئی ہوم کا علاقہ پھیلا ہوا ہے کلہن نے اس کا قدیم نام کھوئی آشرم لکھا ہے لیکن سریور اور جونراج کسی قدر تبدیلی کے ساتھ اسے کھوئی آشرم لکھتے ہیں۔ مقابلہ کے لئے دیکھو نوٹ عشہ ۹۲ کتاب ہذا قبل ازیں اس قدیم راستہ کا ذکر کیا جا چکا ہے جو دریائے مدہومتی کے بہاؤ کے اوپر دگدہ گھاٹ یا دوہ کھٹ کے درہ پر سے ہوتا ہوا علاقہ دردو واقعہ کشن گنگا کیطرف جاتا تھا ترنگ ۸ کے شلوک ۲۷۷۵ میں ہم دیکھتے ہیں کہ دردوں نے جو حملہ اس راستہ کشمیر پر کیا تھا اسمیں حملہ آور فوج مانز گرام میں مقیم ہوئی تھی اس سے مراد یقینی طور پر جدید موضع مانز گوم سے ہو سکتی ہے جو درہ تراگ بل کے دامن کے قریب واقع ہے یہ عین اس مقام پر واقعہ ہے جہاں مدہومتی کے ساتھ ساتھ جانے والا راستہ ایک کھلی وادی کیصورت اختیار کر لیتا ہے اور یہ پہلا مقام ہے جہاں ایک بڑا کیمپ سہولیت سے لگایا جا سکتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جھیل ولر کے شمال مشرقی ساحل پر جو زمین ہے وہ زمانہ قدیم

میں ایک جداگانہ علاقہ کی صورت میں ہوا کرتی تھی جسکا نام ایونک مشہور تھا۔ اس کا ذکر ایک بار کلہن نے کیا ہے اور نیز بتھ سنگرہ میں بھی اس کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن اسکی مقامیت کے بارہ میں کامل شہادت موجود نہیں ممکن ہے موضع سدرکوٹھ جسکا نام بلہن نے اپنی راج ترنگنی ترنگ ۱ شلوک ۱۰۰ میں سمدرکوٹ لکھا ہے اسی سے متعلق ہو۔

علاقہ لھر۔ اب ہم وادی سندھ کے قریب میں پہنچ گئے ہیں جسمیں کشمیر کا سب سے بڑا پرگنہ واقع ہے اس علاقہ میں جسکا موجودہ نام لار مشہور ہے وہ مقام وادیاں شامل ہیں جنہیں دریائے سندھ اور اس کے معاون سیراب کرتے ہیں اور ان کے علاوہ وہ دریائی علاقہ بھی شریک ہے جو اس دریا کے عظیم میدان کشمیر میں داخل ہونے کے بعد اس کے دائیں کنارہ پر واقع ہے اس کا قدیم نام لھر تھا اور راج ترنگنی اور راجہ کی تاریخوں میں اس کا ذکر بہت سے مقامات پر اسی نام سے کیا گیا ہے۔ لار اور لھر کے ایک ہی ہونے کی شہادت پر نوٹ ع ۳۵۵ کتاب ہذا میں بحث کی جا چکی ہے معلوم ہوتا ہے سینٹ پیٹرزبرگ کی ڈکشنری کے مصنف پہلے ہی سے اس سے واقف تھے ہم دیکھتے ہیں کہ اس علاقہ کی اراضی زمانہ قدیم ہی سے بڑے بڑے امرا کے ہاتھوں میں چلی آئی ہے۔ لھر میں رہنے والے ڈامروں کا ایک خاندان اس قدر طاقتور اور با اثر تھا کہ اس نے راجہ ہرش کے بعد کے زمانہ میں حقیقی بادشاہ گروں کا پارٹ ادا کر کے دکھایا چنانچہ ترنگ ۸ کے شلوک ۱۵-۴۷-۲۵-۵۰۲ اور ۱۳۶۴ میں جنک چندر۔ گرگ چندر اور ان کے جانشینوں کے لئے ہوئے سیاسی پارٹ کا واضح طور پر ذکر آتا ہے۔ ترنگ ۵ کے شلوک ۵۱ میں بھی ہم لھر کے ڈامروں کو با اختیار اور ذی اقتدار دیکھتے ہیں یہ امر اغلب ہے کہ اس عظیم تجارتی راستہ کی وجہ سے جو اس علاقہ میں سے ہو کر لداخ اور وسط ایشیا کو جاتا ہے اسکی دولت اور اہمیت زمانہ قدیم میں بہت کچھ بڑھی ہوئی ہوا کرتی تھی۔

تول مولیہ کا تیرتھ۔ سندھ ڈلٹا کے محصور آب وسیع علاقہ میں ہمیں تول مولیہ کا قدیم تیرتھ اسجگہ واقعہ نظر آتا ہے جہاں اب موضع تل مل واقعہ ہے نوٹ ۳۲۱ کتاب ہذا میں یہ بات ظاہر کی جا چکی ہے کہ راجہ جیاپید کے وقت میں تول مولیہ کے پروہت بڑے باثر اور ذی الاقتدار ہوا کرتے تھے۔ تول مولیہ کا بڑا سا چشمہ مہاراجنی کا مقدس استھان گنا جاتا ہے جو درگا کی ایک صورت ہے اور جبکی سرینگر کے برہمن اب بھی بہت تعظیم کرتے ہیں روایت ہے کہ درگا مہاراجنی اپنی کرامت سے اس چشمے کے پانی کی رنگت کو وقتاً فوقتاً تبدیل کرتی رہتی ہے چونکہ یہ ایک آسان گذار مقام پر واقعہ ہے اسلئے سرینگر سے اکثر یاتری اسجگہ جاتے ہیں۔ ابوالفضل نے آئین اکبری کی جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ پر اسجگہ اور اس کے دلدلی نواحات کا ذکر کیا ہے۔ تل مل سے قریباً ½ ۱ میل شرق کیطرف موضع دورہوم دریائے سندھ کی شاخ خاص پر واقعہ ہے جو اس جگہ پہلی مرتبہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ اسمیں کشتی رانی کیجا سکے سرورس نے اپنی راج ترنگنی کی ترنگ ۴ شلوک ۱۱۰-۱۳۶ اور ۲۶۲ میں اسکا حوالہ دگدہ آشرم کے نام سے دیا ہے۔

مایہ گرام۔ وادی کے اوپر کیطرف چڑھتے ہوئے ہم منی گام کے بڑے سے گاؤں میں داخل ہوتے ہیں جو دریا کے دائیں کنارہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقعہ ہے یہ وہی مقام ہے جسکا ذکر کلہن نے ترنگ ۸ کے شلوک ۱۹۰ میں بھکشاچر کی مہم طرف کے دوران میں کیا ہے ترنگ ۷ کے شلوک ۱۲۶ سے واضح ہوتا ہے کہ راجہ سنگرام راج کے عہد میں جو سنہ ۱۰۰۳ء سے ۱۰۲۸ء تک حکمران ہو گذرا ہے مایا گرام کے نام پر ایک جداگانہ منڈیایہ گراہین گنج قائم ہوا تھا اس کے متعلق مذکور ہے کہ رانی سری لیکھا نے اسے گاؤں کی مال گذاری کے روپیہ سے قائم کیا تھا۔ منی گام مایہ گرام میں اب بھی چاولوں کے بہت سے نہایت عمدہ کھیت دیکھنے میں آتے ہیں۔ خاص گاؤں کے اندر کوئی قدیم آثار نظر نہیں آتے۔ البتہ اس سے تھوڑا فاصلہ اوپر کیطرف اس شاخ کوہ کے

دامن میں جو سوہند مرگ کیطرف جاتی ہے ایک پتھر کا بنا ہوا قدیم تالاب ہے جسکے اندر ونتش ناگ نامی ایک خوبصورت چشمہ کا پانی بھرا رہتا ہے نواحات کے برہمن اسے تیرتھ تصور کرکے یاترا کی غرض سے آتے ہیں اور ہرمکٹ اور بعض دیگر مہاتموں میں بھی اس کا ذکر ادجیسٹ ہشیرن ناگ کے نام سے آیا ہے گاؤں سے قریباً ایک میل اوپر کیطرف وادی کیطرف جانیوالی شاہ راہ بڑی بڑی سلوں کے ایک بیڈول سے ٹیلہ کے پاس سے ہوکر گذرتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ پتھر کسی قدیم مندر سے تعلق رکھتے ہونگے

چیر موچن تیرتھ - منی گام سے ۴ میل اوپر کیطرف دریائے سندھ کے بائیں کنارہ ہم اس مقام پر پہنچتے ہیں جو زمانہ قدیم سے نہایت مقدس گنا جاتا رہا ہے موضع پرنگ کے قریب جسکا نام نقشہ میں نہیں دکھایا گیا دریائے کانک نے (کنک واہنی) کی ایک چھوٹی سی شاخ دریائے سندھ میں جا ملتی ہے جو لوگ ہرمکٹ کی جھیلوں پر یاترا کرنے جاتے ہیں وہ اب راستہ پر اس سنگھم میں بھی بطور ایک تیرتھ کے ہو جاتے ہیں جدید ہرمکٹ مہاتم میں اس کا نام کرنک تیرتھ آیا ہے لیکن نوٹ ۲۱ کتاب ہذا میں یہ امر واضح کیا جا چکا ہے کہ درحقیقت یہ چیر موچن تیرتھ ہے جسکا ذکر راج ترنگنی، نیل مت پران اور قدیم نندی کشیتر مہاتم میں آتا ہے

کنک نے یا دریائے کنک واہنی جسکا نام ہمیشہ چیر موچن کے ساتھ آتا ہے ایک مقدس دریا ہے کیونکہ ہرمکٹ سے نیچے مقدس جھیل گنگا کا پانی اسمیں سے ہوکر گذرتا ہے ہرمکٹ مہاتم جو اپنے مقامی ناموں کیوجہ سے نسبتاً زمانہ حال کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے کنک واہنی کا نام کرنک ندی لکھتا ہے اور اسی بنا پر اسمیں اس سنگھم کا نام کرنک تیرتھ آیا ہے اشوک کے بیٹے راجہ جلوک کے متعلق جسے شو بھوتیش اور نندیش کا بڑا پرستار دکھایا گیا ہے مذکور ہے کہ اس نے اپنے آخری ایام چیر موچن ہی میں گذارے تھے۔

بھوتیشور تیرتھ - اب ہم گویا بھوتیشور اور جیشٹ رُدر کے مقدس مقامات تک پہنچ گئے ہیں جہاں اب وادی کانک نے میں موضع بوتھ شیر میں خستہ حال مندر واقعہ ہیں۔ ان کا قریبی تعلق نندی کشیتر کے تیرتھوں سے ہے جو حسب تحریر سابق ہرمکٹ کے برفانی پہاڑوں سے نیچے کیطرف واقعہ ہیں (دیکھو نوٹ ۲۴۹ ۵۰ کتاب ہذا نیز ترنگ ۵ شلوک ۵۵ تا ۵۹) اس وادی میں موضع وانگاتھ جو بلند ترین مستقل آباد مقام ہے بوتھ شیر سے قریباً ۲ میل نیچے کیطرف واقعہ ہے مہاتموں میں اس کا نام وشسٹ آشرم آیا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ رشی وشسٹ اسی جگہ رہا کرتے تھے نوٹ ۹۱ کتاب ہذا اور نیل مت پران کے حوالوں سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ یہ واسیت نہایت قدیم ہے وادی کنک نے کے دہانہ پر اور چیر موچن سے دو میل شمال مشرق کیطرف موضع بارول واقعہ ہے جسکا ذکر کلہن نے راجہ جلوک کے اگرہار کی حیثیت میں وار بال کے نام سے کیا ہے دیکھو ترنگ ۱ شلوک ۱۰۱ - ۱۸۹۱ء میں سٹائین صاحب کو اسجگہ ایک بہت بڑا لنگ رکھنے کا چبوترا نظر آیا تھا جس سے اسجگہ کی قدامت پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے

بالائی وادی سندھ - وادی خاص کی طرف لوٹ کر ہم چیر موچن سے قریباً ۲ میل اوپر کیطرف دریائے سندھ کے دائیں کنارہ موضع کنگن دیکھتے ہیں شاید یہ وہی کنکن پور ہے جس کے بارے میں ترنگ ۱ شلوک ۳۰۱ میں آیا ہے کہ رانی دِدا نے اسکی بنا اپنے شوہر کشم گپت المعروف بہ کنکن ورش کی یاد میں ڈالی تھی۔ اس کے بعد وادی سندھ میں کسی اور قدیم مقام کو یقینی طور پر شناخت نہیں کیا جا سکتا حتے کہ ہم موضع گگن گیر میں پہنچتے ہیں جو کنگن سے دو کوچ کا فاصلہ اوپر کیطرف واقعہ ہے غالباً یہ وہی گگن گری ہے جسکا ذکر جونراج نے اپنی راج ترنگنی (بمبئی ایڈیشن) کے شلوک ۱۱۹ اور شک اور پرجیا بھٹ نے اپنی راج ترنگنی کے

شلوک ۳۱۶ میں کیا ہے دونو کتابوں میں اسجگہ کا نام ان حملوں کے تذکرہ کے دوران
میں آیا ہے جو درہ زوجی لا کے اوپر سے کشمیر پر کئے گئے تھے انمیں سے پہلا تو بھوٹ
رنچن کا تھا اور دوسرا ۱۵۳۲ء میں مشہور مغل سردار مرزا حیدر کا دیکھو تاریخ رشیدی
صفحہ ۴۲۲- شک اور پرجابھٹ کی راج ترنگنی میں اس واقعہ کی تاریخ موسم خزاں
لوکک سمت ۶ آئی ہے یہ مرزا حیدر کی تاریخ جمادی الثانی ۹۳۹ھ (دسمبر ۱۵۳۲ء)
سے عین مطابق ہے۔ مرزا حیدر نے اس معرکہ کے جو حالات خود قلم بند کئے ہیں
ان سے اس خاص حوالہ کی جو شک اور پرجابھٹ نے گگن گری کے متعلق دیا ہے
کامل طور پر توضیح ہوتی ہے۔

دہودادن کا تنگ درہ۔ گگن گیری سے قریباً ۲ میل اوپر کیطرف دو چٹانی
شاخیں سمت مقابل سے وادی میں اتر کر ایک تنگ کھڈ کی صورت میں بنا
دیتی ہے۔ اب سے تھوڑی مدت پیشتر سڑک میں جو اصطلاحات عمل میں آئی ہیں
ان سے پہلے اس تنگ درہ کا راستہ نہایت دشوار گذار ہوا کرتا تھا کیونکہ دریا کے
دائیں کنارہ اور اس کے قریب اٹھنے والے بلند ٹیلوں کی درمیانی تنگ جگہ میں
بڑی بڑی چٹانیں راستہ روکے ہوئے ہیں سو وادی کا یہی مقام وہ ہے جسکا ذکر مرزا
حیدر نے لار کے تنگ درہ کے نام سے کیا ہے اور جہاں کشمیر کے مختلف والیان ریاست
نے بہادر ترکوں کی ہراول فوج کو روکنے کی بے سود کوششیں کی تھیں۔

کلہن کی راج ترنگنی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس جگہ پہلے بھی ایک موقعہ پر
لڑائی ہو چکی تھی جب راجہ سسل کی فوجوں نے ڈامر گرگ چندر کو گھر سے بھگا دیا۔
تو وہ معہ اپنے ہمراہیوں کے دہودادن نامی پہاڑ میں پناہ گزین ہو گیا اسجگہ اس
راجہ کی جو پہاڑ کے دامن میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے فوجوں نے بہت مدت تک ان
کا محاصرہ کئے رکھا۔ یہ بات واضح کیجا چکی ہے کہ دہودادن کا نام اب۔ دھرون نار

کی صورت میں جسے نقشہ پر ورنرد کھایا گیا ہے باقی ہے اور یہ نام اس بلند شاخ
کوہ کا ہے جو گگن گیر اور سن مرگ کے درمیان جنوب سے وادی سندھ میں داخل ہوتی
ہے عین اس شاخ کوہ کے دامن میں دریا مذکورہ بالا کھڈ میں سے ہو کر گذرتا ہے
اس سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ راجہ کے دشمن نے اپنے قیام کے لئے کونسی
جگہ منتخب کی تھی۔

گگن گیر چونکہ سطح سمندر سے ۷۴۰۰ فٹ بلند ہے اسلئے وہ وادی کا آخری سفلی
طور پر آباد مقام ہے۔ اس سے کوئی ۱۵ میل اوپر کیطرف ہم درہ زوجی لا میں پہنچتے ہیں
یہاں پر ہم گویا حدود کشمیر پر پہنچ گئے ہیں۔ جس کے ساتھ ہی ہماری جغرافیائی تحقیقات
بھی ختم ہوتی ہے۔

نوٹ نمبر ۱۵

کشمیر کے تیرتھوں کے مہاتم

ذیل میں ان مہاتموں کی فہرست درج کیجاتی ہے۔ جو سٹائین صاحب نے کشمیر میں حاصل کئے اسجگہ ان کے اندراج سے غرض صرف اس قدر ہے کہ معلوم ہو سکے کونسا مہاتم کس کتاب سے ماخوذ اور کس تیرتھ کے متعلق ہے۔

نمبر شمار	نام مہاتم	ماخذ	نام تیرتھ
۱	امرناتھ مہاتم	بھرنگی سنگھتا	امریشور
۲	امریشور کلپ	واتقل تنتر	”
۳	اردھناریشور مہاتم	آدی کلپ	اردھناریشور
۴	ایشانیہ مہاتم	بھرنگی سنگھتا	ایشیشور
۵	کپٹیشور مہاتم	ہرچرت چنتامنی	کپٹیشور یا پاپ سودن
۶	کپال موچن مہاتم	بھرنگی سنگھتا	کپال موچن
۷	کدار تیرتھ مہاتم	”	تیرتھ واقعہ دراہ کشتیر
۸	کدار پران		تیرتھ کا نام مشتبہ ہے
۹	کوٹی تیرتھ مہاتم	بھرنگی سنگھتا	کوٹی تیرتھ
۱۰	گنگو ںبھید مہاتم	آدی پران	ںبھید اتپر لاتد
۱۱	گیا مہاتم		گیا تیرتھ متصل شادی پور
۱۲	گیا مہاتم	بھرنگیش سنگھتا	”

نمبر شمار	نام مہاتم	ماخذ	نام تیرتھ
۱۳	گوداوری مہاتم	بھرنگی سنگھتا	گوداوری
۱۴	سیتا گنگا مہاتم		تیرتھ واقعہ گنگا بن ببروہ پرگنہ
۱۵	بسِشٹ دیوی مہاتم	بھرنگی سنگھتا	جیشٹھیشور
۱۶	تریپا پادربھاو	”	ایک چھوٹا سا تیرتھ متصل کنی کدل سرنگر
۱۷	تری سندھیا مہاتم	آدی پران سندیشور اوتار	تری سندھیا
۱۸	”	سندیشور اوتار از سری شوسوامن	”
۱۹	دھیانیشور مہاتم		کھوتی ہوم کی پہاڑی میں ایک تیرتھ
۲۰	سندی کشیتر مہاتم	سرو اوتار	سندی کشیتر تیرتھ
۲۱	نوبندھن مہاتم		نوبندھن
۲۲	نیگلیشور مہاتم	ہرچریت چنتامنی	ایک چھوٹا سا تیرتھ واقعہ نگلین جراتھ پرگنہ
۲۳	پشکر مہاتم	بھرنگی سنگھتا	پشکر تیرتھ
۲۴	بھوروپ کلپ	کشمیر تیرتھ مہاتم سنگرہ	بھوروپ ناگ
۲۵	بھدرکالی پرادربھاو	مہابھارت بن پرب	بھدرکالی
۲۶	مہادیوگری مہاتم	بھرنگی سنگھتا	کوہ مہادیو
۲۷	مہیشور کنڈ مہاتم	”	شاہ آباد پرگنہ میں کوئی مقام
۲۸	مارتنڈ مہاتم	”	مارتنڈ
۲۹	”	برہم پران کشمیر کھنڈ	”
۳۰	”	بھوشیت پران	”
۳۱	سترتھ مہاتم	آدی پران	
۳۲	یوگنی النگرن مہاتم		تیرتھ واقعہ چھل ڈل محلہ رینی ودر

نمبر شمار	نام مہاتم	ماخذ	نام تیرتھ
۳۳	راجنی پادر مہاد	بھرنگی سنگھنا	تول سومیہ تیرتھ
۳۴	راجنی مہاتم	״	״
۳۵	وراہ کشیتر مہاتم	وراہ پران	وراہ تیرتھ
۳۶	وردھمانیش مہاتم		وردھمانیش لستارہ
۳۷	وجیشور مہاتم	آدی پران	وجیشور تیرتھ
۳۸	״	بھرنگی سنگھتا	״
۳۹	وتسشٹھ مہاتم	״	وتسشٹھ کے تیرتھ
۴۰	״	آدی پران کشمیر کھنڈ	״
۴۱	مرداوتار		
۴۲	شاردا پور مہاتم	وتسشٹھ مہاتم	"پیاگ" واقعہ شاردی پور
۴۳	شاردا مہاتم	بھرنگی سنگھتا	شاردا تیرتھ
۴۴	״	آدی پران	״
۴۵	شارکا پرچھید	بھرنگی سنگھتا	شارکا پہاڑی
۴۶	شوین گنگا مہاتم	״	دگدہ گنگا
۴۷	سریشوری مہاتم	״	سریشوری تیرتھ
۴۸	سومبھو اگنی مہاتم	״	سومبھو
۴۹	ہرمکٹ گنگا مہاتم	״	ہرمکٹ جھیل مید
۵۰	ہردر اگنیش مہاتم	״	واقعہ وتین پور پرگنہ
۵۱	ہرشیشور مہاتم		ہرشیشور

نوٹ نمبر ب

پرگنہ جات کشمیر

ذیل کے جدول میں پرگنہ جات کشمیر کے وہ نام درج کیے جاتے ہیں جو کہ ابوالفضل مور کرافٹ، وان ہوگل، وگنی اور سیجر بیٹس کی فہرستوں میں درج ہیں انمیں سے آخرالذکر کی فہرست مکمل ترین ہے اور اسمیں مرز اور کمراز کے پرگنے الگ الگ دکھائے گئے ہیں جیسے کہ ذیل کے جدول میں درج کیے گئے ہیں۔

ان پرگنوں کے علاوہ جو ذیل کے جدول میں دیئے گئے ہیں، ابوالفضل نے کشمیر میں ذیل کے پرگنوں کو داخل کیا ہے۔ مرداردن (مدی وادن) بنی حال (بانہال) وچھن کھاراہ (وچن کھود یعنی وہ وادی جو بارہ مولہ سے نیچے دریائے وتشٹہ کے دونوں کناروں پر واقع ہے) اسی طرح مور کرافٹ نے پرگنہ دربد (دداربدی واقعہ وادی وتشٹہ) کرناڈ اور طاسرآباد کو اپنی فہرست میں دکھایا ہے جس سے آخرالذکر پرگنہ کے محل وقوع کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

اسجگہ یہ بات ظاہر کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ ٹیفن تھیلر صاحب نے اپنی کتاب ڈسکرپشن ڈی لا انڈ کے صفحہ ۹۷ پر پرگنوں کی جو فہرست درج کی ہے، وہ دراصل ابوالفضل کی فہرست پرگنہ جات ہی کی ادھوری نقل ہے رٹر صاحب نے اپنی کتاب ایشین کی جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۶ پر ٹیفن تھیلر کے درج کردہ عجیب ناموں کی توضیح ان معلومات کی بناء پر جو انہیں حاصل تھیں کرنے کی کوشش کی ہے۔

نمبر شمار	جدید نام	کس کس مورخ کی فہرست پرگنہ جات میں درج ہے	سنسکرت نام	کیفیت
علاقہ مراز (مدوراجیہ) کے پرگنہ جات				
۱	بھاک	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس	کھاکھودا (سرلوپ)	
۲	اتشن	مورکرافٹ، وان ہوگل، بیٹس		یہ پرگنے سکھوں کے عہد حکومت میں قائم کیے گئے تھے اور انہیں وہ گاؤں داخل تھے جو علی الترتیب سرینگر کے جنوب اور شمال میں واقع ہیں
۳	بلہ	″		
۴	اروائی	بیٹس		
۵	دیہی	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس	کھدووی (راج ترنگنی)	
۶	ولر	″ ″ ″ ″ ″ ″	ہولدا (″)	
۷	دیچن پور	″ ″ ″ ″ ″	وکشن پار (سریور)	
۸	کھوور پور	″ ″ ″ ″ ″	واسپارشو (جون راج)	
۹	متن	″ ″ ″ ″ ″	مارتنڈ (″)	
۱۰	اینچ (اننت ناگ)	″ ″ ″ ″ ″		مورکرافٹ، وان ہوگل نے اسے اسلام آباد ہی لکھا ہے ابوالفضل نے اینچ لکھا ہے سنسکرت نام صرف ترنگ کے لئے استعمال ہوتا ہے
۱۱	کپٹار	″ ″ ″ ″ ″	کپٹیشور (راج ترنگنی)	
۱۲	برنگ	″ ″ ″ ″ ″	بھرنگ (لوک پرکاش)	
۱۳	شاہ آباد (ویر)	″ ″ ″ ″ ″		مورکرافٹ نے اس پرگنہ کا نام ویر ہی لکھا ہے
۱۴	دومسر	″ ″ ″ ″ ″	دیوسرس	
۱۵	آدون	″ ″ ″ ″ ″	کرال (راج ترنگنی)	
۱۶	زین پور	ابوالفضل، وان ہوگل، وگنی، بیٹس	دنیزادہون (جون راج) جین پور (جون راج)	
۱۷	بوٹ	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس		وان ہوگل اور وگنی صاحبان نے اس پرگنہ کا نام اس کے صدر مقام کے نام پر شوپین شہر لکھا ہے
۱۸	سوپر سامن	″ ″ ″ ″ ″		

نمبر شمار	جدید نام	کس کس مورخ کی فہرست پرگنہ جات میں درج ہے	سنسکرت نام	کیفیت
۱۹	شکرو	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس		
۲۰	شادر	وان ہوگل، وگنی، بیٹس		
۲۱	چراٹھ	وگنی، بیٹس		
۲۲	سائر المواضع بالا	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس		
۲۳	ناگام	” ”	ناگرام (راج ترنگنی)	
۲۴	بیچ	” ”	کشکال (سرلویہ)	
		علاقہ کمراز (کرم راجیہ) کے پرگنہ جات		
۲۵	دنتس	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس	دواونتی (لوک پرکاش)	
۲۶	بیرو	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، بیٹس	بھوروپ (جونراج)	
۲۷	پانچ ہوم	مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس		
۲۸	پرسپور	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، بیٹس	پریہاسپور (راج ترنگنی)	
۲۹	سائر المواضع پائین	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس		
۳۰	اندرکوٹ	ابوالفضل، مورکرافٹ	اکھینترکوٹ (راج ترنگنی)	
۳۱	بانگل	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس	بھانگل (راج ترنگنی)	
۳۲	پٹن	ابوالفضل	پٹن (راج ترنگنی)	
۳۳	تلگام	ابوالفضل، مورکرافٹ، وگنی، بیٹس	تل گرام (شکا [illegible] بھٹ کی راج ترنگنی)	
۳۴	کھوئی	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، بیٹس		اس مقام پر، نقشہ پر کوئی ہی لکھا ہے اور یہ پٹن اور تلگام کے شمال میں ایک چھوٹا سا علاقہ ہے
۳۵	کروہن	ابوالفضل، مورکرافٹ، وان ہوگل، وگنی، بیٹس	کرودہسن (لوک پرکاش)	
۳۶	ہمل	مورکرافٹ، وگنی، بیٹس	شمالا (راج ترنگنی)	

نمبر شمار	جدید نام	کس کس مورخ کی فہرست پرگنہ جات میں درج ہے	سنسکرت نام	کیفیت
٣٧	کچھی پور	مورکرافٹ۔ وگنی۔ بیٹس		
٣٨	اتر	۔ وگنی۔ بیٹس	اتر (راج ترنگنی)	
٣٩	لولاؤ	مورکرافٹ۔ وان ہوگل۔ وگنی۔ بیٹس	لولاہ (راج ترنگنی)	
٤٠	زین گیر	ابوالفضل۔ مورکرافٹ۔ وان ہوگل۔ وگنی۔ بیٹس	جین گری (جیون راج)	
٤١	کھوئی ہاموم	″ ″ ″ ″	کھوئی آشرم (راج ترنگنی)	
٤٢	لار	مورکرافٹ۔ وان ہوگل۔ بیٹس	لھر (راج ترنگنی)	

تمت

معذرت

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں مجھے پورے ڈیڑھ سال تک ہر روز اٹھارہ گھنٹے کام کرنا پڑا ہے۔ پھر بھی اس وجہ سے کہ مجھے اس کی کاپیاں اور پروف دوبارہ دیکھنے کا وقت نہیں مل سکا کاتبوں اور سنگسازوں کی عنایت سے عبارت میں پیدا شدہ غلطیوں میں سے بعض کی صحت نہیں ہو سکی۔ براہ مہربانی ان کو خود درست کر لیں۔ (مترجم)
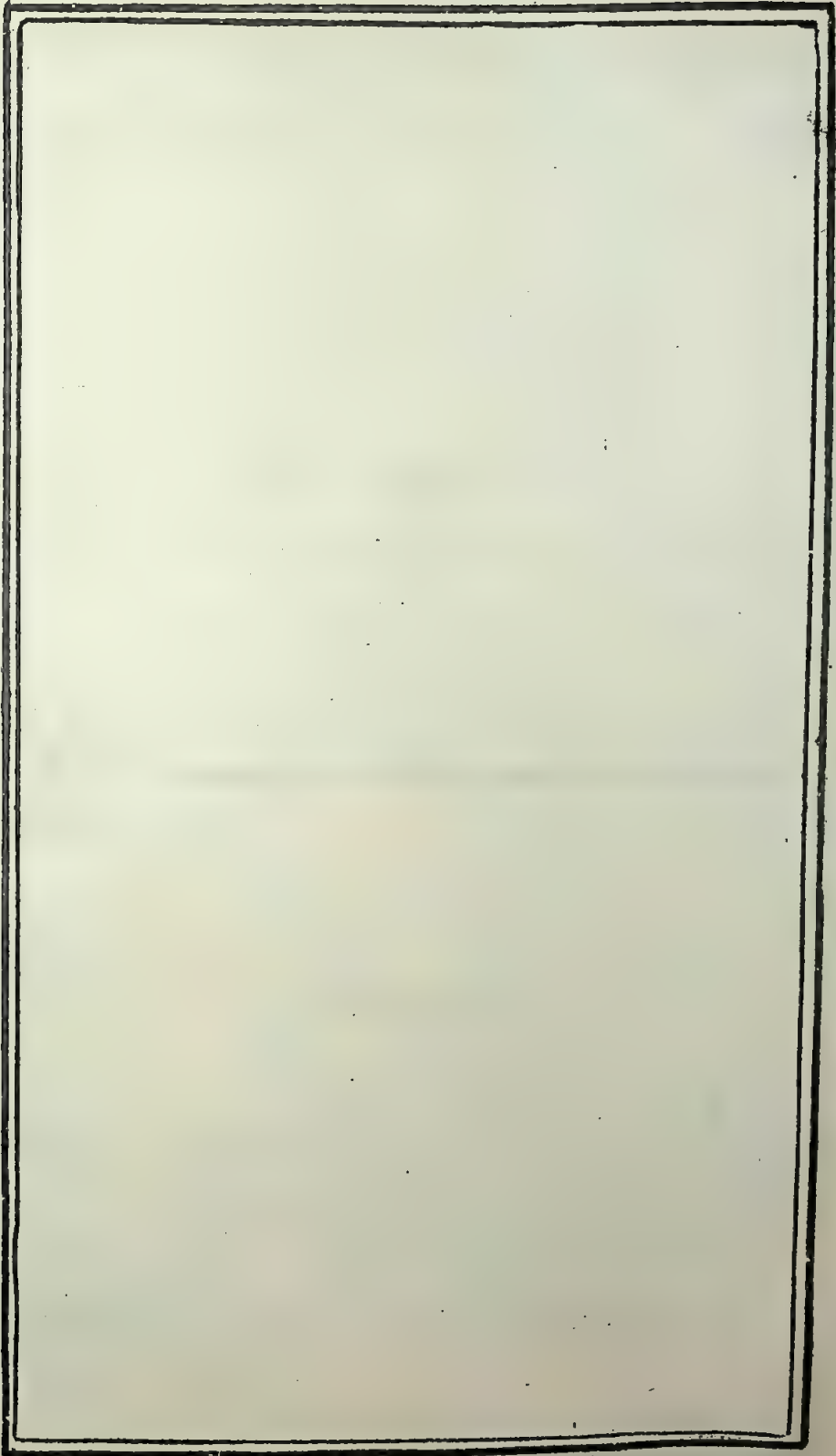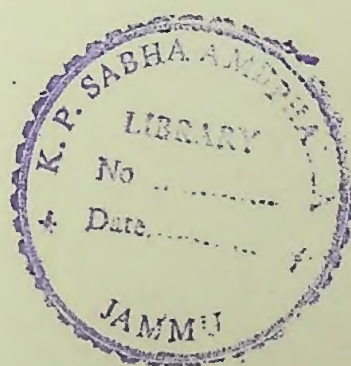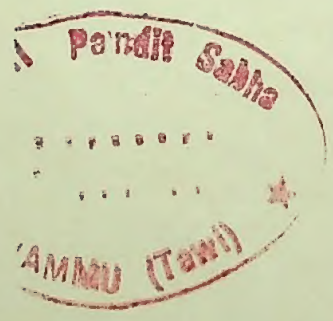
भगवान्‌की प्राप्ति ही इच्छासे होती है। इच्छा जहाँ यथेष्ट, तीव्र एवं अनन्य हुई कि भगवान् मिले। भगवान्‌को छोड़कर अन्य कोई भी पदार्थ हमारी इच्छापर निर्भर नहीं है। जगत्‌के सभी प्राणी चाहते हैं कि सुख मिले, दुःख नहीं; किंतु अधिकांश-को दुःखकी ही उपलब्धि होती है। अतएव जड पदार्थोंके लिये इच्छा करना मूर्खता है; इच्छा करनेसे जड पदार्थ प्राप्त नहीं होते। उनके लिये पूर्वकृत कर्मोंका फलरूप प्रारब्ध चाहिये और वह अब हमारे हाथमें नहीं; पर भगवान्‌के लिये तीव्र इच्छा करनेपर वे अवश्य मिल सकते हैं। अतः भगवान्‌को प्राप्त करनेकी इच्छा करनी चाहिये और उसे यथेष्ट, तीव्र एवं अनन्य बनानेका प्रयत्न करना चाहिये।

—इसी पुस्तकसे